قرآن وحدیث کے حوالہ جات سے مزین، فکرِ رضا کے موافق،
حالات وواقعات کے مناسب، علماء وخطبا میں مقبول
اور اکابر کے پسند فرمودہ

خطباتِ نظامیہ ۱۴۴۶ھ



مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

مرکزی دفتر

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

طبعِ خطباتِ نظامیہ حسیں کاوِش ہے	علمی تحقیقی جواہر سے سجی بارش ہے
اے خدا اُس پہ کرم بہرِ خطیبِ محشر	جس کی بھی اِن کی اِشاعت کے لیے کوشش ہے

جملہ حقوق بحقِ مجلسِ علماءِ نظامیہ محفوظ ہیں

نام کتاب: خطباتِ نظامیہ 1446ھ

مرتّبین: مجلسِ خطباتِ نظامیہ

پروف ریڈنگ: مولانا محمد اویس رضا قادری، مولانا محمد واصف رضا قادری
مولانا محمد توصیف الرحمٰن رضوی، مولانا محمد احسان الحق قادری

ڈیزائننگ / اشاعت: مولانا محمد معین الدین، قرآن ہاؤس (اُردو بازار لاہور)

اشاعت بارِ اول: ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ / ستمبر 2025ء

ناشر: مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

درج ذیل مقامات سے طلب فرمائیں

مرکزی دفتر مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور	0315-7374429
مکتبہ اہلِ سنت جامعہ نظامیہ رضویہ	0333-4910886
سیالوی پبلی کیشنز، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور	0344-4466549
مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، لاہور	0321-7226193
نظامیہ کتاب گھر، زبیدہ سنٹر، اُردو بازار، لاہور	0301-4377868
فضلِ حق پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور	0300-4798782

اجمالی فہرست

⇐ منظوم خراجِ تحسین iv
⇐ معروضہ vi
⇐ فہرستِ خطبات xii
⇐ خطباتِ نظامیہ 1446ھ 1
⇐ مصادر و مراجع 520

چودہ سو چھیالیس کے خطبات چھپے ہیں

کلام: شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی [1]

توفیقِ خدا سے سبھی اسباب ہوئے ہیں
چودہ سو چھیالیس کے خطبات چھپے ہیں

مکّہ میں مدینہ میں جو آقا نے دیے تھے
اُن خطبوں کے فیضان سے یہ خطبے لکھے ہیں

مجلس علماء کی ہے نظامیّہ میں فعّال
کاوش سے اِسی کی ہمیں یہ تحفے ملے ہیں

مذکور ہے ہر ایک عبارت کا حوالہ
تحقیق کے زیور سے مضامین سجے ہیں

اِن میں ہے سلیقے سے ہر اِک بات کا اظہار
مَبحَث کے مطابق حَسیں عنوان لگے ہیں

تفسیر، احادیث، کلام اور فقاہت
یہ خطبے اِنہی علمی نگینوں سے بھرے ہیں

صَدہا علماء و خطبا کے لیے ثاقبؔ
خطباتِ نظامیہ مددگار بنے ہیں

---

[1] مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے 2001ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ سے فراغت حاصل کی اور جامعہ برکات العلوم، گلبرگ لاہور میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

علم و حکمت کی باران خطبات ہیں

نتیجۂ فکر: مولانا علی رضا فخری [1]

علم و حکمت کی باران خطبات ہیں
اور اکابر کا فیضان خطبات ہیں

گلشنِ دیں کی مہکار خطبات ہیں
آگہی سے پُر انوار خطبات ہیں

مخزنِ وعظ و اصلاح خطبات ہیں
اور خطابت کی مفتاح خطبات ہیں

سب کے نزدیک مقبول خطبات ہیں
باغِ تبلیغ کا پھول خطبات ہیں

ماحیِ شک و اَوہام خطبات ہیں
صاحبِ علم کا جام خطبات ہیں

مسلکِ حق کی بُرہان خطبات ہیں
مکتبِ علم کی شان خطبات ہیں

مستند معتبر سارے خطبات ہیں
معتمد مفتخر پیارے خطبات ہیں

جامعِ مبحثِ فقہ و تفسیر ہیں
فکرِ غوث و رضا کی یہ تعبیر ہیں

اِن میں احکامِ دیں اور مسائل بھی ہیں
مصطفیٰ کے نرالے شمائل بھی ہیں

ہر عبارت کا اِن میں حوالہ بھی ہے
جملہ خطبوں کا اِن میں خلاصہ بھی ہے

مجلسِ علم کی محنتوں کا ثمر
سارے خطبات ہیں بے بدل پُر اثر

سارے خطبات آیات سے ہیں سجے
سیرتِ مصطفیٰ کے ہیں گلشن کھلے

اِن پہ تحقیق کے ہیں نگینے جڑے
ان کو ہر طالبِ علم لازم پڑھے

سب مضامین کے ہیں عناوین بھی
اولیا کے ہیں فخریؔ فرامین بھی

---

[1] مولانا علی رضا فخری نے 2024ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ سے فراغت حاصل کی اور ریس کورس، جیلانی پارک میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

معروضہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم و شعور سے سرفراز فرما کر دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ انسان ہی ہے جو سوچتا اور سمجھتا ہے، اچھے بُرے کا فیصلہ کر سکتا ہے اور پھر اچھائی کو اختیار کر کے اپنی دُنیا و آخرت کو بہتر بنا سکتا ہے۔

یہ بھی حضرت انسان کا ہی اعزاز ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر / احساسات و خیالات (Sentiments and Reflections) کو مختلف ذرائع سے دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ خالقِ کائنات جَلَّ مَجْدُہٗ نے انسان کو لکھنے کی صلاحیت سے بھی نوازا ہے، اِشارات و عمل (Body language) کے ذریعے اظہار کا سلیقہ بھی سکھایا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو فصیح و بلیغ الفاظ زبان کے ساتھ بولنے کی قوّت بھی عطا فرمائی ہے۔

نہایت خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوّتِ گویائی کو اُس کے دین کا پیغام پہنچانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بلاشبہ رضائے اِلٰہی کی جستجو اور خوشنودیِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی تڑپ میں دین کی سربلندی اور حق کے فروغ کے لیے زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ میزانِ حسنات کی تثقیل و ترفیع میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے اور سعادتِ دارَین کا ذریعہ ہے۔

ابلاغِ دین کے لیے خطبہ دینا سنتِ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَات ہے، امام الانبیاء ﷺ بھی فصاحت و بلاغت کو حُسن کی معراج عطا کرنے والے اور ظاہر و باطن کو نورٌ علیٰ نور بنانے والے خطبات ارشاد فرماتے، بلکہ آپ ﷺ کا تو یہ انفرادی اعزاز ہے کہ آپ خطیبِ محشر ہیں اور روزِ حشر حسرت و یاس کے ماحول میں آپ ہی کا خطبہ ٹوٹے دلوں کی ڈھارس بندھائے گا۔

ذخیرۂ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ افصح الفُصحا و ابلغ البُلغا ﷺ کے خطباتِ عالی شان متعدد خوبیوں سے آراستہ ہوتے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- جوامِع الکلم سے مزیّن ہوتے۔
- ضرورت و تقاضائے حال کے مطابق اعتقادی و عملی راہ نمائی پر مشتمل ہوتے اور ایک ایک لفظ با مقصد و بر محل ہوتا۔
- اگرچہ فصاحت و بلاغت کو زینت دینے والے کلمات سے آراستہ ہوتے، مگر یہ فصاحت فہمِ عوام میں خلل انداز نہ ہوتی، بلکہ ہر سامع مقصود کو سہولت کے ساتھ سمجھ جاتا۔
- حسبِ موقع اختصار و طوالت کا لحاظ کیا جاتا، تاہم اُن سے اُکتاہٹ و ملال پیدا ہونے کی کبھی بھی نوبت نہیں آتی تھی۔
- آیاتِ کریمہ سے تبرک و استشہاد کے ساتھ ساتھ اقتضائے طبائعِ عوام کے تحت پُرکشش امثلہ اور سبق آموز واقعات بھی خطبات کا حصہ ہوتے۔

❖ ایسے ٹھہراؤ، وقار اور متانت سے آراستہ ہوتے تھے کہ سننے والا کلمات کی تعداد بھی شمار کر سکتا تھا۔

❖ ادائے خطبات میں سرورِ عالَم ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ، صوت مبارک کا علوّ اور جسمِ اطہر کی ادائیں بھی سامع کو مقصود تک پہنچانے میں خوب کردار ادا کرتیں۔

بلاشبہ وبلامبالغہ امام الانبیا ﷺ القائے خطبات میں بھی اُسوۂ حسنہ ہیں۔ عصرِ حاضر میں اگرچہ خطبا کی ایک تعداد خطباتِ نبویہ کے اُسلوب سے راہ نمائی لیتی ہے اور دینی تقاضوں کا لحاظ کرتی ہے، مگر ایک بڑی تعداد ایسے خطبا کی بھی ہے جنھوں نے خطابت کو پیشہ بنا رکھا ہے اور اِس کے ذریعے ابلاغِ دین کے بجائے اپنی دکان چمکا رہے ہیں۔

شارحِ مشکوٰۃ حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ (1894–1971ء) نے اپنے دردِ دل کا اِظہار کرتے ہوئے لکھا: فی زمانہ واعظین "عمل" کا وعظ ہی نہیں کرتے... شعر خوانی، خوش اِلحانی، قصّے کہانی میں وقت پورا کرتے ہیں۔ عام جلسے گویا حلال سینما ہیں؛ کہ سننے والے بھی تماشائی ذہن، عیاش ہوتے ہیں۔ ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب مسلمان علما کے وعظ سن کر بعد میں یاد کرتے تھے کہ مولوی صاحب نے آج فلاں فلاں مسئلہ بیان کیا ہے۔[1]

خطابت کے تقاضوں کی اہمیت کا اندازہ اِس بات سے کیجیے کہ مصوّرِ جامعہ نظامیہ رضویہ، محدثِ اعظم پاکستان، علامہ سردار احمد چشتی قادری علیہ الرحمہ (1906–1962ء) خطبۂ جمعہ میں ایک حدیثِ مبارک بیان فرمانا چاہتے تھے جو امامِ اہلِ سنّت، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "اَلْاَمْنُ وَالْعُلٰی لِنَاعِتِی الْمُصْطَفٰی بِدَافِعِ الْبَلَاء"[2] میں مسندِ امام احمد کے حوالے سے درج ہے، اگرچہ امامِ اہلِ سنّت جیسے محقق کا رسالہ قابلِ اعتماد حوالہ ہے، مگر آپ نے تربیت کے لیے اُس حدیثِ پاک کو اصل مأخذ سے دیکھنا ضروری خیال فرمایا، اُس وقت مسندِ امام احمد کا نسخہ فیصل آباد میں دستیاب نہیں تھا، چنانچہ آپ نے ایک شخص کو کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ) بھیجا اور وہاں سے مسند منگوا کر خود حدیثِ مبارک کو ملاحظہ کیا، پھر اُسے خطبۂ جمعہ میں بیان فرمایا۔[3]

علم کے سمندر دلیل کا ایسا التزام کرتے تھے، مگر ہمارے دَور کے خطبا کا انداز... الامان والحفیظ!

معمارِ جامعہ نظامیہ رضویہ و تنظیم المدارس اہلِ سنت، مفتیٔ اعظم پاکستان، علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ (م:2003ء) نے 1994ء میں مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، جس کے بنیادی مقاصد میں ابنائے جامعہ نظامیہ کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ عوام وخواص کے عقائد کا تحفّظ اور فکرِ رضا کی ترویج واِشاعت بھی تھا۔

---

[1] مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث: مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي بِقَوْمٍ، رقم:4800

[2] مشمولہ در فتاوٰی رضویہ، ج:30، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ

[3] حیاتِ محدثِ اعظم پاکستان، ص:81، 82، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن

۲۰ صفر ۱۴۴۱ھ / 20 اکتوبر 2019ء کو مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے سالانہ علماء کنونشن میں راقم کو مجلس کا مرکزی ناظمِ اعلیٰ مقرر کیا گیا، پھر تاحال "چھٹی" نہیں ملی۔

خطباتِ نبویہ کا اسلوب اختیار کرنے میں سُستی، علمی ثقاہت ورُسوخ کی کمی اور ذوقِ مطالعہ کے فقدان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے احباب سے مختصر مشاورت کے بعد طے پایا کہ مجلس کی طرف سے درج ذیل خوبیوں کا حامل خطبۂ جمعہ نشر کرنے کا سلسلہ شروع کیا جائے:

⇐ بامقصد، مؤثّر اور مقتضی الحال کے مطابق ہو۔

⇐ منتخب موضوع پر قرآن وسنّت کے دلائل، اہم فقہی مسائل، پُرکشش امثلہ، پُرمغز اشعار اور اثر انگیز واقعات سے مزین ہو۔

⇐ مواد مرتّب ہو... جو مفید تمہید، عمدہ صُلب اور حُسنِ ختام کی صورت میں تلخیصِ موضوع کو محیط ہو۔

یہ بات باعثِ تشویش تھی کہ ایسا کرنے سے کتب بینی اور محنت سے تیاری کرنے کا جذبہ متأثر ہو سکتا ہے، مگر دوسری طرف خطبا کی ناگفتہ بہ صورتِ حال کے پیشِ نظر رائے ٹھہری کہ اِس سلسلہ کی افادیّت کا پہلو راجح ہے۔

چنانچہ 13 دسمبر 2019ء کو "حواس کا صحیح استعمال" کے عنوان سے سوشل میڈیا کے ذریعے پہلا خطبۂ نظامیہ نشر ہوا، بحمد اللہ تعالیٰ بغیر تعطل کے یہ سلسلہ جاری ہے اور تادمِ تحریر 300 سے زائد خطبات نشر ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے سرورِ عالم ﷺ کے طفیل خطباتِ نظامیہ کو قبولِ عام سے نوازا۔ علماء وخطبا بھی خطبۂ جمعہ وغیرہ میں اِن سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور دیگر علمی شعبوں / عصری تعلیمی اداروں سے تعلق رکھنے والے افراد... جو مسندِ خطابت پر فائز نہیں... وہ بھی اِس کے مطالعہ سے اپنے علم ودانش میں اِضافہ کرتے ہیں اور دُنیا بھر سے مرکزی دفتر کو داد وتحسین کے پیغامات موصول ہوتے رہتے ہیں۔

تصنیف وتالیف سے تعلّق رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ خطبۂ نظامیہ جیسی "معیاری تحریر" کی تیاری نہایت محنت طلب امر ہے، جس کے لیے کئی مراحل طے کرنا ہوتے ہیں۔ موضوع کا انتخاب، مستند علمی مواد کی جمع آوری، پھر اُس کی تحریر وترتیب، عرق ریزی کے ساتھ مکرّر پروف ریڈنگ اور مہارت کے ساتھ تزیین... یہ سب مراحل دشوار گزار ہیں، جو محض رحمتِ الٰہی سے طے ہوتے ہیں۔

مجلسِ خطباتِ نظامیہ میں شامل علمائے ذی شان کی تعداد کو دیکھ کر شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (م: 1981ء) کا یہ حوصلہ افزا قول یاد آتا ہے: بڑے کاموں کی بنیاد ہمیشہ مختصر جماعت کے ہاتھوں سے قائم ہوتی چلی آئی ہے اور یہ سنتِ مستمرّہ الٰہیہ ہے۔[1]

---

[1] فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ج:4، ص:126، ملخصًا، ناشر: انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ، کراچی

اِظہارِ تشکّر اور قارئین سے دُعاؤں کے حصول کی خاطر چند افراد کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ استاذ العلما مولانا قاری احمد رضا سیالوی (سینئر مدرّس ونائب ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور وناظمِ مالیات مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان)، استاذ العلما ابو داؤد مولانا محمد فاروق شریف قادری (سینئر مدرّس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور وناظمِ نشرواِشاعت مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان)، نوجوان محقّق مولانا محمد اویس رضا قادری (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ ومدرّس جامعۃ الحبیب ایجوکیشنل سسٹم، لاہور) اور نوخیز مدقّق مولانا محمد واصف رضا قادری (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ ومدرّس جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام، لاہور) کی خصوصی اِعانت ہر خطبہ میں شامل رہتی ہے۔

برائے تصدیق استاذ العلما مفتی محمد اکمل قادری رضوی (دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ) اور استاذ العلما مفتی ضمیر احمد مرتضائی (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ وبانی ادارۃ الاسلام انٹرنیشنل پاکستان، لاہور) باقاعدگی کے ساتھ خطبہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ موضوع کے انتخاب سے متعلق استاذ العلما ڈاکٹر محمد ابو بکر صدیق الازہری، استاذ العلما ڈاکٹر محمد فیض رسول سیالوی زُود نویس لکھاری مولانا محمد طاہر عزیز باروی اور فاضل محقّق مولانا محمد عاصم محبوب رضوی (مدرّس جامعہ نظامیہ رضویہ) گاہے گاہے اپنی گراں قدر آرا سے نوازتے ہیں۔ سوشل میڈیا کے ذریعہ خطبہ کی اشاعت اور دیگر دفتری اُمور سے متعلق مولانا محمد سمیع اللہ سیالوی (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ وناظمِ دفتر مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان) کی کارکردگی بھی لائقِ تحسین ہے۔ باری تعالیٰ سب کی کاوشوں کو شرفِ قبول سے نوازے!

علماء وخطبا کا اِصرار تھا کہ اِفادیت میں اِضافہ کے لیے خطباتِ نظامیہ کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ حافظِ ملّت، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی دامت برکاتہ العالیہ (پ:1949ء) کی دُعاؤں اور صدرِ مجلسِ علماءِ نظامیہ شیخ الحدیث ڈاکٹر فضلِ حنان سعیدی مدظلہٗ (پ:1967ء) کی اجازت وتائید سے 1444ھ اور 1445ھ کے خطبات کی اِشاعت کے بعد اب 1446ھ میں نشر ہونے والے 52 خطباتِ نظامیہ نظرِ ثانی اور دیگر مراحل طے کرنے کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔

خطباتِ نظامیہ کی تیاری میں درج ذیل اُمور کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے:

⟸ موضوعات کے انتخاب سے تحریر وترتیب تک تمام مراحل میں اِصلاحِ عقائد واعمال کو مطمحِ نظر رکھا گیا ہے، تاہم ذکرِ فضائل سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا گیا۔

⟸ تمام خطبات میں فقط اُنہی اُمور کو ذکر کیا گیا ہے جن کا منتخب موضوع سے براہِ راست یا بالواسطہ تعلق ہے۔

⟸ خطبات کو آیاتِ کریمہ، احادیثِ طیّبہ اور کلماتِ اکابر کے ساتھ ساتھ اثر انگیز واقعات اور پُر مغز اشعار سے بھی مزیّن کیا گیا ہے۔

⟸ آیاتِ کریمہ کو قرآنی رسم الخط کے عین مطابق تحریر کیا گیا ہے۔

⟸ آیاتِ کریمہ اور احادیثِ طیبہ کے تراجم کو واوین (“”) کے درمیان رکھا گیا ہے۔

⟸ احادیثِ طیّبہ کے الفاظ پر تحقیق کے ساتھ حرکات وسکنات اور اعراب کا التزام کیا گیا ہے۔

⟸ حسبِ ضرورت متعدد مقامات پر احادیثِ کریمہ کی فنّی حیثیت کو بھی تحریر کیا گیا ہے۔

⟸ اگر کسی حدیثِ مبارک کے الفاظ کتبِ احادیث میں مختلف تھے تو حوالہ میں پہلے اُس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے، جس کے الفاظ خطبہ میں درج ہیں۔

⟸ آیاتِ کریمہ واحادیثِ طیّبہ کے لفظی ترجمہ کے بجائے تراجم وتفاسیر اور شروح کے گہرے مطالعہ کے بعد اُن کی روشنی میں مفہومی تراجم ذکر کیے گئے ہیں۔

⟸ تراجم وتشریحات کے لیے جن تفاسیر وشروح سے راہ نمائی لی گئی اُن کے حوالہ جات بھی مذکور ہیں اور بہت سے مقامات پر حاشیہ میں اُن کی عربی عبارات کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

⟸ فقط مستند، راجح اور معمول بہا اُمور کو ذکر کیا گیا ہے، ناقابلِ اعتماد، مرجوح اور منسوخ اُمور کو ذکر نہیں کیا گیا۔

⟸ عوام میں فقہی شعور کی بیداری کے لیے موضوعات کی مناسبت سے کثیر مسائلِ شرعیہ کو بھی باحوالہ ذکر کیا گیا ہے۔

⟸ ہر خطبہ میں ابتدا سے اختتام تک کلام کو مربوط رکھنے کا التزام کیا گیا ہے۔

⟸ ہر خطبہ کے آخر میں موضوع کے مناسب واہم اُمور کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مضمونِ خطبہ کی تلخیص کی گئی ہے۔

⟸ تمام خطبات کا اختتام مختصر ”شرعی مسئلہ“ پر کیا گیا ہے؛ تاکہ جملہ سامعینِ خطبہ کے لیے ایک مختصر اور اہم پیغام ہو جائے۔

⟸ ہر خطبہ کے شروع میں تاریخِ اِشاعت مسطور ہے؛ تاکہ حالات کی مناسبت سے ذکر کردہ اُمور کا پس منظر سمجھنے میں آسانی ہو۔

⟸ درج ذیل طریقے سے تمام اُمور کے مکمل حوالہ جات ذکر کیے گئے ہیں:

- آیاتِ کریمہ کے حوالہ جات میں قوسین کے درمیان سورت کا نام اور نمبر، پھر نقطتین کے بعد آیت نمبر مسطور ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ایک سو پچیس کا حوالہ یوں درج ہے: [البقرۃ125:02]۔
- صحاحِ ستہ اور دیگر مشہور کتبِ احادیث کے حوالہ جات میں کتب کے اسما اور عالمی ترقیم کے مطابق احادیث کے ارقام ذکر کیے گئے ہیں، دیگر کتب کے حوالہ جات میں کتب کے اسما کے ساتھ مجلدات اور صفحات کے نمبرز بھی مذکور ہیں۔

⟸ تسہیلِ استفادہ کے لیے حتّی الامکان آسان الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور مشکل اصطلاحات واشعار کی حاشیہ میں تشریح کر دی گئی ہے۔

⟸ قلیل الاستعمال اور غلط العوام الفاظ کی درست ادائیگی کے لیے اُنھیں اعراب سے مزیّن کیا گیا ہے۔

⟸ اُردو کے جدید رسم الخط کے مطابق اِملا، رُموزِ اوقاف اور پیرابندی کا التزام کیا گیا ہے۔

⟸ مکرّر پروف ریڈنگ کی گئی ہے؛ تاکہ اغلاط کا اِمکان نہ ہونے کے برابر ہو۔

⟸ کتاب کے شروع میں خطبات کی تفصیلی فہرست شامل کر دی گئی ہے؛ تاکہ مطلوبہ مواد تک رسائی آسان ہو۔

⟸ مصادر ومراجع کی فہرست مع اسمائے مؤلفین وتفصیلِ مطابع شامل کر دی گئی ہے؛ تاکہ محوّلہ عبارات تک رسائی سہل ہو۔

قارئین کے لیے یہ بھی امر باعثِ مسرّت ہو گا کہ خطبات نظامیہ کی ویب سائٹ تیار ہو چکی ہے، جہاں 1444ھ سے تاحال نشر ہونے والے تمام خطبات PDF میں دستیاب ہیں اور کسی بھی عنوان کو لکھ کر تلاش کیا جا سکتا ہے۔[1]

خطبہ سمیت ہر امر محض رضائے اِلٰہی کی خاطر ہونا چاہیے۔ رحمتِ عالَم ﷺ سے مرسلًا مروی ہے: مَا مِنْ عَبْدٍ يَخْطُبُ خُطْبَةً إِلَّا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ سَائِلُهُ عَنْهَا مَا أَرَادَ بِهَا؟ "جو شخص بھی خطبہ دے اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا کہ کس لیے خطبہ دیا تھا؟" (رضائے اِلٰہی اور دعوتِ دین مقصود تھی یا جوشِ خطابت کی دھاک جمانا مطلوب تھا؟) یہ ارشادِ نبوی روایت کر کے حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ اتنا روتے کہ اُن میں مزید گفتگو کی ہمت باقی نہ رہتی۔[2] راقم بھی دُعا گو ہے اور قارئین سے بھی التماسِ دُعا ہے کہ باری تعالیٰ سب کو اخلاص کی توفیق سے نوازے۔

خطباتِ نظامیہ کے تمام محاسن رحمتِ الٰہی، نگاہِ مصطفوی اور عنایتِ اکابر سے ہیں، تاہم اگر کوئی خامی رہ گئی ہے تو وہ ہماری کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ قارئینِ گرامی قدر اِن کے حُسن میں اِضافہ یا اصلاح کے لیے تجاویز دینا چاہیں یا سوشل میڈیا کے ذریعے ہر جمعرات کو خطبۂ نظامیہ حاصل کرنا چاہیں تو مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے مرکزی دفتر سے رابطہ کریں۔[3]

غبارِ راہِ پیر سیال

شکور احمد ضیاء سیالوی

مدرّس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

وناظمِ اعلیٰ مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ / 15 ستمبر 2025ء

---

[1] وزٹ کیجیے: https://khutbatenizamia.com/

[2] "الزهد" للإمام أحمد بن حنبل، ص:262، رقم الحديث: 1889، دار الكتب العلمية۔ "شعب الإيمان" للبيهقي، ج:3، ص:280، رقم الحديث: 1649، مكتبة الرشد

[3] برائے رابطہ: 03157374429

فہرستِ خطبات

۵ محرم الحرام	سالارِ کربلا کی کربلا میں جلوہ گری	12 جولائی

- سالارِ کربلا... جرأت و شجاعت کا استعارہ 1
- یزیدی کرتوتوں اور حسینی کردار کی غیبی خبر 2
- یزید کی تخت نشینی اور سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کا بیعت سے انکار 3
  - یزید کو ولیِ عہد بناتے ہوئے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دُعا 3
  - سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کے لعابِ دہن کی برکت 4
- سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کی کوفہ کی طرف روانگی اور اُس کا سبب 4
  - سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور ایک حکم 5
- کوفہ کی ناکابندی اور سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کی کربلا میں جلوہ گری 6
  - خواب میں شہادتوں کی خبر اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی استقامت 6
- سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کی حیاتِ ظاہری کے آخری لمحات 7
  - سالارِ کربلا کا سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا کو تسلّی دینا اور صبر کی وصیت فرمانا 7
- حرفِ آخر... محرم الحرام اور ذکرِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ 8
- شرعی مسئلہ: محرم کے ابتدائی ایام میں سیاہ، سبز اور سرخ لباس کی ممانعت 9

۱۲ محرم الحرام	اسلامی تاریخ کا مطالعہ... ضرورت، اہمّ اُصول اور چند مسلّمہ عقائد	19 جولائی

- اسلامی تاریخ کا حُسن اور اُس کے مطالعہ میں افراط و تفریط 11
- مطالعۂ تاریخ کی اہمیت 12
- مطالعۂ تاریخ کے اہم اُصول 13
  - صدق و کذب کی پرکھ اور قرآن و سنت کے تابع ہونا 13
  - نشر سے پہلے علما سے تصدیق اور فتنہ پروری سے اجتناب 14
  - ضعیف تاریخی روایات سے فضائل کا اثبات 14
- مسلّمہ عقیدہ.... نسبتِ نبوی والے ہر فرد کی تعظیم 15

- مسلّمہ عقیدہ.... دلوں کو کدورت سے پاک رکھنا 16
  - صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے گستاخوں پر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا سخت جلال 16
- مسلّمہ عقیدہ.... مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق خاموشی 17
  - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اذیت دینے سے اجتناب کا تاکیدی حکم فرمانا 17
- حرفِ آخر... مطالعۂ تاریخ کے اصول اور غزّہ کی تاریخ 18
- شرعی مسئلہ: مَرد کے لیے انگوٹھی اور دیگر زیورات کا حکم 19

۱۹ محرم الحرام	**دوستی کے اثرات، معیار اور تقاضے** (عالمی یومِ دوستی کے موقع پر... مع تبصرہ بر فیصلہ سپریم کورٹ)	26 جولائی

- عالَمِ ارواح میں روحوں کا باہمی تعلّق 21
- دوستی کے اثرات 22
  - دورانِ طواف اپنے بجائے دوستوں کے سنورنے کی دُعائیں کرنے والے شخص کا حسین کلام 22
- دوستی میں اعتدال 23
- دوستی کا معیار 24
  - بہترین دوست 25
- دوستی کے آداب اور تقاضے 26
- فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور دوست کی اصلاح و خیر خواہی 27،26
- حرفِ آخر... تلخیصِ خطبہ اور سپریم کورٹ کے فیصلہ پر تبصرہ 28
- شرعی مسئلہ: ”دس بیبیوں کی کہانی“ وغیرہ کتابیں پڑھنے کا حکم 29

۲۶ محرم الحرام	**قادیانیّت... تعارف، جرائم اور دیگر کفار سے فرق** (مبارک ثانی کیس کے تناظر میں... مع خراجِ تحسین حضرت اسماعیل ہنیہ رحمۃ اللہ علیہ)	02 اگست

- اسرائیلیوں اور قادیانیوں کا ڈھٹائی سے جھوٹ بولنا 31
- قادیانیّت کا تعارف 32
- قادیانیوں کا جُرم... ختمِ نبوّت کا انکار 33
- قادیانیوں کا جُرم... مسلمانوں کی مخالفت اور کفار کی حمایت 34

- قادیانیوں کا جُرم... کتاب اللہ میں تحریف 35
  - مبارک ثانی کی تفسیرِ صغیر اور چیف جسٹس کی تقصیرِ کبیر 35
  - صبیغ کی تحریف پر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کارروائی 36
- قادیانیوں اور دیگر کفار کا فرق 37
- حرفِ آخر... قادیانی قرآن وسنت کی عدالت میں 38
  - ابو عبدِ السلام اسماعیل ہنیہ اَشعری شافعی شاذِلی علیہ الرحمہ کی شہادت 39
- شرعی مسئلہ: مرتدّ کے ساتھ معاملات کی حُرمت 39

۳ صفر المظفّر	**استحکامِ پاکستان کے اہم ذرائع** (یومِ آزادی کی مناسبت سے)	09 اگست

- بامقصد طریقے سے یومِ آزادی منانے کی اہمیت 41
- استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... قرآن وسنت کا نفاذ 42
  - نفاذِ قرآن وسنت... بانیانِ پاکستان کا مقصدِ اوّلین 43
- استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... معاشی اعتدال 44
- استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... فکری آزادی 45
- استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... نظامِ عدل کا قیام 46
- پاکستان سے غیر متزلزل محبت (بنگلہ دیشی انقلاب کے تناظر میں پاکستان سے اِظہارِ وفا) 47
  - شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ کا خواب اور مسلم لیگ میں شمولیت 47
- حرفِ آخر... یومِ آزادی پر استحکامِ پاکستان کے لیے اقدامات 48
- شرعی مسئلہ: نحوستِ صفر کے جاہلانہ نظریہ کی تردید 49

۱۰ صفر المظفّر	**بانیانِ پاکستان سے وطن کی محبت سیکھیے!**	16 اگست

- بانیانِ پاکستان کی وطن سے وفا اور ہماری جفا 51
- بانیانِ پاکستان کا تعارف (تحریکِ پاکستان کے قائد سُنّی علماء ومشائخ) 52
- امیرِ ملّت اور قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان معاہدہ 53،54
- مجاہدِ اعظم اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہما کی دینی غیرت 55،56

- اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور پیغامِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم 57
- حرفِ آخر... پاکستان کی قدر اور بانیانِ پاکستان کا پیغام 58
- شرعی مسئلہ: مَرد کا ستر اور نیکر پہننے کی ممانعت 59

۱۷ صفر المظفّر	پیامِ حضور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ (مع تذکرۂ مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ)	23 اگست

- سورۂ مُلک کی برکت اور وصال کے بعد محبوبانِ خدا کے اعمالِ صالحہ کا تسلسل 61
- پیامِ حضور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ... عدمِ خوفِ لَوْمَۃِ لائم 62
  - طعنے برداشت کرنے کی برکت سے فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے لیے روحانی کشائش 62، 63
  - مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور مثالی استقامت 63، 64
- پیامِ حضور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ... اتباعِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم 65
  - حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباعِ سنّت 66
- پیامِ حضور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ... مایوسی سے اجتناب 66
  - شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ کے ایک سوال کا جواب 66، 67
- حرفِ آخر... پیامِ حضور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی اہمیت اور خطبہ کی تلخیص 68
- شرعی مسئلہ: ”بسم اللہ کریں“، یہ جملہ غلط ہے 69

۲۴ صفر المظفّر	فکرِ رضا... تعارف اور ضرورت و اہمیت	30 اگست

- اسلام کے قدیم نظام کی تازگی اور اُس کے لیے ہر صدی میں مجدّد کی آمد 71
  - امام احمد رضا خان ماتُریدی حنفی قادِری رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف 72
- ”بریلویّت“ اور ”فکرِ رضا“ کا تعارف 73
- ”فکرِ رضا“ کیوں ضروری ہے؟ 74
- اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور عقائدِ اہلِ سنت کا تحفّظ 74
  - اعلیٰ حضرت اور تقدیسِ شانِ اُلوہیّت 75
  - اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور تحفّظِ ختمِ نبوّت و ناموسِ رسالت 76
  - اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور دفاعِ صحابہ و اہلِ بیت رضی اللہ عنہم 77

- حرفِ آخر... عقائدِ اہلِ سنت و فکرِ رضا پر استقامت 78
- شرعی مسئلہ: لُمْعَۃُ الضُّحٰی اور ایک مشت داڑھی کا وجوب 79

یکم ربیع الاوّل	نظریاتی اور زمینی سرحدوں کی حفاظت... اَہَمّ ایمانی تقاضا	06 ستمبر

- ماہِ ستمبر اور پاکستان کی نظریاتی و زمینی سرحدیں 81
- سرحدوں کی حفاظت... ایمانی تقاضا 82
  - پہرہ داری کرنے پر سیدنا انَس غنَوی رضی اللہ عنہ کو جنّت کی بشارت 82
- یومِ دفاعِ پاکستان... جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کی یادگار 83
  - جنگِ ستمبر 1965ء میں اہلِ پاکستان کے ایمانی جذبات 84
- یومِ تحفّظِ ختمِ نبوّت... نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی یادگار 85
  - تحریکِ ختمِ نبوّت کی چند ایمان افروز یادیں 87،86
- حرفِ آخر... یومِ دفاعِ پاکستان و یومِ تحفّظِ ختمِ نبوّت اور ہماری ذمہ داریاں 88
- شرعی مسئلہ: کیک پر اسمائے مقدسہ وغیرہ لکھ کر اُسے کاٹنا خلافِ ادب ہے 89

۸ ربیع الاوّل	صحابۂ کرام کا طرزِ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پہلا حصہ)	13 ستمبر

- صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے طرزِ محبّت سیکھنے کی ضرورت 91
- محبت کا تقاضا... تعظیمِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم 92
  - سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مثالی جذبۂ تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 92
  - تعظیم سے لبریز ذکر اور تکریمِ حدیث 93
  - باادب دُرودِ پاک اور باادب حاضری 94
- محبت کا تقاضا... تذکرۂ حُسن و جمالِ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم 95
  - تصوّرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 97،96
- حرفِ آخر... جشنِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی حُسن 98
- شرعی مسئلہ: دف کے ساتھ نعت شریف پڑھنے کا حکم 99

۱۵ ربیع الاوّل	صحابۂ کرام کا طرزِ محبتِ رسول ﷺ (دوسرا حصہ)	20 ستمبر

- سچے عشقِ رسول ﷺ کی چاشنی 101
- محبت کا تقاضا... آمدِ مصطفیٰ ﷺ پر اظہارِ مسرّت 102
  - سرورِ عالم ﷺ کی آمد پر اہلِ مدینہ کے ایمان افروز جذبات 103
- محبت کا تقاضا... دینِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی خدمت 104
  - دین سیکھنا 104
  - دین سکھانا 105
  - اثر و رُسوخ استعمال کرنا اور وقت دینا 106
  - مال خرچ کرنا اور صلاحیتیں بروئے کار لانا 107
- حرفِ آخر... سچا عاشق کیسا ہونا چاہیے؟ 108
- شرعی مسئلہ: محفلِ میلاد وغیرہ کے لیے جمع شدہ چندہ کی رقم بچ جائے تو اُس کا حکم 109

۲۲ ربیع الاوّل	صحابۂ کرام کا طرزِ محبتِ رسول ﷺ (تیسرا حصہ)	27 ستمبر

- عشقِ رسول ﷺ... ملّتِ اسلامیہ کی زندگی اور بقا کا ذریعہ 111
- مَحبّت کا تقاضا... شوقِ زیارت و حاضری 112
  - تمنّائے دیدار اور طرزِ صحابہ علیہم الرضوان 112
  - مرنے کے بعد پیشی کا تصوّر اور سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کا جذبہ 113
  - سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی وارفتگی 114
- محبت کا تقاضا... اطاعتِ رسول ﷺ 115
  - تعمیلِ حکم میں سیدنا عبد اللہ بن رواحہ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی تعجیل 115
  - سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کی وعدہ وفائی اور صحابیات رضی اللہ عنہن کا جذبۂ اطاعت 116
  - حکمِ رسول ﷺ سنتے ہی لشکرِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی واپسی 117
  - صحابی رضی اللہ عنہ کا انگوٹھی کو پھینک دینا 117

- حرفِ آخر... سچی محبّت کی پہچان اور وجہِ زوال 118
- شرعی مسئلہ: دعوتِ میت کی ممانعت 119

۲۹ ربیع الاوّل	صحابۂ کرام کا طرزِ محبتِ رسول ﷺ (آخری حصہ)	04 اکتوبر

- دُعائے محبّتِ رسولِ کریم ﷺ 121
- مَحبّت کا تقاضا... تمام نسبتوں کی تعظیم و مَحبّت 122
  - سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا دستِ مبارک کا بوسہ لینے والے اپنے بالوں کی تعظیم کرنا 122
  - عصرِ حاضر میں تعظیم کا وجوب 123
  - وصالِ نبوی کے بعد سیدتنا کبشہ اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کا مثالی اندازِ تعظیم 124
- مَحبّت کا تقاضا... پیاروں سے پیار 125
  - نسبت کے سبب سادات، عباس، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس اور محمد بن اُسامہ رضی اللہ عنہم کی تکریم 125
- مَحبّت کا تقاضا... دشمنوں سے دشمنی 126
  - مفاد پرستی کے سبب پیدا ہونے والی سنگین صورتِ حال 127
  - شاہِ خراسان عَمرو بن لیث علیہ الرحمہ کی دینی غیرت پر انعامِ الٰہی 127
- حرفِ آخر... عشقِ رسولِ کریم ﷺ کے چند اہم اُصول 128
- شرعی مسئلہ: نسبتِ تبرکات میں احتیاط کی فرضیت اور اُن کی تعظیم کا حکم 129

۷ ربیع الآخر	اُونچے اُونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا	11 اکتوبر

- انبیاء و اولیا میں باہمی تفاوتِ مراتب اور غوثِ اعظم کا افضل الاولیا ہونا 131
- غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ 132
- ادب کی برکت اور بے ادبی کی نحوست 133
  - غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا حُسنِ ادب و بلند مقام اور ابنِ سقا کی بے ادبی و بُرا انجام 133، 134
- نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنا 135
  - دعوتِ دین کی صورتیں اور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ دعوت 135، 136
- دلوں پر تصرّف 137

- ابو محمد بن خَشّاب نحوی کی بارگاہِ غوثیت میں حاضری واستفاضہ 137
- حرفِ آخر... عظمت وپیغامِ غوث الوریٰ رحمۃ اللہ علیہ 138
- شرعی مسئلہ: ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت اور آداب 139

۱۴ ربیع الآخر	تَزْیِیْنِ سَیِّئات....شیطانی دھوکا (عصرِ حاضر کے چند خوش نما قبیح اُمور پر تبصرہ...پہلا حصہ)	18 اکتوبر

- انسانوں کا سیئات کو حسنات سمجھنا اور اُس کا سبب 141
- تزیینِ سیئات اور قرآنِ حکیم 142
- تزیینِ سیئات... جھوٹ بولنا اور اُسے پھیلانا 143
- تزیینِ سیئات... مخلوط نظامِ تعلیم 144،145
- تزیینِ سیئات... تشریحاتِ اکابر سے رُوگردانی 146،147
- حرفِ آخر... شیطانی چال اور اُس کے خلاف ڈھال 148
- شرعی مسئلہ: کسی وارث کو محروم کرنے کی حُرمت 149

۲۱ ربیع الآخر	تَزْیِیْنِ سَیِّئات....شیطانی دھوکا (عصرِ حاضر کے چند خوش نما قبیح اُمور پر تبصرہ...دوسرا حصہ)	25 اکتوبر

- انسانوں کا اپنے بدترین دشمن شیطان کے دھوکے میں مبتلا ہونا 151
- تزیینِ سیئات... دکھاوے کے لیے عمل کرنا 152
  - امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بے مثال اخلاص 153
- تزیینِ سیئات... حلال وحرام میں تمیز نہ کرنا 154
  - قناعت سے متعلق بزرگ کا حسین ارشاد 155
- تزیینِ سیئات... رسم ورِواج کی پابندی 156،157
- حرفِ آخر... وعدۂ لاریب اور شیطانی فریب 158
- شرعی مسئلہ: انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابۂ ذی شان رضی اللہ عنہم سے متعلق فلموں کی حُرمت 159

۲۸ ربیع الآخر	تَزْیِیْنِ سَیِّئات....شیطانی دھوکا (عصرِ حاضر کے چند خوش نما قبیح اُمور پر تبصرہ اور مکرِ شیطان سے بچنے کا طریقہ... آخری حصہ)	یکم نومبر

- شیطانی وساوِس اور اُن کی پہچان کا طریقہ 161
- تزیینِ سیّئات... دین میں مُداہَنَت 162،163
- تزیینِ سیّئات... ذاتی اختلاف اور لڑائی جھگڑا 164،165
- شیطانی دھوکے سے بچنے کے ذرائع 166
  - اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا، گناہوں سے بچنا اور یادِ الٰہی 166
  - وُضو و نماز اور تلاوتِ قرآنِ مجید 167
- حرفِ آخر... مکرِ شیطان اور حمایتِ رحمان 168
- شرعی مسئلہ: باری تعالیٰ کا مکان اور مخلوق کے دیگر اوصاف سے پاک ہونا 169

۵ جمادی الاُولیٰ	شفاعتِ حسنہ کی جزا اور بُری سفارش کی سزا	08 نومبر

- اختلافِ احوال کی حکمت اور مسلمانوں کو نفع دینے کی فضیلت 171
- بارگاہِ الٰہی میں سفارش کی قدر 172
- قرآنِ حکیم کی روشنی میں شَفاعتِ حَسَنَہ اور بُری سِفارش 173
- شفاعتِ حسنہ کی وضاحت اور اُس کی جزا 173
  - ہر صورت میں ذریعۂ اَجر اور بہترین صدقہ 174
- بُری سفارش کا مفہوم اور اُس کی سزا 175
  - بد دُعا کی ممانعت اور بُرائی میں تعاوُن کا وبال 175
  - اہلیت کے برعکس عُہدہ دینے پر وعید اور ناحق خونِ مسلم میں تعاوُن کا وبال 176
- شفاعتِ حَسَنَہ کے چند آداب 177
  - رضائے الٰہی کا قصد، معاوضہ کی ممانعت، طمعِ تشکّر سے دُوری اور رِشوت سے اجتناب 177
- حرفِ آخر: سِفارش... ذریعۂ جُود و نَوال یا سببِ وَیل و وَبال 178
- شرعی مسئلہ: قسطوں پر خرید و فروخت کا حکم 179

۱۲ جمادی الاُولیٰ	ماحولیاتی آلودگی... اسباب اور سدِّ باب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں (عرسِ امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر... خطرناک سموگ کے تناظر میں)	15 نومبر

- ماحول کا اثر اور ماحولیاتی آلودگی 181

- ماحولیاتی آلودگی کے اسباب 182
- سدِّباب... دُھوئیں وغیرہ کی روک تھام 183
- سدِّباب... پانی کا تحفّظ 184
- سدِّباب... شجر کاری 184
- سدِّباب... نَفاست وصفائی 185
- سدِّباب... اسلامی تہذیب کی ترجیح 186
- سدِّباب... محبتِ رسولِ کریم ﷺ کا فروغ 187
  - امیر المجاہدین علیہ الرحمہ کا بکثرت بُزدلی سے پناہ کی دُعائے مأثور مانگنا 187
- حرفِ آخر... قدرتی نظافت اور تبدیلی کی آلودگی 188
- شرعی مسئلہ: نماز میں چہرہ چھپانے کی ممانعت 189

۱۹ جمادی الاُولیٰ	**وعیدِ "وَیل" پانے والے** (پہلا حصہ)	22 نومبر

- کلامِ الٰہی میں وعدے اور وعیدیں، نیز اُمّید وخوف کی ضرورت 191
- وعید یافتگان... ناپ تول میں کمی کرنے والے 192
- وعید یافتگان... ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے والے 194
  - مزاح جائز ہونے کی شرائط 194
  - سبق آموز نبوی مزاح 195
- وعید یافتگان... حق وشریعت کی پرواہ نہ کرنے والے 196
  - حضرت منصور بن عمار علیہ الرحمہ کی چار دراہم پر چار دُعائیں 196،197
  - مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کا بعد از وصال شریعت پر عمل کرنا 197
  - وی۔پی۔این کے استعمال کی حُدود وقیود 197
- حرفِ آخر... وعیدِ وَیل اور ہمارے اعمال کا مَیل 198
- شرعی مسئلہ: جوابِ سلامِ تحیّت کا وجوب اور واٹس ایپ پر بھیجے گئے سلام کا جواب 199

۲۶ جمادی الاُولیٰ	**وعیدِ "وَیل" پانے والے** (آخری حصہ)	29 نومبر

- قدرتِ باری کی وُسعت اور وعیدِ خالق کی وحشت 201
- وعید یافتگان... عیب جوئی وغیبت کرنے والے 202
  - خواجہ حسن بَصری علیہ الرحمہ کا اپنی غیبت کرنے والے کو مٹھائی بھیجنا 202
- وعید یافتگان... وُضو میں کوتاہی برتنے والے 203
- وعید یافتگان... سخت دل لوگ 204
  - دل کی نرمی وسختی کا مفہوم اور دل سخت ہونے کی وجوہات 204
- وعید یافتگان... نماز سے غفلت برتنے والے 206
  - نماز سے غفلت کی مختلف صورتیں 206
  - سیدنا حُذیفہ رضی اللہ عنہ کا واجباتِ نماز ترک کرنے والے کو چالیس سال کی نمازیں دوبارہ پڑھنے کا حکم دینا 207
  - حضرت ابوالحسن محمد علیہ الرحمہ کا نماز ادا کرنے کے لیے ملک الموت علیہ السلام سے مہلت لینا 207
- حرفِ آخر... وعیدِ باری اور انسان کی خواری 208
- شرعی مسئلہ: بزرگوں کے مزارات پر حاضری کا طریقہ 209

۳ جمادی الاخریٰ	**یومِ جُمُعہ سیّدِ ایّام ہے** (شبِ جمعہ، روزِ جمعہ اور نمازِ جمعہ کے فضائل وآداب)	06 دسمبر

- اُمّتِ مصطفویّہ پر خصوصی رحمتیں اور جمعہ کی عظمتیں 211
- شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ کے فضائل 212
- روزِ جمعہ کے چند آداب 213
  - غسل وخوشبو، عمدہ لباس اور تلاوتِ قرآنِ مجید 213
  - کثرتِ دُرود، ساعتِ قبول کی تلاش اور زیارتِ قبور 214
- نمازِ جمعہ کے فضائل 215
- نمازِ جمعہ کے بعض آداب 216
  - جلد حاضری اور اگلی صفوں میں بیٹھنا 216
  - خاموشی سے خطبہ سننا، اذیت نہ دینا اور سنتیں ادا کرنا 217
- حرفِ آخر: سیدِ ایّام... ربّ تعالیٰ کا عظیم انعام 218
  - یومِ جمعہ سیدِ ایام ہے (نظم) 218

- شرعی مسئلہ: سنتِ مؤکّدہ وغیر مؤکّدہ کی ادائیگی میں فرق 219

۱۰ جُمادی الاُخریٰ	**مُسلَّم ہے دائم فضیلت بڑوں کی** (بے ادبی کے بڑھتے ہوئے ناسور کے سدِّباب کے لیے)	13 دسمبر

- زندگی کے مختلف مراحل اور بڑوں کی تکریم 221
- بڑوں کی تعظیم پر بشارات اور بے ادبی پر وعید 222
  - سیدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اور دُعا کی برکت سے سعادت 223،222
  - امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی تعظیم کرنے والے شخص کی بخشش 223
  - تکریمِ اکابر کا تعظیمِ الٰہی ہونا 224
  - بڑوں کی بے توقیری پر وعید 224
- بڑوں کی تعظیم سے متعلق اہم اُمور 225
  - گفتگو میں تعظیم: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ازراہِ تعظیم اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں خاموش رہنا 225
  - نشست وبرخاست وغیرہ میں تکریم اور ضروریات پورے کرنے میں اعزاز 226
  - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی فرمانا 226
- نافرمانی میں کسی کی اِطاعت نہیں 227
- حرفِ آخر: بڑوں کی تکریم... بڑی سعادت 228
  - مسلَّم ہے دائم فضیلت بڑوں کی (نظم) 228
- شرعی مسئلہ: قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد دُعا کی سنیت اور اُس کے الفاظ کا اطلاق 229

۱۷ جمادی الاُخریٰ	**افضلیّتِ یارِ غار و مَزار بزبانِ حیدرِ کرّار** رضی اللہ عنہما (مع مدارِس بل پر حکومتی بَلبَل)	20 دسمبر

- قُرب کا معیارِ فضیلت ہونا اور قُربِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ 231
- عقیدۂ اہلِ سنّت میں ترتیبِ افضلیت 232
- قرآنِ کریم میں افضلیتِ یارِ غار بتفسیرِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما 233
- اسلام میں سبقتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما 234
  - یارِ غار کی چار فضیلتیں جو حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما کو میسّر نہیں آئیں 235،234
- دخولِ جنت میں سبقتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما 235

- جنت میں سیادتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما 236
- شہزادۂ والا شان کے سامنے افضلیتِ یارِ غار رضی اللہ عنہ کا اظہار 236
- حیدرِ کرّار کا افضلیتِ یارِ غار رضی اللہ عنہما کو قطعی قرار دینا 237
- حرفِ آخر... مدارس بل پر حکومتی ہلبَل 238
  - بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخینِ کریمین کی مقبولیت سے متعلق امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کا ارشاد 238
  - علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا مدارسِ دینیہ کی اہمیت سے متعلق خوب صورت قول 238
- شرعی مسئلہ: ایصالِ ثواب کے الفاظ میں ہونے والی ایک غلطی کی اصلاح 239

۲۴ جمادی الاُخریٰ	**نیا سال آیا ہے ربّ کو مناؤ!** (نئے شمسی سال کے آغاز پر اُسوۂ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ چند اُمور)	27 دسمبر

- محاسبہ و تعیینِ اہداف کی اہمیت اور سیرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے راہ نمائی لینے کی ضرورت 241
- وقت اور مال کا صحیح استعمال 242
  - وقت کا استعمال اور اُسوۂ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ 242
  - مال کا استعمال اور اُسوۂ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ 243
- نیکیوں کی کثرت اور بھلائی میں سبقت 244
  - ہر لمحہ عبادت کرنے والے کا اپنے عمل کو حقیر سمجھنا اور دوبارہ موقع پانے کی آرزو کرنا 244
  - نیکیوں میں اِضافے کی سبق آموز نبوی دُعا 244
  - صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سبقت اور آپ کو جنت کے ہر دروازے سے بلایا جانا 245
- اتباعِ قرآن و سنت 246
  - صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا خلافِ سنّت رواج کو جوتے کی نوک پر رکھنا 246
  - حکمِ نبوی کے پیشِ نظر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا کسی سے سوال نہ کرنا 247
- حرفِ آخر... سالِ نَو کی آمد پر کرنے کے کام 248
  - یکم جنوری کو مبارک بناؤ، نیا سال آیا ہے ربّ کو مناؤ! (نظم) 249
- شرعی مسئلہ: نماز میں دستانے پہننے کا جواز 249

۲ رجب المرجّب	**اذیّت رسانی کی حُرمت اور ہماری حالت** (پہلا حصہ)	03 جنوری

- اچھے تعلّق کا حُسن اور اذیّت رسانی کی قباحت 251
- وقت ضائع کرنے سے اذیّت رسانی 252
  - صحابی رضی اللہ عنہ کا وقت کی قدر دانی سے ایک ہفتے میں زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے سے بھی بلند مرتبہ پانا 252
  - وقت کی ناقدری پر قرآنی وعید 253
- راستوں کے حوالے سے اذیّت رسانی 254
  - راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے پر جنّت کی بشارت 254
  - راستے تنگ کرنے پر وعید اور راستے کے حقوق 255
- ذاتی معاملات میں مداخلت سے اذیّت رسانی 256
  - عیب جوئی کا انجام... ذلّت و رُسوائی 257
- حرفِ آخر... راحت پہنچایئے، رحمت پایئے! 258
  - خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ کا حُسنِ اخلاق 258
- شرعی مسئلہ: نماز میں سر کے اُوپر سے چادر اوڑھنے کی سنیّت اور چادر میں ہاتھ چھپانے کا جواز 259

۹ رجب المرجّب	**اذیّت رسانی کی حُرمت اور ہماری حالت** (مع تذکرۂ مولیٰ المسلمین سیدنا علی رضی اللہ عنہ... دوسرا حصہ)	10 جنوری

- کثرتِ ابتلا سے اذیّت رسانی وغیرہ گناہوں کی ہیبت ختم ہو جانا 261
- کارہائے خیر میں اذیّت رسانی 262
  - صدقہ و خیرات میں اُسوۂ صدیقی و مرتضوی 262
  - محافل، حج و عمرہ اور عیادت میں اذیت رسانی کی صورتیں 263
  - مساجد میں اذیّت رسانی 264
  - اذیّت رسانی سے عمل کا ضیاع اور جہنم کی وعید 264
- وفات یافتگان کو اذیّت رسانی 265
  - وفات یافتگان پر متعلقین کے اعمال کو پیش کیا جانا 266
  - گستاخِ خلفائے راشدین کو سیدنا علی رضی اللہ عنہم کا حوضِ کوثر سے پانی نہ پلانا 267
- حرفِ آخر: ایصالِ آزار... دونوں جہان کا عار 268
  - مولیٰ المسلمین رضی اللہ عنہ کی حسین نصیحت 268

- شرعی مسئلہ: تبارک کی نیاز کا جواز 269

۱۶ رجب المرجّب	اذیّت رسانی کی حُرمت اور ہماری حالت (مع تذکرۂ سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ... آخری حصہ)	17 جنوری

- نفع رسانی کے ذریعے اپنی خیر خواہی 271
- لین دین میں اذیّت رسانی 272
  - معاملات درست نہ کرنے والے تاجروں کا حشر 273
  - زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے امانتِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گواہی 273
- زبان کے ذریعے اذیّت رسانی 274
  - زبان سے اذیّت رسانی کی مختلف صورتیں 274 تا 276
  - گناہ گار کی تذلیل کرنے والے اسرائیلی پر اللہ تعالیٰ کا غضب فرمانا اور جہنم میں داخل کرنا 276
  - مشاجراتِ صحابہ میں خاموشی سے متعلق حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا حسین ارشاد 276
- اذیّت رسانی سے بچنے کا طریقہ... قدرتِ الٰہیہ کا احساس 277
- حرفِ آخر: اذیّت رسانی... دونوں جہان کی پشیمانی 278
- شرعی مسئلہ: رجب کے کونڈے اور اُن کے آداب 279

۲۳ رجب المرجّب	صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... حکمتیں، اثرات اور اُمّت کی ذمہ داریاں	24 جنوری

- سفرِ معراج کے مراحل، منکرین کا حکم اور پہلے مرحلے کا آغاز 281
- مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... ذریعۂ تصدیق 282
  - بیت المقدّس کے دربان کا قیصرِ روم کے سامنے اپنا مشاہدہ بیان کرنا اور قیصر کا اعترافِ رسالت کرنا 282
- مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... اُمّت کے لیے حشر میں آسانی 283
- مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... آرزوئے دیدار کی تکمیل اور اِظہارِ افضلیّت 284
  - مسجدِ اقصیٰ میں امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا رسلِ کرام علیہم السلام سے خطابِ دل نواز 284
- مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... شرفِ قبلۂ اوّل میں اضافہ 285
- مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... فتحِ بیت المقدس کی نیک فالی 286

- خندق کی کھدائی کے دوران رسول اللہ ﷺ کا فتحِ شام و بیت المقدس کی بشارت عطا کرنا 286
- تحفّظِ مسجدِ اقصیٰ سے متعلق اُمّت کی ذمہ داری 287
- حرفِ آخر: مسجدِ اقصیٰ میں دُرود پر بے حساب دُرود 288
- شرعی مسئلہ: وُضو میں پھٹی ہوئی ایڑیاں دھونے سے متعلق حکم 289

یکم شعبان المعظّم	تقلیدِ امامِ اعظم... ضرورت و اہمیّت اور ازالۂ شبہات (پہلا حصہ)	31 جنوری

- شیطانی چال سے بچاؤ کا طریقہ... انعام یافتگان کی پیروی 291
- قرآن و سنت پر عمل کی صحیح صورت... ائمہ کی تقلید 292
  - صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا بلاواسطہ سیکھ کر اتباع کرنا 292
  - مجتہدین کا اجتہاد کے ذریعے اتباع کرنا 293
  - عوام کا تقلید کے ذریعے اتباع کرنا 294
- امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف 295
- امام اعظم رضی اللہ عنہ کا علمی مقام 296
  - امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا محدثین کو پنسار، فقہا کو طبیب اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کو مجمع البحرین قرار دینا 296
  - قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی حدیث دانی کو خراجِ تحسین 296
  - خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا امام کے پیچھے تلاوت کرنا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اُن کی راہ نمائی فرمانا 297
  - ہمارے آقا ہمارے مولیٰ، امام اعظم ابو حنیفہ (منقبت) 297
- حرفِ آخر: تقلیدِ ائمہ... انعام یافتہ بندوں کا راستہ 298
- شرعی مسئلہ: تصویر بنوانے کے لیے مقدّس مقامات کی طرف پُشت کرنے کا حکم 299

۸ شعبان المعظّم	تقلیدِ امامِ اعظم... ضرورت و اہمیّت اور ازالۂ شبہات (آخری حصہ... مع مذمّت برٹرمپ تجویز)	07 فروری

- فہمِ دین کے لیے ماہرینِ قرآن و سنّت کی طرف رُجوع کی ضرورت 301
- شبہ... تقلید کے بجائے حدیث کی پیروی 302
  - غیر مجتہد کے لیے سند کی حیثیت جاننا اور عمل کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں 303،302
  - فقہِ حدیث غیر مجتہد کے بس میں نہیں 304

- شبہ... فقہِ حنفی صحیح احادیث کے خلاف ہے 305
  - احادیث کی روشنی میں ترکِ رفعِ یدین 305
  - احادیث کی روشنی میں آہستہ آمین کہنا اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا 306
- شبہ... صحابہ نے تقلید نہیں کی 307
- حرفِ آخر: فقہِ حنفی... دینِ حنیف کی بہترین تشریح 308
- شرعی مسئلہ: شعبان میں روزوں کا اہتمام 309

۱۵ شعبان المعظم	**محبّت سے متعلق اسلامی تعلیمات** (عالمی یومِ محبّت / Valentine Day کے تناظر میں)	14 فروری

- ربّانی محبّت کی برکت اور نفسانی محبّت کی نحوست 311
- اللہ تعالیٰ سے محبّت 312
  - محبّتِ الٰہی کا سب سے زیادہ ہونا اور اُس کا مفہوم و دُعا 312
- اللہ تعالیٰ کے لیے محبّت 313
  - عشقِ رسول ﷺ اور محبّت للہ کی دیگر صورتیں 313
  - میاں بیوی کے درمیان محبّت 314
- عشقِ حقیقی کے ذرائع (کیا عشقِ مجازی عشقِ حقیقی کا ذریعہ ہے؟) 315
  - پیر سیال لجپال خواجہ محمد شمس العارفین علیہ الرحمہ کی زبانی عشقِ مجازی کا تعارف 315
- عشقِ حقیقی کی چاشنی 316
  - حضرت عبید بن عمیر علیہ الرحمہ کی نصیحت سے ایک حسینہ کی زندگی میں انقلاب 316،317
- حرفِ آخر: دردِ دل کر مجھے عطا یاربّ! 318
- شرعی مسئلہ: غیر اللہ کی قسم کا عدمِ جواز و عدمِ اعتبار 319

۲۲ شعبان المعظّم	**مادَری زبان... قُدرت کا نشان و احسان** (عالمی یومِ مادری زبان کی مناسبت سے)	21 فروری

- قوّتِ بیان اور مادَری زبان کی چاشنی 321
- زبانوں کا تنوُّع... قُدرت کی عظیم نشانی 322
- عربی... افضل زبان 323

- ○ پیارے آقا شہِ بطحا کی ہے بولی عربی (نظم) 323
- مادری زبان کی اہمیّت 324
- مادری زبان کے حوالے سے ہماری صورتِ حال 325
- دوسری زبان سے مرعوب ہونے کے اثرات 326
- ○ ترکیہ کی تاریخ اور کشمیر کی حالت سے درسِ عبرت 326
- ماہِ نزولِ قرآن کی مناسبت سے عربی تلفّظ سیکھنے کی ضرورت 327
- حرفِ آخر: قوّتِ بیان اور مادری زبان کا مان 328
- شرعی مسئلہ: شعبان کے آخری ایّام میں روزے رکھنے کا استحباب 329

۲۹ شعبان المعظّم	رحمتیں بانٹنے عالَم میں ہے آیا رمضان (رمضان میں نیکیوں کثرت اور زکوٰۃ کی ادائیگی)	28 فروری

- بارگاہِ الٰہی سے ملنے والے انعام کی قدردانی سے رمضان کی قدرشناسی 331
- رَمضان المبارَک میں نیکیوں کی کثرت 332
- زکوٰۃ کی ادائیگی سے نیکیوں میں کثرت کی توفیق 333
- مسائلِ زکوٰۃ جاننے کی ضرورت 333
- زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟ 333
- کون سے اموال کی زکوٰۃ فرض ہے؟ 335
- زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے؟ 336
- زکوٰۃ کتنی ادا کرنا فرض ہے؟ 336
- زکوٰۃ کسے دینی ہے؟ 337
- حرفِ آخر: رمضان المبارک میں کرنے کے کام 338
- ○ رحمتیں بانٹنے عالَم میں ہے آیا رمضان (نظم) 338
- شرعی مسئلہ: زکوٰۃ سے متعلق پانچ بنیادی اُمورِ شرعیّہ 339

۶ رمضان المبارک	بانُوانِ عفّت وفقاہت وحیا (سیدتنا خدیجہ، سیدتنا عائشہ اور حضرت خاتونِ جنّت علیہن الرضوان کی سیرتوں کا ذکرِ جمیل.... ایّامِ وصال کی مناسبت سے.... عالَمی یومِ خواتین کے موقع پر)	07 مارچ

- ذہن سازی کی اہمیت اور اُس میں پسندیدہ شخصیت کے کردار کا اثر 341

- عِفّت و عِصمتِ سیّدتُنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 342
  - اُمّ المؤمنین کا سرورِ عالم ﷺ کی امانت و صداقت کے سبب مالِ تجارت پیش کرنا اور پیغامِ نکاح بھیجنا 343،342
- فقاہت و جلالتِ سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 344
  - اُمّ المؤمنین کا چاروں خلفا کے ادوار میں صحابہ کی راہ نمائی کرنا اور آپ کا طریقۂ تعلیم 345
- حیائے سیدتنا خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہا 346
- حرفِ آخر: تربیت کی ضرورت اور ہماری حالت 348
- شرعی مسئلہ: بیس رکعات نمازِ تراویح کا سنتِ مؤکّدہ ہونا 349

۱۳ رمضان المبارک	**ایمان کے ثَمَرات اور غزواتِ بدر و فتحِ مکّہ میں اُن کے مَظاہر** (مع پیغام بمناسبت "یومِ تحفّظِ ناموسِ رسالت")	14 مارچ

- ایمان کی قدر اور ترقّیٔ ایمان کی ضرورت 351
- ایمان کا تعارف 352
- ایمان کا ثَمَرہ... دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مدد 353
  - غزوۂ بدر میں بے مثال نُصرتِ الٰہی 253
- ایمان کا ثَمَرہ... امن و اطمینان 354
  - غزوۂ بدر میں امن و اطمینان کی کیفیت 355،354
- ایمان کا ثَمَرہ... اقتدار و خلافت اور غلبۂ دین 356
  - فتحِ مکہ کے ذریعے وعدۂ اقتدار و خلافت کا آغاز 357،356
- حرفِ آخر: ایمان کی صَلابَت اور یومِ تحفّظِ ناموسِ رسالت 358
- شرعی مسئلہ: رمضان میں بلا عذر سرِ عام کھانے والے کا حکم اور بچوں کو روزہ کی ترغیب 359

۲۰ رمضان المبارک	**ایمان کے ثَمَرات اور حیاتِ مولَی المسلمین میں اُن کے مَظاہر**	21 مارچ

- ایمان کی پختگی سے محبوبیّت و رِضا اور ثمرات میں اضافہ 361
- ایمان کا ثَمَرہ... مَحبّت و مَوَدّت 362
  - مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ اور محبوبیتِ خدا و مصطفیٰ 362
  - مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ اور محبوبیتِ مسلمین 363
- ایمان کا ثَمَرہ... حیاتِ طیّبہ 364

- نمازِ شیر خدا رضی اللہ عنہ 364
- قناعتِ مشکل کُشا رضی اللہ عنہ 365
- ایمان کا ثمرہ... یقین و توکّل و شُجاعت 365
- شجاعت و توکّلِ حیدری 366
- نقشِ خاتَمِ علَوی 366
- ایمان کے اُخروی ثمرات 367
- حرفِ آخر: ایمان کے ثَمَرات اور اُمّت کے حالات 368
- شرعی مسئلہ: شبینہ کا استحسان اور اُس کے جواز کی شرائط 369

۲۷ رمضان المبارک	رمضان کے الوداعی لمحات اور جواب دہی میں آسانی والے احساسات	28 مارچ

- اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی اور تمام مخلوق کی جواب دہی 371
- کوتاہی پر ندامت 372
- عمل کی حفاظت (ریاکاری اور خود پسندی سے اجتناب) 373
- ریاکاری کا انجام 373
- خود پسندی کا انجام 374
- اصلاحِ قلب (عاجزی و تضرّع) کی اہمیت 375
- حضرت بایزید بَسطامی علیہ الرحمہ کو غیبی ندا کے ذریعے عاجزی اختیار کرنے کا حکم 375
- جواب دہی کے تصوُّر سے حضرت عطاء سلیمی علیہ الرحمہ کی کیفیت 375
- رمضان المبارک کا اچھا اختتام 376
- شبِ عید اور نبوی تعلیمات 377
- حرفِ آخر: اِحساسِ جواب دہی اور صدقۂ فطر کی ادائیگی 378
- شرعی مسئلہ: صدقۂ فطر کے احکام 379

یکم شوّال المکرم	(خطبۂ عید الفطر) شکر گزاری... مفہوم، درجات، مقامات، فوائد اور حصول کا طریقہ	31 مارچ

- شکر گزاری... تقاضائے بندگی و ذریعۂ سعادات 381

- شکر کا مفہوم اور اُس کے درجات 382
- شکر کے مقامات 383
- شکر کے فوائد اور ناشکری کا وبال 384
- جذبۂ تعظیم و شکر حاصل کرنے کا طریقہ 385
  - حضرتِ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ اور ایک نشے میں مست نوجوان کا واقعہ 385
- شکر کی ایک صورت... صدقۂ فطر کی ادائیگی 386
- رمضان کے روزوں کی قضا 387
- رمضان کے بعد چھ روزے 387
- حرفِ آخر: خطبہ کے اہم نکات 388
- نمازِ عید کا طریقہ 388
- مصافحہ و معانقہ کے ذریعے مغفرت 389

۵ شوّال المکرم	**صحّت سے متعلق اسلامی تعلیمات** (عالمی یومِ صحت / World Health Day کی مناسبت سے)	04 اپریل

- نعمتوں کی قدر سے شکر کی توفیق اور صحّت کا اعلیٰ ترین جسمانی نعمت ہونا 391
- صحت و عافیت کی قدر 392
- نعمتِ صحت پر شکر اور اُس کی دُعا 393
- حفظانِ صحّت کے اُصول اور اسلامی تعلیمات 394
  - متوازن غذا اور نقصان دہ چیزوں سے پرہیز 394
  - ہاتھ دھونا اور صفائی کا لحاظ رکھنا 395
  - ورزش اور بروقت سونا و جاگنا 396
- فکری و باطنی صحّت 397
- حرفِ آخر: دینی تربیت کی اہمیت اور نعمتِ عافیت 398
- شرعی مسئلہ: شوّال المکرم میں قضائے رمضان اور مزید چھ روزوں کا اہتمام 399

۱۲ شوّال المکرم	مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی (مدارس کے نئے تعلیمی سال اور غزّہ کے ناگفتہ بہ حال کی مناسبت سے)	11 اپریل

- دُنیا پرستوں کی مذمّت اور خدّامِ دین کی عظمت 401
- خدمتِ دین... دونوں جہان کی سربلندی 402
  - مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ اور خدمتِ دین کی تلقین 402
- حصول واشاعتِ علم کے ذریعے دین کی سرفرازی 403
  - علم... مقصدِ تخلیق 403
  - طالبِ علم کے لیے کامل حج کا ثواب 403
  - علمِ دین کے حصول پر غیبی رزق کی بشارت 404
  - فرض علوم 404
- جہاد کے ذریعے دین کی سرفرازی 405
  - مجاہدینِ حمّاس کی عظمت 406
  - ترکِ جہاد کا انجام 407
- حرفِ آخر: علم وجہاد... سرفرازی کی بنیاد 408
- شرعی مسئلہ: فرض علوم سے غفلت کا گناہ 409

۱۹ شوّال المکرم	سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شانِ وَفا	18 اپریل

- وفا کی اہمیت وعظمت 411
- سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ 412
- سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 413
- ابتدائے وفا... مظلوم مسلمانوں کا دِفاع 414
- غزوۂ بنو قَینُقَاع اور علَم بردارِ وفا رضی اللہ عنہ 415
- عُروجِ وفا... شہادتِ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ 416
- پیکرِ وفا کا جسمِ نازنین 417
- حرفِ آخر: سیرتِ جانِ وفا اور ہماری شرمناک جَفا 418

- تسخیرِ فاحمزہ، تعمیرِ بقاحمزہ (منقبت) 418
- شرعی مسئلہ: ایپ کے ذریعے تصویر میں تبدیلی کا عدمِ جواز 419

۲۶ شوّال المکرم	سلطان نورالدین زنگی... اسلام کا سچا مجاہد	25 اپریل

- صلیبی جنگیں اور اُن میں سلطان نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شان دار فتوحات 421
- سلطان نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ 422
- نظامِ عدل کا قیام 423
  - بذاتِ خود شرعی عدالت میں پیشی کے لیے لمبا سفر کرنا 423
  - اسلامی حُدود کو چھوڑ کر سخت سزائیں نافذ کرنے کی تجویز پر ایمان افروز جواب 424
  - بااثر وزیروں کو ظلم سے روکنے کے لیے دار العدل کا قیام 424
- شاہی مجلس کا حسین انداز 425
  - فتنہ پروروں کا سدِّباب کرنا اور اِسے اسلامی ریاست کی ذمے داری قرار دینا 425
- مسلمانوں کے تحفّظ کی فکر 426
  - محاصرۂ دِمیاط کے وقت حدیثِ مسلسل بالتبسُّم کی تلاوت پر تبسُّم نہ کرپانا 426
- سلطان کی عاجزی اور رحمٰن کی کرم نوازی 427
  - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں فتحِ دِمیاط کی خوش خبری عطا فرمانا 427
  - سلطان کی عاجزانہ دُعا اور اُس کی برکت سے حارِم کی فتح 427
- حرفِ آخر: اکابر کی سیرتوں سے سیکھنے کی ضرورت 428
- شرعی مسئلہ: خاموشی سے اذان سننے اور جواب دینے کا حکم 429

۴ ذوالقعدہ	زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں	02 مئی

- تعداد اور حربی طاقت کے باوجود اُمّت کی زبوں حالی کے اسباب پر غور کرنے کی ضرورت 431
- سببِ زوال... دشمنوں کو دوست سمجھنا 432
- سببِ زوال... قدرتی رُعب کا خاتمہ 433
- سببِ زوال... احکامِ الٰہیہ سے رُوگردانی 434
  - تُستَر کے گورنر ہُرمزان کی مدینہ منوّرہ آمد اور مسلمانوں کی فتوحات سے متعلق اِظہارِ رائے 434، 435

- سببِ زوال... محبّتِ دُنیا واندیشۂ موت 436
- سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا رُستم کے نام خط میں مجاہدین کے جذبۂ شہادت کا اظہار فرمانا 437
- حرفِ آخر: مسلمانوں کا حقیقی مَنال اور سببِ زوال 438
- شرعی مسئلہ: قنوتِ نازلہ کا حکم اور طریقہ 439

۱۱ ذوالقعدہ	**جنگ میں کامیابی کے قرآنی اُصول** (پاک بھارت جنگ کے تناظر میں)	09 مئی

- عمل بالقرآن کی اہمیت اور جنگ میں کامیابی سے متعلق پانچ قرآنی اُصول 441
- کامیابی کا پہلا اُصول... ثابت قدمی 442
- مُوتہ کی طرف جاتے ہوئے سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا جرأت مندانہ خطاب 442
- کامیابی کا دوسرا اُصول... کثرتِ ذکرِ الٰہی ودُعا 443
- کامیابی کا تیسرا اُصول... اللہ ورسول کی اطاعت 445
- کامیابی کا چوتھا اُصول... اتحاد واتفاق 446
- کامیابی کا پانچواں اُصول... صبر 447
- حرفِ آخر: آزمائش کا دُستور اور نُصرتِ مَوْفُور 448
- شرعی مسئلہ: قنوتِ نازلہ کا حکم اور طریقہ 449

۱۸ ذوالقعدہ	**جہاد کا حقیقی تصوّر اور جذباتِ تشکّر** (معرکۂ حق: آپریشن بنیانٌ مّرصوص کی کامیابی پر... یومِ تشکّر کی مناسبت سے)	16 مئی

- آپریشن بنیانٌ مّرصوص کی کامیابی پر اُمّت کی شکر سے لبریز خوشی 451
- سچا مجاہد وغازی کون ہے؟ 452
- راہِ خدا کے مجاہدین کی حسین مثالیں 453
- قلعہ میں نقب لگانے والے گم نام مجاہد اور حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہما الرحمہ کا اخلاص 454،453
- راہِ خدا میں جہاد کے آداب (فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا تربیت بھرا خط) 455،454
- کیا ہر شخص پر جہاد کرنا لازم ہے؟ 456
- آرزوئے جہاد نہ ہونے کی مذمّت اور تمنّائے شہادت کی فضیلت 456
- جہاد میں کامیابی پر اظہارِ تشکُّر 457

- حرفِ آخر: مجاہدین کے درجات اور شکر کے جذبات 458
- شرعی مسئلہ: جمعۃ المبارک کے دن نیکیوں کے اجر اور گناہوں کی سزا میں اِضافہ 459

۲۵ ذوالقعدہ	**توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات** (عشرۂ ذوالحجہ اور حجِ بیت اللہ کی مناسبت سے... "یومِ تکبیر" کے موقع پر)	23 مئی

- ایّامِ ذوالحجہ میں تکبیر کی تکثیر اور "یومِ تکبیر" 461
- تکبیر کی ترغیب اور اُس کا مفہوم 462
- عشرۂ ذوالحجہ میں کثرتِ تکبیر کا حکم 463
- حجِ بیت اللہ میں تکبیر و تعظیم کے مظاہر 464
  - تلبیہ میں تعظیمِ الٰہی اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا تلبیہ 464
  - مناسکِ حج میں تعظیمِ الٰہی 465
- "یومِ تکبیر" میں ربِّ ذوالجلال کی کبریائی کا اظہار 466
- ثمراتِ تکبیر 467
- حرفِ آخر: تکثیرِ تکبیر کی تاثیرِ دلگیر 468
- کم عمری میں شادی کی ممانعت سے متعلق بل کی مذمت 469
- شرعی مسئلہ: عشرۂ ذوالحجہ میں حجامت سے اجتناب کا استحباب 469

۲ ذوالحجہ	**جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول** (قربانی سے متعلق عقلی شبہات کا ردّ... مع مسائلِ قربانی واحکامِ عشرۂ ذوالحجہ)	30 مئی

- عقلِ انسانی... اِنعامِ الٰہی 471
- عقل کی اہمیت اور اُس کی حیثیت 472
- محبوبانِ خدا کا عقل کو شریعت پر قربان کرنا 473
  - سادا تنا عبد اللہ بن عمر، علی مرتضٰی اور فخر الدین رازی رضی اللہ عنہم کے حسین ارشادات 473
- صاحبِ قربانی کا حکمِ ربّانی پر سب کچھ قربان کرنا 474
- قربانی سے متعلق شریعت کا حکم 475
- قربانی کس پر واجب ہے؟ 476
- حرفِ آخر: احکامِ ربّانی پر عقل کی قربانی 478

- شرعی مسئلہ: تکبیراتِ تشریق کے احکام 479

۹ ذوالحجہ	**رب کی عنایت سے سجے ایّام ہیں ذوالحجّہ کے** (یومِ عَرَفہ، روزِ عید اور ایّامِ تشریق کی مناسبت سے)	06جون

- ماہِ ذوالحجہ اور اُس کے خاص ایّام کی عظمت 481
- یومِ عرفات... ذریعۂ برکات 482
- عیدِ اضحیٰ... وسیلۂ رِضائے مولیٰ 483
  - روزِ عید کے اہم اُمور 484،483
- ایّامِ تشریق میں خیر کی تشویق 485
- قربانی... سنّتِ خلیلِ ربّانی (مسائلِ قربانی) 487
- حرفِ آخر: ایامِ ذوالحجہ... انعامِ ربِّ کعبہ 488
- ربّ کی عنایت سے سجے ایّام ہیں ذوالحجہ کے (نظم) 489

۱۰ ذوالحجہ	**خوشی کا اسلامی تصوّر اور عید کی خوشی** (خطبۂ عیدالاضحیٰ)	07جون

- قدر والی چیز کے حصول پر خوشی اور رضائے رحمٰن کی قدر 491
- عیدالاضحیٰ... خوشی منانے کا حسین موقع 492
  - قابلِ تعریف اور قابلِ مذمّت خوشی 492
- عیدالاضحیٰ... خوشیاں بانٹنے کا حسین موقع 493
  - بچوں، بڑوں اور حاجت مندوں کو خوش کرنے کے ذرائع 493
- حقیقی خوشی 494
- مسائلِ قربانی 495
- حرفِ آخر: عیدِ اضحیٰ اور رِضائے ربِّ اعلیٰ 498
- نمازِ عید کا طریقہ اور مصافحہ و معانقہ کے وقت دُرودِ پاک پڑھنے کی فضیلت 499

۱۶ ذوالحجہ	**تصویرِ حیا جامع قرآن ہیں عثمان رضی اللہ عنہ**	13جون

- سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ... ایک عظیم راہ نما 501

- سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ 502
- حیائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ہماری حالتِ زار 503
  - بچوں کو باکردار بنانے کے لیے اہم اُمور جن کی پابندی از حد ضروری ہے 504
  - حیائے عثمانی کا اعزاز (فرشتوں کا آپ سے حیا کرنا) 505
- شہادتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ دُروس 506
  - بے ادبی... فتنوں کی اہم بنیاد 506
  - سازش کے لیے جھوٹ کا سہارا 506
  - فتنہ پروروں کی نظر میں خونِ مسلم کی بے توقیری 507
  - وقتِ شہادت کردارِ عثمانی 507
- حرفِ آخر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ربِّ قدیر کا فضلِ کبیر اور رسمِ عیدِ غدیر 508،509

۲۳ ذوالحجہ	**صہیونی خطرات اور اُمّت کی ذمہ داریاں** (ایران اسرائیل جنگ کے تناظر میں)	20 جون

- امریکی سرپرستی میں صہیونی دہشت گردی 511
- صہیونیت کا پس منظر اور تعارف 512
- صہیونی مَظالم 513
- صہیونی عزائم و خطرات 514
- اُمّت کی ذمہ داری... باہمی تعلقات کا فروغ 515
- اُمّت کی ذمہ داری.... بھرپور طاقت کی تیاری 516
- اُمّت کی ذمہ داری... یہود و نصاریٰ سے قطع تعلّقی 517
- حرفِ آخر: صہیونی دہشت گردی کے سدِّباب کے لیے اُمّت کا کردار 518
- شرعی مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگنے اور ایسا کرنے والے کو دینے کا حکم 519

۵ محرم الحرام ۱۴۴۶ھ/12 جولائی 2024ء

سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کی کربلا میں جلوہ گری

مشمولات

- یزیدی کرتوتوں اور حسینی کردار کی غیبی خبر
- یزید کی بیعت سے انکار
  - یزید کو ولیِ عہد بناتے ہوئے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دُعا
- کوفہ کی طرف روانگی اور اُس کا سبب
  - خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور ایک حکم
- کوفہ کی ناکابندی اور کربلا میں جلوہ گری
- حیاتِ ظاہری کے آخری لمحات
  - سالارِ کربلا کا صبر کی وصیت فرمانا
  - محرم کے ابتدائی ایام میں سیاہ، سبز اور سرخ لباس کی ممانعت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

قُلۡ لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ہُوَ مَوۡلٰىنَا ۚ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ [التوبۃ9:51]

ربِّ کریم کچھ افراد کو ایسے بڑے کاموں کی توفیق سے نوازتا ہے کہ اُن کے کارناموں کی وجہ سے نہ صرف اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہتا ہے، بلکہ اُن کی شخصیت ایک عظیم کام کا استعارہ بن جاتی ہے اور اُن کے تذکرہ سے دلوں میں منزل کو پانے کا ولولہ تازہ ہو جاتا ہے۔

سرورِ عالَم ﷺ کے نواسے اور خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نورِ نظر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا میں اسلام کی سربلندی کے لیے جرأت و بہادری کا ایسا شان دار مظاہرہ کیا کہ نہ صرف آپ کا نامِ نامی ہمیشہ زندہ رہے گا، بلکہ آپ کی ذاتِ اقدس جرأت و شجاعت کا استعارہ بن گئی، صدیوں سے حق پرست آپ کا تذکرہ کرکے دین پر استقامت... حق کی خاطر ڈٹ جانے... اور راہِ خدا میں مر مٹنے کا جذبہ بیدار کرتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

سفرِ کربلا کے دوران آپ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: اِس طرف مت جایئے، ورنہ آپ کو شہید کر دیا جائے گا۔ آپ نے نہایت بے خوفی کے ساتھ جرأت بھرا وہ خوب صورت جملہ کہا، جو آپ کے نانا جان ﷺ کو کہنے کا حکم باری تعالیٰ نے فرمایا تھا: لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ہُوَ مَوۡلٰىنَا ۚ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ [التوبۃ9:51] ''ہمیں صرف وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا، وہ ہمارا مالک و مولیٰ ہے اور مسلمانوں کو اللہ پر ہی بھروسا کرنا چاہیے۔'' (الاخبار الطوال للدینوری، ص:246، دار احیاء الکتب العربیۃ)

محرم الحرام میں ذکرِ اہلِ بیتِ کرام علیہم الرضوان، خصوصاً ذکرِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی محافل کا بکثرت انعقاد ہوتا ہے اور مختلف طریقوں سے آپ کے ساتھ محبت کا اِظہار ہوتا ہے، مگر یہ پہلو بہت افسوس ناک ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد دوسروں کے دیکھا دیکھی جاہلانہ کاموں اور من گھڑت باتوں میں مشغول ہو جاتی ہے، یوں استقامتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور شہادتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے جو سیکھنا چاہیے وہ حاصل نہیں ہوتا... حالانکہ واقعۂ کربلا کا تذکرہ بامقصد انداز میں ہو تو اتنا بابرکت ہے کہ بزرگوں نے فرمایا: اگر زندگی کے کسی موڑ پر پریشانیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہو اور انسان ہمت ہارنے لگے تو اُسے چاہیے کہ شہادتِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو یاد کرے، اِس میں ایسی روحانی تاثیر اور حسین تربیت ہے کہ اِس کی برکت سے صبر و استقامت کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔

بہت سے لوگوں کو واقعۂ کربلا کا پسِ منظر اور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے کربلا میں تشریف لے جانے کے اسباب ہی معلوم نہیں ہوتے، بس سنی سنائی چند باتیں ذہنوں میں بٹھا رکھی ہوتی ہیں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے کربلا میں تشریف لے جانے کا واقعہ مختصر اور مستند انداز میں ذکر کیا جائے گا، نیز اِس متعلق کچھ تربیتی پہلوؤں پر گفتگو ہو گی۔

یزیدی کرتوتوں اور حسینی کردار کی غیبی خبر

اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سب سے زیادہ علم اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کو عطا فرمایا، پھر یہ کرم بھی کیا کہ آپ ﷺ غیب بتانے میں بخیل نہیں ہیں، مخلوق کے لیے جس چیز کا علم فائدہ مند ہو وہ بتا دیتے ہیں۔ حدیثِ مبارک کے مطابق آپ ﷺ نے ایک بہت طویل خطبہ میں پیدائش کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور جہنمیوں کے جہنم میں جانے تک کے حالات بیان فرما دیے۔ (بخاری: 3191)

نبیِ غیب داں ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں دیگر فتنوں کی طرح یزید پلید کی حکومت اور اُس کے کرتوتوں کا تذکرہ بھی فرمایا۔ نیز اُس کے مقابلے میں اپنے شہزادۂ والاشان امام حُسَین رضی اللہ عنہ کے حَسین کردار اور عظیم شہادت کو بھی بیان فرمایا۔

یزید سے متعلق جانِ عالَم ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا ہو گا؟ اِس کا اندازہ یوں کیجیے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منوّرہ کے بازاروں میں چلتے یہ دُعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ لَا تُدْرِكْنِيْ سَنَةَ السِّتِّيْنَ ... اَللّٰهُمَّ لَا تُدْرِكْنِيْ إِمَارَةَ الصِّبْيَانِ۔[1] یعنی اے اللہ! مَیں اپنی زندگی میں ساٹھ ہجری کا سال نہ پاؤں... اے اللہ احمقوں کی حکومت آنے سے پہلے میری وفات ہو جائے!

(دلائل النبوۃ، ج:6، ص:466، دار الکتب العلمیۃ۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:59، ص:217۔ البدایۃ والنہایۃ، ج:6، ص:256)

چنانچہ ربِّ کریم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دُعا قبول کی اور آپ یزید کے تخت نشین ہونے سے کچھ روز پہلے وصال فرما گئے۔[2]

اُمّ المؤمنین سیدتنا اُمِّ سلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: ایک مرتبہ حَسَنَیْنِ کریمَیْن رضی اللہ تعالیٰ عنہما میرے حجرہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھیل رہے تھے، جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ کی طرف اِشارہ کر کے عرض کی: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ أُمَّتَكَ تَقْتُلُ ابْنَكَ هٰذَا مِنْ بَعْدِكَ۔ یعنی یا رسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلم! آپ کے وصال کے بعد آپ کی اُمّت آپ کے اِس شہزادے کو شہید کر دے گی۔ چنانچہ رحمتِ عالم ﷺ کی مبارک آنکھوں سے موتی ٹپکنے لگے اور آپ نے شہزادے کو سینے سے لگا لیا۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ مٹی سونگھی اور مجھے (اُمّ المؤمنین کو) عطا کر کے فرمایا: يَا أُمَّ سَلَمَةَ! إِذَا تَحَوَّلَتْ هٰذِهِ التُّرْبَةُ دَمًا فَاعْلَمِيْ أَنَّ ابْنِيْ قَدْ قُتِلَ۔ ”اُمِّ سَلَمہ! جب یہ مٹی خون ہو جائے تو جان لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔“

چنانچہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے وہ مٹی محفوظ کر لی اور بار بار اُسے دیکھ کر کہتیں: إِنَّ يَوْمًا تَحَوَّلِيْنَ دَمًا لَيَوْمٌ عَظِيْمٌ۔ یعنی جس دن یہ مٹی خون بن جائے گی وہ بہت بڑا (ہولناک) دن ہو گا۔ (المعجم الکبیر، حدیث: 2817)

---

[1] وفی روایۃ عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ وَالسُّفَهَاءِ۔ (الأدب المفرد، رقم الحدیث: 66)

[2] فتح الباری بشرح البخاری، ج:13، ص:10

یزید کی تخت نشینی اور سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کا بیعت سے انکار

رمضان المبارک 40ھ میں سیدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ کی شہادت ہوئی تو آپ کے شہزادے سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ چند ماہ بعد اُنھوں نے اُمّت کی خیر خواہی کرتے ہوئے منصبِ خلافت کو جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور اُن کی بیعت کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے تقریباً 30 سال پہلے سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: «إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ» یعنی "میرا یہ بیٹا (حسن) سردار ہے، اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔" (صحیح بخاری، حدیث: 2704)

چنانچہ شہزادۂ والا شان کی بیعت سے خلیفہ بننے کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ 20 سال تک پوری ریاستِ اسلامیہ کے سربراہ رہے اور بہترین طریقے سے نظامِ سلطنت چلاتے رہے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ کے بیٹے یزید کو ولیِ عہد مقرر کر دیا گیا تھا۔ اِس حوالے سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی تھی (مفہوم): خُداوندا! اگر یزید کو اُس کی کچھ خوبیوں کی وجہ سے ولیِ عہد بنایا گیا ہے اور وہ اِس منصب کا اہل ہے تو اُسے خلافت تک پہنچا اور اُس کی مدد فرما... لیکن اگر وہ اِس منصب کا اہل نہیں تو اُسے خلیفہ بننے سے پہلے ہی موت دے دے۔[1]

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارکہ میں یزید نے کئی اہم ریاستی عہدوں پر کام کیا اور اُنھیں اچھے طریقے سے نبھایا، مگر 60ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو حکومت سنبھالنے کے بعد یزید نے نہایت نالائقی کا مظاہرہ کیا... شریعت کی کھلی خلاف ورزیاں کرنے لگا... سود خوری، شراب نوشی اور دیگر حرام کاموں کو رواج دیا؛ جس کی وجہ سے اکابر سخت تشویش میں مبتلا ہوئے۔

دوسری طرف مختلف خطوں کے گورنر اپنے اپنے علاقوں میں اُس کی خلافت کے لیے بیعت لینے لگے۔ مدینہ منوّرہ کا گورنر جب یزید کی بیعت لینے کے لیے امامِ عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے اُس کی بیعت کرنے سے انکار فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کر لیتے تو آپ کی ذات کو فائدہ پہنچتا اور ہر طرح سے آسائش ملتی، مگر اِس سے دین کا نقصان تھا؛ کہ یزید کے کرتوتوں کو تحفّظ مل جاتا اور وہ مزید بے باک ہو جاتا۔ چنانچہ آپ دین کی خاطر عظیم قربانی کے لیے تیار ہو گئے اور اُس کی بیعت نہ فرمائی۔

بیعت سے انکار کے بعد یزیدیوں کے شر سے بچنے کے لیے آپ نے مدینہ منوّرہ سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ شعبان المعظم 60ھ کی چوتھی رات کو نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری سلام عرض کرنے کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

---

[1] اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ إِنَّمَا عَهِدْتُّ لِيَزِيْدَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ فَضْلِهٖ فَبَلِّغْهُ مَا أَمَّلْتُ وَأَعِنْهُ، وَإِنْ كُنْتُ إِنَّمَا حَمَلَنِيْ حُبُّ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ وَأَنَّهٗ لَيْسَ لِمَا صَنَعْتُ بِهٖ أَهْلًا فَاقْبِضْهُ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ ذٰلِكَ. (تاریخ الإسلام للذهبی، ج:5، ص:272، دار الکتاب العربی)

سفرِ مکہ کا ایک حسین واقعہ: جب آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منوّرہ سے کوچ کر کے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو راستے میں حضرت عبد اللہ بن مُطیع رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، وہ اپنی زمین میں کنواں کھود رہے تھے، اُنھوں نے پوچھا: أَيْنَ؟ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ نے اپنا اِرادہ بتایا۔ پھر اُنھوں نے عرض کی: مَیں نے یہ کنواں کھودا ہے، مگر پانی بہت کم ہے، آپ دُعائے برکت فرما دیجیے۔ فرمایا: اُس کے پانی میں سے کچھ لاؤ۔ پانی پیش کیا گیا۔ فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ مَضْمَضَ ثُمَّ رَدَّهُ فِي الْبِئْرِ، فَأَعْذَبَ وَأَمْهَى۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کچھ پانی نوش فرمایا، پھر اُس پانی سے کلّی کر کے اُسے کنویں میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کنویں کا پانی میٹھا بھی ہو گیا اور زیادہ بھی ہو گیا۔[1]

اِس حسین واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو رحمتِ الٰہی سے دوسروں کے لیے یوں پانی کا انتظام کر سکتے ہیں وہ چاہتے تو کربلا میں اپنے لیے بھی کر لیتے، اصل بات یہ تھی کہ وہ دُنیا والوں کو قضائے الٰہی پر راضی رہنے کا سلیقہ سکھانا چاہتے تھے۔

سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کی کوفہ کی طرف روانگی اور اُس کا سبب

امامِ ہُمام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ سے عراق کی طرف تشریف لے جانے کا سبب یہ تھا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی اہلِ کوفہ نے امامِ عالی مقام کو خطوط لکھنا شروع کر دیے تھے کہ آپ تشریف لائیں، ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، مگر آپ نے صاف انکار کیا اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مکمل اعتماد کا اظہار فرمایا۔[2] جب یزید نے حکومت سنبھالی تو اہلِ کوفہ کا اصرار مزید بڑھ گیا۔ اب امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر روزِ قیامت اہلِ کوفہ نے بارگاہِ الٰہی میں کہا: "ہم تو شہزادۂ والا شان کو دعوت دیتے رہے تھے کہ تشریف لائیں، ہم آپ کی بیعت کر کے آپ کی قیادت میں ظلم کا خاتمہ کریں گے اور اسلامی نظام لائیں گے، مگر اُنھوں نے ہماری درخواست کو قبول نہیں کیا" تو مَیں ربّ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ اپنے چچازاد بھائی حضرت مُسلِم بن عَقِیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کوفہ بھیجا جائے؛ اگر وہ بے وفائی کریں گے تو ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر پیش کیا جا سکے گا۔ سیدنا مسلم رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو مختصر وقت میں ہزاروں لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ سیدنا مسلم رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ لوگ آپ کی قیادت میں اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں؛ لہٰذا آپ دین کی سربلندی کے لیے تشریف لے آئیں۔ اب امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ نہ جانے کا کوئی عذر باقی نہیں تھا۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:5، ص:110، دار الکتب العلمیۃ۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:14، ص:182، دار الفکر۔

[2] وَكَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يَكْتُبُونَ إِلَى حُسَيْنٍ يَدْعُونَهُ إِلَى الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِي خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ، كُلَّ ذَلِكَ يَأْبَى۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الطبقة الخامسة، ج:6، ص:422، مکتبة الخانجی۔ تاریخ مدینة دمشق، ج:14، ص:205۔ سیر أعلام النبلاء، ج:3، ص:293)

اِس موقع پر کئی صحابۂ ذی شان علیہم الرضوان نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو منّت سماجت کر کے عراق تشریف لے جانے سے روکا تھا؛ کیونکہ وہ حضرات جانتے تھے کہ کوفی بے وفا ہیں، وہ محبت کا دم بھرتے ہیں، مگر مشکل وقت میں ساتھ نہیں دیں گے۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ بھی یہ بات بہت اچھی طرح جانتے تھے، مگر آپ کی رائے تھی کہ اگر کوفہ والوں کی درخواست پر نہ جاؤں تو ربّ تعالیٰ کے حضور کیا جواب دوں گا؟ خصوصاً جب اُنھوں نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر میری بیعت کی ہے تو اب کوئی عذر باقی نہیں... دوسری طرف اگر چلا جاؤں اور وہ بے وفائی کریں تو زیادہ سے زیادہ جان جائے گی، مگر شہادت پا کر بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہو جاؤں گا۔ چنانچہ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ 03ذوالحجہ 60ھ کو اپنے گھر والوں اور خُدّام سمیت 82افراد کے ہمراہ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔(سوانحِ کربلا، ص:117تا128)

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف کیوں تشریف لے گئے تھے؟ اِس کا جواب آپ کے ایک خطبہ سے مزید واضح ہو جاتا ہے۔ کربلا کی طرف جاتے ہوئے ایک مقام پر آپ نے خطبہ دیا، جس میں حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگو! رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

«مَنْ رَّأٰى سُلْطَانًا جَائِرًا مُّسْتَحِلًّا لِّحُرُمِ اللهِ، نَاكِثًا لِّعَهْدِ اللهِ، مُخَالِفًا لِّسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، يَعْمَلُ فِيْ عِبَادِ اللهِ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، فَلَمْ يُغَيِّرْ مَا عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَّلَا قَوْلٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ مُدْخَلَهُ۔» یعنی ”جو شخص ظالم حکمران کو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا عہد (اُس کے تاکیدی احکام کو) توڑتا ہے اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتا ہے، بندگانِ خدا سے گناہ اور ظلم والا معاملہ کرتا ہے، اِس کے باوجود وہ حسبِ استطاعت طاقت یا زبان کے ذریعے اُس ظالم بادشاہ کے اِن برے کاموں کو روکنے کی کوشش نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اِسے بھی اُس ظالم بادشاہ والی جگہ پہنچائے گا۔“

یہ فرمانِ نبوی سنانے کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یزیدی یہ تمام کرتوت کر رہے ہیں، مَیں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، سب سے زیادہ میرا حق بنتا ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی روکنے کی کوشش کروں۔

(تاریخ الرسل والملوک[تاریخ طبری]ج:5، ص:403، دار التراث۔ الکامل فی التاریخ لابن اثیر، ج:3، ص:159، دار الکتاب العربی)

خطبۂ مبارکہ کا یہ جملہ: وَأَنَا أَحَقُّ مَنْ غَيَّرَ۔ ”میرا حق سب سے زیادہ ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا راستہ روکوں“ واضح کرتا ہے کہ یزید کی بیعت قبول نہ کرنے اور کوفہ کی طرف تشریف لے جانے کا مقصد یہی تھا کہ باطل مٹ جائے اور حق کا بول بالا ہو۔

دورانِ سفر آپ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ کوفہ کے گورنر عُبَیْد اللہ بن زیاد نے شہریوں کو یزید کی مخالفت سے ڈرایا دھمکایا، جس کے بعد کوفیوں نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ کر اُنھیں تنہا چھوڑ دیا اور ابن زیاد نے اُنھیں شہید کروا دیا۔ نیز کئی افراد نے بھی واپسی پر اِصرار کیا، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے سفر جاری رکھا اور فرمایا: إِنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِي الْمَنَامِ وَقَدْ أَمَرَنِيْ فِيْهَا بِأَمْرٍ وَأَنَا مَاضٍ لَهُ۔ یعنی مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک حکم دیا ہے اور مَیں اُسے ضرور پورا کروں گا۔ پوچھا گیا: خواب کیا ہے؟ فرمایا: ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری تک کسی کو بھی تفصیل نہیں بتاؤں گا۔(البدایۃ والنہایۃ، ج:8، ص:181)

کوفہ کی ناکابندی اور سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کی کربلا میں جلوہ گری

امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا قافلہ کوفہ کے قریب پہنچا تو وہاں کے گورنر ابن زیاد نے اسلحہ سے لَیس ایک ہزار سپاہی بھیج کر شہر کی ناکابندی کروادی۔ یہ تاریخ کی ایک انوکھی بے وفائی تھی کہ کوفیوں نے ایک عرصہ تک نہایت لجاجت واِصرار کے ساتھ معزز ترین مہمان کو بلانے کے لیے خطوط لکھے، جب وہ مہمانِ ذی وقار تشریف فرما ہوا تو اسلحہ کے زور پر اُس کا راستہ روک دیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ تمام رفقا کے ہمراہ کوفہ کے قریبی مقام کی طرف روانہ ہوگئے۔

کربلا کے قریب پہنچے تھے کہ ایک رات امامِ عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی خواب دیکھا اور یہ کلمات کہتے ہوئے بیدار ہوئے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ [البقرۃ2: 156]، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں (اُسی کے بندے ہیں، وہ جس حالت میں چاہے رکھے) اور یقیناً ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں اور سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے پوچھا: يَا أَبَتِ جُعِلْتُ فِدَاكَ! مِمَّ حَمِدْتَ وَاسْتَرْجَعْتَ؟ ابا جان! صدقے جاؤں! "الحمد للہ" اور "انّاللہ" کہنے کا سبب کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: بیٹے! مجھے اُونگھ آئی تھی تو مَیں نے خواب میں ایک گھڑسوار کو دیکھا، اُس نے کہا: اَلْقَوْمُ يَسِيْرُوْنَ وَالْمَنَايَا تَسِيْرُ إِلَيْهِمْ۔ یعنی یہ قافلہ کربلا کی طرف جارہا ہے اور شہادت اِن کی طرف بڑھ رہی ہے۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَعَلِمْتُ أَنَّ أَنْفُسَنَا نُعِيَتْ إِلَيْنَا۔ معلوم ہوتا ہے کہ (اِس خواب کے ذریعے) ہمیں ہماری شہادتوں کی خبر دی گئی ہے۔

یقیناً یہ خواب معمولی نہیں تھا، کوئی اور ہوتا تو سنتے ہی اوسان خطا ہو جاتے، مگر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نہایت اطمینان سے عرض کرنے لگے: يَا أَبَتِ لَا أَرَاكَ اللهُ سُوْءًا! أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ؟ یعنی بابا جان! اللہ پاک آپ کو ہر مصیبت سے بچائے! کیا ہم حق پر نہیں؟ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بَلٰى وَالَّذِيْ يَرْجِعُ إِلَيْهِ الْعِبَادُ۔ کیوں نہیں بیٹے! قسم بخدا ہم حق پر ہیں۔ شہزادۂ والا شان رضی اللہ عنہ نے کہا: إِذَنْ لَا نُبَالِيْ أَنْ نَّمُوْتَ مُحِقِّيْنَ۔ یعنی جب حق پر ہیں تو کوئی پرواہ نہیں! اللہ تعالیٰ جب چاہے جہاں چاہے شہادت عطا کردے۔

امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ یہی تو سننا چاہتے تھے، شہزادے کی جرأت کو داد دیتے ہوئے فرمایا: جَزَاكَ اللهُ مِنْ وَّلَدٍ خَيْرَ مَا جَزٰى وَلَدًا عَنْ وَالِدِهٖ۔ یعنی اللہ کریم نے کسی بھی والد کی طرف سے اُس کے بچے کو جو جزا و ثواب عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ تجھے میری طرف سے سب سے بہتر جزا اور صلہ عطا فرمائے۔ (تاریخ الرسل والملوک، ج:5، ص:407۔ الکامل فی التاریخ [تاریخ ابن اثیر]، ج:3، ص:161)

02 محرم الحرام 61ھ کو کربلا میں پہنچے تو جگہ کا نام پوچھا، بتایا گیا: اِس علاقے کا نام "کربلا" ہے۔ فرمایا: صَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ، أَرْضُ كَرْبٍ وَّبَلَاءٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سچا ہے، اِسی جگہ "کرب" و "بلا" (غم اور آزمائش) ہوگی۔

(المعجم الکبیر، ج:3، ص:108، رقم:2819، قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ بِأَسَانِيْدَ، وَرِجَالُ أَحَدِهَا ثِقَاتٌ [مجمع الزوائد، رقم:15116])

سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کی حیاتِ ظاہری کے آخری لمحات

سالارِ کربلا رضی اللہ عنہ کی جلوہ گری کے ساتھ ہی یزیدی فوج کربلا میں پہنچ گئی، حتّٰی کہ امام عالی مقام اور ہمراہی بچوں اور خواتین رضی اللہ عنہم سمیت کل 82 افراد کے مقابلے میں 22,000 کا لشکر جمع ہو گیا۔ خاندانِ عالی کو پیاس سے ستانے کے لیے پانی بھی روکا گیا۔[1] اُنھوں نے ہر طرح سے خوف زدہ کر کے یزید کی بیعت لینے کی کوشش کی، مگر قربان جائیں سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کے وارث اور مولَی المسلمین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر پر، جس نے اپنا گھر لٹانا اور جان دینا تو گوارا کر لیا، مگر اسلام کی عزت پر حرف نہ آنے دیا۔

آخری رات: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شہادت کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے تھے، مگر آخری دم تک امام حسین رضی اللہ عنہ کی جرأت واستقامت میں فرق نہ آیا۔ محرم کی دسویں رات آپ کی ہمشیرہ محترمہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا شدتِ غم سے بے ہوش ہو گئیں۔ کچھ اِفاقہ ہونے پر امام حُسین رضی اللہ عنہ نے اُنھیں تسلّی دیتے ہوئے فرمایا: اِتَّقِي اللهَ وَتَعَزَّيْ بِعَزَاءِ اللهِ وَاعْلَمِي أَنَّ أَهْلَ الْأَرْضِ يَمُوْتُوْنَ وَأَهْلَ السَّمَاءِ لَا يَبْقَوْنَ، وَأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَ اللهِ. أَبِي خَيْرٌ مِّنِّي وَأُمِّي خَيْرٌ مِّنِّي وَأَخِي خَيْرٌ مِّنِّي، وَلِي وَلَهُمْ وَلِكُلِّ مُسْلِمٍ بِرَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ۔ بہن! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور اللہ کی رِضا پر راضی رہنا، یہ یقین برقرار رکھنا کہ تمام زمین والے وفات پائیں گے اور آسمان والے بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے، ذاتِ باری تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ میرے والد گرامی، والدہ ماجدہ اور برادرِ مکرم، سبھی مجھ سے افضل تھے (اور اُن کی بھی وفات ہوئی ہے)۔ میرے لیے، اُن کے لیے اور ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بہتر ہے۔

مزید کچھ کلمات کے ذریعے تسلّی دینے کے بعد فرمایا: يَا أُخَيَّةُ! إِنِّي أُقْسِمُ عَلَيْكِ لَا تَشُقِّي عَلَيَّ جَيْبًا، وَلَا تَخْمِشِي عَلَيَّ وَجْهًا، وَلَا تَدْعِي عَلَيَّ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ إِنْ أَنَا هَلَكْتُ۔ یعنی بہن! مَیں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت کے بعد گریبان مت پھاڑنا، چہرہ نہ پیٹنا اور واویلا نہ کرنا۔

(البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج:8، ص:192، دار احیاء التراث۔ تاریخ الرسل والملوک [تاریخ طبری] ج:5، ص:420، دار التراث۔ الکامل فی التاریخ لابن اثیر، ج:3، ص:167، 168، دار الکتاب العربی)

آخری دن: 10 محرم الحرام کو امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے آخری نماز، نمازِ فجر باجماعت نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کی۔

---

[1] امامِ اہلِ سنت نے لکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغِ ظلم سے پیاسا ذبح کیا۔ (فتاوی رضویہ: 14/592) شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے کربلا میں پانی دستیاب ہونے اور نہ ہونے سے متعلق روایات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا: یہ صحیح ہے کہ 07 محرّم سے ابن زیاد کے حکم سے نہرِ فرات پر پہرا بٹھا دیا گیا تھا؛ کہ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے لوگ پانی نہ لینے پائیں، مگر یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کو لے کر کسی نہ کسی طرح پانی لایا کرتے تھے۔ شارحِ بخاری مزید لکھتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ (دس محرم الحرام کو) جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے فرات کے پہرے داروں نے زیادہ سختی کر دی ہو۔ (فتاوی شارحِ بخاری، ج:2، ص:69، ناشر دائرۃ البرکات، انڈیا)

جب اعلانِ جنگ ہوا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان میں تشریف لا کر ایک خطبہ دیا، اس میں خونِ ناحق سے متعلق نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا۔ پھر یہ بھی ذکر فرمایا: سوچو مَیں کون ہوں؟ میرے والد کا کیا رتبہ ہے؟ میری والدہ کی کیا شان ہے؟ میرے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کو ربّ تعالیٰ نے کیا عزت عطا فرمائی ہے؟ میرے چچا کون ہیں؟ میرے بارے میں تمہارے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشادات فرمائے ہیں؟ مگر سوائے چند خوش نصیبوں کے دشمنوں پر کوئی اثر نہ ہوا، دُنیا حاصل کرنے کے لالچ نے اُنھیں ایسا اندھا کر دیا تھا کہ وہ شفیعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں پیش ہونے کو بھی بھول گئے۔ (طبقاتِ کبریٰ، طبقۂ خامسہ، ج:6، ص:438)

جنگ کا آغاز ہوا تو خاندانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم افراد ایک ایک کر کے جامِ شہادت نوش کرنے لگے۔ مجموعی طور پر یزیدی فوج کے ہاتھوں امامِ عالی مقام کے دو شہزادے، چار بھتیجے، پانچ بھائی، چار چچازاد، دو پوتے (حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے بیٹے)، دو بھانجے اور دیگر رُفقا درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے سوانحِ کربلا، حاشیہ ص:126، 127)

جب جاں نثار شہید ہو چکے تو امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ بیس ہزار کے لشکر کے سامنے تنہا میدان میں تشریف لائے اور مقابلے کے لیے آنے والے کئی بدبختوں کو قتل کر دیا، بالآخر دشمنوں نے یک بارگی حملہ کیا، سب مل کر بھی تلواروں سے مقابلہ نہ کر سکے تو چاروں طرف سے بارش کے قطروں کی طرح تیر برسائے گئے۔ یوں سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نظر کا جسمِ اقدس خون میں نہا کر زمین پر تشریف لے آیا، پھر آپ کے سرِ انور کو جسم سے جدا کیا گیا۔

چنانچہ سید الشہدا امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ 56 سال، 5 ماہ اور 5 دن کی عمر مبارک میں 10 محرم الحرام 61ھ، بروز جمعۃ المبارک کو جامِ شہادت نوش کر کے بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوئے۔ (سوانحِ کربلا، ملخصًا)

حرفِ آخر... محرم الحرام اور ذکرِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ

بعض خوش نصیبوں کا کردار ایسا اعلیٰ ہوتا ہے کہ وہ عظیم مقاصد کا استعارہ بن جاتے ہیں۔ امامِ عالی مقام، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بھی ایسی ہی شخصیات میں سے ہیں، آپ کا نامِ نامی جرأت و بہادری اور حق پر ڈٹ جانے کا استعارہ ہے۔ آپ نے میدانِ کربلا میں نہایت عظیم قربانی دی اور صبر و استقامت کا ایسا شان دار مظاہرہ کیا کہ قیامت تک آپ کے ذکرِ خیر سے دین پر استقامت اور حق کی خاطر جان دینے کا جذبہ بیدار ہوتا رہے گا۔

محرم الحرام میں بکثرت امامِ عالی مقام اور دیگر اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان کی یاد میں محفلیں سجتی ہیں۔ یقیناً یہ بہت اچھا عمل ہے، تاہم اِس حوالے سے چند باتیں اِصلاح طلب ہیں:

فقط مستند روایات کا ذکر: محرم الحرام ہو یا کوئی دوسرا مہینہ، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا تذکرہ ہو یا کوئی

اور موضوع... بہر حال یہ ضروری ہے کہ صرف اُنہی روایات کو بیان کیا اور سنا جائے جو مستند ہیں، دین کے اُصولوں کے مطابق ہیں اور محتاط علمانے اُنھیں اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ جھوٹی تاریخی روایات بیان کرنا اور سننا حرام ہے۔[1] ایسی باتیں بیان کرنا اور سننا جن سے عوام کے عقائد خراب ہوں اور بھی زیادہ زہرِ قاتل ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:514، ملخصًا)

رونے کے لیے نہیں، استقامت کے لیے: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا خلاصہ ہے کہ اگر تذکرۂ شہادت سے مقصود غم پروری، بناوٹ اور رونا دھونا ہو تو یہ نیت شریعت میں پسندیدہ نہیں۔ شریعت مطہرہ نے غم میں صبر کرنے، اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے اور حتّی الامکان اُس غم کو دُور کرنے کا حکم دیا ہے، نہ یہ کہ تکلّف کرکے غم لایا جائے اور اِسے ثواب سمجھا جائے۔ ہاں اگر اہلِ بیت عظام علیہم الرضوان کے فضائل و مناقب سے متعلق صحیح روایات بیان کی جائیں اور ضمناً اُن کے صبر و استقامت کا ذکر کرنے کے لیے شہادت کا تذکرہ ہو اور محبت کے تقاضے سے بے اختیار آنسو آجائیں تو حرج نہیں۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:515/487، ملخصًا)

ماہِ محرم: ماہِ محرم الحرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت واِعزاز حاصل ہے۔ اِس مہینے میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات رُونما ہوئے، بلکہ خود سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کئی یادیں اِس مہینے سے وابستہ ہیں۔

خصوصًا یومِ عاشورا (دس محرم) بہت فضیلت کا حامل ہے۔ سیدنا ابو قتادہ حارث بن رِبعی رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ بھی روایت کیے: وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ۔ یعنی "مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ دس محرم کا روزہ رکھنے پر گزشتہ ایک سال کے (صغیرہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث:1162) یعنی ایک سال کے صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور اگر صغیرہ گناہ نہ ہوئے تو کبیرہ میں تخفیف ہو جائے گی۔

ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ اِس عظمت اور فضیلت والے مہینے میں نوحہ، سوگ، امام حسین کا فقیر بن کر مانگنا، جوتا نہ پہننا، تعزیہ بنانا وغیرہ متعدد بے ہودہ، خلافِ شرع رسمیں رائج ہیں اور کئی قسم کے جاہلانہ خیالات پائے جاتے ہیں، حالانکہ یہ سب جاہلانہ کام ہیں اور شریعتِ مطہرہ نے اِن سے منع فرمایا ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:488، رضا فاؤنڈیشن)

شرعی مسئلہ[2]: محرم الحرام کے ابتدائی دنوں میں تین رنگوں کا لباس ہرگز نہ پہنا جائے: 1) سیاہ، یہ سوگ کی علامت ہے اور رافضیوں کا طریقہ ہے۔ 2) سبز، یہ تعزیہ داروں کا طریقہ ہے۔ 3) سُرخ، یہ خارجیوں کا طریقہ ہے۔

(فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:185، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔ بہارِ شریعت، ج:3 (الف)، ص:416، مکتبۃ المدینہ، ملخصًا)

---

[1] واقعۂ کربلا سے متعلق چند جھوٹی روایات جاننے کے لیے مطالعہ کریں کتاب "چند واقعاتِ کربلا کا تحقیقی جائزہ"، از عبد مصطفٰی محمد صابر قادری

[2] مفتیٔ اعظم پاکستان معمارِ جامعہ نظامیہ رضویہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے: "خطبہ کے اختتام پر نمازیوں کی بڑی تعداد جمع ہو چکی ہوتی ہے، اگر اِس وقت ایک شرعی مسئلہ بیان کر دیا جائے تو وہ سب کا مشترکہ سبق ہو جاتا ہے۔" اِس ارشاد پر عمل کے لیے یہ سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔

۱۲ محرم الحرام ۱۴۴۶ھ/19 جولائی 2024ء

اسلامی تاریخ کا مطالعہ...

ضرورت، اہم اُصول اور چند مسلّمہ عقائد

مشمولات

- مطالعۂ تاریخ کی اہمیت
- مطالعۂ تاریخ کے اہم اُصول
- نسبتِ نبوی والے ہر فرد کی تعظیم
- صحابہ واہلِ بیت کے بارے میں دلوں کو کدورت سے پاک رکھنا
  - صحابۂ کرام کے گستاخوں پر امام زین العابدین کا جلال
- مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق خاموشی کا حکم
  - صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اذیت دینے سے اجتناب کا نبوی حکم
  - مَرد کے لیے انگوٹھی اور دیگر زیورات کا حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ [ھود:120]

گزرے ہوئے دَور کے واقعات، پرانی یادیں اور "ماضی" کے اُمور انسان کو بہت کچھ سکھاتے ہیں، اپنے "حال" کو سنوارنے میں مدد دیتے ہیں اور "مستقبل" کو بہتر بنانے کے لیے اچھی منصوبہ بندی کا موقع فراہم کرتے ہیں؛ اِسی وجہ سے ہر دَور میں "فنِّ تاریخ" کی اہمیت مسلّم رہی ہے اور اب بھی تاریخ پر بہت کچھ لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

ربِّ کریم نے کتابِ ہدایت قرآنِ حکیم میں بار بار گزشتہ قوموں کے واقعات ذکر فرمائے؛ کہ لوگ ماضی سے سبق سیکھیں... نافرمانوں کے انجام پر غور کر کے گناہوں سے بچیں اور فرماں برداروں کے انعام سے عمل کا جذبہ بیدار کریں۔

یہ بات سو فیصد سچ ہے کہ دُنیا میں سب سے شان دار تاریخ مسلمانوں کی تاریخ ہے، بلاشبہ مسلمانوں کا ماضی اتنا عالی شان ہے کہ وہ کسی بھی قوم کے سامنے اپنے بزرگوں کے کارنامے اور اُن کے واقعات فخر کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں، خصوصًا سرورِ عالم ﷺ کے اصحاب واہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حسین واقعات بلاشبہ اسلامی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے متعلق گزشتہ ادوار کے لوگ بھی اِفراط و تفریط کا شکار رہے ہیں اور ہمارے دَور میں بھی یہ بیماری بے شمار افراد میں پائی جاتی ہے:

- کوتاہی و تفریط یہ ہے کہ اکثر مسلمان اپنی تاریخ سے آگاہ نہیں، بے شمار لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کون کون سے سالوں میں مسندِ خلافت کی زینت بنے اور کب اُن کا وصال ہوا؟ سیدنا عمر بن عبد العزیز، سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان محمود غزنوی اور دیگر مشاہیر اسلام علیہم الرحمہ کے کارناموں کا ذکر تو بہت بعد میں آتا ہے!
- اور تاریخ سے متعلق افراط وحد سے تجاوُز یہ ہے کہ بعض لوگ فنِ تاریخ کو اِس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ اُسے ہی سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں، حتّٰی کہ تاریخ اُن کے عقائد و نظریات پر بھی اثر ڈالتی ہے اور وہ غیر مستند تاریخی روایات کی وجہ سے اُن ہستیوں سے متعلق بدگمانی کرنے لگتے ہیں جن کی تعریف خود اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے۔

ماہِ محرم الحرام میں بہت سے افراد اہلِ بیتِ عظام اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی سیرت و تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں، جو کہ لائقِ تحسین عمل ہے، تاہم اِس بات کی بہت ضرورت ہے کہ افراط و تفریط سے دُور رہتے ہوئے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے؛ تاکہ ہم عقائد کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے شان دار ماضی سے خود بھی باخبر ہوں اور نسلِ نَو کو بھی اِس سے آگاہ کریں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں تاریخ کی اہمیت، اِس کے مطالعہ سے متعلق کچھ اُصولوں اور چند مسلّمہ عقائد کا ذکر ہو گا۔

مطالعۂ تاریخ کی اہمیت

قرآنِ حکیم کتابِ ہدایت ہے، یہ لوگوں کی راہ نمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اِس کے موضوعات میں سے ایک اہم موضوع "پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام اور اُن کی اُمّتوں کے واقعات" کا بیان بھی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ "اور ہم آپ کو رسولوں کی خبریں بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس حق آگیا اور مومنوں کے لیے نصیحت و عبرت۔" [ھود 11:120]

اگر تاریخ کی اہمیت نہ ہوتی تو قرآنِ حکیم میں اِن واقعات کا ذکر نہ کیا جاتا؛ کیونکہ کلامِ الٰہی لغو و فضول سے مکمل طور پر پاک ہے۔

مسلمانوں کے لیے خاص طور پر سرورِ عالَم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور آپ ﷺ کے اصحابِ ذی شان و اہلِ بیت عظام علیہم الرضوان کی مستند تاریخ جاننا بہت ضروری ہے، اِس سے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

شہزادۂ سیدنا امام حسین حضرت علی زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: كُنَّا نُعَلَّمُ مَغَازِيَ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا نُعَلَّمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ ہمیں (اپنے گھروں میں) رسول اللہ ﷺ کے غزواتِ مبارکہ کے واقعات ایسے سکھائے جاتے جیسے قرآنِ پاک کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:3، ص:297، دار احیاء التراث)

مصوّرِ پاکستان ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ اپنے دسیوں حسین اشعار میں جوانانِ اسلام کو اپنی تاریخ یاد کرنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کی ایک نظم کا آغاز یوں ہے:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردُوں تھا، تُو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا[1]

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا[2]

اگر ہم نے نسلِ نَو کو اپنے شان دار ماضی سے آگاہ کیا ہوتا تو آج اُمّت کے یہ حالات نہ ہوتے۔

---

[1] گردُوں: آسمان۔ یعنی اے مسلم نوجوان! کبھی تُو نے غور و فکر کیا ہے کہ تُو کس عظیم الشان آسمان کا ٹوٹا ہوا ایک ستارا ہے؟

[2] دارا: بادشاہ۔ تیری پرورش اُن بزرگوں نے اپنی محبت بھری گود میں کی ہے جنھوں نے شاہوں کے تاج اپنے پاؤں میں کچل ڈالے تھے۔

مطالعۂ تاریخ کے اہم اُصول

اِس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ تاریخ کے مطالعہ سے متعلق لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں... کچھ تاریخ کا مطالعہ ہی نہیں کرتے، جب کہ ایک تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو تاریخ کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں، حتّٰی کہ اگر تاریخ کی کتابوں میں لکھی ہوئی کوئی بات اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف ہو تو وہ عقیدہ بدل لیتے ہیں، مگر تاریخ کو نہیں چھوڑتے۔

زندگی کے ہر موڑ پر ہمیں قرآن و حدیث سے بہترین راہ نمائی ملتی ہے، تاریخ کے مطالعہ سے متعلق بھی ہمیں قرآن و سنت سے کچھ اُصول معلوم ہوتے ہیں، اگر ہم اُنھیں پیشِ نظر رکھیں تو تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے فتنوں سے محفوظ رہیں:

1۔ صدق و کذب کی پرکھ: تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ قرآنِ حکیم ربّ تعالیٰ کا کلام ہے، اِس میں جھوٹ کا تصوّر ذہن میں بٹھانا بھی کفر ہے۔ اِسی طرح سرورِ عالَم ﷺ مخلوق میں سب سے بڑے سچے ہیں، آپ کی ثابت شدہ احادیثِ طیبہ میں بھی جھوٹ کا شائبہ نہیں... البتہ تاریخ کی حیثیت ایک اخبار کی ہے، اُس میں سچی باتیں بھی ہیں اور جھوٹی بھی، حقائق بھی ہیں اور افسانے بھی۔

اِس بات کو سمجھنے کے لیے پاکستانی صحافت کو بطورِ مثال لیا جاسکتا ہے، یہاں خبروں میں کتنی صداقت ہوتی ہے؟ الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا والے کتنی تحقیق کرتے ہیں؟ یہ سب ہمیں معلوم ہے۔ اگرچہ سب خبریں جھوٹی نہیں ہوتیں، مگر سب سچی بھی نہیں ہوتیں۔

گفتگو کا مقصود یہ ہے کہ "تاریخ" اِس قابل نہیں کہ اُس پر اعتماد کرتے ہوئے عقیدہ بدل لیا جائے یا تاریخی روایت کی وجہ سے مسلّمہ شخصیات سے متعلق شکوک و شبہات ذہن میں بٹھا لیے جائیں؛ کیونکہ بہر حال تاریخ میں صحیح روایات بھی ہیں اور من گھڑت بھی۔

2۔ قرآن و سنت کے تابع: تاریخ کا مطالعہ کرنے والے شخص پر لازم ہے کہ وہ تاریخی باتوں کو قرآن و سنت پر پیش کرے اور جو بات قرآن و سنت کے خلاف ہو اُسے ردّ کر دے۔

ابھی کچھ مسلّمہ عقائد کا تذکرہ کیا جائے گا، کوئی بھی تاریخی روایت اِن کے خلاف ہے تو ہم ہر گز اُسے قبول نہیں کریں گے؛ کیونکہ قرآن و سنت کے مقابلے میں اخبار کی کوئی حیثیت نہیں۔

سیدنا عمران بن حُصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی حدیثِ مبارک بیان کی: اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ، أَوْ قَالَ: اَلْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ۔ "تمام تر بھلائی حیا ہے۔ حیا جس قدر ہو بھلائی ہی ہے۔" یہ سن کر ایک شخص کہنے لگا: ہم نے حکمت و فلسفہ کی بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حیا کا فائدہ بھی ہے اور کچھ نقصان بھی... اِس سے وقار تو حاصل ہوتا ہے مگر کچھ کمزوری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

راوی کہتے ہیں: فَغَضِبَ عِمْرَانُ حَتَّى احْمَرَّتَا عَيْنَاهُ وَقَالَ: أَلَا أُرَانِي أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَتُعَارِضُ فِيهِ۔ (اُس کی بات سن کر) غصے کی وجہ سے سیدنا عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمانے لگے: مَیں تجھے رسول اللہ ﷺ کا اِرشادِ گرامی سنا رہا ہوں اور تو اِس کے مقابل فلسفہ کی واہیات لاتا ہے! (صحیح مسلم، حدیث:166)

3۔ نشر سے پہلے علما سے تصدیق: تاریخی روایت ہو یا کچھ اور... جس چیز کی حقیقت معلوم نہیں اُسے پھیلانے کی اجازت نہیں، ہمیں حکم ہے کہ پہلے علمائے کرام سے تصدیق کریں، جو بات حقیقت ہو اور دینی تقاضوں کے مطابق ہو اُسے نشر کریں، ورنہ ہر گز اُسے دوسروں تک مت پہنچائیں۔

بغیر تحقیق باتیں پھیلانے والا شخص نہ چاہتے ہوئے بھی جھوٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ سیدنا ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: كَفَى بِالْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ، وَكَفَى بِالْمَرْءِ مِنَ الشُّحِّ أَنْ يَقُولَ: اُخْذُ حَقِّي لَا أَتْرُكُ مِنْهُ شَيْئًا۔ ”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے اور آدمی کے بخیل ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کہے: مَیں (مقروض وغیرہ سے) اپنا حق لوں گا اور تھوڑا سا بھی معاف نہیں کروں گا۔“
(المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: 2196)

4۔ فتنہ پروری سے اجتناب: بعض اوقات ایک بات درست ہوتی ہے، مگر اُسے بے موقع بیان کرنے یا نا اہل تک پہنچانے سے فتنہ پھیلتا ہے، چنانچہ تاریخی روایات اور دیگر باتیں اگر سچی بھی ہوں، مگر دینی تقاضوں کے خلاف ہوں تو اُنھیں دوسروں تک پہنچانے کی ہر گز اجازت نہیں۔

سیدنا مقداد بن اَسْوَد کندی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم اُٹھا کر بیان کیا کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ...» یعنی ”بے شک وہ شخص ضرور خوش نصیب ہے جسے فتنوں سے دُور رکھا گیا، بلاشبہ وہ شخص ضرور سعادت مند ہے جسے فتنوں کے قریب آنے سے بچا لیا گیا، یقیناً وہ شخص ضرور نیک بخت ہے جسے فتنوں سے الگ رکھا گیا۔۔۔“ (سنن ابو داؤد، حدیث:4263)

5۔ ضعیف تاریخی روایات سے فضائل کا اثبات: عقائد و نظریات فقط پختہ دلائل سے ثابت ہوتے ہیں، جب کہ کسی چیز کا استحباب (بہتر ہونا) ثابت کرنے کے لیے یا کسی شخصیت کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے پختہ دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ تاریخی روایات سے کوئی عقیدہ نہ ثابت ہو سکتا ہے نہ تبدیل... البتہ اِن سے کسی شخصیت یا عمل کی فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔ ہر بات کے لیے بخاری شریف کا حوالہ مانگنا جاہل شخص کا کام ہے، یقینی دلیل اُس بات کے لیے چاہیے جو عقیدہ ہے یا جسے فرض و واجب قرار دیا جا رہا ہے۔

مسلّمہ عقیدہ.... نسبتِ نبوی والے ہر فرد کی تعظیم

تاریخ کے مطالعہ سے متعلق کچھ اُصول ذہن نشین کرنے کے بعد ماہِ محرم الحرام کی مناسبت سے سرورِ عالَم ﷺ کے صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان سے متعلق چند بنیادی عقائد کو ذکر کیا جاتا ہے، جو قرآن وسنت کی واضح نصوص سے ثابت ہیں۔ ایک آدھ روایت کیا، پوری تاریخ بھی اگر اِن مسلّمہ عقائد کے خلاف ہو تو اُسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا؛ کیونکہ نصوصِ قرآن و سنت کے مقابلے میں تاریخی روایات کی کوئی حیثیت نہیں۔

قرآن وسنت کی کئی نصوص سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر تعظیم والے الفاظ کے ساتھ کرنا فرض ہے۔ کسی بھی صحابی یا اہلِ بیت کے کسی بھی فرد کے لیے بے ادبی والے الفاظ استعمال کرنا یا اُن کے تذکرہ میں توہین آمیز انداز اختیار کرنا گمراہی ہے اور سخت حرام ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ! لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ، وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللهَ، وَمَنْ آذَى اللهَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهُ۔ ”میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد اُنھیں نشانہ نہ بنانا، جس نے اُن سے محبت کی تو اُس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو وہ میری عداوت سے اُن کا دشمن ہوا۔ جس نے اُنھیں ستایا اُس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اِیذا دی تو قریب ہے اللہ تعالیٰ اُسے (عذاب میں) گرفتار فرمائے۔“ (جامع ترمذی، حدیث:3862)

تاریخی روایات کی بنیاد پر کسی بھی صحابی یا اہلِ بیت کے کسی بھی فرد پر طعن و تشنیع کرنے والے بدبخت کو سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام اعمال کو جانتے ہوئے اُن سے مغفرت وجنت کا وعدہ کیا اور ارشاد فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. ”اور ہر ایک (صحابی) سے اللہ تعالیٰ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرو گے۔“ [الحدید 10:57]

جب اللہ کریم نے اُن سب سے جنتِ بے عذاب و کرامت و ثواب کا وعدہ فرمایا تو دوسرے کو کیا حق رہا کہ اُن کی کسی بات پر طعن کرے...؟ کیا طعن کرنے والا اللہ (عزّوجلّ) سے جُدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے؟ (بہار شریعت، ج:1(الف)، ص:255)

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: اہلِ صِفّین کے بارے آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللهُ يَدَيَّ مِنْهَا، فَلَا أُحِبُّ أَنْ أَخْضِبَ لِسَانِيْ فِيْهَا۔ یعنی ”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرماتے ہوئے اُن کی خون ریزی سے میرے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے، لہٰذا اُن کے متعلق (کوئی نازیبا بات کہہ کر) مَیں اپنی زبان آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔

(حلیۃ الأولیاء، ذکر طوائف من جماھیر النساك والعباد، ج:9، ص:114)

مسلّمہ عقیدہ.... دلوں کو کدورت سے پاک رکھنا

رحمتِ عالَم ﷺ کے ہر صحابی اور آپ کے ساتھ نسبتِ بیت رکھنے والے ہر فرد سے محبت لازم ہے، اُن میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی بُغض رکھنا گمراہی ہے اور جہنم کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی تین قسمیں ذکر فرمائیں: 1۔ مکہ مکرمہ سے کوچ کرنے والے مہاجرین۔ 2۔ مدینہ پاک میں اُن کی میزبانی کرنے والے انصار۔ 3۔ قیامت تک کے وہ مسلمان جو مہاجرین وانصار کے لیے دعائیں کریں اور اِن سے کدورت نہ رکھیں۔ تیسری قسم سے متعلق آیتِ کریمہ کے الفاظ ہیں: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ ”اور وہ جو اُن کے بعد آئے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کو بھی بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ (کدورت) نہ رکھ، اے ہمارے رب! بے شک تو ہی نہایت مہربان بہت رحمت والا ہے۔“ [الحشر 10:59]

عراق سے تعلق رکھنے والے کچھ بدبخت شہزادۂ امام حسین حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدزبانی کی۔ آپ نے اُنھیں فرمایا: تم مہاجرین سے ہو؟ اُنھوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: تم انصار ہو؟ کہنے لگے: نہیں۔ فرمایا: سورۂ حشر میں مذکور مسلمانوں کی پہلی دو جماعتوں میں شامل نہ ہونے کا تم نے خود اقرار کیا، وَأَنَا أَشْهَدُ أَنَّكُمْ لَسْتُمْ مِنَ الْفِرْقَةِ الثَّالِثَةِ... مَیں گواہی دیتا ہوں کہ (بُغضِ صحابہ کی وجہ سے) تم تیسری قسم میں بھی شامل نہیں ہو۔ مزید فرمایا: فَقُوْمُوْا عَنِّيْ لَا بَارَكَ اللهُ فِيْكُمْ! وَلَا قَرَّبَ دُوْرَكُمْ! أَنْتُمْ مُسْتَهْزِئُوْنَ بِالْإِسْلَامِ وَلَسْتُمْ مِنْ أَهْلِهِ۔ یعنی میرے پاس سے اُٹھ جاؤ، اللہ تمہیں برکت نہ دے! اللہ تمہیں (مدینہ منوّرہ کے اور ہم اہلِ بیت کے) قریب نہ کرے! تم اسلام سے مذاق کرنے والے ہو، سچے مسلمان نہیں ہو۔

(تاریخ مدینۃ دمشق، ج:41، ص:389۔ البدایۃ والنہایۃ، ج:9، ص:125، دار احیاء التراث العربی۔ حلیۃ الاولیاء، ج:3، ص:137، مطبعۃ السعادۃ)

صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان سے بُغض رکھنا تو بہت دُور کی بات ہے، جانِ عالَم ﷺ نے کسی شرعی وجہ کے بغیر عام مسلمان کے لیے بھی دل میں کینہ وکدورت رکھنے سے منع فرمایا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَابُنَيَّ! إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِّأَحَدٍ فَافْعَلْ۔ ”پیارے بیٹے! اگر یہ کر سکو کہ تمہاری صبح شام یوں گزرے کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہ ہو تو ضرور ایسا کرنا۔

مزید فرمایا: ”پیارے بیٹے! یہ میری سنت ہے، جس نے میری سنت (شریعت) کو زندہ کیا ضرور اُسے میری (سچی اور کامل) محبت نصیب ہوئی اور جسے میرا پیار مل گیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔“ (جامع ترمذی، حدیث:2678)

مسلّمہ عقیدہ.... مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق خاموشی

ہر ذی شعور شخص سمجھتا ہے کہ چھوٹوں کا بڑوں کی باتوں میں ٹانگ اٹکانا حماقت ہے، خصوصًا جن باتوں کو انسان سمجھ ہی نہیں پاتا، اُن کے بارے میں بحث کرنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔ جس شخص کو سائنس کی بنیادی باتیں بھی معلوم نہیں، اگر وہ سائنس دانوں کے اپنے فن سے متعلق باہمی اختلاف میں فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھ جائے تو اُسے ذہنی امراض کے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیے۔

یہی صورتِ حال صحابۂ کرام یا اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان کے آپس میں ہونے والے اختلافات کی ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد اُن کے درجے سب سے بلند ہیں، حتّٰی کہ بڑے بڑے بھی اُن کے قدموں کی خاک تک نہیں پہنچ سکتے۔ حدیثِ نبوی کے مطابق اُن کے دل (انبیا کے بعد) کائنات میں سب سے بڑھ کر پاکیزہ ہیں۔ ہم جیسے گناہ گار اُن کے دلوں کی کیفیات اور اُن کی نیتوں کی حقیقت سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے؛ اِسی لیے ہمیں یہ حکم ہے کہ صحابۂ کرام یا اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان کے درمیان جو ہلکے پھلکے یا شدید اختلافات ہوئے اُن سے متعلق خاموش رہیں، اُن کے معاملے کو ربّ تعالٰی کے سپرد کریں اور سب کے بارے میں اچھا گمان رکھیں۔ اگر کوئی شخص اُن کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُسے یا ذہنی بیماریوں کا علاج کرنے والے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیے یا دلوں کا دارُو کرنے والے بزرگانِ دین کی بارگاہوں میں حاضر کرنا چاہیے۔

سیدنا ابو درداء عُوَیمِر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی صاحب کی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تکرار ہو گئی، جب سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا جلال فرمایا کہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن صاحب کو بچانے کے لیے یہاں تک کہہ دیا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! میری غلطی تھی۔ اِس موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار و مزار رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمانے کے ساتھ ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو قیامت تک اُمّت کی تربیت کرتا رہے گا، فرمایا: هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوْ لِيْ صَاحِبِيْ. هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوْ[1] لِيْ صَاحِبِيْ۔ یعنی "میری خاطر میرے دوست کو تکلیف دینے سے باز رہا کرو! میرا لحاظ کر کے میرے یار کو اذیت نہ پہنچایا کرو!"

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اِس ارشادِ عالی کے بعد کبھی کسی نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دل نہیں دُکھایا۔ (صحیح بخاری: 3661)

"میری خاطر" کے حسین الفاظ میں یہ تربیت ہے کہ اگر کبھی تمہاری ناقص عقل میرے پیاروں کی کسی بات کو قابلِ اعتراض قرار دے تو میری نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی زبانوں کو خاموش رکھنا اور بدزبانی کر کے اُن کا دل مت دُکھانا۔

---

[1] استفہام اگر تحقیق کے لیے ہو تو امر کا معنٰی دیتا ہے۔ امثلہ اور حوالہ جات کے لیے دیکھیے: فتاوٰی رضویہ، ج: 11، ص: 164، 165

"تارکو لی صاحبی": بِحَذْفِ النُّون من: "تارکون"، لِأَنَّهُ مُضَاف إِلٰى قَوْله: "صَاحِبِي"، لٰكِن وَقع الْجَار وَالْمَجْرُور أَعنِي قَوْله: "لي" فاصلًا بَين الْمُضَاف والمضاف إِلَيْهِ. وَذٰلِكَ جَائِز، وَقد وَقع فِي كَلَام الْعَرَب كثيرًا، ويروى "تاركون" بالنُّون على الأَصْل. (عمدۃ القاری)

حرفِ آخر... مطالعۂ تاریخ کے اصول اور غزّہ کی تاریخ

تاریخ کا مطالعہ ہمیں اپنی انفرادی و اجتماعی کوتاہیاں دُور کرنے اور ترقّی کی راہیں متعین کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے، چنانچہ عقل مند لوگ "ماضی" سے سبق سیکھتے ہوئے "حال" سنوارنے اور "مستقبل" کو روشن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ کس قدر اہم اور مفید ہے؟ اِس کا اندازہ لگانے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ ربِّ کریم نے قرآنِ حکیم میں پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام اور اُن کی قوموں کے واقعات کثرت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور اُنھیں مسلمانوں کے لیے نصیحت و عبرت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری مذہبی ذمہ داری بھی ہے کہ ہم اپنے آقا کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کریں اور آپ ﷺ کے اصحاب و اہلِ بیت کی عظیم الشان تاریخ خود پڑھ کر نسلِ نَو کو بھی اُس سے آگاہ کریں۔

محرم الحرام میں اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم کی سیرت و تاریخ سے متعلق بہت کچھ بیان کیا اور پڑھا جاتا ہے، اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں تاریخ کی اہمیت و افادیت کے ساتھ ساتھ چند ایسے اہم اُمور سے متعلق گفتگو کی گئی جنھیں تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے پیشِ نظر رکھنا بے حد ضروری ہے، ورنہ مطالعۂ تاریخ مفید ہونے کے بجائے سخت نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے:

- تاریخ کی حیثیت ایک اخبار کی ہے، جس میں سچی باتیں بھی ہیں اور جھوٹی بھی؛ لہٰذا تاریخی روایات سے عقائد و نظریات نہیں بنائے جاتے، نہ ہی تاریخ کی بنیاد پر مسلّمہ شخصیات سے متعلق ذہن میں بدگمانی پیدا کرنا درست ہے۔ عقائد و نظریات قرآن و سنت سے حاصل ہوتے ہیں۔
- تاریخ سمیت، کسی بھی چیز کی حقیقت سمجھے بغیر اُسے دوسروں تک پہنچا دینا سخت حماقت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ علما سے تصدیق کے بعد فقط وہ باتیں پھیلائیں جو مستند ہیں اور دینی تقاضوں کے مطابق ہیں۔
- موجودہ دَور فتنوں کا دَور ہے؛ لہٰذا تاریخ پڑھ کر فتنہ پھیلانے سے بھی بچنا چاہیے اور فتنہ پروروں سے بھی دُور رہنا چاہیے۔
- تاریخی روایات کے ذریعے اگرچہ عقائد ثابت نہیں ہوتے، مگر اِن سے اعمال اور شخصیات کی فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔
- قرآن و سنت سے حاصل شدہ عقائد و نظریات تاریخی روایات کے ذریعے تبدیل نہیں ہو سکتے، اگر پوری تاریخ بھی کسی عقیدہ کے خلاف ہو تو ہم تاریخ کو ردّ کر دیں گے، مگر عقیدہ تبدیل نہیں کریں گے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں چند مسلّمہ عقائد کا بھی تذکرہ ہوا:
  - تمام صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر تعظیم والے الفاظ کے ساتھ کرنا فرض ہے اور کسی بھی صحابی یا اہلِ بیت کے کسی بھی فرد کے لیے بے ادبی والے الفاظ استعمال کرنا یا اُن کے تذکرہ میں توہین آمیز انداز اختیار کرنا گمراہی ہے اور سخت حرام ہے۔

- رحمتِ عالَم ﷺ کے ہر صحابی اور آپ کے ساتھ نسبتِ بیت رکھنے والے ہر فرد سے محبت لازم ہے، اُن میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی بُغض رکھنا گمراہی ہے اور جہنم کا ذریعہ ہے۔
- صحابۂ کرام یا اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان کے درمیان جو اختلافات ہوئے، ہمیں اُن سے متعلق حکم ہے کہ خاموش رہیں، اُن کے معاملے کو ربّ تعالیٰ کے سپرد کریں اور اُن سب کے بارے میں اچھا گمان رکھیں۔

تاریخ سے متعلق بات کرتے ہوئے غزہ کی طرف بھی دھیان جاتا ہے، مؤرخ جب غزہ کی تاریخ لکھے گا تو پاکستان سمیت مسلم ریاستوں کا کردار یہی درج کرے گا کہ غزہ میں مسلمانوں کا لہو بہہ رہا تھا اور مسلم حکمران اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کر رہے تھے۔

موجودہ حالات میں حکومتِ پاکستان کو چاہیے کہ کم از کم:

1) سرکاری سطح پر اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کرے اور اُس کے متبادل پاکستانی مصنوعات کو رواج دے۔
2) غزہ تک فوری طور پر غذائی و طبّی امداد پہنچانے کا اہتمام کرے۔
3) اسرائیلی وزیرِ اعظم کو دہشت گرد قرار دے۔

یہ مطالبات تمام غیور مسلمانوں کی آواز ہیں اور اِنھیں تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ کا نتیجہ اچھا نہیں۔

شرعی مسئلہ[1]: مَرد کو ساڑھے چار ماشے سے کم وزن میں چاندی کی ایک نگ والی ایک انگوٹھی پہننا جائز ہے، اِس کے علاوہ سونے یا کسی بھی دھات کے لاکٹ، چھلے / کڑے، بالی اور انگوٹھی وغیرہ منع ہے۔ مَرد کو لوہے، پیتل یا کسی بھی دھات کا کڑا پہن کر نماز ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے، یعنی اِسے پہن کر نماز ادا کرنا گناہ ہے اور اگر ادا کر لی تو دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔ (فتاوٰی رضویہ: 7 / 307، ملخصًا)

اللہ تعالیٰ شہدائے کربلا کے مقدّس خون کی برکت سے اسلام اور مسلمانوں کو عزتیں عطا فرمائے، اُمّت میں دینی غیرت اور استقامت کا جذبہ بیدار فرمائے، بیت المقدس کو ظالم یہودیوں کے پنجہ سے آزاد فرمائے اور غزہ کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے۔

ربِّ کریم ہمیں اپنی شان دار تاریخ کا صحیح انداز میں مطالعہ کر کے اپنا مستقبل خوب تر بنانے کی توفیق سے نوازے۔

خالقِ کائنات پاکستان کو تمام بحرانوں سے نجات عطا کرے، حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے۔

آمین بجاہ النبیّ الکریم ﷺ

---

[1] مفتیٔ اعظم پاکستان معمارِ جامعہ نظامیہ رضویہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ خطبہ کے اختتام پر نمازیوں کی بڑی تعداد جمع ہو چکی ہوتی ہے، اگر اِس وقت ایک شرعی مسئلہ بیان کر دیا جائے تو وہ سب کا مشترکہ سبق ہو جاتا ہے۔ اِس ارشاد پر عمل کے لیے یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔

۱۹ محرم الحرام ۱۴۴۶ھ/26 جولائی 2024ء

دوستی کے اثرات، معیار اور تقاضے

(عالمی یومِ دوستی کے موقع پر... مع تبصرہ بر فیصلہ سپریم کورٹ)

مشمولات

- عالَمِ ارواح میں روحوں کا باہمی تعلّق
- دوستی کے اثرات
- دوستی میں اعتدال
- دوستی کا معیار
  - بہترین دوست
- دوستی کے آداب اور تقاضے
- فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور دوست کی اصلاح و خیر خواہی
- سپریم کورٹ کے فیصلہ پر تبصرہ
- ”دس بیبیوں کی کہانی“ وغیرہ کتابیں پڑھنے کا حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ۔ [الزخرف 67:43]

انسان کا اپنی زندگی میں مختلف افراد کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور اِس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں... کسی سے خونی رشتہ ہوتا ہے تو کسی سے سسرالی واسطہ... بعض لوگوں سے ہم علاقہ ہونے کی نسبت ہوتی ہے تو دیگر سے کلاس فیلو ہونے کا ناطہ... باہمی تعلق کا ایک مضبوط ذریعہ "دوستی" بھی ہے... ہر زبان، ہر علاقہ اور ہر عمر کے افراد کی کسی نہ کسی کے ساتھ دوستی و محبت ہوتی ہے... یہ سلسلہ انسان کے دُنیا میں آنے سے پہلے بھی چل رہا تھا اور اُس کے دُنیا سے جانے کے بعد برزخی زندگی، بلکہ جنت میں بھی جاری رہے گا۔

شاید دُنیا میں آنے سے پہلے کا ذکر سن کر آپ چونک گئے ہوں! مگر یہ حقیقت ہے۔ اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: اَلۡاَرۡوَاحُ جُنُوۡدٌ مُّجَنَّدَۃٌ، فَمَا تَعَارَفَ مِنۡهَا ائۡتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنۡهَا اخۡتَلَفَ۔ "روحیں مختلف و مخلوط جماعتیں تھیں، چنانچہ جو اَرْوَاح باہم مانوس تھیں وہ آپس میں اُلفت و محبت رکھتی ہیں اور جو آپس میں اجنبی تھیں وہ الگ تھلگ رہتی ہیں۔" (صحیح بخاری، حدیث: 3336۔ صحیح مسلم، حدیث: 2638) یعنی جسموں میں آنے سے پہلے انسانوں کی روحیں اکٹھی رہتی تھیں اور مختلف قسموں کی تھیں، جن روحوں کے اوصاف و اخلاق ایک جیسے تھے وہ جسموں میں آنے کے بعد ایک دوسرے سے محبت و اُلفت رکھتی ہیں، خواہ جسم ایک دوسرے سے دُور ہوں... اور جن روحوں کے اوصاف و اخلاق یکساں نہیں تھے وہ دُنیا میں باہم متنفِّر رہتی ہیں، اگرچہ جسم ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ (ماخوذ از فیض القدیر، زیرِ حدیث: 3050)

دوستی کا تعلّق اہم بھی ہے اور نازک بھی... اگر ربِّ کریم کی رحمت سے دوست اچھا ہو اور دوستی کو صحیح طریقے سے نبھایا جائے تو یہ دونوں جہان میں کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہے، لیکن اعمالِ بد کی نحوست سے اگر بُرے لوگوں کے ساتھ دوستی ہو جائے اور انسان اُس کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے تو وہ دُنیا میں بھی اخلاق و کردار کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے اور آخرت میں سخت شرمندگی کا ذریعہ ہوگی۔

ہمارے دَور کا یہ المیہ ہے کہ دین سے دُوری کے سبب ہماری نسلِ نَو کو معلوم ہی نہیں کہ قرآن و سنت کی روشنی میں دوستی کا معیار کیا ہے؟ اِس کے آداب و تقاضے کیا ہیں؟ اور اِس کے اثرات کتنی دُور تک پہنچتے ہیں؟

اچھے اور برے دوست کی پہچان نہ ہونے کے سبب نوجوانوں کی اخلاقی صورتِ حال تیزی سے جس طرف بڑھ رہی ہے وہ ہم سب جانتے ہیں، مگر افسوس کہ نہ تو بڑے اِس حوالے سے تربیت کا حق ادا کر رہے ہیں اور نہ ہی چھوٹے اِس پہلو سے کچھ سیکھنا چاہتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کی طرف سے ہر سال 30 جولائی کو عالمی یومِ دوستی (International Day Of Friendship) منایا جاتا ہے اور دُنیا بھر میں مختلف تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے۔ چنانچہ آج دوستی کے اثرات، اعتدال، معیار اور تقاضوں سے متعلق کچھ گفتگو کی جائے گی۔

دوستی کے اثرات

کوئی بھی ذی شعور شخص اِس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ دوست کا انسان کے اخلاق و کردار اور زندگی کے دیگر معاملات میں گہرا اثر ہوتا ہے۔ ہم اپنے گرد و پیش میں دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو اچھے دوستوں کی وجہ سے دنیا میں بھی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اُمّید ہے کہ وہ رحمتِ الٰہی سے آخرت میں بھی کامران ہوں گے... اِس کے برعکس بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں جو بُرے دوستوں کی وجہ سے دُنیاوی ذلّت میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور آخرت کی بربادی والے راستے پر بھی چل پڑتے ہیں۔

دوستی کے اِن دُور رَس اثرات و نتائج کے سبب ہی مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ہر مسلمان کو اپنے دوست کے بارے میں خوب غور و فکر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ![1] "انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، چنانچہ تم میں سے ہر ایک خوب غور کرلے کہ کس سے دوستی کرتا ہے!" (جامع ترمذی، حدیث: 2378۔ سنن ابو داود، حدیث: 4833) یعنی دوستی ایسی چیز ہے جس کے زندگی پر گہرے اثرات ہوتے ہیں، انسان اپنے دوست کے طریقے پر چلنے لگتا ہے، آہستہ آہستہ دوست کی عادتیں اور اُس کے اوصاف انسان کی طرف منتقل ہونے لگتے ہیں، حتّٰی کہ بہت مرتبہ انسان اپنے دوست والا ہی دین اختیار کر لیتا ہے؛ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر دوستی کرنی اور رکھنی چاہیے، کہیں برے دوست کی وجہ سے خدانخواستہ انسان کے اخلاق و عادات اور دین تباہ نہ ہو جائیں!

سنجیدہ لوگ اپنے دوستوں سے متعلق کس قدر حسّاس ہوتے ہیں، اِس کا اندازہ ایک واقعہ سے کیجیے! فیضِ عالَم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: منقول ہے کہ ایک شخص کعبہ شریف کا طواف کرتے ہوئے دُعا کر رہا تھا: اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ إِخْوَانِيْ۔ اے اللہ! میرے بھائیوں کو نیک کر دے۔ اُس سے کہا گیا:[2] اِس عظیم الشان جگہ پر اپنے بھائیوں کے لیے ہی دُعا کیے جا رہے ہو، اپنے لیے دُعا کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگا: إِنَّ لِيْ إِخْوَانًا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ، فَإِنْ صَلَحُوْا صَلَحْتُ مَعَهُمْ وَإِنْ فَسَدُوْا فَسَدْتُّ مَعَهُمْ۔ مَیں یہاں سے اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ کر جاؤں گا، اگر وہ نیک ہوئے تو (اُن کی برکت سے) مَیں بھی نیک ہو جاؤں گا، وہ بگڑے ہوئے تو (اُن کی نحوست سے) مَیں بھی بگڑ جاؤں گا (چنانچہ اُن کے لیے دُعا کر کے حقیقت میں اپنے لیے بھی کر رہا ہوں)۔
(کشف المحجوب (فارسی)، باب الصّحبة و مایتعلّق بها، ص: 401، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور)

---

[1] فَلْيَنْظُرْ: أَيْ فَلْيَتَأَمَّلْ أَحَدُكُمْ بِعَيْنِ بَصِيْرَتِهٖ۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی، تحت الحدیث: 4516)

[2] چوں بایں مقام شریف رسیدہ، چرا خود را دعا نکنی، کہ ہمہ برادران را دعا می کنی؟

دوستی میں اعتدال

غیر تربیت یافتہ لوگ حسّاس معاملات میں عموماً جذباتی ہو جاتے ہیں، محبت واُلفت سے متعلق بھی اکثر ایسا ہی ہوتا ہے... چاہت ہو تو مستقبل کی فکر کیے بغیر اپنے قیمتی وقت سمیت سب کچھ لُٹانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں... جب کہ خدانخواستہ نفرت ودُشمنی ہو جائے تو شرعی تقاضوں کے برعکس مَرنے اور مارنے پر اُتر آتے ہیں۔

دینِ متین سکھاتا ہے کہ دوستی ومحبت اور دشمنی ونفرت سمیت ہر معاملے میں اعتدال / میانہ روی کو اختیار کرنا چاہیے... نہ تو دوستی میں کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور نہ ہی دشمنی میں ایسی حرکت کی جائے جس کی دین اِجازت نہیں دیتا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالَم ﷺ کا ارشادِ گرامی روایت کیا: «أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَّا؛ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا مَّا، وَأَبْغِضْ بَغِيْضَكَ هَوْنًا مَّا عَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَّا۔» یعنی "اپنے پیارے سے تھوڑی محبت کرو، ہو سکتا ہے کہ کسی دن تمہیں اُس سے نفرت ہو جائے اور اپنے مبغوض وناپسندیدہ سے تھوڑی نفرت کرو، ممکن ہے کہ وہ کسی دن تمہارا محبوب بن جائے۔" (جامع ترمذی، حدیث:1997)

حدیثِ مبارک کی مختصر تشریح یہ ہے کہ انسان کی کیفیات اور وقت کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں۔ آج جس سے دوستی ہے، ضروری نہیں کہ اُس سے ہمیشہ محبت ہی رہے، ممکن ہے کہ آنے والے وقت میں صورتِ حال بدل جائے اور وہی محبوب دشمن بن جائے... اگر حد سے زیادہ محبت تھی تو کل کو شرمندگی بھی ہو سکتی ہے اور اُس سے نقصان بھی۔ اِسی طرح اگر آج کسی سے نفرت اور اَن بن ہے تو ضروری نہیں کہ ہمیشہ نفرت ہی رہے، ہو سکتا ہے کہ کل کو وہی دشمن پیارا ہو جائے... اگر حد سے زیادہ نفرت تھی تو کل کو اُس سے حیا بھی آئے گی اور پشیمانی بھی ہو گی۔ (ماخوذ از فیض القدیر)

ہماری بہت سی پریشانیوں کا سبب تعلقات میں اعتدال کو چھوڑنا ہے:

- شوہر اور بیوی کے درمیان ناچاقی کی بھی زیادہ تر یہی وجہ ہوتی ہے... محبت ہے تو سر پر چڑھالیا، پھر کوئی عادت یا بات ناپسند ہوئی تو بغیر سوچے سمجھے گالی گلوچ اور مار پیٹ شروع کر دی یا جھٹ سے تین طلاقیں دے دیں۔
- دوستوں کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ ہے... محبت بھرے تعلقات ہوں تو ہر راز بتادیا اور ذرا سی اَن بن ہوئی تو جان کے دشمن بن گئے۔
- یہی کچھ سیاسی میدان میں بھی ہے... بے چارے سیاسی جیالے آنکھیں بند کر کے یوں اپنے اپنے لیڈر کے پیچھے چلتے ہیں کہ کبھی سوچتے ہی نہیں کہ لیڈر غلط کہہ رہا ہے یا درست؟ جب عقل آتی ہے کہ ہمیں غلط استعمال کیا جارہا ہے تو کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

ہمیں چاہیے کہ حدیثِ مبارک پر عمل کرتے ہوئے دوستی ومحبت اور دشمنی ونفرت میں اعتدال کا مظاہرہ کریں۔

دوستی کا معیار

دین سے دُوری کے سبب ہم سمجھتے ہیں کہ دوستی اُس کے ساتھ ہونی چاہیے جو دولت مند ہے... جس کے پاس بڑا عہدہ ہے... جس کا خاندانی اسٹیٹس اچھا ہے... اور ہماری یہ خام خیالی ہوتی ہے کہ ایسے لوگ مشکل وقت میں کام آئیں گے... جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے ربّ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ کبھی بھی اُس کے بندوں کا وفادار نہیں ہو سکتا، ایسے لوگ ہمیشہ مفاد پرست ہوتے ہیں۔

ہمیں قرآن و سنت سے راہ نمائی لینی چاہیے کہ دوستی کا معیار کیا ہے اور کس شخص کو اپنا دوست بنانا چاہیے! اسلامی تعلیمات کے مطابق دوست میں اِن اوصاف کو پرکھنا بہت ضروری ہے:

1۔ ایمان والا ہو: محبت و یارانہ فقط صاحبِ ایمان سے ہونا چاہیے، غیر مسلم سے قلبی تعلّق رکھنا سخت حرام ہے۔

ظالموں / کافروں کے ساتھ دلی لگاؤ کے انجام سے متعلق ارشادِ ربّانی ہے: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ ”اور ظالموں کی طرف جھکاؤ (کافروں / گمراہوں سے دلی تعلّق، نرم گوشہ اور میل جول) نہ رکھو ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہیں، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔“ [ھود 11:113]

2۔ صالح ہو: محبت و دوستی اور سنگت نیک مسلمان کی ہی اختیار کرنی چاہیے۔ نیک شخص کی دوستی سے دونوں جہان میں رحمت و برکت کی اُمّید ہوتی ہے، جب کہ بُرا ساتھی خدانخواستہ دُنیا و آخرت کی تباہی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت کردہ ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے کہ اچھا دوست خوشبو والے کی طرح ہے اور بُرا ساتھی بھٹی دھونکنے (آگ بھڑکانے) والے کی طرح ہے:

- فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً۔ ”عطر والا یا تو تمہیں خوشبو کا تحفہ دے گا یا تم اُس سے خرید لو گے یا (کم از کم) تم اُس سے خوشبو پاؤ گے۔“
- وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً۔ ”اور بھٹی دھونکنے (آگ بھڑکانے) والا یا تو (چنگاریوں سے) تمہارے کپڑے جلا دے گا یا (کم از کم) تم اُس سے بدبُو (دھواں) پاؤ گے۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 5534۔ صحیح مسلم، حدیث: 2628)

بزرگوں نے اِس حدیث پاک کو اشعار میں یوں تعبیر فرمایا:

چنگے بندے دی صحبت یارو، جیویں دکان عطاراں
سودا بھانویں مُل نہ لیّے خُلّے آن ہزاراں

بُرے بندے دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھاویں کُنج کُنج بیّے چِنگاں پَین ہزاراں

بہترین دوست: احادیث مبارکہ اور بزرگوں کے اقوال کا خلاصہ ہے کہ بہترین دوست وہ ہے:

- جس کی سنگت سے ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اُس کے حبیب ﷺ کی محبت بڑھے۔
- جو شریعت پر عمل کرنے اور ذمہ داریاں پوری کرنے میں ہماری مدد کرے۔
- جس کی گفتگو سن کر نمازوں اور دیگر اعمالِ صالحہ کے شوق میں اِضافہ ہو۔
- جس کے اعمال دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔
- جس کے ساتھ بیٹھنے سے شرم وحیا میں ترقّی نصیب ہو۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بارگاہِ نبوی میں سوال ہوا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! ہمارا بہترین ہم نشین / دوست کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ ذَكَّرَكُمُ اللهَ رُؤْيَتُهُ، وَزَادَ فِي عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهُ، وَذَكَّرَكُمْ بِالْآخِرَةِ عَمَلُهُ۔ ”جس کی دید سے تمہیں اللہ کی یاد آئے، اُس کی گفتگو سے تمہارے علمِ دین میں اضافہ ہو اور اُس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔“

(مسند ابو یعلیٰ، ج:4، ص:142، حدیث:2437، صحّحہ المناوی فی التیسیر)

ایک روایت کے مطابق جانِ عالم ﷺ نے بہترین دوست / ہم نشین کی پہچان یوں کروائی: «صَاحِبٌ إِذَا ذَكَرْتَ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَعَانَكَ، وَإِذَا نَسِيتَهُ ذَكَّرَكَ۔» ”(بہترین ساتھی) وہ دوست (ہے) کہ جب تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے (تمہاری ہمّت بڑھائے) اور جب تم ذکرِ الٰہی بھول جاؤ تو وہ تمہیں یاد دلائے۔“

(الإخوان لابن أبي الدنيا، مرسلًا، رقم الحديث:42، دار الكتب العلمية۔ الجامع الصغير، رقم الحديث:6625)

سچی بات تو یہ ہے کہ دوستی کے قابل فقط یہی لوگ ہیں جن کا جانِ عالم ﷺ نے ذکر فرمایا... ایسا دوست جس کی سنگت سے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت کم ہو، محبتِ رسول ﷺ اور ادبِ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں کمزوری آئے، بزرگوں کے بارے میں بدگمانی پیدا ہونے لگے، نمازوں سے متعلق سستی اور لاپرواہی کی کیفیت ہو جائے، زبان پر گالیاں اور بُرے الفاظ آنے لگیں یا دیگر اخلاق و عادات بگڑنے لگیں، اُس دوست کی سنگت سے تنہائی ہزار درجہ بہتر ہے۔

سیدنا ابو ذر غِفاری رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے مسجد میں تنہا بیٹھے دیکھا اور وجہ پوچھی تو اُنھوں نے سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد سنایا: «اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيسِ السَّوْءِ وَالْجَلِيسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ، وَإِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِنَ السُّكُوتِ وَالسُّكُوتُ خَيْرٌ مِنْ إِمْلَاءِ الشَّرِّ۔» یعنی ”بُرے ساتھی سے تنہائی اچھی ہے اور اچھا ساتھی تنہائی سے بہتر ہے... اچھی بات کہنا خاموشی سے بہتر ہے اور بُری بات سے خاموش رہنا اچھا ہے۔“ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:5466)

دوستی کے آداب اور تقاضے

قرآن وسنت میں جہاں یہ سکھایا گیا کہ دوستی کس سے ہونی چاہیے، وہاں یہ بھی تربیت فرمائی گئی ہے کہ دوست کے ساتھ دوستی کا تعلّق کیسے نبھانا چاہیے؟ چنانچہ اِس حوالے سے چند نکات پیشِ خدمت ہیں:

1۔ فقط رضائے الٰہی مقصود ہو: کسی بھی عمل کا بنیادی مقصد صرف یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، حتّٰی کہ کسی کے ساتھ محبت و دوستی بھی فقط رضائے اِلٰہی کے لیے ہی ہونی چاہیے۔ اللہ کی خاطر محبت کے دونوں جہان میں فائدے ہی فائدے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ غیب دان ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ربّ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: «أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي؟ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي.» یعنی "میری عظمت و جلالت کی خاطر (مجھے راضی کرنے کے لیے) آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج مَیں اُنھیں اپنے عرش کا سایہ عطا کروں گا / اپنی حفاظت و پناہ سے نوازوں گا، جب کہ میرے سایۂ عرش کے علاوہ کوئی سایہ نہیں / میری پناہ کے علاوہ کسی کی پناہ نہیں۔" (صحیح مسلم، حدیث:2566)

جب یہ سوچ نصیب ہو جائے گی کہ محبت و یارانہ رضائے اِلٰہی کے لیے ہونا چاہیے تو انسان خود بخود بُرے لوگوں سے دُور رہے گا۔

2۔ حقوقِ مسلم کا اہتمام: قرآن وسنت میں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے متعدّد آداب و حقوق سکھائے گئے ہیں، مثلاً بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کرنا... کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو تو دعوت قبول کرنا... وقتاً فوقتاً تحائف کا تبادلہ کرنا... غمی خوشی میں شریک ہونا... مشکل میں مدد کرنا... منہ پر تعریف نہ کرنا... دل آزاری سے بچنا... بُرا نام نہ رکھنا... مذاق نہ اُڑانا اور غیبت و بدگمانی سے بچنا وغیرہ... دوست کے ساتھ تعلّق دیگر مسلمانوں کے ساتھ تعلّق سے زیادہ پختہ ہوتا ہے، جب تمام مسلمانوں سے متعلق اِن چیزوں کا حکم ہے تو دوست کے حق میں اِن کا اہتمام اور زیادہ ضروری ہے۔

3۔ نیکی پر تعاون کرنا اور گناہ سے بچانا: تمام مسلمانوں، خصوصاً دوستوں کا حق ہے کہ اگر اُنھیں نیکی کے کسی کام میں ہمارے تعاوُن کی ضرورت ہو تو حسبِ استطاعت اُن سے تعاون کریں اور خدانخواستہ اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں تو اچھے طریقے سے اُنھیں اُس گناہ سے بچائیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ... "نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و ظلم پر باہم تعاوُن نہ کرو۔" [المائدۃ 2:5]

عملِ فاروقی: امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرتِ مبارکہ میں دوست کی خیر خواہی اور اُسے گناہ سے بچانے کا خوب صورت واقعہ ملتا ہے۔ مروی ہے کہ شام سے ایک خستہ حال شخص امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے دربار میں آیا کرتا تھا، کچھ عرصہ وہ حاضر نہ

ہوا تو آپ نے اُس کے بارے میں پوچھا، عرض کی گئی: معاذ اللہ! وہ شراب کا عادی ہو گیا ہے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتب کو بلوایا اور فرمایا کہ لکھو: عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف، السلام علیکم! (پھر سورۂ مؤمن کی تیسری آیتِ کریمہ سے اخذ شدہ حمدِ باری لکھوائی) فَإِنِّيْ أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ[1] لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ مَیں تیرے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا ہے، سخت عذاب دینے والا، بڑے انعام سے نوازنے والا ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اُسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ پھر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: دُعا کرو کہ وہ دل سے متوجّہ ہو اور اللہ تعالیٰ اُسے توبہ کی توفیق سے نوازے۔

جب اُس شخص کو خط پہنچا تو وہ بار بار اُسے پڑھتا اور اُس کی زبان پر بے ساختہ یہ کلمات جاری رہے: ”وہ گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا ہے، سخت عذاب دینے والا، بڑے انعام سے نوازنے والا ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اُسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے“۔ پھر روتے ہوئے کہتا: قَدْ حَذَّرَنِيْ عُقُوْبَتَهٗ وَوَعَدَنِيْ أَنْ يَغْفِرَ لِيْ۔ میرے ربّ نے مجھے اپنے عذاب سے بھی ڈرایا ہے اور مغفرت کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ اُس نے سچی توبہ کر لی۔

جب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے نہایت سبق آموز جملہ ارشاد فرمایا: هٰكَذَا فَاصْنَعُوْا، إِذَا رَأَيْتُمْ أَخَاكُمْ زَلَّ زَلَّةً فَسَدِّدُوْهُ وَوَفِّقُوْهُ، وَادْعُوا اللهَ لَهٗ أَنْ يَتُوْبَ عَلَيْهِ، وَلَا تَكُوْنُوْا أَعْوَانًا لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِ۔ تم بھی ایسا ہی کیا کرو، جب تمہیں پتا چلے کہ تمہارے کسی مسلمان بھائی سے لغزش ہو گئی ہے تو اُسے سیدھے راستے کی راہ نمائی کرو اور ربّ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ وہ اُسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے، (بد دُعا دے کر یا اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر) اُس کے خلاف شیطان کی مدد مت کرو۔

(تفسیرِ ابن ابی حاتم، الکشف والبیان [تفسیرِ ثعلبی]، زیرِ آیتِ المؤمن 40:3۔ حلیۃ الاولیاء، ج:4، ص:97، مطبعۃ السعادۃ)

4۔ اذیت پر صبر: اسلامی تعلیمات میں سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اگر کسی دوسرے مسلمان کی طرف سے اذیت پہنچے تو حتّی الامکان اُس پر صبر کیا جائے اور درگزر سے کام لیا جائے، تاہم معاملہ سر سے گزر رہا ہو تو اور بات ہے۔ جب عام مسلمانوں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر صبر کا حکم ہے تو دوست کا حق کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشادِ نبوی روایت کیا: اَلْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ۔ ”جو مسلمان لوگوں سے میل جول رکھے اور اُن کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرے اُس کا اجر اُس مسلمان سے زیادہ ہے جو لوگوں سے میل جول نہ رکھے اور اُن کی ایذا پر صبر نہ کرے۔“

(سنن ابن ماجہ، حدیث: 4032۔ جامع ترمذی، حدیث: 2507)

---

[1] اِن کلمات کا اعراب حکائی ہے۔

حرفِ آخر... تلخیصِ خطبہ اور سپریم کورٹ کے فیصلہ پر تبصرہ

دوستی کا تعلّق انسان کی اہم ضرورت بھی ہے اور بہت نازک بھی... اچھا دوست انسان کے لیے دُنیا و آخرت میں بھلائی کا ذریعہ بنتا ہے، جب کہ بُرے لوگوں سے دوستی دُنیا میں بھی لے ڈوبتی ہے اور آخرت کو بھی خطرے میں ڈال دیتی ہے۔

نیکوں کی سنگت اختیار کرنے کا شوق دلاتے ہوئے اور بُروں کے یارانے سے ڈراتے ہوئے ربّ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۔ ''اُس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، سوائے پرہیز گاروں کے۔'' [الزخرف 67:43] یعنی کفر و گمراہی اور نافرمانی کی بنیاد پر ہونے والی پختہ دوستیاں قیامت کے دن کوئی فائدہ نہیں دیں گی اور دشمنی میں بدل جائیں گی، جب کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رکھی گئی اُلفتیں اور محبتیں اُس دن قائم بھی رہیں گی اور نفع بخش بھی ہوں گی۔

آج ہمیں، خصوصاً نوجوان نسل کو یہ بات جاننے کی بے حد ضرورت ہے کہ دوستی کے اثرات کتنے گہرے ہوتے ہیں؟ اِس کا معیار کیا ہونا چاہیے؟ اور دوستی کے آداب و تقاضے کیا ہیں؟

30 جولائی کو دُنیا بھر میں یومِ دوستی (International Day Of Friendship) منایا جاتا ہے اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں دوستی سے متعلق چند باتوں کا ذکر ہوا، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- دوستی کا اثر انسان کے اخلاق و کردار اور عادات و اطوار پر بھی ہوتا ہے، حتّٰی کہ بہت مرتبہ انسان اپنے دوست کا ہی دین اختیار کر لیتا ہے، چنانچہ خوب غور و خوض کرنا چاہیے کہ دوستی کیسے لوگوں کے ساتھ کر رہا ہے!
- زندگی کے دیگر معاملات کی طرح محبت و یارانے سے متعلق بھی شریعت کی حُدود میں رہتے ہوئے اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے۔
- محبت و دوستی فقط نیک مسلمانوں سے ہونی چاہیے، کافر سے اُلفت اور میل جول حرام ہے، نیز بُروں کی دوستی کردار کو تباہ کر دیتی ہے۔
- بہترین دوست وہ ہے جس کی سنگت سے انسان کو اللہ تعالیٰ کا قُرب نصیب ہو، جب کہ دین سے دُور کرنے والا دوست بدترین ہے۔
- دوستی کے کچھ آداب و تقاضے ہیں:
  - دوستی فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔
  - دوست کا حق دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ہوتا ہے؛ لہٰذا اُس کی عزت و تکریم، دل جوئی اور خوشی کا خوب خیال رکھنا چاہیے اور بھرپور خیر خواہی کرنی چاہیے۔
  - دوست کے ساتھ نیکی کے کاموں میں تعاوُن کرنا چاہیے اور اگر خدانخواستہ وہ گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اُس کے حق میں دُعا کے ساتھ ساتھ اُسے بہترین طریقے سے روکنا چاہیے۔
  - دوست کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر سے کام لیتے ہوئے درگزر کرنا چاہیے۔

دوستی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ سوچ کر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ امریکہ نے گزشتہ دنوں ہزاروں بے گناہ لوگوں کے قاتل اسرائیلی دہشت گرد وزیرِ اعظم کو نہ صرف دورۂ امریکہ میں خصوصی پروٹوکول دیا، بلکہ امریکی کانگریس سے اُس کا خطاب بھی کروایا۔ ایک طرف دُنیاوی مفادات کی دوستی والوں کا یہ حال ہے، جب کہ دوسری طرف مسلم حکمران ہیں جنھیں اپنے مظلوم بھائیوں کے ساتھ اپنا ایمانی رشتہ نبھانے کی کوئی فکر نہیں اور وہ اسرائیلی درندوں کی طرف سے ہر ظلم پر فقط مذمت کرنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ حدیثِ پاک میں مسلمان کو بے یار و مددگار چھوڑنے پر سخت وعید فرمائی گئی ہے، جس سے تمام مسلمانوں کو ڈرنا چاہیے۔

گفتگو کے آخر میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے حالیہ فیصلہ سے متعلق کچھ کہنا بھی ضروری ہے۔ تقریباً چھ ماہ قبل چیف جسٹس نے ایک قادیانی سے متعلق کیس کے فیصلہ میں لکھا تھا: ”ہر شہری کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور کسی کی آزادی کو سلب نہیں کیا جاسکتا۔“ اِس پر تمام مذہبی جماعتوں کی طرف سے شدید احتجاج ہوا، چنانچہ کیس پر نظرِ ثانی کے بعد بدھ کے روز فیصلہ سنایا گیا۔ خوش آئند بات ہے کہ گزشتہ فیصلے کی کچھ خامیوں کو دُور کیا گیا ہے، تاہم یہ بات ناقابلِ قبول ہے کہ نظرِ ثانی شدہ فیصلے میں کہا گیا: قادیانیوں کو اپنے مراکز میں مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اِس سلسلے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ:

⟸ قرآن و سنت کی سینکڑوں واضح نصوص کے مطابق قادیانیوں سمیت ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانے یا نبی کی آمد کو ممکن سمجھے وہ کافر ہے اور ایسے شخص کے کافر ہونے میں شک کرنے والا بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

⟸ ”امتناعِ قادیانیت آرڈیننس“ کے مطابق قادیانی نہ تو خود کو مسلمان کہلوا سکتے ہیں، نہ ہی اپنے مذہب کی دعوت دے سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے مذہب کے لیے اسلامی شعائر اور اصطلاحات استعمال کر سکتے ہیں۔

⟸ سپریم کورٹ آف پاکستان کے فل بنچ کے فیصلہ کے مطابق قادیانی اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں جب کہ دھوکا دینا کسی کا حق نہیں؛ لہٰذا قادیانیوں پر پابندی سے اُن کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ اُنھیں ہندوؤں، سکھوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کی طرح اپنے مذہب کے لیے الگ سے شعائر، نام اور القابات بنانے چاہییں، وہ اسلامی نام، شعائر یا القابات استعمال نہیں کر سکتے۔[1]

جب تک قادیانی خود کو غیر مسلم تسلیم نہیں کرتے تب تک اُنھیں اپنے مراکز میں ارتدادی سرگرمیوں کی اِجازت دینا ملک میں انتشار پھیلانے کے مترادف ہے۔ قرآن و سنت کے اصولوں کے خلاف کسی بھی فیصلے کو مسلمان قبول نہیں کر سکتا۔

شرعی مسئلہ: بعض جگہوں پر گھروں میں ”دس بیبیوں کی کہانی“، ”بی بی فاطمہ کا معجزہ“، ”بی بی زینب کا معجزہ“ وغیرہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ کہانیاں جھوٹی ہیں اور اِن میں کئی باتیں عقائد کو خراب کرتی ہیں؛ لہٰذا ایسی کتابیں ہرگز نہ پڑھی جائیں۔ اِن کی جگہ حصولِ برکت کے لیے قرآنِ حکیم کی تلاوت کی جائے اور صحیح روایات پر مشتمل کوئی کتاب پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جائے۔

---

[1] ظہیر الدین بنام ریاست، SCMR 1718، سالِ اشاعت: 1993ء

۲۶ محرم الحرام ۱۴۴۶ھ/02 اگست 2024ء

قادیانیّت...

تعارف، جرائم اور دیگر کفار سے فرق

(مبارک ثانی کیس کے تناظر میں... مع خراجِ تحسین حضرت اسماعیل ہنیہ رحمۃ اللہ علیہ)

مشمولات

- قادیانیّت کا تعارف
- ختمِ نبوّت کا انکار
- مسلمانوں کی مخالفت اور کفار کی حمایت
- کتاب اللہ میں تحریف
- صبیغ کی تحریف پر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی کارروائی
- قادیانیوں اور دیگر کفار کا فرق
- اسماعیل ہنیہ علیہ الرحمہ کی شہادت
- مرتدّ کے ساتھ معاملات کی حُرمت
- مبارک ثانی کی تفسیرِ صغیر اور چیف جسٹس کی تقصیرِ کبیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِيۡمًا ۔ [الاحزاب 40:33]

دھوکے باز اور فراڈیے قسم کے لوگ جان بوجھ کر کثرت اور ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں؛ تاکہ سننے والا جھوٹ کو سچ اور ظالم کو مظلوم سمجھنے لگے۔ اِس وقت دو طرح کے بدترین ظالم اِسی طریقۂ واردات کے مطابق اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہیں:

اسرائیلی درندے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ 07 اکتوبر 2023ء سے یہ باور کروانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اُن پر بہت ظلم ہوا... اُن کے فوجی اور شہری یرغمال بنائے گئے... اُن کے ملک میں خوف وہراس پھیلایا گیا... اُن کی سلامتی کو خطرہ ہے... اگر اُنھوں نے اپنا دفاع نہ کیا تو حماس کے مجاہدین کچھ بھی کر سکتے ہیں... حالانکہ مظلوم بننے والے یہ صہیونی حقیقت میں اتنے ظالم ہیں کہ اِنھوں نے امریکہ اور برطانیہ کی پُشت پناہی میں فلسطینیوں کی زمینوں پر قبضہ کر کے ناجائز ریاست "اسرائیل" کو قائم کیا... متعدد جنگوں میں ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا... اب 40,000 کے قریب مسلمانوں کو شہید کر چکے ہیں... حتّٰی کہ حماس کے سیاسی ونگ کے سربراہ جناب اسماعیل ہنیہ رحمۃ اللہ علیہ کا پورا خاندان شہید کرنے کے بعد اُنھیں بھی شہید کر دیا ہے... نیز قبضہ کا سلسلہ بھی رُکا نہیں، غیر قانونی طریقے سے یہودی بستیوں کی آبادکاری اور فلسطینیوں کی جاگیروں پر قبضہ جاری ہے، جسے انٹرنیشنل کریمنل کورٹ بھی غاصبانہ اقدام قرار دے چکی ہے۔

صورتِ حال واضح ہونے کے بعد جھوٹ کا پتا چلا کہ حماس نے طوفانِ اقصٰی آپریشن کے ذریعے دہشت گردی نہیں پھیلائی، بلکہ حقیقت میں گھر کے مالکوں نے ڈاکوؤں کو اپنے گھر سے بھگانے کے لیے دفاعی کارروائی کی تھی۔

ایسے ہی مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار، یعنی قادیانی / احمدی دُنیا بھر میں ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ اُن پر پاکستان میں بہت ظلم ہو رہا ہے... اُنھیں اپنے مذہب پر عمل کی اِجازت نہیں... اُنھیں مسجدیں بنانے سے روکا جاتا ہے... قربانی نہیں کر پاتے... کوئی کتاب چھاپیں تو پکڑ لیا جاتا ہے... حتّٰی کہ بعض اوقات اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اُن کی چال میں پھنس جاتے ہیں... اگر بالفرض چیف جسٹس سپریم کورٹ سازش میں ملوّث نہیں تو یہی غلط فہمی ہوئی ہو گی جس کے سبب اُس نے اپنے فیصلے میں قادیانیوں کو اِجازت دی ہے کہ وہ اپنے اِداروں میں اپنا کفر پھیلا سکتے ہیں.... جب کہ حقیقت میں مظلوم بننے والے یہ قادیانی ایسے ظالم ہیں جو اسلام کو آڑ بنا کر اسلام ہی کی جڑیں اُکھیڑنا چاہتے ہیں... اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو کافر بنانے کی کوشش کرتے ہیں... ترجمۂ قرآن کا ٹائٹل دے کر اپنے غلیظ عقائد چھاپتے ہیں، حتّٰی کہ تقریباً سبھی اسلامی ممالک نے پوری طرح سے تحقیق کے بعد اُنھیں غیر مسلم قرار دے رکھا ہے۔

حقیقتِ حال واضح ہونے کے بعد دھوکے کا پتا چلا کہ قادیانیوں پر پابندی سے اُن پر ظلم نہیں ہوا، بلکہ اسلام کے چوکیداروں نے بدترین دھوکے باز کافروں کو اسلام کا نام لے کر کفر پھیلانے سے روکا ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں قادیانیت کے تعارف، اُن کے جرائم اور دیگر کفار سے اُن کے فرق کے بارے میں گفتگو کی جائے گی۔

قادیانیّت کا تعارف

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے پورے برِّ صغیر پر قبضہ کر لیا، اب اُنھیں اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے اِس بات کی ضرورت تھی کہ یہاں بسنے والے غیرت مند مسلمانوں کے دلوں سے محبتِ رسول ﷺ اور جذبۂ جہاد کو کم کیا جائے اور اُنھیں ذہنی طور پر بھی غلام بنالیا جائے؛ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں میں اپنے آقا کریم ﷺ کی والہانہ محبت اور شوقِ جہاد باقی رہا تو وہ کسی بھی وقت پھر سے ہمارے خلاف محاذ کھول سکتے ہیں۔

چنانچہ منصوبہ بندی کے ساتھ مسلمانوں کو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد سے دُور کرنے کے لیے نئے فرقے ایجاد کیے گئے، نیز ایک بدبخت کو یہ مشن سونپا گیا کہ وہ نبی ہونے کا جھوٹا دعوٰی کرے، پھر مقدّس ہستیوں کی گستاخیوں کے ساتھ ساتھ جہاد کو منسوخ قرار دے، یعنی یہ کہے: اب جہاد کا حکم باقی نہیں ہے۔ اِس کمینے شخص کا نام "مرزا غلام احمد" تھا اور اِسے ماننے والے احمقوں کو "قادیانی" کہا جاتا ہے، وہ خود کو "احمدی" بھی کہتے ہیں۔

مرزا غلام قادیانی 1839ء کو بھارتی پنجاب کے ضلع گورداس پور کے علاقے "قادیان"[1] میں پیدا ہوا۔ انگریز ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کچہری میں چار سال 15 روپے تنخواہ پر نوکری کرتا رہا اور 1868ء میں وہاں سے استعفادے کر قادیان چلا گیا... 1880ء میں اُس نے اعلان کیا کہ وہ مجدِّد ہے اور اُسے اِلہام ہوتے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ملتے) ہیں... 1888ء میں کہا کہ اُسے لوگوں سے بیعت لینے کا حکم ہوا ہے... 1891ء میں کہنے لگا کہ احادیثِ مبارکہ میں جس مَسیح کے تشریف لانے کی خبر دی گئی ہے وہ مَیں ہی ہوں (حالانکہ مسیح سے سیدنا عیسٰی علیہ السلام مراد ہیں)... پھر 1901ء میں نبی ہونے کا دعوٰی کر دیا اور بالآخر 26 مئی 1908ء کو واصلِ جہنم ہوا۔

پہلے دن سے قادیانیوں / احمدیوں کو برطانوی سامراج کی سرپرستی حاصل رہی اور آج بھی یہود و نصارٰی اُن کی بھرپور حمایت کرتے ہیں... دوسری طرف قادیانیوں نے بھی ہمیشہ اُن سے وفاداری نبھائی ہے اور مسلمانوں سے غدّاری کی ہے۔

قادیانی اور یہودی گٹھ جوڑ کا اندازہ اِس بات سے لگائیے کہ پاکستان کے سابق وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک موقع پر کہا تھا: مَیں پہلی مرتبہ بطور وزیرِ اعظم امریکہ کے دَورے پر گیا تو امریکی صدر نے مجھے کہا: "پاکستان میں قادیانی ہمارا Sect (سیکٹ / فرقہ) ہیں، اُن کا ہر لحاظ سے خیال رکھنا۔" دوسری مرتبہ سرکاری دورے پر گیا تب بھی یہی بات دہرائی گئی۔

(سازشوں کا دیباچہ، از رائے محمد کمال، باب قادیانی اُمّت اور پاکستان، ص:226، ناشر: زاویہ)

قادیانیوں کا کیا جرم ہے کہ اُمّت اُنھیں کسی قیمت پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں؟ اِس حوالے سے چند باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

---

[1] پاکستان کے ضلع نارووال میں کرتارپور راہداری بننے کے بعد اب یہ نارووال سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

قادیانیوں کا جُرم... ختمِ نبوّت کا انکار

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک "عقیدۂ ختمِ نبوّت" بھی ہے۔ اِس کا مفہوم ہے: دُنیا میں انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی آمد کا سلسلہ، جو سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات سے شروع ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے سیدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو سب سے آخر میں مبعوث فرما کر وہ سلسلہ آپ پر ختم فرما دیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آیا ہے اور نہ ہی قیامت تک آسکتا ہے... نہ نئی شریعت والا آسکتا ہے، نہ آپ کی شریعت کا تابع بن کر۔

یاد رہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی پیدائش سے پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات اب بھی نبی ہیں، سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات نے ابھی تک موت کا ذائقہ بھی نہیں چکھا، وہ قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر جلوہ افروز ہوں گے اور سرورِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی شریعت کو نافذ کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گا اور وہ موت کا ذائقہ چکھیں گے... مگر وہ تمام انبیا پہلے تشریف لائے، سب سے آخر میں ہمارے نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم پیدا ہوئے، چنانچہ آپ ہی "خاتم النبیین" ہیں۔[1]

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے سرِ انور پر ختمِ نبوّت کا تاج سجنے سے نتیجہ یہ نکلا کہ قیامت تک آپ کا ہی دین باقی رہے گا اور آپ ہی کی شریعت قائم رہے گی، جسے آپ نے حلال قرار دے دیا قیامت تک اُسے حرام کوئی نہیں کر سکتا اور جسے آپ نے حرام قرار دے دیا قیامت تک اُسے حلال کرنا کسی کے بس میں نہیں۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت "ضروریاتِ دین" میں سے ہے۔ "ضروریاتِ دین" اُن بنیادی اسلامی عقائد کو کہا جاتا ہے جن میں معمولی شک کرنے پر بھی انسان کافر ہو جاتا ہے، یہ قرآن و سنت کے قطعی دلائل سے صراحت کے ساتھ ثابت اور ہر خاص و عام پر واضح ہوتے ہیں۔

چنانچہ عقیدۂ ختمِ نبوّت پر سو فیصد پختہ یقین ضروری ہے اور ننانوے فیصد بھی قابلِ قبول نہیں۔ یعنی اگر کسی شخص کا ننانوے فیصد یہی نظریہ ہو کہ سرورِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم آخری نبی ہیں، مگر ایک فیصد ذہن اِس طرف جاتا ہو کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے بعد پیدا ہونے والا کوئی شخص نبی ہے یا کوئی نبی آسکتا ہے تو وہ کافر ہے اور ایسے شخص کے کافر ہونے میں شک کرنے والا بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

قادیانیوں کا سب سے بڑا جُرم یہ ہے کہ وہ اپنے مرزے کو نبی مان کر سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی ختمِ نبوّت کا انکار کرتے ہیں اور مرزے کو نبی ثابت کرنے کے لیے قرآن و سنت کی واضح نصوص میں ناقابلِ قبول تاویلیں کرتے ہیں۔ یوں وہ پورے دین کی عمارت کو گرانا چاہتے ہیں؛ کیونکہ جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم آخری نبی نہیں تو اِس کا مطلب ہے کہ بعد میں کوئی آکر آپ کے دین کو تبدیل کر سکتا ہے اور آپ کی شریعت کے خلاف اپنی شریعت لا سکتا ہے... حالانکہ باری تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو خاتم النبیین فرمایا ہے۔

---

[1] جیسے آخری بچہ وہی قرار پاتا ہے جو سب سے آخر میں پیدا ہو، اگرچہ اُس کی زندگی میں اُس کے بڑے بھائی بہن موجود ہوتے ہیں۔ (ماخوذ از مرآۃ المناجیح)

قادیانیوں کا جُرم... مسلمانوں کی مخالفت اور کفار کی حمایت

تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ بات ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قادیانیوں کو یہود و نصاریٰ نے خود تیار کیا ہے اور ہمیشہ اُن کی سرپرستی کی ہے؛ تاکہ وہ اُن کے ذریعے مسلمانوں کو کمزور کر سکیں۔ چنانچہ قادیانیوں نے پہلے دن سے آج تک ہمیشہ اپنے آقاؤں سے وفا کرتے ہوئے دینی تقاضوں کے برعکس کام کیا ہے اور مسلمانوں کی مخالفت کی ہے۔ یہ بھی قادیانیوں کا ایک بڑا جرم ہے۔ مثلاً:

- ہندوستان کے مسلمان برطانوی سامراج کے مظالم سے نجات کے لیے میدانِ عمل میں تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے... جب کہ مرزا قادیانی نے کہا کہ جہاد منسوخ ہو چکا ہے۔ اِس پر تقریریں کیں، کتابیں لکھیں اور فخریہ طور پر انگریز حکومت کو بھیج کر انعامات وصول کیے۔ (تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تا علامہ شاہ احمد نورانی، از محمد احمد ترازی، ص:113 تا 115)
- دو قومی نظریہ کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے الگ وطن "پاکستان" کی تحریک شروع ہوئی تو جماعتِ احمدیہ نے اِس کی بھی مخالفت کی اور مسلم لیگ کے مقابلے میں 1935ء کو "آل انڈیا نیشنل لیگ" کے نام سے سیاسی جماعت قائم کی۔
- تقسیمِ ہند کا فیصلہ ہو چکا تو قادیانیوں نے باؤنڈری کمیشن (حد بندی کرنے والی کمیٹی) کے سامنے یہ انوکھا مطالبہ رکھا کہ ہمارا موقف مسلم لیگ اور کانگریس دونوں سے مختلف ہے؛ لہٰذا "قادیان" کو ویٹی کن سٹی[1] کی طرح خود مختار ریاست قرار دیا جائے، یعنی ہم نہ تو پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں نہ ہندوستان میں شامل ہوں گے۔ (سازشوں کا دیباچہ، باب: قادیانی اُمّت اور پاکستان، ص:202)
- پاکستان قائم ہونے کے بعد قادیانیوں نے سازشوں کا ایک نیا جال بننا شروع کیا اور ریاست پر قبضہ کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ بد قسمتی سے پاکستان کا پہلا وزیرِ خارجہ "ظفر اللہ خان" متعصّب قادیانی تھا، جس نے ہمیشہ پاکستانی مفادات کا تحفّظ کرنے کے بجائے قادیانیوں کے مفادات کو ترجیح دی۔ وفاتِ بانیٔ پاکستان کے تیسرے دن 14 ستمبر 1948ء کو ضلع جھنگ میں چنیوٹ سے کچھ میل کے فاصلہ پر ربوہ نامی علاقے کی 1034 ایکڑ اراضی ایک آنہ فی مرلہ (سوا روپیہ فی کنال) کے حساب سے بانٹی گئی، یہ علاقہ چناب نگر یا احمد نگر کے نام سے معروف ہے اور قادیانیوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ ایک عرصہ تک یہ ریاست کے اندر ایک الگ ریاست تھی، یہاں غیر قادیانیوں کا داخلہ ممنوع تھا، عدالتی نظام الگ تھا، یہاں کی اپنی فورس تھی اور احمدی خلیفہ وہاں کا وزیرِ اعظم تھا۔
- قادیانی منصوبہ بندی کے ساتھ ملک کے کلیدی عہدوں پر قابض ہوئے، حتّٰی کہ 1987ء کو قومی اسمبلی میں پیش کی گئی رپورٹ کے مطابق مسلح افواج میں 328 افسر قادیانی تھے۔ (روزنامہ جنگ، راولپنڈی، 16 فروری 1987ء) اِن قادیانیوں نے ملک کو دیگر مختلف ذرائع سے نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اسرائیل کو پاکستان کے ایٹمی راز بھی فراہم کیے۔ (سازشوں کا دیباچہ، ص:245)

اسلام اور ملک و قوم سے بغاوت اور سازشوں کی وجہ سے قومی اسمبلی کے اراکین نے اتفاقِ رائے سے اُنھیں غیر مسلم قرار دیا تھا۔

---

[1] ویٹی کن سٹی (Vatican City) اٹلی کے شہر روم میں واقع دُنیا کی سب سے چھوٹی خود مختار ریاست ہے، جو 1929ء میں قائم ہوئی۔

قادیانیوں کا جُرم... کتاب اللہ میں تحریف

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ حکیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، اِس کے الفاظ میں تبدیلی ممکن نہیں، تاہم ہر دَور میں دشمنانِ دین اِس کا غلط مفہوم بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ قادیانیوں نے یہ جُرم حد درجہ ڈھٹائی کے ساتھ کیا اور اب بھی کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَات نے رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کی خوش خبری دی، جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں یوں ہے: وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ۔ ”اور یاد کرو! جب عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! مَیں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اُس عظیم رسول کی خوش خبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا، اُس کا نام احمد ہے۔“ [الصف 6:61] مرزا قادیانی کمینے نے کہا: اِس آیتِ کریمہ میں جس احمد کی خوش خبری دی گئی وہ مَیں ہوں۔ (ازالۂ اوہام، ج:2، ص:673)

یعنی قادیانی اپنے خالص کفریہ نظریات کو ثابت کرنے کے لیے کئی آیاتِ قرآنیہ کا مفہوم بدلتے ہیں اور قرآنی الفاظ کی وہ تشریح کرتے ہیں جو خود قرآنِ حکیم اور صاحبِ قرآن ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ کے خلاف ہے۔ وہ اب بھی ڈھٹائی کے ساتھ ترجمۂ قرآنِ حکیم کے نام پر اپنی مرضی کا ترجمہ مختلف زبانوں میں چھاپتے ہیں اور مفت تقسیم کرتے ہیں، پاکستان میں بھی یہ واردات کی جاتی ہے۔

مبارک ثانی کی تفسیر اور چیف جسٹس کی تقصیر:

کچھ عرصہ قبل چنیوٹ کے قادیانی ادارے ”مدرسۃ الحفظ“ کے پرنسپل ”مبارک احمد ثانی“ کے خلاف عوامی دباؤ پر مقدمہ دائر کر کے اُسے گرفتار کر لیا گیا، اُس کا جُرم یہ ہے کہ وہ ”تفسیرِ صغیر“ نامی ایک کتاب تقسیم کرتا تھا اور سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کرتا تھا، یہ وہ کتاب ہے جس میں قرآنی آیات اور اُن کے تراجم کو توڑ مروڑ کر لکھا گیا ہے اور اِسے قرآنِ حکیم کے ترجمہ و تفسیر کا نام دیا گیا ہے۔

ملزم نے لوئر کورٹس سے ریلیف نہ ملنے پر سپریم کورٹ میں ضمانت کے لیے اپیل دائر کی، جس پر چیف جسٹس نے 06 فروری 2024ء کو یہ فیصلہ صادر کیا کہ ملزم کو رہا کر دیا جائے اور خواہ مخواہ یہ بھی لکھ دیا کہ ”قرآنِ کریم کی روشنی میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے، کسی پر جبر نہیں۔“ ملک بھر میں احتجاج ہوا، چنانچہ کیس پر نظرِ ثانی شروع ہو گئی۔ اب 24 جولائی کو نظرِ ثانی شدہ فیصلہ سنایا گیا، جس میں کہا گیا کہ ”قادیانی عوامی سطح پر مسلمانوں کی دینی اصطلاحات استعمال نہیں کر سکتے، البتہ اُنھیں اپنے اِداروں میں اِس کا حق حاصل ہے“۔ یعنی وہ اپنے گھروں اور اداروں میں قرآن کے نام پر کفریات پڑھا سکتے ہیں، نبیِ کریم ﷺ کی توہین سمیت جو چاہیں کر سکتے ہیں، ایسا کرنے پر اُن کے خلاف مقدمہ نہیں ہو گا، نہ ہی ایسا کرنے والا مجرم قرار پا کر سزا کا مستحق ہو گا۔

عملِ فاروقی: سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دَور میں عراق سے تعلق رکھنے والا "صَبِیغ"[1] نامی ایک بدبخت، مسلم افواج سے قرآنِ کریم کی آیاتِ متشابہات کے بارے میں سوالات کرتا اور اُن کے عقائد خراب کرنے کی کوشش کرتا۔ جب وہ مصر پہنچا تو وہاں کے امیر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اُسے دار الخلافت مدینہ منوّرہ میں امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور ایک تحریر میں صورتِ حال لکھ بھیجی۔ قاصد نے تحریر پہنچائی تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اُس سے پوچھا: صَبِیغ کہاں ہے؟ اُس نے بتایا کہ سواری کے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا: «أَبْصِرْ! أَنْ يَكُونَ ذَهَبَ فَتُصِيبَكَ مِنِّي بِهِ الْعُقُوبَةُ الْمُوجِعَةُ.» دیکھ! اگر وہ بھاگ گیا تو تجھے سخت سزا دوں گا۔

آپ نے صبیغ کی مرمّت کے لیے کھجور کی شاخیں جمع کرائیں۔ جب اُسے پیش کیا گیا تو فرمایا: تُو کون ہے؟ وہ تکبّر کرتے ہوئے کہنے لگا: أَنَا عَبْدُ اللهِ صَبِيغٌ. مَیں اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔ آپ نے اُس کے سر میں ایک شاخ ماری اور فرمایا: أَنَا عَبْدُ اللهِ عُمَرُ. "مَیں اللہ کا بندہ عمر ہوں۔"[2] پھر ایسی پٹائی کی کہ اُس کے جسم سے خون بہنے لگا، بعد میں اُسے قید خانے بھیج دیا۔ جب اُس کے زخم ٹھیک ہو گئے تو پھر بلوا کر اُسی طرح پٹائی کی اور دوبارہ قید خانے بھیج دیا۔ زخم ٹھیک ہوئے تو تیسری بار بلوا بھیجا، وہ کہنے لگا: إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ قَتْلِي فَاقْتُلْنِي قَتْلًا جَمِيلًا، وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ أَنْ تُدَاوِيَنِي فَقَدْ وَاللهِ بَرَأْتُ. امیر المؤمنین! اگر آپ مجھے سزا کے طور پر قتل کرنا چاہتے ہیں تو اچھے طریقے سے قتل کرا دیں اور اگر میری بیماری کا علاج کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی قسم مَیں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔

آپ نے اُسے عراق واپس جانے کی اِجازت دے دی اور وہاں کے ذمہ دار سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط بھیجا: أَنْ لَا يُجَالِسَهُ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ. "کسی بھی مسلمان کو اِس کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کی اِجازت نہیں۔"[3]

صبیغ کئی دن تک بصرہ میں یوں تنہا رہا کہ کوئی شخص اُس سے بات بھی نہ کرتا، حتی کہ وہ کسی مجمع میں جاتا تو پورا مجمع اُسے دیکھ کر منتشر ہو جاتا۔[4] پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اُس سے چہرہ پھیر لیا، کہنے لگا: إِنِّي أَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِمَّا أَسْخَطَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَعَامَّةَ الْمُسْلِمِينَ. یعنی امیر المؤمنین اور دیگر مسلمان میری جس گمراہی کی وجہ سے میرے ساتھ ناراض ہیں اور میرا بائیکاٹ کیا ہوا ہے، مَیں اُس سے سچی توبہ کرتا ہوں۔[5]

سیدنا ابو موسیٰ اشعری نے فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لکھ بھیجا کہ صبیغ نے توبہ کر لی ہے اور اب اُس کی توبہ کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ تب امیر المؤمنین نے لوگوں کو اُس کے ساتھ بول چال اور نشست و برخاست کی اِجازت عنایت فرمائی۔ (سنن دارمی: 150)

---

[1] بوزن عَظِيم ... ابن عِسْل بمهملتين، الأولى مكسورة والثانية ساكنة، ويقال بالتصغير. (الإصابة في تمييز الصحابة)

[2] سنن دارمی، رقم: 146

[3] سنن دارمی، رقم: 150

[4] قال أبو عثمان: فَلَوْ جَاءَ وَنَحْنُ مِائَةٌ لَتَفَرَّقْنَا عَنْهُ. (کنز العمال، رقم: 4173۔ الاصابۃ، ج: 3، ص: 371)

[5] کنز العمال، رقم: 4180

قادیانیوں اور دیگر کفار کا فرق

ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنا بھی کفر ہے اور یہ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بڑا جرم ہے۔ کفر سے بڑھ کر ربّ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی کوئی شے نہیں۔ اِس حیثیت میں کفر کی تمام اقسام برابر ہیں۔ کوئی بھی کافر ہو اور کسی بھی غیر اسلامی نظریہ سے تعلق رکھتا ہو، حتّٰی کہ کسی سچے نبی کا نام لینے والا ہو، مگر آخری نبی ﷺ کے دین کو نہ مانے، یہ تمام بارگاہِ الٰہی میں سب سے بڑے مجرم ہیں اور ہر طرح کے کفار سے متعلق ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ۔ ”بے شک اہلِ کتاب میں سے جو کافر ہیں اور جو مشرک ہیں وہ سب کے سب ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے، وہی تمام مخلوق میں سب سے بدتر ہیں۔“ [البینۃ 6:98]

دَورِ حاضر کے تمام کفار میں قادیانی بدترین ہیں؛ کیونکہ باقی سب کافر اپنے مذہب کے بارے میں دھوکا نہیں دیتے، وہ کافر ہیں تو خود کو کافر ہی کہتے ہیں، مسلمان ہونا ظاہر نہیں کرتے... جب کہ قادیانی ظالم، کافر بھی ہیں اور اپنے کفر کو اسلام کا نام دے کر مسلمانوں سمیت پوری دُنیا کو دھوکا بھی دیتے ہیں۔

قادیانیوں اور دیگر کفار میں فرق سمجھنا اِس لیے بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں: جب اسلامی تعلیمات کے مطابق کفار کو مذہبی آزادی حاصل ہے، وہ اپنی مخصوص جگہوں میں اپنے مذہب پر عمل کرسکتے ہیں اور اسلامی ریاست کو یہ حق نہیں کہ اُنھیں روکے، پھر قادیانیوں کے بارے میں اتنا سخت رویّہ کیوں ہے؟ یہ اپنے مذہب پر عمل کیوں نہیں کرسکتے؟ چنانچہ گزشتہ گفتگو سے واضح ہوا کہ اگر قادیانی خود کو کافر تسلیم کرلیں اور یہ مان لیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں تو اُنھیں بھی وہ حقوق حاصل ہوں گے جو تمام کفار کو حاصل ہوتے ہیں... لیکن اگر وہ اپنے واضح کفریات کے باوجود خود کو مسلمان کہیں تو یہ کھلا دھوکا ہے اور دھوکا دینا خود ایک سنگین جرم ہے، دُنیا کا کوئی بھی معمولی عقل رکھنے والا شخص نہ سرِعام دھوکا دینے کی اِجازت دے سکتا ہے، نہ اپنے گھر میں چھپ کر فریب دینے کو درست کہہ سکتا ہے۔

جب کسی کو گھر میں چھپ کر ریاست کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنانے کی اِجازت نہیں دی جاسکتی تو اپنے گھر میں بیٹھ کر اسلام سے بغاوت کرنے کی اِجازت بھی نہیں دی جاسکتی۔

اِسی لیے کئی سال پہلے سپریم کورٹ آف پاکستان نے یہ طے کردیا تھا کہ قادیانیوں پر پابندی سے اُن کی حق تلفی نہیں ہوتی؛ کیونکہ وہ اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں، جب کہ دھوکا دینا کسی کا حق نہیں۔ حتّٰی کہ سپریم کورٹ نے یہ بھی طے کیا تھا کہ قادیانیوں کو ہندوؤں، سکھوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کی طرح اپنے مذہب کے لیے الگ سے شعائر، نام اور القابات بنانے چاہییں، وہ اسلامی نام، شعائر یا القابات استعمال نہیں کرسکتے۔

حرفِ آخر... قادیانی قرآن و سنت کی عدالت میں

اسرائیل کے صہیونی درندے ہوں یا اُن کے چیلے قادیانی... دونوں ہی اقوامِ عالَم کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر اپنے جھوٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور بدترین ظالم ہونے کے باوجود خود کو مظلوم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ گو کہ کئی لوگ اُن کے جال میں پھنس کر اُن کی حمایت کر رہے ہیں اور بظاہر وہ اپنی چالوں کو مضبوط تر کرتے نظر آرہے ہیں، مگر ربّ تعالیٰ کا وعدہ و دُستور ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کو مہلت دیتا ہے، یوں لوگوں کو آزماتا ہے کہ کون اُس کے دین کے ساتھ کس قدر مخلص ہے! پھر بالآخر اسلام اور مسلمانوں کو ہی غلبہ اور عزت و نصرت عطا فرماتا ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ بالآخر یہودی اور قادیانی ہی ناکام و نامراد ہوں گے، مگر آزمائش میں کامیابی کی خاطر ہمیں چاہیے کہ استقامت کے ساتھ دین کی سربلندی کے لیے کوشش کریں۔ آج کی گفتگو کا خلاصہ ہے کہ:

⟸ دُنیا میں انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی آمد کا سلسلہ، جو حضرت آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات سے شروع ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے سیدِ عالم ﷺ کو سب سے آخر میں مبعوث فرما کر وہ سلسلہ آپ پر ختم فرما دیا۔ آپ ﷺ کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آیا ہے اور نہ ہی قیامت تک آسکتا ہے... نہ نئی شریعت والا آسکتا ہے، نہ آپ کی شریعت کا تابع بن کر۔

⟸ عقیدۂ ختمِ نبوّت ضروریاتِ دین میں سے ہے، اِس پر سو فیصد پختہ یقین ضروری ہے اور ننانوے فیصد بھی قابلِ قبول نہیں۔ اگر کسی شخص کا ننانوے فیصد یہی نظریہ ہو کہ سرورِ عالَم ﷺ آخری نبی ہیں، مگر ایک فیصد ذہن یہ بھی ہو کہ آپ کے بعد پیدا ہونے والا کوئی شخص نبی ہے یا کوئی نبی آسکتا ہے تو وہ کافر ہے اور ایسے شخص کے کافر ہونے میں شک کرنے والا بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

⟸ قادیانی عقیدۂ ختمِ نبوّت کے منکر ہیں۔ یہ مذہب یہود و نصاریٰ نے خود ایجاد کیا اور پروان چڑھایا ہے، اِن بدبختوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے مفادات کے خلاف کام کیا ہے اور اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے۔

⟸ قادیانی اپنا جھوٹا مذہب ثابت کرنے کے لیے قرآن و سنت میں تحریف کرتے ہیں اور اُن کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہیں جو قرآن کے اصولوں اور صاحبِ قرآن ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہے۔

⟸ قادیانی بدترین کافر ہیں؛ کیونکہ وہ اسلام کا نام لے کر کفر پھیلا رہے ہیں اور خود کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں سے دشمنی کرتے ہیں۔ یہ سخت دھوکا بھی ہے، اِسی وجہ سے اُنھیں پاکستانی قانون کے مطابق اسلامی شعائر اور اصطلاحات استعمال کرنے کی اِجازت نہیں۔

ہر شخص سمجھتا ہے کہ جرم سرِعام ہو تو بھی جرم ہوتا ہے اور گھر کے اندر ہو تو بھی جرم ہی ہوتا ہے۔ کوئی بھی عقل مند قادیانیوں کو یہ اِجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اپنے اداروں / گھروں میں اپنی جھوٹی باتوں کو قرآن کا نام دے کر اپنا کفر پھیلاتے رہیں۔ سپریم کورٹ کا یہ اِجازت دینا اسلامی اُصولوں سے بھی متصادم ہے، پاکستانی قانون کے بھی خلاف ہے اور عقل بھی اِسے قبول نہیں کرتی۔

استقامت کے ساتھ دین کی سربلندی کے لیے کوشش کرنے کی بات ہو تو قیامت تک حمّاس کے سیاسی ونگ کے سربراہ جناب ابو عبدِ السلام اسماعیل ہنیہ اَشعری شافعی شاذِلی علیہ الرحمہ کا نام فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔

طوفانِ اقصٰی آپریشن کے بعد شروع ہونے والے اسرائیلی مظالم میں آپ کے بیٹے، پوتے، ہمشیرہ اور خاندان کے دیگر افراد شہید ہوئے، مگر آپ کے جذبہ اور استقامت میں کوئی فرق نہ آیا، حتّٰی کہ 31 جولائی 2024ء بروز بدھ کو ایران کے دار الحکومت تہران میں منصوبہ بندی کے ساتھ آپ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ ایران کے نَو منتخب صدر کی تقریبِ حلف برداری میں شمولیت کے لیے مدعوّ تھے، اب حقیقتِ حال ربّ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس نے شہید کروایا، یہودیوں نے یا اُن کے چیلوں نے!

فلسطین پر قابض اسرائیلی درندوں کو بھگانے کے لیے عظیم عالِم وروحانی پیشوا پیرِ طریقت ابو محمد حافظ احمد یاسین علیہ الرحمہ نے 1987ء میں حمّاس نامی تنظیم کی بنیاد رکھی، یہ فلسطین کی سب سے بڑی اسلامی تنظیم ہے، اِس کی مختلف شاخیں ہیں، جو مذہبی، تبلیغی، تعلیمی اور رفاہی خدمات سرانجام دیتی ہیں۔

غیر جانب دارانہ طور پر غور وفکر کرنے والا انسان اِس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ حمّاس نے طوفانِ اقصٰی آپریشن کے ذریعے دہشت گردی نہیں پھیلائی، بلکہ حقیقت میں گھر کے مالکوں نے ڈاکوؤں کو اپنے گھر سے بھگانے کے لیے دفاعی کارروائی کی تھی۔

حمّاس کا ایک خوب صورت جملہ ہے: وَإِنَّهُ لَجِهَادٌ: نَصْرٌ أَوِ اسْتِشْهَادٌ۔ آسان الفاظ میں اِس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم راہِ خدا کے مجاہد ہیں... یا تو ربّ تعالیٰ کی مدد سے فتح ملے گی یا جامِ شہادت پی کر بارگاہِ الٰہی میں سُرخرو ہو جائیں گے۔

یومِ استحصالِ کشمیر کے موقع پر مجاہدینِ حمّاس کے ساتھ ساتھ کشمیر کے غیرت مند مسلمانوں کو بھی خراجِ تحسین پیش کرنا ضروری ہے، جو کئی دہائیوں سے جرأت واستقامت کے ساتھ بھارتی مظالم کا مقابلہ کر رہے ہیں، مگر اُن کے جذبۂ حریّت میں کمی نہیں آئی۔

05 اگست 2019ء کو صدارتی حکم کے ذریعے مودی حکومت نے کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کر دیا تھا اور یہ منصوبہ تھا کہ آبادی کا تناسب تبدیل کر کے کشمیریوں کی آواز کو دبا دیا جائے گا، مگر بھارت کبھی ایسا کر سکا ہے نہ کر سکے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ... تاہم اِس بات کی ضرورت ہے کہ فقط قراردادوں پر اکتفانہ کیا جائے، بلکہ عملی اقدامات کیے جائیں۔

شرعی مسئلہ: اگر کوئی دینی نقصان نہ ہو تو کفار سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے، تاہم "مُرتد" کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اُس کے ساتھ میل جول رکھنا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور لین دین کرنا... سب حرام اور سخت گناہ ہے۔ قادیانی بھی مرتد ہیں؛ کیونکہ وہ مسلمان ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں اور پھر ختمِ نبوّت سمیت کئی ضروریاتِ دین کا انکار بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اِن کے ساتھ لین دین کرنا ناجائز ہے اور اُن کی مصنوعات (Products) کا بائیکاٹ کرنا دینی تقاضا ہے۔

۳ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ/09 اگست 2024ء

استحکامِ پاکستان کے اہم ذرائع

(یومِ آزادی کی مناسبت سے)

مشمولات

- بامقصد طریقے سے یومِ آزادی منانے کی اہمیت
- استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... قرآن و سنت کا نفاذ
  - نفاذِ قرآن و سنت... بانیانِ پاکستان کا مقصدِ اوّلین
- استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... معاشی اعتدال
- استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... فکری آزادی
- استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... نظامِ عدل کا قیام
- پاکستان سے غیر متزلزل محبت
  - شیخ الاسلام کا خواب اور مسلم لیگ میں شمولیت
- نحوستِ صفر کے جاہلانہ نظریہ کی تردید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرۡیَۃً کَانَتۡ اٰمِنَۃً مُّطۡمَئِنَّۃً یَّاۡتِیۡہَا رِزۡقُہَا رَغَدًا مِّنۡ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَہَا اللّٰہُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ۔ [النحل 112:16]

"دن منانے" کی روایت قدیم بھی ہے اور آفاقی بھی... صدیوں سے لوگ مختلف دن مناتے چلے آرہے ہیں اور یہ رسم کسی ایک خطے کے ساتھ خاص نہیں، دُنیا بھر میں ایسا کیا جاتا ہے... بلکہ جس دن میں ربّ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی خاص انعام فرمایا ہو اُس کی یادگار قائم کرنے کا حکم آیتِ قرآنیہ سے بھی ثابت ہے۔[1]

یہ بات بھی ضروری ہے کہ دن منانا بامقصد طریقے سے ہونا چاہیے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ دن منانے کے بعد نتیجے پر غور کیا جائے تو وہ کچھ بھی نہ ہو؛ کیونکہ بے مقصد کام کو نہ تو عقلِ سلیم پسند کرتی ہے اور نہ ہی قرآنِ حکیم اُس کا حکم ارشاد فرماتا ہے۔

14 اگست اہلِ پاکستان کے لیے بہت اہم دن ہے، جس میں خالقِ کائنات نے وطنِ عزیز کی صورت میں ایک عظیم نعمت عطا فرمائی؛ اِسی مناسبت سے ہر سال ملک بھر میں "یومِ آزادی" جوش و خروش کے ساتھ منایا جاتا ہے، تاہم یہ پہلو بہت افسوس ناک ہے کہ زیادہ تر یہ دن دانستہ یا نادانستہ طور پر رسمی کاموں میں ضائع ہو جاتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ یومِ آزادی کے موقع پر قوم کی تربیت کی جائے کہ:

- آزادی کتنی بڑی نعمت ہے اور اگر ہم آزاد نہ ہوتے تو ہماری صورتِ حال کیا ہوتی؟
- برصغیر کی تاریخ کیا ہے؟ پاکستان کی منزلِ مقصود کیا تھی؟ یہ ملک بنانے کے لیے بے پناہ قربانیاں کیوں دی گئیں؟ اور کیا ہم نے اپنی منزلِ مقصود حاصل کر لی؟ اگر نہیں تو اُسے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟
- وہ کون سی کمزوریاں تھیں جن کی وجہ سے برِّ صغیر میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ حکومت کا خاتمہ ہوا؟ کہیں آج ہم اُنہی کمزوریوں میں مبتلا تو نہیں؟ اگر مبتلا ہیں تو اُن کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟
- انگریز نے ہماری تہذیب و ثقافت اور نظامِ تعلیم کو کس طرح تبدیل کر کے ہمیں فکری طور پر غلام بنایا؟ آج ہمیں اپنی اصل اقدار کی طرف لوٹنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
- سب سے اہم یہ کہ بقاء و استحکامِ پاکستان کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اور ملک کو موجودہ مشکل حالات سے نکال کر ترقّی کی راہ پر کیسے گامزن کیا جا سکتا ہے؟

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر نعمت کی عطا بھی رحمتِ الٰہی سے ہی ہوتی ہے اور اُس کا استحکام بھی فضلِ خداوندی سے ہی ہوتا ہے، تاہم ہمیں حکمِ ربّانی پر عمل کرتے ہوئے بہر صورت استحکام کے ذرائع اختیار کرنے چاہییں۔

---

[1] قال اللہ تعالیٰ: وَذَکِّرۡہُمۡ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ۔ [ابراھیم 05:14]

استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... قرآن و سنت کا نفاذ

یہ بات "عقیدہ" بھی ہے اور صدیوں کی "اسلامی تاریخ کا خلاصہ و نچوڑ" بھی کہ اگر مسلمان اپنے مالکِ کریم جَلَّ وَعَلَا کے احکام پر عمل کریں تو وہ اپنی رحمت سے فتح و نُصرت اور عُروج و استحکام عطا فرماتا ہے، جب کہ اُس کی نافرمانی کریں تو اپنے کرتوتوں کے سبب ذلّت و رُسوائی اور پستی و فنا کے دن دیکھنا پڑتے ہیں۔ سیدنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَات کی قوم غرق ہونے سے لشکرِ ابرہہ کی تباہی تک... اور ریاستِ مدینہ منوّرہ کے قیام سے تحریکِ پاکستان کی کامیابی تک اِس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

چنانچہ اربابِ اختیار میں سے جو پاکستان کے مخلص ہیں اُنھیں اِس کی بقا اور استحکام کی خاطر اِس میں قرآن و سنت کا نظام عملی طور پر نافذ کرنے کے لیے اقدامات کا آغاز کرنا چاہیے۔

نفاذِ قرآن و سنت پر استحکام کا وعدۂ الٰہیّہ: دینِ اسلام کی خدمت کرنے والوں سے استقامت و استحکام کا وعدہ فرماتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ... "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔" [محمد 7:47] میدانِ جنگ میں بھی ڈٹے رہو گے، اسلام پر بھی استقامت نصیب ہو گی اور پُل صراط پر بھی تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ (خزائن العرفان، ملخصًا)

خود کو عقل مند سمجھنے والے کئی احمق یہ سوچ پھیلاتے ہیں کہ دین پر عمل کی برکت سے استحکام کی بات کرنا جذباتی لوگوں کا کام ہے، بھلا ایسے بھی کبھی معیشت پختہ ہوئی ہے! حالانکہ نظامِ قرآن و سنت کو استحکام کا ذریعہ قرار دینا جذباتی بات نہیں، سو فیصد سچی حقیقت ہے، جس کی آیتِ مذکورہ سے بھی تائید ہوتی ہے اور اسلامی تاریخ بھی اِس کی تصدیق کرتی ہے... البتہ اِسے جذباتی بات کہنے والے غلط فہمی کی وجہ سے اپنی "حماقت" کو "عقل کا تقاضا" سمجھ بیٹھے ہیں۔ ایسی عقل رکھنے والوں کو اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا:

تِرے سینے میں دَم ہے، دِل نہیں ہے
تِرا دَم گرمیِ محفل نہیں ہے[1]

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے[2]

---

[1] دَم: سانس۔ یعنی تیرے سینے میں سانس لینے والا ایک لوتھڑا موجود ہے، مگر عشقِ خدا تعالیٰ و محبتِ مصطفیٰ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محروم ہونے کے سبب وہ اِس قابل نہیں کہ اُسے "دِل" کہا جاسکے... اور تیری سانس بھی ایسی ہے کہ اِس سے محفل میں گرمی اور کچھ کر گزرنے کا ولولہ پیدا نہیں ہوتا۔

[2] عقل کو حرفِ آخر مت سمجھ! اِس سے آگے بڑھ کر اللہ و رسول کی محبت و اِطاعت حاصل کر... یہ عقل راستہ دکھانے کے لیے چراغ ہے، منزلِ مقصود نہیں ہے، بلکہ منزلِ مقصود ربّ تعالیٰ کی رِضا اور رسولِ مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خوشنودی ہے۔

نفاذِ قرآن وسنت... بانیانِ پاکستان کا مقصدِ اوّلین: اگر ہم سوچیں کہ وہ کون سی طاقت تھی جس نے مختلف زبانوں اور علاقوں سے تعلّق رکھنے والے کروڑوں مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا؟ کس مشن کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا؟ کیا مطلوب تھا کہ لاکھوں افراد نے اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی؟ بلاشبہ وبلا مبالغہ اُن کا ایک ہی مقصد و مطلوب تھا کہ ہمیں ایک ایسی ریاست مل جائے جہاں قرآن وسنت کا نظام ہو، جہاں ہم بغیر کسی روک ٹوک کے دینِ اسلام پر عمل کر سکیں۔ اُن کا نعرہ ہی اُن کا مقصد ومدّعا واضح کرنے کے لیے کافی ہے: "پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالٰہ الّا اللہ"۔

مارچ 1925ء کو مراد آباد (بھارت) میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا حامد رضا خان علیہما الرحمہ کی زیرِ صدارت پورے ہندوستان سے تعلق رکھنے والے علماء ومشائخِ اہلِ سنت وجماعت کی چار روزہ کانفرنس منعقد ہوئی، اِس کانفرنس میں ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام "اَلْجَمْعِیَّۃُ الْعَالِیَۃُ الْمَرْکَزِیَّۃ" / "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" طے پایا۔ تنظیم کے صدر امیرِ ملّت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری اور ناظمِ اعلیٰ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی مقرر ہوئے۔ اِس تنظیم کے تحت پورے ہندوستان میں مختلف اجلاس / جلسے منعقد ہوئے، جن میں کانگریس کی بھرپور مخالفت اور دو قومی نظریہ کی پُرزور حمایت کی گئی۔[1]

آل انڈیا سنّی کانفرنس کا ایک اہم اجلاس 27 تا 30 اپریل، 1946ء کو بنارس / وارانسی (بھارتی ریاست اتر پردیش کے ایک شہر) میں منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً دو ہزار علماء ومشائخ اور ساٹھ ہزار عوام اہلِ سنت شریک تھے۔ کانفرنس میں یہ قرارداد بھی منظور کی گئی: آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اِعلان کرتا ہے کہ علماء ومشائخِ اہلِ سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں فقہی اُصول کے مطابق ہو۔[2]

جولائی 1947ء کے آغاز میں جب برطانوی حکومت نے برِّصغیر کی تقسیم کا اِعلان کر دیا تو 17 جولائی 1947ء کو شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے بانیٔ پاکستان کو ایک خط لکھا، جس میں ملک کے اندر قرآن وسنت کا نظام نافذ کرنے کی تاکید کرتے ہوئے یہ آیتِ کریمہ بھی ذکر کی: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ "اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔" [المائدۃ 5:45] دوسری آیاتِ کریمہ میں ایسے لوگوں کو کافر اور فاسق بھی فرمایا گیا ہے۔ بانیٔ پاکستان نے اپنے جوابی خط میں آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایسا کرنے کی یقین دہانی کروائی تھی۔ (فوز المقال، ج:5، ص:250 تا 253)

قرآن وسنت کا نظام نہ لانا استحکامِ پاکستان کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے اور شہیدوں کے خون سے بھی بدترین غداری ہے۔

---

[1] تنظیم سے متعلق مزید معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے "خطباتِ آل انڈیا سنّی کانفرنس"، از مفتی جلال الدین قادری۔ یہ کتاب انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے۔

[2] دیکھیے "تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الأعظم"، از پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری، ص:257، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... معاشی اعتدال

کسی بھی ملک کی بقاء واستحکام اور عزت و وقار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی معیشت مستحکم ہو، زرِ مبادلہ کے ذخائر معقول مقدار میں موجود ہوں، ریاست کی آمدن اور اخراجات میں توازن ہو اور شہریوں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

اِس پہلو سے پاکستان کی صورتِ حال کو دیکھا جائے تو اگرچہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں، مگر اسباب کے تناظر میں حالات نہایت خراب ہیں اور اِس سے بڑھ کر افسوس ناک بات یہ کہ مستقبل میں بہتری کے لیے کوئی حکمتِ عملی بھی نہیں ہے۔

اِس سال کے بجٹ کے مطابق حکومت کی متوقَّع سالانہ آمدن اور اخراجات کے درمیان تقریباً 8,500 ارب روپے کا فرق ہے، یعنی ریاست کے اخراجات آمدن سے ساڑھے آٹھ ہزار ارب روپے زیادہ ہیں، اب اِن اخراجات کو کیسے پورا کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اس کے لیے حکومتیں اندرونی اور بیرونی بینکوں سے مزید قرضے لیتی ہیں اور قوم پر قرض کا بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے، پھر ریاست کو قرض دینے والوں کی شرائط بھی ماننا پڑتی ہیں اور منتیں بھی کرنی ہوتی ہیں۔

قرضوں کے بوجھ، بلکہ اِس لعنت سے جان چھڑانے کی دو ہی صورتیں ہیں:

1) حکومت اپنی آمدن میں اتنا اِضافہ کرے کہ اخراجات بھی پورے ہوں اور آہستہ آہستہ پہلے والا قرض بھی ادا کیا جاسکے۔
2) تمام شعبہ جات کے اخراجات کم کرکے اُنھیں آمدن تک محدود کر دیا جائے، یعنی حکومت فیصلہ کرلے کہ جتنی آمدن ہے اُتنے ہی اخراجات کرنے ہیں، بس۔

قومی بے حسّی کا یہ عالم ہے کہ اخراجات آمدن سے 8,500 ارب زیادہ ہیں، مگر حکومت کی شہ خرچیاں پہلے سے بڑھ کر ہیں... روزانہ نئے منصوبوں کے فیتے کاٹ کر یہ باور کروایا جاتا ہے کہ ملک و قوم کی بہت خدمت ہو رہی ہے... برطانیہ کا وزیرِ اعظم چند بیڈ رومز پر مشتمل رہائش گاہ میں رہتا ہے، جب کہ ہمارے صدر، وزیرِ اعظم، تمام صوبائی گورنروں اور وزرائے اعلیٰ کی رہائش گاہیں کئی کئی ایکڑوں پر مشتمل ہیں... زرِ مبادلہ کے بھارتی ذخائر ساڑھے چھ سو ارب ڈالر سے زیادہ ہیں اور ہمارے فقط نو ارب ڈالر ہیں، مگر ہمارے ہاں ججز کے مشاہرات اور مراعات بھارت سے دوگنا ہیں... وفاقی حکومت میں کئی ڈویژن غیر ضروری ہیں، مگر بار بار اعلان کے باوجود انہیں ختم نہیں کیا گیا... ایسے کئی اور بھی پہلو ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا "چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے" کا کوئی اِرادہ نہیں۔

کاش! حکمران اور عوام سبھی اُس ارشادِ نبوی پر غور کریں جسے سیدنا طلحہ بن عُبید اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا: مَنِ اقْتَصَدَ أَغْنَاهُ اللهُ، وَمَنْ بَذَّرَ أَفْقَرَهُ اللهُ... جو میانہ روی سے خرچ کرے مالکِ کریم اُسے غنی کر دیتا ہے اور جو فضول خرچی کرے اللہ تعالیٰ اُسے فقیر کر دیتا ہے..." (مسند البزار، حدیث: 946۔ نوادر الاصول، ج:4، ص:222، دار الجیل، إسنادہ ضعیف لکن معناہ ثابت)

استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... فکری آزادی

جس قوم کو اپنی اقتدار سے زیادہ دوسروں کی باتیں پسند ہوں... وہ دوسروں سے مرعوب ہو کر خود کو کم تر اور دوسروں کو برتر سمجھنے لگے... اپنی بولی سے زیادہ دوسروں کی language (لینگوِج / زبان) پر محنت کرے اور اپنے لباس پر غیروں کے Dress کو ترجیح دے... وہ قوم انتظامی معاملات میں آزاد ہونے کے باوجود فکری طور پر غلام قرار پاتی ہے۔ مصوّرِ پاکستان اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں [1]

تحریکِ پاکستان کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ قوم اگرچہ انتظامی طور پر محکوم تھی، مگر فکری شعور بیدار ہو چکا تھا، قائدین اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کا درس دے رہے تھے، غیر مسلموں سے مرعوب کرنے کے بجائے اپنی تہذیب پر فخر کا سبق پڑھا رہے تھے۔ چنانچہ ربّ تعالیٰ نے لاج رکھی اور بے سروسامانی کے باوجود آزادی کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

یومِ آزادی پر استحکامِ پاکستان کی خاطر فکری آزادی کو پروان چڑھانا چاہیے اور نسلِ نَو میں غیروں کی نقّالی کے بجائے سرورِ عالم ﷺ اور آپ کے پیاروں کی پیروی کا جذبہ بیدار کرنا چاہیے۔ بقولِ اقبال استحکام کا واحد طریقہ یہی ہے کہ قوم کا مذہب سے تعلق پختہ ہو۔

اپنی مِلّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی [2]

اُن کی جمعیّت کا ہے مُلک و نَسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مُستَحکم ہے جمعیّت تری [3]

دامنِ دیں ہاتھ سے چھُوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رُخصت تو ملت بھی گئی [4]

---

[1] شمشیر: تلوار۔ یعنی جب کوئی قوم ذہنی طور پر غلام ہو تو نہ اسلحہ کام آتا ہے، نہ تدبیریں اور نہ ہی منصوبہ بندیاں کام آتی ہیں، البتہ ذوقِ یقیں پیدا ہو جائے تو زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور منزل کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔

[2] قیاس کرنا: دو چیزوں کو ایک جیسا قرار دینا۔ اقوامِ مغرب: یورپ سے تعلق رکھنے والی قومیں۔ یعنی اے مسلمان! اپنی ملّت کو یورپی قوموں کی طرح مت سمجھو، اُن کی ترتیب و تنظیم اور اتحاد و اجتماع کے اُصول اور ہیں، جب کہ رسولِ ہاشمی ﷺ کی اُمّت کی ترکیب و تنظیم کے اُصول اور ہیں۔

[3] جمعیّت: اتحاد و اجتماع۔ انحصار: دار و مدار۔ یعنی یورپی قوموں کا آپس میں اتحاد و اجتماع "وطن" اور "نسب" کی بنیاد پر ہوتا ہے، مگر تمہارا اتحاد اور تنظیم سازی "قوّتِ مذہب" کی بنیاد پر ہے۔

[4] یعنی مسلمانو! تمہارا اجتماع و اتحاد مذہب کی بنیاد پر ہے، اگر تم نے دین کا دامن چھوڑا تو تمہارا اتّحاد برقرار نہیں رہے گا اور اجتماعیت و اتّحاد نہ رہا تو ملّت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

استحکامِ پاکستان کا ذریعہ... نظامِ عدل کا قیام

انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ وہ دوسروں پر حاوی رہے۔ کوئی دوسرا تو اُس کی حق تلفی نہ کرے، لیکن اگر وہ کسی کا حق چھینے تو اُس کا ہاتھ نہ روکا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتِ حال میں ملک تو کیا ایک گھر کا نظام بھی نہیں چل سکتا۔ گھر سے لے کر ریاست تک... بقاء واستحکام کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کا عطا کردہ نظامِ عدل قائم کیا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ ”تم عدل کیا کرو، یہی تقوٰی کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ کو تمہارے تمام اعمال کی خبر ہے۔“ [المائدۃ 5:8]

موجودہ دَور کے ترقّی یافتہ ممالک انصاف کی فراہمی اور حقوق کی پاس داری کا دعوٰی کرتے ہیں، مگر عدل وانصاف کی جو مثالیں رحمتِ عالَم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین علیہم الرضوان نے قائم کی ہیں، دورِ حاضر کے دعوے دار اُن کا فقط تصوّر ہی کر سکتے ہیں۔

ظلم کا انجام خوف ناک ہوتا ہے اور اِس پر ہونے والی گرفت حد درجہ سخت ہوتی ہے۔ چنانچہ استحکامِ پاکستان کی خاطر یومِ آزادی کے موقع پر تمام اربابِ اختیار کو ملک میں نظامِ عدل قائم کرنے کے لیے عملی اقدامات کا آغاز کرنا چاہیے، جن میں سے چند اہم یہ ہیں:

- عوام میں آئین و قانون پر عمل کا شعور بیدار کیا جائے۔ اِس کے لیے نصابی کتب میں اسباق اور ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے ذہن سازی کے ساتھ ساتھ حکمران طبقہ خود قانون پر عمل کر کے نمونہ پیش کرے۔
- جرائم کی سزائیں برطانوی یا خود ساختہ قوانین کے مطابق نہیں، بلکہ قرآن وسنت کے مطابق دی جائیں۔
- عدل وانصاف کی یکساں فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ کوئی بھی بااثر شخص خود کو قانون سے بالاتر نہ سمجھ سکے اور کوئی بھی کمزور شخص یہ تصوّر نہ کرے کہ قانونی طریقے سے انصاف حاصل کرنا اُس کے بس میں نہیں۔
- انصاف کی فراہمی کو آسان تر بنایا جائے۔ ہر شہری کو یہ احساس ہو کہ تھانے سے لے کر کورٹ تک، وہ کہیں بھی اپنا حق حاصل کرنے کے لیے آسانی کے ساتھ کوشش کر سکتا ہے۔

عدل وانصاف قائم کرنا صدرِ مملکت سے لے کر ادنٰی سرکاری افسر تک... حسبِ حیثیت تمام پر فرض ولازم ہے، تاہم سب سے زیادہ ذمہ داری ججز اور عدلیہ و قانون سے وابستہ دیگر افراد پر عائد ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ججز قرآن وسنت کے برعکس اپنی مرضی کے مطابق فیصلے دیں یا اُن کے فیصلوں سے سیاسی وابستگی / بیرونی طاقتوں کا دباؤ ظاہر ہو تو نظامِ عدل کا قیام محال ہو گا۔

نظامِ عدل میں یہ بات بھی اہم ہے کہ تمام افراد اور ادارے اپنی تمام تر توجہات کو اپنی آئینی ذمہ داریوں پر مرکوز رکھیں اور اپنی حدود میں رہتے ہوئے ملک و قوم کی خدمت کریں... فوج سرحدوں کی حفاظت کرے، عدلیہ قانون کی پاس داری کرے، انتظامیہ اپنے اُمور انجام دے... یہی تقاضائے عدل ہے اور اِسی میں ملک کی بقاء واستحکام ہے۔

پاکستان سے غیر متزلزل محبت

گزشتہ ہفتے میں تقریباً پندرہ سال سے بنگلہ دیش پر قائم حکومت کا تختہ اُلٹ گیا۔ اس کے پیچھے ایک طویل تحریک ہے، جو خونی تحریک بن گئی اور بالآخر سابق وزیرِ اعظم نے اقتدار چھوڑتے ہی ملک سے فرار ہو کر بھارت میں سیاسی پناہ لے لی۔

اِس تناظر میں بعض افراد پاکستانی حکمرانوں کو بھی متنبہ کر رہے ہیں کہ وہ عوام پر ظلم کا سلسلہ بند کریں، اگر پاکستان کی مظلوم عوام نے بھی ایسی تحریک شروع کی تو حکمرانوں کو تنکے کی طرح بہا کر لے جائے گی۔

یہ بات درست ہے کہ ہر ظالم کو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اور اُس کی سخت گرفت سے ڈرنا چاہیے۔ غضبِ الٰہی کی مختلف صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہوتی ہے کہ ظالم کو لوگوں کے سپرد کر دیا جائے اور وہ اُسے ذلیل ورُسوا کریں۔ تاہم اِس موقع پر ہم یہ پیغام بھی دینا چاہتے ہیں کہ قائدِ اعظم کی قیادت میں لاکھوں جانوں کے نذرانے کے بعد یہ وطنِ عزیز قائم ہوا ہے... اِس کے ساتھ ہماری محبت فقط فطری تقاضے سے ہی نہیں ایمانی تقاضے سے بھی ہے؛ کیونکہ یہ کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر قائم ہوا ہے... یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے... رسول اللہ ﷺ کی نگاہِ کرم کا اثر ہے... اور بزرگانِ دین علیہم الرحمہ کا فیضان ہے... اِس ملک سے وفا کا سبق ہماری گھٹی میں شامل ہے... ہم اپنی جان دے سکتے ہیں، مگر اِس ملک سے غداری کا تصوّر بھی نہیں کریں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

پاکستان کے لیے نمایاں خدمات انجام دینے والے مشائخ میں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ (سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف) بھی شامل ہیں۔ آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا: ایک رات مَیں سیال شریف میں اپنے حُجرے میں آرام کر رہا تھا، مَیں نے خواب دیکھا کہ مَیں اور ہندوستان کے تمام مسلمان زُعما، علما، فضلا، اولیا اور لاکھوں عوام کا اجتماع میدانِ عرفات میں ہے اور ہم سب ایک اُونچے بنے ہوئے اسٹیج کی طرف دیکھ رہے ہیں، جیسے ہمیں کسی کی آمد کا انتظار ہو، اسٹیج پر آقائے دوجہاں سرورِ کائنات محبوبِ خدا نبیِ پاک ﷺ اپنے چاروں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ تشریف فرما ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستِ مبارک میں ایک جھنڈا تھا، چند لمحے بعد حضور نبیِ پاک صاحبِ لولاک ﷺ نے فرمایا: ”محمد علی جناح کہاں ہیں؟“ ہم سب مجمع میں دیکھنے لگ گئے، اچانک محمد علی جناح مجمع سے اُٹھے اور اُس اُونچے اسٹیج کی طرف چل پڑے، وہ نبیِ کریم ﷺ کے سامنے نگاہیں نیچی کر کے باادب کھڑے ہو گئے اور سرکارِ دوعالم ﷺ نے حضرتِ علی کو فرمایا: ”جھنڈا لاؤ۔“ حضرتِ علی سبز ہلالی پرچم لائے اور سرکارِ دوعالم ﷺ نے وہ پرچم محمد علی جناح صاحب کو عطا فرما دیا۔ میری آنکھ کھل گئی اور اگلی صبح مَیں نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ (فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ج:9، ص:153، ناشر: انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی، ملخصًا)

ہمارا پختہ یقین ہے کہ مصطفیٰ کریم ﷺ کے صدقے میں عطا ہونے والا یہ ملک قیامت تک قائم رہے گا اور ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ اِس کے وفادار رہیں گے۔

حرفِ آخر... یومِ آزادی پر استحکامِ پاکستان کے لیے اقدامات

دُنیا بھر میں مختلف اہم دنوں کی یادگاریں منائی جاتی ہیں، اِس کا مقصد اُس دن سے وابستہ پیغام کو عام کرنا اور لوگوں میں اُس سے متعلق شعور بیدار کرنا ہوتا ہے۔

14 اگست اہلِ پاکستان کے لیے ایک بہت اہم دن ہے، اِسے ملک بھر میں "یومِ آزادی" کے طور پر جوش و خروش کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ کاش! بااختیار حضرات اِسے بامقصد طریقے سے منانے کا اہتمام کریں تو ملک و قوم کا بہت فائدہ ہو!

ملکی حالات کے پیشِ نظر اِس وقت سب سے زیادہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ "استحکامِ پاکستان کے ذرائع" سے متعلق قوم میں شعور بھی بیدار کیا جائے اور اربابِ اقتدار عملی طور پر اِن ذرائع کو اختیار بھی کریں۔

آج کے خطبہ میں استحکامِ پاکستان کے چند اہم ذرائع پر گفتگو کی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

❖ خلوص کے ساتھ ملک میں قرآن و سنت کا نظام نافذ کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ اِسی مقصد کے لیے لاکھوں شہیدوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا، یہی اِس ملک کی بنیاد ہے اور اِسی میں اِس ملک کا استحکام و بقا ہے۔

اِس وقت ملک مشکل ترین معاشی حالات کا شکار ہے، اِس کے ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں، مگر اِس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اِن حالات کی اصل وجہ مقصدِ پاکستان سے رُوگردانی ہے۔ جس مقصد کے لیے یہ ملک بنایا گیا تھا، بعد والوں نے اُس سے وفا نہیں کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ "اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو پُر امن اور پُر سکون تھی، اُس بستی کے پاس ہر جگہ سے وافر مقدار میں رزق آتا تھا، چنانچہ وہاں کے رہنے والے اللہ کے انعامات کی ناشکری کرنے لگے تو اللہ نے اُن کے اعمال کی سزا میں انہیں بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا۔" [النحل 16:112] اہلِ پاکستان کو اِس بستی والوں سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اُن کی معیشت تباہ ہوئی اور وہ دیوالیہ ہوگئے، نیز اُن کا امن و سکون چھن گیا اور دہشت زدہ ہوئے، اِس کا سبب قرآنِ حکیم کے مطابق یہ تھا کہ اُنھوں نے (ربّ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے) نعمتوں کی ناشکری کی۔ بحیثیتِ مسلمان ہمیں زبوں حالی کے ظاہری اسباب سے آگے بڑھ کر حقیقی اسباب سے متعلق بھی غور و فکر کرنا چاہیے۔

❖ تباہ حال معیشت کو بہتر بنانے کے لیے آمدن اور اخراجات میں توازن پیدا کیا جائے۔ اگر حکومت کے لیے اپنی آمدن میں اِضافہ ممکن نہیں تو اخراجات کو کنٹرول کرے۔ اعلیٰ عہدے داروں کی عیّاشیوں پر پابندی عائد کرکے فقط اُتنے ہی اخراجات کرے جن کے لیے مزید قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے۔

❖ عدل وانصاف کے بغیر کوئی بھی معاشرہ وملک نہ ترقّی کرتا ہے، نہ قائم رہتا ہے۔ چنانچہ حکومت فوری طور پر اسلامی تعلیمات کے مطابق یکساں اور آسان عدل کی فراہمی کو یقینی بنائے۔

❖ نوجوان نسل غیروں کی نقّالی کرنے کے بجائے سرورِ عالَم ﷺ، آپ کے صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم، بزرگانِ دین اور سپہ سالارانِ اُمّت رحمۃ اللہ علیہم کو اپنا آئیڈیل بنائے۔ جو قوم فکری طور پر غیروں کی غلام ہو اور اُن سے مرعوب ہو وہ انتظامی طور پر آزاد ہونے کے باوجود کوئی قابلِ فخر کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتی۔

ہم اِس بات کا اِعادہ کرتے ہیں کہ پیارے وطن کے ساتھ ہماری محبت فقط فطری ہی نہیں، ایمانی ہے؛ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے... مصطفیٰ کریم ﷺ کا تصدّق ہے... اور بزرگانِ دین کا فیضان ہے... یہ کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر قائم ہوا... اور اِن شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہے گا۔ ہم اِس کے وفادار تھے، ہیں اور آخری سانس تک رہیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ اگر اِس وطن کی خاطر جان قربان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ہرگز اِس سے گریز نہیں کریں گے۔ کوئی بھی دشمن بنگلہ دیش کے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم سے یہ توقّع نہ رکھے کہ ہم حکمرانوں کے ظلم سے تنگ آکر اِس ملک سے بغاوت کر دیں گے۔

آخر میں اِس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مبارک ثانی کیس میں سپریم کورٹ نے قادیانیوں کو اپنے اداروں اور گھروں میں اپنے غلیظ نظریات پھیلانے کی اِجازت دی تھی۔ اِس فیصلے سے پیدا ہونے والے انتشار واضطراب کو دُور کرنے کے لیے مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن دامت برکاتہٗ نے تمام مکاتبِ فکر کے اکابر کی تائید سے نہایت احسن حل پیش کیا ہے: آئین کے مطابق سپریم کورٹ اپنے اِس فیصلے پر نظرِ ثانی کر سکتی ہے، نیز قانون میں ایک جملہ کا اِضافہ کر کے حکومت بھی اپنی ذمہ داری پوری کر سکتی ہے۔

ہم مفتیٔ اعظم پاکستان کے اِس اقدام کی تائید وتحسین کرتے ہوئے مطالبہ کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ اور حکومت اپنی اپنی ذمہ داری پوری کریں؛ تاکہ مزید انتشار پیدا نہ ہو۔ یہ بات بھی لائقِ تحسین ہے کہ گزشتہ روز (08 اگست 2024ء) کو اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اِس فیصلہ پر تحفّظات کا اِظہار کرتے ہوئے سپریم کورٹ سے نظرِ ثانی کا مطالبہ کیا ہے۔

شرعی مسئلہ: ماہِ صفر المظفّر کو منحوس یا بلاؤں والا مہینہ سمجھنا جاہلانہ سوچ ہے، جس کی نبیِ کریم ﷺ نے واضح طور پر نفی فرمائی ہے۔ اِس مہینے میں شادی، کسی کام کے آغاز اور سفر وغیرہ میں کوئی حرج نہیں۔ ایصالِ ثواب اور صدقہ وخیرات اچھے کام ہیں، تاہم اِس مہینے کو منحوس سمجھ کر ایسا نہ کیا جائے۔ صفر کے آخری بدھ کو اِس وجہ سے خوشی منانا کہ رسول اللہ ﷺ اُس دن صحت یاب ہوئے تھے، اِس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

۱۰ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ/16 اگست 2024ء

بانیانِ پاکستان سے وطن کی محبت سیکھیے!





مشمولات

- بانیانِ پاکستان کی وطن سے وفا اور ہماری جفا
- اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور پیغامِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
- تحریکِ پاکستان کے قائد سُنّی علماء و مشائخ
- پاکستان کی قدر اور بانیانِ پاکستان کا پیغام
- امیرِ ملّت اور قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان معاہدہ
- مَرد کا ستر اور نیکر پہننے کی ممانعت
- مجاہدِ اعظم اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہما کی دینی غیرت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىکُمۡ وَاَیَّدَکُمۡ بِنَصۡرِہٖ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۔[الانفال8:26]

روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان جس چیز کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرے، مشقت اُٹھائے اور آرام چھوڑے وہ معمولی بھی ہو تو انسان اُس کی قدر کرتا ہے... لیکن جو چیز وراثت میں ملی ہو، جو بڑوں کی کمائی ہو، جس کے لیے مشقت نہ اُٹھائی ہو وہ قیمتی بھی ہو تو انسان کو اُس کی وقعت اور قدر و منزلت کا احساس نہیں ہوتا۔

یہی معاملہ ربّ تعالیٰ کی عظیم عطا "ملکِ پاکستان" کے ساتھ بھی ہوا۔ جنھوں نے اِسے بنانے کے لیے محنت کی تھی، قربانیاں دی تھیں، جانیں لُٹائیں تھیں اور دوسروں کو لُٹتے دیکھا تھا، وطن کے وہ قدر دان جلد ہی دُنیا سے اُٹھ گئے یا اُنھیں حکومت سے الگ کر دیا گیا اور اقتدار اُن ناقدر شناسوں کے ہاتھ میں آگیا جنھوں نے اِسے بنانے کے لیے کچھ کیا ہی نہیں تھا۔

پاکستان کی صورتِ حال پر شاعر کا یہ درد بھرا شعر صادق آتا ہے:

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھیے!
منزل اُنھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

پاکستان بنانے والوں نے جس مقصد کے لیے جدّوجہد کی تھی بعد والوں نے اُسے جاننے کی کوشش ہی نہ کی اور بانیانِ پاکستان اِس وطن سے پیار میں جو مٹھاس پاتے تھے بعد والوں کو اُس کا اِحساس ہی نہ ہوا۔ اِس سے بھی بڑھ کر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے دَور کے زیادہ تر جوانوں کو حقیقی بانیانِ پاکستان کا تعارف ہی نہیں ہے۔

ہمیں اِس پیارے وطن کی کتنی قدر ہے اور اِس کے لیے ہمارے دل میں کتنی محبت ہے؟ اِس سوال کا جواب جاننے کے لیے اپنے ضمیر سے پوچھیے کہ ہم نے اِس وطن کے لیے اب تک کیا کیا ہے؟ کتنی مرتبہ پاکستان کے قومی مفاد کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کو قربان کیا ہے؟ شاید بُرا لگے مگر یہ سچ ہے کہ اکثر لوگ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ایسے کام کرتے ہیں جن کا ملک و قوم کو شدید نقصان ہوتا ہے۔

اگست کا مہینہ، خصوصاً یومِ آزادی ہمیں پاکستان بنانے والوں کی عظیم تر قربانیاں یاد دلاتا ہے اور اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم بانیانِ پاکستان کو پہچانیں، آزادی کے لیے اُن کی خدمات کو جانیں اور اُن سے سیکھیں کہ اُنھوں نے یہ وطن کس لیے حاصل کیا تھا اور اِس کے ساتھ محبت کیسے کرنی چاہیے!

چنانچہ آج کے خطبہ میں "بانیانِ پاکستان سے وطن کی محبت سیکھیے!" کے عنوان پر کچھ گفتگو کی جائے گی۔

بانیانِ پاکستان کا تعارف

تحریکِ پاکستان میں مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت ''آل انڈیا مسلم لیگ'' تھی، جس کے لیڈر قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ تھے، چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی نمائندہ تنظیم ''کانگریس'' مسلم لیگ سے بہت پہلے قائم ہوئی تھی اور وہ سوشل میڈیا کا دَور بھی نہیں تھا کہ راتوں رات اپنا پیغام پورے ملک میں پھیلایا جاسکے، پھر مسلم لیگ کے پاس وہ کون سی قوّت تھی کہ اُس نے چند سالوں میں پورے خطے کے مسلمانوں کی حمایت اور کانگریس پر واضح برتری حاصل کرلی؟ اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب بڑے بڑے آستانوں کے سُنّی مشائخ اور نامور اداروں کے سُنّی علما مسلم لیگ میں شامل ہوئے تو اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ لاکھوں افراد وابستہ تھے، ہر آستانے کے لاکھوں مرید تھے، چنانچہ علماء ومشائخ نے مسلم لیگ کی حمایت کی، پھر اُن کے لاکھوں مرید اور عقیدت مند بھی مسلم لیگ میں شامل ہوگئے، یوں چند سالوں میں مسلم لیگ کو برِّ صغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی حمایت حاصل ہوگئی؛ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہیں کہ درحقیقت قائدِ اعظم کی سیاسی قیادت میں پاکستان بنانے والے سُنّی علماء ومشائخ تھے۔ مثلاً:

- شیخ المشائخ دیوان سید آلِ رسول علی خان چشتی (متوفّٰی: 1973ء)، آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز اجمیر شریف
- شیخ المشائخ خواجہ حافظ غلام سدید الدین تونسوی (م: 1960ء)، آستانہ عالیہ تونسہ شریف
- پیرِ طریقت حضرت میاں غلام اللہ نقشبندی (م: 1957ء)، آستانہ عالیہ شرقپور شریف
- مجاہدِ اسلام پیر عبد الرحمٰن قادری (م: 1960ء)، بھرچونڈی شریف، ضلع سکھر (سندھ میں مسلم لیگ کی کامیابی آپ کے ذریعے تھی)
- پیرِ طریقت حضرت عبد اللطیف مجدّدی (م: 1978ء)، آستانہ عالیہ زکوڑی شریف، ڈیرہ اسماعیل خان
- فاتحِ ریفرنڈم پیر سید محمد امین الحسنات قادری (م: 1960ء) آستانہ عالیہ مانکی شریف، ضلع پشاور (اِن دونوں شخصیات کے مسلم لیگ میں شامل ہونے سے پہلے اُس صوبے میں مسلم لیگ کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا)

اِن کے ساتھ ساتھ سیال شریف، گولڑہ شریف، چورہ شریف، بھیرہ شریف، جلال پور شریف، بیربل شریف اور مکان شریف جیسے بے شمار بڑے آستانوں کے سجادہ نشین حضرات بھی تحریکِ پاکستان میں شامل تھے... بلکہ یہ جان کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اُن سُنّی علماء ومشائخ نے بھی مسلم لیگ کا ساتھ دیا جن کے ادارے / آستانے پاکستان میں شامل نہیں ہونے تھے، جیسے خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م: 1948ء)، ناظمِ اعلیٰ آل انڈیا سُنّی کانفرنس... محدثِ اعظم ہند ابو المحامد سید محمد اشرفی کچھوچھوی (م 1961ء)، صدرِ بنارس کانفرنس... اور مصوّرِ فطرت خواجہ حسن نظامی (م: 1955ء) درگاہِ خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی، علیہم الرحمہ۔

بانیانِ پاکستان کے حوالے سے محمد صادق قصوری صاحب کی کتاب ''تحریکِ پاکستان میں علماء ومشائخ کا کردار'' بہت مفید ہے۔

امیرِ ملّت اور قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان معاہدہ

تحریکِ پاکستان کے قائدین میں سرِ فہرست نام شیخ المشائخ سید جماعت علی شاہ نقشبندی محدثِ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ (م:1951ء) کا ہے۔ جب تحریکِ پاکستان زور وشور پر تھی تب آپ کی عمرِ مبارک 100 سال سے زائد ہو چکی تھی، اِس کے باوجود آپ نے اپنے علاقے سیالکوٹ سے مسلم لیگ کی حمایت شروع کی اور اُسے پورے برِّ صغیر تک پھیلا دیا۔ آپ کے علم وفضل، روحانی مقام اور نسبی سیادت کی بنیاد پر ہندوستان بھر کے علماء ومشائخ نے آپ کو پوری قوم کا سربراہ مقرر کرتے ہوئے ''امیرِ ملّت'' کا خطاب دیا۔ قائدِ اعظم آپ کی خدمات کے فقط معترف ہی نہیں تھے، بلکہ آپ سے عقیدت کی حد تک محبت کرتے تھے۔ لاہور میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے کہا تھا: میرا پختہ یقین ہے کہ پاکستان ضرور بنے گا؛ کیونکہ امیر ملّت نے مجھ سے فرمایا ہے کہ پاکستان ضرور بنے گا، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی بات کو ضرور سچا کر دکھائے گا۔ (تحریکِ پاکستان میں علماء ومشائخ کا کردار، ص:508)

حضرت امیر ملّت اور قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ ذکر کرنا مقصود ہے، جس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے:

26 جولائی 1943ء کو بمبئی میں قائدِ اعظم محمد علی جناح پر قاتلانہ حملہ ہوا، اُس وقت امیر ملّت علیہ الرحمہ حیدر آباد، دَکن میں تھے۔ آپ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے قائدِ اعظم کی صحت وسلامتی، درازیٔ عمر اور کامیابی کے لیے دُعا بھی فرمائی اور اُن کے نام مزاج پُرسی و اِظہارِ ہمدردی کے لیے ایک خط بھی تحریر فرمایا۔ ساتھ میں قرآنِ حکیم کا ایک نادر قلمی نسخہ، ایک قیمتی جانماز، تسبیح، شال، آبِ زم زم شریف اور دیگر کچھ اشیا بطورِ تحفہ بھیجیں۔

خط میں آپ نے تحریر فرمایا: لوگوں نے مجھے ''امیر ملّت'' مقرّر کیا ہے اور پاکستان کے لیے جو آپ کوششیں کر رہے ہیں وہ اصل میں میرا کام ہے، لیکن میری عمر 100 سال سے زیادہ ہو چکی ہے اور جسمانی طور پر کمزور ہوں... چونکہ آپ میرا کام کر رہے ہیں؛ اس لیے مَیں آپ کی مدد کرنے کو اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

پھر آپ نے اُنھیں حملے کے حوالے سے تسلّی دیتے ہوئے لکھا: آپ مطمئن رہیں، نمرود کی دشمنی سیدنا ابراہیم کے دین کی... فرعون کی دشمنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے دین کی... اور ابو جہل کی دشمنی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ترقی کا باعث ہوئی۔ آپ پر جو حملہ ہوا ہے یہ آپ کی کامیابی کے لیے نیک فال ہے، مَیں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ آپ کو اپنا مشن پورا کرنے کے لیے جتنی بھی دشواریاں برداشت کرنا پڑیں اُن کی پرواہ نہ کریں اور پیچھے نہ ہٹیں۔ مَیں اور میرے تمام احباب آپ کے ساتھ ہیں، آپ بھی وعدہ کریں کہ اپنے مقصد سے ذرہ بھر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

کچھ دنوں بعد امیر ملّت علیہ الرحمہ کی خدمت میں قائدِ اعظم کا جوابی خط آیا، جس کا مضمون کچھ یوں تھا:

❖ جب آپ جیسے بزرگوں کی دُعائیں میرے شاملِ حال ہیں تو میں اپنے مقصد میں ابھی سے کامیاب ہوں۔

❖ مَیں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے راستے میں کتنی ہی تکلیفیں کیوں نہ آئیں، اپنے مقصد سے کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

❖ آپ نے قرآنِ حکیم اِس لیے عنایت فرمایا ہے کہ مَیں مسلمانوں کا لیڈر رہوں اور جب تک لیڈر قرآنِ کریم اور دینِ متین کا علم نہ رکھتا ہو وہ قوم کی راہ نمائی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآنِ مجید پڑھوں گا اور اِس کے لیے مَیں نے ترجمے منگوا لیے ہیں۔

❖ جانماز آپ نے اِس لیے عطا کی ہے کہ اگر مَیں اللہ کا حکم نہیں مانوں گا تو مخلوق میرا حکم نہیں مانے گی۔ چنانچہ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ پابندی سے نماز پڑھوں گا۔

❖ تسبیح آپ نے اِس لیے بھیجی ہے کہ مَیں اِس پر دُرود شریف پڑھا کروں، جو شخص اپنے رسولِ کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب نہیں کرتا (دُرود و سلام نہیں بھیجتا) اُس پر اللہ کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے! چنانچہ مَیں اس ارشاد کی بھی تعمیل کروں گا۔

جب قائدِ اعظم کا خط امیرِ ملّت علیہا الرحمہ کو پڑھ کر سنایا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے، آپ نے قائدِ اعظم کی تحسین کرتے ہوئے جو جملے ارشاد فرمائے ان کا مفہوم یہ تھا کہ مَیں حیدر آباد دکن میں ہوں اور جناح صاحب بمبئی میں ہیں، لیکن اللہ کی شان کہ اُنھوں نے میرے دل کی بات جان لی ہے۔ (تحریکِ پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار، محمد صادق قصوری، ص: 505، 506، تحریکِ پاکستان ورکرز ٹرسٹ)

تربیت: حضرت امیرِ ملّت اور قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان ہونے والی یہ خط و کتابت کئی پہلوؤں سے ہماری راہ نمائی کرتی ہے:

⟸ علماء و مشائخ نے ہر طرح سے قائدِ اعظم کی حمایت صرف اِس لیے کی تھی کہ وہ مسلمانوں کے لیے ایک اسلامی ریاست حاصل کریں، جہاں قرآن و سنت کا نظام ہو اور اِس کے لیے اُنھوں نے قائدِ اعظم سے وعدے بھی لیے تھے۔ افسوس کہ قائد کی زندگی نے وفا نہ کی، وہ پاکستان بننے کے ایک سال بعد 11 ستمبر 1948ء کو وفات پا گئے اور پاکستان کا اقتدار بے وفاؤں کے پاس پہنچ گیا۔

⟸ قائد کے بقول: جو شخص قرآنِ کریم اور دینِ متین کا علم نہیں رکھتا وہ لُٹیرا تو ہو سکتا ہے، مگر لیڈر نہیں ہو سکتا... اعلیٰ انتظامی و عدالتی عہدوں پر فائز تو ہو سکتا ہے، مگر راہ نما بننے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اِس سے لیڈر کہلانے والوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔

⟸ امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربّ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے تو اُن کا حکم دریاؤں پر بھی چلتا تھا، ہم لوگ ربّ کا حکم نہیں مانتے تو ہمارے گھر والے بھی ہمارے قابو میں نہیں ہوتے، چہ جائے کہ ایک شہر یا ملک کی بات ہو! چنانچہ حکمرانوں سمیت سب کو اپنے مالک کی فرماں برداری کرنی چاہیے، وہ اپنی مخلوق کو تابع فرمان بنا دے گا۔

⟸ دین اور وطن سے مخلص لوگوں کو مخالفین سے تنگ آ کر کبھی بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیے اور مقصد سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے، امیرِ ملّت علیہ الرحمہ کی نصیحت کے مطابق باطل پرستوں کی مخالفت کو بالآخر ربّ تعالیٰ حق کی سربلندی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

14 اگست 1947ء کو امیرِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے قائدِ اعظم اور دیگر راہ نماؤں کو مبارک بادی خطوط لکھے، اُن میں یہ بھی لکھا: ملک گیری (حکومت بنانا) آسان ہے، ملک داری (حکومت چلانا) بہت مشکل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ملک داری کی توفیق عطا فرمائے۔ (ایضاً، ص: 521)

مجاہدِ اعظم اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہما کی دینی غیرت

برطانوی سامراج سے نجات اور قیامِ پاکستان کے لیے خدمات سرانجام دینے والوں میں شیخ المشائخ خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی (م:1929ء) اور آپ کے صاحب زادے شیخ المشائخ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی (م:1981ء) علیہما الرحمہ کے نام بھی بہت نمایاں ہیں۔

خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کے اعتراف میں اُنھیں "مجاہدِ اعظم" اور خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز میں اُنھیں "شیخ الاسلام" کا خطاب دیا گیا۔

ایک مرتبہ مجاہدِ اعظم خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی علیہ الرحمہ جامع مسجد دہلی سے باہر نکلے تو امیرِ ملّت علیہ الرحمہ گھوڑا لے کر کھڑے تھے، اُنھوں نے مجاہدِ اعظم سے فرمایا: آپ اِس گھوڑے پر سوار ہوں اور مَیں اِس کی باگیں (لگام) پکڑ کر چلوں گا۔ مجاہدِ اعظم نے کہا: آپ بزرگ عالمِ دین ہیں، عظیم محدّث ہیں اور ساداتِ کرام سے ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ امیر ملت نے فرمایا: مَیں نے منت مانی تھی کہ کسی مجاہد کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آگے چلوں گا، ہندوستان میں آپ جیسا باکردار مجاہد نظر نہیں آیا؛ لہٰذا آپ میری منت پوری کروادیں۔ چنانچہ امیر ملت کے پُرزور اِصرار پر مجاہدِ اعظم گھوڑے پر سوار ہوئے اور امیر ملت نے اپنی منت پوری کی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔
(فوز المقال فی خلفاءِ پیر سیال، حاجی مرید احمد چشتی، ج:10، ص:97، ناشر: خانقاہِ معظمیہ، ملخصًا)

حدیثِ مبارک کے مطابق (کامل) مومن غیرت مند ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم: 2761) دین کی خاطر جان دے دیتا ہے اور دُنیاوی مفادات کے لیے دین کا سودا نہیں کرتا۔ مجاہدِ اعظم خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی اور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہما الرحمہ دونوں ہی دینی غیرت کے علم بردار تھے اور دونوں نے دین و وطن کی خاطر اپنے مفادات کو قربان کرنے کی اعلیٰ مثالیں قائم فرمائیں۔

انگریزوں کی سخت مخالفت کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ نے مجاہدِ اعظم علیہ الرحمہ کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا، مگر جلد ہی اُنھیں احساس ہو گیا کہ اگر آپ کو گرفتار کیا گیا تو حالات قابو میں نہیں رہیں گے۔ پھر دوسرے طریقے سے آپ کو حمایتی بنانے کی کوشش کی گئی، گورنر پنجاب کا نمائندہ آپ کے پاس آکر کہنے لگا: حکومت اور گورنر پنجاب آپ کی مذہبی خدمات اور رُوحانیت سے بہت متأثر ہیں، وہ آپ کو دُنیاوی فکروں سے آزاد کرنا چاہتے ہیں؛ اِس لیے حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ 20 مربع زمین (ایک مربع 25 ایکڑ کے برابر ہوتا ہے) آپ کی ذاتی ضروریات کے لیے آپ کے نام کر دی جائے۔ نیز مجھے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر ضرورت محسوس کروں تو اِس میں 7 مربع زمین کا اضافہ کرکے اِسے 27 مربع بنادوں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ زمین کس جگہ ملے گی؟ نمائندہ خوش ہوا اور پُرجوش انداز میں کہنے لگا: جناب! لائل پور (فیصل آباد)، سرگودھا یا سیال شریف سے متصل رکھ فتح والی میں اچھی زمینیں موجود ہیں، آپ جہاں کی زمین پسند فرمائیں گے وہ فوراً آپ کے نام کر دی جائے گی۔ آپ حقارت کے ساتھ مسکرائے اور فرمایا: یہ زمینیں تو پہلے ہی میری ہیں؛ کیونکہ یہ

میرے کسی مسلمان بھائی کی ہی ملکیت ہیں۔ میرا خیال تھا کہ حکومت انگلینڈ میں کوئی زمین میرے نام کرنا چاہتی ہے۔ پھر ڈانٹ کر فرمایا: دفع ہو جاؤ! تم میرے ایمان کا سودا کرنے آئے ہو؟ (فوز المقال، ج:3، ص:155، 233، ناشر: بزمِ شیخ الاسلام، دینہ، ملخصًا)

ایسی ہی غیرت کا مظاہرہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ نے بہت مرتبہ فرمایا۔ مسجد شہید گنج کے معاملہ پر آپ نے اخبارات میں یہ بیان شائع کروایا تھا: ویسے تو صبر و تحمّل اچھی چیز ہے، مگر جب دین کا سوال ہے تو اِس وقت صبر و تحمل بے دینی اور دیّوثی (بے غیرتی) کی زندہ مثال ہے۔ ہر سخن وقتے، ہر نکتہ مقامے دارد (ہر بات کا کوئی وقت اور ہر نکتے کا کوئی خاص مقام ہوتا ہے)۔ مسلمانوں کو آپس میں لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہیے اور معمولی باتوں پر انتقامی جذبہ مشتعل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ایسے موقع پر صبر و تحمل سے کام لینا ضروری ہے، نہ یہ کہ ایک طرف خدا کے گھر کو بت خانہ اور شراب خانہ اور گرجا بنایا جارہا ہو تو دوسری طرف "فَصَبْرٌ جَمِيْل" کی تلاوت شروع کر دی جائے، یہ بے دینی ہے، بے غیرتی ہے، نعوذ باللہ منھا۔ ایسے ہی موقع کے لیے تو مسلمانوں کو یہ چند سانس مستعار کر دیے گئے ہیں۔ آپ نے یہ شعر بھی درج فرمایا: "جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی... حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

(فوز المقال، ج:4، ص:145، 146، ملخصًا)

انگریز حکومت کی طرف سے نوٹیفکیشن جاری کیا گیا کہ آپ کو ہِز ہولی نس (His Holiness) کا خطاب دیا جاتا ہے (برطانیہ کی طرف سے مذہبی شخصیات کو دیا جانے والا یہ سب سے بڑا اِعزاز تھا)۔ آپ نے غصے سے اُس نوٹیفکیشن کو پھاڑ کر آگ میں ڈال دیا اور فرمایا: حضور ﷺ کی غلامی اور پیر پٹھان خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ سے وابستگی میرے لیے سب سے بڑا اِعزاز ہے (مَیں انگریز کے نام نہاد اِعزاز کو جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں)۔ (فوز المقال، ج:4، ص:151، ناشر: انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی، ملخصًا)

تحریکِ پاکستان کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا: جو شخص مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیتا وہ آستانہ عالیہ سیال شریف کی طرف رُخ نہ کرے، اُس کا سیال شریف سے کوئی تعلّق نہیں۔ آپ مسلم لیگ کی حمایت نہ کرنے والوں سے ملاقات بھی نہیں فرماتے تھے۔ (فوز المقال: 9/154)

آپ کو تحریکِ پاکستان کی حمایت سے روکنے کے لیے لالچ بھی دیا گیا، جاگیر بھی ضبط کی گئی اور جیل میں بھی ڈالا گیا، مگر آپ استقامت کے ساتھ آزادیٔ پاکستان تک مسلم لیگ کے نہایت متحرک قائد رہے۔ (فوز المقال، ج:5، ص:176 تا 255، ناشر: انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ)

لمحۂ فکریہ: برِّ صغیر سے مسلم حکومت کے خاتمہ اور برطانوی قبضہ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے بعض نادان مسلمانوں نے دینی و قومی مفادات کو پسِ پُشت ڈال کر جاگیر و نوّابی حاصل کرنے کے لالچ میں انگریزوں کے ساتھ ساز باز کر لی، اُن کی فوج میں بھرتی ہوئے، اُن کے اقتدار کو مضبوط کیا، حتّٰی کہ اُن کی خاطر مسلمانوں کو شہید کیا، جس کے نتیجے میں انگریز کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ یہاں کا مالک بن بیٹھا۔ افسوس کہ آج بھی ہمارا رویّہ وہی ہے... نوّابوں کی اولاد اپنے سیاسی مفادات کے لیے... بیرونی ممالک کی شہریت حاصل کرنے کے لیے... اور اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لیے قومی مفادات کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہے اور دینی غیرت کو بھی پسِ پُشت ڈال دیتی ہے۔

اگر ہم نے پاکستان بنانے والوں سے سیکھا ہوتا کہ پاکستان کے ساتھ محبت کیسے کرنی ہے تو یہ حالات نہ ہوتے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور پیغامِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

برِّصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کا شعور بیدار کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر سر محمد اقبال علیہ الرحمہ (م:1938ء) کا نام بھی بہت نمایاں ہے۔ آپ کی فکری خدمات کی وجہ سے آپ کو "مصوّرِ پاکستان" اور "شاعرِ مشرق" کہا جاتا ہے۔

اقبال علیہ الرحمہ نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو یہ سوچ دی ہے کہ ریاست ہو یا گھر، قوم ہو یا فرد... کامیابی فقط اُس نظام پر عمل کرنے میں ہے جو قرآن وسنت نے عطا کیا ہے، جسے نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے، باقی تمام طریقے شیطانی نظام ہیں۔

اقبال علیہ الرحمہ کے تخیل کے مطابق ابلیس نے اپنے چیلوں کے ساتھ ایک میٹنگ کی، جس میں غور کیا گیا کہ دُنیا کو اپنے جال میں پھنسائے رکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے، مختلف تجاویز دی گئیں، آخر میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے ابلیس نے کہا:

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں (1)

اَلحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں (2)

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں (3)

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
مُنعِموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں (4)

---

[1] عصرِ حاضر: موجودہ زمانہ۔ آشکارا: ظاہر۔ یعنی دورِ حاضر کے حالات سے مجھے یہ خوف محسوس ہوتا ہے کہ (جب ہر طرف تاریکی ہوگی اور لوگ روشنی کی تلاش کریں گے تو اُن کی نظر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت پر ہی جمے گی، پھر) شریعت کی خوبیاں ظاہر ہو جائیں گی (لوگ اُس پر عمل کرنے لگے تو ہمارا نظام تباہ ہو جائے گا)۔

[2] اَلْحَذَر: بچو / ڈرو۔ آئینِ پیغمبر: نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ناموسِ زَن: عورتوں کی عزت۔ مرد آزما: طاقت وَر۔ مرد آفریں: بہادروں کو پیدا کرنے والا۔ یعنی میرے ساتھیو! اِس بات سے سینکڑوں بار ڈرو کہ دُنیا میں نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نافذ ہو جائے؛ کیونکہ یہ نظام خواتین کی عزت کا بھی محافظ ہے، بہت طاقت وَر بھی ہے اور یہ بہادر مَرد پیدا کرتا ہے۔

[3] نوعِ غلامی: غلامی کی قسم۔ فَغْفُور و خَاقَان: شاہانِ چین و ترکستان کے القاب۔ یعنی نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کی غلامی کے لیے موت کا پیغام ہے / ہر قسم کی غلامی کو ختم کرنے والا ہے، یہ بادشاہوں اور فقیروں کا فرق ختم کر دیتا ہے۔

[4] یعنی نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دولت کو ہر طرح کی آلودگی اور حرام کمائی سے پاک کر دیتا ہے اور مال داروں کو دیانت دار بنا دیتا ہے۔

اِس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں [1]

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقین [2]

اقبال علیہ الرحمہ کی فکر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ کیا ہمارے گھر سے لے کر ہماری ریاست تک، نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نور ہے یا ابلیسی نظام کی تاریکی؟ کاش! ہمیں زندگی میں نظامِ مصطفیٰ کی بہار دیکھنا نصیب ہو جائے۔

حرفِ آخر... پاکستان کی قدر اور بانیانِ پاکستان کا پیغام

ملکِ عزیز پاکستان بلاشبہ ربّ تعالیٰ کا بہت بڑا اِنعام و احسان ہے۔ وطن کی قدر و منزلت کا احساس دلاتے ہوئے اور اُس پر شکر ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ ”اور یاد کرو جب تمہاری تعداد کم تھی، تم زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں ملیامیٹ کر دیں گے (صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے) تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی مدد کے ذریعے تمہیں قوّت عطا کی اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو۔“ [الانفال 8:26]

اِس آیتِ کریمہ میں براہِ راست خطاب صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے ہے، اُنھیں احسان یاد دلایا گیا کہ مدینہ منوّرہ میں آنے سے پہلے تمہاری حالت بہت کمزور تھی، کفار تمہیں تکلیفیں دیتے تھے، تم اپنے مذہبی اُمور بھی آزادی سے سرانجام نہیں دے پاتے تھے، دشمن تمہیں ختم کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے، حالات ایسے تھے کہ بظاہر بہتری کی اُمید نظر نہیں آتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے تمہیں ریاستِ مدینہ کی صورت میں ایک آزاد اسلامی مملکت عطا کی، جہاں تمہیں ہر طرح کے خوف سے امان ہے، اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کر رہے ہو اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ نے بدر و حنین اور دیگر مواقع پر تمہیں اپنی خاص مدد سے نوازا، کفار کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا کر دیا اور پاکیزہ نعمتوں اور مالِ غنیمت کے ذریعے تمہاری تنگ دستی بھی دُور فرمائی۔ اِن انعامات کا تقاضا ہے کہ تم دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔

---

[1] اِس سے بڑا انقلاب کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن و سنت کے ذریعے قوم کو یہ سوچ ملتی ہے کہ یہ زمین بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے (اور یہاں قانون بادشاہوں کا نہیں، بلکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا نافذ ہو گا)۔

[2] چشمِ عالَم: دُنیا کی آنکھ۔ ہمارے شیطانی نظام کے لیے یہی بہتر ہے کہ نظامِ مصطفیٰ ﷺ لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے، یہ غنیمت ہے کہ مسلمان نظامِ مصطفیٰ کے بارے میں تردّد کا شکار ہے، اگر اُسے قرآن و سنت کے نظام پر یقین ہو گیا تو ہمارے نظام کی گنجائش نہیں رہے گی۔

اگر ہم برِّ صغیر کی تاریخ کے تناظر میں اِس آیتِ کریمہ سے روشنی حاصل کریں تو یہاں بھی حالات ابتر تھے، مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے غلام بنانے کے منصوبے زیرِ غور تھے، مگر ربّ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ایک آزاد ریاست عطا کی، پھر اِس ریاست کو طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال فرمایا، اِن سب نعمتوں کا تقاضا ہے کہ ہم دل و جان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

یہ سچ ہے کہ پاکستان بنانے کا سہرا قائدِ اعظم محمد علی جناح کے سر سجتا ہے اور یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قائد کے سر پر یہ سہرا سجانے والے حضرات وہ سُنّی علماء و مشائخ ہیں جو مسلم لیگ میں شامل ہوئے تو اُن کے ساتھ اُن کے لاکھوں مرید اور عقیدت مند بھی مسلم لیگی ہو گئے، یوں چند سالوں میں مسلم لیگ کروڑوں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن گئی اور اللہ تعالیٰ نے پاکستان عطا فرما دیا۔

قائدِ اعظم علیہ الرحمہ قیامِ پاکستان کے ایک سال بعد ہی دُنیا سے چلے گئے، پھر قیادت اُن لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جنھوں نے اِس وطن سے سوتیلی ماں والا سلوک کیا اور بانیانِ پاکستان نے جن مقاصد کی خاطر قربانیاں دی تھیں اُنھیں پسِ پُشت ڈال دیا۔

آج کے خطبہ میں بانیانِ پاکستان کا کچھ تذکرہ کیا گیا، جس میں سے چند اہم باتیں یہ بھی ہیں:

- علماء و مشائخ نے ہر طرح سے قائدِ اعظم کی حمایت صرف اِس لیے کی تھی کہ وہ مسلمانوں کے لیے ایک اسلامی ریاست حاصل کریں، جہاں قرآن و سنت کا نظام ہو اور اِس کے لیے اُنھوں نے قائدِ اعظم سے وعدے بھی لیے تھے۔ چنانچہ شہیدوں کے خون سے وفا کرتے ہوئے ہم سب کو اِس پیارے وطن میں نظامِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔
- قائدِ اعظم کے بقول: جو شخص قرآنِ کریم اور دینِ متین کا علم نہیں رکھتا وہ لیڈر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اربابِ اختیار اگر حقیقی معنوں میں مسلمانوں کے لیڈر بننا چاہتے ہیں تو اُن پر علمِ دین حاصل کرنا لازم ہے اور ہمیں بھی لیڈر منتخب کرتے ہوئے قائد کی یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے۔
- امیرِ ملّت سید جماعت علی شاہ محدثِ علی پوری علیہ الرحمہ نے قائدِ اعظم علیہ الرحمہ سے وعدہ لیا تھا کہ وہ مشکلات کے باوجود کبھی بھی اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اسلام یا وطن کی خاطر کوئی بھی مشکل پیش آئے تو اپنے مقصد کو نہ چھوڑیں، استقامت نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور کامیابی عطا فرماتا ہے۔
- مجاہدِ اعظم خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی، شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی اور بانیانِ پاکستان نے برطانوی آسائشوں کو ٹھکرا کر ہر طرح کی مشکلات برداشت کیں، مگر دینی غیرت کو اور اپنے مشن کو نہیں چھوڑا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ دینی غیرت کو ہمیشہ برقرار رکھیں اور ذاتی مفاد کی خاطر کبھی بھی قومی نقصان نہ کریں۔

شرعی مسئلہ: مَرد پر فرض ہے کہ وہ اپنی ناف کے متّصل نیچے سے گھٹنے کے آخر تک کا حصہ چھپائے۔ شرعی ضرورت کے بغیر یہ حصہ کسی کے سامنے کھولنا حرام اور سخت گناہ ہے، حتّٰی کہ بلا ضرورت یہ حصہ تنہائی میں بھی کھولنا جائز نہیں۔ بعض لوگ گرمی میں نیکر پہن کر سرِ عام گھوم پھر رہے ہوتے ہیں، ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔

۱۷ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ / 23 اگست 2024ء

پیامِ حضورِ فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ

(مع تذکرۂ مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ)

مشمولات

- وصال کے بعد محبوبانِ خدا کے اعمالِ صالحہ کا تسلسل
- پیامِ حضور فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ... عدمِ خوفِ لَوْمَۃِ لائم
- مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور مثالی استقامت
- پیامِ حضور فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ... اتباعِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم
- پیامِ حضور فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ... مایوسی سے اجتناب
- شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ کے ایک سوال کا جواب
- "بسم اللہ کریں"، یہ جملہ غلط ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۔[لقمٰن 15:31]

انسان کی زندگی میں بہت مرتبہ اَن ہونی ہو جاتی ہے اور ربِّ کریم اپنی قدرت کا ایسا کرشمہ ظاہر فرماتا ہے کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ ایک ایسا ہی واقعہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا: کسی صاحب نے ایک جگہ خیمہ لگایا تو کچھ دیر بعد خیمے کے نیچے سے آواز آنے لگی، توجّہ کی تو پتا چلا کہ نیچے کسی پیارے کی قبر ہے جو سورۂ ملک کی تلاوت کر رہا ہے، حتّٰی کہ اُس نے پوری سورۂ مبارکہ کی تلاوت کی۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بہت تعجب خیز تھا۔ صاحبِ خیمہ حقیقتِ حال جاننے کے لیے اُس بارگاہ میں حاضر ہوئے جہاں عطائے ربِّ ذوالجلال سے ہر چیز کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ ماجرا عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هِيَ الْمَانِعَةُ، هِيَ الْمُنْجِيَةُ، تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔» ”یہ سورت روکنے والی ہے، یہ نجات دینے والی ہے، پڑھنے والے کو عذابِ الٰہی سے نجات دے گی (دُنیا میں گناہوں سے، موت کے وقت بُرے خاتمہ سے، قبر میں تنگی سے اور آخرت میں دہشت و سخت عذاب سے بچائے گی)۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 2890)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”عمل“ کا مقام دُنیا ہے، قبر و آخرت جزا و سزا کا مقام ہے۔ انسان جب دُنیا سے چلا جاتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ رُک جاتا ہے، پھر یہ صاحب اپنی قبر میں سورۂ ملک کی تلاوت کیسے کر رہے تھے؟ محدثین نے لکھا: دُنیا سے جانے کے ساتھ ہی اعمال کی پابندی ختم ہو جاتی ہے، وفات پانے والا کسی عمل کا مکلّف نہیں رہتا، تاہم بعض پیاروں کو کچھ اعمالِ صالحہ سے اتنا گہرا لگاؤ ہوتا ہے کہ اُن کی چاہت کو پورا کرنے کے لیے وفات کے بعد بھی اُن کے پسندیدہ کاموں کی اجازت دی جاتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، زیرِ حدیث: 2154)

حضرتِ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی پوری زندگی میں لوگوں کو دینِ متین کا سبق پڑھایا اور ایسا فیض بانٹا کہ اُنھیں ”فیضِ عالَم“ کہا جانے لگا، اگرچہ آپ 981 سال پہلے ۲۰ صفر المظفر ۴۶۵ھ / 1072ء کو وصال فرما گئے تھے، مگر لگتا ہے کہ آپ کو خلقِ خدا کی بھلائی کے لیے ”فیض بانٹنے“ سے ایسا لگاؤ تھا کہ ربِّ تعالیٰ نے اپنے کرم سے یہ اجازت عطا فرما دی کہ قیامت تک اپنے مزار میں پُر سکون رہو اور سچ مچ ”فیضِ عالَم“ بن کر ایک جہان کو فیض تقسیم کرتے رہو۔

اِس سال آپ کا 981 واں عرسِ مبارک ۱۸، ۱۹، ۲۰ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ / 24، 25، 26 اگست 2024ء، بروز ہفتہ، اتوار اور پیر کو منعقد ہو رہا ہے۔

کسی بھی بزرگ کا عرسِ مبارک جہاں اُس سے اِظہارِ محبت کا موقع ہوتا ہے، وہاں اُس کی تعلیمات کو سیکھ کر اُس کے نقشِ قدم پر چلنے کا بھی سبق دیتا ہے۔ عرسِ فیضِ عالم علیہ الرحمہ کے موقع پر تمام غلامانِ گنج بخش کو ایصالِ ثواب کا بھی خوب اہتمام کرنا چاہیے اور آپ کی تعلیمات سیکھ کر اُن پر عمل کی بھی خوب کوشش کرنی چاہیے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں ”پیامِ حضور فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ“ کے عنوان سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

پیامِ حضور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ... عدمِ خوفِ لَومَۃِ لائم

ربّ تعالیٰ اپنے بندے کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے، ایک آزمائش یہ بھی ہوتی ہے کہ جب انسان دین پر عمل کرتا ہے یا دین کا پیغام دوسروں تک پہنچاتا ہے تو بعض لوگ اُس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، آوازیں کَستے ہیں اور دل آزاری کرتے ہیں۔ یہ عمل در حقیقت ناپختہ اور کامل ایمان والوں کی پہچان کرواتا ہے... پختہ دین دار طعنوں کی پرواہ کیے بغیر اُسی راستے پر چلتا رہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جب کہ کمزور شخص لوگوں کے طعنوں سے گھبرا کر دینی تقاضے چھوڑ دیتا ہے اور کئی سعادتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

دین کی وجہ سے طعن و تشنیع انبیائے کرام علیہم السلام پر بھی کی گئی، بلکہ خود امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، مگر ہر دَور میں محبوبانِ خدا کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ اپنے ربِّ کریم کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خالقِ کائنات نے اپنے پیاروں کی ایک خوبی یہ بھی بیان فرمائی: وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ ”وہ (رضائے الٰہی کے مقابلے میں) ملامت کرنے والوں کی ملامت (طعن و تشنیع) سے نہیں ڈرتے۔“ [المائدۃ 5:54]

لوگوں کی پرواہ کیے بغیر دینی تقاضوں کو پورا کرنا ایسا عمل ہے جس پر بارگاہِ الٰہی سے بے پناہ نوازشات ہوتی ہیں۔ فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی تحریر فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا، (روحانی رکاوٹ پیدا ہوئی) مَیں نے اُس کے حل کی اُمّید پر بہت مجاہدات کیے، مگر وہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ اِس سے پہلے ایک مرتبہ مجھے ایسی ہی مشکل پیش آئی تھی، تب مَیں حضرت بایزید / ابویزید طیفور بن عیسیٰ بَسطامی علیہ الرحمہ [1] (م:۲۶۱ھ / 874ء) کے مزارِ پُر انوار پر مُجاوِر (ہر وقت حاضر) رہا تھا تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ حل ہو گئی تھی۔ اب کی بار بھی مَیں نے وہیں کا ارادہ کیا اور اُن کی تربتِ اطہر پر تین ماہ تک مجاوِر رہا، ہر روز تین مرتبہ غسل اور تیس مرتبہ وضو کرتا؛ تاکہ (اِس کی برکت سے) مسئلہ حل ہو جائے، مگر وہ کسی بھی طرح حل نہ ہوا۔

چنانچہ مَیں وہاں سے خُراسان (ایران کے ایک صوبہ) کی طرف روانہ ہوا، رات کو کسی گاؤں میں پہنچا، وہاں ایک خانقاہ میں کچھ (بناوٹی) صوفی موجود تھے، مَیں نے کُھردرے ٹاٹ کا کُرتا (معمولی لباس) پہنا ہوا تھا اور فقط دو چیزیں پاس تھیں: ایک لاٹھی اور ایک کوزہ۔ اُن کی نظر میں مَیں بہت حقیر و کمتر تھا اور کوئی بھی مجھے جاننے والا نہیں تھا۔ وہ آپس میں کہنے لگے: ”یہ ہم میں سے نہیں ہے“ اور اُنھوں نے سچ کہا کہ مَیں اُن (جھوٹے صوفیوں) میں سے نہیں تھا۔ بہر حال مجھے وہ رات وہاں گزارنا پڑی۔

اُنھوں نے مجھے ایک چبوترے پر بٹھا دیا اور خود اُس سے بالائی جگہ پر چلے گئے۔ کھانے کے لیے اُنھوں نے مجھے باسی روٹی دی جو پھپھوندی (اُلّی) لگنے کی وجہ سے سبز ہو چکی تھی اور وہ خود عمدہ کھانا کھا رہے تھے، جس کی خوشبو مجھے بھی آ رہی تھی۔ وہ بالا خانے پر بیٹھے مجھ

---

[1] اَلْبَسْطَامِيّ: بِفَتْحِ الْبَاءِ الْمُوَحَّدَةِ وَسُكُوْنِ السِّيْنِ الْمُهْمَلَةِ وَفَتْحِ الطَّاءِ۔ هٰذِهِ النِّسْبَةُ إِلٰى بَسْطَامٍ، وَهِيَ بَلْدَةٌ بِ"قُوْمَسٍ" مَشْهُوْرَةٌ، مِنْهَا أَبُوْيَزِيْدَ الْبَسْطَامِيُّ الْأَكْبَرُ وَاسْمُهُ طَيْفُوْرُ بْنُ عِيْسٰى۔ (اللباب فی تہذیب الأنساب للجزری، ج:1، ص:152، دار صادر)

پر طنز و تنقید کرنے لگے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اُنھوں نے خربوزے کھائے اور دل لگی کے لیے اُس کے چھلکے میرے سر پر مارنے لگے۔ اپنی خستہ حالی اور اُن کی طرف سے تذلیل و تحقیر پر میرا دل خوش ہو رہا تھا۔

اِس پورے واقعہ کا انجام ذکر کرتے ہوئے داتا صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا: ہر چند کہ آں طَعْنِ اِیْشَاں بَر مَنْ زِیادَتْ مِی شُدْ دِلِ مَنْ اَنْدَرْ آں خُوشْ تَرْ هَمِی گَشْتْ؛ تابَهْ گَشِیْدَنِ ایں بَارْ وَاقِعَهْ بَرْ مَنْ حَلّ شُدْ۔ جس قدر اُن کی طعن و تشنیع بڑھتی گئی اُتنا ہی میری باطنی خوشی میں اِضافہ ہوتا گیا، حتّٰی کہ اِس واقعہ کا بوجھ برداشت کرنے کی برکت سے (اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور) میرا (وہ بڑا) مسئلہ حل ہو گیا (جو کئی ماہ کی کوشش سے حل نہیں ہو رہا تھا)۔

آپ نے مزید لکھا: تب مجھے سمجھ آئی کہ مشائخ اِس طرح کے جاہل لوگوں کو اپنے درمیان کیوں رکھتے ہیں اور اُن کا بوجھ کیوں اُٹھاتے ہیں! (اُن کی باتیں برداشت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بزرگوں کی راہیں آسان فرما دیتا ہے)

(کشف المحجوب فارسی، الباب السادس [قبیل ذکر الصحابۃ]، ص: 84، 85 سنگِ میل پبلی کیشنز)

تربیت: حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ کے اِس واقعہ سے کئی باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں:

- شریعت پر عمل کرنے میں کوئی مشکل پیش آئے یا کسی روحانی مسئلہ میں رکاوٹ پیدا ہو تو ہمت نہیں ہارنی چاہیے؛ ایسا بڑے بزرگوں کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسا کر کے کوشش جاری رکھیں تو ضرور کامیابی ملتی ہے۔
- بزرگوں کے پاس حاضر ہو کر اُن کا وسیلہ پیش کر کے ربّ تعالیٰ سے دُعا کرنا کوئی نئی بات نہیں، مسلکی اختلافات پیدا ہونے سے بہت پہلے برِّ صغیر میں اسلام کی بہار لانے والے داتا علی ہجویری علیہ الرحمہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔
- بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہو کر اُن کی توجّہ حاصل کرنے کے لیے شریعت پر عمل اور ظاہری و باطنی پاکیزگی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ فیضِ عالَم علیہ الرحمہ حضرت بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر جا کر روزانہ کئی مرتبہ غسل اور وضو کرتے تھے، حالانکہ یہ نفلی عمل ہے، اگر نفلی عمل کا اتنا اہتمام تھا تو فرائض کی پابندی کا عالَم کیا ہو گا۔
- اگر کبھی دلی مراد پوری نہ ہو تو دل نہیں توڑنا چاہیے اور کسی بھی حالت میں شکوہ نہیں کرنا چاہیے کہ مَیں تو مانگ مانگ کر تھک گیا ہوں۔ بعض اوقات کچھ دیر بعد ملتا ہے اور جو مانگا ہو اُس سے کہیں زیادہ مل جاتا ہے۔
- حضور فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ اِس واقعہ کے ذریعے بنیادی طور پر یہ بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگر دین کے راستے میں طعنے ملیں تو دل چھوٹا کر کے دین کو نہیں چھوڑنا چاہیے؛ طعنے تو ہر دَور میں محبوبانِ خدا کو ملتے رہے ہیں۔ طعنوں اور پھبتیوں کے ڈر سے داڑھی نہ رکھنا، شادی وغیرہ کے موقع پر بے ہودہ رسمیں پوری کرنا اور اپنے بچوں کو علمِ دین سے محروم رکھنا وغیرہ... ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کی استقامت: داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طعنوں اور مشکلات کے باوجود استقامت کا جو درس دیا ہے، ماضی قریب میں اُس پر عمل کی بہترین مثال مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت میں ملتی ہے۔ آپ کا

یومِ وصال 26 اگست 2003ء ہے، اِس مناسبت سے اُن کی مبارک سیرت سے ایک دو مثالیں پیش کی جائیں گی، اولاً یہ ذہن میں رہے کہ:

- مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ جس اِدارے کے مہتمم اور مدرّس تھے اُس کا نام جامعہ نظامیہ رضویہ ہے۔ یہ جامعہ اہلِ سنت کے سب سے بڑے اِداروں میں سے ایک ہے، جہاں سے فیض پانے والے افراد پوری دُنیا میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اِس وقت بھی جامعہ کے نیٹ ورک میں ہزاروں طلبہ وطالبات دینی وعصری تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔
- "تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان" کی جاری کردہ سند کو ہائر ایجوکیشن کمیشن ایم۔اے (عربی، اسلامیات) کے برابر تسلیم کرتا ہے۔ مفتیٔ اعظم پاکستان تقریباً 28 سال تک اِس تنظیم کے ناظمِ اعلیٰ اور دو سال تک مرکزی صدر رہے اور اِسے عروج تک پہنچایا۔
- اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تحقیقی فتاوی یعنی فتاوی رضویہ کو عالَمی معیار کے مطابق شائع کرنے اور پوری دُنیا میں اُسے پہنچانے کا سہرا بھی مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کے سر سجتا ہے۔
- اِن کے علاوہ بھی آپ نے مختلف سرکاری وغیر سرکاری عہدوں پر کام کیا اور دُنیا بھر کی سُنّی تنظیمات اور اِداروں کی سرپرستی فرمائی۔

آپ جب جنوری 1963ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے مہتمم بنے تو اِس قدر مشکلات تھیں کہ:

❖ اہلِ محلہ نے ایک شخص کو جعلی طور پر پاگل بنا رکھا تھا، وہ روزانہ صبح کے وقت مدرسہ کی چھت پر چڑھ کر مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ اور جامعہ سے متعلق دیگر افراد کو گالیاں دیتا تھا، اگر کوئی اُسے روکتا تو اہلِ محلہ لڑائی پر اُتر آتے تھے۔

❖ جامعہ نظامیہ رضویہ کو ختم کرنے کے لیے، اِس کی اراضی / جگہ سے متعلق ایک وزیر کی سرپرستی میں مختلف مقدمات دائر کیے گئے؛ تاکہ آپ تنگ آکر یہ ادارہ ختم کر دیں۔ چنانچہ آپ طلبہ کو تعلیم دینے کے بعد دن بھر مختلف محکموں کے چکر لگاتے رہتے۔

❖ ایک مرتبہ مدرسہ کے مخالفین صلح کرنے کے بہانے آپ کو ایک تاریک مکان میں لے گئے، وہاں اُنھوں نے زدوکوب کرتے ہوئے سینے پر پستول اور گردن پر چاقو رکھ کر کہا: ابھی لکھ کر دو کہ تم مدرسہ ختم کر کے یہاں سے چلے جاؤ گے تو تمہیں چھوڑ دیتے ہیں، ورنہ یہیں پر تمہیں قتل کر دیں گے۔ آپ نے یہ سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا: مَیں اپنی زندگی تک ہی اِس دینی مدرسہ کے لیے خدمات انجام دینے کا پابند ہوں، چنانچہ اگر تم مجھے شہید کر دیتے ہو تو مشکلات سے بھی میری جان چھوٹ جائے گی اور مَیں اپنی ذمہ داری سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو بھی ہو جاؤں گا۔ آپ کا یہ جواب سُن کر وہ بدمعاش مرعوب ہو گئے اور آپ کو چھوڑ دیا۔

(مجلہ النظامیہ [خصوصی شمارہ]، اگست، ستمبر 2021ء، ص:27، 39، 40، ملخصًا)

کئی سالوں تک یہی صورتِ حال رہی اور روزانہ نئے سے نیا فتنہ کھڑا کیا جاتا تھا، مگر اِن پریشان کُن حالات میں مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مشن نہیں چھوڑا اور ایسی استقامت کا مظاہرہ کیا کہ آج اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری دُنیا میں اُن کا علمی فیضان جاری ہے۔ بلاواسطہ یا بالواسطہ اُن کے قائم کردہ ہزاروں مدارس جاری ہیں اور اُن کے شاگرد علما دینِ متین کی خدمت کر رہے ہیں۔

پیامِ حضور فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ... اتباعِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فیضِ عالَم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیماتِ مبارکہ کا ایک مرکزی نقطہ یہ بھی ہے کہ مسلمان کو ہر حال میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں جگہ جگہ اِس کا درس دیا ہے۔

حضرت بایزید / ابویزید طیفور بن عیسٰی بَسطامی رحمۃ اللہ علیہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ و خلیفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولایت میں اعلیٰ مقام عطا فرمایا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا:

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جُنَید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو بعض لوگوں نے بتایا کہ فلاں شہر میں اللہ تعالیٰ کا ایک ولی رہتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: مَیں اُس کی زیارت کے لیے گیا۔ جب مَیں اُس کی مسجد میں پہنچا تو وہ اپنے گھر سے باہر آیا اور مسجد میں داخل ہو کر قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوک دیا (کلی کا پانی پھینک دیا)۔ چنانچہ مَیں وہیں سے واپس آ گیا، اُسے سلام بھی نہیں کیا۔[1] مَیں نے خود سے کہا:

⇐ وَلِیْ را بَایَدْ کہ شریعت بَرْ خُودْ نِگاہْ دَارَدْ؛ تا حَقّ تعالٰی بَرْ وَیْ نِگاہْ دارَدْ۔ ولی کو چاہیے کہ اپنے اوپر شریعت کو نافذ کرے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ اُس پر نظرِ رحمت فرمائے۔

⇐ اَگر ایں مَرْدْ وَلِیْ بُودِے آبِ دَهَنْ را بَجَانِبِ قِبْلَهْ (بَرْ زَمینِ مسجد) نَیَفْگَنْدے حِفْظِ حُرْمَتْ رَا، وَیا حَقّ اُوْ رَا نِگاہْ دَاشْتے مَرصِحَّتِ کرامتْ را۔ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو عزت و حرمت کے پیشِ نظر مسجد کے فرش پر قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوک (کلی کا پانی) نہ پھینکتا یا کرامت کے طور پر اللہ تعالیٰ اِس پر نگاہ فرماتا (اور اِسے شریعت کی خلاف ورزی سے بچا لیتا)۔

حضرت بایزید بَسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنْ شَبْ پیغمبر را علیہ السّلام بَهْ خواب دیدَمْ کہ مَرا گُفْتْ: «یا بایزید! برکاتِ آنْ چِهْ کَرْدِیْ اندر تُو رَسِیْدْ۔ اُسی رات مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے بایزید! جو تُو نے کیا ہے اُس کی برکتیں تیرے اندر پہنچ گئی ہیں۔“

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دِیگَرْ روز بَدیں درجَهْ رَسِیْدَمْ کہ شُمَا هَمِیْ بِیْنِیْدْ. دوسرے دن مَیں ولایت کے اِس درجہ پر پہنچ گیا جس پر تم مجھے دیکھ رہے ہو۔ (کشف المحجوب فارسی، الباب الرابع عشر [قبیل الکلام فی اِثبات الکرامات]، ص: 271، سنگِ میل پبلی کیشنز)

اولیائے کرام کے دیوانوں کو چاہیے کہ ولیوں کے سرتاج حضرت داتا صاحب اور آپ کے بزرگوں سے اولیا کی پہچان بھی سیکھیں۔

---

[1] چُوں بہ مسجدِ وَیْ بَرسیدَمْ وَیْ از خانهْ بَیرُوْنْ آمد و اندر مسجد آب از دهان جانبِ قبله افگند۔ مَنْ از آنْ جَابَرْ گَشْتَمْ، وَیْ رَا سَلَامْ نَا گُفْتَهْ۔

قرب کا ذریعہ... اتباعِ رسول ﷺ: حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب نصیب ہوا کہ داتا صاحب کے بقول اہلِ طریقت اُسے "معراجِ بایزید" کہتے ہیں۔ اِس موقع پر اُنھیں بہت سے مشاہدات سے نوازا گیا، جنت و دوزخ کو دکھایا گیا اور اُنھیں ایسے مقامات پر فائز کیا گیا کہ عام شخص کے لیے اُن کا تصور بھی ممکن نہیں۔ آپ نے اِس موقع پر ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو التجائیں کیں، اُن میں سے ایک یہ تھی: اے اللہ! مَیں کیا طریقہ اختیار کروں کہ اپنی خودی سے گزر جاؤں؟ (یعنی میری "مَیں"، "انانیت" اور "غرور" ختم ہو جائے، جو کہ قربِ خدا تعالیٰ و مصطفیٰ ﷺ سے بڑی رکاوٹ ہے) حکم دیا گیا: «یَابایزید! خَلَاصِ تُو از تُوئی تُو دَرْ مُتَابَعَتِ دُوْستِ مابَستَهٔ اَسْتْ، دِیْدَهْ رَابَهْ خَاکِ قَدَمِ وَیْ اِکْتِحَالْ کُنْ وَبَرْ مُتابَعَتِ وَیْ مُداوَمَتْ کُنْ۔» "اے بایزید! تیری خودی (ہماری راہ میں آنے والی تمام رُکاوٹوں) سے تیری خلاصی ہمارے محبوب ﷺ کی غلامی سے وابستہ ہے، اُن کے قدم مبارک سے لگنے والی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤ اور ہمیشہ اُن کی اطاعت و اتباع کرو۔"

(کشف المحجوب فارسی، الباب الرابع عشر: الکلام فی تفضیل الانبیاء علی الاولیاء، ص: 295، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور)

پیامِ حضور فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ... مایوسی سے اجتناب

یہ بات فیصلہ شدہ ہے اور اٹل حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ بالآخر اسلام کو غالب اور مسلمانوں کو سربلند فرمائے گا۔ اُس نے خود وعدہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ یعنی "ہمت نہ ہارو اور سستی نہ کرو، غم اور پریشانی ختم کر دو، اگر تم سچے مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔" [اٰلِ عمران 3:139]

اِس وعدہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کو کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی... ہمیشہ ہر میدان میں کامیابی ہی اُن کے قدم چومے گی... بلکہ بعض اوقات مسلمانوں کو سخت آزمائش میں بھی ڈالا جاتا ہے... تاہم یہ ضرور ہے کہ اگر مسلمان دین پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوشش جاری رکھیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ اُنھیں ہی سُرخ رُو اور سربلند فرماتا ہے۔

اِس وقت اُمّتِ مسلمہ، خصوصاً غزہ اور کشمیر کے حالات پر ایک طرف مسلم حکمرانوں کی بے حسی پر دل خون کے آنسو روتا ہے تو دوسری طرف اہلِ غزہ اور کشمیری مسلمانوں کی استقامت دیکھ کر اُمّید بھی قائم ہو جاتی ہے؛ کیونکہ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا تو ربّ تعالیٰ نے ایسی شان دار فتح عطا فرمائی کہ دُنیا دیکھتی رہ گئی۔

مصوّرِ پاکستان اقبال علیہ الرحمہ کے دَور میں بھی مسلمانوں کے حالات پریشان کُن تھے، خصوصاً ہندوستان پر انگریزوں کے مظالم اور ہندوؤں کی چالوں نے اقبال کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ اُنھیں بارگاہِ گنج بخش علیہ الرحمہ سے مسلمانوں کی زبوں حالی سے متعلق سوال کا ایسا جواب ملا جو آج بھی بہت اُمّید افزا ہے۔ واقعہ کا خلاصہ کچھ یوں کہ فقیر سید نجم الدین اقبال کے قریبی دوستوں میں سے

ہیں، وہ ایک دن اقبال کے پاس پہنچے تو آپ نے کہا: سُنا ہے کہ آج کل حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں کوئی بہت روشن ضمیر بزرگ آئے ہوئے ہیں، مَیں ان سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں، آپ بھی میرے ساتھ چلیے! سوال یہ پوچھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ سربلند ہوں گے تو آج کل وہ اتنے ذلیل وخوار کیوں ہیں؟ بارگاہِ گنج بخش علیہ الرحمہ میں حاضری کی تیاری کرتے دیر ہوگئی اور فیصلہ ہوا کہ اگلے دن حاضر ہوں گے۔

دوسرے دن سید نجم الدین صبح گیارہ بجے کے قریب اقبال کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اُن کے چہرے کا رنگ زرد ہے اور کسی بات میں یوں گہرا غور وفکر کر رہے ہیں جیسے کوئی سانحہ ہو گیا ہو۔ خیریت پوچھنے پر اقبال نے کہا: آج صبح مَیں یہیں بیٹھا تھا، علی بخش (ملازم) نے آکر اطلاع دی کہ کوئی درویش صفت آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا: بلالو۔ ایک درویش صورت اجنبی شخص میرے سامنے آکر خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ کچھ وقفے کے بعد میں نے کہا: فرمایئے! کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اُس نے کہا: تم بارگاہِ گنج بخش علیہ الرحمہ میں حاضر ہو کر مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے، چنانچہ میں خود تمہارے سوال کا جواب دینے آیا ہوں۔

پھر اُس درویش نے مولانا روم علیہ الرحمہ کی مثنوی کا یہ شعر پڑھا، جو سوال کا جواب تھا:

ہر بِنائے کُہنَہ کہ آباداں کُنَند

نِہ کہ اوّل کُہنَہ رَا وِیراں کُنَند[1]

(یعنی کسی بھی قدیم عمارت کو دوبارہ تعمیر کرنا ہو تو پہلے اُس کی پرانی بنیادوں کو اُکھاڑتے ہیں، پھر نئی عمارت بنائی جاتی ہے)

اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے دوست کو کہا: کچھ نہ پوچھیے کہ مجھ پر کیا گزر گئی! چند لمحوں کے لیے تو کسی چیز کا بالکل احساس ہی نہیں ہو رہا تھا، کچھ حواس ٹھکانے ہوئے تو اُس بزرگ سے بات کرنے کے لیے دوبارہ نظر اُٹھائی، لیکن وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ ڈھونڈنے کے لیے علی بخش کو ہر طرف دوڑایا، لیکن کہیں سراغ نہیں ملا۔

(روزگارِ فقیر، سید وحید الدین، ص:32، 33، دفتر ناشر: فقیر سپنگ ملز لمیٹڈ۔ الجویر دائرۃ المعارف، ج:1، ص:779، ناشر: محکمہ اوقاف ومذہبی اُمور)

بارگاہِ گنج بخش علیہ الرحمہ سے تشریف لانے والے بزرگ نے اقبال کو مولانا روم علیہ الرحمہ کا جو شعر سنایا، غزہ اور کشمیر کے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر اُس کا مفہوم یہ بنتا ہے "اقبال! مایوس مت ہونا، ربّ تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور بالآخر مسلمانوں کو ہی فتح و نُصرت ملے گی۔ یہ غزہ کی ویرانی اور کشمیر میں ظلم وستم نشأۃِ ثانیہ اور دوبارہ سے غلبے کے لیے ہیں، اگر مسلمان دینی غیرت ووحدت کا مظاہرہ کریں تو ربِّ کریم ایسا عروج عطا فرمائے گا کہ دُنیا حیران رہ جائے گی۔"

---

[1] اقبال علیہ الرحمہ نے اپنی ایک نظم "خضرِ راہ" میں یہ شعر معمولی ترمیم کے ساتھ یوں کہا:

گُفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند — می ندانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

نوٹ: راوی نے اِس مقام پر اقبال کا شعر نقل کیا ہے، جب کہ بقولِ اقبال اُس درویش نے مولانا روم کا شعر پڑھا تھا؛ لہٰذا ہم نے مولانا روم کا شعر درج کیا ہے۔

حرفِ آخر... پیامِ حضور فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ کی اہمیت اور خطبہ کی تلخیص

انسان زندگی میں کئی دُنیاوی کام بڑے شوق سے کرتا ہے، لیکن آنکھ بند ہونے کی دیر ہے... یہ تمام شوق ختم ہو جائیں گے۔ اِس کے برعکس جس شخص کو کسی نیک عمل سے خاص لگاؤ ہو، باری تعالیٰ کی رحمت سے اُمّید ہے کہ اُسے مرنے کے بعد بھی وہ پسندیدہ کام جاری رکھنے کی اجازت عطا ہو جائے گی۔

خدا کرے کہ ہمیں تلاوتِ قرآنِ حکیم کا شوق پڑ جائے! نماز سے وارفتگی کی حد تک لگاؤ ہو جائے! کثرت سے درودِ پاک پڑھنے کی تڑپ پیدا ہو جائے! مخلوقِ خدا کی خیر خواہی ہمارا مشن بن جائے! تو مرنے کے بعد اِن کاموں کا لُطف ہی کچھ اور ہو گا!

سرتاجِ اولیا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ کے 981ویں عرسِ مبارک کی مناسبت سے آپ کی سیرت و تعلیمات سے متعلق کچھ گفتگو کی گئی۔ آپ نے زندگی میں مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کی اور کثرت سے فیض تقسیم کیا، چنانچہ وہ آج اپنی قبر مبارک میں رونق افروز ہو کر بھی عطائے خدائے متعال سے ایک جہان کو فیض تقسیم کر رہے ہیں اور سچ مچ "فیضِ عالَم" ہیں۔

فیضِ عالَم رحمۃ اللہ علیہ کا فیض پانے اور آپ کو خوش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے کہ آپ کو ایصالِ ثواب کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات پر بھی عمل کیا جائے اور آپ کی حسین کتاب "کشف المحجوب" سے راہ نمائی لی جائے۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے اپنے پیاروں کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ "اور اُس شخص کے طریقے پر چلنا جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے تو میں تمھیں بتادوں گا جو کام تم کرتے تھے۔" [لقمٰن 31:15]

آج کے خطبہ میں پیامِ حضور فیضِ عالَم علیہ الرحمہ کے حوالے سے جو گفتگو ہوئی اُس کے چند اہم نکات یہ ہیں:

- بزرگوں کے پاس حاضر ہو کر اُن کا وسیلہ پیش کر کے ربّ تعالیٰ سے دُعا کرنا کوئی نئی بات نہیں، خاکِ پنجاب جن کے دم قدم سے زندہ ہے وہ داتا علی ہجویری علیہ الرحمہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔
- بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہو کر اُن کی توجّہ حاصل کرنے کے لیے شریعت پر عمل اور ظاہری و باطنی پاکیزگی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ فیضِ عالَم علیہ الرحمہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر روزانہ کئی مرتبہ غسل اور وضو کرتے تھے، حالانکہ یہ نفلی عمل ہے،[1] اگر نفلی عمل کا اتنا اہتمام تھا تو فرائض کی پابندی کا عالَم کیا ہو گا۔

---

[1] الملاحظة: الوضوءُ على الوضوءِ مندوبٌ إذا أدّى بالأول عملًا أو تبدّل مجلسٌ۔ والتفصيل في ردّ المحتار تحت سننِ الوضوء، مطلب في الوضوء على الوضوء۔

❖ لوگوں کے طعنوں سے ڈر کر یا مشکلات آنے کے تصوّر سے ربِّ کریم کے احکام اور دینی تقاضوں کو چھوڑنا بڑی محرومی ہے۔ اگر انسان استقامت اختیار کرے تو دین پر عمل کی وجہ سے ملنے والے طعنے انسان کے لیے بڑی سعادتوں کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اگر استقامت مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی ہو تو ربّ تعالیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ کا بے مثال عروج عطا فرماتا ہے۔

❖ ولی کی پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت کا پابند اور سنت پر عمل کرنے والا ہوتا ہے، جو اِس معیار پر پورا نہیں اُترتا ہمیں اُس کی پیروی کی اِجازت نہیں، چاہے وہ ہواؤں میں کیوں نہ اُڑتا رہے۔ سیدنا بایزید علیہ الرحمہ کو سرورِ عالم ﷺ نے خواب میں تشریف لا کر اِسی بات پر نوازا تھا کہ اُنھوں نے سنت چھوڑنے والے شخص کو چھوڑ دیا تھا۔

❖ ربّ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسلام کو غلبہ اور مسلمانوں کو سربلندی عطا فرمائے گا اور یہ وعدہ ضرور سچا ہے۔ غزہ کی ویرانی اور کشمیر میں ہونے والے ظلم و ستم سے مایوسی نہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اہلِ غزہ کی استقامت اور اہلِ کشمیر کی جرأت عروج کا ذریعہ ہوگی... تاہم اُمّت جس طرح اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کر رہی ہے اور عملی طور پر فلسطینی مسلمانوں کے لیے کچھ نہیں کر رہی اِس پر ڈرنا چاہیے کہ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیا جواب دیں گے!

شرعی مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا نام نہایت عظمت و شان والا ہے اور اُس سے ہر اچھے کام کا آغاز کرنا چاہیے، مگر اِس مبارک نام کو بے موقع ذکر کرنا غلط ہے، بلکہ بعض اوقات بہت سخت حکم ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی غلط کام کو شروع کرنے کے لیے کسی سے یہ کہا جائے: "بسم اللہ کریں"۔ اِسی طرح کسی کو کھانے وغیرہ کی دعوت دی جائے تو وہ جواب میں کہے: "بسم اللہ کریں"، یہ غلط ہے۔ یعنی باری تعالیٰ کا نام بے موقع ہرگز نہیں لینا چاہیے۔ (دیکھیے منح الروض الأزهر فی شرح الفقه الاکبر، ص: 462، 463، دار البشائر الإسلامية۔ اسلامی اخلاق و آداب، از صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی، ص: 31، 32)

اللہ تعالیٰ حضور فیضِ عالَم علیہ الرحمہ کے صدقے میں ہماری بخشش و مغفرت فرمائے، آپ کے پیغام کو سمجھ کر آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازے اور آپ کے فیض سے وافر حصہ عطا فرمائے۔

ربِّ کریم اُمّت کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزہ کے مظلوموں کے ساتھ عملی طور پر تعاون کرنے کی توفیق سے نوازے۔

قادیانیوں سے متعلق اسمبلی میں قانون پاس کروانے اور ہر محاذ پر اُس کی حفاظت کرنے کے لیے جتنے حضرات نے کاوشیں کیں، مالکِ کریم سب کو اپنی شایانِ شان جزا عطا فرمائے۔

ربِّ کریم پاکستان کو تمام بحرانوں سے نجات عطا کرے، حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے اور اُنھیں شعور بھی عطا کرے کہ قومی دولت فقط کھیلوں کے لیے نہیں ہوتی، اِس میں دین کا بھی کچھ حصہ ہوتا ہے۔ آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ

۲۴ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ/30 اگست 2024ء

فکرِ رضا...

تعارف اور ضرورت واہمیت

مشمولات

- اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف
- ”بریلویّت“ اور ”فکرِ رضا“ کا تعارف
- ”فکرِ رضا“ کیوں ضروری ہے؟
- اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور عقائدِ اہلِ سنت کا تحفّظ
- تحفّظِ ختمِ نبوّت وناموسِ رسالت
- دفاعِ صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم
- لُمعَۃُ الضُّحیٰ اور ایک مشت داڑھی کا وجوب
- تقدیسِ شانِ اُلوہیّت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ... [اٰلِ عمران 103:3]

انسان کی عادت ہے کہ وہ نئی چیز کو پسند کرتا اور ترجیح دیتا ہے... جب کہ جو چیز پرانی ہو جائے اُس سے توجّہ ہٹ جاتی ہے۔ عربی مقولہ ہے: کُلُّ جَدِیۡدٍ لَذِیۡذٌ (ہر نئی چیز لذیذ محسوس ہوتی ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ بہروپیے لوگ دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے نئے سے نئے کرتب دکھاتے ہیں اور سیاسی لیڈر بھی نئے نعروں کے ذریعے عوام کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دانا لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ نیا کیا ہے، بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ فائدہ کس میں ہے! اگر نئی چیز نقصان دہ ہو اور پرانی فائدہ مند ہو تو عقل مند کبھی بھی نئی چیز کو اختیار نہیں کرتے۔ اسلامی تہذیب کو پرانا قرار دے کر جدید مغربی تہذیب پسند کرنے والوں کو اقبال نے کہا:

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ سے کسی شخص نے کہا: بے دین لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام کا چودہ سو سالہ پرانا نظام جدید دَور کی ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔ آپ نے جو خوب صورت جواب دیا اُس کا خلاصہ یہ ہے: نظامِ شریعت کا قدیم ہونا اِس کی تر و تازگی سے رُکاوٹ نہیں ہے، سورج تو اِس سے بھی بہت پرانا ہے۔ جیسے پرانا ہونے کے باوجود قیامت تک سورج ہی روشنی دے گا اور ہر روز پوری آب و تاب سے چمکے گا، اِسی طرح چودہ سو سالہ پرانا ہونے کے باوجود اسلامی نظام ہی قیامت تک لوگوں کی کامل راہ نمائی فرمائے گا اور ہر دَور میں پوری شان و شوکت کے ساتھ باقی رہے گا۔ (فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ج:4، ص:264)

ازل سے ربّ تعالیٰ کا یہ فیصلہ تھا کہ اُس کے محبوب ﷺ آخری نبی ہوں گے اور اُن کی شریعت آخری شریعت ہو گی اور حکمت کا تقاضا یہ بھی تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ اِس شریعت کی رونق و تازگی میں فرق نہ آئے؛ تاکہ لوگ اِس سے دُور نہ ہوں؛ لہٰذا ربِّ کریم نے ایسا انتظام فرما دیا کہ قیامت تک نظام پرانا ہی رہے گا، تاہم چاشنی ہر دَور میں نئی ہو گی۔ وہ انتظام یہ ہے کہ ربّ تعالیٰ نے ہر دَور میں ایسے افراد پیدا فرمائے اور پیدا فرماتا رہے گا جنھوں نے دین کی رونق کو ہمیشہ دوبالا رکھا اور آئندہ بھی رکھیں گے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ جہاں ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡأُمَّۃِ عَلٰی رَأۡسِ[1] کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا۔ "یقیناً اللہ تعالیٰ اِس اُمت کے لیے ہر سو سال کے اختتام / آغاز پر مُجَدِّد بھیجے گا جو اُمّت کے لیے دین کو تازہ کر دے گا۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 4291)

---

[1] محاورۂ عرب کے مطابق لفظِ "رأس" آخِر کے معنی میں ہے، مگر مجدّد کا فیضان صدی کے اختتام سے ختم نہیں ہوتا، بلکہ اگلی صدی کے آغاز میں بھی اُس کا فیضان موجود و جاری رہتا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: فتاوٰی رضویہ، ج:27، مسئلہ:1)

اِس حدیثِ پاک میں دی گئی خوش خبری کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر صدی (ہجری) کے اختتام پر ایسا صحیح العقیدہ اُمّتی یا کئی افراد پیدا فرمائے جو شریعت وطریقت کے علم سے آراستہ تھے، تقویٰ وپرہیز گاری میں بے مثال تھے، اُنھوں نے بغیر کسی خوف ولالچ کے دین وشریعت کو عام کیا اور گمراہی وبدعات کے خلاف بھرپور جہاد کرکے دین کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

گزشتہ صدی میں جب بے دینوں کی طرف سے عقائد کو بگاڑنے کی کوشش کی گئی اور نئے نئے فتنے پیدا ہوئے تو خالقِ کائنات نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان ماتُریدی حنفی قادِری رحمۃ اللہ علیہ کو دین کی رونق دوبالا کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ نے عقائد کی اِصلاح، سنتوں کو پھیلانے اور گمراہی وبدعت کو ختم کرنے کے لیے ایسی خدمات سرانجام دیں کہ دُنیا بھر کے علمائے حق نے آپ کو مجدِّد قرار دیا، بلکہ آپ کی جلیل القدر خدمات کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کی شخصیت حق کی پہچان بن گئی، اہلِ سنّت وجماعت کو "سُنّی بریلوی" کہا جانے لگا اور عقائدِ اہلِ سنت کو "فکرِ رضا" کا نام دے دیا گیا۔

آپ کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ / 14 جون 1856ء کو بھارت کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ دادا محترم مولانا شاہ رضا علی خان اور والدِ گرامی مولانا شاہ نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہما نامور علمائے ربّانیّین تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ حافظہ ایسا شان دار تھا کہ اُستاذ بھی حیران رہ جاتے۔ فقط چار سال کی عمر میں قرآنِ مجید مکمل کر لیا۔ تیرہ برس، دس ماہ کی عمر میں، 1869ء کو مکمل عالمِ دین بننے کے بعد والدِ گرامی کی نگرانی میں فتوٰی لکھنے کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ وصال تک پورے 54 سال جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام قدیم وجدید علوم میں اعلیٰ درجہ کی مہارت عطا فرمائی تھی۔

آپ نے اُردو زبان میں قرآنِ مجید کا بہت شان دار ترجمہ کیا، جس کا نام کَنزُ الإیمان ہے، آپ کے نہایت تحقیقی فتاوٰی بھی "فتاوٰی رضویہ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، جو 33 ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔ اِس کے علاوہ بھی آپ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں، نیز حمدِ خُدا، نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگوں کے مناقب میں سینکڑوں اشعار کہے۔

خدماتِ دینیہ سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ / 28 اکتوبر 1921ء کو جمعہ کے دن وصال فرمایا۔ وصال سے پہلے حدیثِ مبارک پر عمل کے لیے اپنے صاحب زادے مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ سے سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد کی تلاوت سنی، سفر کے وقت کی مسنون دُعائیں پڑھیں، کلمہ طیبہ پڑھا، رُوحِ مبارک پرواز کرتے وقت چہرہ نور سے چمک رہا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: مجلہ النظامیہ کا امام احمد رضا نمبر [دسمبر 2018ء]، ص: 15 تا 20، مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان)

فتنوں کے اِس دَور میں ایمان کی حفاظت کے لیے عقائدِ اہلِ سنّت پر استقامت بے حد ضروری ہے اور اِسی کو "فکرِ رضا" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں فکرِ رضا کے تعارف اور اُس کی ضرورت واہمیت سے متعلق کچھ گفتگو کی جائے گی۔

”بریلویّت“ اور ”فکرِ رضا“ کا تعارف

بعض کاموں / اشیا میں ایک شخص یا کچھ افراد اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ وہ اُس عمل یا چیز کی پہچان بن جاتے ہیں اور وہ کام / شے اُن کے نام سے مشہور ہو جاتی ہے۔ اُن کے نام سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ اُن کی بنائی ہوئی ہے، بلکہ اُس عمل یا شے کی نوعیت اور معیار واضح کرنے کے لیے اُن کا نام لیا جاتا ہے۔ اِس کی بہت سی مثالیں ہیں:

- مٹی کے برتنوں اور روغنی ٹائلوں پر ہاتھ سے خوب صورت پھول، پتیاں اور دل کَش نقش بنانے کو ”ملتانی کاشی گری / کاری گری“ کہا جاتا ہے، اِس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ فن کاری فقط ملتان میں ہوتی ہے، بلکہ کام کی نوعیت بتانے کے لیے یہ نام ذکر کیا جاتا ہے۔
- دُنیا بھر میں قرآنِ حکیم کی جو قراءت سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اُسے حضرت امام عاصِم بن ابو النَّجُود علیہ الرحمہ (متوفّٰی:129ھ) کی نسبت سے ”قراءتِ عاصم“ کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ حکیم ربِّ کریم کا کلام ہے، سرورِ عالَم ﷺ نے ہم تک پہنچایا ہے، امام عاصم علیہ الرحمہ کی طرف سے اُس میں ایک لفظ کیا ایک حرکت کی بھی کمی بیشی نہیں ہے، پھر اُن کی طرف نسبت کیوں؟ صرف اِس لیے ہے کہ اُنھوں نے اِس قراءت کو خوب اچھی طرح محفوظ کر کے ہم تک پہنچایا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے ایک بہت بڑے عالِم شیخ ابو منصور محمد ماتُریدی رحمۃ اللہ علیہ (م:۳۳۳ھ / 944ء) ہیں، اُنھوں نے اپنے دَور کے فتنوں کا خوب صفایا کیا اور عقائدِ اہلِ سنت کی بہترین تشریح کی، اُن کی نسبت سے اہلِ سنّت و جماعت کو ”ماتُریدی“ کہا جانے لگا۔ بعد میں ہر دَور کے علما حق کی پہچان کے لیے یہی نسبت ذکر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُنھوں نے نئے عقائد ایجاد نہیں کیے، بلکہ قرآن و سنت میں بیان کیے گئے عقائد کی ہی تشریح کی، تاہم اُن کے نام کی چھاپ لگ گئی اور حق پرست خود کو اُن کی نسبت سے ”سُنّی ماتُریدی“ کہنے لگے۔

اِسی طرح چودھویں صدی ہجری میں جب انگریزوں کی پُشت پناہی میں باطل پرستوں نے عقائدِ اہلِ سنّت کو بگاڑنے کی کوشش کی تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے ڈٹ کر اُن کا مقابلہ کیا اور اپنی کتابوں میں عقائدِ حقّہ کو دلائل کے ذریعے خوب واضح کیا، چنانچہ اُن کا نام بھی حق کی علامت و پہچان بن گیا، اُن کی نسبت سے اہلِ سنّت و جماعت کو ”سُنّی بریلوی“ کہا جانے لگا اور عقائدِ اہلِ سنت کو ”فکرِ رضا“ کا نام دے دیا گیا۔ خوب یاد رکھنے کی بات ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ

- ❖ مسلکی اعتبار سے خالص ”سُنّی ماتُریدی“ ہیں، یہ امام ابو منصور محمد ماتریدی کی طرف نسبت ہے۔
- ❖ فقہی مسائل میں امامِ اعظم ابو حنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے مقلِّد ہیں اور پکّے ”حنَفی“ ہیں۔
- ❖ مشرب و طریقت میں غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کے سلسلے میں ہیں اور سچّے ”قادِری“ ہیں۔
- ❖ جب کہ اُن کے وطن ”بریلی“ شریف (یو۔پی۔ بھارت) کی وجہ سے اُنھیں ”بریلوی“ کہا جاتا ہے۔

آپ نے کوئی نیا عقیدہ و مسلک ایجاد نہیں کیا، بلکہ عقائدِ اہلِ سنت کی بہترین تشریح کرنے کے سبب آپ کی نسبت ذکر کی جاتی ہے۔

”فکرِ رضا“ کیوں ضروری ہے؟

ہمارے دَور میں تجارت کے اندر جعل سازی عروج پر ہے، لوگ زیادہ نفع کمانے کے لیے لالچ میں نقلی اور غیر معیاری چیزیں بناتے اور بیچتے ہیں۔ اِس مکر و فریب سے بچنے کے لیے عموماً کوئی چیز خریدنے سے پہلے تجارتی علامت / خاص نشان (Brand / برانڈ) چیک کیا جاتا ہے اور خریدار کسی اچھی کمپنی کا نشان دیکھ کر اُس برانڈڈ چیز پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ ملکی مصنوعات کو ترجیح دینی چاہیے اور برانڈ کے چکر میں ملکی معیشت کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے... فی الحال فقط یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ تجارت کی دُنیا میں ناتجربہ کار شخص اصلی اور معیاری چیز کی پہچان برانڈ کے ذریعے کرتا ہے، ورنہ قوی امکان ہوتا ہے کہ وہ دھوکا کھا جائے۔

بالکل اِسی طرح ہمارے دَور میں مذہب کے حوالے سے جعل سازی بھی عروج پر ہے، بدمذہب اور فتنہ پرور دُنیاوی مفادات کی خاطر قرآن و سنت کا غلط مفہوم بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اِس فریب کاری سے بچنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ عقیدہ لینے سے پہلے اُس کو پرکھا جائے، اگر وہ عقیدہ اُن بزرگوں کی تعلیمات کے مطابق ہو جنھیں عقائد کی تشریح میں امام تسلیم کیا گیا ہے تو اُسے قبول کر لیا جائے... اور اگر اکابر کی تشریحات کے خلاف ہو تو سمجھ لیا جائے کہ یہ فتنوں کے دَور کا ایک نیا فتنہ ہے۔

اِس بات کا ذکر ہو چکا کہ گزشتہ صدی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ نے عقائدِ اہلِ سنّت پر خوب پہرا دیا ہے؛ اِسی لیے آپ کا نام حق کی پہچان بن گیا ہے۔ چنانچہ جو شخص قرآن و سنت کا گہرا علم نہیں رکھتا اُس کے لیے سچے عقیدے اور سُچے نظریہ کی پہچان کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ ”فکرِ رضا“ کو معیار بنالے؛ کیونکہ یہ عقائدِ اہلِ سنّت و جماعت کا ہی دوسرا نام ہے... جو بات فکرِ رضا کے موافق ہو اُسے قبول کرلے اور جو فکرِ رضا کے خلاف ہو اُس کے بارے سمجھ لے کہ یہ ایک نیا فتنہ ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو قوی امکان ہے کہ دھوکے میں مبتلا ہو کر عقیدہ خراب کر بیٹھے گا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور عقائدِ اہلِ سنت کا تحفّظ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان ماتُریدی حنفی قادِری علیہ الرحمہ نے جس انداز سے دینِ اسلام اور عقائدِ اہلِ سنّت و جماعت کا تحفّظ کیا اُس کے ذکر سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آپ کے دَور میں فتنے اِس قدر تھے کہ ایک جانب مرزا قادیانی لعین نے نبوّت کا جھوٹا اعلان کر رکھا تھا... دوسری طرف علما کے روپ میں بڑے بڑے نامور لوگ شانِ اُلوہیت اور شانِ رسالت میں کھلی گستاخیاں کر رہے تھے... صحابہ و اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے دشمن بھی اپنا زہر تیزی سے پھیلا رہے تھے... اور اِن کے ساتھ ساتھ ہندو اتحاد کا جھانسا دے کر ہندوستان میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے غلام بنانے کے منصوبے بنانے میں مصروف تھے۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے چومکھی لڑائی لڑی اور تمام دشمنانِ دین کا پوری قوّت سے مقابلہ کیا۔ چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

تقدیسِ شانِ اُلوہیت: خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی شانِ رفیع کے دفاع سے متعلق کردارِ رَضا کچھ یوں ہے:

اللہ تعالیٰ کی ذات تمام صفاتِ کمال سے متّصف ہے اور کوئی بھی عیب و نقص ایسا نہیں کہ اُس کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کی جاسکے۔ ہر مسلمان لفظِ "سُبْحٰنَ اللہ"، (اللہ پاک ہے) "سُبُّوح" اور "قُدُّوس" وغیرہ الفاظ میں اِسی بات کا اقرار کرتا ہے۔

انگریز دَور میں جہاں دیگر بہت سے فتنے پیدا ہوئے وہاں یہ عقیدہ بھی پیش کیا گیا کہ (معاذ اللہ) "اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے، اگرچہ بولتا نہیں ہے۔" ایک فرقہ آج تک اپنا یہ خبیث عقیدہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور اب بھی کتابیں لکھ کر اپنا یہ جھوٹا موقف ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔[1]

امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے باری تعالیٰ کی شانِ اقدس کا تحفّظ کرنے اور اِس پلید عقیدے کو ردّ کرنے کے لیے کئی رسالے لکھے، جس میں سے ایک کا نام سُبْحٰنُ السُّبُّوح عَنْ عَیْبِ کِذْبٍ مَقْبُوح ہے۔ یہ رسالہ فتاوٰی رضویہ کی پندرہویں جلد میں موجود ہے اور اپنے ضمیمہ کے ساتھ ڈیڑھ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اِس رسالے کے آغاز میں آپ نے اکابر علما کی 30 تصریحات ذکر کیں، پھر باری تعالیٰ کے جھوٹ سے پاک ہونے پر 30 پختہ دلائل بیان فرمائے، پھر جھوٹ کی نسبت کرنے والوں پر 40 تازیانے برسائے اور غلط استدلالات کی تردید میں 21 دلائل ذکر کیے۔ اِس رسالے کو پڑھ کر اہلِ علم تو داد دیتے ہی ہیں، تاہم کئی باتیں ایسی عام فہم ہیں کہ عوام بھی عَش عَش کر اُٹھتے ہیں۔ ایک مقام کا خلاصہ یوں ہے: "کتبِ احادیث و سیرت میں مذکور ہے کہ کئی خوش نصیب عقل مند رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ پُر نور کا جمالِ جہاں آرا دیکھ کر ایمان لے آئے اور کہا: "یہ حسین و نورانی چہرہ جھوٹ بولنے والے کا نہیں ہو سکتا"، جب ربِّ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کا رُخِ انور ایسا حسین بنایا جس پر دو عالَم کی بہار نثار ہے تو اُس کے اپنے جلوے کی پاکی و قُدّوسی کا کیا کہنا! اُس کا جلوہ دیکھنا کسی کے بس میں نہیں، ورنہ اگر وہ جلوہ ظاہر ہو تو خوب واضح ہو جائے کہ اُس کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا کتنا بڑا جھوٹ ہے!

(دیکھیے فتاوٰی رضویہ، ج:15، ص:351۔ اِس رسالے کا آغاز صفحہ 311 سے ہے۔ اِس کے بعد اِس موضوع پر مزید رسالے بھی موجود ہیں)

آپ نے قدیم فلسفہ کے باطل نظریات کی تردید کے لیے اَلْکَلِمَۃُ الْمُلْہِمَۃ نامی رسالہ تحریر فرمایا، جو فتاوٰی رضویہ کی 27ویں جلد میں موجود ہے۔ تقریباً 200 صفحات پر مشتمل اِس وقیع رسالے کے پہلے مقام کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعلِ مختار ہے، اُس کے کسی بھی فعل کے لیے وجہِ ترجیح کی ضرورت ہے نہ ہی شے میں قابلیت کی حاجت ہے... وہ جو چاہے، جب چاہے، جیسے چاہے کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم کے ترجمہ میں نااہلوں نے لکھ دیا تھا: منافق اللہ کو دھوکا دیتے ہیں اور وہی اُن کو دھوکا دے گا... اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ترجمہ یوں ہو گا: "منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو دھوکا دیا (دینا) چاہتے ہیں اور وہی اُنھیں غافل کر کے مارے گا۔" [النساء:142]

---

[1] اِس پر اسماعیل دہلوی نے "یک روزہ" نامی کتاب لکھی۔ فتاوٰی رشیدیہ میں کتاب العقائد کا پہلا فتوٰی اِسی موضوع پر ہے۔ اِس کے قائلین کی تازہ تحریرات اور فتاوٰی کے لیے گوگل یا کسی اور سرچ انجن پر "امکانِ کذب" لکھ کر تلاش کریں۔

تحفّظِ ختمِ نبوّت: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دَور میں مرزا قادیانی لعین نے نبوّت کا جھوٹا دعوٰی کیا۔ وہ خود تو قرآنِ کریم میں تحریف کر ہی رہا تھا، ساتھ کچھ اور لوگ بھی اُس کا ہاتھ بٹانے لگے۔ ایک فرقہ کے نامور عالم قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تَحْذِیْرُ النَّاس میں لکھا کہ قرآنِ حکیم میں مذکور لفظِ خَاتَمِ النَّبِیّٖن سے "آخری نبی" مراد لینا عوام کا خیال ہے (حقیقت میں اِس کا یہ معنٰی نہیں)... اور یہ بھی لکھا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانۂ اقدس میں بھی کسی اور نبی کو فرض کر لیا جائے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خَاتَمِ النَّبِیّٖن ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ وہ غلیظ بات تھی جس نے مرزا قادیانی کو جھوٹے دعوٰی کے لیے تائید فراہم کی اور آج تک قادیانی اِس کتاب کا حوالہ دے کر کم علم مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اِن حالات میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان ماتُریدی حنفی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے تحفّظِ ختمِ نبوت کے لیے مختلف فتاوٰی جات کے ساتھ ساتھ کئی مستقل رسالے بھی لکھے۔ آپ نے پختہ دلائل سے ثابت کیا کہ آیتِ کریمہ میں خاتم النبیین کا معنٰی "آخری نبی" ہی ہے، یہ لفظ عام ہے اور اِس سے صراحتًا ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کسی بھی طرح کی نئی نبوّت ہے ہی نہیں۔ اِس آیت میں کوئی بھی تاویل کرنا اور کسی بھی طرح سے شکوک و شبہات پھیلانا صریح کفر ہے۔[1] نیز آپ نے عقیدۂ ختمِ نبوّت کو ثابت کرنے کے لیے 120 احادیثِ مبارکہ ذکر فرمائیں، جن کے راویوں اور اصحاب میں 60 صحابۂ کرام اور 11 تابعین علیہم الرضوان ہیں۔[2]

تحفّظِ ناموسِ رسالت: انگریزوں کے دَور میں ایک بہت بڑا فتنہ یہ بھی اُٹھا کہ کچھ لوگ جان بوجھ کر سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فضائل و کمالات کا انکار کرنے لگے، کہتے کہ یہ دلائل سے ثابت نہیں، یہ بیماری آج تک باقی ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ربِّ کریم کی توفیق سے اِس فتنہ کے خلاف بھی خوب جہاد کیا اور نبیِ مکرّم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فضائل و کمالات کو ٹھوس دلائل سے ثابت کیا۔

آپ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ بعض لوگ نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے افضل المرسلین ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اِس پر قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرو! آپ نے تقریباً 130 صفحات پر مشتمل رسالہ تَجَلِّی الْیَقِیْنِ بِاَنَّ نَبِیَّنَا سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن تحریر فرمایا، جس میں 10 آیاتِ قرآنیہ، 18 وحیِ ربّانی (دیگر آسمانی کتب کی نصوص) اور 100 سے زائد احادیثِ مبارکہ سے ثابت کیا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں۔[3] سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا و والا ہمارا نبی

رسالے کے آخر میں آپ نے اپنے ایک خواب کا ذکر بھی فرمایا، جس کا خلاصہ یوں ہے: مَیں نے دیکھا کہ اپنے مکان کے سامنے شارعِ عام پر کھڑا ہوں اور موٹے شیشے کا ایک فانوس ہاتھ میں ہے، مَیں اُسے روشن کرنا چاہتا ہوں، لیکن دو افراد میرے دائیں بائیں

---

[1] دیکھیے رسالہ اَلْمُبِیْن خَتْمَ النَّبِیّٖن، فتاوٰی رضویہ، جلد 14۔ نوٹ: ختمِ نبوّت پر آپ کے باقی رسائل جلد 15 میں ہیں۔

[2] فتاوٰی رضویہ، ج:15، ص:689، 711۔ اِس رسالہ کا آغاز صفحہ 629 سے ہے۔

[3] یہ رسالہ فتاوٰی رضویہ کی جلد:30، ص:129 تا ص:266 پر موجود ہے۔

کھڑے ہیں وہ پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں، اتنے میں مسجد کی طرف سے حضور سید المرسلین ﷺ تشریف لائے، واللہ العظیم! حضور ﷺ کو دیکھتے ہی وہ دونوں ایسے غائب ہوگئے کہ معلوم نہیں آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔ پھر حضور پُرنور ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اور اتنے قریب رونق افروز ہوئے کہ شاید ایک بالشت یا اِس سے بھی کم فاصلہ تھا اور حد درجہ مہربانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "پھونک مار! اللہ روشن کر دے گا۔" مَیں نے پھونکا تو ایسا عظیم الشان نور پیدا ہوا کہ سارا فانوس اس سے بھر گیا، والحمد للہ رب العالمین۔

بعض لوگوں نے کہا: دُرودِ تاج اور دلائل الخیرات پڑھنا شرک ہے؛ کیونکہ دُرودِ تاج میں یہ جملہ ہے: دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْأَلَمِ، بلائیں دُور کرنا اللہ تعالیٰ کی شان ہے؛ لہٰذا آپ ﷺ کو دَافِعُ الْبَلَاء کہنا شرک ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً پونے تین سو صفحات پر مشتمل رسالہ اَلْأَمْنُ وَالْعُلٰی لِنَاعِتِی الْمُصْطَفٰی بِدَافِعِ الْبَلَاء تحریر فرمایا۔ اس رسالہ کے پہلے باب میں چھ آیاتِ مبارکہ اور 60 احادیثِ طیبہ ذکر کیں اور دوسرے باب میں 44 آیاتِ کریمہ اور 240 احادیثِ شریفہ ذکر فرمائیں۔ یوں تقریباً 50 آیاتِ مبارکہ اور 300 احادیثِ طیبہ سے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے سرکارِ دوعالم ﷺ نعمتیں دیتے ہیں اور بلائیں دُور فرماتے ہیں۔ یہ مبارک رسالہ فتاوٰی رضویہ، جلد:30، ص:359 تا 635 میں فیض لُٹا رہا ہے۔

دفاعِ صحابہ واہلِ بیت: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے جہاں شانِ اُلوہیت اور ناموسِ رسالت کا تحفّظ کیا، وہاں اپنے دَور میں صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان سے متعلق پیدا ہونے والے فتنوں کا بھی خوب مقابلہ کیا۔

ایک فتنہ یہ کھڑا ہوا کہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول بلا فصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ بعض لوگ آج بھی اِس حوالے سے اُمّت میں انتشار پھیلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ امام احمد رضا خان ماتُریدی حنفی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس فتنہ کی سرکُوبی کے لیے کئی رسالے تحریر فرمائے، تقریباً 200 صفحات پر مشتمل رسالہ اَلزُّلَالُ الْأَنْقٰی مِنْ بَحْرِ سَبْقَةِ الْأَتْقٰی فتاوٰی رضویہ کی 28ویں جلد میں موجود ہے۔ نیز آپ نے مَطْلَعُ الْقَمَرَیْنِ فِیْ إِبَانَةِ سَبْقَةِ الْعُمَرَیْنِ نامی ایک رسالہ بھی لکھا، اِس کے آغاز میں دس تبصروں کے بعد اجماعِ اُمّت، 10 آیاتِ کریمہ اور 15 سے زیادہ احادیثِ طیبہ[1] سے ثابت کیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان سب سے بلند ہے، کوئی اور خاص خوبی میں برتر ہو سکتا ہے، مگر افضلیتِ مطلقہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ ہے۔

کسی شخص نے نسب کی فضیلت کا انکار کیا، مقصود یہ تھا کہ سرورِ عالم ﷺ کی اولادِ پاک یا اہلِ بیت سے ہونا فضیلت کی بات نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حوالے سے ایک مختصر تحریر کا آغاز کیا، مگر محبتِ اہلِ بیت میں علم کے سمندر نے جوش مارا اور ایک رسالہ تیار ہو گیا۔ آپ نے آخر میں لکھا: خدمتِ گارئ اہلِ بیتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے یہ بیان ایک رسالہ ہو گیا؛ لہٰذا بلحاظِ تاریخ اِس کا نام إِرَاءَةُ الْأَدَبِ لِفَاضِلِ النَّسَبِ رکھنا انسب، واللہ تعالٰی أعلم۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:255)

---

[1] یہ رسالہ پورا دستیاب نہیں ہو سکا، ورنہ اُس میں مذکور احادیثِ طیبہ کی تعداد زیادہ تھی۔

حرفِ آخر... عقائدِ اہلِ سنت و فکرِ رضا پر استقامت

قرآنِ مجید اور احادیثِ طیبہ میں خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے وصالِ اقدس کے بعد اُمّت کئی فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور لوگ بزرگوں کا راستہ چھوڑ کر نئے نئے عقائد اختیار کر لیں گے۔ فرقہ پرستی کے وقت صحیح عقیدہ پر استقامت اور حق کی پہچان کے لیے کیا کرنا ہو گا؟ اِس بارے میں ہمیں حکم دیا گیا کہ اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت عقائد کے حوالے سے ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، چنانچہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اکثریت کے نظریات اختیار کریں اور فرقوں سے بچیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا... "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹ جانا۔" [اٰلِ عمران 3: 103] "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو" اِس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی پیروی کرو۔ جب کہ خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے بعد سب سے بڑے فقیہ و مجتہد صحابی سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس کی تفسیر کی: اِطاعت کرو اور جماعت (مسلمانوں کی اکثریت) کے عقائد پر قائم رہو۔[1]

نبیِ کریم ﷺ نے یہ حکم دیتے ہوئے کسی حدیث میں یوں فرمایا: "جماعت کو اختیار کرنا"، کسی حدیث میں حکم دیا: "سوادِ اعظم کی پیروی کرنا" اور کسی حدیث میں تربیت فرمائی: "میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا"۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر دَور میں اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت "اہلِ سنت و جماعت" کے نظریات پر قائم رہی اور اب بھی اِنہی نظریات پر قائم ہے۔

اِس اُمّت کا یہ اعزاز ہے کہ دینِ اسلام کی رونق کو قیامت تک باقی رکھنے اور باطل پرستوں کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ربِّ کریم ہر صدی میں ایسے علمائے ربّانیّین / خدّامِ دین پیدا فرماتا ہے جو قرآن و سنت کا علم عام کرتے ہیں، عقائدِ حقّہ کو خوب پھیلاتے ہوئے گمراہی کا خاتمہ کرتے ہیں اور سنت کو فروغ دے کر بدعات کو مٹاتے ہیں۔

گزشتہ صدی میں خالقِ کائنات نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان ماتُریدی حنفی قادری رحمۃ اللہ علیہ کو دین کی رونق دوبالا کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ نے توفیقِ الٰہی سے اپنے دَور میں پیدا ہونے والے ہر طرح کے فتنوں کا مقابلہ کیا... تقدیسِ اُلوہیت کا فریضہ بھی انجام دیا... تحفّظِ عقیدۂ ختمِ نبوّت کے لیے بھی علمی جہاد کیا... ناموسِ رسالت کی بھی خوب حفاظت کی... صحابہ و اہلِ بیت کا بھی دفاع کیا.... بلکہ اپنے دَور کے تمام مذہبی و سیاسی فتنوں کے خلاف ایسا علمی کام کیا کہ آج بھی اُمّت اُس سے بے نیاز نہیں۔

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: «اِلْزَمُوْا هٰذِهِ الطَّاعَةَ وَالْجَمَاعَةَ، فَإِنَّهُ حَبْلُ اللّٰهِ الَّذِيْ أَمَرَ بِهِ... (رواه الإمام الحاكم في المستدرك، رقم الحديث: 8663، وقال: حديث صحيح على شرط الشيخين، وأقره على ذلك الذهبي)

25 صفر المظفر ۱۳۴۰ھ (1921ء) کو آپ کا وصالِ مبارک ہوا۔ یومِ وصال کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں "فکرِ رضا" سے متعلق چند باتوں کا تذکرہ کیا گیا، جن کا خلاصہ یہ ہے:

⟸ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ مسلکی اعتبار سے "سُنّی ماتُریدی" اور فقہی اعتبار سے "حنفی" ہیں، غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے سلسلۂ طریقت کی نسبت سے آپ کو "قادری" اور وطن کی وجہ سے "بریلوی" کہا جاتا ہے۔

⟸ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کوئی نیا عقیدہ و مسلک ایجاد نہیں کیا، بلکہ اُنہی عقائدِ اہلِ سنت و جماعت کا پرچار کیا ہے جو قرآن و سنت کی صحیح ترین تعبیر اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کا نچوڑ ہیں۔

⟸ جیسے دُنیا بھر میں قرآنِ حکیم کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی قراءت کو "قراءتِ عاصم" اِس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت امام عاصم بن ابو النَّجُود رحمۃ اللہ علیہ نے اِسے خوب اچھی طرح محفوظ کر کے ہم تک پہنچایا ہے، اِسی طرح اہلِ سُنّت و جماعت کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے "سُنّی بریلوی" صرف اِس لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ نے عقائدِ اہلِ سُنّت کی بہترین تشریح فرمائی ہے۔

⟸ "فکرِ رضا" عقائدِ اہلِ سنت و جماعت کا ہی دوسرا نام ہے، یہ کوئی نئی فکر نہیں ہے۔

⟸ جس طرح تجارت میں جعل سازی اور دھوکا دہی سے بچنے کے لیے تجارتی نشان، یعنی برانڈ کو چیک کیا جاتا ہے، اِسی طرح عقائد میں فریب کاری سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ "فکرِ رضا" کو اختیار کیا جائے۔ ہر شخص تجارت کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا، یوں ہی ہر شخص کو قرآن و سنت کی مہارت نہیں ہوتی۔ اگر بزرگوں کی تشریحات کو معیار نہ بنایا جائے تو بھٹکنے کا قوی امکان ہوتا ہے۔

⟸ جس گھر کے گرد حفاظتی پہرا ہو اُسے لوٹنا مشکل ہوتا ہے، جب کہ سکیورٹی نہ ہو تو گھر کو بہت آسانی سے لوٹا جا سکتا ہے... اِسی طرح اگر عقائد پر "فکرِ رضا" کا پہرہ ہو تو ایمان کے لُٹیروں کے لیے اپنا کام کرنا مشکل ہوتا ہے، جب کہ کوئی شخص اپنے بھولے پن کی وجہ سے یہ سمجھے کہ مجھے اعلیٰ حضرت یا دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم کی ضرورت نہیں، مَیں خود قرآن و سنت پر عمل کر سکتا ہوں تو فتنہ پروروں کے لیے اُسے پھنسانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

شرعی مسئلہ: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں داڑھی منڈوانا حرام نہیں، اگر کوئی داڑھی شریف نہیں رکھتا یا ایک مٹھی سے کم رکھتا ہے تو بھی وہ گناہ گار نہیں ہے۔

آپ نے جواب میں ایک رسالہ لُمْعَۃُ الضُّحٰی فِیْ اِعْفَاءِ اللِّحٰی تحریر فرمایا، جس میں 18 آیاتِ مبارکہ، 72 احادیثِ طیبہ اور 60 ارشاداتِ علما ذکر کر کے ثابت کیا کہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، اِس سے کم کرنا یا منڈوا دینا حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔

(فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:607 تا 677)

یکم ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ/06 ستمبر 2024ء

نظریاتی اور زمینی سرحدوں کی حفاظت...

اَہمّ ایمانی تقاضا

مشمولات

- پاکستان کی نظریاتی و زمینی سرحدیں
- سرحدوں کی حفاظت... ایمانی تقاضا
- یومِ دفاعِ پاکستان... جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کی یادگار
  - جنگِ ستمبر 1965ء میں اہلِ پاکستان کے ایمانی جذبات
- یومِ تحفّظِ ختمِ نبوّت... نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی یادگار
  - تحریکِ ختمِ نبوّت کی چند ایمان افروز یادیں
  - کیک پر اسمائے مقدسہ وغیرہ لکھ کر اُسے کاٹنا خلافِ ادب ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔ [اٰلِ عمران 200:3]

ہر ملک اور ریاست کا ایک زمینی / جغرافیائی کنارہ ہوتا ہے جہاں وہ ملک اور ریاست اختتام پذیر ہوتی ہے، اِس کنارے کو "زمینی سرحد" یا "جغرافیائی سرحد" (بارڈر / Border) کہا جاتا ہے۔ دُنیا کے نقشے میں ممالک کی سرحدوں (Borders) کو مختلف رنگوں کے ذریعے نمایاں کیا جاتا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اگر کسی ملک کی بنیاد خاص نظریہ پر قائم ہو، اُس ملک کو بنانے کا مقصد کسی خاص نظریہ کی تکمیل ہو تو وہ نظریہ اُس ملک کی "نظریاتی سرحد" قرار پاتا ہے۔

زمینی اعتبار سے پاکستان کے آخری کنارے چار ممالک سے ملتے ہیں: چین، ایران، افغانستان اور بھارت... یہ پاکستان کی "جغرافیائی سرحدیں" ہوئیں جو پاکستان کے نقشے میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ پوری دنیا جانتی ہے کہ پاکستان کلمۂ طیّبہ کے نام پر قائم ہوا تھا، اِسے بنانے والوں کا نعرہ تھا "پاکستان کا مطلب کیا؟... لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه"، چنانچہ "اسلام" پاکستان کی "نظریاتی سرحد" ہے۔ اور یہ بات بھی سچ ہے کہ ریاستِ مدینہ منوّرہ کے بعد پاکستان ہی وہ خوش نصیب ریاست ہے جسے حاصل کرنے کا مقصد صرف اور صرف "اسلام" تھا؛ کہ اِس خطے کے لوگوں کو ایسا ملک مل جائے جہاں وہ آزادی کے ساتھ اسلامی نظام کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

ماہِ ستمبر کے ابتدائی ایّام پاکستانیوں کو اپنے وطن کی نظریاتی اور زمینی سرحدوں کی حفاظت کو مزید مضبوط بنانے کا پیغام دیتے ہیں:

- 06 ستمبر "یومِ دفاعِ پاکستان" ہے، 1965ء میں اِسی تاریخ کو بھارت نے پاکستان پر قبضے کے ارادے سے رات کی تاریکی میں حملہ کیا تھا، مگر جذبۂ جہاد سے سرشار پاکستانی افواج نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور عوام کے تعاون سے دشمن کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے اُس کا منصوبہ خاک میں ملا کر قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔
- 07 ستمبر "یومِ تحفظِ ختمِ نبوت" ہے، 1974ء میں اِسی تاریخ کو پاکستانی قومی اسمبلی نے تمام اراکین کے اتفاقِ رائے سے یہ بات آئین میں شامل کی تھی کہ نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے دجّال مرزا قادیانی کے تمام پیروکار کافر ہیں اور اُن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

آج ملک بھر میں یومِ دفاعِ پاکستان قومی جذبہ کے ساتھ منایا جارہا ہے، یہ موقع دشمنانِ پاکستان کے لیے پیغام ہے کہ وہ اِس وطن کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کریں؛ ہماری جرأت مند افواج آج بھی وطن کی زمینی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مکمل طور پر تیار ہیں۔

کل "یومِ تحفظِ ختمِ نبوّت" کو ایمانی جذبات کے ساتھ قانونِ ختمِ نبوّت کی گولڈن جوبلی کے طور پر منایا جائے گا اور دشمنانِ دین کو پیغام دیا جائے گا کہ غلامانِ مصطفیٰ وطن کی نظریاتی سرحدوں پر پہرا دینے کے لیے آج بھی مستعد ہیں اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں نظریاتی اور زمینی سرحدوں کی حفاظت سے متعلق کچھ گفتگو کی جائے گی۔

سرحدوں کی حفاظت... ایمانی تقاضا

ہر ملک کی فوج اپنے وطن کی زمینی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے اور اِسے اپنا قومی فریضہ وپیشہ ورانہ ذمہ داری سمجھتی ہے، مگر مسلمان افواج کا یہ طُرّۂ امتیاز ہے کہ وہ اسلامی ملک کی سرحدوں کی پاسبانی محض قومی فریضہ یا پیشہ ورانہ ذمہ داری سمجھ کر نہیں کرتیں، بلکہ ایمانی تقاضا سمجھ کر کرتی ہیں؛ کیونکہ سرحدوں کی نگہبانی کا حکم ربِّ کریم نے دیا ہے اور جانِ عالَم ﷺ نے اِس کی فضیلت میں ایسی خوش خبریاں عطا فرمائی ہیں کہ اُنھیں سن کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور دل مچل کر آرزو کرتا ہے کہ کاش مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہو! اور مَیں بھی مسلمانوں کا پہرا دیتے ہوئے جان دے کر جنت میں شہیدوں کا پڑوسی بن جاؤں!

فتحِ مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ ہَوازِن نامی قبیلہ سے جہاد کے لیے حُنَین کی طرف تشریف لے گئے، دن بھر سفر جاری رہا، رات کو ایک جگہ قیام فرمایا تو کسی سوار نے آکر رپورٹ دی کہ مخالفین بہت بڑی تعداد میں اپنے تمام تر اموال کے ساتھ لڑائی کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔ سیدنا سہل بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول نبیِ کریم ﷺ کے چہرۂ مبارک پر تبسّم کا نور چمک اُٹھا اور آپ ﷺ نے اگلے دن کی صورتِ حال پہلے سے بیان کرتے ہوئے فرمایا: «تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ۔» یعنی "اِن شاء اللہ تعالیٰ کل یہ سب کچھ بطورِ مالِ غنیمت مسلمانوں کو مل جائے گا۔" پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ يَحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ؟» "آج رات ہماری پہرا داری کون کرے گا؟" سیدنا اَنَس غَنَوِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! مَیں یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اُنھیں چوکس رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے گھاٹی کی بلندی پر چڑھ کر پہرا داری کا حکم فرمایا۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ شدّت سے سیدنا اَنَس غَنَوِی رضی اللہ عنہ کا انتظار فرمانے لگے، حتّٰی کہ نماز باجماعت ادا فرمانے کے بعد آپ نے خود ہی اُن کے آنے کی خوش خبری دی۔ جب وہ پہنچے تو اُنھوں نے سلام کہا اور تمام تر صورتِ حال عرض کر دی۔ نبیِ کریم ﷺ نے پوچھا: «هَلْ نَزَلْتَ اللَّيْلَةَ؟» "کیا تم گزشتہ رات کو (اپنے گھوڑے سے) نیچے اُترے تھے؟" اُنھوں نے عرض کی: حضور! صرف نماز اور قضائے حاجت کے لیے اُترا تھا (باقی تمام رات آپ کے حکم کی تعمیل میں پہرا داری کرتے ہوئے گھوڑے پر گزاری ہے)۔ جانِ عالَم ﷺ نے اُنھیں داد و تحسین اور خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا: «قَدْ أَوْجَبْتَ، فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَّا تَعْمَلَ بَعْدَهَا۔»[1] یعنی "تمہارے لیے جنت لازم ہو گئی، اِس عمل کے بعد اگر تم نفلی عبادات نہ بھی کرو تو کوئی حرج نہیں۔" (سننِ ابوداؤد، حدیث: 2501)

اِس بشارت سے اُن جوانوں کے مقام سے متعلق سوچیے جو رِضائے اِلٰہی کے لیے جو صبح شام سرحدوں کی نگہبانی کر رہے ہیں!

---

[1] فَلَا عَلَيْكَ) أَيْ: لَيْسَ عَلَيْكَ حَرَجٌ (فِيْ أَنْ لَّا تَعْمَلَ) أَيْ: مِنَ النَّوَافِلِ وَالْفَضَائِلِ (بَعْدَهَا) أَيْ: بَعْدَ هٰذِهِ الْخَصْلَةِ الَّتِيْ فَعَلْتَهَا؛ فَإِنَّهُ قَدْ حَصَلَ لَكَ فَضِيْلَةٌ كَافِيَةٌ۔ (مرقاة المفاتيح، تحت الحديث: 5932)

زمینی سرحدوں کے ساتھ ساتھ "نظریاتی سرحدوں" کی پاسبانی بھی اہم ایمانی تقاضا ہے، بلکہ یہ جغرافیائی سرحدوں کی پہرا داری سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے؛ کیونکہ جب نظریاتی ملک کا قیام "نظریہ" کی بنیاد پر ہے تو اُس کی بقا تبھی ممکن ہے جب نظریہ باقی رہے۔

نظریہ پر پہرا دینے کی اعلیٰ مثال خلیفۂ اول بلا فصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قائم فرمائی۔ آپ نے خلافت سنبھالتے ہی مشکل ترین حالات میں منکرینِ ختمِ نبوّت کا بھی خاتمہ کیا اور زکوٰۃ کی فرضیت تسلیم نہ کرنے والوں سے بھی جہاد فرمایا، یہ لوگ ریاست کے باغی نہیں تھے، بلکہ نظریۂ ریاست کے باغی تھے۔ آپ کے اِس فیصلے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیامت تک کے لیے اسلامی نظریات بھی محفوظ ہوگئے اور اِن دشمنانِ اسلام کے خاتمہ سے مستقبل میں ریاستِ مدینہ کی زمینی سرحدیں بھی اتنی وسیع ہوئیں کہ دُنیا کی دو بڑی طاقتیں: "ایران" اور "روم" مسلمانوں کے سامنے ڈھیر ہوگئیں۔

متعدد آیاتِ کریمہ اور احادیثِ طیّبہ کے ساتھ ساتھ یارِ غار و مزار رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بھی تربیت کرتا ہے کہ جہاں ریاستِ اسلامیہ کی زمینی سرحدوں کی نگہبانی کرنا مسلم حکمرانوں اور سپہ سالاروں کا مذہبی و منصبی فریضہ ہے وہاں نظریاتی سرحدوں پر پہرا دینا بھی اُن کی اہم ایمانی و قومی ذمہ داری ہے۔

اللہ کرے کہ ہمارے حکمران اور سپہ سالار اپنی اِن دونوں ذمہ داریوں کا ادراک بھی کریں اور اِنھیں پورا بھی کریں!

یومِ دفاعِ پاکستان... جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کی یادگار

چھ ستمبر کی تاریخ خصوصًا اہلِ پاکستان کے لیے ناقابلِ فراموش ہے؛ کیونکہ 1965ء میں اِسی تاریخ کو وہ جنگ ہوئی جس کا تذکرہ ایمان افروز بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ پاکستان کے دشمن ہمسایہ ملک بھارت نے وطنِ عزیز پر حملہ کیا اور صورتِ حال یہ تھی کہ:

- کوئی پیشگی اطلاع نہیں دی گئی، بلکہ رات کی تاریکی میں اچانک حملہ کیا گیا۔
- حملہ آور فوج کی تعداد پاکستانی فوج کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ تھی۔
- چڑھائی کرنے والوں کے پاس اسلحہ اور دفاعی قوّت بھی اِس قدر تھی کہ اُنھیں اپنی پسپائی کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔
- دھاوا اتنا سخت تھا کہ لاہور پر بیک وقت تین اطراف سے حملہ کیا گیا۔ نیز لاہور سے توجّہ ہٹانے کے لیے سیالکوٹ پر بھی 600 ٹینکوں کے ذریعے حملہ کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی تھی۔

سنگین حالات کے باوجود پاک آرمی، فضائیہ اور بحریہ نے اپنے اپنے دائرۂ کار میں بہادری و جاں نثاری کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں اور نہ صرف حملے کو تمام محاذوں پر پسپا کیا، بلکہ بڑی تعداد میں دشمن کے طیارے بھی تباہ کیے، ٹینکوں کو بھی اُڑایا اور اپنے قبضے میں لیا، بھاری جانی نقصان بھی پہنچایا اور دُنیا بھر کے سامنے ذلیل و رُسوا بھی کیا۔

کوئی بھی حقیقت پسند تاریخ دان اِس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ اِس جنگ میں کامیابی کا اصل سبب اسلحہ وطاقت نہیں، بلکہ فوج اور قوم کا "ایمانی جذبہ" تھا۔ اِس ایمانی جذبہ کی برکت سے ایسی غیبی مدد نصیب ہوئی کہ فقط ہمارے ہی نہیں، بلکہ بھارتی فوجی بھی محسوس کر رہے تھے کہ پاکستانی فوج کو ایسی خفیہ طاقت کی مدد حاصل ہے جو ہمیں نظر نہیں آ رہی... اور وہ طاقت ربِّ کریم کی تائید ونُصرت تھی۔[1]

ایمانی جذبات کا اندازہ لگانے کے لیے چند باتیں پیشِ خدمت ہیں:

- جنگ چھڑنے کے بعد فیلڈ مارشل ایوب خان نے اپنی تقریر میں کہا تھا: "پاکستانیو! اُٹھو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا وِرد کرتے ہوئے آگے بڑھو اور دشمن کو بتادو کہ اُس نے کس قوم کو للکارا ہے!" اِن الفاظ نے قوم میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔
- بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی زبانوں پر یہ ترانہ تھا: "اے مردِ مجاہد جاگ ذرا... اب وقتِ شہادت ہے آیا"۔
- ایمانی جذبات کی اِس سے زیادہ حسین مثال کیا ہوگی کہ ٹینکوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے اور کوئی ذریعہ کارگر محسوس نہ ہوا تو جوان اپنے جسموں پر بم باندھ کر ٹینکوں کے آگے لیٹ گئے تھے اور دشمن کا راستہ روکا تھا۔
- یہ مذہبی جذبات ہی تو تھے کہ مائیں اور بہنیں، جو محاذ پر نہیں جاسکتی تھیں، وہ گھروں میں مصلّوں پر بیٹھ کر مجاہدین کی کامیابی و استقامت کے لیے دُعائیں کر رہی تھیں۔
- ایک زخمی فوجی کو اسٹریچر پر علاج کے لیے لایا گیا تو وہ بار بار حسرت بھرے لہجے میں یہ کہہ رہا تھا: افسوس مَیں اپنی ماں سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کر سکا! مَیں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ مَیں سینے پر گولی کھا کر شہادت پاؤں گا۔ جب فوجی ڈاکٹر نے اُس کا آپریشن کیا تو پتا چلا کہ اُس کے پیٹ کے نچلے حصہ پر گولی لگی جو جسم کو چیرتی ہوئی سینے تک پہنچ گئی تھی اور اُس جوان نے اپنی آرزو کے مطابق اِسی سینے تک پہنچنے والی گولی سے شہادت پائی تھی۔ یہ جذبہ کسی کافر میں ممکن ہی نہیں۔
- پاک فوج کے جوانوں کا جذبۂ جہاد ایسا مثالی تھا کہ ایک فوجی کی دونوں ٹانگیں شیل لگنے کی وجہ سے کٹ چکی تھیں، بوٹ اُس کے ساتھ لٹک رہے تھے، جسم سے تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا اور نڈھال ہونے کے باوجود اُس کی زبان پر یہی الفاظ تھے: اے اللہ! میرے پاکستان کی حفاظت کرنا!
- وارڈ میں داخل بیمار فوجیوں کو خبر ملی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے تو وہ اپنے بستروں سے اُٹھے، اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور آرڈر کا انتظار کیے بغیر سامان اُٹھا کر اپنی اپنی یونٹ کی طرف چل پڑے، ان کی زبانوں پر بار بار یہ الفاظ جاری ہوتے تھے: یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے، ہم نے جانا ہے، ہم نے کشمیر کا بدلہ لینا ہے۔[2]

اگر ہم نے اپنے اندر یہ جذبات بیدار کیے تو یومِ دفاعِ پاکستان منانے کا حق ادا کر دیا، ورنہ سب کچھ رسمی اور خانہ پُری ہے۔

---

[1] اِس حوالے سے شیخ الحدیث مفتی محمد فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کی کتاب "پیر پیغمبر، چھ ستمبر" کا مطالعہ مفید ہے۔

[2] دیکھیے: "چھ ستمبر، نہ بھولنے والی کہانی... بریگیڈیئر (ر) نصرت جہاں سلیم کی زبانی"، مشمولہ در مجلہ "ہلال" [افواجِ پاکستان کا مجلہ]، ستمبر 2014ء

یومِ تحفّظِ ختمِ نبوّت... نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی یادگار

سات ستمبر کا دن بھی ہماری تاریخ کا اہم حصہ ہے؛ 1974ء کو اِسی روز ہزاروں غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کی قربانیاں رنگ لائیں اور پاکستان کی قومی اسمبلی نے آئینی طور پر قادیانیوں کو کافر قرار دے کر ملک کی "نظریاتی سرحد" کو مضبوط بنایا۔ تحفظِ ختمِ نبوّت کی خاطر خدمات انجام دینے والوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے ہر سال 07 ستمبر "یومِ تحفّظِ ختمِ نبوّت" کے طور پر منایا جاتا ہے اور اِس سال یہ دن قانونِ ختمِ نبوّت کے پچاس سال (1974-2024ء) پورے ہونے پر گولڈن جوبلی کے طور پر منایا جارہا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے ہی غلامانِ مصطفیٰ ﷺ مختلف حکومتوں کو قادیانیوں کے بارے میں اپنے تحفّظات سے آگاہ کرتے رہے، اِس سلسلے میں 1953ء کو ایک بہت بڑی تحریک بھی چلی، جسے وقتی طور پر مارشل لاء کے ذریعے دبا دیا گیا۔ 1974ء میں دوبارہ اِس تحریک کو عروج اُس وقت ملا جب قادیانی غنڈوں نے ختمِ نبوّت کے حق میں نعرے بازی کی وجہ سے 29 مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر بدترین تشدد کیا۔ واقعہ کے بعد ملک بھر میں تشویش پھیل گئی، تمام مکاتبِ فکر نے مشترکہ طور پر "مرکزی مجلسِ عمل تحفّظِ ختمِ نبوّت" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، جس کے جنرل سیکرٹری مفتیٔ اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد قادری (قائدِ تحریکِ ختمِ نبوّت 1953ء) کے شہزادے علامہ سید محمود احمد رضوی علیہما الرحمہ منتخب ہوئے۔ نائب صدر علامہ عبد الستار خان نیازی علیہ الرحمہ تھے۔ مجلسِ عمل کے تین اُصولی مطالبات تھے:

1) قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔
2) ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور ریاستِ پاکستان کے اندر قادیانی ریاست کو ختم کیا جائے۔
3) اہم قومی عہدوں سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے۔

حکومت نے پہلے پہل اِس تحریک کو طاقت سے دبانے کی کوشش کی، مگر جب حالات بے قابو ہوتے نظر آئے تو اُس وقت کے وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ 30 جون کو یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا، اسمبلی کے فیصلے پر سب عمل کریں گے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر جمعیت علمائے پاکستان کے صدر و پارلیمانی لیڈر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ نے 37 اراکین کی تائید سے اسمبلی میں یہ قرارداد پیش کی کہ مرزا قادیانی کے تمام پیروکاروں کو کافر قرار دیا جائے۔

قومی اسمبلی نے 03 جولائی کو 12 ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی، جسے سول عدالت، درجہ اول کے اختیارات دیے گئے۔ اِس کمیٹی نے معاملے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر فیصلہ کرنا تھا۔ اُس وقت کے قادیانیوں کے گُرو مرزا ناصر کو بھی کمیٹی کے سامنے آکر اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ پارلیمنٹ کے ممبر سُنّی علمائے کرام: علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، علامہ محمد عبد المصطفیٰ الازہری، مولانا سید محمد علی رضوی، مولانا محمد ذاکر اور دیگر علما اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کو سوالات تیار کر کے دیتے، وہ مرزا ناصر سے پوچھتا، جواب میں

لاجواب ہو کر ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں مرزا پسینے سے شرابور ہو جاتا اور کئی گلاس پانی پیتا۔ اُس نے کمیٹی کے سامنے تسلیم کیا کہ ہمارے عقیدے کے مطابق مرزا قادیانی نبی ہے اور ہم اُن تمام لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جو مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتے۔ یوں کمیٹی کے اراکین کو بھی اِس بات کا احساس ہو گیا کہ علامہ نورانی درست فرماتے ہیں اور قادیانی واقعی اسلام کے اور ملکِ پاکستان کے دشمن ہیں۔

کمیٹی نے اپنی سفارشات مرتّب کیں، دوسری طرف علامہ نورانی اور دیگر قائدین نے وزیرِ اعظم بھٹو کو قائل کیا کہ اب ملک میں امن کا ایک ہی راستہ ہے کہ قادیانی دجّالوں کی آئینی حیثیت بھی وہی مقرر کی جائے جو قرآن وحدیث میں ہے اور جو یمامہ میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمائی تھی، بالآخر وزیرِ اعظم کو مسئلہ کی نزاکت کا اِحساس ہو گیا اور وہ آئین میں ترمیم پر رضامند ہوئے۔

چنانچہ 07 ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا اور اسپیکر نے رائے شماری کے بعد اعلان کیا کہ قرارداد کے حق میں 130 ووٹ ڈالے گئے ہیں، جب کہ مخالفت میں ایک بھی ووٹ نہیں آیا؛ لہٰذا دُستورِ پاکستان میں ترمیم منظور کی جاتی ہے اور آئینِ پاکستان کے مطابق قادیانی کافر ہیں۔ چند گھنٹوں بعد ایوانِ بالا (سینٹ) نے بھی اِس ترمیم کی منظوری دے دی۔

یہ آئینی ترمیم راتوں رات نہیں ہوئی، بلکہ اِس کے لیے بے شمار قربانیاں دی گئیں۔ چند ایمان افروز باتیں پیشِ خدمت ہیں:

⟸ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ نے 30 جولائی کو جو قرارداد پیش کی تھی، اُس میں مرزا قادیانی کا نام لے کر اُس کے تمام ماننے والوں کو کافر قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا، چاہے وہ مرزا کو نبی مانتے ہوں یا مذہبی راہ نما۔ علامہ نورانی کے ایک جاننے والے نے اُنھیں اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی، آپ وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں۔ صاحبِ خانہ نے بتایا کہ یہ قرارداد کے حوالے سے آپ کے ساتھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ قرارداد سے مرزا اور قادیانیوں کا نام نکال دیں، بس "منکرینِ ختمِ نبوّت" کا لفظ لکھ دیں... ساتھ میں ایک بریف کیس کی طرف اِشارہ کیا کہ اِس میں (کم وبیش) ایک کروڑ روپیہ ہے اور یہ آپ کے لیے ہے۔ علامہ نورانی علیہ الرحمہ کا جواب سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے، فرمایا: مجھے دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی بھاری قیمت اور اِس قدر بڑا اِنعام مل چکا ہے جس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا (اُس کے مقابلے میں تمہارے ایک کروڑ کی کوئی حیثیت نہیں)۔ مزید فرمایا: تم نے یہ سوچا کیسے کہ تم نورانی کو خرید سکتے ہو؟ پھر ڈانٹتے ہوئے فرمایا: اگر تم میرے مکان میں ہوتے تو مَیں دوسرے طریقے سے نکالتا، لیکن اِس وقت مَیں کسی اور کے گھر میں ہوں، بہر حال میری آنکھوں سے فوراً دُور ہو جاؤ اور آئندہ نورانی کو خریدنے کی سوچ بھی ذہن میں نہ لانا۔[1]

⟸ قرارداد پیش ہونے کے بعد وزیرِ اعظم بھٹو اور اسپیکر فاروق خان نے علامہ نورانی سے کہا: کسی کو کافر قرار دینا مفتیوں کا منصب ہے، یہ دینی مدرسہ کا کام ہے، اِسے قومی اسمبلی میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ یوں تو قومی اسمبلی مجلسِ مناظرہ بن جائے گی! آپ نے فرمایا:

---

[1] علامہ نورانی علیہ الرحمہ نے یہ واقعہ خود بیان فرمایا تھا، تقریر سوشل میڈیا پر موجود ہے۔

آپ ملک کے منتخب وزیرِ اعظم ہیں، اگر کوئی شخص آپ کے مقابلے میں کہے کہ مَیں وزیرِ اعظم ہوں تو اُسے پاگل کہا جائے گا، اگر وہ لوگوں کو ساتھ ملا کر جتّھا تیار کر لے تو اُس کے خلاف بغاوت کا مقدمہ بنے گا، ایسا نہ کیا گیا تو ملک میں انتشار ہو گا۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ نے تاجِ ختمِ نبوّت ہمارے آقا کریم ﷺ کے سر پر سجایا ہے، اگر کوئی بدنصیب آپ کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرے تو وہ بھی باغی ہے اور اسلامی حکومت اُس کے لیے وہی فیصلہ کرے گی جو سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے یمامہ میں کیا تھا۔ (تحریکِ ختمِ نبوّت:516،517)

⟸ قادیانیوں کا گُرو مرزا ناصر اپنے دفاع کے لیے 180 صفحات پر مشتمل محضر نامہ (مصدّقہ دستاویز) اسمبلی میں لایا، اسمبلی کی عمارت چاروں طرف سے بند اور ائیر کنڈیشنڈ ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی رکنِ اسمبلی کی گفتگو کے دوران اُوپر سے کوئی چیز آ گری ہو، لیکن جب مرزا ناصر نے اپنی گفتگو شروع کی تو اُوپر سے کسی پرندے کا غلاظت سے لتھڑا ہوا پَر اُس کی دستاویز پر آ گرا، جس سے وہ محضر نامہ گندگی سے بھر گیا۔ اُس نے پریشان ہو کر کہا: I am disturbed اور اراکینِ اسمبلی اُس کا تماشا دیکھنے لگے۔ یہ خاتم النبیین ﷺ کا معجزہ تھا جس کے ذریعے اراکین پر واضح کیا گیا کہ یہ جو کچھ لکھ کر لایا ہے، سب غلاظت پر مبنی ہے۔

(قومی اسمبلی میں قادیانیت پر آخری ضرب، پروفیسر سید شاہ فرید الحق۔ تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت، محمد احمد ترازی، ص:529، افق پبلی کیشنز)

⟸ آئینی ترمیم کے بعد علامہ نورانی علیہ الرحمہ جب کراچی واپس پہنچے تو آپ کی والدہ مکمل پردے میں استقبال کے لیے ریلوے اسٹیشن تشریف لائیں۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق والدہ کے پاؤں چومے تو اُنھوں نے فرمایا: بیٹا! مَیں نے تمھیں اِسی مقصد کے لیے پالا تھا، تم نے نبیِ کریم ﷺ کے دشمنوں کو قانونی طور پر کافر قرار دلوا کر اپنے والد کا مشن پورا کیا ہے، آج مَیں تم سے بہت خوش ہوں۔ (وہ یہ بھی فرماتی تھیں) مجھے یقین ہے کہ تمہارے عظیم والد شاہ عبد العلیم صدیقی جنت البقیع میں تمہاری کامیابی پر نازاں ہوں گے۔

(تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت... سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے علامہ شاہ احمد نورانی تک، ص:576،577)

⟸ 1953ء کی طرح 1974ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت کے دوران بھی غلامانِ مصطفیٰ ﷺ نے عظیم قربانیاں دیں... ختمِ نبوّت کے حوالے سے تقریریں کرنے پر سینکڑوں علماء و مشائخ کو گرفتار کر کے جیلوں میں اذیتیں دی گئیں... ملک بھر میں دفعہ 144 نافذ کر دی گئی؛ تاکہ عوامی جلسے جلوس نہ ہو سکیں... لاؤڈ اسپیکر پر پابندی لگائی گئی... اخبارات کو لفظِ "ختمِ نبوّت" لکھنے اور چھاپنے سے روک دیا گیا... اقلیت قرار دینے کا اُصولی مطالبہ کرنے والے پُرامن شہریوں پر لاٹھی چارج، آنسو گیس، بلکہ گولیاں تک چلائی گئیں... تین ماہ (جون تا اگست) یہ سلسلہ جاری رہا، مگر غلامانِ خاتم النبیّین ﷺ اپنے مشن سے پیچھے نہیں ہٹے... اسمبلی میں علامہ نورانی اور اسمبلی سے باہر عوام مسلسل کوشش کرتے رہے... بالآخر قربانیاں رنگ لائیں اور حکومت آئینی ترمیم پر تیار ہو گئی۔ (قادیانیت پر آخری ضرب)

⟸ قومی اسمبلی کے اِس فیصلے کے بعد مختلف مقامات سے تعلّق رکھنے والے 50,000 قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔ علامہ نورانی فرمایا کرتے تھے: اگر اِس کی مزید مؤثر طریقے سے تشہیر کی جاتی (اور کمیٹی کے سامنے مرزا ناصر نے جو باتیں کی تھیں اُنھیں عام کیا جاتا) تو باقی ماندہ قادیانی بھی اسلام قبول کر لیتے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 20 دسمبر 1974ء۔ تحریکِ ختمِ نبوّت، ص:573)

حرفِ آخر... یومِ دفاعِ پاکستان و یومِ تحفّظِ ختمِ نبوّت اور ہماری ذمہ داریاں

"زمینی سرحدیں" تو ہر ملک کی ہوتی ہیں؛ کیونکہ ہر ملک کا ایک آخری کنارہ (بارڈر/Border) ہوتا ہے... پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ اِس کی "نظریاتی سرحد" بھی ہے؛ کیونکہ یہ وطن کلمۂ طیّبہ کے نام پر حاصل کیا گیا اور اِسے بنانے والوں کا یہی مقصد تھا کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے ایک آزاد ریاست مل جائے۔

مسلم افواج سرحدوں کی نگہبانی فقط منصبی فریضہ اور پیشہ ورانہ ذمہ داری سمجھ کر نہیں، بلکہ ایمانی تقاضا سمجھ کر کرتی ہیں۔

ربِّ کریم نے سرحدوں کی پاسبانی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ "اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور (اسلامی) سرحدوں کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" [اٰلِ عمران 200:3]

نبیِ کریم ﷺ اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے اُسوۂ مبارکہ سے اِس آیت کی عملی تفسیر ہوتی ہے کہ "حفاظت کرنے" کے حکم میں "زمینی سرحدیں" بھی شامل ہیں اور "نظریاتی سرحدیں" بھی۔ جغرافیائی سرحدوں کی نگہبانی ضروری ہے اور نظریاتی سرحدوں کی پاسبانی بے حد ضروری ہے؛ کیونکہ نظریاتی ملک کی بقا تبھی ہوگی جب نظریہ باقی رہے گا۔

"یومِ دفاعِ پاکستان" ہمیں زمینی سرحدوں کی حفاظت پختہ تر بنانے کا پیغام دیتا ہے۔ 1965ء میں اِسی تاریخ کو پاکستانی افواج نے اچانک دھاوا بولنے والی طاقت وَر بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوائے تھے اور اسلامی ریاست کی حفاظت کے لیے کٹ مرنے کی نئی داستان رقم کی تھی۔ اِس دن کی مناسبت سے:

⟸ ہمیں جذبۂ جہاد کو بیدار کرنا چاہیے؛ کیونکہ دُنیا جانتی اور مانتی ہے کہ جنگِ ستمبر میں پاکستان کی کامیابی اسلحہ اور افرادی قوّت کی بنیاد پر نہیں تھی، بلکہ ایمانی جذبات کی برکت سے تھی۔

⟸ ایمانی جذبات سے دلوں کو آباد کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ قومی تقریبات کے نام پر مَرد و خواتین کے مخلوط اجتماعات ہوں یا میوزک کے ذریعے خواہشِ نفس کی تسکین کی جائے، بلکہ ایمانی جذبات کو پروان چڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت پر عمل کی حوصلہ افزائی کی جائے، نیز نئی نسل کو نبیِ کریم ﷺ اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے جہاد کے واقعات سے آگاہ کیا جائے۔

⟸ اِس جنگ میں کئی ایسے واقعات رُونما ہوئے تھے جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ربِّ کریم کی طرف سے پاک فوج کو غیبی مدد حاصل تھی۔ قرآنِ حکیم کے مطابق جو دین کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اُس کی مدد فرماتا ہے اور اُسے ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔ [محمد 47:7]

چنانچہ ہمیں وطنِ عزیز میں عملی طور پر اسلامی نظام کو نافذ کرنا چاہیے؛ تاکہ نُصرتِ الٰہی سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

07 ستمبر "یومِ تحفّظِ ختمِ نبوّت" ہمیں نظریاتی سرحدوں پر پہرا دینے کی ترغیب دلاتا ہے۔ 1974ء میں اِسی تاریخ کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے دستورِ پاکستان میں ترمیم کرتے ہوئے یہ قرار دیا تھا کہ آئینی طور پر قادیانی کافر ہیں اور اُن کا اسلام سے کوئی تعلّق نہیں۔

اِس دن کی مناسبت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ:

⇐ اپنی بساط کے مطابق عقیدۂ ختمِ نبوّت کو مزید عام کریں کہ دُنیا میں انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ والتَّسْلِیْمَات کی آمد کا سلسلہ، جو سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والتَّسْلِیْمَات سے شروع ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے سیدِ عالم ﷺ کو سب سے آخر میں مبعوث فرما کر وہ سلسلہ آپ پر ختم فرما دیا۔ آپ ﷺ کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آیا ہے اور نہ ہی قیامت تک آسکتا ہے... نہ نئی شریعت والا آسکتا ہے، نہ آپ کی شریعت کا تابع بن کر۔

⇐ دُنیا کو باور کروائیں کہ قادیانی بدترین کافر ہیں؛ کیونکہ وہ اسلام کا نام لے کر کفر پھیلاتے ہیں اور خود کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں سے دشمنی کرتے ہیں۔ یہ سخت دھوکا ہے، اِسی وجہ سے قانونی طور پر اُنھیں اسلامی شعائر و اصطلاحات استعمال کرنے کی اِجازت نہیں۔

⇐ تجدیدِ عہد کریں کہ تحفّظِ عقیدۂ ختمِ نبوّت کے لیے ہر وقت تیار رہیں گے اور ضرورت پڑنے پر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

⇐ قادیانیوں کا مکمل معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کریں، نہ اُن سے میل جول رکھیں اور نہ ہی اُن کی مصنوعات استعمال کریں۔

⇐ سیاسی پارٹیوں سے وابستگی اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر تحفّظِ ختمِ نبوت کے لیے کام کرنے والی سُنّی تنظیمات سے تعاوُن کریں، اِس کارِ خیر کے لیے اپنا اثر و رُسوخ بھی استعمال کریں، نیز اپنا وقت اور مال بھی پیش کریں۔

سرحدوں کی حفاظت کی بات ہو تو حمّاس کے مجاہدین اور غزہ کی بہادر عوام کو خراجِ تحسین پیش نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ وہ جاں باز بیت المقدس اور سرزمینِ مقدّس کے تحفّظ کے لیے 40,000 سے زائد جانیں دے چکے ہیں، مگر اُنھوں نے اسرائیلی درندوں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ یہ استقامت اور ایمانی جذبہ اِن شاء اللہ تعالیٰ اسلام کی سربلندی اور اسرائیل کی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔

شرعی مسئلہ: کیک (Cake) پر نبیِ کریم ﷺ کا نامِ مبارک، کعبہ معظّمہ یا گنبدِ خضریٰ شریف کا نقشہ بنا کر اس پر چھری چلانا اور اُسے کاٹنا ادب کے خلاف ہے، اُس طرح لوگ کہیں گے: کیک کاٹنے والے نے گنبدِ خضریٰ یا کعبہ معظمہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا، ان کو کھالیا، معاذ اللہ۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جس طرح برے کام سے بچنا ضروری ہے، یوہیں برے نام و بُری نسبت سے بھی بچنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کی زمینی و نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے جانیں دینے والوں اور خدمات پیش کرنے والوں کے درجے بلند فرمائے اور اُنھیں اُن کی خدمات کا بہترین انعام عطا فرمائے۔ ربِّ کریم پاکستان کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھے، نظریۂ پاکستان کی حفاظت فرمائے اور اِسے تمام بحرانوں سے نجات عطا کرتے ہوئے حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے۔

خالقِ کریم اُمّت کو غزہ کے مظلوموں کے ساتھ عملی طور پر تعاون کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ!

۸ ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ/13 ستمبر 2024ء

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(پہلا حصہ)

مشمولات

- محبت کا تقاضا... تعظیمِ رسولِ کریم ﷺ
- جشنِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا حقیقی حُسن
  - سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مثالی جذبۂ تعظیمِ رسول ﷺ
  - دف کے ساتھ نعت شریف پڑھنے کا حکم
  - تعظیم سے لبریز ذکر اور تکریمِ حدیث
  - باادب دُرودِ پاک اور باادب حاضری
- محبت کا تقاضا... تذکرۂ حُسن و جمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ فَقَدِ اہۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا ہُمۡ فِیۡ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَکۡفِیۡکَہُمُ اللّٰہُ ۚ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۔ [البقرۃ2:137]

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی محبّت جانِ ایمان ہے... عشقِ رسول ﷺ جتنا زیادہ ہو ایمان اُتنا ہی کامل ہوتا ہے... اور خدانخواستہ اُلفتِ حبیب ﷺ میں کمی ہو تو ایمان میں ترقّی کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ جو کام سلیقے سے کیا جائے اُس کے فوائد جلد حاصل ہوتے ہیں اور دیرپا ہوتے ہیں، وہ تھوڑا بھی بہت ہوتا ہے... لیکن کام کا ڈھنگ نہ ہو تو زیادہ بھی کم ہوتا ہے اور کئی مرتبہ محنت بے کار ہو جاتی ہے۔

جانِ عالَم ﷺ سے پیار بھی سلیقے اور ڈھنگ کے ساتھ ہونا چاہیے... دل میں اُلفتِ رسول ﷺ کا دریا مَوج زن ہونا چاہیے، مگر ایسے کہ ربِّ کریم جلّ جلالہٗ بھی قبول فرمالے اور محبوبِ مکرّم ﷺ بھی نگاہِ کرم فرمادیں۔

سوال پیدا ہوا کہ محبتِ رسول ﷺ کا صحیح انداز کس سے سیکھیں؟ کس قرینے سے پریت نبھائیں کہ بارگاہِ الٰہی اور دربارِ مصطفوی میں قبول ہو جائے؟ جواب یہ ہے کہ کائنات میں سب سے زیادہ سچے اور سب سے بڑھ کر سچے عاشقانِ رسول ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں... یہ اعزاز اُنھیں ہی حاصل ہے کہ اُن کی اِطاعت و محبّت کو ربّ تعالیٰ نے قبولیت سے نواز کر اُن جیسا ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اور محبوبِ اکرم ﷺ نے متعدد مرتبہ اُن کی عقیدت و جاں نثاری کی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ قیامت تک جو شخص بھی محبتِ رسول ﷺ کا سلیقہ سیکھنا چاہے اُس کے لیے سب سے بڑھ کر آئیڈیل شخصیّات اور بہترین راہ نما صحابۂ کرام علیہم الرضوان ہیں۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی اپنے آقا کریم ﷺ کے ساتھ چاہت و وارفتگی کی داستانیں ایمان افروز بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔ اگر آج خود کو عاشقِ رسول ﷺ کہنے والے اُن کی سیرتوں کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ عشقِ رسول ﷺ سب سے بڑی سعادت و نعمت ہے، تاہم اِس کے تقاضے پورا کرنا اِتنا آسان نہیں جتنا ہم نے سمجھ لیا ہے۔

ماہِ میلاد "ربیع الاوّل" اپنے آقا کریم ﷺ کی اُلفت و چاہت کو چار چاند لگانے کا مہینہ ہے، سبھی مسلمان عیدِ میلاد النبی ﷺ کی مناسبت سے مختلف طریقوں کے ساتھ اِظہارِ محبت کرتے ہیں؛ لہٰذا اِس ماہِ پُرنور میں محبّت کو عروج تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

چنانچہ آئندہ چند خطباتِ جمعہ میں کوشش کی جائے گی کہ محبتِ رسولِ کریم ﷺ سے متعلق صحابۂ ذی شان علیہم الرضوان کی سیرتوں سے حاصل شدہ کچھ اُصولوں کا ذکر کیا جائے؛ تاکہ ہم اُنھیں اپنی زندگی کا حصہ بنا کر اپنی چاہت کو بہترین طریقے سے ترقّی دے سکیں... اور کاش کہ وہ ربِّ کریم جلّ جلالہٗ اور رسولِ رحیم ﷺ کی بارگاہوں میں قبول ہو جائے۔

محبت کا تقاضا... تعظیمِ رسولِ کریم ﷺ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک سیرتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سچے عاشقِ رسول ﷺ کو تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کا پیکر ہونا چاہیے۔ اُنھوں نے نزولِ قرآنِ حکیم کا زمانہ پایا اور احکامِ الٰہیہ میں غور کرنے سے وہ اِس نتیجے تک پہنچے کہ رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ ایسی نازک ہے جہاں معمولی بے ادبی، شوخی اور لاپرواہی دونوں جہان میں تباہی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے برادرِ مکرّم خواجہ غلام فخر الدین سیالوی علیہما الرحمہ نے خوب کہا:

بابِ جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا

اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا (1)

فاتح و حاکمِ مصر سیدنا عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ربِّ کریم نے ہر طرح سے نوازا تھا۔ اہلِ عرب آپ کی عقل و دانائی اور زبان دانی کی مثالیں پیش کیا کرتے تھے۔ آپ کو بارگاہِ نبوی میں طویل وقت گزارنے اور خاص قُرب پانے کا شرف ملا۔ آپ نے اپنے وصالِ پُر انوار کے قریب اپنے شہزادے کو وصیت فرمائی، جس کے ابتدائی جملے قیامت تک مسلمانوں کو محبت کا سلیقہ سکھاتے رہیں گے، فرمایا:

- وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلَا أَجَلَّ فِيْ عَيْنِيْ مِنْهُ۔ یعنی عہدِ نبوی میں میری کیفیت یہ تھی کہ دل میں سرورِ عالم ﷺ کا پیار ہر چیز کی چاہت سے بڑھ کر تھا اور نگاہ میں جانِ کائنات ﷺ کی تعظیم و تکریم جہان بھر سے زیادہ تھی۔
- وَمَا كُنْتُ أُطِيْقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَّهٗ۔ یعنی (بہت قریب بیٹھنے کے باوجود) تعظیمِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی وجہ سے میرے اندر یہ ہمّت نہیں تھی کہ آنکھ بھر کر آپ ﷺ کا رُخِ زیبا دیکھ سکوں۔
- وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهٗ مَا أَطَقْتُ؛ لِأَنِّيْ لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ۔ اگر مجھ سے امام الانبیا ﷺ کے سراپا اقدس اور حُسن و جمال کے بارے میں پوچھا جائے تو مَیں (اُس کی تفصیل) بیان نہیں کر سکوں گا؛ کیونکہ مَیں نے کبھی نگاہ بھر کر (اور ٹکٹکی باندھ کے) دیکھا ہی نہیں ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 121)

انسان جس کے قریب رہے اُس سے بے تکلّفی ہو جاتی ہے، یہ صحابہ کا ہی کمال ہے کہ قریب بھی رہے اور ادب میں بھی کمی نہیں آئی۔

---

1 قدمَین شریفَین کی جانب "بابِ جبریل" کے پاس حضرت جبریلِ امین غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کو آدابِ بارگاہ سکھاتے ہوئے آہستہ سے کہہ رہے تھے: محبوبِ خدا ﷺ کے درِ دولت پر تعظیم کے پیشِ نظر اپنی پلکوں سے دستک دینا؛ کہیں آواز بلند ہو جانے کی وجہ سے عمر بھر کے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔

تعظیم سے لبریز ذکر: جب کبھی امام الانبیا ﷺ کا ذکرِ خیر کرنے یا سننے کی سعادت ملے... نامِ نامی زبان پر آئے یا اُس کی آواز کانوں تک پہنچے... نعت خوانی ہو، استغاثہ ہو یا دُرود و سلام ہو... درسِ حدیث ہو یا وعظِ سیرت... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تربیت فرمائی ہے کہ مسلمان کو سراپا ادب بن جانا چاہیے... بہترین الفاظ کا چناؤ کیا جائے اور تعظیم بھرے لہجے و انداز میں تذکرہ ہو۔

سیدتنا اُمِّ عَطِیّہ نُسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے: وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِي.[1]
یعنی وہ جب بھی سرورِ عالم ﷺ کا نامِ نامی ذکر کرتیں تو ساتھ کہتیں: میرے ماں باپ حضور پر قربان! (حدیث:324)

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا قُثَم[2] بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: أَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ یعنی عمر میں آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ اُنھوں نے بہت حسین جواب دیا: رَسُولُ اللهِ ﷺ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا أَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْمِيلَادِ. بڑے تو آقا کریم ﷺ ہی ہیں، تاہم میری پیدائش پہلے ہوئی تھی۔[3] (جامع ترمذی، حدیث:3619)

تکریمِ حدیث: محبتِ رسولِ کریم ﷺ کا یہ بھی تقاضا ہے کہ حدیثِ نبوی کی خوب تعظیم کی جائے... سرورِ عالم ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے سے پہلے مکمل تحقیق کی جائے... حدیثِ مبارک کو بیان کرتے اور سنتے ہوئے ادب پیشِ نظر رکھا جائے... نیز احادیثِ کریمہ کو ضعیف کہہ کر ردّ کرنے کی عادت نہ ڈالی جائے؛ کیونکہ اُصولوں کے تحت حدیثِ ضعیف پر بھی عمل کیا جاتا ہے۔

صحابہ کا کتنا حسین انداز کتابوں میں مذکور ہے: كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَهُ لَا يَذْكُرُونَهُ إِلَّا خَشَعُوا وَاقْشَعَرَّتْ جُلُودُهُمْ وَبَكَوْا. وصالِ نبوی کے بعد صحابۂ ذی شان جب حضور کا ذکرِ خیر کرتے تو اُن پر ہیبت و خُشوع طاری ہو جاتا، جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، بابِ ثانی، فصل: علاماتِ محبت، ج:2، ص:26)

سیدنا بَراء بن عازب رضی اللہ عنہما قربانی کے جانوروں سے متعلق ایک ارشادِ نبوی بیان کرتے جس میں چار کا عدد آتا ہے، سنت پر عمل کرنے کی خاطر عدد بیان کرنے کے لیے چار اُنگلیوں سے اشارہ بھی کرتے، مگر تعظیم و ادب کا ایسا پاس تھا کہ ساتھ ہی ارشاد فرماتے: وَأَصَابِعِي أَقْصَرُ مِنْ أَصَابِعِهِ وَأَنَامِلِي أَقْصَرُ مِنْ أَنَامِلِهِ. میری اُنگلیاں سرکارِ دو عالم ﷺ کی مبارک انگلیوں سے چھوٹی ہیں اور میرے پورے بھی نبی کریم ﷺ کے پوروں کے برابر نہیں ہیں۔ (سنن ابو داؤد، حدیث:2802۔ سنن ابن ماجہ، حدیث:3144)

کیسی شان دار تربیت ہے کہ حدیث بیان کرتے اور سنتے ہوئے ایک ایک لفظ سے تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشبو آنی چاہیے۔

---

[1] عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِأَبِي وَأُمِّي... (المسند للإمام أحمد، رقم الحديث:20793)

[2] والمشهور فتح أوّله، وقيل بالضم. (الإصابة في تمييز الصحابة، ج:5، ص:310)

[3] یہی سوال آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو اُنھوں نے فرمایا: «هُوَ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا وُلِدْتُ قَبْلَهُ». (المستدرک، حدیث:5398)

حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب ہم امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کرتے کہ ہمیں احادیثِ نبویہ سنایئے! تو آپ (نہایت پختہ حافظہ کے حامل اور حد درجہ قُرب یافتہ ہونے کے باوجود اُمّت کی تربیت کے لیے) فرماتے: أَخَافُ أَنْ أَزِيْدَ حَرْفًا أَوْ أَنْقُصَ، إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کسی لفظ کی کمی بیشی نہ ہو جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو میری طرف (قصداً) جھوٹ کی نسبت کرے وہ (اپنی سزا پوری ہونے تک) جہنمی ہے۔" (مسند احمد، حدیث: 326)

باادب دُرودِ پاک: قرآنِ حکیم نے تمام مسلمانوں کو سرورِ عالَم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں دُرود و سلام عرض کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور بلاشبہ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ اِس حوالے سے صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے حسین تربیت فرمائی ہے کہ اُمّتی کو یہ سمجھ کر دُرود و سلام عرض کرنا چاہیے کہ بارگاہِ عالی میں میرا دُرود بھی پیش ہو رہا ہے اور میرا انداز بھی آقا کریم ﷺ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَأَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّ[1] ذٰلِكَ[2] يُعْرَضُ عَلَيْهِ۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ پر دُرود (و سلام) پیش کرو تو خوب اچھے طریقے سے عرض کیا کرو؛ تمہیں معلوم نہیں، تمہارا دُرود اور تمہارا انداز بارگاہِ عالی میں پیش کیا جاتا ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دُرودِ پاک کے بہت جامع الفاظ تعلیم فرماتے۔ (سننِ ابن ماجہ، حدیث: 906)

باادب حاضری: محبت کی چاشنی پانے والے ہر اُمّتی کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ مدینہ منوّرہ میں حاضر ہو کر فخرِ عالَم ﷺ کی بارگاہ میں دست بستہ سلام عرض کرے، مگر ہمارے دَور میں زیادہ تَر لوگ حاضری سے پہلے آداب نہیں سیکھتے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے تربیت فرمائی کہ زائرِ بارگاہ کو حاضری سے پہلے آداب سیکھنے چاہییں؛ تاکہ بے ادبی کی وجہ سے سب کچھ برباد نہ کر بیٹھے۔

روایت میں ہے: وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِذَا قَدِمَ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الْوُفُوْدُ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ مَنْ يُعَلِّمُهُمْ كَيْفَ يُسَلِّمُوْنَ، وَيَأْمُرُهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔ یعنی سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب باہر سے کوئی وفد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ اُن کی طرف کسی شخص کو بھیجتے جو اُن کی تربیت کرتا کہ بارگاہِ اقدس میں سلام کیسے عرض کرنا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ اُنھیں حکم دیتے کہ آقا کریم ﷺ کے سامنے اطمینان و وقار کے ساتھ حاضر ہوں۔

(اِرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم [تفسیر ابو السعود]، روح المعانی، غرائب القرآن و رغائب الفرقان للنیسابوری، تحت الحُجُرٰت: 2)

تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ محبتِ رسول ﷺ کا حقیقی لُطف پانے کے لیے بارگاہِ رسالت کا خوب ادب کرنا لازم ہے۔

---

[1] اَلتَّرَجِّيْ فِيْ قَبُوْلِيَّةِ الصَّلَاةِ (لا في عرضها عليه)۔ (إنجاح الحاجة شرح سنن ابن ماجة للمجدّدی، تحت الحدیث)

[2] لَعَلَّ ذٰلِكَ: اَلْمَذْكُوْرَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ بِالصِّيْغَةِ الْفَاذَّةِ الْجَامِعَةِ أَوْ لَعَلَّ إِحْسَانَكُمُ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ۔ (شرح سنن ابن ماجه للهرری: 109/6)

محبت کا تقاضا... تذکرۂ حُسن وجمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک سیرتوں سے یہ تربیت بھی ملتی ہے کہ سچے عاشقانِ رسول ﷺ کو کثرت کے ساتھ آپ ﷺ کے حُسن وجمال کا تذکرہ کرنا چاہیے۔ اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے جلوۂ یار دیکھا تھا اور دل وجان سے فدا ہوئے تھے، پھر جب وہ جلوہ نگاہوں سے اُوجھل ہوا تو وہ محبوبِ مکرّم ﷺ کے حسین چہرے اور نورانی زلفوں کا تذکرہ کرکے اپنا ذوقِ محبت دوبالا کرتے رہتے تھے۔ یوں وہ اُمّت کو سبق دے رہے تھے کہ تم ہماری طرح رُخِ انور کی رعنائیوں اور زُلف ورُخسار کی زیبائیوں کا مشاہدہ تو نہیں کرسکتے، تاہم تمہیں چاہیے کہ اپنے آقا کریم ﷺ کے حُسنِ بے مثال کا تذکرہ کرتے رہو؛ تاکہ محبت کی چاشنی میں اِضافہ ہوتا رہے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر "ابوہالہ نَبّاش" سے ایک بیٹے سیدنا "ہند" رضی اللہ عنہ ہیں، اُن کے بارے میں سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: سَأَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ أَبِيْ هَالَةَ التَّمِيْمِيَّ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔ مَیں نے اپنے ماموں حضرت ہِند سے رسول اللہ ﷺ کے سراپا اقدس (صورتِ مبارکہ اور رنگ ورُوپ وغیرہ) کے بارے میں پوچھا اور وہ جانِ عالم ﷺ کا حُسن وجمال بہت خوب بیان کرتے تھے۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:6700)

تعجب خیز بات یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے چہرۂ مبارک میں سرورِ عالم ﷺ کے حُسنِ بے مثال کی جھلک تھی، اِس کے باوجود اُنھوں نے حضرت ہند رضی اللہ عنہ سے نانا جان ﷺ کی صورتِ مبارکہ، رنگ ورُوپ، قد وقامت اور زُلف ورُخسار کے بارے میں پوچھا، یہ تربیت تھی کہ اُمّت کو حُسنِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا تذکرہ کس قدر کرنا چاہیے!

سیدنا ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ جب کسی دیہاتی یا ایسے شخص کو دیکھتے جسے جانِ جاناں ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی تو فرماتے: أَلَا أَصِفُ لَكُمُ النَّبِيَّ ﷺ؟ مَیں تمھیں نبیِ کریم ﷺ کا سراپا نہ بتاؤں؟ پھر آپ نبیِ کریم ﷺ کے کچھ اوصاف کا تذکرہ کرکے ارشاد فرماتے: فِدًى لَّهٗ أَبِيْ وَأُمِّيْ! مَا رَأَيْتُ مِثْلَهٗ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قُربان! مَیں نے نہ آپ سے پہلے کوئی آپ جیسا دیکھا، نہ آپ کے بعد کسی کو آپ جیسا پایا۔[1] سیدنا ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ کی ترجمانی کرتے ہوئے امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

تِرا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں تِرا محرمِ راز ہے رُوحِ اَمیں
تُو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا! تِرا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

---

[1] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ إِذَا رَأَى أَحَدًا مِنَ الْأَعْرَابِ أَوْ أَحَدًا لَمْ يَرَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أَلَا أَصِفُ لَكُمُ النَّبِيَّ ﷺ؟ كَانَ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ هَدِبَ الْعَيْنَيْنِ أَبْيَضَ الْكَشْحَيْنِ، يُقْبِلُ مَعًا وَّيُدْبِرُ مَعًا، فِدًى لَّهٗ أَبِيْ وَأُمِّيْ مَا رَأَيْتُ مِثْلَهٗ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ۔
(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ذکر صفة خلق رسول الله ﷺ، ج:1، ص:318، دار الکتب العلمیة)

حضرت سعید بن اِیاس جُرَیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مَیں سیدنا ابو طُفَیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا، وہ فرمانے لگے: مَا بَقِيَ أَحَدٌ رَأَى رَسُولَ اللهِ ﷺ غَيْرِي۔ محبوبِ خدا ﷺ کی زیارت کرنے والوں میں سے اب صرف مَیں ہی باقی ہوں، باقی سب وصال فرما گئے ہیں۔ جُریری رحمۃ اللہ علیہ یہ بات سنتے ہی خوشی سے جھوم اُٹھے اور کہنے لگے: وَرَأَيْتَهُ؟ آپ نے سیدِ عالم ﷺ کی زیارت کی ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: جی ہاں! جریری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: كَيْفَ كَانَ صِفَتُهُ؟ نبیِ کریم ﷺ کا حُسن و جمال کیسا تھا؟ اُنھوں نے فرمایا: كَانَ أَبْيَضَ مَلِيحًا مُقَصَّدًا۔ نبیِ کریم ﷺ کا رنگ مبارک گورا، گندم مائل تھا اور جسم مبارک درمیانہ تھا۔

(مسند احمد، حدیث: 23797۔ صحیح مسلم، حدیث: 2340)

جس سے تاریکیِ دل جگمگانے لگے
اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

صحابۂ کرام علیہم الرضوان ہر موقع پر حُسن و جمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا تذکرہ کر کے بعد والوں کو یہ سکھانا چاہتے تھے کہ تم بھی قیامت تک اپنے آقا کریم ﷺ کے زُلف و رُخسار کا تذکرہ کر کے اپنی اُلفت و چاہت کو بڑھاتے رہنا۔ شاعر نے خوب کہا:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا ایں دولت از گفتار خیزد

(یعنی عشق ہمیشہ دیدار سے ہی نصیب نہیں ہوتا، کبھی پیارے کی باتوں کے ذریعے بھی دولتِ محبت نصیب ہو جاتی ہے)

تصوّرِ رسول ﷺ: صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے حُسنِ بے پایاں کو اپنے دل و دماغ میں بسا رکھا تھا اور جانِ عالم ﷺ کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ حُسنِ محبوب کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ تصوّر کی آنکھ سے جمالِ یار کا بھی مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ اُن کے دلوں کی کیفیت کیا ہوتی تھی! اِس کا صحیح اِدراک تو اُنہیں ہی تھا، البتہ اُن کے الفاظ سے اُن کے حسین خیالات کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

⟸ حج یا عمرہ کے احرام سے پہلے اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگاتیں، کبھی یہ خوشبو رنگ دار ہوتی، اِس بات کا تذکرہ کر کے وہ فرماتیں: «كَأَنِّي أَنْظُرُ[1] إِلَى وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔» گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ احرام کی حالت ہے اور سیدِ عالم ﷺ کے سرِ انور کی مانگ میں خوشبو چمک رہی ہے۔[2] (صحیح بخاری، حدیث: 271)

⟸ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ سیدِ عالم ﷺ کی انگوٹھی مبارک میں مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ لکھا ہوا تھا۔ پھر فرمایا: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ۔ گویا سیدِ عالم ﷺ کے دستِ مبارک میں انگوٹھی کی چمک مجھے نظر آ رہی ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 65)

---

[1] إِنَّمَا لِشِدَّةِ اسْتِحْضَارِهَا لَهُ كَأَنَّهَا نَاظِرَةٌ إِلَيْهِ۔ (فتح الباری لابن حجر)

[2] احرام سے پہلے خوشبو لگانا سنت ہے، اگرچہ اُس کی مہک احرام کے بعد بھی آتی رہے، تاہم احرام کی پابندیاں شروع ہونے کے بعد خوشبو لگانا ممنوع ہے۔

⟸ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ ایک رات حبانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ عشا کے لیے تشریف لائے تو رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا، فرماتے ہیں: فَخَرَجَ نَبِيُّ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ۔ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، گویا مَیں اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک اپنے سرِ انور پر رکھا ہوا ہے اور آپ کے سرِ انور سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ پھر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ رکھ کر وہ انداز دکھایا۔ (صحیح بخاری، حدیث: 571)

⟸ سیدنا ابو جُحَیفہ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے، اُنھوں نے نمازِ ظہر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا منظر دیکھا، فرمایا کرتے: وَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ سَاقَيْهِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، گویا آپ کی مبارک پنڈلیوں کی چمک میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3566)

صحیح بخاری کی یہ چند روایات بطورِ مثال ہیں، ورنہ اُن روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ اقدس نگاہوں کے سامنے ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

اُنھوں نے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ کر اپنے دل و دماغ میں نقش کیا تھا اور پھر اُس کے تصوُّر سے برکتیں حاصل کرتے تھے۔ ہمیں چاہیے کہ سُنّی علمائے کرام سے سیرتِ مبارکہ کے بارے میں سُنیں یا خود کوئی مستند کتاب پڑھیں،[1] اِن شاء اللہ محبت کی چاشنی میں بھی اِضافہ ہو گا... عمل کا جذبہ بھی بڑھے گا... اور بعید نہیں کہ تصوُّر کی برکت سے کبھی نگاہوں کی حسرت بھی پوری ہو جائے۔

حُسنِ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے وہ کیفیت نصیب ہوتی ہے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے شاعرِ مشرق اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا
حقیقت، معرفت، اہلِ طریقت اِس کو کہتے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصوُّر میں ترے رہنا عبادت اِس کو کہتے ہیں

ربِّ کائنات نے گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی حُسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا تھا، جس کے ذریعے پچھلی اُمّتیں اپنا ذوقِ محبت دوبالا کرتی تھیں، اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم اُمّتیوں کو کس قدر حُسنِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنا چاہیے!

---

[1] سیرتِ مبارکہ پر ایک مختصر اور آسان کتاب کا نام "سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" (از علامہ محمد عبد المصطفیٰ اعظمی) ہے۔

حرفِ آخر... جشنِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا حقیقی حُسن

رسول اللہ ﷺ کی اُلفت وچاہت وہ عظیم دَولت ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی، ربِّ کریم یہ نعمت فقط اپنے چنے ہوئے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ شاعر نے بہت خوب کہا:

دِہَدْ حَقْ عِشْقِ اَحْمَدْ بَنْدگانِ چِیْدَۂ خُودْ را
بَخَاصَّاں شاہْ می بَخْشَدْ مَئے نُوشِیْدَۂ خُودرا

(نبی کریم ﷺ کا عشق اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کو ہی عطا فرماتا ہے، (بلا تشبیہ) بادشاہ اپنا جوٹھا صرف خاصوں کو ہی دیتا ہے)

انسان جب بھی کوئی سعادت حاصل کرنے لگتا ہے تو شیطان لعین اُسے محروم رکھنے کی کوشش کرتا ہے، کبھی اُس کارِ سعادت سے بہکا دیتا ہے اور کبھی ایسی سازش کرتا ہے کہ انسان وہ کام صحیح طریقے سے نہیں کر پاتا۔

محبتِ رسول ﷺ بلاشبہ بہت بڑی سعادت ہے، اوّلاً تو شیطان انسان کو اِس عظیم سرمایہ سے دُور رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور بہت مرتبہ ایسا دھوکا دیتا ہے کہ انسان محبت کے نام پر اُن کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو پسند نہیں۔ اِس صورتِ حال میں ضرورت ہے کہ اُن لوگوں سے اُلفتِ رسولِ کریم ﷺ کا سلیقہ و قرینہ سیکھا جائے جن کی محبت کو ربّ تعالیٰ نے بھی قبول فرمایا ہے اور سرورِ عالَم ﷺ نے بھی اُن کی تعریف فرمائی ہے... اور وہ مقبولانِ بارگاہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ "(اے صحابہ!) پھر اگر وہ بھی اُسی طرح ایمان لائیں جیسا تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پائیں گے۔" [البقرۃ2:137]

بارگاہِ ربّ العزت میں ایمان بھی اُسی کا معتبر ہے جو صحابہ کی طرح ایمان لائے اور محبت بھی اُسی کی مقبول ہے جو اُس سلیقے کے ساتھ محبت کرے جیسے صحابہ نے کی ہے۔

سرکارِ دوعالَم ﷺ کے ماہِ ولادت ربیع الاوّل شریف میں مسلمانانِ عالم اپنے آقا کریم ﷺ سے اِظہارِ محبّت کرتے ہیں، چنانچہ اِس حسین موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہمیں بھی جذبۂ اُلفت کو ترقّی دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اِسی مقصد کے پیشِ نظر آج کے خطبہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک سیرتوں سے حاصل شدہ محبت کے دو اہم اُصول ذکر کیے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئندہ خطبات میں اِس حوالے سے مزید کچھ تقاضوں کا بھی تذکرہ ہو گا۔ آج کے خطبہ کے اہم نکات یہ ہیں:

1) عاشقِ رسول ﷺ کو تعظیمِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا پیکر ہونا چاہیے۔

i. آپ ﷺ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے بہترین الفاظ کا چناؤ کرے اور انداز بھی ادب سے معمور ہو۔

ii. احادیثِ نبویّہ کا خوب احترام کرے، بغیر تحقیق کوئی بھی بات ہرگز آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کرے، نیز احادیث کو

ضعیف کہہ کر ردّ کرنے کے بجائے محدثین کے ذکر کردہ اُصولوں کے مطابق اُن پر عمل کرے۔

iii. عمدہ الفاظ اور بہترین انداز سے دُرود و سلام پیش کرے اور یہ سمجھے کہ آقا کریم ﷺ میرے دُرود و سلام کو بھی سنتے اور جانتے ہیں... اور میرا انداز بھی آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

iv. مدینہ منوّرہ میں حاضری کی سعادت ملے تو اہتمام کے ساتھ آدابِ بارگاہ سیکھ کر جائے اور وہاں ایک ایک لمحہ ادب کا پیکر بن کر سعادتیں سمیٹے۔

2) محبت کی چاشنی بڑھانے کے لیے سیرتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا مطالعہ کرنا چاہیے، آپ ﷺ کے حُسن و جمال کے بارے میں جان کر اُس کا تصوّر دل میں نقش کرنا چاہیے اور یہ خوشبو دوسروں تک بھی پھیلانی چاہیے۔

اگر اِس ماہِ مبارک میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے سکھائے ہوئے سلیقہ و قرینہ کے مطابق ہمیں محبتِ رسولِ کریم ﷺ کی دولت میں اِضافہ نصیب ہوا تو سمجھ لیجیے کہ ہمیں جشنِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا حقیقی حُسن نصیب ہوا ہے، وگرنہ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

شرعی مسئلہ: سرکارِ دوعالَم ﷺ کی نعت پڑھنا ربّ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور یہ محبتِ رسولِ کریم ﷺ کی نشانی ہے، تاہم نعت کے دوران بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے نامِ نامی کا تلفّظ بگاڑ کر اُسے بطورِ موسیقی پڑھتے ہیں، ایسا کرنا بے ادبی اور حرام و گناہ ہے۔ یوں ہی بعض نعت خوان دف کے ساتھ نعت پڑھتے ہیں، یہ ممنوع ہے؛ کیونکہ نکاح، ولیمہ اور عید وغیرہ پر دف کی مشروط اجازت ہے، شرائطِ اجازت میں سے یہ بھی ہے کہ دف لہو و لعب کے لیے نہ ہو، نیز اُسے قواعدِ موسیقی پر نہ بجایا جائے، بس بے سُری آواز ہو؛ لہٰذا مروّجہ طریقے سے دف کے ساتھ نعت خوانی ممنوع ہے۔ اِس طرح پڑھی گئی نعتوں کو سننا بھی جائز نہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ میلادِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے طفیل تمام اُمّتِ مسلمہ کی پریشانیاں دُور فرمائے، مظلوموں کی مدد فرمائے، خصوصًا اہلِ غزہ کو اِعانت و نُصرت سے نوازے اور اسرائیل کو اتحادیوں سمیت تباہ و برباد فرمائے اور اُمّت کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزہ کے مظلوموں کے ساتھ عملی طور پر تعاون کرنے کی توفیق عطا کرے!

خالقِ کائنات ہمیں اپنے آقا کریم ﷺ کے ساتھ سچی محبت سے وافر حصہ عطا فرمائے!

ربِّ کریم پاکستان کو تمام بحرانوں سے نجات دے، سیلاب سمیت تمام خطرات سے محفوظ رکھے اور حکمرانوں کو ملک و قوم کا خیر خواہ بنائے! آمین بجاہ النبیِّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

---

[1] مزید معلومات کے لیے ملاحظہ کریں: "مروّجہ نعت خوانی کی شرعی حیثیت" از مولانا مفتی محمد اکمل قادری، دار الإفتاء جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ناشر: مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

۱۵ ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ/20 ستمبر 2024ء

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(دوسرا حصہ)

مشمولات

- سچے عشقِ رسول ﷺ کی چاشنی
- محفلِ میلاد وغیرہ کے لیے جمع شدہ چندہ کی رقم بچ جائے تو اُس کا حکم
- محبت کا تقاضا... آمدِ مصطفیٰ ﷺ پر اِظہارِ مَسرّت
  - سرورِ عالَم ﷺ کی آمد پر اہلِ مدینہ کے ایمان افروز جذبات
- محبت کا تقاضا... دینِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی خدمت
  - دین سیکھنا و سیکھانا، اثر و رُسوخ استعمال کرنا اور وقت دینا، مال اور صلاحیت خرچ کرنا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّحِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡہَدُوۡا وَاَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰہِدِیۡنَ۔ [اٰلِ عمران 3:81]

مَحبّتِ رسولِ کریم ﷺ کی چاشنی عظیم دَولت ہے اور اِس سے محرومی بڑی ناکامی ہے۔ اگر رحمتِ الٰہی سے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی مٹھاس نصیب ہو جائے تو موت بھی پُر لُطف ہوتی ہے، لیکن خدانخواستہ انسان اِسے حاصل نہ کر پائے تو زندگی بھی بے مزہ ہوتی ہے۔

اسلامی تاریخ عاشقانِ جانِ جاناں ﷺ کی داستانوں سے بھری پڑی ہے، جن کی اُلفت سچی تھی تو اُن کی زندگیاں بھی قابلِ رشک بنیں اور اُن کی اموات بھی لائقِ فخر ہوئیں... اور اِس دَولت سے محروم رہنے والوں کی بے کیف زندگیاں تو ہمارے سامنے ہی ہیں۔

عشقِ رسالت مآب ﷺ میں سب سے اعلیٰ مقام صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو حاصل تھا۔ بلاشبہ وہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ہدایت کے ستارے ہیں اور بہترین راہ نما ہیں۔ سچی مَحبّت کی کتنی عالی شان مثال ہے کہ غزوۂ اُحد میں ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتایا گیا کہ تمہارے والدِ گرامی، شوہر اور بھائی... تینوں شہید ہو گئے ہیں۔ کہنے لگیں: رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ بتایا گیا کہ آپ ﷺ بالکل خیریت سے ہیں تو کہا: أَرُوۡنِیۡہِ حَتّٰی أَنۡظُرَ إِلَیۡہِ۔ یعنی مجھے آپ ﷺ کی زیارت کرواؤ، رُخِ زیبا کو دیکھ کر میرے دل کو تسلّی ہو گی۔ جب جانِ جہاں ﷺ کی زیارت کی اور یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ بخیر و عافیت ہیں تو کہنے لگیں: کُلُّ مُصِیۡبَۃٍ بَعۡدَکَ جَلَلٌ۔ یعنی حضور! آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت کو برداشت کرنا آسان ہے۔ اِسی بات کو شاعر نے یوں کہا:

"جب آپ سلامت ہیں تو کس بات کا غم ہے!"

(سیرتِ ابنِ ہشام، ج:2، ص:99، مطبعۃ مصطفی البابی واولادہ بمصر۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:3، ص:302، دار الکتب العلمیۃ)

ماہِ ربیع الاول میں عشقِ رسول ﷺ کو بڑھانے کے لیے "صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا طرزِ محبتِ رسول ﷺ" کے عنوان سے سلسلہ کا آغاز ہوا تھا۔ چنانچہ گزشتہ خطبے میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی مبارک سیرتوں سے دو اہم اُصولوں کا تذکرہ کیا گیا:

1) سچے عاشقِ رسول ﷺ کو تعظیمِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا پیکر ہونا چاہیے۔
2) سچے عاشقِ رسول ﷺ کو سیرتِ مطہرہ کے بارے میں جان کر کثرت سے حُسن و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ کرنا چاہیے۔

یہ موضوع ایمان افروز بھی ہے اور سبق آموز بھی... محبت میں اِضافہ کا ذریعہ بھی ہے اور اعمال سنوارنے کا وسیلہ بھی۔

چنانچہ اِسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے آج کے خطبہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرزِ محبت سے متعلق مزید کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

محبت کا تقاضا... آمدِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اِظہارِ مَسرّت

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی مبارک سیرتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سچے عاشقانِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنے آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آمد پر شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے خوب خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔

جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مکۂ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منوّرہ میں جلوہ گر ہوئے تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے خوشی کا اِظہار کرتے ہوئے ایسی دھوم مچائی کہ نہ پہلے وہاں ایسا جشن ہوا تھا نہ بعد میں کیا گیا۔ مستند روایات کے مطابق اِس موقع پر اُنھوں نے:

1) اِظہارِ محبت کے لیے بڑی تعداد میں جمع ہو کر استقبالی جلوس نکالا۔[1]

2) جشن کے طور پر اُونٹ / گائے کو ذبح کیا۔[2]

3) خوشی میں اسلحہ پہن کر فوجی سلامی (ہماری بولی میں Guard of Honour / گارڈ آف آنر) کا اہتمام کیا۔[3]

4) عقیدت کے جوش میں "اللہ اکبر"، "یارسول اللہ" اور "حضور آگئے ہیں" کے یوں نعرے لگائے کہ پورے علاقے میں گونج پڑ گئی۔[4]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مدینہ منوّرہ میں جلوہ گری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوتِ، وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُونَ:[5] يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللهِ! يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللهِ![6] وفي رواية: جَاءَ مُحَمَّدٌ جَاءَ رَسُولُ اللهِ![7] یعنی (آمدِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر خوشی منانے کے لیے) مَرد و خواتین گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے، لڑکے اور خدّام راستوں میں پھیل گئے، سبھی "یارسول اللہ" کے نعرے لگا رہے تھے اور کہتے تھے: آمدِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہو گئی... مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لے آئے۔

---

[1] في رواية أنس: فَاسْتَقْبَلَهُمَا زُهَاءُ خَمْسِ مِائَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ حَتَّى انْتَهَوْا إِلَيْهِمَا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:2، ص:507۔ تاریخ الاسلام: 1/333)

[2] عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَحَرُوا جَزُورًا أَوْ بَقَرَةً۔ (مسند احمد، حدیث: 14213، قال الارنؤوط: إسنادہ صحیح)

[3] پروَردۂ آغوشِ نبوّت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ لَعِبَتِ الْحَبَشَةُ لِقُدُومِهِ فَرَحًا بِذَلِكَ، لَعِبُوا بِحِرَابِهِمْ۔ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مدینہ منوّرہ میں تشریف لائے تو آپ کی آمد پر خوشی منانے کے لیے حبشیوں نے اپنے چھوٹے نیزوں سے جنگی فن کا مظاہرہ کیا۔ (سننِ ابو داؤد: 4923) اُنہی سے مروی ہے: فَجَاءُوا مُتَقَلِّدِي السُّيُوفِ۔ صحابہ تلواریں لٹکائے ہوئے استقبال کے لیے آئے۔ (صحیح بخاری: 428) اُس دَور میں عید وغیرہ کے موقع پر فوجی طاقت و سلامی کا اِسی طریقے سے مظاہرہ ہوتا تھا۔

[4] قال سیدنا عمرُ: وَسَمِعْتُ الْوَجْبَةَ فِي بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ۔ (مسند البزار، حدیث: 284) وَكَبَّرَ الْمُسْلِمُونَ فَرَحًا بِقُدُومِهِ۔ (زاد المعاد: 3/71)

[5] كُلُّ ذَلِكَ فَرَحٌ وَسُرُورٌ بِقُدُومِ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔ (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي، تحت الحديث)

[6] صحیح مسلم، حدیث: 2009

[7] صحیح ابن حبّان، حدیث: 3205۔ مسند البزار، حدیث: 50۔ مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: 36610

5) آقا کریم ﷺ کے سامنے نعتیں پڑھ کر اپنے ایمانی جذبات کا اِظہار کیا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی میزبانی کا شرف پانے والے خاندان "بنو نجّار" نے اپنی بچیوں کو تیار کر کے بھیجا، وہ آپ ﷺ کے سامنے یہ شعر پڑھنے لگیں: نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ ... يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٍ! یعنی ہم بنو نجّار کی بچیاں ہیں... امام الانبیا ﷺ ہمارے کتنے عالی شان پڑوسی ہیں! جانِ عالم ﷺ نے یہ سن کر اُنھیں نوازنے کے لیے پوچھا: أَتُحِبُّونَنِي؟ "کیا تمھیں مجھ سے محبت ہے؟" عرض کی: قسم بخدا! ہم دل و جان سے آپ کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ سرکار ﷺ نے کرم نوازی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: أَنَا وَاللهِ أُحِبُّكُمْ وَأَنَا وَاللهِ أُحِبُّكُمْ أَنَا وَاللهِ أُحِبُّكُمْ۔ یعنی "اللہ کی قسم! مَیں بھی تم سے محبت کرتا ہوں... قسم بخدا! تم بھی مجھے پیارے ہو... واللہ! میرے دل میں بھی تمہاری اُلفت ہے۔"

(روی ابن ماجہ فی سننہ الفصل الأول، رقم الحدیث: 1899، قال الأرنؤوط: حدیث صحیح۔ دلائل النبوّۃ، ج:2، ص:508، دار الکتب العلمیۃ)

روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہ دُعا بھی دی: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيهِنَّ۔» "اے اللہ! اِنھیں برکت عطا فرما!" (مسند ابو یعلیٰ: 3409)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَمَا رَأَيْنَا مَنْظَرًا شَبِيهًا بِهِ يَوْمَئِذٍ۔ یعنی جس قدر خوشی اور جشن آمدِ مصطفی کریم ﷺ کے موقع پر ہوا ایسا منظر ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ (مسند احمد، حدیث: 13318، قال الأرنؤوط: إسنادہ صحیح)

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے لکھا: بلاشبہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی مدینہ منوّرہ میں تشریف آوری کا دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نظروں میں عید کے دن سے کہیں زیادہ عظیم تھا۔[1]

یہ جشن منانا اللہ تعالیٰ کے عظیم اِحسان پر شکر ادا کرنے کے لیے تھا اور قرآنِ مجید کی کئی آیات میں نعمت ملنے پر شکر کرنے اور خوشی منانے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ایک مقام پر ارشادِ ربّانی ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔ "آپ فرما دیجیے: اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت پر ہی خوشی منانی چاہیے، یہ اُس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔" [یونس 10:58]

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اِس آیتِ کریمہ پر عمل کی خاطر ہی آج بھی دُنیا بھر میں عاشقانِ رسول جشنِ عیدِ میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں۔ اِسے بدعت بھی کہا جائے تو یہ "بُری بدعت" نہیں، "اچھی بدعت" (بدعتِ حسنہ) ہے؛ کیونکہ یہ دینی تقاضوں کے مطابق ہے اور قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ عملِ صحابہ سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔

تاہم یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ جشنِ عیدِ میلاد کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کا شکر ہے؛ لہٰذا اِس موقع پر کوئی بھی ایسا کام ہرگز نہیں کرنا چاہیے جس سے شریعتِ مطہرہ نے منع فرمایا ہو؛ ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔

---

[1] وَلَا شَكَّ أَنَّ يَوْمَ قُدُومِهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهُمْ أَعْظَمَ مِنْ يَوْمِ الْعِيدِ۔ (فتح الباری بشرح البخاری، ج:2، ص:443، المکتبۃ السلفیۃ)

محبت کا تقاضا... دینِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی خدمت

تربیتِ صحابہ کا ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ سچے عاشقِ رسول کو دینِ مصطفوی کا خدمت گزار ہونا چاہیے۔

دینِ اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے فخرِ عالَم ﷺ نے اعلانِ نبوّت سے وصالِ اقدس تک ہر طرح سے کوششیں فرمائیں... کفار کے طعنے سنے... اذیتیں برداشت کیں... آرام کو قربان کیا... میدانِ جہاد میں تشریف فرما ہوئے... شاہانِ وقت کو خطوط لکھے... افراد تیار کیے... اور مزید بہت کچھ کیا... تو عاشقِ رسول کہلانے کا حق دار وہی ہے جو اُس دین کی سربلندی کے لیے اپنے حصے کا کام کرے جس کے لیے آقا کریم ﷺ نے عمر بھر محنت فرمانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے محبتِ رسول ﷺ کے اِس تقاضے سے متعلق بھی لائقِ تقلید نشانات چھوڑے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہم دین کی خدمت کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ خدمتِ دین کے متعدد میدان اور مختلف ذرائع ہیں، ہمارے متعلقہ چند ذرائع کا ذکر کیا جاتا ہے:

1) دین سیکھنا: خدمتِ دین کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم دینِ متین کا علم حاصل کریں۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان علمِ دین کے لیے خوب کوشش کرتے۔ اُنھوں نے اُمّت کو یہ فکر دی ہے کہ علمِ دین رسول اللہ ﷺ کی وراثت ہے اور سچے عاشقِ رسول کو اپنے آقا کریم ﷺ کی وراثت سے ضرور حصہ لینا چاہیے۔

حضرت اعمش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہو کر قرآنِ مجید پڑھا رہے تھے اور کچھ لوگ حاضرِ خدمت ہو کر سیکھ رہے تھے۔ ایک دیہاتی پاس سے گزرا، اُس نے کہا: یہ کیا کر رہے ہیں؟ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «يَقْتَسِمُونَ مِيرَاثَ مُحَمَّدٍ ﷺ». یہ خوش نصیب امام الانبیا ﷺ کی عظیم الشان وراثت سے اپنا اپنا حصہ حاصل کر رہے ہیں۔[1]

(فضائل القرآن، لأبي عبيد الهروي، ص: 51، دارِ ابن كثير۔ جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البرّ، رقم: 1853)

ایک روز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منوّرہ کے بازار میں تشریف لے گئے اور اہلِ بازار کو فرمایا (مفہوم): تم کتنے عاجز ہو! اُدھر رسول اللہ ﷺ کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور تم جا کر اُس سے اپنا حصہ حاصل نہیں کرتے! لوگوں نے پوچھا: آپ ﷺ کی وراثت کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ فرمایا: مسجد میں۔ لوگ تیزی سے مسجد کی طرف گئے، کچھ ہی دیر میں واپس آ کر کہنے لگے: ہم مسجد میں گئے تھے، وہاں تو کوئی چیز تقسیم نہیں کی جا رہی۔ فرمایا: تمھیں مسجد میں کوئی آدمی نظر نہیں آیا؟ کہنے لگے: کیوں نہیں! وہاں کچھ لوگ نماز پڑھ رہے

---

[1] عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: مَرَّ أَعْرَابِيٌّ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَهُوَ يُقْرِئُ قَوْمًا الْقُرْآنَ، أَوْ قَالَ: وَعِنْدَهُ قَوْمٌ يَتَعَلَّمُونَ الْقُرْآنَ، فَقَالَ: مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ؟ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: «يَقْتَسِمُونَ مِيرَاثَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم».

تھے، کئی حضرات تلاوتِ قرآنِ حکیم کی سعادت پا رہے تھے اور دیگر کچھ افراد حلال و حرام کے مسائل بیان کر رہے تھے (علمِ دین سیکھنے اور سکھانے میں مصروف تھے)۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَيْحَكُمْ، فَذَاكَ مِيرَاثُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم۔» تم پر افسوس ہے! (رسول اللہ ﷺ کی وراثت مال و دَولت نہیں) یہی حضور کی وراثت ہے۔ (المعجم الأوسط، الحديث: 1429۔ وقال المنذري: رواه الطبراني في الأوسط بإسناد حسن، الترغيب والترهيب، ج:1، ص:103، دار احياء التراث)

صحابہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہمیں پختہ ارادہ کرنا چاہیے کہ آئندہ روزانہ دین کی کم از کم ایک بات ضرور سیکھا کریں گے۔

2) **دوسروں کو سکھانا:** خدمتِ دین کے حوالے سے دوسرا کام ہم یہ کر سکتے ہیں کہ دین کی جو باتیں ہمیں صحیح طرح سے معلوم ہیں وہ اپنے گھر والوں، دوستوں، دفتر و دُکان کے ساتھیوں اور دیگر متعلقین کو سکھائیں۔ گھر والوں سے لے کر دُنیا بھر کے انسانوں تک دین کا پیغام پہنچانے کے حوالے سے بھی صحابۂ ذی شان کا کردار منارۂ نور ہے۔

اپنے بچوں کو دینی تربیت دینے کی کتنی حسین مثال ہے کہ صاحبِ نعلَین و وِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیٹا آپ کے پاس آیا، اُس نے ریشم کی قمیص پہن رکھی تھی اور اپنی قمیص پر بہت خوش تھا۔ شرعی حکم یہ ہے کہ مَردوں کے لیے ریشمی کپڑے والا لباس پہننا حرام ہے۔[1] آپ نے تعلیم و تربیت میں ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اُسی وقت وہ قمیص پھاڑ دی اور فرمایا: اِذْهَبْ إِلَى أُمِّكَ فَقُلْ لَهَا، فَلْتُلْبِسْكَ قَمِيصًا غَيْرَ هٰذَا! جا کر اپنی امّی سے کہو کہ تمہیں کوئی اور قمیص پہنائے (اِس قمیص سے ہمارے آقا کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے)۔ (المعجم الكبير، ج:9، ص:157، رقم:8786۔ مصنّف عبد الرزاق، ج:10، ص:163، دار التأصيل)

دُنیا بھر میں اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے سرورِ عالم ﷺ کے عہدِ مبارک اور بعد کے ادوار میں صحابۂ ذی شان علیہم الرضوان نے مدینہ منوّرہ کو چھوڑ کر دُنیا بھر کے مختلف علاقوں میں قیام کیا... بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے متعدِّد صحابہ رضی اللہ عنہم کو خدمتِ دین کے لیے مختلف ممالک کی طرف روانہ فرمایا اور اُن حضرات نے اِس راستے میں جانوں کے نذرانے بھی پیش کیے۔

ہجرت کے چوتھے سال کچھ لوگوں نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہمارے ساتھ بعض افراد کو بھیجیے جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے 70 منتخب حضرات کو اُن کے ساتھ بھیجا جنہیں "قُرّا" کہا جاتا تھا، یہ رات کو علمِ دین سیکھتے، دن کو مسجدِ نبوی شریف میں وضو کے لیے پانی اور اصحابِ صفّہ و دیگر فقرا کے لیے کھانے کا انتظام کرتے۔ یہ معلّمین اُن کے ساتھ گئے تو اُن بدبختوں نے راستے میں ہی اِنھیں شہید کر دیا۔ اِس پر رسول اللہ ﷺ کو اتنا شدید دُکھ ہوا کہ آپ اُن ظالموں کی تباہی کے لیے ایک ماہ تک نماز میں دُعا فرماتے رہے۔ (صحیح مسلم، حدیث:677)

یہ دین کا پیغام پہنچانے کے لیے جان پیش کرنے کی ایک مثال ہے، سیرتِ صحابہ میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

---

[1] تفصیل کے لیے بہارِ شریعت، ج:3، ح:16، ص:410 تا 414 ملاحظہ کریں۔

3) اثر ورسوخ استعمال کرنا: بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے معاشرے میں اثر ورسوخ سے نوازا ہوتا ہے، اُن کے کہنے سے کئی کام ہو جاتے ہیں، محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ یہ حضرات خدمتِ دین کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں۔ ماتحتوں کو نیکی اور علمِ دین کی طرف راغب کریں... دفتر، دکان اور فیکٹری وغیرہ میں دینی ماحول پیدا کریں... اور ضرورت پڑنے پر دین کی خاطر ڈٹ جائیں۔ اِس حوالے سے بھی صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اُمّت کی شان دار تربیت فرمائی ہے۔

ہجرت سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منوّرہ میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجا۔ اُن سے کہا گیا: اگر سعد بن معاذ اسلام قبول کر لیں تو پورا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔ اُدھر سعد سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کو دعوتِ اسلام سے روکنے کے لیے اُن کے پاس گئے، سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے سعد کو اسلام کی دعوت دی اور قرآنِ کریم کی چند آیات سنائیں۔ وہ فرماتے ہیں: فَعَرَفْنَا وَاللهِ فِي وَجْهِهِ الْإِسْلَامَ قَبْلَ أَنْ يَتَكَلَّمَ۔ اُن کے جواب سے پہلے ہی ہمیں اُن کے چہرے سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں دولتِ اسلام سے سرفراز فرمادے گا۔ پھر ایسا ہی ہوا، اُنھوں نے غسل کر کے پاک لباس پہنا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر نوافل ادا کر کے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ جب اپنے خاندان کی طرف واپس گئے تو اُن سے کہا: میری تم میں کیا حیثیت ہے؟ اُنھوں نے کہا: سَيِّدُنَا وَأَفْضَلُنَا رَأْيًا وَأَيْمَنُنَا نَقِيبَةً۔ آپ ہمارے سردار ہیں، سب سے عمدہ رائے والے ہیں اور سب سے بابرکت و کامیاب ہیں۔ آپ نے فرمایا: فَإِنَّ كَلَامَ رِجَالِكُمْ وَنِسَائِكُمْ عَلَيَّ حَرَامٌ حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَبِرَسُولِهِ۔ جب تک تم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تب تک تمہارے ساتھ میری گفتگو حرام ہے۔ چنانچہ رات سے پہلے پورا خاندان مسلمان ہو گیا اور چند ہی دنوں میں مدینہ منوّرہ کے ہر گھر میں اسلام کی دعوت پہنچ گئی۔ (سیرتِ ابن ہشام: 1/437۔ تاریخِ طبری: 2/359۔ البدایہ والنہایہ: 3/187)

4) وقت دینا: صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی مبارک زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے ہر ایک خدمتِ دین کو اپنا سب سے اہم کام سمجھتا تھا، باقی تمام اُمور بعد میں ہوتے تھے۔ ایسا نہیں کہ وہ تجارت اور زندگی کے دیگر ضروری کام نہیں کرتے تھے، بالکل کرتے تھے، مگر دین کی خدمت کے لیے وقت ضرور نکالتے اور اِسے محبتِ رسول ﷺ کا اہم تقاضا سمجھتے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک انصاری پڑوسی کے ساتھ اپنے معاملے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

- كُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ يَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا۔ ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ایک دن وہ حاضر رہتا مَیں کام پر جاتا، ایک دن مَیں حاضر رہتا اور وہ کام پر جاتا۔
- فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ، وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ... جس دن مَیں بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتا رات کو اُسے بتاتا کہ آج رسول اللہ ﷺ پر کیا وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے کیا کیا اِرشاد و عمل فرمایا؟ اور جس روز وہ خدمتِ اقدس میں حاضر رہتا رات کو مجھے وحی اور دیگر باتوں کے بارے میں بتایا کرتا تھا۔ (متفق علیہ، صحیح بخاری، حدیث: 89)

5) مال خرچ کرنا: خدمتِ دینِ متین کا ایک اہم ذریعہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دَولت سے نوازا ہے وہ اپنا مال دین کا پیغام عام کرنے کے لیے پیش کریں، مثلاً: سُنّی علما کی کتابیں چھاپیں اور تقسیم کریں، دینی مدارس سے مالی تعاون کریں، دینی طلبہ کے لیے وظائف (Scholarship / اسکالرشپ) کا اہتمام کریں، مساجد کو آباد کریں اور دین کا کام کرنے والوں کی خدمت کریں۔

خدمتِ دین کے لیے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنا سب کچھ پیش کر دینا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنا آدھا مال حاضر کر دینا، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کئی مرتبہ جنت خریدنا اور دیگر مال دار صحابہ علیہم الرضوان کا اِنفاق معروف اور حیران کن ہے۔ اِن کے ساتھ ساتھ ایسے حضرات بھی تھے جن کے پاس مال کی کثرت نہیں تھی، مگر اُن کا عمل بھی اُمّت کے لیے نمونہ ہے۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی، مال دار صحابہ نے زیادہ مقدار میں مال پیش کیا، جب کہ سیدنا ابو عقیل اَنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صاع (تقریباً چار کلو) کھجوریں لائے۔ عرض کی: حضور! مَیں نے گزشتہ رات کو پانی نکالنے کی مزدوری کی تھی، اُجرت کے طور پر دو صاع کھجوریں ملیں، آدھی گھر والوں کے کھانے کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور بقیہ نصف خدمتِ دین کے لیے حاضر ہیں۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں قبول فرمائیں۔

منافقوں نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا: اللہ کو اِن کی چار کلو کھجوروں کی کیا ضرورت ہے (اتنے تھوڑے سے صدقہ کا کیا فائدہ)؟ ربِّ کریم نے سیدنا ابو عقیل رضی اللہ عنہ کی کھجوریں قبول ہونے کا اعلان کرتے ہوئے اور منافقوں کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ [التوبۃ9:79] ”وہ منافق جو دل کھول کر خیرات دینے والے مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہیں اور ان کو (اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں) جن کے پاس اپنی محنت کی مزدوری کے علاوہ کچھ نہیں ہے، تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ انہیں ان کے مذاق اڑانے کی سزا دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ (المعجم الکبیر، حدیث: 3598۔ تفسیرِ خازن وغیرہ، تحت الآیۃ)

اُسوۂ صحابہ پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی نیت کرنی چاہیے کہ اپنے مال کا ایک حصہ خدمتِ دین کے لیے ضرور پیش کریں گے۔

5) صلاحیتیں بروئے کار لانا: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے۔ چنانچہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی صلاحیتیں خدمتِ دین کے لیے استعمال کرے... جسے بولنے کا سلیقہ ہے وہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے بولے... جو لکھ سکتا ہے وہ دین کی ترویج کے لیے لکھے... جس کا تعلق آئی۔ ٹی۔ کے شعبہ سے ہے وہ اِس میں دین کی خدمت کرے... حتّٰی کہ صحابہ نے تربیت فرمائی ہے کہ بندہ مسجد یا دینی ادارے میں جھاڑو لگا سکتا ہے تو وہ خدمتِ دین کی خاطر یہ سعادت ہی حاصل کر لے۔

عہدِ نبوی میں ایک سیاہ فام مَرد یا خاتون مسجد شریف کی صفائی کیا کرتے تھے، اُن کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر تشریف لے گئے، دُعاؤں سے نوازا، پھر بتایا کہ اُس نے کہا ہے: مسجد کی صفائی کو مَیں نے سب سے افضل عمل پایا ہے۔ (الترغیب والترہیب: 1/197)

حرفِ آخر... سچا عاشق کیسا ہونا چاہیے؟

مَحبّتِ رسول ﷺ کی مٹھاس ایسی عمدہ ہے کہ کائنات کی کسی شے میں اُس جیسا لُطف نہیں... تاہم جس طرح زبان سے درست ذائقہ محسوس ہونے کے لیے حِسّ (محسوس کرنے کی قوّت) کا باقی و صحیح ہونا ضروری ہے، اِسی طرح اُلفتِ رسول ﷺ کی مٹھاس پانے کے لیے باطنی حِسّ کا سلامت ہونا لازم ہے۔

جنھیں عشقِ محبوب ﷺ کی چاشنی نصیب ہوئی وہ زندگی بھر اِس کی لذّت سے سرشار رہے اور دُنیا سے یہ کہتے ہوئے کوچ کیا:

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے　　اندھیری رات سُنی تھی چراغ لے کے چلے

ایمان کے باقی اوصاف کی طرح محبتِ رسول ﷺ میں بھی صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اُونچا مقام پایا ہے۔ اُن کی محبت ایسی عظیم الشان تھی کہ ربّ تعالیٰ نے بھی اُسے شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور سرورِ عالَم ﷺ نے بھی داد و تحسین سے نوازا۔ قیامت تک اُن کی ادائیں راہِ محبّت واُلفت پر چلنے والوں کی راہ نمائی کرتی رہیں گی۔

ماہِ ربیع الاوّل میں اُلفتِ رسول ﷺ کا چراغ روشن کرنے کی آس لیے آخری دو خطبات میں اِس حوالے سے گفتگو ہوئی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے محبتِ رسول ﷺ کے حوالے سے اُمّت کی کیا تربیت فرمائی ہے! اب تک ہونے والے کلام کا خلاصہ ہے کہ:

1) صحابہ نے تربیت فرمائی ہے کہ سچے عاشقِ رسول کو تعظیمِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا پیکر ہونا چاہیے۔

2) اُسوۂ اصحاب سے یہ بھی راہ نمائی ملتی ہے کہ حقیقی عاشقِ رسول کو سیرتِ طیبہ کے بارے میں جان کر کثرت سے حُسن و جمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا تذکرہ کرنا چاہیے۔

3) صحابۂ ذی شان علیہم الرضوان کا کردار راہ نمائی کرتا ہے کہ محبِّ صادق کو اپنے آقا کریم ﷺ کی آمد پر شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے خوب خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔

4) سیرتِ صحابہ سے یہ بات بھی واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ عشقِ رسالت مآب ﷺ سچا ہونے کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی طاقت کے مطابق دینِ اسلام کی خدمت کرے؛ کیونکہ آقا کریم ﷺ نے عمر بھر اِس دین کی سربلندی کے لیے کوشش فرمائی ہے۔

دینِ مصطفوی کی مدد وہ عظیم فریضہ ہے جس کا ربِّ کریم نے سیدنا آدم سے سیدنا عیسیٰ تک... تمام انبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَات سے وعدہ لیا تھا اور اُنھوں نے اپنی اپنی قوموں سے اِس کا عہد لیا تھا۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔[1] "اور اے محبوب! یاد کیجیے،

---

[1] وَتَنْصُرُنَّهٗ عَلٰى أَعْدَائِهٖ لِإِظْهَارِ دِیْنِ الْحَقِّ۔ (روح البیان، تحت الآیۃ)

جب اللہ نے انبیا سے پختہ وعدہ لیا کہ مَیں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں گا پھر تمہارے پاس تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والا عظیم الشان رسول تشریف لائے گا تو تم ضرور ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اُس کی مدد کرنا۔"

مزید ارشادِ گرامی ہے: قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (اللہ نے) فرمایا: کیا تم نے اِقرار کر لیا اور اِس پر میرا بھاری ذمہ لے لیا؟ سب (انبیا) نے عرض کی: ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ اور مَیں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔" [اٰلِ عمران 3:81]

کیسی خوش نصیبی ہے کہ جن کی مدد کا شرف پانے کے لیے انبیائے کرام منتظر رہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُن کے دین کی نوکری کا موقع دیا ہے، چنانچہ ہمیں خدمتِ دین کے لیے خود کو پیش کرنا چاہیے۔ اِس سلسلے میں کردار و سیرتِ صحابہ کی روشنی میں ذکر کیا گیا کہ:

⟸ ہمیں چاہیے کہ علمِ دین حاصل کریں، کم از کم روزانہ دین کی ایک بات سیکھنے سے ہی آغاز کر دیں۔

⟸ دین کی جو بات صحیح طریقے سے جانتے ہیں وہ اپنے گھر والوں، دفتر و دُکان کے ساتھیوں اور حسبِ استطاعت دیگر مسلمانوں کو بتائیں۔

⟸ اگر ربِّ کریم نے ہمیں اثر و رُسوخ دیا ہے تو اُسے دین کے فروغ کے لیے استعمال کریں... اپنے متعلقین اور ماتحتوں کو نیکی اور علمِ دین کی طرف راغب کریں... دفتر، دکان اور فیکٹری وغیرہ میں دینی ماحول پیدا کریں... اور ضرورت پڑنے پر دین کی خاطر ڈٹ جائیں۔

⟸ دین کی خدمت فقط علما کی ذمہ داری نہیں، یہ ہر عاشقِ رسول کا کام ہے۔ ہمیں اپنے وقت کا کچھ حصہ خدمتِ دین کے لیے نکالنا چاہیے۔

⟸ جنھیں مال و دَولت سے نوازا گیا ہے وہ اپنا مال دین کا پیغام عام کرنے کے لیے پیش کریں، مثلاً: سُنّی علما کی کتابیں چھاپیں اور تقسیم کریں، دینی مدارس سے مالی تعاون کریں، دینی طلبہ کے لیے وظائف (Scholarship / اسکالر شپ) کا اہتمام کریں، مساجد کو آباد کریں اور دین کا کام کرنے والوں کی خدمت کریں۔

⟸ ہر عاشقِ رسول کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتیں خدمتِ دین کے لیے استعمال کرے۔ جسے بولنے کا سلیقہ آتا ہے وہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے بولے... جو لکھ سکتا ہے وہ دین کی ترویج کے لیے لکھے... جس کا تعلق آئی۔ ٹی۔ کے شعبہ سے ہے وہ اِس میں دین کی خدمت کرے... حتّٰی کہ صحابہ نے تربیت فرمائی ہے کہ بندہ مسجد یا دینی ادارے میں جھاڑو لگا سکتا ہے تو وہ خدمتِ دین کی خاطر یہ سعادت ہی حاصل کر لے۔

شرعی مسئلہ: بعض اوقات محافلِ میلاد کے ثواب میں دوسروں کو شریک کرنے کے لیے اُن سے چندہ لیا جاتا ہے، اِس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جس نیک مقصد کے لیے چندہ اکٹھا کیا گیا ہو اُسے فقط اُسی مقصد میں استعمال کیا جا سکتا ہے؛ لہٰذا اگر محفل کے لیے جمع کیے گئے چندے کی کچھ رقم بچ جائے تو اُسے کسی اور کام میں نہیں لگا سکتے، وہ امانت ہے، اُسے اِسی نیک کام میں صَرف کرنے کے لیے محفوظ رکھا جائے گا، البتہ دینے والا اجازت دے تو اُس رقم کو کسی اور کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ/27 ستمبر 2024ء

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(تیسرا حصہ)

مشمولات

- محبّت کا تقاضا... شوقِ زیارت وحاضری
  - تمنّائے دیدار اور طرزِ صحابہ علیہم الرضوان
- محبت کا تقاضا... اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
  - تعمیلِ حکم میں تعجیل
  - سیدنا جریر کی وعدہ وفائی اور صحابیات کا جذبۂ اطاعت
  - حکمِ رسول سنتے ہی لشکرِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی واپسی
  - صحابی رضی اللہ عنہ کا انگوٹھی کو پھینک دینا
  - دعوتِ میت کی ممانعت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا۔

حکمتِ الٰہیہ کے مطابق افراد اور اقوام پر عروج وزوال آتا رہتا ہے... ربّ تعالیٰ کبھی اپنی رحمت سے بلندی وشوکت عطا فرماتا ہے اور کبھی آزمائش کے لیے پستی وخواری میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ جو افراد اور قومیں زوال کے دَور میں اسبابِ زوال پر غور کر کے اُنھیں دُور کرنے کی کوشش کریں وہ جلد ہی دوبارہ عروج پالیتی ہیں... لیکن اگر اِس طرف توجّہ ہی نہ کی جائے کہ پستی کی وجوہات کیا ہیں تو دوبارہ عظمت ووقار حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

مسلمانوں کو عروج کیسے ملا اور اب زوال کیوں ہے؟ اِس کی ظاہری وُجوہات متعدّد ہیں، تاہم حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو بقولِ اقبال ملّتِ اسلامیہ کی زندگی اور بقا عشقِ رسول ﷺ کے ساتھ ہے۔ اگر یہ دَولت میسّر ہو تو مسلمان زندہ قوم ہوتے ہیں اور جہان پر راج کرتے ہیں... جب اِس سرمائے سے محروم ہو جائیں تو اُن کے دھڑکتے دل حقیقت میں مُردہ ہوتے ہیں اور وہ پستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے افغانستان کے لبرل بادشاہ امیر امان اللہ خان کے نام ایک طویل نظم میں یہ بھی لکھا تھا:

ہر کہ عِشقِ مُصطفٰی سامانِ اُوست　　بحر و بر در گوشۂ دامانِ اُوست

جسے عشقِ رسول ﷺ کی دَولت مل گئی... اُس کے گوشۂ دامن میں خشکی اور تری (کے تمام خزانے) موجود ہیں۔

سوزِ صدّیق و عَلی از حقّ طلب　　ذرّۂ عِشقِ نبی از حقّ طلب

اللہ تعالیٰ سے دُعا کر کہ وہ تجھے سیدنا صدّیقِ اکبر اور سیدنا حیدرِ کرّار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوزِ جگر کی خیرات عطا کر دے...

اور باری تعالیٰ سے التجا کر کہ وہ تجھے عشقِ رسول ﷺ کا ایک ذرّہ عطا فرما دے!

زاں کہ ملّت را حیات از عِشقِ اُوست　　بزرگ و ساز کائنات از عِشقِ اُوست

کیونکہ ملّتِ اسلامیہ کی حیات وبقا عشقِ رسول ﷺ سے ہے... بلکہ ساری کائنات کا حُسن آپ ﷺ کے عشق سے ہے۔

رُوحِ را جُز عِشقِ اُو آرام نیست　　عِشقِ اُو روزیست کُورا شام نیست

اُن کے عشق کے بغیر روح کو چین نہیں... اُن کا پیار ایسا روشن دن ہے جسے کبھی شام نہیں (اِس اُجالے کے بعد کبھی تاریکی نہیں)۔

سچے عشقِ رسول ﷺ کی برکت سے پوری دُنیا پر راج کرنے کی شان دار مثال صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا حسین دَور ہے۔ اُن کا اپنے آقا کریم ﷺ سے بے مثال پیار بلاشبہ قیامت تک کے مسلمانوں کو کامیابی کا راستہ دکھاتا رہے گا۔ گزشتہ دو خطباتِ جمعہ میں ”صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ محبتِ رسول ﷺ“ سے حاصل شدہ چار اُصول ذکر کیے گئے، آج بھی اِسی سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے گا۔

مَحبّت کا تقاضا... شوقِ زیارت وحاضری

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی مبارک سیرتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سچے عاشقِ رسول کا دل تمنائے زیارت سے مچلتا رہتا ہے اور اُسے یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد بارگاہِ اقدس میں خیر سے پیشی ہو۔

صحابہ کو صبح شام دربارِ رسالت مآب ﷺ میں حاضری کا شرف ملتا اور بہت قریب سے چہرۂ پُر نور کی زیارت نصیب ہوتی، اِس کے باوجود اُن کا شوقِ زیارت وحاضری ایسا بے مثال تھا کہ اُس کے تذکرے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ اُنھوں نے تربیت فرمائی کہ:

i. مسلمان کے دل میں یہ آرزو بھی ہونی چاہیے کہ جاگتے ہوئے یا خواب میں جمالِ جہاں آرا کے دیدار کی سعادت ملتی رہے۔

ii. یہ تمنّا بھی ہونی چاہیے کہ ایمان سلامت لے کر دُنیا سے جاؤں اور حضور ﷺ کے سامنے اِس طرح پیشی ہو کہ مالک راضی ہو جائیں۔

تمنائے دیدار: حضرت اَبُو مَعْمَر عبد اللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: ہم نے سیدنا خبّاب بن اَرَتّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نمازِ ظہر اور عصر میں قرآنِ حکیم کی تلاوت فرماتے تھے؟ اُنھوں نے فرمایا: جی ہاں۔ ہم نے پوچھا: آپ کو کیسے معلوم ہو جاتا تھا (ظہر وعصر میں تو آہستہ آواز سے تلاوت ہوتی ہے)؟ اُنھوں نے فرمایا: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ۔ سرورِ عالم ﷺ کی داڑھی مبارک کی حرکت سے (پتا چلتا تھا کہ آپ تلاوت فرما رہے ہیں)۔ (صحیح بخاری، حدیث: 746)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز میں رِیش مبارک کی حرکت کیسے نظر آتی تھی؟ محدثین نے جواب میں لکھا: وہ دورانِ نماز ٹکٹکی باندھ کر رُخِ انور کی زیارت کیا کرتے تھے، حتّٰی کہ داڑھی مبارک کی جُنبِش بھی اُن کی نظروں میں ہوتی تھی۔[1]

غزوۂ تبوک کے موقع پر سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سستی ہو گئی اور وہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ واپسی پر تنبیہ کے لیے آپ ﷺ نے اُن کے ساتھ سلام وکلام ترک کرنے کا حکم فرما دیا، بعد میں اُن کی توبہ قبول ہونے سے متعلق قرآنِ حکیم کی آیتِ کریمہ بھی نازل ہوئی۔ جس وقت اِن کے ساتھ گفتگو سے منع کیا گیا تھا اُس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے سیدنا کعب نے فرمایا: مَیں بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتا، (رسول اللہ ﷺ جواب نہیں دیتے تھے؛ کیونکہ اِس سے روکا گیا تھا) دل میں کہتا: هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ عَلَيَّ أَمْ لَا؟ سرکار ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے لیے ہونٹ مبارک کو جنبش دی ہے یا نہیں؟ پھر مَیں آپ ﷺ کے قریب نماز پڑھتا، فَأُسَارِقُهُ النَّظَرَ، فَإِذَا أَقْبَلْتُ عَلَى صَلَاتِي أَقْبَلَ إِلَيَّ، وَإِذَا الْتَفَتُّ نَحْوَهُ أَعْرَضَ عَنِّي۔ دورانِ نماز چھپی نظروں / کنکھیوں سے رُخِ انور کی زیارت کرتا، جب مَیں نماز کی طرف متوجّہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ میری طرف نگاہ فرماتے اور جب مَیں آپ ﷺ کی طرف متوجّہ ہوتا تو رُخِ انور پھیر لیتے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 4418)

---

[1] وَذٰلِكَ، لِأَنَّهُمْ كَانُوا يُرَاقِبُونَهُ فِي الصَّلَاةِ، حَتّٰى كَانُوا يَرَوْنَ اضْطِرَابَ لِحْيَتِهِ مِنْ جَنْبَيْهِ۔ (عمدۃ القاری، تحت الحدیث)

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے بھی زیارت نصیب ہوتی، پھر جاتے ہوئے بھی شرفِ دیدار پاتے... اِس کے باوجود جذبۂ محبت کا یہ عالَم تھا کہ نماز میں بھی نگاہیں جمالِ یار کی طرف ہی رہتیں۔ یہی جذبہ اُمّت کو سکھاتے ہوئے اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

دین سے دُوری اور اعمال کی کمزوری کے باوجود آج بھی بے شمار ایسے خوش نصیب ہیں جنھیں تنہائی میں حبانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق تڑپاتا اور رُلاتا ہے، اِس ایمانی جذبے کی خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی ہے۔ سیدنا ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبًّا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي۔ "میری اُمّت میں میرے ساتھ شدید ترین مَحبّت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔" پھر اِن کے جذبۂ مُحبّت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَآنِي بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ۔» (صحیح مسلم، حدیث: 2832) شارحینِ حدیث نے اِن حسین جملوں کے دو مفہوم بیان فرمائے:

i. "وہ تمنّا کریں گے کہ کاش! اُنھیں میری زیارت و ملاقات نصیب ہوتی تو وہ اپنا مال اور اہل و عیال سب کچھ مجھ پر قربان کر دیتے!"[1]

ii. "اُن کا جذبہ ہو گا کہ اگر دَولت اور اہل و عیال سب کچھ قربان کر کے خواب میں یا جاگتے ہوئے دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہو جائے تو یہ بہت بڑی سعادت ہے!"[2] محدثینِ کرام نے لکھا: یہ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے ربّ تعالیٰ کے بتانے سے صدیوں بعد پیدا ہونے والے عاشقوں کو بھی جان لیا اور اُن کے دلوں کی کیفیت بھی ارشاد فرما دی۔ (التیسیر بشرح الجامع الصغیر، زیرِ حدیث: 1060)

عالمِ ربّانی پیر سید مہر علی شاہ سیالوی گولڑوی علیہ الرحمہ نے خوب تمنّا سکھائی:

ایہا صورت شالا پیشِ نظر، رہے وقتِ نزع تے روزِ حشر
وِچ قبر تے پُل تھیں جد ہوسی گزر، سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں

مرنے کے بعد پیشی: جس شخص کا یہ تصوّر پختہ ہو جائے کہ ایک دن مرنے کے بعد بارگاہِ الٰہی اور دربارِ مصطفوی میں پیش ہونا ہے، اُس کا ایمان بھی ترقّی پاتا ہے اور اعمال بھی سنور جاتے ہیں۔

سیدنا ثوبان کا جذبہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس قدر شدید محبت تھی کہ دیدار کے بغیر اُنھیں چین نہیں آتا تھا۔ ایک روز وہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو اُن کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا: مَا غَيَّرَ لَوْنَكَ؟ یعنی "تمہارا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟" عرض کی: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا بِي مَرَضٌ

---

[1] يَعْنِي يَتَمَنَّى أَحَدُهُمْ أَنْ يَكُونَ يَفْدِي بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ لَوِ اتَّفَقَ رُؤْيَتُهُمْ وَوُصُولُهُمْ إِلَيَّ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 6284)

[2] وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ - وَاللهُ أَعْلَمُ - رُؤْيَتَهُ صلى الله عليه وسلم بِالْكَشْفِ يَقْظَةً، كَمَا يَكُونُ لِلْكُمَّلِ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ، وَمَنَامًا أَيْضًا كَمَا يَكُونُ لِسَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ؛ فَإِنَّ مِنَ الْمُشْتَاقِينَ مَنْ يَتَمَنَّى ذٰلِكَ، وَيَرَى أَنَّ لَوْ كَانَ حَصَلَ لَهُ ذٰلِكَ بِفِدَاءِ أَهْلِهِ وَمَالِهِ بَلْ رُوحِهِ وَجَمِيعِ مَالَهُ لَكَانَ فِيهِ سَعَادَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (لمعات التنقیح، تحت الحدیث: 6284)

وَلَا وَجَعٌ، غَيْرَ أَنِّيْ إِذَا لَمْ أَرَكَ اسْتَوْحَشْتُ وَحْشَةً شَدِيْدَةً حَتّٰى أَلْقَاكَ۔ یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! مجھے کوئی بیماری یا تکلیف نہیں ہے، البتہ جب آپ کی زیارت نہ ہو تو مجھے انتہائی وحشت و پریشانی ہو جاتی ہے، حتّٰی کہ آپ کا دیدار کر کے چین ملتا ہے۔

مزید کہا: ثُمَّ ذَكَرْتُ الْآخِرَةَ فَأَخَافُ أَنْ لَا أَرَاكَ؛ لِأَنَّكَ تُرْفَعُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ، وَإِنِّيْ إِنْ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ كُنْتُ فِيْ مَنْزِلَةٍ أَدْنٰى مِنْ مَنْزِلَتِكَ، وَإِنْ لَمْ أَدْخُلِ الْجَنَّةَ لَا أَرَاكَ أَبَدًا۔ یعنی جب مَیں آخرت کو یاد کرتا ہوں تو یہ خوف آتا ہے کہ کہیں آپ کے دیدار سے محروم نہ رہ جاؤں؛ کیونکہ آپ امام الانبیا ہیں اور بلند ترین مقام پر ہوں گے، مجھے اللہ تعالیٰ نے جنت عطا فرمائی تو بھی آپ کے بلند مقام تک رسائی کہاں! اور جنت سے محروم رہا تو کبھی بھی آپ کا دیدار نہیں کر پاؤں گا!

چنانچہ اُن کی اور دیگر سچے عاشقوں کی تسلّی کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ [النساء4:69] ”جو اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم کا حکم مانے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے فضل فرمایا، یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین... اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔“ (تفسیر بغوی، تفسیر خازن، تفسیر قرطبی، تفسیر مظہری، تحت الآیۃ)

سیدنا انس کی وارفتگی: امام الانبیا ﷺ کے وصالِ اقدس کے بعد سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کثرت سے آپ ﷺ کو یاد کرتے۔ ایک دن فرمانے لگے: مَیں نے عنبر اور کستوری سمیت کوئی ایسی شے نہیں سونگھی جس کی مہک رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ خوشبو سے عمدہ ہو... اور مَیں نے موٹے و باریک ریشم سمیت کوئی ایسی شے نہیں چھوئی جو آقا کریم ﷺ کے جسم مبارک سے زیادہ نرم ہو۔

اندازِ محبّت کو دیکھ کر حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے: آپ کی کیفیت تو ایسے ہے کہ گویا آپ اِس وقت رحمتِ عالَم ﷺ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کی مبارک آواز سُن رہے ہیں! سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بَلٰى وَاللّٰهِ! إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ أَلْقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَقُوْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! خُوَيْدِمُكَ۔ کیوں نہیں! (یہی کیفیت ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے اُمّید ہے کہ میری روزِ قیامت آقا کریم ﷺ سے ملاقات ہو گی تو مَیں عرض کروں گا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! آپ کا ادنٰی خادم انس حاضر ہے۔ مزید فرماتے: خَدَمْتُهُ عَشْرَ سِنِيْنَ بِالْمَدِيْنَةِ وَأَنَا غُلَامٌ۔ یعنی مجھے یہ اِعزاز حاصل ہے کہ مَیں نے بچپن میں دس سال مدینہ منوّرہ کی پُرنور فضاؤں میں رہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی ہے۔ (مسند احمد، حدیث: 13317، قال الأرنؤوط: اسنادہٗ صحیح علی شرط مسلم)

اُنھوں نے ایک مرتبہ عرض کی تھی: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! خُوَيْدِمُكَ أَنَسٌ، اِشْفَعْ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ! یارسول اللہ! قیامت کے دن اپنے ادنٰی خادم انس کی شفاعت فرمایئے گا! آپ ﷺ نے فرمایا تھا: أَنَا فَاعِلٌ۔ مَیں شفاعت کروں گا۔ پھر آپ ﷺ نے اُنھیں یہ بھی بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ پُل صراط یا میزان یا حوضِ کوثر کے پاس ملاقات ہو گی۔ (جامع ترمذی: 2433۔ تاریخ کبیر للبخاری: 8/453)

محبت کا تقاضا... اطاعتِ رسول ﷺ

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی تربیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ محبّتِ رسولِ کریم ﷺ کے دعوٰی میں سچا وہ ہے جو دل و جان سے محبوبِ مکرّم ﷺ کی اِطاعت و پیروی بھی کرے۔

بات کہنا آسان، مگر اُسے نبھانا مشکل ہوتا ہے۔ محبتِ رسول ﷺ کا دعوٰی آسان ہے، خود کو عاشقِ رسول ﷺ کہنے میں کوئی مشکل نہیں... مگر محبت کا حُسن یہی ہے کہ پیار کرنے والا ویسا ہی بن جائے جیسا اُس کا محبوب چاہتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ امام الانبیا ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ۔» ”تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔“ (”السنة“ لابن أبي عاصم، الحديث: 15۔ ”شرح السنة“ للبغوي، الحديث: 104۔ ”نوادر الأصول في أحاديث الرسول ﷺ“ للحكيم، ج:4، ص:164) اگر انسان شرعی احکام کو اچھا اور ممنوعات کو بُرا نہ سمجھے تو مومن ہی نہیں اور اپنی چاہت پر عمل سے پہلے شریعت کا لحاظ نہ کرے تو اُسے کامل ایمان نصیب نہیں۔

جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے: ایک دن رسول اللہ ﷺ خطبہ اِرشاد فرما رہے تھے، اِس دوران آپ نے (مسجد میں موجود حضرات کو) فرمایا: اِجْلِسُوْا! ”بیٹھ جاؤ!“ شاعرِ دربارِ نبوی سیدنا عبد اللہ بن رَواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کانوں میں جب یہ مبارک آواز پڑی تب ابھی وہ مسجد میں نہیں پہنچے تھے، لیکن اُنھوں نے حکم پر عمل کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی گوارا نہ کی اور مسجد سے باہر ہی جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے، پھر خطبہ مکمّل ہونے کے بعد مسجد میں حاضر ہوئے۔ جب نبیِ کریم ﷺ کی بارگاہ میں اُن کی فرماں برداری کا حسین انداز ذکر کیا گیا تو زبانِ نبوی سے یہ مبارک الفاظ ادا ہوئے: زَادَكَ اللهُ حِرْصًا عَلٰى طَوَاعِيَةِ اللهِ تَعَالٰى وَطَوَاعِيَةِ رَسُوْلِهٖ۔ یعنی ”اللہ کریم اِطاعتِ خداوندی اور اتباعِ مصطفوی کے تمہارے شوق میں مزید اِضافہ فرمائے!“

(دلائل النبوّة للبيهقي، ج:6، ص:257، قال العسقلاني في الإصابة: أخرج البيهقي بسند صحيح، ج:4، ص:73)

تقریباً یہی عمل ایک موقع پر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی کیا، تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: تَعَالَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ! ”عبد اللہ بن مسعود! آپ (مسجد کے اندر) آجائیے!“ (سننِ ابو داؤد، حدیث: 1091)

اگرچہ سیدنا عبد اللہ بن رواحہ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں ہی سمجھتے تھے کہ بیٹھنے کا حکم ہمیں نہیں دیا، مسجد والوں کو دیا ہے... اِس کے باوجود دونوں حضرات نے اُسی جگہ بیٹھ کر حقیقت میں اُمّت کی تربیت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کے حکمِ عالی کی خلاف ورزی کرنا تو دُور کی بات ہے، اُمتّی کو یہ بھی نہیں جچتا کہ وہ عمل درآمد کرنے میں معمولی تاخیر کرے۔

وعدہ کو نبھانا: اِس اُمّت کے یوسف سیدنا جَرِیر بن عبد اللہ بَجَلی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اپنے خادم کے ہمراہ سواری خریدنے کے لیے بازار تشریف لے گئے۔ ایک گھوڑا پسند آیا تو خادم کو اُس کے مالک کے ساتھ بات کرنے کے لیے بھیجا، خادم نے گھوڑے کے مالک کو 300 درہم کی پیشکش کی اور سودا مکمّل کرنے کے لیے اُسے سیدنا جریر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے پاس لے آیا۔ آپ نے گھوڑا دیکھا تو بیچنے والے کو فرمایا: فَرَسُكَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ، تَبِيعُهُ بِخَمْسِ مِائَةٍ؟ یعنی تمہارا گھوڑا بہتر ہے، اِس کا ریٹ 300 درہم نہیں بنتا، 500 درہم میں بیچو گے؟ آپ ثمن میں مسلسل اِضافہ کرتے رہے اور 700 یا 800 درہم میں گھوڑا خرید لیا (پاکستانی کرنسی کے مطابق کئی لاکھ روپے ثمن زیادہ دیا)۔ بعد میں آپ نے کم بھاؤ لگانے پر اپنے خادم سے ناراضی کا اِظہار بھی کیا۔ جب پوچھا گیا کہ خریدار توریٹ کم کرواتا ہے، آپ نے اِضافہ کیوں کیا؟ تو فرمانے لگے: بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔ یعنی رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے میری بیعت اِس شرط پر قبول فرمائی تھی کہ مَیں ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، چنانچہ مَیں نے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ نبھانے کے لیے ایسا کیا ہے۔

(المعجم الکبیر، ج:2، ص:334، رقم:2395۔ شرح صحیح مسلم للنووی، زیرِ حدیث:56)

سیدنا جَرِیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے اِس حسین عمل کی روشنی میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ اگر آقا کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے حکم پر عمل کے لیے ہمیں مال کو قربان کرنا پڑے تو ایسا کرتے ہیں؟ نیز کیا ہم بھی اِسی طرح دوسرے مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے ہیں؟ حالانکہ نصیحتِ مسلم اِس قدر اہم ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سیدنا جَرِیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی بیعت اِسی شرط پر قبول فرمائی تھی۔

خواتین کا جذبۂ اطاعت: بدری صحابی سیدنا ابو اُسَید مالک بن رَبیعہ انصاری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مسجد سے باہر رونق افروز ہو کر لوگوں سے کلام فرما رہے تھے، آپ کی گفتگو سننے کے لیے (رش کے سبب) مَرد و خواتین مخلوط ہو گئے۔[1]

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے خواتین کو مخاطب کر کے فرمایا: اِسْتَأْخِرْنَ، فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيقَ، عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيقِ۔ "پیچھے رہو! تمہارے لیے راستے کے درمیان میں چلنا مناسب نہیں، تم پر لازم ہے کہ راستے کے کناروں پر چلو۔"

راوی کہتے ہیں: فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْتَصِقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰى إِنَّ ثَوْبَهَا لَيَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُّصُوْقِهَا بِهٖ۔ یعنی پھر صحابیات (حکمِ نبوی پر عمل کرنے کے لیے) دیواروں کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں، حتّٰی کہ بعض اوقات دیوار کے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے اُن کا کپڑا دیوار کے ساتھ اٹک جاتا۔ (سنن ابو داوٗد، حدیث:5272)

حدیثِ مبارک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی طرح صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی اطاعت و اتّباع کے جذبہ سے یوں سرشار تھیں کہ ایک مرتبہ جو حکم دیا جاتا عمر بھر اُس پر عمل پیرا رہتیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مَردوں اور خواتین کے مخلوط طور پر جمع ہونے سے آقا کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے منع فرمایا ہے۔ اُمّتوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ قلوب والوں کو اجازت نہیں تو ہم کہاں!

---

[1] فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ: أَيْ يُكَلِّمُ النَّاسَ وَيَدْعُوْهُمْ إِلَى الْأَحْكَامِ، فَاخْتَلَطَ لِسَمَاعِ كَلَامِهِ النَّاسُ فِي الطَّرِيقِ۔ (لمعات التنقیح)

حکم سنتے ہی فوج کی واپسی: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ سلطنت میں رُومی حکومت کے ساتھ کچھ عرصہ کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کیا۔ جب معاہدہ ختم ہونے کا وقت قریب تھا تو آپ نے حکمتِ عملی کے تحت اسلامی لشکر کو حکم دیا کہ وہ تیاری کر کے رُومی سرحد کے قریب پہنچے؛ تاکہ معاہدہ ختم ہوتے ہی جہاد شروع کر دیا جائے۔

فوج رُومی سرحد کے قریب پہنچ چکی تھی، جنگی تیاری بھی مکمّل تھی، اِس دوران ایک صحابی سیدنا عَمرو بن عَبَسہ رضی اللہ عنہ اُن کے پاس تشریف لائے اور کہا: اَللّٰهُ أَكْبَرُ! وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ۔ "اللہ اکبر! معاہدہ پورا کیا جائے، بدعہدی نہ کی جائے۔" سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اِس بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُ [1] حَتّٰى يَمْضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ۔ یعنی "جس کا کسی قوم سے عہد ہو تو وہ معاہدے میں کوئی تبدیلی نہ کرے، حتّٰی کہ اُس کی مدت گزر جائے یا اُنھیں برابری پر بتا دے (مجبورًا معاہدہ ختم ہونے کی خبر دے دے)۔

راوی کہتے ہیں: فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث مبارک سنتے ہی پورا لشکر لے کر واپس روانہ ہو گئے۔

(جامع ترمذی، حدیث: 1580۔ سنن ابو داؤد، حدیث: 2759)

واضح سی بات ہے کہ یہ لشکر کشی اسلامی جہاد کے لیے تھی، پھر ایسے موقع پر فوج کو واپس بلانا بظاہر حکمتِ عملی کے خلاف اور نہایت مشکل فیصلہ تھا، مگر جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنا تو فوج کو واپسی کا حکم دیتے ہوئے زبان حال سے کہا: سارے مفادات آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قربان ہیں۔

انگوٹھی پھینک دی: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی اُنگلی میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اُسے اُتار کر پھینک دیا اور فرمایا: يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ؟ "کیا تم میں سے کوئی آگ کا انگارہ لے کر اُسے اپنی انگلی میں ڈال لیتا ہے؟" یعنی مَرد کے لیے سونا پہننا گویا جہنم کی چنگاری کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو اُن صحابی سے کہا گیا: خُذْ خَاتَمَكَ، اِنْتَفِعْ بِهٖ۔ اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور (بیچ کر یا اپنی کسی عزیزہ کو دے کر) اِس سے فائدہ حاصل کرو۔ اُنھوں نے بہت ایمان افروز جواب دیا: لَا، وَاللّٰهِ لَا آخُذُهٗ أَبَدًا وَّقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ نہیں، قسم بخدا! میں اُسے کبھی نہیں اُٹھاؤں گا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے دستِ مبارک کے ساتھ میری اُنگلی سے اُتار کر) اُسے پھینک دیا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2090)

شرعی مسئلہ ہے کہ مَرد کے لیے صرف چاندی کی ایک ایسی انگوٹھی پہننا جائز ہے جو ساڑھے چار ماشے سے کم ہو اور اُس میں ایک نگینہ ہو۔

---

[1] وَمَجْمُوْعُ الْجُمْلَتَيْنِ عِبَارَةٌ عَنِ التَّغْيِيْرِ۔ (لمعات التنقیح، تحت الحدیث: 3980)

حرفِ آخر... سچی محبّت کی پہچان اور وجہِ زوال

اُمّت کا دَرد رکھنے والے حقیقت شناس مفکرین نے ہر دَور میں یہ پیغام دیا ہے کہ ملّتِ اسلامیّہ کی زندگی اور بقا عشقِ رسول ﷺ کے ساتھ ہے۔ اگر یہ دَولت میسّر ہو تو مسلمان زندہ قوم ہوتے ہیں اور جہان پر راج کرتے ہیں... لیکن خدانخواستہ اِس سرمائے سے محروم ہو جائیں تو اُن کے دھڑکتے دل حقیقت میں مُردہ ہوتے ہیں اور پستی اُن کا مقدّر بن جاتی ہے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا عروج اور بے سَر و سامانی کے عالَم میں دُنیا کی بڑی طاقتوں کو شکست دینا اِس کا واضح ثبوت ہے۔ وہ ایسے سچے عاشقانِ رسول تھے کہ قرآن و سنت میں اُن کے جذبۂ محبّت کی تحسین فرمائی گئی اور اُن سے ایمانیات سیکھنے کا حکم فرمایا گیا۔

آخری تین خطبات میں عشقِ رسول ﷺ سے متعلق چھ اصول ذکر کیے گئے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

5) صحابہ نے تربیت فرمائی ہے کہ سچے عاشقِ رسول کو تعظیمِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا پیکر ہونا چاہیے۔ جانِ عالَم ﷺ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے بہترین الفاظ کا چناؤ کرے اور انداز بھی ادب سے بھرپور ہو۔

آئے روز سوشل میڈیا پر ایسے کلپس وائرل ہوتے ہیں جن میں مذہبی لبادہ اوڑھ کر فتنہ پرور لوگ غیر محتاط طریقے سے دین کی تشریحات کرتے ہیں، پھر جب لوگوں کا دباؤ بڑھتا ہے تو اپنے بیان سے معافی مانگ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے؛ کیونکہ بارگاہِ رسالت کی ادنیٰ گستاخی سے عمر بھر کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

6) اُسوۂ اصحاب سے یہ بھی راہ نمائی ملتی ہے کہ حقیقی عاشقِ رسول کو سیرتِ طیبہ کے بارے میں جان کر کثرت سے حُسن و جمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا تذکرہ کرنا چاہیے۔

7) صحابۂ ذی شان علیہم الرضوان کا کردار راہ نمائی کرتا ہے کہ محبِّ صادق کو اپنے آقا کریم ﷺ کی آمد پر شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے خوب خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔

8) سیرتِ صحابہ سے یہ بات بھی واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ عشقِ رسالت مآب ﷺ میں سچا ہونے کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی طاقت کے مطابق دینِ اسلام کی خدمت کرے؛ کیونکہ آقا کریم ﷺ نے عمر بھر اِس دین کی سربلندی کے لیے کوشش فرمائی ہے۔

9) صحابہ نے یہ بھی تعلیم فرمایا ہے کہ پیار کے دعوٰی میں سچا وہ ہے جو محبوبِ مکرّم ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت کا مشتاق رہے۔ ظاہر ہے کہ شوقِ دیدار سے سرشار اُمّتی یہ سوچ کر نافرمانی اور گناہ کے قریب بھی نہیں جاتا کہیں ایسا نہ ہو کہ نافرمانی کی نحوست سے ترستا رہ جاؤں اور کہا جائے کہ گناہوں سے بھری یہ آنکھیں جلوۂ یار کے قابل نہیں ہیں۔

10) جس طریقے سے صحابہ نے رحمتِ عالَم ﷺ کے احکام پر عمل کیا ہے اُس سے قیامت تک راہِ عشق کے مسافروں کو یہ پیغام ملتا رہے گا کہ اطاعت و غلامی کے بغیر عاشقِ رسول ہونے کے دعوٰی میں حُسن نہیں ہے۔ سچا عاشق ویسا ہی بن کر رہتا ہے جیسا اُس کے

محبوب کو پسند ہو۔ محبت کے اِس اُصول پر عمل کرتے ہوئے اطاعتِ خدا واتّباعِ مصطفیٰ ﷺ کرنے والوں کو ربِّ کریم نے قرآنِ حکیم میں یہ خوش خبری عطا فرمائی ہے کہ اُنھیں انبیا، صدّیقین، شہدا اور صالحین کی سنگت نصیب ہو گی۔ یقیناً یہ بہت بڑا اِعزاز ہے۔

اِس وقت اُمّتِ مسلمہ جس کرب میں مبتلا ہے اُس پر ہر دردِ دل رکھنے والا مسلمان خون کے آنسو روتا ہے۔ غزّہ کی حالت تباہی سے بھی اگلی حد پر ہے اور یہ سلسلہ ابھی رُکا نہیں کہ اسرائیلی خون خوار درندے بھاری ہتھیاروں کے ساتھ لبنان پر بھی حملہ آور ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف مسلم حکمران فقط مذمّت کرنے کو کافی سمجھ رہے ہیں اور عملی طور پر کوئی قدم اُٹھانے کے لیے تیار نہیں۔

اقبال علیہ الرحمہ بھی اُمّت کی زبوں حالی پر نہایت افسردہ تھے۔ ایک نظم میں اُنھوں نے کہا:

شَبے پیشِ خُدا بُگرِیستَم زار
مُسلماناں چرا زارَند و خَوارَند

ایک رات میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زار و قطار رو کر التجا کی: یا اللہ! مسلمان کیوں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں؟

نِدا آمَدْ نَمِیْ دَانیْ کہ ایں قومْ
دِلے دارَند و مَحْبُوبے نَدارَنْدْ

تو ندا آئی: تمھیں معلوم نہیں کہ اِن کے پاس دل تو ہیں، مگر اُن میں محبوب (کا عشق) نہیں ہے۔

شرعی مسئلہ: کسی شخص کی وفات اور اُس کے بعد والے دو (سوگ کے تین) دنوں میں بطورِ دعوت کھانے کا اہتمام کرنا ناجائز و ممنوع اور بدعتِ سیئہ ہے؛ کیونکہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے، نہ کہ وفات کے موقع پر، بلکہ تین دنوں کے بعد بھی موت کی نیت سے دعوت کرنا ممنوع ہے۔ یہ دعوت کا کھانا فقرا کھا سکتے ہیں، مال داروں کے لیے یہ کھانا جائز نہیں۔

اِس موقع پر ایصالِ ثواب کے لیے کھانے کا اہتمام جائز ہے، بہتر ہے کہ یہ کھانا محتاج لوگ ہی کھائیں، تاہم مال داروں کے لیے ممنوع نہیں... البتہ بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے جو لنگر کا اہتمام کیا جاتا ہے وہ سب کے لیے باعثِ برکت ہے۔

(فتاوٰی رضویہ، ج:9، ص:614، 662، 667، 673، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

اگر اللہ تعالیٰ نے مالی طور پر وُسعت دی ہے تو جتنی رقم دعوت پر خرچ کرنی ہے وہ کسی دینی اِدارے میں یا مستحق رشتہ داروں کو یا کسی اور اچھے کام کے لیے پیش کر دیں۔

۲۹ ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ/04 اکتوبر 2024ء

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(آخری حصہ)

مشمولات

- مَحبّت کا تقاضا... تمام نسبتوں کی تعظیم و مَحبّت
- مَحبّت کا تقاضا... دشمنوں سے دشمنی
  - دستِ مبارک کا بوسہ لینے والے بالوں کی تعظیم
  - شاہِ خراسان کی دینی غیرت پر انعامِ الٰہی
  - عصرِ حاضر میں تعظیم کا وجوب
  - نسبتِ تبرکات میں احتیاط کی فرضیت اور اُن کی تعظیم کا حکم
  - وصالِ نبوی کے بعد مثالی اندازِ تعظیم
- مَحبّت کا تقاضا... پیاروں سے پیار
  - نسبت کے سبب سادات عباس، زید، عبد اللہ اور محمد بن اُسامہ رضی اللہ عنہم کی تکریم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَیُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ [المجادلۃ 22:58]

ربّ تعالیٰ اپنے بندوں کے جو اعمال بہت پسند فرماتا ہے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اُس کی بارگاہ میں کثرت سے دُعائیں مانگتا رہے۔ قرآن وسنت میں دُعا کرنے کے متعدّد فضائل بیان ہوئے ہیں اور دُعا چھوڑنے پر کئی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

دُعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں اپنی حاجت کا بار بار سوال کیا جائے۔ انسان کتنا ہی سخی کیوں نہ ہو، اُس سے بار بار مانگا جائے تو بالآخر وہ اُکتا جاتا ہے، جب کہ باری تعالیٰ ایسا مہربان ہے کہ وہ التجا کرنے والے پر ناراض نہیں ہوتا، بلکہ نہ مانگنے والے پر غضب فرماتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّهُ مَنۡ لَّمۡ يَسۡأَلِ اللّٰهَ يَغۡضَبۡ عَلَيۡهِ۔ ”جو (تکبّر کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے یقیناً اللہ اُس پر ناراض ہوتا ہے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 3373)

جو دُعائیں کثرت کے ساتھ کرنی چاہییں اُن میں سے ایک بہت اہم التجا یہ ہے کہ ”اے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی مَحبّت اور اپنے محبوبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اُلفت سے آباد فرما!“ اِس تمنّا کا پے در پے اِظہار اِس لیے کرنا چاہیے کہ محبّتِ خُدا و عشقِ مصطفیٰ وہ سرمایہ ہے جس کے بغیر زندگی بے مقصد ہے اور یہ دولت کوشش سے نہیں، محض ربِّ کریم کی عطا سے نصیب ہوتی ہے۔ جن خوش نصیبوں کو یہ سعادت میسّر آئی وہ اِس کی چاشنی سے ایسے مسرور ہوئے کہ پھر عمر بھر اِس میں ترقّی کی آرزو کرتے رہے۔

امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جان ہے عشقِ مصطفیٰ، روز فزوں کرے خدا — جس کو ہو دَرد کا مزہ، نازِ دوا اُٹھائے کیوں

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مستی ایسی ہے کہ کشتۂ عشق و محبت اور پیکرِ علم و حکمت رحمۃ اللہ علیہ نے ربّ تعالیٰ کے حضور یہ چاہت پیش کی:

ایسا گمادے اُن کی وِلا میں خُدا ہمیں — ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو!

پھر یہ تمنّا فقط زندگی تک ہی محدود نہیں، بلکہ روزِ حشر کے بارے میں بارگاہِ لم یزل میں یہ خواہش پیش کیا کرتے تھے:

یاالٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اُٹھائے — دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو!

محبّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا میں اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے عشق کا واسطہ و وسیلہ پیش کیا جائے تو قبولیّت کی اُمّید اور بڑھ جاتی ہے؛ کیونکہ وہ ایسے سچے عاشقان تھے کہ جن کا بے مثال پیار بلاشبہ قیامت تک کے مسلمانوں کو کامیابی کا راستہ دکھاتا رہے گا۔

حسبِ سابق آج کا خطبہ بھی ”صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ مَحبّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم“ سے حاصل شدہ کچھ اُصولوں سے متعلق ہوگا۔

مَحبّت کا تقاضا... تمام نسبتوں کی تعظیم و مَحبّت

صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عشقِ رسول ﷺ کے جو تقاضے سکھائے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رحمتِ عالَم ﷺ کے ساتھ نسبت والی ہر چیز کی تعظیم و تکریم کی جائے... آپ کے تبرّکاتِ مبارکہ، آپ کے نامِ نامی و ذکرِ اقدس، آپ کے شہرِ مقدّس، آپ کی احادیثِ کریمہ، آپ کے دینِ متین کی کتابوں، آپ کے نعلَینِ مبارک کے نقش اور آپ کے روضۂ منوّرہ کی شبیہ، حتّٰی کہ آپ کے ساتھ تعلّق و واسطہ والی ہر شے کا دل و جان سے احترام کیا جائے۔

دستِ مبارک کا بوسہ لینے والے بال: مکّہ مکرّمہ زَادَهَا اللهُ شَرَفًا وَتَعْظِيمًا کو فتح کرنے کے بعد سرورِ عالَم ﷺ قبیلۂ ہَوازِن کے خلاف جہاد کے لیے حُنَین تشریف لے گئے۔ فتحِ حُنَین کے بعد واپسی پر ایک جگہ قیام فرمایا تو مؤذِّن نے نماز کے لیے اذان کہی، اُس وقت کچھ غیر مسلم بھی وہاں موجود تھے، جن میں سے ایک کا نام "ابو مَحذورہ" تھا، یہ لوگ بطورِ مذاق مؤذن کے ساتھ ساتھ وہی کلمات دہرانے لگے۔ ابو محذورہ کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی، اذان مکمّل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اِن سب کو بُلوا بھیجا، پیش ہوئے تو فرمایا: أَيُّكُمُ الَّذِي سَمِعْتُ صَوْتَهُ قَدِ ارْتَفَعَ؟ یعنی "تم میں کس کی آواز مجھے سب سے بلند سنائی دے رہی تھی؟" سب نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے باقیوں کو واپس جانے کی اِجازت دے دی، جب کہ ابو محذورہ کو روک لیا اور حکم فرمایا کہ اذان سناؤ۔

ابو محذورہ کہتے: فَقُمْتُ وَلَا شَيْءَ أَكْرَهُ إِلَيَّ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا مِمَّا يَأْمُرُنِي بِهِ۔ یعنی مَیں اذان کہنے کے لیے اُٹھا، حالت یہ تھی کہ کفر کے سبب میرے دل میں نبیِ کریم ﷺ کے لیے سخت ترین نفرت تھی اور اذان بھی حدّ درجہ ناگوار تھی۔ مزید کہا: نہ چاہتے ہوئے بھی مَیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے خود مجھے اذان کہنے کا طریقہ سکھایا[1] اور مَیں نے اذان کہی۔

اذان مکمّل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ کو ایک تھیلی دی، جس میں چاندی تھی۔ نیز اُن کی پیشانی / سر کے اگلے حصے پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور نوازتے ہوئے ناف تک چہرہ و سینہ و جگر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا، ساتھ میں دُعا دی: «بَارَكَ اللهُ فِيكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ!»[2] یعنی "اللہ تعالیٰ تمہیں نعمتوں میں بھی رحمت و برکت عطا فرمائے اور جسم میں بھی خیر و برکت سے نوازے!"

وہ زَباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں	اُس کی نافِذ حکومت پہ لاکھوں سلام
وہ دُعا جس کا جو بن بہارِ قبول	اُس نسیمِ اِجابت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا	موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

---

[1] چونکہ اُس وقت ابو محذورہ ناگواری کے ساتھ اذان کے کلمات کہہ رہے تھے؛ اِس لیے أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ اور أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کو بلند آواز سے نہیں کہا تھا؛ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں یہ کلمات دوبارہ بلند آواز کے ساتھ کہنے کا حکم فرمایا۔ مؤذِّنِ مدینہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی شریف میں یہ کلمات اُسی طرح کہتے تھے جس طرح احناف اذان کہتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے شرح معانی الآثار، باب الأذان کیف ھو؟)

[2] بَارَكَ اللهُ فِيكَ) فِيمَا أَعْطَاكَ. (وَبَارَكَ عَلَيْكَ) فِي جِسْمِكَ بِالصِّحَّةِ وَالْعَافِيَةِ۔ (مرشد ذوی الحجا والحاجۃ إلی سنن ابن ماجۃ للھرری)

سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: وَذَهَبَ كُلُّ شَيْءٍ كَانَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ كَرَاهِيَةٍ، وَعَادَ ذٰلِكَ كُلُّهُ مَحَبَّةً لِرَسُولِ اللهِ ﷺ۔ یعنی پہلے دل میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق سخت نفرت تھی فوراً وہ حد درجہ محبت و دیوانگی میں تبدیل ہو گئی۔

سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ مجھے مکہ میں مؤذّن مقرّر فرما دیجیے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ، قَدْ أَمَرْتُكَ۔ یعنی "جی ہاں! مَیں نے تمہیں مؤذّنِ حرمِ مکہ مقرر کر دیا۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 708) پھر سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ تقریباً نصف صدی تک حرمِ مکہ میں اذان کی سعادت حاصل کرتے رہے، حتّٰی کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دَور میں 59ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ بعد ازاں نبیِ کریم ﷺ کی طرف سے عطا ہونے والا یہ اِعزاز آپ کی نسلوں میں منتقل ہوتا رہا۔ (طبقاتِ ابن سعد، ترجمہ: 1109، ج: 5، ص: 450، دارِ صادر)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے حصے کے بال کافی لمبے ہو گئے، حتّٰی کہ اگر آپ بیٹھ کر اُنھیں کھولتے تو وہ زمین تک پہنچ جاتے تھے۔ کہا گیا: یہ بال کٹواتے کیوں نہیں؟ فرمانے لگے: جانِ عالم ﷺ نے اِن پر اپنا دستِ مبارک رکھا تھا؛ اب میں وفات تک نہیں کٹواؤں گا (یہ قبر میں بھی میرے ساتھ جائیں گے)۔ چنانچہ آپ نے وصال تک وہ بال نہیں کٹوائے۔[1]

سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے عمر بھر اِن بالوں کی حفاظت اپنے بال سمجھ کر نہیں کی؛ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پورے سر کے بال لمبے رکھتے، بلکہ فقط اِس لیے کی کہ اِن بالوں نے رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں کا بوسہ لیا تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر اُن کی نظر میں دستِ اقدس سے مسّ کرنے والے بالوں کی اِتنی قدر ہے تو اُن کے دل میں خود سرورِ عالم ﷺ کی کس قدر تعظیم ہو گی!

عصرِ حاضر میں تعظیم کا وجوب: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعاتِ محبت و تعظیم کے ذریعے ہر دَور میں حق پرست اپنا ایمان تازہ کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ بعض بدنصیب یہ شُبہ ڈالتے ہیں کہ تعظیم تو تب تھی جب آپ ﷺ آنکھوں کے سامنے موجود تھے، اب اُس طرح تعظیم کیوں کی جائے؟ وہ آثارِ نبویّہ، ذکرِ اقدس، نقشِ نعلین اور شبیہِ روضۂ مبارکہ کی تعظیم کو درست نہیں سمجھتے۔

اِس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ربّ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں تعظیم کا حکم دیا، مگر وقت یا طریقے کی کوئی قید نہیں رکھی، ظاہر ہے کہ یہ اطلاق معاذ اللہ بھول کی وجہ سے نہیں، بلکہ ربّ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ بندے میرے قرآن سے یہ سمجھیں کہ محبوبِ مکرّم ﷺ کی تعظیم ہمیشہ کرنی ہے اور ہر اُس طریقے سے کرنی ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہو۔[2] اِس مسئلہ میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم

---

[1] فَكَانَ أَبُو مَحْذُورَةَ لَا يَجُزُّ نَاصِيَتَهُ وَلَا يَفْرِقُهَا؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَيْهَا۔ (السنن لأبي داود، رقم الحديث: 501)
عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ مَجْزَأَةَ أَنَّ أَبَا مَحْذُورَةَ كَانَتْ لَهُ قُصَّةٌ فِي مُقَدَّمِ رَأْسِهِ، إِذَا قَعَدَ أَرْسَلَهَا فَتَبْلُغُ الْأَرْضَ، فَقَالُوا لَهُ: أَلَا تَحْلِقُهَا؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَسَحَ عَلَيْهَا بِيَدِهِ، فَلَمْ أَكُنْ لِأَحْلِقَهَا حَتَّى أَمُوتَ۔ فَلَمْ يَحْلِقْهَا حَتَّى مَاتَ۔ (المستدرك على الصحيحين، الحديث: 6181۔ المعجم الكبير، الحديث: 6746۔ معرفة الصحابة لأبي نُعيم، الحديث: 3565۔ ورواه البخاري في "التاريخ الكبير"، برقم: 2403)

[2] قال الشيخ القاضي عيّاض رحمه الله: وَاعْلَمْ أَنَّ حُرْمَةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ مَوْتِهِ وَتَوْقِيرَهُ وَتَعْظِيمَهُ لَازِمٌ كَمَا كَانَ حَالَ حَيَاتِهِ۔ (الشفا بتعريف حقوق المصطفى، الباب الثالث، الفصل الثاني، ج: 2، ص: 40، دار الفكر)

ہمارے راہ نما ہیں، اُنھوں نے وصالِ اقدس کے بعد تعظیم میں ذرہ بھر کمی نہیں کی اور ہر جائز طریقے سے تعظیم کرنے کی تربیت دی ہے۔

مشکیزے کی تعظیم: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سیدنا حسّان بن ثابت کی علّاتی (باپ شریک) بہن سیدتنا کَبشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور (کسی حکمت کے پیشِ نظر) پانی کے مشکیزے کو اپنے دہن (منہ) مبارک کے ساتھ لگا کر پانی نوش فرمایا۔

سیدتنا کبشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فَقُمْتُ إِلَى فِيهَا فَقَطَعْتُهُ۔ یعنی مَیں اُٹھی اور (تعظیم وبرکت کے لیے) مشکیزے کا وہ حصہ کاٹ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا جس پر سرورِ عالم ﷺ کے مبارک ہونٹ لگے تھے۔[1]

عملِ فاروقی: مسجدِ نبوی شریف کے قریب سرورِ عالَم ﷺ کے چچا محترم سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا، جس کے پرنالے کا پانی مسجد شریف کے راستے میں گرتا تھا۔ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامتِ جمعہ کے لیے مسجد میں تشریف لا رہے تھے کہ اچانک اُس پرنالے سے پانی گرا، گھر میں کسی پرندے کو ذبح کیا گیا تھا اور پانی میں اُس کے خون کا اثر تھا۔ آپ نے واپس جا کر کپڑے تبدیل کیے، پھر نمازِ جمعہ پڑھائی اور پرنالا اُکھیڑنے کا حکم فرمایا؛ تاکہ آئندہ کسی نمازی کو تکلیف نہ ہو۔

سیدنا عباس امیر المؤمنین کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: وَاللهِ! إِنَّهُ لَلْمَوْضِعُ الَّذِي وَضَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ۔ یعنی اللہ کی قسم! یہ پرنالا اِس جگہ پر رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے لگایا تھا۔ یہ جملہ سنتے ہی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: وَأَنَا أَعْزِمُ عَلَيْكَ لَمَّا صَعِدْتَ عَلَى ظَهْرِي حَتَّى تَضَعَهُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي وَضَعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ۔ یعنی مَیں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ مَیں نیچے بیٹھوں گا اور آپ میرے اُوپر کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے یہ پرنالا اُسی جگہ لگائیں گے جہاں آقا کریم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے لگایا تھا۔ چنانچہ امیر المؤمنین کے اِصرار پر سیدنا عباس آپ کے کندھوں پر چڑھے اور پرنالا واپس اُسی جگہ لگا دیا۔

(مسند الإمام احمد: 1790، رجالهٗ ثقات وهذا الإسناد منقطع. انظر مجمع الزوائد: 206/4۔ ورواه البيهقي في سننه الكبرٰى بلفظ: فَقَالَ عُمَرُ رضی الله عنه: وَاللهِ لَا يَضَعُهُ إِلَّا أَنْتَ بِيَدِكَ. ثُمَّ لَا يَكُونُ لَكَ سُلَّمٌ إِلَّا عُمَرَ۔ قَالَ: فَوَضَعَ الْعَبَّاسُ رِجْلَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْ عُمَرَ، ثُمَّ أَعَادَهُ حَيْثُ كَانَ۔ [السنن الكبرٰى: 109/6، رقم: 11363])

سیدنا ابو مخذورہ، سیدتنا کَبشہ اور امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جس طرح سرورِ عالم ﷺ کی نسبتوں کی تعظیم کی، یہ اُمور اِسی اُصول کے تحت تھے کہ قرآنِ حکیم نے تعظیمِ رسول ﷺ کا حکم دیا ہے اور کسی خاص طریقے کی قید نہیں رکھی؛ لہٰذا ہر جائز طریقے سے تعظیم کرنی ہے۔ نیز تینوں حضرات کا طریقہ یہ تربیت کرتا ہے کہ وصالِ نبوی کے بعد بھی اُمّت پر آپ ﷺ کی تعظیم اُسی طرح لازم ہے جس طرح ظاہری حیاتِ طیّبہ میں لازم تھی۔

---

[1] عن كَبْشَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِي قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلَى فِيهَا فَقَطَعْتُهُ۔ (سنن الترمذي: 1892) وفي رواية ابن ماجة: فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ تَبْتَغِي بَرَكَةَ مَوْضِعِ فِي رَسُولِ اللهِ ﷺ۔ (سنن ابن ماجة، رقم الحديث: 3423)

مَحبّت کا تقاضا... پیاروں سے پیار

محبت کا اُصول ہے کہ انسان جس سے سچی اُلفت رکھتا ہو اُس کے پیارے اپنوں سے بھی زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی تربیت فرمائی ہے کہ سچے عاشقِ رسول کو اپنے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے والہانہ محبّت ہونی چاہیے۔

تعظیمِ عمِّ رسول: سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہما کو دربارِ رسالت میں جس قدر قُرب حاصل تھا وہ کسی سے مخفی نہیں، اِس کے باوجود دونوں حضرات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں کے ساتھ یوں پیار کرتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

روایت میں ہے: إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَا إِذَا مَرَّا بِالْعَبَّاسِ وَهُمَا رَاكِبَانِ تَرَجَّلَا؛ إِكْرَامًا لَهُ۔

سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا معمول تھا کہ اگر یہ سوار ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا محترم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتے تو دونوں حضرات اُن کے احترام کے پیشِ نظر سواری سے اُتر کر پیدل چلنا شروع کر دیتے۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج:7، ص:182، دار احیاء التراث العربی)

پیاروں کے ساتھ پیار کی حسین مثال: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دن اپنے استاذ اور اِس اُمّت میں علمِ میراث کے سب سے بڑے عالِم سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احترام کرتے ہوئے اُن کی سواری کی زین کا وہ حصہ تھاما جس میں پاؤں رکھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اِس نسبت کو پیشِ نظر رکھا کہ وہ بڑے عالِم ہیں اور اُنھوں نے وراثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وافر حصہ پایا ہے۔ دوسری طرف سیدنا زید رضی اللہ عنہ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پیاری نسبت کے پیشِ نظر فرمانے لگے: تَنَحَّ يَا ابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد، چھوڑ دیجیے! (یہ خادموں کا کام ہے اور آپ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں) سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں تاریخی جملہ کہا: إِنَّا هٰكَذَا نَفْعَلُ بِكُبَرَائِنَا وَعُلَمَائِنَا۔ ہم اپنے اکابر (بزرگوں) اور علما کا ایسے ہی احترام کرتے ہیں۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:5785)

تکریمِ محبوبِ رسول: ایک روز سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد کے کونے میں کسی جوان کو دیکھا کہ اُس کا لباس (تہبند / پاجامہ) لمبا ہونے کی وجہ سے زمین کے ساتھ لگ رہا ہے۔ چونکہ سنّت یہ ہے کہ شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے اُوپر ہو، تکبّر کے سبب ٹخنوں سے نیچے رکھنا منع ہے اور اتنا لمبا رکھنا بہر صورت ناجائز کہ پاؤں کے نیچے گھسٹ رہا ہو۔ (دیکھیے تبیان القرآن:4/321 تا 331) چنانچہ آپ نے اُنھیں نصیحت کرنے کے لیے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے سیدنا زید بن حارثہ کے پوتے) سیدنا محمد بن اُسامہ ہیں، رضی اللہ عنہم۔ اتنا جملہ سنتے ہی سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے تعظیم کے لیے سر جھکا لیا اور زمین پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے: لَوْ رَآهُ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَأَحَبَّهُ۔ یعنی یہ وہ عظیم جوان ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ہوتا تو حضور اِس سے بہت پیار فرماتے (جیسا کہ اِن کے والدِ گرامی اور دادا محترم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے)۔ (صحیح بخاری، حدیث:3734)

مَحبّت کا تقاضا... دشمنوں سے دشمنی

محبت کا اُصول ہے کہ انسان جس سے سچی اُلفت رکھتا ہو اُس کے دشمن ذاتی دشمنوں سے بھی زیادہ قابلِ نفرت ہو جاتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی تربیت فرمائی ہے کہ سچے عاشقِ رسول کو دشمنانِ رسول و دشمنانِ دین کے ساتھ سخت نفرت ہونی چاہیے۔

قرآنی حکم: ربِّ کریم نے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ... "جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ اُنھیں ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ اُن لوگوں سے مَحبّت رکھیں جنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے (دیگر) رشتہ دار ہوں۔"

آیتِ کریمہ میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ کے مخالفین / دشمنانِ دین کے ساتھ دوستی و محبت سے منع فرمایا گیا، پھر نہایت قریبی خونی رشتوں کا ذکر کر کے یہ تربیت فرمائی کہ مسلمان پر لازم ہے کہ ایمانی تقاضے کی خاطر اپنے دُنیاوی مفادات تو کیا! طبعی و قلبی محبتوں کو بھی قربان کر دے۔ پھر ربِّ کریم نے اِس جذبہ کے حامل غیرت مند مسلمانوں پر ہونے والے انعامات کو بیان فرمایا:

⇐ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ... "یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا۔" (یہ خاتمہ بالایمان کی خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نقش کیا ہوا کبھی نہیں مٹتا)

⇐ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ... "اور اپنی طرف کی روح سے اُن کی مدد فرمائی۔" (یہ خاص رحمت و ہدایت اور تائید و نُصرت کی بشارت ہے)

⇐ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا... "اور اُنھیں ایسی جنّتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔"

⇐ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ... "اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ (کے انعام و رحمت) سے راضی۔" (دونوں جہان میں اِس سے بڑا کوئی انعام و اکرام نہیں ہے کہ ربِّ کریم راضی ہو جائے! پھر کمال کرم نوازی کہ فرمایا: بندے اُس سے راضی)

⇐ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ [المجادلۃ 58:22] "یہی اللہ کی جماعت ہے، سنو! یقیناً اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔" (مژدہ ہے کہ اِس جذبہ کے حامل مسلمان حقیقی معنوں میں "اللہ والے" بن جائیں گے)

غزوۂ بدر کے موقع پر امینِ اُمّت سیدنا ابو عبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ کے باپ نے اُنھیں للکارا، آپ نے رُخ پھیر لیا، جب باپ نے بار بار للکارا تو آپ کو گوارا نہ ہوا کہ کافر کی ضد مومن کی ایمانی غیرت سے بڑھ کر ہو، چنانچہ آپ نے باپ کو قتل کر دیا۔ اِس عمل کی تعریف کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔ (المعجم الکبیر: 154/1، رقم: 360، قال الھیثمی: إِسْنَادُهُ مُنْقَطِعٌ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، مجمع الزوائد: 155/9۔ المستدرك علی الصحیحین، رقم: 5152۔ معرفة الصحابة، رقم: 558۔ وذکرہ عدّة من المفسرین)

اُستاذِ زمن برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خان علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

اُن کے دُشمن سے تجھے ربط رہے میل رہے	شرم اللہ سے کر کیا ہوئی غیرت تیری
اُن کے دشمن کو اگر تُو نے نہ سمجھا دشمن	وہ قیامت میں کریں گے نہ رفاقت تیری
اُن کے دشمن کا جو دشمن نہیں سچ کہتا ہوں	دعوٰی بے اصل ہے جھوٹی ہے محبت تیری
بلکہ ایمان کی پوچھے تو ہے ایمان یہی	اُن سے عشق، اُن کے عَدُوّ سے ہو عداوت تیری

لمحۂ فکریہ: اِس وقت اُمّتِ مسلمہ کی اجتماعی صورتِ حال یہ ہے کہ ایمانی تقاضے کی بنیاد پر محبت و دوستی یا نفرت و دُشمنی کا جذبہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ مجموعی رویّہ یہ ہے کہ جس کے ساتھ دُنیاوی مفادات وابستہ ہوں ہم اُس سے تعلّق رکھتے ہیں، خواہ وہ اللہ رسول کا گستاخ یا دین کا مخالف ہی کیوں نہ ہو... اور جس سے ہم نے کوئی دُنیاوی فائدہ حاصل نہیں کرنا اُس کے ساتھ محبّت رکھتے ہی نہیں یا فقط رسمی طور پر زبانی اُلفت کا دم بھرتے ہیں۔ اِس تلخ حقیقت کی متعدّد مثالیں ہیں:

- پچاس سے زائد اسلامی ممالک کے ہوتے ہوئے اسرائیلی درندے غزّہ کو تباہ کرنے اور 40,000 سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کرنے کے بعد اب لبنان اور یمن پر بھی حملہ آور ہو چکے ہیں، مگر بیشتر طاقت وَر مسلم ریاستیں ابھی تک اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات ختم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جب اُمّتِ مسلمہ سے غزّہ کے مظلوموں کے بارے میں پوچھا جائے گا تو کوئی جواب نہیں بن پائے گا۔
- آئے روز قادیانی اور یہودی سازشیں بے نقاب ہوتی رہتی ہیں اور تحقیق پر پتا چلتا ہے کہ اُنھوں نے چند مسلمانوں کو ہی خرید کر اُن کے ذریعے دین اور ملک کے خلاف چال چلی ہے۔ یہ بھولے مسلمان اگر اپنے اندر دینی غیرت پیدا کرتے تو یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔
- سوشل میڈیا پر نت نئے فتنے پھیلانے والے لوگوں کے جال میں ایک بڑی تعداد صرف اِسی لیے پھنس جاتی ہے کہ سادہ لوح مسلمان دینی غیرت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اگر یہ سوچ پختہ ہو جائے کہ "جس شخص کی باتیں سن کر دل میں سرورِ عالَم ﷺ کی تعظیم و محبّت کم ہوتی ہے اُس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلّق نہیں" تو ایسے فتنے اپنی موت آپ مر جائیں۔

دینی غیرت پر انعامِ خداوندی: خُراسان کے ایک بادشاہ عَمرو بن لیث علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد کسی شخص نے اُنھیں خواب میں دیکھا۔ اُس نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بادشاہ مرحوم نے کہا: مجھے بخش دیا ہے۔ پوچھا: کس عمل کی وجہ سے بخشش ہوئی؟ بادشاہ مرحوم نے کہا: صَعِدْتُ ذِرْوَةَ جَبَلٍ يَوْمًا، فَأَشْرَفْتُ عَلَى جُنُودِي، فَأَعْجَبَتْنِي كَثْرَتُهُمْ، فَتَمَنَّيْتُ أَنِّي حَضَرْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَعَنْتُهُ وَنَصَرْتُهُ، فَشَكَرَ اللهُ لِي ذٰلِكَ وَغَفَرَ لِي۔ ایک مرتبہ میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا تو اپنی فوج دیکھ کر بہت خوش ہوا، میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوتا اور یہ تمام لشکر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کے دین کی مدد کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس آرزو کو قبول کرتے ہوئے مجھے بخش دیا۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی، بابِ ثانی، فصل فی وجوب مناصحتہ، ج:2، ص:34۔ سیر اعلام النبلاء، ج:12، ص:517)

حرفِ آخر... عشقِ رسولِ کریم ﷺ کے چند اہم اُصول

ہر مسلمان کو کثرت کے ساتھ یہ دُعا مانگتے رہنا چاہیے کہ اُسے خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی محبّت اور سرورِ کائنات ﷺ کی اُلفت نصیب ہو۔ یہ ایسی عظیم دَولت ہے جس کی برکت سے انسان کی دُنیا و آخرت سنور جاتی ہے... ایمان بھی پختہ ہو جاتا ہے اور اعمالِ صالحہ کا شوق بھی عطا کر دیا جاتا ہے۔

احادیثِ کریمہ میں کتنے ہی ایسے افراد کا ذکر ہے جنھیں محبتِ رسولِ کریم ﷺ نصیب نہیں تھی تو نہ صرف اسلام سے دُور رہے بلکہ اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے رہے... پھر جب مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی زلفِ عنبریں کے اسیر ہوئے تو اسلام کے ایسے خدمت گزار بنے کہ قیامت تک اُن کی مثالیں پیش کی جاتی رہیں گی۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا جمیل الرحمٰن قادری رضوی علیہما الرحمہ نے کیا خوب التجاء و آرزو کی:

سر ہے وہی سر جس میں ترا دھیان ہے ہر آن
اور دل ہے وہی جو ہے طلب گار تمہارا

جس کو مرضِ عشق نہیں ہے وہ ہے بیمار
اچھا تو وہی ہے جو ہے بیمار تمہارا

ہر وقت ترقّی پہ رہے دردِ محبت
چنگا نہ ہو مولیٰ کبھی بیمار تمہارا

محبّتِ رسول میں ترقّی اور عشقِ رسول کا صحیح طریقہ سیکھنا ہو تو جانِ جاناں ﷺ کے صحابۂ ذی شان رضی اللہ عنہم بہترین راہ نما ہیں۔ اُن کا عشق بارگاہِ الٰہی میں بھی مقبول ہوا اور اُسے بارگاہِ مصطفوی سے بھی سندِ قبولیت حاصل ہوئی۔

آخری چار خطبات میں عشقِ رسول ﷺ سے متعلق کچھ اصول ذکر کیے گئے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1) اُسوۂ اصحابِ ذی شان سے یہ راہ نمائی ملتی ہے کہ حقیقی عاشقِ رسول کو سیرتِ طیّبہ کے بارے میں جان کر کثرت سے حُسن و جمالِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا تذکرہ کرنا چاہیے۔

2) سیرتِ صحابہ سے یہ بات بھی واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ عشقِ رسالت مآب ﷺ میں سچا ہونے کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی طاقت کے مطابق دینِ اسلام کی خدمت کرے؛ کیونکہ آقا کریم ﷺ نے عمر بھر اِس دین کی سربلندی کے لیے کوشش فرمائی ہے۔

3) صحابہ نے یہ بھی تعلیم فرمایا ہے کہ پیار کے دعویٰ میں سچا وہ ہے جو محبوبِ مکرّم ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت کا مشتاق رہے

اور مرنے کے بعد بارگاہِ اقدس میں خیر وسلامتی کے ساتھ پیشی کے لیے فکر مند ہو۔

4) جس طریقے سے صحابہ نے رحمتِ عالَم ﷺ کے احکام پر عمل کیا ہے اُس سے قیامت تک راہِ عشق کے مسافروں کو یہ پیغام ملتا رہے گا کہ اطاعت وغلامی کے بغیر عاشقِ رسول ہونے کے دعوٰی میں حُسن نہیں ہے۔ سچا عاشق ویسا ہی بن کر رہتا ہے جیسا اُس کے محبوب کو پسند ہو۔ محبت کے اِس اُصول پر عمل کرتے ہوئے اطاعتِ خدا واتّباعِ مصطفٰی ﷺ کرنے والوں کو ربِّ کریم نے قرآنِ حکیم میں یہ خوش خبری عطا فرمائی ہے کہ اُنھیں انبیا، صدّیقین، شہدا اور صالحین کی سنگت نصیب ہو گی۔ یقیناً یہ بہت بڑا اِعزاز ہے۔

5) تربیتِ صحابہ کے مطابق اُلفتِ رسولِ کریم ﷺ کا تقاضا ہے کہ رحمتِ عالَم ﷺ کے ساتھ نسبت والی ہر چیز کی تعظیم وتکریم کی جائے۔ آپ کے تبرّکاتِ مبارکہ، آپ کے نام نامی وذکرِ اقدس، آپ کے شہرِ مقدّس، آپ کی احادیثِ کریمہ، آپ کے دینِ متین کی کتابوں، آپ کے نعلَینِ مبارک کے نقش اور آپ کے روضۂ منوّرہ کی شبیہ، حتّٰی کہ آپ کے ساتھ تعلّق وواسطہ والی ہر شے کا دل وجان سے احترام کیا جائے۔

6) صحابہ نے یہ بھی سکھایا ہے کہ محبِّ رسول کو اپنے آقا کریم ﷺ کے پیاروں کے ساتھ والہانہ محبّت اور آپ ﷺ کے دشمنوں / مخالفینِ اسلام کے ساتھ دلی نفرت رکھنی چاہیے۔ جو اُن کا ہے وہ ہمارا ہے اور جو اُن کا نہیں ہمارا بھی اُس کے ساتھ کوئی تعلّق نہیں۔ اگر اُمّت یہ اُصول اختیار کرلے تو دُنیا بھر میں عزّت وعروج نصیب ہو۔

شرعی مسئلہ: نبیِ کریم ﷺ سے ادنٰی نسبت والی چیزوں میں بھی ربّ تعالٰی نے بے پناہ برکت رکھی ہے اور اُن کا احترام کیا جائے گا، آپ ﷺ کے جسمِ مبارک کا حصہ بننے والے بالوں کی شان وعظمت تو بہت بلند ہے... تاہم دورِ حاضر میں کچھ بدبخت لوگ دُنیاوی مفادات کے لیے نعلینِ مقدس اور موئے مبارک وغیرہ سے متعلق نبیِ کریم ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت کرتے ہیں۔[1] جو شخص سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرے وہ جہنم کا مستحق ہے، تو جو شخص ایسے بال کو رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اقدس کا حصہ قرار دے جو حقیقت میں آپ کا موئے مبارک نہیں تو اُسے سوچنا چاہیے کہ وہ کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔

ہمیں اگر کوئی شخص کہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا تبرک ہے تو ہم اُس کا احترام کریں گے اور بے ادبی سے بچیں گے، مگر یہ نسبت کرنے والوں پر فرض ہے کہ پہلے مکمل تحقیق کریں۔ اگر کسی کا جھوٹ یقینی طور پر معلوم ہو تو اُس کی تردید کرنا لازم ہے۔[2]

---

[1] تبرکات میں جعل سازی سے متعلق معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے: ''اسلامی تبرکات میں ملاوٹ''، از مولانا سید زعیم الدین نعیمی۔

[2] تبرکات کے شرعی احکام سے متعلق دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ سے جاری شدہ فتوٰی ملاحظہ کیجیے، تاریخِ اجرا: 28-09-2022

۷ ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ / 11 اکتوبر 2024ء

اُونچے اُونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

مشمولات

- غوثِ اعظم کا افضل الاولیا ہونا
- دلوں پر تصرّف
- غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ
  - ابو محمد بن خَشّاب نحوی کی بارگاہِ غوثیت میں حاضری واستفاضہ
- ادب کی برکت اور بے ادبی کی نحوست
  - ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت اور آداب
  - غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا حُسنِ ادب وبلند مقام اور ابنِ سقا کی بے ادبی وبُرا انجام
- نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ۔۔۔[اٰلِ عمران 110:3]

ربِّ کریم جلّ جلالہٗ کی ذات بھی بلند و بالا ہے اور اُس کی صفات بھی بے مثل و بے مثال ہیں۔ اُس کا علم و کلام، اُس کی سماعت و بصارت، اُس کی شانِ تخلیق و آنِ قدرت... سبھی صفات عظیم الشان، قدیم، اَزَلی و اَبدی اور لا محدود ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَلِلّٰہِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی ۚ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔ ”اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے اور وہی بہت عزت والا، بڑی حکمت والا ہے۔“[النحل 60:16]

خالقِ کائنات نے انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنی شان کا مظہر بنا کر بھیجا... اُنھوں نے ربِّ کریم کی شانیں بتائیں بھی اور دکھائیں بھی۔ وہ اپنے اپنے زمانوں میں لوگوں کو اپنی مبارک زبانوں سے آگاہ بھی کیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کتنی بلند شانوں کا مالک ہے اور اپنے معجزات کے ذریعے دکھایا بھی کرتے کہ بھیجے ہوئے بندوں کی یہ طاقت ہے تو بھیجنے والے ربّ کی قدرت کا عالَم کیا ہو گا!

پھر مالکِ حقیقی نے اپنے انبیا علیہم السلام کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اُن کی اُمّتوں میں اولیا رحمۃ اللہ علیہم پیدا فرمائے۔ وہ اپنے نبیوں کی شوکت بتاتے بھی ہیں اور دکھاتے بھی ہیں؛ کہ جس کا اُمّتی یہ کچھ کر سکتا ہے اُس نبی کا مقام و مرتبہ کتنا اُونچا ہو گا!

تمام انبیائے ذی شان علیہم السلام ساری مخلوق سے افضل ہیں، تاہم قرآنِ حکیم کے مطابق آپس میں اُن کے درجات ایک دوسرے سے بلند ہیں۔[البقرۃ 253:2] ربّ تعالیٰ کے حضور سب سے اُونچا مقام اور سب سے زیادہ قُرب ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالقِ کائنات کی شانوں کے سب سے بڑے مظہر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جمیع انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ ہیں۔

اولیائے عِظام رحمۃ اللہ علیہم کو بارگاہِ الٰہی میں دوسرے مسلمانوں سے بڑا رُتبہ نصیب ہوتا ہے، تاہم اُن کے باہمی مراتب ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ سب سے افضل اولیا امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے ولی ہیں اور اِس اُمّت میں صحابۂ کرام اور اکابر تابعین رضی اللہ عنہم کے بعد جو شخصیت تمام اولیائے عِظام سے افضل و اکمل ہے اور جسے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں باقی اولیا سے زیادہ قُرب نصیب ہے اُسے غوث الثَّقَلَین محبوبِ سُبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے... نسبی طور پر بھی آپ نَجِیبُ الطَّرَفَین (حسنی، حسینی سید) ہیں اور روحانی قرب بھی نہایت عالی شان ہے۔ آپ دیگر اولیا سے بڑھ کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شانوں کا اِظہار فرماتے ہیں اور آپ کی کرامات بھی دیگر اولیائے ذی شان کی کرامات سے زیادہ منقول ہیں۔ (دیکھیے فتاوی رضویہ، ج:28، ص:362 تا 365، رضا فاؤنڈیشن، ملخصًا)

ماہِ ربیع الآخر میں مسلمانانِ عالَم حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اِظہارِ محبّت کرتے ہوئے آپ کا ذکرِ خیر کرتے ہیں۔ اِس موقع پر آپ کی تعلیمات سے راہ نمائی حاصل کرنا بھی ضروری ہے، یہ ایمان کی ترقّی اور اعمال کی اِصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ سے متعلق چند سبق آموز باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ

قطب الاقطاب، غوثُ الثَّقَلَین، محبوبِ سبحانی مُحْیِ الدِّیْن[1] ابو محمد سید عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یکم رمضان، 470ھ / 1078ء کو ایران کے صوبہ گیلان (جیلان) کے ایک نہایت علمی و مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔

آپ کے والدِ ماجد حضرت ابو صالح موسیٰ جنگی دوست رحمۃ اللہ علیہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ پاک سے ہیں اور آپ کی والدہ اُمّ الخیر اَمَۃُ الْجَبَّار فاطمہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ یوں آپ نجیب الطرفین (حسنی، حسینی سید) ہیں۔

والدِ گرامی آپ کی کم عمری میں ہی وصال فرما گئے تھے۔ آپ 18 سال کی عمر تک گیلان میں ہی علمِ دین حاصل کرتے رہے، پھر والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر 488ھ میں بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور نو سال تک بغداد میں اکابر اساتذہ سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کیے، ازاں بعد 25 سال تک عراق کے مختلف جنگلوں اور ویران مقامات پر عبادت و ریاضت اور مجاہدات میں مشغول رہے۔[2]

حصولِ علم و زہد کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمِ عالی پر وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تقریباً 40 برس تک تدریس، تقریر، تصنیف اور ارشاد کے ذریعے دینِ متین کی خدمت کی۔ آپ کا وعظ سننے کے لیے اتنے افراد حاضر ہوتے کہ تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی، لوگ اسلام قبول کرتے اور گناہوں سے توبہ کر کے اپنی زندگی سنوارتے۔ آپ نے خود فرمایا: میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ ڈاکو، چور، فُسّاق و فجار اور فسادی و بدعتی لوگوں نے توبہ کی۔

آپ کی تحریر کردہ کتابوں سے واضح ہے کہ آپ عقیدہ کے اعتبار سے پختہ سُنّی تھے اور عمر بھر اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کی ترجمانی فرماتے رہے، جب کہ فقہی اعتبار سے آپ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے مقلد تھے۔

دینی خدمات سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد 561ھ / 1166ء کو 91 برس کی عمر شریف میں آپ نے دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کیا۔ اور عراق کے شہر بغداد میں دفن ہوئے۔[3]

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اُونچے اُونچوں کے سَروں سے قدمِ اعلیٰ تیرا
سَر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا — اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

---

[1] اِس لقب کا درست تلفظ ایسے ہی ہے، اکثر لوگ اِسے مُحَیُّ الدِّیْن پڑھتے ہیں، جو فنی اعتبار سے صحیح نہیں۔

[2] اِس دَور میں سیاسی انتشار عروج پر تھا، حکمرانوں کی باہمی لڑائیوں کی وجہ سے انتظامی اور معاشی صورتِ حال ابتر تھی، اِس کے باوجود بغداد میں علماء و فضلا اور صوفیا کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

[3] بهجة الأسرار و معدن الأنوار، للشطنوفي، ذكر نسبه و صفته، ص:171، مؤسسة الشرف۔ الطبقات الكبرى للشعراني، أبو صالح سيدي عبد القادر الجيلي:248، ج:1، ص:178-186، دار الفكر

ادب کی برکت اور بے ادبی کی نحوست

قرآن وسنت میں تربیت فرمائی گئی ہے کہ اکابر / بزرگانِ دین کا ادب کرنا چاہیے، یہ دونوں جہان کی سعادتوں کا ذریعہ ہے... اور محبوبانِ خدا کی توہین ایسی نحوست ہے جو انسان کو دونوں جہان میں لے ڈوبتی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم ﷺ سے حدیثِ قدسی روایت کی کہ خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ فرماتا ہے: مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ "جو میرے کسی پیارے / میرا قُرب پانے والے سے دشمنی رکھے / اُسے اذیت دے میرا اُس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث:6502)

محدثینِ کرام نے فرمایا: یہ ربّ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیاروں کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لیے انتہائی ناراضی کا اِظہار ہے۔ باری تعالیٰ نے فقط دو لوگوں سے اعلانِ جنگ فرمایا ہے: 1) سود خور۔ 2) محبوبانِ خدا سے دشمنی کرنے والا۔ جس سے ربّ تعالیٰ اِس قدر ناراض ہو سخت خطرہ ہے کہ اُسے مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح ومرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث:2266)

بارگاہِ غوثیت سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ "باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب"۔

شرف الدین ابوسعید عبد اللہ ابن ابی عَصرون علیہ الرحمہ کہتے ہیں: مَیں علمِ دین حاصل کرنے کے لیے بغداد شریف میں پہنچا، جامعہ نظامیہ (بغداد) میں ابن سِقا میرا دوست اور ہم سبق تھا۔ ہم اکٹھے عبادت کرتے اور بزرگانِ دین کی زیارت کے لیے بھی جایا کرتے تھے۔ بغداد میں ایک بزرگ تھے جنھیں "غوث" کہا جاتا تھا۔ اُن کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب چاہتے نظروں سے چھپ جاتے تھے۔ مَیں (عبد اللہ)، ابنِ سقا اور شیخ عبد القادر جیلانی... تینوں اُن کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے، تب شیخ عبد القادر جیلانی نوجوان تھے۔

راستے میں ابن سقا کہنے لگا: آج مَیں اُن سے ایسا مسئلہ پوچھوں گا جس کا اُنھیں جواب نہیں آئے گا۔ مَیں نے کہا: مَیں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے: مَعَاذَ اللهِ أَنْ أَسْأَلَهٗ شَيْئًا، أَنَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِذَا أَنْظُرُ بَرَكَاتِ رُؤْيَتِهٖ۔ یعنی اللہ کی پناہ کہ مَیں امتحان لینے کے لیے اُن سے کوئی سوال کروں، مَیں تو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے دیدار کی برکتیں حاصل کروں گا۔

جب ہم اُس بزرگ کے پاس پہنچے تو پہلے پہل وہ کچھ دیر ہمیں نظر نہیں آئے، چند لمحات کے بعد وہ اُسی جگہ پر دکھائی دیے۔ اُنھوں نے ابنِ سقا کی طرف غضب کی نگاہ سے دیکھا اور فرمایا: ابنِ سقا تیری تباہی! تُو مجھ سے ایسا مسئلہ پوچھے گا جس کا مجھے جواب نہیں آتا ہوگا! تیرا سوال یہ ہے اور اُس کا جواب یہ ہے۔ مجھے تیرے اندر کفر کی آگ بھڑکتی نظر آرہی ہے۔

پھر مجھے (عبد اللہ کو) دیکھ کر فرمایا: تم مجھ سے (امتحان لینے کے لیے) مسئلہ پوچھو گے کہ مَیں کیا جواب دیتا ہوں! تمہارا سوال یہ ہے اور اُس کا جواب یہ ہے۔ تمہاری بے ادبی کی نحوست ہوگی کہ تم اپنے کانوں تک دُنیا کی نَجاست میں ڈوب جاؤ گے۔

پھر اُنھوں نے سیدی عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نگاہ فرمائی، اُنھیں اپنے قریب کیا، عزّت سے نوازا اور فرمایا: يَا عَبْدَ الْقَادِرِ! لَقَدْ أَرْضَيْتَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ بِأَدَبِكَ۔ اے عبد القادر! آپ نے اپنے حُسنِ ادب سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو راضی کر دیا۔ مزید فرمایا: گویا مجھے وہ منظر دکھائی دے رہا ہے کہ آپ بغداد میں کرسی پر بیٹھ کر عالَمِ بالا کی گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں: قَدَمِيْ هٰذِهٖ عَلٰى رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللهِ۔ میرا قدم اللہ تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہے۔ اُس بزرگ نے مزید فرمایا: وَكَأَنِّيْ أَرَى الْأَوْلِيَاءَ فِيْ وَقْتِكَ قَدْ حَنَوْا رِقَابَهُمْ إِجْلَالًا لَكَ۔ گویا وہ منظر بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے کہ تمہارے وقت کے تمام اولیا نے تمہاری تعظیم کے لیے گردنیں جھکا دی ہیں۔ پھر وہ "غوث" ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے اور ہم نے اُنھیں نہیں دیکھا۔

عبد اللہ ابنِ ابی عصرون کہا کرتے: اُس غوث کی بات حرف بحرف ہم تینوں کے بارے میں پوری ہوئی:

⟸ ابن سِقا بہت بڑا عالم بنا، بے مثال مناظِر اور زبردست خطیب تھا۔ خلیفۂ وقت نے اُسے عیسائی بادشاہ کے پاس چیلنج کے طور پر بھیجا کہ اِس کے ساتھ اپنے پادریوں کا مناظرہ کرواؤ، اُس نے تمام پادریوں کو لاجواب کر دیا۔ پھر بے ادبی کی شامت آ گئی، وہ بادشاہ کی بیٹی کے فتنہ میں مبتلا ہو گیا اور اُس سے شادی کی خاطر عیسائیت کو قبول کر لیا۔ اُس کا آخری وقت انتہائی عبرت ناک تھا، قرآنِ حکیم بھول گیا، مرتے وقت منہ قبلہ سے پھر گیا اور کلمہ بھی نصیب نہ ہوا۔ وہ خود کہا کرتا: اُس غوث کی بے ادبی کی وجہ سے مَیں تباہ ہوا ہوں۔

⟸ مجھے سلطان نور الدین نے زبردستی وزیرِ اوقاف بنا دیا، یوں مجھے کثرت سے دُنیا کی دولت ملی (اور دُنیاوی نجاست کانوں تک پہنچ گئی)۔

⟸ اور شیخ عبد القادر جیلانی کی ذات میں قربِ الٰہی کی علامات واضح ہیں، عوام و خواص اُن کے گرد جمع ہیں اور اُنھوں نے (حکمِ الٰہی سے) یہ اعلان بھی کر دیا: قَدَمِيْ هٰذِهٖ عَلٰى رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللهِ۔ میرا قدم اللہ تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہے.... اور تمام اولیا نے اُن کے فضل و کمال کو تسلیم بھی کیا ہے۔

جس کی منبر ہوئی گردنِ اولیا　　اُس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

عبد اللہ بن ابی عصرون کہتے: فَقَدْ صَدَقَ قَوْلُ الْغَوْثِ فِيْنَا كُلِّنَا۔ اُس غوث کے منہ سے ہم تینوں کے بارے میں جو الفاظ نکلے تھے، ربّ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے وہ حرف بحرف پورے کر دیے۔

(بهجة الأسرار للشطنوفي، ذكر إخبار المشائخ عنه بذلك، ص:19، مؤسسة الشرف۔ الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيتمي، باب في التصوّف، مطلب في الفراسة، السوال رقم:353، ص:614، مركز جيلاني للبحوث العلمية والطبع والنشر، استنبول۔ فتاوٰی رضویہ، ج:28، ص:394، 395، 399، 400، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

لمحۂ فکریہ: ہمارے دَور میں بعض بدنصیب لوگ مذہبی اسکالر / انجینئر / ڈاکٹر کے روپ میں محبوبانِ خدا سے متعلق ایسا توہین آمیز لہجہ اپناتے ہیں کہ "بابے کوئی شے نہیں"۔ یہ انداز دینی تعلیمات کے یکسر خلاف اور ایسے لوگوں کو سننا ایمان کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ فقط اُنہی خوش عقیدہ شخصیات کو سننا چاہیے جن کی گفتگو سے ربّ تعالیٰ، سرورِ عالم ﷺ اور محبوبانِ خدا کے ادب کی خوشبو آئے۔

نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنا

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کی اُمّت کو کئی امتیازات و خصوصیات سے نوازا ہے، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کے حوالے سے جو شان اِس اُمّت کو عطا ہوئی ہے وہ پہلی اُمّتوں کے حصے میں نہیں آئی۔

ارشادِ ربّانی ہے: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ ...

"جو اُمّتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئیں (اے مسلمانو!) تم اُن سب میں بہترین اُمّت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔" [اٰلِ عمران 110:3] چنانچہ کامل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اِس اُمّت کی امتیازی شان ہے۔

دعوتِ دین کی صورتیں: نیکی کی دعوت دینا اور بُرائی سے روکنا ہر مسلمان پر اُس کی حیثیت کے مطابق لازم ہے۔ سیدنا ابو سعید سَعد خُدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے نہی عن المنکر (برائی سے روکنے) کے تین درجے ذکر فرمائے:

1) فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ۔ "برائی کو اپنے ہاتھ / عمل سے روکے۔" حکمرانوں اور عہدے داروں پر لازم ہے کہ اپنے اختیارات کے مطابق ریاستی طاقت سے ملک میں نیکی کے فروغ اور برائی کی روک تھام کے لیے اقدامات کریں اور اِس پر جزا و سزا کے اُصول لاگو کریں۔ سیٹھ کی ذمہ داری ہے کہ حسبِ قدرت اپنے ماتحتوں کو بھلائی کی دعوت دے اور برائی سے روکے۔ اساتذہ / والدین کا فریضہ ہے کہ حتّی الامکان اپنے شاگردوں / بچوں کو خیر کا پابند بنائیں اور شر سے دُور رکھیں۔

2) فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ۔ یعنی "ہاتھ / فعل سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔" علماء و مشائخ، مبلّغینِ اسلام، صحافی، اینکر، لکھاری، شاعر اور سوشل میڈیا کے متحرّکین... اِن سب کے پاس ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں تو اِن کا فریضہ ہے کہ برائی روکنے کے لیے اپنے زبان و قلم کی قوّت استعمال کریں، ذرائعِ ابلاغ سے فائدہ اُٹھائیں اور شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے برائی کا خاتمہ کرنے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں۔

3) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ۔ یعنی "جو زبان سے روکنے پر بھی قادر نہ ہو وہ اپنے دل سے بُرا جانے۔" وہ عام مسلمان جس کے پاس نہ تو اختیارات ہیں، نہ ہی وہ زبان و قلم وغیرہ کی قدرت رکھتا ہے اُس پر فرض ہے کہ برائی کو دل سے بُرا جانے۔

اِس تیسرے درجہ کے بارے میں رحمتِ عالَم ﷺ نے فرمایا: وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ۔ یعنی "یہ ایمان کے ثمرات و نتائج میں سب سے کمزور درجہ ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث:49) جو برائی کو دل سے بُرا نہیں جانتا گویا وہ برائی پر راضی ہے اور اِس حدیثِ مبارک کی روشنی میں اُسے یہ حق نہیں ہے کہ خود کو مسلمانوں میں شمار کرے۔ (مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث:5137)

غوثِ اعظم اور دعوتِ دین: غوث الثقلین محبوبِ سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حصولِ علمِ دین اور مجاہدات و ریاضات کے بعد تقریباً چالیس سال تک تقریر، تدریس اور تصنیف و اِرشاد کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیا۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ جس قدر کرامات اور خارقِ عادت واقعات غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے منقول ہیں، اِس قدر دیگر مشائخ کے منقول نہیں، اِن کرامات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کرامتیں بھی نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنے کے لیے تھیں۔

ایک مرتبہ غوث الثقلین علیہ الرحمہ خطبۂ جمعہ کے لیے گھر سے نکلے۔ راستے میں آپ کے پاس سے سلطان کے لیے شراب کے تین مٹکے گزرے، جن کی بُو شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ سیکورٹی افسران اور سرکاری عہدے دار ساتھ تھے۔ غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ نے اُنھیں فرمایا: قِفُوْا! ٹھہر جاؤ! اُنھوں نے رکنے کے بجائے سواریوں کو اور تیز کر دیا۔ آپ نے جانوروں کو حکم دیا: قِفِیْ! رُک جاؤ! فَوَقَفَتْ مَكَانَهَا كَأَنَّهَا جَمَادَاتٌ۔ تمام جانوریوں اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر گئے جیسے وہ پتھر کی مورتیاں ہوں۔ افسروں نے جانوروں کو سخت مارا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اچانک اُن سب کو قُولَنج کا (پسلیوں میں ہونے والا) شدید دَرد شروع ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ زمین پر کروٹیں بدلنے لگے۔ اب اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی اور علانیہ توبہ کی۔ راوی نے کہا: فَزَالَتْ عَنْهُمُ الْأَلَمُ فِي الْوَقْتِ، وَانْقَلَبَتْ رَائِحَةُ الْخَمْرِ بِرَائِحَةِ الْخَلِّ۔ فوری طور پر اُن کا دَرد بھی ختم ہو گیا اور مٹکوں سے شراب کی بدبو کے بجائے سرکہ کی خوشبو آنے لگی۔ اُنھوں نے مٹکوں کو کھولا تو واقعی طور پر اُن میں موجود شراب سرکہ بن چکی تھی اور فوری طور پر جانور بھی معمول کے مطابق چلنے لگے۔

غوثِ پاک جمعہ شریف پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے اور لوگوں میں آپ کی اِس کرامت کا چرچا ہو گیا۔ بات خلیفۂ وقت تک پہنچی تو وہ مرعوب ہو کر رونے لگا اور کئی حرام کاموں سے باز آ گیا۔ وَحَضَرَ إِلَى زِيَارَةِ الشَّيْخِ وَكَانَ يَجْلِسُ بَيْنَ يَدَيْهِ مُتَوَاضِعًا مُتَصَاغِرًا۔ خلیفہ آپ کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوا اور وہ آپ کی بارگاہ میں نہایت عاجزی کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔

(بهجة الأسرار للشطنوفي، ذكر فصول من كلامه، ص:85، مؤسسة الشرف)

ایک رات کو خلیفۂ وقت مُستَنجِد باللہ ابو المظفَّر یوسف آپ کے دار العلوم میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا اور درخواست کی کہ مجھے نصیحتیں فرمائیے! ساتھ ہی بطورِ نذرانہ دس تھیلیاں پیش کیں۔ آپ نے اُنھیں قبول نہیں کیا اور فرمایا: مجھے اِن کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے بہت اِصرار کیا کہ قبول کیجیے! چنانچہ آپ نے ایک تھیلی دائیں ہاتھ میں اور دوسری بائیں ہاتھ میں پکڑ کر اُنھیں نچوڑا تو اُن سے خون ٹپکنے لگا، فرمایا: يَا أَبَا الْمُظَفَّرِ! أَمَا تَسْتَحْيِي مِنَ اللهِ تَعَالَى أَنْ تَأْخُذَ دِمَاءَ النَّاسِ وَتُقَابِلَنِي بِهَا۔ ابو المظفر! تمھیں اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں آتی کہ لوگوں کا خون نچوڑ کر / ظلم کر کے پیسہ جمع کرتے ہو، پھر میرے پاس بطورِ نذرانہ لے آتے ہو! مزید فرمایا: وَعِزَّةِ الْمَعْبُوْدِ! لَوْلَا حُرْمَةُ اتِّصَالِهِ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَتَرَكْتُ الدَّمَ يَجْرِي إِلَى مَنْزِلِهِ۔ اللہ کی عزت کی قسم! اگر خلیفہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کی حرمت پیشِ نظر نہ ہوتی تو مَیں اِن تھیلیوں سے خون بہنے دیتا حتّٰی کہ وہ شاہی محل تک جا پہنچتا۔ یہ سن کر بادشاہ کی کیفیت ایسی تبدیل ہوئی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ (بهجة الأسرار، ذكر فصول من كلامه، ص:120، 121)

یہ برائی سے روکنے کے لیے زبردست کرامت بھی ہے اور ناحق مال جمع کر کے عُرس منانے والوں کے لیے درسِ عبرت بھی۔

دلوں پر تصرّف

ربّ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ دیگر اشیا کی طرح دلوں پر بھی کامل قدرت رکھتا ہے اور جیسے چاہے دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق اپنے بعض بندوں کو بھی لوگوں کے دلوں پر تصرّف عطا فرماتا ہے۔ غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اُن محبوبانِ خدا میں نرالی شان ہے جو ربِّ کریم کی عطا سے دلوں کی کیفیت بھی جان لیتے اور اُن کی حالت بھی بدل دیتے۔

(دیکھیے فتاوٰی رضویہ، ج:21، ص:379 تا 395، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

حضرت عبد اللہ جُبّائی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: مَیں اپنے شیخِ گرامی سے امام ابو نُعیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حِلْیَۃُ الْأَوْلِیَاء کا درس لیتا تھا، اُس کی برکت سے دل نرم ہو گیا اور مَیں نے ارادہ کیا کہ مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کر کے ربّ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو جاؤں۔ پھر مَیں نے جا کر شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کی اقتدا میں نماز پڑھی، فراغت کے بعد جب بیٹھے تو آپ نے میری طرف نگاہ کی اور فرمایا: إِذَا أَرَدْتَّ الْإِنْقِطَاعَ فَلَا تَنْقَطِعْ حَتّٰى تَتَفَقَّهَ وَتُجَالِسَ الشُّيُوْخَ وَتَتَأَدَّبَ، وَإِلَّا فَتَنْقَطِعُ وَأَنْتَ فُرَيْخٌ مَا رَيَّشْتَ۔ یعنی اگر تم گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہتے ہو تو پہلے علمِ دین سیکھو اور بزرگوں کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل کرو۔ اگر علمِ دین اور تربیت حاصل کیے بغیر گوشہ نشین بنے تو تمہاری صورتِ حال اُس چوزے کی طرح ہو گی جس کے ابھی پَر نہ نکلے ہوں (ایسا چوزہ جلد ہی چیلوں اور درندوں کا لقمہ بن جاتا ہے، یوں ہی تم بھی شیطان کے جال میں پھنس جاؤ گے)۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:20، ص:448، مؤسسۃ الرسالۃ)

بعض لوگ علمِ دین حاصل کیے بغیر طریقت کے راستے پر چل پڑتے ہیں اور اُلٹے سیدھے کاموں کو راہِ تصوّف سمجھنے لگتے ہیں۔ غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حسین ارشاد تربیت کرتا ہے کہ علمِ دین کے بغیر بندہ طریقت و تصوّف کے راستے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ایک معروف نحوی ابو محمد بن خَشّاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مَیں جوانی میں علمِ نحو (عربی گرائمر) پڑھتا تھا۔ لوگ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حسین گفتگو کی تعریفیں کرتے، مجھے بھی آپ کی تقریر سننے کا شوق تھا، مگر وقت میں گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ ایک دن اتفاقاً مَیں آپ کی محفل میں حاضر ہوا، آپ نے تقریر فرمائی تو (میرے پسندیدہ علم "نحو" کے نکات نہ ہونے کی وجہ سے) مجھے کوئی دل چسپی نہ ہوئی اور مَیں نے دل میں کہا: ضَاعَ الْيَوْمُ مِنِّيْ۔ آج وقت ضائع ہو گیا۔ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ فوری طور پر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: وَيْلَكَ! تُفَضِّلُ النَّحْوَ عَلٰى مَجَالِسِ الذِّكْرِ وَتَخْتَارُ ذٰلِكَ؟ اِصْحَبْنَا نُصَيِّرْكَ سِيْبَوَيْهِ۔ "تجھ پر افسوس ہے! تُو نحو کو محافلِ ذکر سے برتر سمجھتا ہے اور نحو کے پیچھے پڑا ہے؟ ہماری صحبت میں رہ، ہم تجھے نحو کے مشہور امام سیبویہ کی طرح بنا دیں گے۔" (سِيَرُ أعلامِ النُّبَلاء، ج:20، ص:449، مؤسسة الرسالة۔ تاريخ الإسلام، للذهبي، ج:12، ص:261، دار الغرب الاسلامي) چنانچہ وہ غوثِ صمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں رہے اور مختلف علومِ نقلیہ و عقلیہ پر مہارت حاصل کی۔ (قلائد الجواهر للتاذفي، ص:32، الناشر: عبد الحميد احمد)

اِس حکایت میں خصوصاً اُن حضرات کے لیے سبق ہے جو عصری علوم میں اتنے مشغول رہتے ہیں کہ علمِ دین کے لیے وقت نہیں ملتا۔

حرفِ آخر... عظمت و پیغامِ غوث الوریٰ

ربِّ کریم کی شان اِس قدر بلند ہے کہ اگر جہان بھر کے درختوں کی شاخوں سے قلمیں بنائی جائیں اور تمام سمندروں کا پانی سیاہی میں تبدیل ہو جائے، بلکہ اِن جیسے کئی سمندر مزید پیدا ہوں اور اُن کا پانی بھی سیاہی بن جائے، پھر مخلوق اِن قلموں اور سیاہی سے باری تعالیٰ کی شان لکھے تو یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا، مگر اُس کی عظمت کا بیان کبھی بھی مکمّل نہیں ہو گا۔

خالقِ کائنات نے اپنی عظمت و رفعت کو ظاہر فرمانے کے لیے معزّز انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، پھر اُن کا مقام و مرتبہ ظاہر فرمانے کے لیے اُن کی اُمّتوں میں اولیائے عِظام رحمۃ اللہ علیہم پیدا فرمائے۔ اِن پیاروں کے درجات سے واضح ہوتا ہے کہ جس کے بندے ایسا رتبہ رکھتے ہیں اُس معبود کی شان کا کیا عالَم ہو گا!

کسی بھی ولی کی کرامت حقیقت میں اُس کے نبی کا معجزہ ہوتی ہے اور کسی بھی نبی کا معجزہ باری تعالیٰ ہی کی قدرت کا نظّارہ ہوتا ہے۔ نہ جانے محبوبانِ خدا کی عظمتوں کے تذکرے سے بعض لوگوں کی توحید کیوں خطرے میں پڑ جاتی ہے! حالانکہ اِن پیاروں کی شان تو حقیقت میں اِنھیں پیدا فرمانے والے ربّ کی عظمت ظاہر کرتی ہے۔

قرآنِ حکیم کی متعدد آیاتِ کریمہ میں باری تعالیٰ نے خود اپنے پیاروں کی کرامتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ والدۂ سیدنا عیسیٰ سیدتنا مریم علیہا السلام کو بے موسم پھل عطا ہونا[1]... اصحابِ کہف کے کئی عقل کو عاجز کر دینے والے اُمور، جنھیں خود ربِّ کریم نے اپنی قدرت کی عجیب نشانی قرار دیا[2]... سیدنا سلیمان کی اُمّت کے ایک عالِم کا پلک جھپکنے سے پہلے بہت بڑا تخت یمن سے شام میں لے آنا[3]... یہ سب کرامات قرآنِ حکیم میں مذکور ہیں... احادیثِ طیبات میں بیان ہونے والے اُمور کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔

اُمّتِ مصطفویّہ تمام اُمّتوں سے افضل ہے اور اِس اُمّت کے اولیا دیگر اُمّتوں کے اولیا سے بلند شان رکھتے ہیں۔ پھر اِس اُمّت میں صحابۂ کرام اور اکابر تابعین رضی اللہ عنہم کے بعد جو شخصیت تمام اولیائے عِظام رحمۃ اللہ علیہم سے افضل و اکمل ہے اُسے غوث الثَّقَلَین محبوبِ سُبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے۔ امامِ اہلِ سنت نے خوب کہا:

صحابیت ہوئی پھر تابعیت — بس آگے قادِری منزل ہے یا غوث
ہزاروں تابعی سے تو فُزوں ہے — وہ طبقہ مُجمَلًا فاضل ہے یا غوث

---

[1] اٰلِ عمران 37:3

[2] الکہف 9:18 تا 22

[3] النمل 40:27

غوثِ اعظم علیہ الرحمہ کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جتنی کثرت سے آپ کی کرامات منقول ہیں اُس طرح دیگر مشائخ کی کرامات مروی نہیں ہیں۔[1] غوثِ پاک علیہ الرحمہ کے ماہِ وصال کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کی حیاتِ کریمہ سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا، جن سے آپ کی بلند شان کا بھی اِظہار ہوتا ہے اور عقائد واعمال کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

- بزرگانِ دین کا ادب دونوں جہان کی سعادتوں کا ذریعہ ہے... اور محبوبانِ خدا کی توہین انسان کو دونوں جہان میں لے ڈوبتی ہے۔ حدیثِ قدسی کے مطابق ربّ تعالیٰ نے اپنے پیاروں سے دشمنی رکھنے والوں / اُنھیں اذیت پہنچانے والوں سے اعلانِ جنگ فرمایا ہے۔
- نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اِس اُمّت کو سب سے نرالی شان عطا فرمائی ہے اور یہ حیثیت و طاقت کے مطابق ہر مسلمان کا فریضہ ہے... جو اپنے ہاتھ، فعل اور طاقت سے برائی کو روک سکتا ہے اُس پر طاقت سے روکنا لازم ہے، ایسا نہیں کر سکتا تو زبان اور قلم وغیرہ کو استعمال کرتے ہوئے منکَر کا سدِّباب ضروری ہے، یہ بھی بس میں نہ ہو تو کم از کم برائی کو دل سے بُرا جاننا فرض ہے اور ایمانی تقاضا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (صحیح مسلم:50) یعنی "ایمان کا آخری درجہ یہ ہے کہ اگر مسلمان برائی کو ہاتھ یا زبان سے روکنے پر قادر نہیں تو کم از کم اُسے دل سے بُرا جانے، اِس کے بعد رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔" (ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح، زیرِ حدیث:157)
- غوثِ اعظم علیہ الرحمہ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکَر کے لیے مختلف ذرائع اختیار فرمائے... کتابیں بھی لکھیں، تدریس و وعظ کے ساتھ بھی اِصلاح فرمائی، لاکھوں تلامذہ وخلفا بھی تیار کیے اور متعدد کرامتیں بھی ظاہر فرمائیں۔
- تصوّف وطریقت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے علمِ دین حاصل کیا جائے۔ غوث الثَّقَلَین علیہ الرحمہ نے علم کے بغیر گوشہ نشین / صوفی سے بھی منع فرمایا اور دینی علوم سے غفلت برتنے والوں کو بھی تنبیہ فرمائی۔

شرعی مسئلہ: ایصالِ ثواب کا مطلب ہے کہ کوئی ایسا کام کرنا جس پر اللہ تعالیٰ اجر وثواب عطا فرماتا ہے، پھر اُس پر ملنے والا ثواب کسی دوسرے کو پیش کر دینا۔ عُرسِ مبارک، برسی، گیارہویں شریف، تیجہ، چالیسواں اور ختمِ پاک... یہ سب ایصالِ ثواب کے ہی مختلف نام اور صورتیں ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لیے نہ تو وقت کی کوئی قید ہے اور نہ ہی کسی عمل کی پابندی ہے۔ نیکی کا کوئی بھی کام ہو اور کسی بھی وقت میں کیا جائے وہ ذریعۂ ثواب ہے اور اُس کا ثواب دوسروں کو پیش کیا جا سکتا ہے، تاہم اِس بات کی طرف توجّہ کی ضرورت ہے کہ اگر انسان نیکی کا کوئی کام کرے ہی نہیں، بلکہ شریعت کی خلاف ورزی کرے تو اُس پر ثواب کہاں اور اُس کا ایصالِ ثواب کیسے!

ایصالِ ثواب کرتے ہوئے اُسے محدود نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ سرورِ عالَم ﷺ، پھر آپ کے وسیلہ سے انبیاء ومقربین اور اپنے رشتہ داروں سمیت تمام مسلمانوں کو ثواب پہنچنے کی دُعا کرنی چاہیے۔

---

[1] قال الشيخ موفّق الدين ابن قُدامة: وَلَمْ أَسْمَعْ عَنْ أَحَدٍ يُحْكَى عَنْهُ مِنَ الْكَرَامَاتِ أَكْثَرَ مِمَّا يُحْكَى عَنْهُ، وَلَا رَأَيْتُ أَحَدًا يُعَظِّمُهُ النَّاسُ لِلدِّيْنِ أَكْثَرَ مِنْهُ۔ (سير أعلام النبلاء، ج:20، ص:442۔ تاريخ الإسلام للذهبي، ج:12، ص:255)

۱۴ ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ/18 اکتوبر 2024ء

تَزْیِینِ سَیِّئات....



شیطانی دھوکا (پہلا حصہ)

(عصرِ حاضر کے چند خوش نما قبیح اُمور پر تبصرہ)

مشمولات

- تزیینِ سیّئات اور قرآنِ حکیم
- شیطانی چال اور اُس کے خلاف ڈھال
- تزیینِ سیّئات... جھوٹ بولنا اور اُسے پھیلانا
- کسی وارث کو محروم کرنے کی حُرمت
- تزیینِ سیّئات... مخلوط نظامِ تعلیم
- تزیینِ سیّئات... تشریحاتِ اکابر سے رُوگردانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاُزَیِّنَنَّ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ o اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡہُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ۔ [الحجر 15:39،40]

انسان جس کام کو اچھا سمجھے اُس کے لیے وقت بھی نکالتا ہے، کوشش بھی کرتا ہے، صلاحیتیں بھی استعمال کرتا ہے اور مال بھی خرچ کرتا ہے... جب کہ جس چیز کو بُرا سمجھے اُس سے بچتا ہے اور دُور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ انسان برائی سے تبھی باز رہے گا جب وہ اُسے برا سمجھے گا، اگر لاعلمی یا غلط فہمی کی وجہ سے وہ "شر" کو "خیر" اور "سیّئہ" کو "حسنہ" سمجھنے لگے تو اُس سے اجتناب کے بجائے انہماک کے ساتھ اُسے کرنے میں مصروف ہو گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بُرے کام کو اچھا سمجھتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ انسانوں کی اکثریت اِس بیماری میں مبتلا ہے... بلکہ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہم خود بھی کئی برائیوں کو بُرا نہ سمجھنے کی وجہ سے اُن کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کائنات میں سب سے بدترین چیز کفر ہے... اپنے پیدا فرمانے والے اور نعمتیں عطا کرنے والے ربّ کو نہ ماننا سب سے بڑی خیانت، بے حیائی اور برائی ہے، مگر اربوں کی تعداد میں لوگ ایسا کر رہے ہیں اور نہ صرف خود اِس بدترین امر میں مبتلا ہیں، بلکہ اِس کو فروغ دینے کے لیے اپنی صلاحیتیں، مال اور وقت بھی صَرف کرتے ہیں۔ یوں ہی اپنے خالق کی نافرمانی سے زیادہ نازیبا کام کیا ہو سکتا ہے! مگر کبھی ہم نے سوچا کہ ہر روز ہم کتنی مرتبہ یہ حرکت کرتے ہیں! اور ہمارے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور سے نوازا ہے تو پھر وہ برائی اور بھلائی / شر اور خیر میں فرق کیوں نہیں کر پاتا؟ کسی قبیح امر کو کیسے حسین سمجھ کر اُس میں مبتلا ہو جاتا ہے؟ دراصل اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آزمائش کے لیے اُن کے بدترین دشمن شیطان کو اُن پر مسلّط کیا ہے... کفار پر وہ پوری طرح حملہ آور ہوتا ہے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت عطا فرماتا ہے، البتہ جو مسلمان مسلسل گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور خود اپنے بدخواہ شیطان کے جال میں پھنستے ہیں وہ اُنھیں بھی ورغلانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے... چنانچہ شیطان انسانوں کو وسوسے ڈالتا ہے اور بُرے کاموں سے متعلق عجیب و غریب خیالات دل میں لاتا ہے، حتّٰی کہ انسان اُس کی چال میں آ کر برائی کو اچھائی اور شر کو خیر سمجھنے لگتا ہے۔

ربِّ کریم کا احسان ہے کہ اُس نے قرآنِ حکیم میں شیطان کے مکر و فریب سے بھی آگاہ فرمایا ہے اور اُس سے بچنے کے طریقے بھی ارشاد فرمائے ہیں، مگر افسوس کہ قرآن و سنت سے دُوری کے سبب لوگ اُس کے دھوکے میں مبتلا ہو کر بے شمار ایسے کاموں کو اچھا سمجھتے اور کرتے ہیں جو حقیقت میں سخت قبیح اور دُنیا و آخرت میں خسارے کا باعث ہیں۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں شیطان کی طرف سے برے اعمال کو مُزیّن کرنے سے متعلق کچھ باتوں کا ذکر ہو گا۔

تزیینِ سیئات اور قرآنِ حکیم

قرآنِ حکیم کی متعدد آیاتِ کریمہ میں اِس بات کا تذکرہ ہے کہ شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے اور دھوکے میں مبتلا کر کے اُسے تباہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، یوں ہی کئی قومیں ہلاکت و بربادی کا شکار ہوئیں۔

شیطان کا طریقۂ اِغوا: جب خالقِ کائنات نے سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَات کو پیدا فرما کر فرشتوں کو حکم دیا کہ اُنھیں سجدہ کریں تو شیطان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، پھر اُسے ملعون و مَردود کیا گیا تو اُس نے ربّ تعالیٰ کے حضور جَسارت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ o اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ ”اے میرے ربّ! مجھے اِس بات کی قسم کہ تُو نے مجھے گمراہ کیا! مَیں ضرور بالضرور اُن (انسانوں) کے لیے زمین میں (بُرے کاموں / نافرمانی) کو خوش نُما (اچھا دکھائی دینے والا / دل کش) بنادوں گا اور مَیں ضرور اُن سب کو گمراہ کروں گا o مگر اُن میں سے تیرے وہ بندے جو چُنے ہوئے ہیں (اُن پر میرا بس نہیں چلے گا)۔“ [الحجر 15:39،40]

آیتِ کریمہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ شیطان نے پیدائشِ سیدنا آدم کے وقت سے ہی تمام انسانوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا گیا کہ اُس کا طریقۂ واردات کیا ہوتا ہے! وہ بُرے کاموں کو اچھا کر کے دکھاتا ہے اور قبیح کو دل کش بنا دیتا ہے... البتہ محبوبانِ خدا / ربّ تعالیٰ کے چُنے ہوئے بندوں پر اُس کا بس نہیں چلتا اور وہ شیطانی فریب سے محفوظ رہتے ہیں۔

شیطان کا نشانہ: شیطان کن لوگوں کو اِغوا کر کے اپنے جال میں پھانستا ہے؟ اِس حوالے سے قرآنِ کریم راہ نمائی فرماتا ہے کہ کفار پوری طرح شیطان کا کھلونا ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان بھیجے وہ اُنہیں (نافرمانی پر) خوب اُچھالتے ہیں۔“ [مریم 19:83]

مسلمان اَعُوْذُ بِاللہ وغیرہ کے ذریعے ربِّ کریم کی پناہ حاصل کر لیتے ہیں تو کئی شیطانی چالوں سے محفوظ رہتے ہیں، البتہ گناہوں سے توبہ نہ کرنے اور مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے بہت مرتبہ دل سخت ہو جاتا ہے... یعنی دل میں ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی اور سزا کا خوف ختم ہونے لگتا ہے اور اُس پر آیاتِ کریمہ واحادیثِ طیّبہ کا اثر نہیں ہوتا... ایسے دلوں پر شیطان کا اثر قوی ہو جاتا ہے، پھر وہ وسوسے ڈالتا ہے اور برے کاموں / گناہوں سے متعلق عجیب و غریب خیالات لاتا ہے، جس کے نتیجے میں انسان برائی کو اچھائی سمجھنے لگتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ ”لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے آراستہ کر دیا۔“ [الانعام 6:43]

انسان کو چاہیے کہ شریعت پر عمل کرے اور گناہوں سے تائب ہو؛ تاکہ رحمتِ الٰہی اُسے شیطانی اثرات سے محفوظ رکھے۔

تزیینِ سیئات... جھوٹ بولنا اور اُسے پھیلانا

دینِ متین تربیت فرماتا ہے کہ نہ تو جھوٹ بولنا جائز ہے اور نہ ہی اُسے پھیلانے میں کسی طرح کے تعاوُن کی گنجائش ہے؛ اِسی لیے ہمیں پابند کیا گیا ہے کہ جب تک کسی بات کی حقیقت معلوم نہ ہو اُسے دوسروں تک ہرگز نہ پہنچائیں۔

ارشادِ ربّانی: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔ "اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اُس کی تحقیق کر لیا کرو!" [الحجرٰت 6:49]

فرمانِ مصطفوی: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ "انسان کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 5) یعنی بغیر تحقیق کے باتیں پھیلانے والا شخص ضرور جھوٹ میں مبتلا ہو جائے گا؛ کیونکہ ہر بات کا سچا ہونا ممکن ہی نہیں۔

شیطانی دھوکا: جھوٹ جیسے بدترین گناہ کو بھی شیطان اپنے وساوس کے ذریعے انسان کی نظر میں یوں آراستہ کرتا ہے کہ لوگ شوق سے جھوٹ بولنے اور پھیلانے لگتے ہیں، مثلاً:

- سیاسی جیالے اپنی پارٹی کے حق میں اور مخالفین کے خلاف جان بوجھ کر جھوٹ پھیلاتے ہیں اور اِسے "وفاداری" قرار دیتے ہیں۔
- سوشل اکاؤنٹس کو مشہور کرنے کے لیے ایسی خبریں پھیلائی جاتی ہیں جن کا کوئی سر پاؤں ہی نہیں ہوتا۔
- الیکٹرانک میڈیا کے نمائندگان سنسنی پھیلانے کے لیے معمولی باتوں کو بڑھا چڑھا کر اور مرچ مَسالہ لگا کر نشر کرتے ہیں۔
- لوگ بغیر تحقیق کے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کی طرف منسوب باتیں شیئر کرتے ہیں اور اِس قبیح فعل کا ارتکاب کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم اچھی بات کو پھیلا رہے ہیں۔

لمحۂ فکریہ: جھوٹ بولنا اور اُسے پھیلانا... دونوں باتیں سخت گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ دُنیاوی طور پر بہت نقصان دہ ہیں؛ جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ بغیر تحقیق کے باتیں پھیلاتا ہے، وہ لوگوں کی نظر میں قابلِ اعتماد نہیں رہتا... بعض اوقات معمولی کوتاہی کی وجہ سے دوسرے شخص کی بے عزّتی ہو جاتی ہے اور وہ ایک عرصے تک اُس کے اثرات کا سامنا کرتا رہتا ہے... متعدد بار فیک نیوز کے سبب نَوبت لڑائی تک جا پہنچتی ہے... کئی مرتبہ جھوٹی خبروں کی وجہ سے قومی و ملکی سطح پر نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اگر ہم ایک اُصول ذہن نشین کر لیں تو معاشرے میں جھوٹ کا تناسب بہت کم ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ جو بات ہم نے کہی یا ہم نے پھیلائی ہے روزِ قیامت ہمیں اُس کا جواب دینا ہو گا۔ ارشادِ ربّانی ہے: إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ "بے شک کان اور آنکھ اور دِل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔" [بنی اسرائیل 36:17]

تزیینِ سیئات... مخلوط نظامِ تعلیم

شریعتِ مطہرہ کا ایک اہم اُصول "سدِّ ذرائع" ہے۔ یعنی وہ امر جس کی اپنی حد تک گنجائش نکل سکے اور خود سے وہ جائز ہو، لیکن بعد میں کسی خرابی کا ذریعہ و سبب بنے تو اُسے ابھی سے ختم کر دیا جائے؛ تاکہ خرابی کا اِمکان ہی باقی نہ رہے... آسان الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ جس ذریعہ سے برائی پیدا ہونے کا خدشہ ہو اُس سبب کی روک تھام کی جائے؛ تاکہ برائی کا راستہ ہی نہ کھلے۔

اِسی اُصول کے تحت اسلام نے ہَوَس پرستی سے بچاؤ اور پاک دامنی کی حفاظت کے لیے حکم فرمایا ہے کہ:

- مسلمان مَرد اور خواتین اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اختلاط سے بچیں۔ نہ مَرد دوسرے کی ماں، بہن کو بُری نظر سے دیکھے، نہ ہی خاتون کسی غیر محرم مَرد پر بُری نظر ڈالے... اور نہ ہی حضرات و خواتین کی مخلوط مجالس ہوں۔
- خواتین پردے کا اہتمام کریں؛ فتنہ کے وقت غیر مَحرموں کے سامنے چہرہ نہ چھپانا اللہ تعالیٰ اور رسولِ مکرّم ﷺ کی نافرمانی ہے۔
- اجنبی مَرد و عورت کسی جگہ تنہائی اختیار نہ کریں؛ یہ کئی گناہوں کا ذریعہ ہے۔
- خاتون اپنے محرم یا شوہر کے بغیر اکیلے شرعی مسافت کا سفر نہ کرے؛ ورنہ سخت گناہ گار ہوگی۔

ارشادِ ربّانی: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ---

"اے غیب کی خبریں دینے والے! آپ اپنی ازواج اور اپنی صاحب زادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رکھیں (جب کسی حاجت کے لیے نکلنا ہو تو سر اور چہرے کو چھپائیں)۔"[1] [الاحزاب 59:33]

فرمانِ مصطفوی: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشادِ نبوی مروی ہے: لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ۔ "کوئی بھی مَرد کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی اختیار نہ کرے... اور کوئی بھی عورت محرم (یا شوہر) کے بغیر ہرگز سفر (شرعی) نہ کرے۔" یہ اِرشاد سُننے کے بعد ایک صاحب نے کھڑے ہو کر عرض کی: يَارَسُوْلَ اللهِ! اُكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا، وَخَرَجَتِ امْرَأَتِيْ حَاجَّةً۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! فلاں غزوہ کے مجاہدین میں میرا نام بھی درج ہے اور میری بیوی حج کرنے کے لیے روانہ ہو چکی ہے، (اب مَیں جہاد میں شرکت کروں یا اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے چلا جاؤں؛ تاکہ وہ اکیلی سفر نہ کرے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اِذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ»۔ "جا کر اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔" (صحیح بخاری، حدیث: 3006)

اسلام مسلمانوں کو علم سیکھنے اور اُسے پھیلانے کا حکم دیتا ہے، مگر تعلیم ہو یا کوئی اور شعبہ... بہر حال بنیادی اُصول و ضوابط ہر جگہ لاگو ہوتے ہیں۔ یعنی نظامِ تعلیم میں بھی سدِّ ذرائع کا لحاظ لازم ہے اور ہرگز ایسے طریقہ کی گنجائش نہیں جو بے حیائی اور گناہ کا ذریعہ بنے۔

---

[1] خواتین کے لیے چہرہ چھپانے کے حکم سے متعلق تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں "تبیان القرآن" از شیخ الحدیث والتفسیر مفتی غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ

شیطانی دھوکا: اِن حسین تعلیمات کے مقابلے میں شیطان نے بے حیائی کو ایسا مُزَیّن کیا کہ مخلوط نظامِ تعلیم ایجاد کر دیا گیا، پڑھائی اور سیکھنے کے نام پر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اکٹھا بٹھا دیا گیا۔ پھر اِس پر وسوسوں کو دلائل کا نام دے کر کہا جاتا ہے:

- لڑکیوں کو گھر میں قید کر دینا اُن پر ظلم ہے اور حالات کے تقاضوں کے منافی ہے۔
- بچیوں کو برابری کے حقوق دیے بغیر معاشرہ ترقّی نہیں کر سکتا۔
- ساری دُنیا ایسا ہی کر رہی ہے تو ہم ایک الگ انداز کیسے اختیار کر لیں!

لمحۂ فکریہ: اِس صورتِ حال میں پہلے تو ہمیں اپنے ضمیر سے یہ پوچھنا چاہیے کہ کیا مسلمان کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ کے واضح احکام کے مقابلے میں ایسے بے سروپا بہانے بنائے؟ پھر اِس بات پر غور کیجیے کہ جن ممالک نے یہ نظام ایجاد کیا اور پروان چڑھایا ہے، کیا اُن کے ہاں اِس کے نتائج قابلِ رشک ہیں؟ ہرگز نہیں! اُن ممالک میں نوجوانوں کی صورتِ حال پر لکھی گئی رپورٹس کو پڑھ کر رَونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔[1] پھر دوسروں کو چھوڑیے! اپنے ملک کو لیجیے! پاکستان میں آئے روز بچیوں سے متعلق جو خبریں گردش کرتی ہیں اور کالجز، یونی ورسٹیز کے جو حالات ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حالیہ ہفتے میں پنجاب کے ایک کالج کے مبیّنہ واقعہ پر ملک بھر کے طلبہ اور طالبات سراپا احتجاج ہیں۔ اِن حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اقبال علیہ الرحمہ کے اشعار یاد آتے ہیں:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ[2]
رَوِشِ مغربی ہے مدِّ نظر
وَضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ[3]
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اقبال جدید نظامِ تعلیم کو ڈراما (شیطانی دھوکا) کہہ کر جس سین کا انتظار کر رہے تھے وہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب تو آنکھیں کھل جانی چاہییں اور شیطانی دھوکے کو سمجھ جانا چاہیے۔ عافیت و بھلائی اِسی میں ہے کہ شرم و حیا کو فروغ دیا جائے... تعلیم کے ساتھ نوجوانوں کی اخلاقی تربیت کا بھی بھرپور اہتمام کیا جائے... اور بچیوں کے لیے شرعی تقاضوں کے مطابق الگ سے تعلیم کا نظام ہو۔

---

[1] اِس حوالے سے کتاب "فریبِ تمدُّن" کا مطالعہ مفید ہے۔

[2] فَلَاح: کامیابی، نجات۔ اقبال بطورِ طنز و تمسخر کہتے ہیں: قوم نے کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ تلاش کیا ہے کہ بچیوں کو انگریزی پڑھنے پر لگا دیا ہے!

[3] رَوِشِ مَغْرِبی: یورپی تہذیب و تمدّن اور نظامِ تعلیم۔ وَضعِ مَشْرِق: مشرقی ممالک کی اقدار۔ یعنی عقل کے اندھے یورپی تہذیب و تمدّن اور مغربی نظامِ تعلیم کو پسند کرنے لگے ہیں اور مشرقی اقدار کو اختیار کرنا اپنے لیے معیوب و گناہ سمجھتے ہیں۔

تزیینِ سیئات... تشریحاتِ اکابر سے رُوگردانی

سرورِ عالم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ سے واضح ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، خصوصاً قیامت کے قریب ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو فتنہ پھیلانے کے لیے قرآن وسنت کی مَن مانی تشریحات کریں گے اور ایسی نئی تحقیقات پیش کریں گے جو اکابرِ دین کے بیان کردہ اُصولوں کے خلاف ہوں گی۔ نبیِ کریم ﷺ نے اِن فتنہ پَروَروں سے دُور رہنے کا حکم دیا۔

علمائے حق نے آیاتِ طیّبہ اور احادیثِ کریمہ کی روشنی میں فتنہ پروروں کے دھوکے سے بچنے کے لیے یہ اُصول طے کیے:

⟸ عقائد و نظریات کے حوالے سے "اہلِ سنت وجماعت" کی تشریحات صراطِ مستقیم ہیں۔

⟸ اعمال سے متعلق "ائمہ اربعہ" (مثلاً برِّ صغیر اور دیگر حنفی علاقوں میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ) کی "فقہ" معیارِ حق ہے۔

⟸ اور تصوّف وطریقت کے حوالے سے "اکابر مشائخِ سلاسل کے طریقے" حقیقت تک رسائی کا ذریعہ ہیں۔

اگر کوئی شخص عقائدِ اہلِ سنت یا فقہِ ائمہ یا طریقۂ مشائخ کے برعکس نیا نظریہ / جدید تحقیق / انوکھا طریقہ پیش کرتا ہے تو اُسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

ارشاداتِ نبویہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معلّمِ کائنات ﷺ نے فرمایا: يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَأْتُوْنَكُمْ مِّنَ الْأَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ۔[1] محدثینِ کرام کی تشریح کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ "قیامت کے قریب مذہبی راہ نماؤں کے رُوپ میں بڑے دھوکے باز، کثرت سے جھوٹ بولنے والے لوگ ظاہر ہوں گے، وہ اپنا باطل مذہب اور غلط موقف ثابت کرنے کے لیے ایسی باتیں پیش کریں گے جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔"

ایسے لوگوں سے متعلق اُمّت کو کیا کرنا چاہیے؟ ارشاد ہوا: فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ۔[2] "اُن سے بچ کر رہنا (نہ اُن کے پاس بیٹھنا، نہ اُن کی باتیں سننا)؛ کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔" (صحیح مسلم، حدیث:7)

سیدنا ابو ثعلبہ خُشَنی رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی میں یہ جملے بھی ہیں: حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُّطَاعًا، وَهَوًى مُّتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهٖ، وَرَأَيْتَ أَمْرًا لَّا يَدَانِ لَكَ بِهٖ[3] فَعَلَيْكَ خُوَيْصَّةَ نَفْسِكَ، وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَامِّ؛ فَإِنَّ مِنْ

---

[1] أَيْ: يُلَبِّسُوْنَ وَيُزَوِّرُوْنَ أَنْفُسَهُمْ عُلَمَاءَ وَمَشَايِخَ مِنْ أَهْلِ النَّصِيْحَةِ وَالصَّلَاحِ، ثُمَّ يَدْعُوْنَ النَّاسَ إِلٰى مَذَاهِبِهِمُ الْبَاطِلَةِ وَآرَائِهِمُ الْفَاسِدَةِ۔ وَالْمُرَادُ بِـ"الْأَحَادِيْثِ" أَعَمُّ مِنْ أَحَادِيْثِ الرَّسُوْلِ وَغَيْرِهَا۔ وَالْمُرَادُ بِعَدَمِ السَّمَاعِ الْمَذْكُوْرِ عَدَمُ ثُبُوْتِهَا فِي الدِّيْنِ وَكَوْنُهَا بُهْتَانًا وَافْتِرَاءً فِيْهِ۔ (لمعات التنقيح، تحت الحديث:154)

[2] فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ: فَبَاعِدُوْا أَنْفُسَكُمْ عَنْ مُجَالَسَتِهِمْ وَآذَانَكُمْ مِنْ سَمَاعِ أَبَاطِيْلِهِمُ الْمُمَوَّهَةِ۔ (الكوكب الوهّاج، تحت الحديث)

[3] قَوْلُهٗ: "لَا يَدَانِ" بِكَسْرِ النُّوْنِ، أَيْ: لَا قُدْرَةَ وَلَا طَاقَةَ لَكَ عَلٰى دَفْعِهٖ وَإِنْكَارِهٖ۔ (كفاية الحاجة في شرح سنن ابن ماجه: 487/2)

وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ... یعنی "جب تم یہ حالات دیکھو کہ (اتباعِ حق اور فکرِ آخرت کے بجائے) بخیلی کی تابع داری ہو رہی ہے... لوگ خواہشات کے پیچھے پڑے ہیں... دُنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے... ہر شخص اپنی رائے پر خوش اور نازاں ہے... اور ایسا معاملہ دیکھو کہ تمہارے اندر اُسے روکنے کی طاقت نہ ہو تو خود کو بچانا اور عوام کو چھوڑ دینا؛ کیونکہ اب صبر کے ہی کچھ دن باقی ہوں گے..." (سنن ابن ماجہ:4014)

"ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے گا" اِس جملے کی تشریح کرتے ہوئے محدثینِ کرام نے فرمایا: مطلب یہ کہ لوگ نہ تو اِس قابل ہوں گے کہ خود شرعی دلائل (قرآن وسنت اور اِجماع وقیاس) سے مسائل حل کر سکیں اور نہ ہی اماموں کی تقلید کریں گے، وہ اپنی تحقیق پر ناز کریں گے اور جو اُنھیں سمجھ آئے گا اُس کے بارے میں کہیں گے کہ "یہی صحیح ہے"۔ (1)

شیطانی دھوکا: اِن واضح نصوص کے باوجود شیطانی دھوکے کا نتیجہ ہے کہ آئے روز نت نئے فتنے اُٹھتے ہیں اور علمی بونے دینی راہ نماؤں کے روپ میں من مانی تحقیقات پیش کرتے ہیں۔ پھر اپنی گمراہی کو چھپانے کے لیے اِس طرح کے دل کش جملے کہتے ہیں:

- سب سے بڑے امام رسول اللہ ﷺ ہیں؛ لہٰذا حدیث کے مقابلے میں کسی امام کی فقہ پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔
- ہم بابوں کی نہیں، کتابوں کی بات مانیں گے۔
- ہمارے دَور میں علمی ذرائع تک رسائی پرانے زمانوں کی بنسبت بہت آسان ہے؛ جو تحقیق ہمارے پیشِ نظر ہے ممکن ہے کہ پہلے دَور کے لوگوں نے یہ بات پڑھی ہی نہ ہو۔

لمحۂ فکریہ: اِس صورتِ حال میں ہم غور کریں:

i. ایک طرف ایسے افراد کا فتنہ ہے جنھیں عربی تو کجا! پوری طرح قرآن وحدیث کا ترجمہ بھی نہیں آتا، وہ شیطانی وساوس کو نئی تحقیقات قرار دے کر عوام کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور اُن کی نشان دہی کرتے ہوئے سرورِ عالَم ﷺ نے اُنھیں بڑا جھوٹا اور دجّال قرار دیا ہے۔

ii. دوسری طرف اُن اکابر بزرگانِ دین کی تشریحات ہیں جنھوں نے عمر بھر قرآن وحدیث اور اُن سے متعلقہ علوم کی خدمت کی، صدیوں سے اُمّت اُن کی تشریحات پر عمل کر رہی ہے، حتّٰی کہ جب شیطان نے ربِّ کریم کے سامنے جسارت کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ مَیں ضرور تمام انسانوں کو گمراہ کر دوں گا تو ساتھ ہی کہا تھا: إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ "مگر اُن میں سے تیرے وہ بندے جو چُنے ہوئے ہیں (اُن پر میرا بس نہیں چلے گا)۔" [الحجر 15:39،40]

چنانچہ خود فیصلہ کر لیجیے کہ اِن دونوں میں سے کس کے پیچھے چلنے میں کامیابی اور نجات ہے!

ہمیں اپنا اُصول بنا لینا چاہیے کہ اکابرِ دین کی تشریحات کے خلاف کسی جاہل انجینئر، ڈاکٹر یا اسکالر کی بات قبول نہیں کریں گے۔

---

(1) أَيْ: مِنْ غَيْرِ نَظَرٍ إِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ وَالْقِيَاسِ عَلَى أَقْوَى الْأَدِلَّةِ وَتَرْكِ الِاقْتِدَاءِ بِنَحْوِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ۔
(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، تحت الحدیث:5144)

حرفِ آخر... شیطانی چال اور اُس کے خلاف ڈھال

انسان کا سب سے بڑا اور خطرناک ترین دشمن شیطان ہے۔ وہ انسان کی پیدائش سے لے کر اُس کی موت تک اُسے ہلاکت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ ربّ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔ ”بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اُسے دشمن سمجھو (اچھے اعمال کر کے اُسے ذلیل کرو)، وہ تو اپنے گروہ کو اِسی لیے بلاتا ہے؛ تاکہ وہ بھی دوزخ والے ہو جائیں۔“ [فاطر 6:35]

شیطان انسان کو اتنی چالاکی کے ساتھ اپنے دام میں پھنساتا ہے کہ انسان کو اُس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ یہ ربِّ کریم جلّ جلالہٗ اور اُس کی عطا سے اُس کے حبیبِ لبیب ﷺ کا احسانِ عظیم ہے کہ اُنھوں نے ہمیں شیطان کی دشمنی سے بھی آگاہ فرمایا... اُس کی چالوں سے بھی خبردار کیا... اور اُس کے شر سے بچنے کے طریقے بھی ارشاد فرمائے۔

آج کے خطبہ میں ذکر کیے گئے اُمور میں سے چند اہم یہ ہیں:

- جو لوگ شریعت پر عمل کریں اور ربِّ کریم کی بارگاہ میں أَعُوْذُ بِاللّٰه وغیرہ کے ذریعے شیطان سے پناہ کی التجا کرتے رہیں مالکِ کریم اُنھیں اپنی رحمت کے ساتھ شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے... جب کہ مسلسل نافرمانی اور گناہوں سے توبہ نہ کرنے کے سبب شیطان کا اثر قوی ہو جاتا ہے اور وہ انسان کو آسانی سے اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔
- شیطان کا طریقۂ واردات یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ انسان برائی کو اچھائی سمجھنے لگتا ہے، قبیح چیز خوش نما محسوس ہوتی ہے اور جس بات سے دُور بھاگنا چاہیے انسان اُسے شوق کے ساتھ کرنے لگتا ہے۔
- محبوبانِ خدا اپنے مالکِ کریم کی حفاظت میں رہتے ہیں اور اُن پر شیطان کا بَس نہیں چلتا۔
- جھوٹ بولنا اور اُسے پھیلانا... دونوں ہی باتیں گناہ بھی ہیں اور اِن کے دُنیاوی نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ شیطان بہت مرتبہ جھوٹ کو دل کش بنا دیتا ہے اور انسان اُسے مفادات یا غلط فہمی کی وجہ سے لگن کے ساتھ پھیلانے لگتا ہے۔

ہمیں خوب ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ جو بات ہم نے خود کہی یا کسی ذریعہ سے پھیلائی اُس کے بارے میں جواب دینا ہوگا۔

- مخلوط نظامِ تعلیم بھی ایک شیطانی دھوکا ہے، جس کے بُرے اثرات دُنیا بھر میں دکھائی دے رہے ہیں اور اہلِ پاکستان بھی اُن سے محفوظ نہیں ہیں۔ جب قرآن و سنت میں واضح طور پر خواتین کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز مَردوخواتین کے اختلاط اور تنہائی سے روکا گیا ہے تو ہم مخلوط نظامِ تعلیم کو کیسے اچھا قرار دے سکتے ہیں یا اِس کے بہتر نتائج کی کیسے توقّع کر سکتے ہیں!

عافیت و بھلائی اِسی میں ہے کہ ہم اپنے گھر سے آغاز کر کے معاشرے بھر میں شرم و حیا کو فروغ دیں... تعلیم کے ساتھ بچوں اور بچیوں کی اخلاقی تربیت کا بھی بھرپور اہتمام کریں... اور بچیوں کے لیے شرعی تقاضوں کے مطابق الگ سے تعلیم کا نظام ہو۔

❖ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر آگاہ فرمایا تھا کہ قیامت کے قریب مذہبی راہ نماؤں کے رُوپ میں بڑے دھوکے باز اور کثرت سے جھوٹ بولنے والے لوگ ظاہر ہوں گے، وہ اپنا غلط موقف ثابت کرنے کے لیے ایسی باتیں پیش کریں گے جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، چنانچہ اُن سے بچ کر رہنا۔ اِس خبرِ صادق کی سچائی بھی ہم اپنے دَور میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ فتنوں کی یلغار ہے اور سوشل میڈیا کے بے لگاموں نے دین کو مذاق بنا رکھا ہے۔

ایسے میں ہمیں چاہیے کہ دینی تشریحات کے حوالے سے اُردو کی چند کتابیں پڑھ کر خود کو محقق کہنے والوں کے پیچھے لگنے کے بجائے اُن اکابر پر اعتماد کریں جنھوں نے دینی علوم کی خدمت کا حق ادا کیا، صدیوں سے اُمّتِ مسلمہ جن کی تشریحات پر عمل کر رہی ہے اور اُن پر شیطان کا بھی بس نہیں چلتا۔ چنانچہ عقائدِ اہلِ سنت پر استقامت اختیار کریں، فقہِ حنفی پر پختگی کے ساتھ عمل کریں اور بزرگوں کے طریقوں کے مطابق ہی راہِ تصوّف اختیار کریں۔

قدرت کو منظور ہوا تو آئندہ خطبہ جمعۃ المبارک میں بُرے اعمال کو مزیّن کرنے کے شیطانی دھوکے سے متعلق مزید بھی کچھ اُمور کا تذکرہ کیا جائے گا۔

شیطانی دھوکے کی بات کی جائے تو وہ اسرائیلی مظالم کا تذکرہ کیے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ ایک سال سے زیادہ وقت گزر چکا ہے کہ اسرائیلی درندے غزہ پر بارود برسا رہے ہیں... 40,000 سے زیادہ مسلمان شہید ہو چکے ہیں اور لاکھوں زخمی ہیں... پورے شہر کا ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے اور کھانے پینے کی اشیا سمیت بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی میسّر نہیں ہیں... دوسری طرف مسلم حکمران عملی طور پر ظالم کا ہاتھ روکنے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں اور شیطان نے سب کو اِس دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے کہ "اپنے وطن کی حفاظت سب سے پہلے ہے؛ اِس لیے ہم کچھ نہیں کر سکتے"۔ اگر مسلم حکمرانوں اور اسرائیل کے بائیکاٹ سے ہچکچانے والوں کو روزِ قیامت اسرائیل کے حمایتیوں کی صف میں کھڑا کر کے مظلوموں کے خون کا حساب مانگا گیا تو یہ بہانے وہاں ہرگز کام نہیں آئیں گے۔

شرعی مسئلہ: قرآن وسنّت میں وراثت سے متعلق واضح اُصول عطا فرمائے گئے ہیں اور تقسیمِ وراثت سے متعلق جس قدر حسین تشریح اسلام میں ہے دُنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔

ایسا فعل کرنا جس سے کسی وارث کو وفات کے بعد وراثت نہ ملے، خواتین کو وراثت میں سے اُن کا شرعی حصہ نہ دینا، کسی ایک وارث کا پوری وراثت پر قبضہ کر لینا... یہ سب اُمور سخت حرام اور کبیرہ گناہ ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے کسی بھی عزیز کی وفات پر دار الافتاء / کسی مستند صحیح العقیدہ عالمِ دین سے رابطہ کر کے مرحوم کی وراثت سے متعلق احکام معلوم کریں؛ تاکہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کے سبب روزِ قیامت شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ / 25 اکتوبر 2024ء

تَزْیِیْنِ سَیِّئات....



شیطانی دھوکا (دوسرا حصہ)

(عصرِ حاضر کے چند خوش نما قبیح اُمور پر تبصرہ)

مشمولات

- تزیینِ سیّئات... دکھاوے کے لیے عمل کرنا
- تزیینِ سیّئات... رسم ورِواج کی پابندی
- امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا بے مثال اخلاص
- وعدۂ لاریب اور شیطانی فریب
- تزیینِ سیّئات... حلال وحرام میں تمیز نہ کرنا
- انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابۂ ذی شان رضی اللہ عنہم سے متعلق فلموں کی حُرمت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَقَالَ الشَّیۡطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمۡ وَعۡدَ الۡحَقِّ وَوَعَدۡتُّکُمۡ فَاَخۡلَفۡتُکُمۡ ؕ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ ۚ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِکُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِیَّ ؕ اِنِّیۡ کَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَکۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۔ [ابراھیم 14:22]

انسان پر ربِّ کریم کے بے شمار احسانات وانعامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے انسان کو عقل وشعور سے نوازا ہے اور صحیح وغلط / خیر وشر میں تمیز کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا ہے... جسمانی طور پر کمزور انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل کے ذریعے ایسی بڑی بڑی چیزوں کو مسخّر کرلیتا ہے کہ اُس کی اپنی عقل بھی حیران رہ جاتی ہے... مگر انسان کی یہ خامی ہے کہ وہ عقل کو صحیح طرح سے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اور غفلت کے سبب بہت مرتبہ دھوکا کھا جاتا ہے۔

انسان کو سب سے زیادہ دھوکا اُس کا بدترین دشمن شیطان دیتا ہے، جس کے بارے میں خالقِ کائنات نے:

- متعدد آیاتِ قرآنیہ میں آگاہ فرمایا: اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۔ "یقیناً شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔" [البقرۃ 2:168]
- یہ خبر بھی عنایت فرمائی کہ اُس نے تمہارے باپ حضرت آدم کی پیدائش سے ہی تمہارے ساتھ دشمنی کا آغاز کر دیا تھا اور قیامت تک کبھی اِس سے باز نہیں آئے گا۔ [الاعراف 7:14 تا 18، ملخصًا]
- یہ تنبیہ بھی فرمائی کہ جب روزِ حشر شیطان کے پیچھے چلنے والوں کو جہنم میں جانے کا حکم سنایا جائے گا اور وہ اُسے کوسیں / بُرا بھلا کہیں گے تب وہ جواب دے گا: وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ ۚ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ... یعنی "مَیں نے تم پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی، مَیں نے تو فقط تمھیں گناہ کی دعوت دی تھی تو تم نے میری بات مان لی، اب تم مجھ پر الزام نہ لگاؤ، خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔" [ابراھیم 14:22]

اِس سے بڑی غفلت کیا ہو سکتی ہے کہ انسان ایسے بدترین دشمن کے دھوکے میں آجاتا ہے اور اپنی دُنیا وآخرت کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ شیطان کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ انسان برائی کو اچھائی اور شر کو خیر سمجھنے لگتا ہے... اور جس بات سے دُور بھاگنا چاہیے انسان اُسے شوق کے ساتھ کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

گزشتہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں عصرِ حاضر کے چند ایسے نہایت قبیح اُمور کا ذکر ہوا تھا جنھیں شیطان نے اپنے دھوکے سے خوش نما بنا دیا ہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد اُن میں مبتلا ہے۔

آج بھی اِسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید چند خوش نما قبیح اُمور سے متعلق بات ہو گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

تزیینِ سیئات... دکھاوے کے لیے عمل کرنا

قرآن وسنّت کا واضح حکم ہے کہ مسلمان کا ہر عمل محض اللہ تعالیٰ کی رِضاء وخوشنودی کے لیے ہونا چاہیے۔ دُنیاداروں کو دکھانے، اُن سے داد وُصول کرنے اور اپنی نیک نامی وشہرت کے لیے عمل کرنا سخت حرام ہے اور قیامت میں ذلّت ورُسوائی کا باعث ہے۔

ریاکاری کی نحوست سے بچنے کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ:

i. کثرت کے ساتھ ربّ تعالیٰ سے دُعا کی جائے کہ وہ اِخلاص کی توفیق دے اور نمائش ودکھاوے سے محفوظ رکھے۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دُعا کیا کرتے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِيْ صَالِحًا، وَاجْعَلْهُ لَكَ خَالِصًا، وَلَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ فِيْهِ شَيْئًا۔ اے اللہ! میرا ہر عمل نیک بنادے! اور اُسے اپنی رضا کے لیے خالص کر دے! اور اُس میں کسی کو شریک نہ فرمانا! (الزهد للإمام أحمد، الرقم: 617)

ii. اگر ظاہر کرنے میں کوئی شرعی حکمت نہ ہو تو حتّی الامکان نیکیوں کو ایسے مخفی رکھا جائے جیسے انسان اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے۔ یعنی کسی دوسرے کو علم ہی نہ ہو کہ فلاں شخص نے یہ کارِ خیر انجام دیا ہے۔

iii. دل میں لوگوں کی طرف سے تعریف کی چاہت یا ملامت کا خوف نہ رکھا جائے۔ یعنی اِس بات کی پرواہ ہی نہ ہو کہ لوگ کیا کہیں گے!

iv. رِیاکاری سے متعلق وعیدوں کا مطالعہ کیا جائے؛ تاکہ نقصانات کا اندازہ کرکے انسان اُس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے۔

ارشادِ ربّانی: خالقِ کائنات نے اخلاص کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ ”تو جسے اپنے ربّ سے ملاقات کی اُمّید ہو اُسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔“ [الکھف 110:18] شرکِ اکبر سے بھی بچے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرے... اور شرکِ اصغر سے بھی بچے، اخلاص کے ساتھ فقط اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے عمل کرے، لوگوں کو دکھانے کا ارادہ نہ ہو۔ (خزائن العرفان، ملخصًا)

فرامینِ نبویّہ: سیدنا ابو سعید بن ابو فَضالہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن میں کوئی شک نہیں، اُس دن جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک اِعلان کرنے والا (فرشتہ) اِعلان کرے گا: مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِيْ عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ۔ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے کیے ہوئے کام میں کسی کو شریک ٹھہرایا تھا (دُنیاداروں سے داد لینے کی بھی خواہش تھی) تو وہ اُس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے مانگے (جس کو دکھایا تھا اُس سے اجر مانگے)؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ شرکیہ عمل سے بے نیاز ہے (بارگاہِ الٰہی میں وہی عمل قبولیت کا مستحق ہے جو خالص طور پر اُس کی رِضا کے لیے کیا گیا، جس عمل سے رِیاکاری مقصود تھی اللہ تعالیٰ کو اُس کی کوئی ضرورت نہیں)۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 3154۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 4203)

سیدنا ابو عبد اللہ جُنْدُب بَجَلی اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ جانِ عالَم ﷺ نے فرمایا: مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ، وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ "جو اِس لیے عمل کرے کہ شہرت ہو گی / لوگ سن کر تعریف کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُسے رسوا کرتے ہوئے مشہور کروادے گا کہ یہ شہرت کا طلب گار ہے... اور جو لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرے اللہ تعالیٰ اُس کے بارے میں دکھادے گا کہ یہ رِیاکار ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث:6499۔ صحیح مسلم، حدیث:2986)

شیطانی دھوکا: قرآن وسنّت کی اِن واضح نصوص کے باوجود شیطان ریاکاری کے حوالے سے ایسے وسوسے دل میں ڈالتا ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد دکھاوے کے لیے عمل کر کے ثواب ضائع کر دیتی ہے اور اِس نقصانِ عظیم کا پتا بھی نہیں چلتا۔ مثلاً:

- اگر تصویریں یا ویڈیو نہیں بنوانی تو اتنا بڑا کام کرنے کا فائدہ کیا!
- دوسرے لوگ اتنی زیادہ تشہیر کرتے ہیں، اگر ہم نے تشہیر نہ کی تو اُن کا مقابلہ کیسے ہو گا!
- سوشل میڈیا پر وائرل کریں گے تو اتنے زیادہ لوگ پسند (like) کریں گے۔
- نام تبھی ہو گا جب کام نظر آئے گا۔

لمحۂ فکریہ: ریاکاری کے حوالے سے شیطانی دھوکے سے بچنے کے لیے چند باتوں پر غور کرنا چاہیے:

- دُنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ مالکِ کریم نوازے تو لوگ محروم نہیں کر سکتے اور وہ محروم کرے تو دینا کسی کے بس میں نہیں... تو لوگوں سے داد وصول کرنے کی خاطر اپنے ربّ کو ناراض کرنا کتنی بڑی نالائقی ہے!
- ربِّ کریم کی طرف سے ملنے والا انعام اتنا عظیم ہے کہ اُس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اُس شخص سے بڑا احمق کون ہو گا جو لوگوں کے چند تعریفی جملوں کی خاطر انعامِ عظیم کو ضائع کر دے!
- بارگاہِ الٰہی میں عاجزی و خشوع عبادت کی جان ہیں۔ اگر تصویر / سیلفی کے چکر میں خشوع سے محروم رہ گئے تو فائدہ ہوا یا نقصان؟
- ایک طرف دُنیا میں داد و تحسین ہے اور دوسری جانب روزِ قیامت کی سخت ذلّت و رسوائی؛ کہ بھرے محشر میں مشہور کروایا جائے گا: "یہ شخص دُنیا میں دکھاوے کے لیے عمل کرتا تھا"... عقل مند شخص کو فیصلہ کر لینا چاہیے کہ وہ اِن میں سے کسے اختیار کرے گا!
- ظاہر ہے کہ غریبوں کی مدد کرتے ہوئے اُن کی تصاویر یا ویڈیو بنوانے سے اُن کی بے عزتی اور دل آزاری ہوتی ہے۔ سوچنا چاہیے کہ کیا ہم دوسرے مسلمانوں کا دل دُکھا کر اور اُنھیں بے عزت کر کے ربّ تعالیٰ کو خوش کر رہے ہیں!

اخلاص کی ایک حسین مثال یہ ہے کہ مدینہ منوّرہ میں 100 ایسے مستحق گھرانے تھے جنھیں اخراجات ملتے تھے، مگر اُنھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ دینے والا کون ہے؟ فَلَمَّا مَاتَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ فَقَدُوْا ذٰلِكَ، فَعَرَفُوْا أَنَّهُ هُوَ الَّذِيْ كَانَ يَأْتِيْهِمْ فِي اللَّيْلِ بِمَا يَأْتِيْهِمْ بِهِ۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے وصالِ اقدس کے بعد راشن کا سلسلہ بند ہوا تو پتا چلا کہ ایک عرصہ تک رات کی تاریکی میں (اپنی پیٹھ پر رکھ کر) راشن پہنچانے والے بزرگ امام حسین رضی اللہ عنہ کے شہزادے سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ:9/123)

تزیینِ سیئات... حلال و حرام میں تمیز نہ کرنا

بنیادی اسلامی عقائد میں سے ایک "عقیدۂ تقدیر" بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے اپنے علم و حکمت کے مطابق قیامت تک ہونے والے ہر معاملے کا فیصلہ کر کے اُسے لکھوا دیا۔ یہ اُس کے علم کا کمال ہے کہ ہزاروں سال بعد انسان نے اُس کے دیے ہوئے اختیار سے جو کچھ کرنا تھا اور دیگر جو کچھ بھی ہونا تھا، ہر معاملے اور ہر ذرے کی تفصیل اُس علیم و خبیر کو معلوم تھی اور اُس نے لوحِ محفوظ میں لکھوا دی۔

تقدیر میں مخلوق کی روزی بھی شامل ہے۔ یعنی ہر انسان کی پیدائش سے بے شمار سال پہلے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ اُسے کس قدر رزق ملے گا۔ جب "رِزق" کی مقدار مقرر ہے تو حلال اسباب سے روزگار حاصل کرنے کی صورت میں رزق ہر گز کم نہیں ہو گا، تاہم روزی کے ساتھ ساتھ ربِّ کریم کی رِضاء و برکت بھی نصیب ہو گی... جب کہ حرام طریقے سے کمائے تو رِزق ہر گز نہیں بڑھے گا، البتہ انسان نالائقی کی وجہ سے اپنے خالق جلّ جلالہٗ کو ناراض کر بیٹھے گا۔

روزگار کے لیے کوشش فقط اِس واسطے کی جاتی ہے کہ یہ شریعت کا حکم ہے، ورنہ تقدیر میں لکھا ہر صورت ملے گا اور جو نہیں لکھا وہ کبھی نہیں مل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ماہر تاجر اور اربابِ فنّ بے روزگار ہوتے ہیں، جب کہ کئی اناڑی دولت میں کھیلتے ہیں... بلکہ یہ شانِ قدرت کا اِظہار ہی ہے کہ بے زبان و بے ہُنر جانور رحمتِ الٰہی سے سیر بھی ہوتے ہیں اور "کَل" سے بے فکر بھی، جب کہ عقل و شعور اور ہنر و فنّ رکھنے والا انسان اپنی نالائقی کے سبب روزی کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے، پھر بھی سیر نہیں ہوتا۔

ارشادِ ربّانی: وَكَأَيِّن مِّن دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ "اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اُٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ہی اُنھیں اور تمھیں رزق دیتا ہے اور وہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔" [العنکبوت 60:29]

فرمانِ نبوی: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- أَيُّهَا النَّاسُ! اِتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ۔ "لوگو! اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے (اعتدال کے ساتھ، لالچ کے بغیر، فقط حلال ذریعے سے) روزی تلاش کرو!"
- فَإِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا وَإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا۔ "بلاشبہ کوئی بھی جان اپنا طے شدہ رزق پورا کیے بغیر نہیں مرے گی، اگرچہ اُسے کچھ دیر سے روزی ملے۔"
- فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، خُذُوا مَا حَلَّ وَدَعُوا مَا حَرُمَ۔ "چنانچہ اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے رزق کی تلاش کرو! حلال لے لو اور حرام کو چھوڑ دو!" (سننِ ابن ماجہ: 2144۔ شعب الایمان، ج:2، ص:68، رقم:1187۔ ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ و مرآۃ)

شیطانی دھوکا: یہ شیطانی کارستانی ہی ہے کہ رزق کی تقسیم وتقدیر کا عقیدہ رکھنے والے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آج حرام ذرائع کے ذریعے کمائی میں مبتلا ہے اور وسوسوں کے نتیجے میں کہتی ہے:

- صِرف حلال کمائیں تو گزارا کیسے ہو گا! خرچے کیسے پورے کریں گے!
- ہمیں بھی معلوم ہے کہ یہ درست نہیں، مگر صرف بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔
- ساری دُنیا کا نظام ایسا ہے تو معیشت کی ترقّی کے لیے ہمیں بھی ساتھ چلنا پڑے گا۔
- رواں ہفتے پاکستان کے دونوں ایوانوں نے دُستورِ پاکستان میں 26ویں ترمیم منظور کی، جس کے مطابق جنوری 2028ء سے پہلے حکومت ملکی معیشت کو سود سے پاک کرے گی۔ اِس سے پہلے 2022ء میں وفاقی شرعی عدالت نے بھی سود کو ختم کرنے کا حکم جاری کیا تھا۔ بظاہر یہ ترمیم خوش آئند ہے، مگر آئین سازوں نے چالاکی سے سود والی شق کو آئین کے دوسرے باب میں شامل کیا ہے۔ دستور کا باب نمبر 02 چند اقوالِ زرّیں کا مجموعہ ہے، جس کی خلاف ورزی پر آرٹیکل چھ کا مقدمہ تو کجا! چھ روپے کا جرمانہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ دستور بنانے والوں کی طرف سے "اسلامی ٹچ" ہے؛ تاکہ لوگوں کو خوش کیا جا سکے۔ چنانچہ آئین کا حصہ بننے کے باوجود سود والی شق کی عملی حیثیت یہ ہے کہ اگر حکومت اُس پر عمل نہیں کرے گی تو کسی بھی طرح کی قانونی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ یہ فیصلہ عوام نے کرنا ہے کہ اِسے شیطان کا دھوکا کہا جائے یا اُس کے چیلوں کا!

لمحۂ فکریہ: ربِّ کریم نے قرآنِ عزیز میں سود خوروں کے خلاف اعلانِ جنگ فرمایا ہے، اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہیے کہ جس کام پر رازقِ حقیقی نے اِس قدر سخت وعید فرمائی ہو اُس کے ذریعے معیشت کی ترقّی واستحکام کے خواب دیکھنا عقل مندی ہے یا حماقت؟

جب یہ وسوسہ آتا ہے کہ صِرف حلال کمائیں گے تو گزارا کیسے ہو گا؟ تب اِس بات پر غور کرنا چاہیے کہ کیا حرام کمانے والے دُنیا سے سیر ہو گئے؟ اُنھیں اب مزید کا لالچ نہیں ہے؟ ہرگز نہیں! مال کا لالچ صرف اِسی صورت میں ختم ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہے اور حلال پر قناعت اختیار کرے... حرام کمانے سے غنا ہرگز نہیں ملتا، بلکہ محتاجی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایک بزرگ نے مارکیٹ کے آخری کونے میں چھوٹی سی دُکان بنا رکھی تھی۔ کسی نے اُنھیں کہا: آپ باہَر مرکزی جگہ پر بیٹھیں؛ تاکہ لوگ دیکھیں اور کاروبار میں اِضافہ ہو۔ وہ فرمانے لگے: بیٹا! جو باہَر والوں کا رازِق ہے وہی کونے میں بیٹھنے والوں کو بھی روزی دیتا ہے، یہاں فقط اُس کا حکم پورا کرنے کے لیے بیٹھا ہوں، روزی تو وہ گھر میں بھی پہنچا سکتا ہے۔ یہ قناعت اور رِضا والوں کی ایک مثال ہے۔

جب کہ لالچ والوں کا حال وہی ہوتا ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِّنَ الْحَرَامِ۔ "لوگوں پر وہ وقت بھی آئے گا جس میں (دین سے دُوری اور دُنیا کے لالچ کی وجہ سے) آدمی کو پرواہ نہیں ہو گی کہ مال حلال طریقے سے حاصل کیا یا حرام ذریعہ سے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 2059)

تزیینِ سیئات... رسم ورِواج کی پابندی

ہر دَور، ہر علاقے، ہر قبیلے اور ہر مذہب میں کچھ چیزیں رائج وعام ہوتی ہیں اور اِن رُسوم ورِواجات کا اہلِ معاشرہ کی سیرت و کردار پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ معاشرے میں جس چیز کا رواج ہو جائے اُسے محض عادت پڑ جانے کی وجہ سے اچھا سمجھا جانے لگتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ کئی معیوب، نقصان رساں اور عقیدے کی مخالف رسموں پر بھی سختی سے عمل کیا جاتا ہے؛ صرف اِس لیے کہ اُن کا رواج ہے۔

قرآن وسنّت میں تربیت فرمائی گئی ہے کہ مسلمان کو رسم ورِواج کی نہیں، شریعتِ مطہرہ کی پیروی کرنی ہے... جو رِیت شریعت کے خلاف نہ ہو اُسے پورا کرنے میں حرج نہیں اور اُسے حرام قرار دینا شریعت پر افترا ہے.... تاہم جو طور طریقہ شریعت کے خلاف ہو اُسے پورا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ حلال وحرام کی پرواہ کیے بغیر رسموں کو پورا کرنا مسلمانوں کا نہیں، کافروں کا طریقہ ہے۔

ارشاداتِ ربّانیّہ: ربِّ کریم نے اِس بات پر پہلی قوموں کی سخت مذمت فرمائی کہ جس کافر قوم کو بھی دین کی دعوت دی گئی اُن کے مال دار لوگ کہنے لگے: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۔ ”ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم اُن کی لکیر پر چلتے ہیں (پرانے رسم ورِواج کے پابند ہیں)۔“ [الزخرف 23:43]

شریعت سے منہ پھیرنے والوں کو ڈانٹ کے انداز میں ربِّ کریم نے فرمایا: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ ”تو کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور یقین والوں کے لیے اللہ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے!“ [المائدۃ 50:5]

فرامینِ نبویّہ: خلافِ شرع رسموں سے روکنے کا کس قدر اہتمام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کے عالَم گیر پیغام میں یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ۔[1] یعنی ”سن لو! جاہلیت کی ہر چیز کو مَیں اپنے پاؤں کے نیچے رَوند / کُچل کر باطل وناقابلِ عمل قرار دے رہا ہوں۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 1218)

سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ امام الانبیا ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ۔» ”تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔“ (”السنة“ لابن أبي عاصم، الحديث: 15۔ ”شرح السنة“ للبغوي، الحديث: 104۔ ”نوادر الأصول في أحاديث الرسول ﷺ“ للحكيم، ج:4، ص:164) اگر انسان شرعی احکام کو اچھا اور ممنوعات کو بُرا نہ سمجھے تو مومن ہی نہیں اور اپنی چاہت پر عمل سے پہلے شریعت کا لحاظ نہ کرے تو اُسے کامل ایمان نصیب نہیں۔

---

[1] أَيْ كَالشَّيْءِ الْمَوْضُوْعِ تَحْتَ الْقَدَمِ وَهُوَ مَجَازٌ عَنْ إِبْطَالِهٖ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 2555)

شیطانی دھوکا: قرآن وسنّت کی اِن واضح نصوص کے باوجود شیطان مَردود نے دھوکے میں اِس طرح مبتلا کر رکھا ہے کہ معاشرے کی اکثریت خلافِ شریعت رسموں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ مثلاً:

- رواج ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے جوڑے کے ستارے ملائے جاتے ہیں... حالانکہ شریعت نے ہمیں ستارے ملانے کا نہیں، بلکہ استخارہ (خیر و بھلائی کی دُعا) کا حکم دیا ہے۔ ستاروں کی چال سے مستقبل کی باتیں بتانا ممنوع ہے، یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے کہ ستاروں کی چال کا ذاتی طور پر کوئی اثر ہے اور اُنھیں محض علامت سمجھ کر کوئی قیاس کرنا بھی فضول ہے۔ (نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری: 4/ 291، ملخصًا)
- شادی کے موقع پر ناچ گانا... مَردوں اور خواتین کا اختلاط... لڑکے اور لڑکی کا باہم ملاقات یا فون پر گفتگو کرنا... لڑکے والوں کا جہیز کے نام پر مخصوص چیزوں کا تقاضا کرنا اور لڑکی والوں کو مجبور کر کے اُن سے وہ چیزیں لینا... تیل مہندی کی رسم... ہوائی فائرنگ اور آتش بازی... ولیمہ میں دکھاوے کے لیے کئی قسم کے کھانے پکانا... یہ سب اُمور ناجائز و گناہ ہیں۔ (رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ملخصًا)
- رواج ہے کہ کسی شخص کی وفات ہو جائے تو تمام رشتہ داروں کے جمع ہونے تک جنازہ کو مؤخّر کیا جاتا ہے، حالانکہ سرورِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جنازہ وتدفین میں (کسی شرعی وجہ کے بغیر) تاخیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (جامع ترمذی، حدیث: 1075)
- رسم پڑ چکی ہے کہ کسی شخص کی وفات پر میّت کے گھر والے دعوت کا اہتمام کرتے ہیں.... حالانکہ شرعاً وفات کے دن اور اُس کے بعد والے دو (یعنی سوگ کے تین) دنوں میں بطورِ دعوت کھانے کا اہتمام کرنا ناجائز و ممنوع ہے۔ یہ کھانا فقرا کھا سکتے ہیں، مال داروں کے لیے جائز نہیں، تاہم ایصالِ ثواب کے لیے کھانے کا اہتمام جائز ہے اور اِسے کھانا مال داروں کے لیے بھی ممنوع نہیں۔ بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے پکایا گیا لنگر سب کے لیے باعثِ برکت ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج: 9، ص: 614، 662، 667، 673)
- یہ بات بھی رائج ہوتی جارہی ہے کہ مرحوم کی تصویر کے سامنے پھول رکھے جاتے ہیں اور موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں... حالانکہ یہ ہندوؤں کی ایجاد ہے۔ بطورِ تعظیم تصویریں رکھنا بھی ناجائز ہے اور اُن پر پھول چڑھانا / موم بتیاں جلانا بھی اسراف و بے جا ہے۔
- کسی کی وفات پر چند منٹ کے لیے خاموشی یا تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانے کی رسم بھی کفار کی ایجاد ہے، اِس سے بچنا چاہیے۔
- یہ بات بھی عام ہو چکی ہے کہ گرمیوں میں لوگ نیکر پہن لیتے ہیں، جس سے گھٹنے نہیں چھپتے... حالانکہ شرعاً مَرد پر فرض ہے کہ وہ اپنی ناف کے متّصل نیچے سے گھٹنے کے آخر تک کا حصہ چھپائے۔ شرعی ضرورت کے بغیر یہ حصہ کسی کے سامنے کھولنا سخت گناہ ہے، حتّٰی کہ بلا ضرورت یہ حصہ تنہائی میں بھی کھولنا جائز نہیں۔ (بہارِ شریعت، ج: 3 (الف)، ح: 16، ص: 442)

لمحۂ فکریہ: خلافِ شرع رسموں میں سے زیادہ تر ایسی ہیں جن سے متعلق ہم خود بھی سمجھتے ہیں کہ یہ دین میں جائز نہیں اور دُنیاوی طور پر بھی اُن کے نتائج اچھے نہیں، مگر صرف اِس لیے اُنھیں پورا کرتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا تو لوگ طعنے دیں گے! پہلی بات تو یہ ہے کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالٰی اور اُس کے محبوبِ مکرّم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ناراض کرنا بہت بڑی بے وقوفی ہے۔ پھر یہ بات بھی کہ دُنیادار لوگ دودَھاری تلوار کی طرح ہیں، کبھی بھی طعنہ زنی سے باز نہیں آتے... اِن کی خاطر گناہ کا ارتکاب ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

حرفِ آخر... وعدۂ لاریب اور شیطانی فریب

"عقل" خالقِ کائنات کی طرف سے انسان کے لیے ایسا انعام ہے جو اُس کا طُرّۂ امتیاز ہے، مگر یہ عزت و تکریم کا باعث اور کامیابی کا ذریعہ تب بنتی ہے جب انسان اِسے صحیح طریقے سے استعمال کرے اور فائدہ اُٹھائے... وگرنہ عقل و شعور کے حامل کفّار / دشمنانِ دین کو قرآنِ حکیم نے جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔

یہ بھی ربِّ کریم کا احسان ہے کہ اُس نے عقل کی راہ نمائی کے لیے شریعت کا نور عطا فرمایا ہے؛ تاکہ انسان کسی دھوکے میں مبتلا نہ ہو، عقل کو شریعت کے ماتحت رکھ کر اُس سے فائدہ حاصل کرے اور منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔

سورج بھی روشن ہو، آنکھیں بھی سلامت ہوں اور راستہ بھی وسیع ہو... اِس کے باوجود کوئی شخص اپنی غفلت کی وجہ سے گڑھے میں جا گرے تو اُسے انتہائی لاپرواہ اور نالائق کہا جائے گا۔ یوں ہی شریعت کا آفتاب بھی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے، ربِّ کریم نے عقل و شعور سے بھی نوازا ہے اور صراطِ مستقیم بھی روشن و وسیع ہے، پھر بھی اگر کوئی شخص شیطانی دھوکے میں مبتلا ہو کر گمراہی یا نافرمانی کی گہری کھائی میں جا گرے تو وہ نہایت احمق اور سخت سُست ہے۔

قرآنِ حکیم میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا و لاریب ہے اور شیطان کا وسوسہ جھوٹا و فریب ہے، خالقِ کریم ہمیں جنت کا راستہ دکھاتا ہے اور شیطان لعین ہمیں جہنم میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس کے باوجود اگر انسان شیطانی دھوکے میں مبتلا ہو کر شریعت کی خلاف ورزی کرے تو وہ اپنی عقل سے قطعًا کام نہیں لے رہا اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کو عذاب کا فیصلہ سنایا جائے گا اور وہ شیطان کو بُرا کہیں گے؛ کہ اِس کی وجہ سے ہم ہلاکت میں مبتلا ہوئے تھے تو شیطان کہے گا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ... یعنی "اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میرا وعدہ جھوٹا تھا، مَیں نے تم پر کوئی جَبر اور زبردستی نہیں کی تھی، مَیں نے تو فقط تمھیں گناہ کی دعوت دی تھی تو تم نے میری بات مان لی۔ چنانچہ اب تم مجھ پر الزام نہ لگاؤ، خود اپنے آپ کو مَلامت کرو۔" [ابراھیم 14:22]

آخری دو خطبات میں چند ایسے خلافِ شرع قبیح اُمور کی نشان دہی کی گئی ہے، جو شیطانی وسوسوں کے نتیجے میں خوش نُما معلوم ہوتے ہیں اور بے شمار لوگ اُن میں مبتلا ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

- جھوٹ بولنا اور اُسے پھیلانا... دونوں ہی باتیں گناہ بھی ہیں اور اِن کے بے شمار دُنیاوی نقصانات بھی ہیں، مگر شیطان بہت مرتبہ جھوٹ کو دل کش بنا دیتا ہے اور انسان اُسے بطورِ مزاح یا حصولِ مفاد کی خاطر یا غلط فہمی کی وجہ سے لگن کے ساتھ پھیلانے لگتا ہے۔

❖ مخلوط نظامِ تعلیم شیطانی دھوکا ہے، جس کے بُرے اثرات دُنیا بھر میں دکھائی دے رہے ہیں۔ جب قرآن وسنت میں واضح طور پر خواتین کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز مَرد وخواتین کے اختلاط اور تنہائی سے روکا گیا ہے تو ہم مخلوط نظامِ تعلیم کو کیسے اچھا قرار دے سکتے ہیں! یا اِس کے بہتر نتائج کی کیسے توقّع کر سکتے ہیں!

❖ رسول اللہ ﷺ نے آگاہ فرمایا تھا کہ قیامت کے قریب مذہبی راہ نماؤں کے رُوپ میں بڑے دھوکے باز، پَرلے درجے کے جھوٹے لوگ ظاہر ہوں گے، وہ ایسی باتیں پیش کریں گے جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، چنانچہ اُن سے بچ کر رہنا۔ اِس خبرِ صادق کی سچائی بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ سوشل میڈیا کے بے لگاموں نے دین کو مذاق بنا رکھا ہے۔ اِن حالات میں ہمیں چاہیے کہ عقائدِ اہلِ سنت پر استقامت اختیار کریں، فقہِ حنفی پر پختگی کے ساتھ عمل کریں اور راہِ اکابر کے مطابق ہی تصوّف اختیار کریں۔

❖ یہ شیطانی فریب ہی ہے کہ انسان کے دل میں اپنے اعمالِ خیر دکھانے اور اُن پر لوگوں سے داد وصول کرنے کی چاہت پیدا ہوتی ہے، ایسی نیت حرام ہے اور قیامت میں رُسوائی کا باعث ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہر اچھا عمل محض اللہ تعالیٰ کی رِضاء وخوشنودی کے لیے کریں۔ ربِّ کریم سے اخلاص کی توفیق مانگیں... حتّی الامکان اپنی نیکیوں کو چھپائیں... تصاویر، سیلفیوں اور ویڈیوز کی عادت چھوڑ دیں اور لوگوں کی طرف سے تعریف یا طعنوں کی پرواہ کیے بغیر اپنے مالکِ کریم کو خوش کرنے کی کوشش کریں۔

❖ ابلیسی مکر کے نتیجے میں بعض اوقات انسان سمجھتا ہے کہ حلال مجھے کافی نہیں ہوگا، پھر وہ حرام ذرائع سے روزی کمانے لگ جاتا ہے... حالانکہ اُس کی پیدائش سے بے شمار سال پہلے اُس کی روزی کی مقدار مقرر ہو چکی ہے۔ جو لکھا ہے اُس میں نہ تو ایک لقمہ کی کمی ہو سکتی ہے اور نہ ہی ایک نوالہ کا اِضافہ ہو سکتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ انسان صرف حلال ذریعہ اختیار کرے... یوں رزق بھی مل جائے گا اور مالکِ کریم کی رضاء وبرکت بھی نصیب ہوگی۔

❖ شرعی احکام پر عمل کے بجائے خاندانی یا علاقائی رسموں کے پیچھے پڑے رہنا بھی شیطانی دغا ہے۔ مسلمان رسم ورِواج کا نہیں، شریعت کا پابند ہوتا ہے؛ لہٰذا خلافِ شرع تمام رسموں سے بچنا چاہیے اور اِس سلسلے میں لوگوں کے طعنوں کی ہرگز پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

شرعی مسئلہ: عصرِ حاضر میں انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَات اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک زندگیوں سے متعلق کچھ فلمیں بنائی گئی ہیں، لوگ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اِنھیں مذہبی عقیدت کے ساتھ دیکھتے ہیں، مگر شرعی طور پر ایسی فلمیں بنانا بھی حرام ہے اور اُنھیں دیکھنا بھی حرام ہے۔

یہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہیں... جن افراد کو نبی یا صحابی بنا کر دکھایا جاتا ہے وہ ایک اچھا مسلمان کہلانے کے لائق بھی نہیں ہوتے، نیز اِن میں مَن گھڑت باتیں، میوزک اور بے پردگی وغیرہ متعدد ناجائز اُمور ہوتے ہیں؛ لہٰذا ایسی فلمیں ہرگز نہ دیکھی جائیں۔

۲۸ ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ / یکم نومبر 2024ء

تزئینِ سیّئات....



شیطانی دھوکا (آخری حصہ)

(عصرِ حاضر کے خوش نما قبیح اُمور پر تبصرہ اور مکرِ شیطان سے بچنے کا طریقہ)

مشمولات

- شیطانی وساوِس اور اُن کی پہچان کا طریقہ
- شیطانی دھوکے سے بچنے کے ذرائع
- تزیینِ سیّئات... دین میں مُداہنَت
- اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا، گناہوں سے بچنا اور یادِ الٰہی
- تزیینِ سیّئات... ذاتی اختلاف اور لڑائی جھگڑا
- وُضو و نماز اور تلاوتِ قرآنِ مجید
- باری تعالیٰ کا مکان اور مخلوق کے دیگر اوصاف سے پاک ہونا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۔[حٰمٓ السجدۃ41:36]

کسی بھی دشمن کے شر سے بچنے کے لیے دو چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں: 1) اُس کی منصوبہ بندی اور چالوں سے آگاہی حاصل کی جائے۔ 2) اُس کی سازشوں کے سدِّباب کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں۔ گھر پر حملہ آور ہونے والے ڈاکو سے لے کر ملک و قوم کے دشمنوں تک... بدخواہوں کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لیے اِن دونوں چیزوں کا اہتمام کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ نے متعدّد آیاتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا: اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ۔ "یقیناً شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔"[البقرۃ2:168]

ابلیس ہمارا اتنا خطرناک دشمن ہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، مگر ہم اُسے نہیں دیکھ پاتے... ہمیں کئی مصروفیات ہیں، مگر اُس کا ایک ہی کام ہے... وہ ہر لمحہ ہمارے پیچھے پڑا ہے، مگر ہم اُسے بھول جاتے ہیں... سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہمیں تباہی تک لے جانے پر تُلا ہوا ہے اور ہم میں سے اکثر اُس کی دشمنی کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔

چنانچہ شیطان کے شر سے بچنے کے لیے یہ جاننا بھی بے حد ضروری ہے کہ وہ انسان کو کیسے ورغلاتا اور پھنساتا ہے!... اور یہ سمجھنا بھی انتہائی اہم ہے کہ ہمیں اُس کی شرارتوں سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے!

انسان کے خلاف ابلیس کا ایک اہم ہتھیار "وسوسہ" ہوتا ہے۔ وہ دل میں ایسے عجیب و غریب خیالات ڈالتا ہے کہ انسان برائی کو اچھائی سمجھنے لگتا ہے اور اُس میں مبتلا ہو جاتا ہے، بلکہ بہت مرتبہ تو یہ بھی سمجھ نہیں پاتا کہ یہ وسوسہ ہے۔

اچھے اور بُرے خیالات کی پہچان کے لیے انسان کو چاہیے کہ ذہن میں آنے والی بات کو شریعت کے معیار پر پرکھے، اگر شریعت کے خلاف ہو تو سمجھ جائے کہ وہ بُرا خیال ہے اور اُس سے باز رہے... اِس طرح سمجھ میں نہ آئے تو محبوبانِ خدا کے طور طریقوں پر غور کرے، پیاروں کی سیرت کے مطابق ہو تو اچھا خیال ہے، ورنہ اُس پر عمل سے باز رہے... یوں بھی نہ سمجھ سکے تو دیکھے کہ نفس طبعی طور پر اُسے پسند کرتا ہے یا نہیں؟ اگر نفس اُسے پسند کرتا ہے تو وہ بُرا خیال ہے؛ کیونکہ نفس برائی کی ہی دعوت دیتا ہے۔

(منہاج العابدین إلی جنۃ ربّ العالمین للغزالی، العقبۃ الثالثۃ، العائق الثالث، ص:80، مکتبۃ المدینۃ، ملخصًا)

گزشتہ دو جمعاتِ مبارکہ کے خطبات میں چند ایسے نہایت قبیح اُمور کا ذکر ہوا تھا جنھیں شیطان نے اپنے وسوسوں سے خوش نما بنا دیا ہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد اُن میں مبتلا ہے۔

اِس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے آج بھی کچھ شیطانی وسوسوں اور اُن سے بچاؤ کے طریقوں سے متعلق گفتگو ہوگی۔

تزیینِ سیئات... دین میں مُداہنَت

اللہ تعالیٰ اِس بات کو بہت پسند فرماتا ہے کہ مسلمان اپنے دین کے حوالے سے نہایت پختہ ومُتَصَلِّب ہو، استقامت کے ساتھ اسلام پر قائم رہے اور یہ یقین رکھے کہ دونوں جہان کی کامیابی رحمتِ عالَم ﷺ کی غلامی سے ہی وابستہ ہے، وہ اپنی طاقت کے مطابق اسلام کی سربلندی اور اسلامی احکام کے نفاذ کے لیے بھرپور کوشش کرے... جب کہ باری تعالیٰ کو یہ امر سخت ناپسند ہے کہ مسلمان دین کے حوالے سے سُستی ومُداہنَت کا مظاہرہ کرے، دُنیاوی مفادات کی خاطر دینی تقاضوں کو چھوڑ دے، اسلامی احکام کی مخالفت وخلاف ورزی اور مسلمانوں کے زوال پر اُسے غیرت نہ آئے اور روکنے کی طاقت کے باوُجود وہ خاموش تماشائی بنا رہے۔

ارشاداتِ ربّانیّہ: اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسلامی عقائد واعمال پر نہایت تصلّب عطا فرمایا اور دین کے حوالے سے سُستی ومداہنت سے کوسوں دُور رکھا۔ اِس خوبی کو اپنا احسان قرار دیتے ہوئے ربِّ کریم نے ارشاد فرمایا:

❖ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ.. یعنی "لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی مَحبّت پیدا فرمادی اور اُسے تمہارے دلوں میں آراستہ وخوش نُما کر دیا۔"

❖ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ... "اور کفر، حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار / ناپسندیدہ کر دی۔"

❖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ "ایسے ہی لوگ رُشد وہدایت والے ہیں۔ اللہ کا فضل اور احسان ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔" [الحجرٰت 49: 7،8]

کفّار نے سرورِ عالَم ﷺ کو اسلام کی دعوت دینے اور کفر وشرک کی مذمّت کرنے سے روکنے کے لیے ہر طرح سے کوشش کی، تکلیفیں بھی پہنچائیں اور مال ودَولت وسلطنت کا لالچ بھی دیا، مگر جانِ عالَم ﷺ نے ہمیشہ تصلّب واستقامت کو زینت بخشی اور اسلام کی سربلندی کے لیے خود کو وقف کیے رکھا۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۔ "کفّار آرزو رکھتے ہیں کہ آپ (دین کے معاملے میں اُن کی رعایت کرکے بے جا) نرمی برتیں؛ تاکہ وہ بھی نرم پڑ جائیں۔" [القلم 68:9] آیتِ کریمہ میں ہماری تربیت فرمائی گئی کہ جیسے تمہارے نبیِ کریم ﷺ نے کفّار کی سرتوڑ کوششوں کے باوُجود دین میں سُستی ومداہنت نہیں کی، تم بھی ہمیشہ اِس سے دُور رہنا۔

ارشادِ نبوی: حدیثِ مبارک کے مطابق اسلامی احکام کی مخالفت وخلاف ورزی کرنے والا صرف خود ہی تباہ نہیں ہوتا، بلکہ روکنے میں سُستی ومداہنت کرنے والوں کو بھی لے ڈوبتا ہے، جیسے دو منزلہ کشتی میں کچھ لوگ بالائی منزل پر اور کچھ نچلے درجے پر سوار ہوں، نچلی منزل والا ایک شخص کلہاڑی لے کر کشتی کو توڑنا شروع کر دے، نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: فَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ أَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا أَنْفُسَهُمْ، وَإِنْ تَرَكُوْهُ أَهْلَكُوْهُ وَأَهْلَكُوْا أَنْفُسَهُمْ۔ "اگر بالائی منزل والے اُس کا ہاتھ پکڑ لیں / کشتی کو توڑنے سے روکیں تو اُسے بھی بچالیں گے اور خود کو بھی، لیکن نہ روکیں تو اُسے بھی ہلاک کریں گے اور خود کو بھی تباہ کر بیٹھیں گے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 2686)

شیطانی دھوکا: قرآن وسنّت کی اِن نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کو دین کے حوالے سے نہایت پختہ ہونا چاہیے اور کسی بھی مفاد کی خاطر دینی تقاضوں کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے... مگر شیطانی دھوکے کا نتیجہ ہے کہ لوگ دین کی پرواہ ہی نہیں کرتے، بلکہ ایسی ذہن سازی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ لوگ، خصوصاً نوجوان طبقہ دین میں پختہ نہ رہے۔ مثلاً:

- یہ سوچ پھیلائی جارہی ہے کہ سبھی ٹھیک ہیں، کسی کو غلط نہیں کہنا چاہیے... حالانکہ اسلام کے بنیادی اُمور میں سے یہ بات بھی ہے کہ مسلمان اسلام کے علاوہ ہر مذہب کو باطل سمجھے اور کفر سے اتنی نفرت رکھے کہ اگر اُسے آگ میں جانے یا اسلام چھوڑنے کا اختیار دیا جائے تو وہ آگ میں جانا گوارا کرلے، مگر کسی بھی صورت میں دل سے کفر پر راضی نہ ہو۔[1]
- دین کی خاطر استقامت کو "شِدّت پسندی" کہا جارہا ہے۔ یعنی یہ تصوّر دیا جارہا ہے کہ دُنیا کے ساتھ چلنے کی عادت ڈالنی چاہیے، دین کے لیے ڈٹ جانا اور لوگوں کی پرواہ نہ کرنا شدّت پسندی اور بُری بات ہے... حالانکہ اصل میں "اعتدال" یہی ہے کہ مسلمان اسلام پر کامل استقامت اختیار کرے، اِسے اگر شدّت کہا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو محبوب ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللهِ عُمَرُ۔ یعنی "میری اُمّت کے اندر اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سب سے زیادہ شدّت (سختی / مضبوط رائے) والا عمر ہے۔" (ترمذی، حدیث:3790) "شدّت" اگر اپنی ذات کے لیے ہو یا بے جا ہو تو قابلِ مذمّت ہے، لیکن دین کی خاطر ہو اور شریعت کے دائرے میں رہ کر ہو تو مالکِ کریم کو بہت پسند ہے۔
- معمول بنتا جارہا ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں پر اُنھیں مبارک بادیں دی جاتی ہیں، بلکہ حکمرانوں سمیت کئی لوگ اِن میں اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات رواداری کے نام پر اُن کی کفریہ رسمیں بھی پوری کرتے ہیں... آج (یکم نومبر 2024ء کو) ہندو اپنا مذہبی تہوار "دیوالی" منارہے ہیں اور حکومتی و نجی سطح پر اِسی طرح کے تماشے ہورہے ہیں۔ اِس حوالے سے پہلے تو "مبارک باد" کے لفظ پر غور کیجیے کہ یہ برکت کی دُعا ہے، کیا ضمیر گوارا کرتا ہے کہ ہم کافر سے کہیں: اللہ تجھے برکت و بھلائی دے! پھر شرعی حکم یہ ہے کہ کفار کے کسی مذہبی تہوار کو اچھا اور جائز سمجھنا... یا اُن کے مذہبی تہوار کی وُقعت و شوکت بڑھانے کے لیے اُس میں شرکت کرنا... یا اُن کی کسی ایسی رسم کو اچھا سمجھ کر پورا کرنا جو کفر و شرک پر مشتمل ہو.. اِن صورتوں میں کفر لازم آتا ہے۔[2]

اپنی ذات کے معاملے میں رواداری اور نرمی بہت اچھی بات ہے، مگر دینی تقاضوں کو قربان کردینا بڑی بدنصیبی ہے۔ شاعر نے کہا:

شرط یہ ہے کہ "رَوا" حدِّ "رَوا" ہی میں رہے
کون کہتا ہے نہ لو کام رواداری سے

---

[1] فِي رِوَايَةِ سَيِّدِنَا أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ مَرْفُوعًا: وَحَتَّى أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6041)

[2] مزید معلومات کے لیے دیکھیے: فتاوٰی رضویہ، جلد:21، صفحہ:188۔ بہارِ شریعت، حصہ:9، ص:466۔ فتاوٰی تاج الشریعہ، ج:2، ص:104

تزیینِ سیئات... ذاتی اختلاف اور لڑائی جھگڑا

ربِّ کریم پسند فرماتا ہے کہ مسلمان حُسنِ اخلاق کا پیکر ہو، صلح جوئی ورَواداری سے کام لے، خوش اُسلوبی کے ساتھ معاملات کو سُلجھائے، دَرگزر کرے اور اپنی ذات کی خاطر لڑائی جھگڑا کرنے سے گریز کرے... جب کہ شیطان اِس بات پر پورا زور لگاتا ہے کہ انسان بدگمانی میں مبتلا ہو، بداخلاقی کا مظاہرہ کرے، دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے اپنی ضد پر اَڑا رہے؛ تاکہ گھر کی سطح سے لے کر بین الاقوامی معاملات تک لڑائیاں جھگڑے اور فتنہ وفساد ہو... یوں لوگ اپنے ربّ کے احکام سے غافل ہو کر نافرمانیوں میں مبتلا ہو جائیں۔

ارشادِ ربّانی: باہمی اختلاف سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے ربّ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یعنی "اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو! اور آپس میں جھگڑا نہ کرو! ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری جرأت وطاقت ختم ہو جائے گی اور صبر کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" [الانفال 8:46]

آیتِ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں؟ اور یہ راہ نمائی بھی ملتی ہے کہ اختلافات کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

- اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں تو باہمی تنازعات نہیں ہوتے۔ نافرمانی کے نتیجے میں اختلافات اور لڑائیاں ہوتی ہیں۔
- باہمی جھگڑوں کے نتیجے میں بُزدلی وکمزوری بھی پیدا ہوتی ہے اور طاقت وشوکت بھی ختم ہونے لگتی ہے۔ (خزائن العرفان، ملخصًا)

ارشادِ نبوی: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور خاتم المرسلین ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ شیطان پانی پر اپنا تخت رکھتا ہے، پھر وہ (فتنہ پھیلانے / بُرے اعمال کو اچھا کر کے دکھانے کے لیے) اپنے لشکر / فوجیں بھیجتا ہے۔" فرمایا: فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً۔ یعنی "شیطان کا سب سے زیادہ قریبی وہ ہوتا ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ فتنہ ڈالتا ہے۔" فرمایا: "اُس کے لشکر میں سے ایک آکر (اپنی کارکردگی رپورٹ پیش کرتے ہوئے) کہتا ہے: مَیں نے ایسا ایسا فتنہ ڈالا۔ ابلیس کہتا ہے: تُو نے کچھ نہیں کیا۔" جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ۔ "پھر اُن میں سے ایک اور آکر کہتا ہے: مَیں نے فلاں شخص کو اُس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اُس کے اور اُس کی بیوی کے درمیان جدائی نہیں ڈال دی۔" فرمایا: "شیطان اُسے اپنے قریب کر کے کہتا ہے: نِعْمَ أَنْتَ! تُو بہت اچھا بچہ ہے!" (صحیح مسلم، حدیث: 2813)

حدیثِ مبارک سے معلوم ہوا کہ:

- لوگوں، خصوصًا میاں بیوی کے درمیان لڑائی ڈالنا شیطان کا کام ہے اور ایسا کرنے والا انسان بھی شیطان کی طرح مجرم ہے۔
- بلاوجہ طلاق دینا رحمٰن جلّ جلالہٗ کو سخت ناپسند ہے اور شیطان اِس سے بہت خوش ہوتا ہے؛ کیونکہ اِس سے گناہ وفساد کا راستہ کھلتا ہے؛ لہٰذا شوہروں کو یہ شیطانی چال سمجھنی چاہیے اور حتّی الامکان طلاق سے بچنا چاہیے۔ (مرآۃ المناجیح، لمعات التنقیح، زیرِ حدیث: 71، ملخصًا)

شیطانی دھوکا: قرآن وسنّت کے واضح احکام کے باوُجود ہمارے ہاں جھگڑے اِس قدر ہیں کہ اللہ کی پناہ! لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں؟ اور شیطان کیسے دھوکا دیتا ہے؟ اِس حوالے سے غور کرنا چاہیے؛ تاکہ انسان شیطانی جال میں پھنسنے سے محفوظ رہے:

⟸ بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ یعنی انسان بغیر دلیل اور ٹھوس ثبوت کے دوسرے کو بُرا سمجھنے لگتا ہے / ذہن بنالیتا ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ یوں دل میں اُس کی محبّت کے بجائے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، اُس کی عزت وتکریم ختم ہو جاتی ہے اور نتیجہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں نکلتا ہے... حالانکہ قرآنِ حکیم اور احادیثِ طیبہ میں ہمیں بدگمانیوں سے بچنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔[الحجرٰت 12:49]

⟸ شیطان انسان کو غصہ دلاتا ہے، پھر جوشِ انتقام اور شدّتِ غضب میں انسان ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ نوبت لڑائی تک جا پہنچتی ہے... حالانکہ پہلے سے ہماری تربیت فرمائی گئی ہے کہ بچ کر رہنا! شیطان تمھیں غصّہ دلانے کے لیے انسانی شکل میں آکر یا غیر محسوس طور پر کئی طرح کے کرتوت کرتا ہے؛ تاکہ تم عقل سے کام لینے کے بجائے جھگڑنے لگو۔[1]

⟸ انسان دوستوں اور گھر والوں کی فقط خامی دیکھتا ہے، خوبیوں پر غور نہیں کرتا... حالانکہ ہمیں سکھایا گیا ہے کہ دوسروں، خصوصًا اپنی اہلیہ سے بغض ونفرت نہ رکھنا؛ کیونکہ اگر اُن کی ایک عادت ناپسند ہے تو کوئی خوبی پسند بھی ہوگی![2]

⟸ یہ بھی بڑا شیطانی دھوکا ہے کہ انسان کو کسی بات پر غصہ آئے تو فورًا اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے... جب کہ قرآن وسنت کا حکم یہ ہے کہ اگر بیوی کے ساتھ معاملات بگڑ رہے ہوں تو اُسے سمجھائیں... مسئلہ حل نہ ہو تو اُس کا بستر الگ کر دیں... اِس طرح بھی بات نہ بنے تو ہلکی پھلکی ایک دو ضربوں سے اصلاح کی کوشش کریں... یہ صورت بھی فائدہ مند نہ ہو تو ثالث کے ذریعے معاملات کو سُلجھائیں۔[النساء 4:34، 35] اگر طلاق کے علاوہ کوئی حل نہ ہو تو شوہر انتظار کرے، جب بیوی مخصوص ایّام کے بعد پاک ہو جائے تو حقوقِ زوجیّت ادا کیے بغیر اُسے صریح لفظ کے ساتھ فقط ایک طلاق دے دے، معاملہ بہتر ہو جائے تو عدت کے دوران شوہر بغیر نکاح کیے رجوع کر سکتا ہے اور اُس کے پاس دو طلاقوں کا حق باقی رہے گا، لیکن عدت ختم ہو گئی تو عورت آزاد ہے، دوسرے مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے اور پہلے شوہر سے تعلق بحال کرنا ہو تو فقط نکاح کافی ہوگا، مزید کسی کام کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بیک وقت تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ایک شخص نے ایسا کیا تو آپ ﷺ جلال میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ "کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے؟" (سنن نسائی، حدیث: 3401)

---

[1] سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ، فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكَذِبِ، فَيَتَفَرَّقُونَ، فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ: سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا أَدْرِي مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ۔ (صحیح مسلم، حدیث: 7)

سیدنا ابو اُمامہ صُدَیّ بن عَجلان باہلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے کسی کے گھر والے بستر بچھا کر تیار کر دیں تو شیطان اُس کے بستر پر آکر لکڑی، پتھر یا کوئی اور چیز پھینک دیتا ہے؛ تاکہ اُسے گھر والوں پر غصہ دلائے۔ فرمایا: فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ فَلَا يَغْضَبْ عَلَى أَهْلِهِ۔ لِأَنَّهُ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ جب کسی کے ساتھ ایسا واقعہ ہو تو وہ اپنے گھر والوں پر غضب ناک نہ ہو؛ اس لیے کہ ایسی حرکت (کر کے فساد ڈالنا) شیطان کا کام ہے۔ (الأدب المفرد للبخاری، حدیث: 1191)

[2] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ، أَوْ قَالَ "غَيْرَهُ"۔ (صحیح مسلم: 1469)

شیطانی دھوکے سے بچنے کے ذرائع

اگرچہ شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے اور اتنا خطرناک ہے کہ انسان اپنی طاقت سے کبھی بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، مگر قرآن وسنّت میں ایسے ذرائع ارشاد فرمائے گئے ہیں کہ اگر انسان اُنھیں اختیار کرے تو ربِّ کریم کی رحمت شاملِ حال ہو جاتی ہے اور شیطان انسان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتا۔ شیطان سے بچاؤ کے چند اہم ذرائع درج ذیل ہیں:

1) اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا: انسان اگر قلعے یا کسی اور محفوظ مقام میں پناہ حاصل کرلے تو طاقت وَر دشمن بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بُلٹ پروف جیکٹ پہنی ہو تو گولی اثر نہیں کرتی اور بم پروف گاڑی میں بیٹھے شخص کو بم بھی نہیں اُڑا سکتا۔

جس خوش نصیب شخص کو ربِّ کریم اپنی حفاظت عطا کر دے شیطان مَردود اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا؛ کیونکہ شیطان لعین اگرچہ سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہے، مگر رحمٰن ورحیم کی طاقت وقدرت ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ حکم فرمایا گیا: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ ”اور (اے سننے والے!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کر، بے شک وہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ [حٰمٓ السجدۃ 36:41]

سیدنا سلیمان بن صُرَد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کی لڑائی ہوئی، اُسے اتنا زیادہ غصّہ آیا کہ اُس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور رَگیں پھول گئیں۔ سرورِ عالم ﷺ نے اُسے دیکھا تو فرمایا (مفہوم): اگر یہ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے تو اِس کی حالت درست ہو جائے گی۔ اِس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد کی تائید کے لیے درج بالا آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔
(صحیح مسلم: 2610۔ صحیح بخاری: 6048۔ المستدرک علی الصحیحین: 3649)

2) گناہوں سے بچنا: اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کی نافرمانی سے انسان کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے، اگر انسان مسلسل گناہوں میں مبتلا رہے تو پورا دل سیاہ اور سخت ہو جاتا ہے اور سخت دل لوگ بہت جلد شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ ”لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے آراستہ کر دیا۔“ [الانعام 6:43]

چنانچہ شیطان کے شر سے بچنے کا ایک عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ انسان گناہوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے دل کی حفاظت کرے۔

3) یادِ الٰہی: شیطان کا وار سب سے زیادہ کارگر اُس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے ربّ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوتا ہے۔ اگر دل اور زبان یادِ الٰہی میں مصروف رہیں تو شیطانی وسوسے ختم ہو جاتے ہیں۔

ارشادِ ربّانی ہے: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۔ ”اور جو رحمٰن کی یاد سے منہ پھیرے

تو ہم اُس پر ایک شیطان کو مُسلَّط کر دیتے ہیں، چنانچہ وہ اس کا ساتھی رہتا ہے۔"[الزخرف 36:43] یعنی جو قرآنِ کریم کی ہدایت سے فائدہ نہ اُٹھائے، یادِ الٰہی سے غافل اور عذابِ الٰہی سے بے خوف ہو جائے ہم شیطان کو اِس طرح اُس پر مقرّر کر دیتے ہیں کہ وہ دنیا میں بھی اُس کا ساتھی رہتا ہے، اُسے اطاعت سے روکتا ہے اور نافرمانی کا شوق دلاتا ہے... اور آخرت میں بھی اُس کا ساتھی ہو گا۔ اِس کے برعکس جو بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے شیطان اس کے قریب نہیں جاتا۔ (صراط الجنان، تبیان القرآن، زیرِ آیت، ملخصًا)

4) وضو اور نماز: جن اعمالِ حسنہ کی برکت سے خصوصی کرم نوازی ہوتی ہے اور شیطانی اثرات سے نجات ملتی ہے اُن میں نماز اور وُضو بھی بہت نمایاں ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے: "جب تم میں سے کوئی سوئے تو شیطان اُس کی گُدّی (گردن کے پچھلے حصے) پر تین گرہیں لگا دیتا ہے (جیسے جادوگر کچھ پڑھ کر گرہ لگاتے ہیں ایسے ہی وہ اِس عمل کے ذریعے سستی ڈالتا ہے)۔ ہر ایک گرہ پر (دل میں یہ بات) ڈالتا ہے: عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ، فَارْقُدْ۔ سوئے رہو، بہت لمبی رات ہے۔ رحمتِ عالَم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ۔ چنانچہ اگر بندہ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو (شیطان کی لگائی ہوئی سستی کی گرہوں میں سے) ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وُضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر نماز ادا کرتا ہے تو تیسری گرہ بھی کُھل جاتی ہے اور (شیطان کا اثر ٹوٹنے سے ایسی برکت نصیب ہوتی ہے کہ) انسان چُست اور پاکیزہ نفس ہو کر صبح کرتا ہے، اگر ایسا نہ کرے تو صبح کو یہ حالت ہوتی ہے کہ پریشان اور سُست ہوتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 1142۔ صحیح مسلم، حدیث: 776)

5) تلاوتِ قرآنِ کریم: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ،[1] إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ۔[2] "اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن چھوڑ کر مُردے مت بنو)، یقیناً شیطان اُس گھر / جگہ سے دُور بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جائے (اِس سورت کی برکت سے شیطان اُس گھر / جگہ والوں کو فتنے میں مبتلا کرنے سے مایوس ہو جاتا ہے)۔" (صحیح مسلم، حدیث: 780)

افسوس کہ زیادہ تر افراد کے گھروں میں ٹیلی وژن، موبائل فون اور دیگر اُمور کا تو روزانہ کی بنیاد پر اہتمام ہوتا ہے، مگر قرآنِ مجید کی تلاوت سے متعلق بہانہ کرتے ہوئے آرام سے کہہ دیتے ہیں: ٹائم نہیں ملتا۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے بدترین دشمن کی شرارتوں سے بچنے کے لیے اِن اُمور کا بھرپور طریقے سے اہتمام کریں۔

---

[1] أَيْ: لَا تَكُونُوا كَالْمَوْتَى، لَا يَذْكُرُونَ وَلَا يَتْلُونَ۔ (لمعات التنقیح، تحت الحدیث: 2119)

[2] يَيْأَسُ مِنْ إِغْوَاءِ أَهْلِهِ بِبَرَكَةِ هٰذِهِ السُّورَةِ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

حرفِ آخر... مکرِ شیطان اور حمایتِ رحمان

جس شخص کو دشمنوں سے کسی بھی طرح کا خطرہ نہ ہو وہ پُر سکون رہتا ہے اور اُسے اپنے بچاؤ کی کوئی فکر نہیں ہوتی، مگر جو شخص دشمن کے نشانے پر ہو اُسے چوکنا ہونا پڑتا ہے... اُس کے لیے بدخواہوں کی سازشوں سے آگاہی بھی ضروری ہوتی ہے اور اُن سے محفوظ رہنے کی خاطر اقدامات بھی کرنا پڑتے ہیں۔

انسان کا بدترین وخطرناک ترین دشمن شیطان ہے۔ چنانچہ انسان پر اِس حوالے سے راہ نمائی حاصل کرنا بھی لازم ہے کہ شیطان کس طرح دھوکے میں مبتلا کرتا ہے! اور یہ سیکھنا بھی ضروری ہے کہ شیطان کے وار سے بچنے کے لیے کیا اقدامات کرنے چاہییں!

آخری تین خطبات میں تزیینِ سیّئات کے حوالے سے گفتگو ہوئی کہ عصرِ حاضر میں کتنے ہی ایسے اُمور ہیں جنھیں شریعت نے بُرا وقبیح قرار دیا ہے، مگر شیطانی دھوکے کی وجہ سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اُن میں مبتلا ہے۔ ذکر کردہ اُمور میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

- ❖ شیطان کا بدترین طریقۂ واردات وسوسے ڈالنا ہے۔ یعنی وہ انسان کے دل میں ایسے خیالات ڈالتا ہے کہ اُسے برے کام اچھے لگتے ہیں اور اُنھیں کرنے کے لیے ذہن تیار ہو جاتا ہے۔ بُرے خیالات کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ ذہن میں آنے والی سوچ کو:
  - ○ شریعت پر پیش کیا جائے، خلافِ شرع ہو تو ہرگز اُس پر عمل نہ کیا جائے۔
  - ○ نیک لوگوں کی عادات پر پرکھا جائے، اگر وہ کام صالحین کی سیرت کے برعکس ہو تو اُسے ذہن سے جھٹک دیا جائے۔
  - ○ طبعی تقاضے کے ذریعے جانچ کی جائے، اگر وہ نفس کی طبعی چاہت کے مطابق ہو تو بھی وہ بُرا خیال ہے؛ کیونکہ نفس برائی کی ہی دعوت دیتا ہے۔
- ❖ شیطان ایسا طاقت وَر اور مکّار دشمن ہے کہ انسان کبھی بھی اپنی طاقت سے اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہمیں چاہیے کہ اُس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے کثرت کے ساتھ دُعا مانگا کریں کہ وہ شیطان کے مقابلے میں اپنی پناہ عطا فرما دے۔ گناہوں سے بچنا، ربّ تعالیٰ کو یاد کرنا، نماز کی پابندی کرنا اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنا... ایسے اعمال ہیں جن کی برکت سے خالقِ کائنات شیطان کے خلاف انسان کی مدد فرماتا ہے۔
- ❖ بزرگانِ دین کی تشریحات کے برعکس نئی تحقیقات پیش کرنے والے شیطانی کارندے ہیں... اُن سے اور اُن کے نظریات سے بچ کر رہنا چاہیے۔ عقائدِ اہلِ سنت پر استقامت، فقہِ حنفی پر پختگی کے ساتھ عمل اور اکابر سے تصوّف سیکھنے میں ہی نجات ہے۔
- ❖ مخلوط نظامِ تعلیم شیطانی دھوکا ہے، جس کے بُرے اثرات دُنیا بھر میں دکھائی دے رہے ہیں۔ جب قرآن وسنت میں واضح طور پر خواتین کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مرد وخواتین کے اختلاط وتنہائی سے روکا گیا ہے... تو ہم مخلوط نظامِ تعلیم کو کیسے اچھا قرار دے سکتے ہیں! یا اِس کے بہتر نتائج کی کیسے توقّع کر سکتے ہیں!

❖ اپنے اعمالِ خیر لوگوں کو دکھانے اور اُن سے داد حاصل کرنے کی چاہت شیطانی فریب ہے اور قیامت میں رُسوائی کا باعث ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہر اچھا عمل محض اللہ تعالیٰ کی رِضاء وخوشنودی کے لیے کریں۔ ربِّ کریم سے اخلاص مانگیں... حتّی الامکان اپنی نیکیوں کو چھپائیں اور تصاویر، سیلفیوں اور ویڈیوز کی عادت چھوڑ دیں۔

❖ حلال وحرام میں تمیز نہ کرنا بھی بدترین ابلیسی مکر کا نتیجہ ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ انسان صرف حلال ذریعہ اختیار کرے... یوں رزق بھی مل جائے گا اور مالکِ کریم کی رضاء وبرکت بھی نصیب ہو گی۔

❖ شیطان انسانوں کو آپس میں لڑوانے کے لیے بدگمانیاں پیدا کرتا ہے، غصہ دلاتا ہے اور دوسروں کی خامیاں دکھاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اُس کی چال کو سمجھیں اور اپنی ذات کی خاطر لڑائی جھگڑے سے گریز کریں۔

❖ دینی معاملات میں سُستی ومُداہنَت شیطانی اثرات میں سے ہے۔ اپنی ذات کے معاملے میں نرمی کرنی چاہیے، جب کہ دین کے حوالے سے استقامت اور پختگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اسلام کی سربلندی کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا اور اسلام کے علاوہ ہر مذہب کو باطل و قابلِ نفرت سمجھنا دین کا بنیادی تقاضا اور حقیقی اعتدال ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ اپنی ذات کا معاملہ ہو تو بچھ جانا اعتدال ہے، جب کہ دینی معاملہ ہو تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا کردار ادا کرنا عین اعتدال ہے۔ آپ کا 95واں عرسِ مبارک میانی صاحب قبرستان لاہور میں 30، 31 اکتوبر کو پورے تُزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوا۔ بزدل لوگوں کو بہادر بننے اور سچا عاشقِ رسول بننے کے لیے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔[1] اللہ کریم اُن کے درجات مزید بلند فرمائے!

شرعی مسئلہ: اللہ تعالیٰ جہت، زمان اور "مکان" سمیت مخلوق کے تمام اوصاف سے پاک ہے۔ یعنی ربِّ کریم کے لیے آسمان سمیت کسی بھی جگہ کو ثابت نہیں کر سکتے، وہ مکان ومقام کو پیدا کرنے سے پہلے جس شان کے ساتھ موجود تھا اُسی شان کے ساتھ اب بھی موجود ہے۔ جو مکان میں ہو وہ سب کے قریب نہیں ہو سکتا، جب کہ باری تعالیٰ سب کے قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے "اوپر والا" لفظ بولنا یا کوئی ایسا اِشارہ کرنا جس سے ظاہر ہو کہ باری تعالیٰ آسمان میں ہے... دونوں سخت غلط ہیں۔ یہ لفظ بولنا بھی کفر ہے کہ "اللہ ہر جگہ موجود ہے"۔ وہ مکان سے پاک ہے اور اُس کی شان سب سے بلند ہے۔

(دیکھیے: بہارِ شریعت، ج:1، ح:1، ص:8۔ فتاوٰی شارح بخاری ج:1، ص:113)

---

[1] "ناموسِ رسالت کے سات شہید" غازی علم الدین شہید سمیت متعدد غازیانِ اسلام کی سیرت پر لکھی گئی مستند ترین کتاب ہے۔

۵ جُمادَی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ/ 08 نومبر 2024ء

شفاعتِ حَسَنَہ کی جزا اور بُری سفارش کی سزا

مشمولات

- بارگاہِ الٰہی میں سفارش کی قدر
- شفاعتِ حسنہ کی وضاحت اور اُس کی جزا
- بُری سفارش کا مفہوم اور اُس کی سزا
- شفاعتِ حَسَنَہ کے چند آداب
- سِفارش... ذریعۂ جُود و نَوال یا سببِ وَیل و وَبال
- قسطوں پر خرید و فروخت کا حکم
  - بد دُعا کی ممانعت اور بُرائی میں تعاوُن کا وبال
  - اہلیت کے برعکس عُہدہ دینے پر وعید اور ناحق خونِ مسلم میں تعاوُن کا وبال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡہَا ۚ وَمَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ کِفۡلٌ مِّنۡہَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقِیۡتًا ۔ [النساء85:4]

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مَشِیَّت کے مطابق بندوں کے حالات ایک جیسے نہیں بنائے... کوئی خوش حال ہے تو کوئی تنگ دست، کسی کو منصب نصیب ہے اور کوئی بے اختیار، کچھ لوگوں کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جب کہ کئی افراد سماج میں اِعزاز و وقار کے حامل نہیں ہوتے، بعض لوگ زور لگا دیں تو بھی ایک کام نہیں ہو پاتا، مگر دوسرا صرف کہہ دے تو بھی بات بن جاتی ہے۔

اختلافِ احوال میں باری تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ربّ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اُس نے جن بندوں کو نعمتوں سے نوازا ہے وہ خستہ حال لوگوں کی خیر خواہی کریں... اپنے مال کے ذریعے اُن کی مدد کریں، میٹھے بول وغیرہ سے اُن کا دُکھ بانٹیں اور اپنا عہدہ و منصب / اثر و رُسوخ اُن کی بھلائی کے لیے استعمال کریں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کائنات کے دُولہا ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ لِلّٰہِ أَقْوَامًا اِخْتَصَّهُمْ بِالنِّعَمِ لِمَنَافِعِ الْعِبَادِ، يُقِرُّهُمْ فِيهَا مَا بَذَلُوْهَا، فَإِذَا مَنَعُوْهَا نَزَعَهَا مِنْهُمْ فَحَوَّلَهَا إِلٰى غَيْرِهِمْ۔» یعنی ”اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو نعمتیں عطا کرتا ہے؛ تاکہ وہ اُس کے بندوں کو نفع پہنچائیں، جب تک وہ بندوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں تب تک اللہ تعالیٰ نعمتیں اُن کے پاس باقی رکھتا ہے، جب وہ نفع پہنچانا چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وہ نعمتیں اُن سے واپس لے کر کسی اور کو عطا کر دیتا ہے۔“

(المعجم الکبیر، ج:13، ص:207، حدیث:13925۔ شعب الایمان، حدیث:7256)

کسی مسلمان کو نفع پہنچانے کی ایک عمدہ صورت یہ بھی ہے کہ انسان اچھے کام کے لیے جائز طریقے سے اُس کی سِفارش کر دے۔ کسی کا کام کروانے کے لیے ”دوسرے کو کہہ دینا“ بظاہر اتنی بڑی بات نہیں ہے، مگر ربّ تعالیٰ کے ہاں اِس کی بہت قدر و منزلت ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے کرم سے رسولِ مکرّم ﷺ کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اسلام میں کوئی بھی معاملہ ادھورا نہیں ہے، ہر امر کی مکمل تفصیل موجود ہے اور اُس کی حُدود و قیود واضح ہیں۔ یہی صورتِ حال سِفارش کی بھی ہے... جہاں یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے اُن کی سفارش کر دینی چاہیے، وہاں ”شفاعتِ حَسَنہ“ اور ”بری سفارش“ کا فرق بھی واضح کیا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اچھی سفارش کرنے پر کیا کیا انعامات ملتے ہیں! اور اِس بات سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ بے جا سفارش کا وبال کیا ہو گا!

عصرِ حاضر (خصوصاً پاکستان) میں ”شفاعتِ حَسَنہ“ اور ”بری سفارش“ کا فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہر معاملہ سفارش کی نذر ہو گیا ہے اور بے جا سفارشات کی وجہ سے پیدا ہونے والے حالات کسی سے مخفی نہیں۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں سفارش سے متعلق کچھ گفتگو ہو گی۔

بارگاہِ الٰہی میں سفارش کی قدر

کسی مسلمان کی سفارش کرنا امام الانبیا ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہے اور اُسے قبول کر لینا ربِّ ذوالجلال جلّ مجدہٗ کی عادتِ کریمہ ہے۔ باری تعالیٰ دُنیا میں بھی سفارش قبول فرماتا ہے اور روزِ قیامت تو قبولیتِ شفاعت کا انداز ہی نرالا ہو گا... اور ایسا نہیں کہ صرف پیاروں کی سفارش قبول ہوتی ہو، بلکہ کوئی گناہ گار مسلمان بھی محض اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے دوسرے مسلمان کے حق میں سفارش / دُعائے خیر کرے تو ربِّ کریم اُس کی بھی قدر فرماتا ہے اور اِس شان سے قبول فرماتا ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔

سفارش پر نوازش: حکیم الاُمّت سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد حضرت صفوان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مَیں حج کے لیے جانا چاہتا تھا، شام میں سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے گھر پر حاضر ہوا، آپ گھر میں موجود نہیں تھے، آپ کی اہلیہ محترمہ سیدتنا اُمّ درداء رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی، اُنھوں نے مجھے دُعا کے لیے حکم کیا اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے: «دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ، عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ، كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ: آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلٍ.» یعنی "جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عدم موجودگی میں اُس کے لیے دُعا کرتا ہے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے، دُعا کرنے والے کے سرہانے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے، وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے جو بھی دُعائے خیر کرے فرشتہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تیری دُعا قبول فرمائے اور تجھے بھی ایسی بھلائی سے نوازے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2733۔ الأدب المفرد للبخاری، حدیث: 625)

قیامت میں عنایت: روزِ حشر کفار کے لیے بارگاہِ الٰہی میں نہ تو کوئی سفارش کرے گا اور نہ ہی اِس کی اجازت ہو گی۔ جن آیاتِ قرآنیہ میں شفاعت کی نفی ہے اُن سے کفار و مشرکین کے حق میں سفارش ہی مراد ہے۔ ایک آیتِ کریمہ میں ارشادِ ربّانی ہے: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ. "تو اُنھیں (کافروں کو) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔" [المدثر 74:48]

جہاں تک مسلمانوں کے حق میں شفاعت کی بات ہے تو متعدد احادیثِ طیبہ کا خلاصہ ہے کہ قیامت کا نصف دن (دُنیا کے حساب سے 25,000 سال) گزرنے کے بعد سب لوگ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کے لیے پیاروں کی تلاش شروع کریں گے۔ چنانچہ وہ تقریباً سبھی انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس حاضر ہوں گے، مگر وہ شفاعت سے انکار کر دیں گے۔ آخر میں شافعِ محشر ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر التجا پیش کریں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ سجدے میں سر رکھ کر بے مثال حمدِ الٰہی کریں گے تو حکم ہو گا: اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. "پیارے! سر اُٹھائیے... کہیے! آپ کی بات سُنی جائے گی... مانگیے! آپ کو عطا کیا جائے گا... اور شفاعت کیجیے! آپ کی شفاعت قبول ہو گی۔" (صحیح بخاری، حدیث: 7510)

شفاعت کا دروازہ کھلنے کے بعد دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، پھر اولیائے عظام، شہدائے ذی شان، علمائے ذوی الاحتشام، حُفّاظِ قرآن، حاجی حضرات، بلکہ ہر وہ شخص جسے دینی منصب عنایت ہوا... سبھی شفاعت کریں گے۔ (دیکھیے بہارِ شریعت، ج:1، ح:1، ص:139، 140)

قرآنِ حکیم کی روشنی میں شفاعتِ حَسَنہ اور بُری سِفارش

قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کی شفاعت / سفارش کرنے کا شوق بھی دلایا ہے اور اِس بات کا پابند بھی کیا ہے کہ سفارش حُدود وقیود میں رہتے ہوئے کرنی ہے۔ نصوص کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سفارش شرعی تقاضوں کے مطابق ہو تو رضائے الٰہی کا ذریعہ بھی ہے اور اجر وثواب کا باعث بھی... جب کہ دینی مقاصد کے خلاف ہو تو سفارش کنندہ ربّ تعالیٰ کی ناراضی کا مستحق بھی ہوتا ہے، گناہ گار ہو کر سزا کا حق دار بھی ٹھہرتا ہے اور یہ سفارش انسان کی ذات، بلکہ پورے معاشرے کو تباہی تک بھی لے جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۔ ”جو اچھی سفارش کرے اُس کے لیے اُس میں سے حصہ (اجر وثواب) ہے اور جو بُری سفارش کرے اُس کے لیے اُس میں سے حصہ (عذاب وسزا) ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔“ [النساء4:85]

آیتِ کریمہ میں شفاعتِ حسنہ کرنے والے کو دُنیا وآخرت میں اجر وثواب کی بشارت عطا کی گئی اور بُری سفارش کرنے والے کو دُنیا وآخرت میں سزا کی وعید سنائی گئی۔[1] آخری حصہ میں ربّ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر یہ راہ نمائی بھی فرما رہا ہے کہ اُس قادرِ مطلق کے لیے جزا یا سزا دینا مشکل نہیں۔ وہ معمولی شفاعتِ حسنہ پر بڑے انعام سے نواز دے اور جس کی سفارش کی گئی اُس کا اجر کم کیے بغیر سفارش کرنے والے کو بھی اُس کے برابر ثواب عطا فرما دے تو اُس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی... جب کہ چند لفظوں پر مشتمل بُری سفارش کی وجہ سے سخت سزا دے تو اُسے روکنے والا کوئی نہیں۔[2]

شفاعتِ حسنہ کی وضاحت اور اُس کی جزا

جائز طریقے سے دوسرے مسلمان کو نفع پہنچایا جائے تو وہ ”شفاعتِ حَسَنہ / اچھی سِفارش“ ہے۔ مثلاً:

- ربّ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنا کہ اے اللہ! میرے فلاں مسلمان بھائی کی حاجت پوری فرما دے!
- کوئی شخص عہدے کی بہترین اہلیت رکھتا ہو تو اُس کی تقرری کے لیے سفارش کرنا۔
- مساجد اور دینی اداروں کے قیام کے لیے سَعْی کرنا۔
- کسی طالبِ علم کے تعلیمی سلسلے میں آنے والی رکاوٹ دُور کرنے کے لیے کوشش کرنا۔

---

[1] أَيْ يَحْصُلُ لَهٗ مِنْهَا نَصِيْبٌ يَكُوْنُ ذٰلِكَ النَّصِيْبُ ذَخِيْرَةً لَهٗ فِيْ مَعَاشِهٖ وَمَعَادِهٖ... (مفاتيح الغيب [التفسير الكبير]، تحت الآية)

[2] أَنَّهٗ تَعَالٰى قَادِرٌ عَلٰى إِيْصَالِ النَّصِيْبِ وَالْكِفْلِ مِنَ الْجَزَاءِ إِلَى الشَّافِعِ مِثْلَ مَا يُوْصِلُهٗ إِلَى الْمَشْفُوْعِ فِيْهِ، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ، وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ، وَلَا يَنْتَقِصُ بِسَبَبِ مَا يَصِلُ إِلَى الشَّافِعِ شَيْءٌ مِنْ جَزَاءِ الْمَشْفُوْعِ... (أيضًا)

- کسی غریب کی شادی یا زندگی کے دیگر اُمور کی تکمیل میں آسانی کا ذریعہ بننا۔
- قرض دار شخص واقعی طور پر مجبور ہو تو اُسے ادائیگی کے لیے مہلت دلوا دینا۔
- کسی بے گناہ کے خلاف ناجائز مقدمہ ہو تو اُس کی جان چھڑوا دینا۔

ہر صورت میں ذریعۂ اجر: سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ اَشْعَری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی سوالی یا حاجت مند سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِرشاد فرماتے: اِشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا وَلْيَقْضِ اللهُ عَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِهٖ مَا شَاءَ۔ ”تم سفارش کرو! تمہیں اجر عطا کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 6028) یعنی میرا فیصلہ وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، تمہارے کہنے سے مَیں ہرگز حکمِ الٰہی کے خلاف نہیں کروں گا... لیکن شفاعتِ حسنہ کا یہ انعام ہو گا کہ وہ قبول ہو یا نہ ہو، بہر حال تمہیں اجر و ثواب عطا ہو جائے گا۔[1]

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان دُعا کے لیے کہے، خصوصاً حَرَمَین شریفَین میں حج و عمرہ کے لیے حاضر ہونے والوں کو بارگاہِ الٰہی میں التجا اور دربارِ نبوی میں سلام کی درخواست کی جائے تو اُنھیں اِس بارے میں سُستی نہیں کرنی چاہیے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دل جمعی کے ساتھ دُعا کر دیں اور سلام پہنچا دیں، قبول ہو یا نہ ہو بہر حال اُنھیں شفاعتِ حسنہ پر اجر و ثواب مل جائے گا۔

بہترین صدقہ: سیدنا سَمُرَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اللِّسَانُ۔ ”بہترین صدقہ زبان کا صدقہ ہے۔“ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلم! زبان کا صدقہ کیا ہے؟ فرمایا:

- اَلشَّفَاعَةُ يُفَكُّ بِهَا الْأَسِيْرُ... یعنی ”زبان کا صدقہ یہ ہے کہ اُس سے سفارش کی جائے اور کوئی بے قصور قیدی رہا ہو جائے۔“
- وَيُحْقَنُ بِهَا الدَّمُ... ”کسی بے گناہ کا خون محفوظ ہو جائے۔“
- وَيُجْزٰى بِهَا الْمَعْرُوْفُ... ”کسی بھلائی کا صلہ دیا جائے۔“
- وَالْإِحْسَانُ إِلٰى أَخِيْكَ الْمُسْلِمِ... ”اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ احسان کیا جائے۔“
- وَيُدْفَعُ عَنْهُ الْكَرِيْهَةُ۔ ”اور مسلمان بھائی کی کوئی مصیبت دُور کر دی جائے۔“

(معجم شیوخ ابن الأعرابی، رقم الحدیث: 1961، قال المحقق: الحدیث صحیح الإسناد، دار الکتب العلمیۃ)

نفع پہنچانے کا حکم: شفاعتِ حسنہ میں بنیادی بات یہ ہوتی ہے کہ کسی مسلمان کا بھلا ہو جائے اور یہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق جانِ جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ۔ ”تم میں سے جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کو (کسی جائز طریقے سے) نفع دے سکتا ہو وہ ضرور نفع پہنچائے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2199)

---

[1] فَإِنَّكُمْ إِنْ شَفَعْتُمْ لَهٗ حَصَلَ لَكُمْ بِتِلْكَ الشَّفَاعَةِ أَجْرٌ، سَوَاءٌ قُبِلَتْ شَفَاعَتُكُمْ أَوْ لَمْ تُقْبَلْ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 4956)

بُری سفارش کا مفہوم اور اُس کی سزا

قرآنِ حکیم نے اچھی سفارش پر جزا کا وعدہ فرمایا ہے اور بری سفارش پر سزا کی وعید سنائی ہے۔ بری سفارش کی آسان الفاظ میں یوں پہچان کی جاسکتی ہے کہ جو کوشش دینی تقاضوں کے خلاف ہو / ناجائز بات کی ہو یا بے جا طریقے سے ہو وہ "بری سفارش" ہے۔

- ربّ تعالیٰ کے حضور شرعی وجہ کے بغیر / بے جا طور پر کسی کے بارے میں بد دُعا کرنا... جیسا کہ بعض لوگوں کی زبان پر لعنت اور دیگر برے الفاظ چڑھے ہوتے ہیں اور وہ سنجیدگی یا ہنسی میں بے دھڑک ایسے الفاظ بول دیتے ہیں۔
- عادی مجرم کو بچانے کی کوشش کرنا، خصوصاً شرعی حُدود میں رکاوٹ بننا۔ (اگر کوئی شخص اچھے کردار کا حامل ہو اور غلطی ہو جانے پر شرمندہ ہو اُس کی پردہ پوشی کرنے کا حکم ہے، مگر جو عادی مجرم ہو اُس کو سزا سے بچانا بھی جُرم ہے)
- کوئی شخص دوسروں کا حق چھیننا چاہتا ہو تو اُس کے ساتھ ظلم میں تعاوُن کرنا۔
- اپنے تعلقات / مفادات کی خاطر ایسے شخص کو عہدہ دلوانے کے لیے تگ ودَو کرنا جو اُس کا اہل ہی نہیں یا وہ اہل تو ہے مگر اُس سے زیادہ اہلیت و قابلیت والا بھی موجود ہے۔ (دین کا فہم رکھنے والے کسی کی سفارش کریں تو یوں کہتے ہیں: فلاں بندہ میرا عزیز ہے، اگر یہ اِس عہدے کے لیے بہترین ہے تو اِس کا تقرر کر دیں۔ یوں سفارش بھی ہو جاتی ہے اور بری سفارش کا وبال بھی نہیں آتا)
- سوشل میڈیا یا دیگر ذرائع سے گناہ کو پھیلانے میں کردار ادا کرنا۔

بددُعا کی ممانعت: ربِّ ذوالجلال نے فرمایا: وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا ۔ یعنی "انسان جس طرح بھلائی جلد حاصل ہونے کی دُعا کرتا ہے ایسے ہی برائی مانگتا ہے اور انسان بہت جلد باز ہے۔" [بنی اسرائیل 11:17]

برائی میں تعاوُن کا وبال: قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص سفارش یا کسی اور طرح سے برائی کا ذریعہ بنے تو وہ بھی برائی کرنے والے کی طرح مجرم ہوتا ہے اور گناہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ سورۂ نساء کی آیت: 85 میں بری سفارش کا یہی انجام بیان ہوا ہے۔ نیز سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- ❖ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ ۔ یعنی "جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا اُسے اپنے کارِ خیر کا بھی اجر عطا ہو گا اور (قیامت تک) اُس پر عمل کرنے والوں کے برابر بھی ثواب دیا جائے گا، جب کہ عمل کرنے والوں کے انعام سے کوئی کمی نہیں ہو گی۔"
- ❖ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ ۔ یعنی "اور جس نے اسلام میں برے کام کی ابتدا کی اُسے اپنے عملِ بد کا بھی گناہ ہو گا اور (قیامت تک) اُس پر چلنے والوں کے برابر بھی گناہ ملے گا، جب کہ عمل کرنے والوں کا گناہ کم نہیں ہو گا۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1017)

اہلیت کے برعکس عہدہ دینے پر وعید: رسول اللہ ﷺ نے ایسے افراد کے لیے سخت وعید ارشاد فرمائی جو اہلیت کا معیار پیشِ نظر رکھے بغیر محض اپنے مفادات و تعلقات کی خاطر کسی شخص کو منصب سپرد کرتے ہیں یا اِس کی سفارش کرتے ہیں۔

رازدارِ رسول ﷺ سیدنا حُذیفہ بن یَمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا: أَيُّمَا رَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى عَشَرَةِ أَنْفُسٍ[1] عَلِمَ أَنَّ فِي الْعَشَرَةِ أَفْضَلَ[2] مِمَّنِ اسْتَعْمَلَ فَقَدْ غَشَّ اللهَ وَغَشَّ رَسُوْلَهٗ وَغَشَّ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ یعنی "جس نے کچھ افراد پر ایک شخص کو ذمہ دار بنایا، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اُن میں (اِس ذمہ داری کے لیے) اُس سے بہتر شخص موجود ہے تو بلاشبہ اُس نے (اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرکے) اللہ تعالیٰ سے بھی خیانت کی، اللہ کے رسول ﷺ سے بھی بد دیانتی کی اور مسلمانوں سے بھی بد عنوانی کا مرتکب ہوا۔ (الجامع الصغیر، رقم الحدیث: 5040، إسنادہٗ ضعیف لکن لہٗ شواھد[3])

ناحق خونِ مسلم میں تعاوُن کا انجام: قرآن و سنت میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ظلم کرتا ہے تو اُسے ظلم سے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے... مگر عصرِ حاضر میں مفاد پرستی کا یہ عالَم ہے کہ لوگ اپنے مفادات کی خاطر ظالموں اور قاتلوں کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُنھیں شرم تک نہیں آتی۔

ظالم و قاتل سے تعاوُن کی بدترین مثال یہ ہے کہ جو ممالک مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں اُن کے ساتھ دوسری اسلامی ریاستیں معاشی شراکت داری رکھے ہوئے ہیں... فقط اسرائیلی درندوں کو ہی لیجیے! اقوامِ متحدہ کے مطابق ایک طرف 43,000 افراد شہید ہو چکے ہیں تو دوسری طرف لاکھوں افراد بھوک اور وبائی بیماریوں کے سبب موت کے قریب ہیں... اِس کے باوجود کئی اسلامی ممالک کے اب بھی اسرائیل کے ساتھ معاشی تعلقات ہیں اور عمومی طور پر سبھی مسلم حکمران صرف مذمت کو کافی سمجھے ہوئے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَعَانَ عَلٰى قَتْلِ مُؤْمِنٍ وَّلَوْ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ لَّقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ: آئِسٌ مِّنْ رَّحْمَةِ اللهِ۔» یعنی "جس نے مسلمان کے ناحق قتل میں معمولی تعاون کیا، اگرچہ صرف آدھا لفظ ہی بولا، جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا: «یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے»۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 2620)

---

[1] أَيْ جَعَلَهٗ أَمِيْرًا عَلٰى طَائِفَةٍ، وَلَوْ قَلِيْلَةً جِدًّا، كَعَشَرَةٍ۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت الحدیث)

[2] وَالْمُرَادُ بِالْأَفْضَلِيَّةِ: حُسْنُ الْقِيَامِ بِأَمْرِهِمْ وَالْعَدْلُ فِيْهِمْ وَالذَّبُّ عَنْهُمْ وَحِيَاطَتُهُمْ مِمَّا يَحُوْطُ بِهٖ نَفْسَهٗ۔ (التنویر، تحت الحدیث)

[3] فقد خرّج الحاکم بالتصحیح عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: «مَنِ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِّنْ عِصَابَةٍ وَّفِيْ تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضٰى لِلّٰهِ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللهَ وَخَانَ رَسُوْلَهٗ وَخَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔» (المستدرک، ج:4، ص:104، رقم الحدیث: 7023)
وروی الطبرانی عنہ مرفوعًا: وَمَنْ تَوَلّٰى مِنْ أُمَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا، فَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا وَّهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ فِيْهِمْ مَّنْ هُوَ أَوْلٰى بِذٰلِكَ وَأَعْلَمُ مِنْهُ بِكِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ فَقَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَجَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (المعجم الکبیر: 114/11، الحدیث: 11216)

شفاعتِ حسنہ کے چند آداب

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اچھی سفارش باری تعالیٰ کو پسند ہے اور وہ اِس پر سفارش کنندہ کو انعام سے نوازتا ہے۔ اِس حوالے سے چند آداب کو پیشِ نظر رکھنا بھی بے حد ضروری ہے۔

رضائے اِلٰہی کا قصد: مسلمان کا ہر اچھا عمل صرف اِس مقصد کے لیے ہونا چاہیے کہ ربّ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ سفارش میں بھی خوشنودیٔ مولیٰ تعالیٰ ہی پیشِ نظر ہونا ضروری ہے، کسی دُنیاوی مفاد یا شکریہ کا لالچ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ بزرگوں نے تو یہ سکھایا ہے کہ کسی کے ساتھ نیکی کر کے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ مَیں نے اُس پر احسان کیا ہے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ربّ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ اُس نے اِس نیکی کے لیے مجھے ذریعہ بنایا ہے... وہ چاہتا تو مجھے بیچ میں ڈالے بغیر ہی اُسے نواز دیتا۔

معاوضہ کی ممانعت: سیدنا ابو اُمامہ صُدَیّ بن عَجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امام الانبیا ﷺ نے فرمایا: «مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ بِشَفَاعَةٍ، فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيمًا مِّنْ أَبْوَابِ الرِّبَا۔» ”جس نے کسی شخص کی سفارش کی، پھر سفارش کروانے والے نے سفارش کے عوض اُسے کوئی تحفہ دیا اور اُس نے قبول کر لیا تو وہ سُود کے ایک بڑے دروازے پر آیا (رشوت قبول کر کے اُس نے سود لینے جیسا عظیم گناہ کیا)۔“ (سنن ابو داؤد، حدیث: 3541، ترجمہ ماخوذ از مرآۃ المناجیح)

طمعِ تشکّر سے دُوری: ایک شخص نے حضرت حسن بن سہل رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی ضرورت کے سلسلے میں سفارش کی درخواست کی، آپ نے اُس کا کام کروا دیا۔ وہ شکریہ ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے تربیت بھرا حسین جملہ ارشاد فرمایا: عَلٰى مَا تَشْكُرُنَا؟ وَنَحْنُ نَرٰى أَنَّ لِلْجَاهِ زَكَاةً كَمَا أَنَّ لِلْمَالِ زَكَاةً۔ یعنی شکریہ کس بات کا! ہمارا تصوّر تو یہ ہے کہ جس طرح مال کی زکوٰۃ دینا ہوتی ہے اور یہ کسی پر احسان نہیں ہوتا، ایسے ہی ربّ تعالیٰ کے عطا کردہ اثر و رُسوخ اور عزت و وَجاہت کی بھی سفارش وغیرہ کے ذریعے زکوٰۃ دینی ہوتی ہے اور یہ بھی کسی پر احسان نہیں ہوتا۔ (تاریخ بغداد، ج:7، ص:333، دار الکتب العلمیۃ۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:38، ص:143، دار الفکر)

رشوت سے اجتناب: بہت مرتبہ کام کروانے کے لیے سفارش کے ساتھ رشوت بھی دی جاتی ہے۔ اِس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ رِشوت دینا حرام ہے اور اِس حوالے سے سیدِ عالم ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے۔[1]

سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ۔ ”رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے پر بھی لعنت فرمائی اور رشوت لینے والے پر بھی۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 1337)

---

[1] یاد رہے کہ اگر کوئی شخص ظلم سے بچنے کے لیے رشوت دے یا ایسی صورت ہے کہ رشوت دیے بغیر اپنا شرعی و قانونی حق وصول کرنا ممکن ہی نہیں تو اب دینے والا گناہ گار نہیں ہوگا، اگرچہ لینے والا اب بھی سخت گناہ گار ہے۔

حرفِ آخر: سِفارش... ذریعۂ جُود و نَوال یا سببِ وَیل و وَبال

ربّ تعالیٰ نے جن لوگوں کو دُنیاوی نعمتوں سے نوازا ہے اُنھیں سمجھنا چاہیے کہ ہمیں یہ انعامات دوسروں کی خدمت کے لیے عطا ہوئے ہیں، اگر ہم دوسروں کے کام نہ آئے تو ممکن ہے کہ یہ نعمتیں ہم سے واپس لے لی جائیں۔

دوسرے مسلمانوں کی خیر خواہی کا ایک اہم ذریعہ سفارش بھی ہے۔ اچھی سفارش کو بوجھ یا احسان سمجھنے کے بجائے یہ تصوّر کرنا چاہیے کہ ایک دن ہمیں بھی سفارش کی شدید ضرورت ہوگی اور ممکن ہے کہ یہ معمولی سفارش اُس شفاعتِ عظمیٰ کا ذریعہ بن جائے۔

روزِ قیامت میں سرورِ عالَم ﷺ کی شانِ شفاعت کا تصوّر کر کے ایمان تازہ ہو جاتا ہے... جب لوگ مختلف دروازوں پر شفاعت کی درخواستیں پیش کر کر کے تھک چکے ہوں گے اور کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوگا، تب صِرف سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا کے چاند ﷺ ہی شفاعت کی خیرات عطا کریں گے۔ جب سب دُھتکار دیں گے تو فقط وہی فرما رہے ہوں گے:

ستم کارو! خطا کارو! سیہ کارو! جَفا کارو
ہمارے دامنِ رحمت میں آ جاؤ! کہاں تم ہو

شریعتِ مطہرہ نے سفارش کے حوالے سے ہماری کامل راہ نمائی فرمائی ہے۔ یہ شرعی تقاضوں کو پورا نہ کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ پاکستان میں سفارش کے کلچر نے نظام کو تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا ہے اور نااہل لوگوں کی وجہ سے صورتِ حال ناگفتہ بہ ہے۔

آج کے خطبہ میں قرآن و سنت سے راہ نمائی لیتے ہوئے سفارش سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- ربّ تعالیٰ کے حضور دوسرے مسلمانوں کے لیے دُعائے خیر کرنی چاہیے۔ یہ بھی سفارش کی ایک صورت ہے اور اِس پر خود سفارش کرنے والے کو بھی عظیم انعام سے نوازا جاتا ہے۔
- شرعی تقاضوں کے مطابق کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنا / کارِ خیر کے لیے کوشش کرنا "شفاعتِ حَسَنَہ" ہے۔ یہ قابلِ تعریف اور ذریعۂ اجر و ثواب ہے۔ اِس کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً:
  - کسی مسلمان کو جائز طریقے سے فائدہ پہنچانا یا نقصان سے بچانا۔
  - نیکی کے کام میں حائل رکاوٹ دُور کرنا اور خیر کا راستہ کھولنا۔
- شرعی تقاضوں کے برعکس کسی کام کے لیے تگ و دَو کرنا "بری سفارش" ہے۔ قرآنِ حکیم نے اِس کی مذمت فرمائی ہے اور یہ خود گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے متعدّد گناہوں کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ اِس کی بھی کئی صورتیں ہیں:
  - ایسی سفارش کرنا جس کی وجہ سے اپنے تعلق دار کا کام تو ہو جائے، مگر دوسرے مسلمان کی حق تلفی ہو۔

- عادی مجرم کو بچانے کی کوشش کرنا، خصوصًا شرعی حُدود کے نفاذ میں رکاوٹ بننا۔
- ایسے شخص کو عہدہ دلوانا جو اُس کا اہل نہیں یا اُس عہدے کے لیے اُس سے زیادہ قابل شخص موجود ہے۔
- ظلم پر تعاون کرنا یا کسی گناہ کو پھیلانے کا ذریعہ بننا۔

❖ سفارش کرنے والے کو چاہیے کہ جائز کام کی سفارش صرف اور صرف اِس لیے کرے کہ اللہ تعالیٰ کی رِضا حاصل ہو۔ شکریہ یا معاوضہ کا لالچ ہرگز نہ رکھے، ورنہ شفاعتِ حسنہ بری سفارش میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

❖ رشوت لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی (سوائے اِس کے کہ رشوت دیے بغیر اپنا جائز قانونی حق لینے کی کوئی صورت نہ ہو یا ظلم کا خدشہ ہو، ایسی صورت میں دینے والا گناہ گار نہیں)، سفارش کو رشوت کے ساتھ ملوّث کر کے ثواب کو گناہ میں تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔

❖ اگر سفارش قبول کرنے میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اُسے قبول کر لینا چاہیے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مالکِ کریم اپنے بندوں کا کہا مان لیتا ہے، مگر بندے اپنے مسلمان بھائی کی سفارش قبول نہیں کرتے!

شرعی مسئلہ: کسی چیز کو قسطوں پر خریدنا اور بیچنا جائز ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ:

- جس نشست میں سودا طے ہوا اُس کے تبدیل ہونے سے پہلے ثمن (Price) کی مقدار کو معیّن کر دیا جائے۔
- ثمن کی ادائیگی کے لیے مدّت کو بھی مقرر کر دیا جائے۔
- اگر خریدار مقررہ مدّت میں ثمن ادا نہ کر سکے تو اُس پر جرمانہ عائد نہ کیا جائے۔
- اِس کے علاوہ بھی شرعی تقاضوں کے مخالف کوئی شرط نہ رکھی گئی ہو۔ (ملاحظہ کیجیے مجلہ النظامیہ، اکتوبر 2021ء، ص:44 تا 48)
- خریدار وقتِ مقرر پر ثمن ادا کرے یا اُس سے پہلے، بہر حال طے شدہ ثمن ہی ادا کرنا ہوگا، البتہ اگر مدّت مقررہ سے پہلے ثمن ادا کرنے کی صورت میں فریقین کی رضامندی سے ثمن کم کر دیا جائے تو حرج نہیں۔ (دیکھیے تفہیم المسائل، ج:8، ص:310)

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے طفیل ہم سب کی بخشش و مغفرت فرمائے اور اچھی سفارش سمیت ہر ممکنہ ذریعہ سے دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچانے کی توفیق سے نوازے۔

خالقِ کائنات تمام اُمّتِ مسلمہ سے مصائب و آلام دُور فرمائے، مظلوموں کی غیبی تائید و نصرت فرمائے، خصوصًا اہلِ غزہ کو اِعانت سے نوازے، اسرائیلی درندوں کو اتحادیوں سمیت تباہ و برباد فرمائے اور اُمّت کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزّہ کے مظلوموں کے ساتھ عملی طور پر تعاون کرنے کی توفیق عطا کرے!

ربِّ کریم پاکستان کو تمام بحرانوں سے نجات دے اور حکمرانوں کو ملک و قوم کا خیر خواہ بنائے!

آمین بجاہ النبیِّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

۱۲ جُمادَی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ/ 15 نومبر 2024ء

ماحولیاتی آلودَگی...

اسباب اور سدِّباب، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

(عرسِ امیر المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر... خطرناک سموگ کے تناظر میں)

مشمولات

- ماحولیاتی آلودگی کے اسباب
- سدِّباب... اسلامی تہذیب کی ترجیح
- سدِّباب... دُھوئیں وغیرہ کی روک تھام
- سدِّباب... محبتِ رسولِ کریم ﷺ کا فروغ
- سدِّباب... پانی کا تحفّظ
- امیر المجاہدین علیہ الرحمہ کا بکثرت بُزدلی سے پناہ کی دُعائے مأثور مانگنا
- سدِّباب... شجر کاری
- نماز میں چہرہ چھپانے کی ممانعت
- سدِّباب... نَفاست وصفائی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰہَا وَاَلۡقَیۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ۔ [الحجر 19:15]

انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر "ماحول" کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ آس پاس کی صورتِ حال عمدہ ہو تو انسان کی صحت بھی اچھی ہوتی ہے، کردار بھی نکھرتا ہے اور زندگی پُرسکون ہوتی ہے... جب کہ ماحول اور گرد و پیش آلودہ ہوں تو صحت بھی متأثر ہوتی ہے، سیرت و کردار بھی داغ دار ہو جاتے ہیں اور زندگی اجیرن محسوس ہونے لگتی ہے۔

عصرِ حاضر میں انسانوں کو عالمی سطح پر جو مسائل درپیش ہیں اُن میں سے ایک اہم مسئلہ "ماحولیاتی آلودگی" ہے۔ دُنیا کا ماحول اتنا آلودہ/گندا ہو چکا ہے کہ کسی ایک خطے سے تعلق رکھنے والے افراد ہی نہیں، پوری دُنیا کے انسان، بلکہ دیگر حیوانات بھی متأثر ہو رہے ہیں اور یہ زندگی کے لیے بڑا خطرہ بن رہی ہے۔ ہر روز اِس مسئلے پر کانفرنسز اور سیمینارز منعقد ہو رہے ہیں، اس کے اسباب اور نمٹنے کی تدابیر پر غور کیا جاتا ہے، لیکن تمام تر کاوِشوں کے بعد بھی مسئلہ جُوں کا تُوں ہے، بلکہ "مرض بڑھتا گیا... جوں جوں دوا کی" والی صورتِ حال ہے۔

ماحولیاتی آلودگی کے نتیجے میں اِس وقت پاکستان، خصوصاً لاہور کی فضا بہت مکدَّر ہے اور سموگ کا روگ ہے۔ حکومت کی طرف سے چھٹیوں سمیت مختلف فیصلے کیے جا رہے ہیں، تاہم یہ سب وقتی اُمور ہیں اور اِس حوالے سے دیرپا منصوبہ بندی کی شدید ضرورت ہے۔

جب ماحولیاتی آلودگی کا تذکرہ ہوتا ہے تو عمومی طور پر زمینی آلودگی، فَضائی آلودگی، آبی آلودگی، صَوتی آلودگی اور شُعاعی آلودگی وغیرہ پر بحث کی جاتی ہے... حالانکہ "ماحول" کے مفہوم میں "اِرد گرد" اور "آس پاس" کے تمام اُمور شامل ہیں۔ جیسے آب و ہوا اور شُعاع و فَضا انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں ایسے ہی تعلیم و اخلاق، سیاست و معیشت اور رُوحانیّت کا بھی حیاتِ انسانی کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح ذکر کردہ مختلف آلائشیں عصرِ حاضر کی ماحولیاتی آلودگی کی اقسام ہیں... ایسے ہی اَخلاقی آلودگی، روحانی آلودگی، تعلیمی آلودگی، اقتصادی آلودگی اور سیاسی آلودگی بھی ماحولیاتی آلودگی کا حصہ ہیں۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ "ماحولیاتی آلودگی" کا سب سے بڑا سبب اسلامی تعلیمات سے دُوری ہے اور اِس کا خاتمہ اسلام کے سنہری اُصولوں پر عمل سے ہی ممکن ہے... بلکہ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ ترقّی یافتہ دَور میں عالَمی سطح پر ہونے والی کانفرنسز اور سیمینارز میں ماحولیاتی تحفظ کے ماہرین فقط ظاہری آلودگی کے سدِّباب کے لیے تجاویز پیش کرتے ہیں، مگر قرآن و سنت نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایسے شان دار اُصول عطا فرمائے جن پر عمل کے ذریعے ماحول کی ظاہری آلودگی سے بھی نجات مل سکتی ہے اور ماحول کی باطنی و رُوحانی آلائشیں بھی دُور ہو سکتی ہیں۔

چنانچہ آج کا خطبہ "ماحولیاتی آلودگی... اسباب اور سدِّباب، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں" کے عنوان سے ہو گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ماحولیاتی آلودگی کے اسباب

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زمین و آسمان، فضا و خلا، پانی و ہوا اور حیوانات وغیرہ... ہر چیز کو ایک توازُن و تناسب کے ساتھ پیدا فرمایا ہے؛ جس کی وجہ سے یہاں انسانوں اور دیگر حیوانات کی زندگی بہترین طریقے سے ممکن ہے۔ اگر یہ توازُن و ہمواری نہ ہوتی تو جان دار اِس حسین انداز سے زمین پر زندگی نہ گزار پاتے۔ اِسی طرح خالقِ کریم جلّ مجدہٗ نے ہر انسان کو فطرتِ اسلام پر پیدا فرمایا ہے، اگر بچے کو کوئی بھی ماحول نہ دیا جائے تو وہ خود بخود اُنہی عقائد و اخلاق پر پروان چڑھے جن کی اسلام نے تربیت دی ہے۔

اشیا میں توازُن: ارشادِ ربّانی ہے: وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ۔ ”اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا (وسیع کیا) اور ہم نے اِس میں مضبوط پہاڑ نصب کیے اور اِس میں ہر موزوں چیز اُگائی۔“ [الحجر 19:15]

”ہر موزوں چیز اُگائی“ کی تفسیر میں مفسرینِ کرام نے لکھا:

- اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لوگوں کی ضرورت کے مطابق پیدا فرمایا؛ اُسے معلوم تھا کہ لوگوں کو کس چیز کی، کتنی مقدار میں ضرورت ہوگی، جس سے وہ نفع حاصل کر سکیں گے۔ چنانچہ اُس نے حسبِ ضرورت ہر چیز کو پیدا فرمایا۔
- ہر چیز کو حکمت کے عین مطابق و مناسب پیدا کیا، عقلِ سلیم رکھنے والا اُسے مصلحت کے مطابق پاتا ہے۔ (تبیان القرآن و صراط الجنان)

فطرتِ اسلام پر پیدائش: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالَم ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ۔ یعنی ”ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے والدین (غلط تربیت کے ذریعے) اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 1385)

آلودگی کے اسباب: اگر آب و ہوا، جنگلی حیات اور اخلاق و عادات قدرت کے پیدا کردہ نظام کے مطابق رہیں تو نفاست و نظافت بہترین طریقے سے قائم رہتی ہے، لیکن اگر انسان وقتی مفادات کی خاطر یا کم عقلی کی وجہ سے قدرت کے بنائے ہوئے نظام کو بگاڑنے اور فطرتِ اسلام کو بدلنے کی کوشش کرے تو آلودگی و غلاظت پیدا ہونے لگتی ہے۔

ماحولیاتی آلودگی اِسی وجہ سے ہے کہ ہم قدرتی نظام کو بگاڑ رہے ہیں... جسم و لباس کی طہارت سے لے کر ماحول کی صفائی تک، کسی چیز کی پرواہ نہیں، بلکہ گھروں / دُکانوں کا کچرا گزرگاہوں میں پھینکا جا رہا ہے... درخت کاٹے اور پہاڑ توڑے جا رہے ہیں... غلیظ پانی پاک و صاف ندیوں اور دریاؤں میں ڈالا جا رہا ہے... پانی کے ذخائر کو محفوظ کرنے کے بجائے اُسے بے دریغ ضائع کیا جا رہا ہے... کارخانوں اور گاڑیوں کا زہریلا دُھواں فضا کو مسموم کر رہا ہے... جنگلی حیات تیزی سے کم ہو رہی ہے.... اور خلائی ٹیکنالوجی فضا کو بُری طرح مُکدّر کر رہی ہے... دوسری جانب اسلام کی فطری تہذیب کو چھوڑ کر یورپین کلچر کو فروغ دینے سے اخلاق و کردار کی آلودگی بھی عروج پر ہے۔

سدِّباب... دُھوئیں وغیرہ کی روک تھام

یہ بات خوش آئند ہے کہ انسان نے جدید ٹیکنالوجی ایجاد کرلی... بے پناہ صنعتی ترقّی کی... تیز رفتار گاڑیاں، ہوا میں اُڑنے والے جہاز اور پانی پر راج کرنے والی کشتیاں انسان کے لیے حیران کُن آسانیوں کا ذریعہ بنیں... مگر یہ پہلو بہت افسوس ناک ہے کہ ترقّی کے اِس سفر میں احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرنے کی وجہ سے ماحول اتنا آلودہ ہوگیا ہے کہ اب انسان سر پکڑ کر اِس مسئلے کا حل ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ صنعتوں، گاڑیوں، موٹر سائیکلوں اور جہازوں وغیرہ سے نکلنے والے دھوئیں نے پوری فضا کو زہریلا کر دیا ہے۔ ایسے میں یہ سُن کر ایمان تازہ ہو جائے گا کہ صدیوں پہلے اسلام نے ایسا اُصول عطا فرمایا تھا کہ اگر اُس پر عمل کیا جاتا تو نَوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ وہ اُصول یہ ہے کہ ”مسلمانوں کو بلاوجہِ شرعی تکلیف پہنچانا سخت حرام ہے“[1] اور ”ایسے کسی بھی ناحق عمل کی اِجازت نہیں جس سے دوسروں کو نقصان یا پریشانی ہو“، حتّٰی کہ بلاوجہ جانوروں کو تکلیف دینا یا اُنھیں پریشان کرنا بھی جائز نہیں۔

ارشادِ ربّانی: مسلمانوں کو بلاوجہ تکلیف دینے پر وعید سناتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔ یعنی ”جو لوگ مسلمان مَردوں اور عورتوں کو اُن کی کسی خطا کے بغیر ستاتے / تکلیف دیتے ہیں اُنھوں نے بہتان اور کُھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر لیا۔“ [الاحزاب 58:33]

فرمانِ مصطفوی: سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تاج دارِ ختمِ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ ”(کامل) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“ (صحیح بخاری:10)

تربیت: اگر ہم یہ اُصول اپنی زندگی کا حصہ بنالیں کہ ”کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے“؛ کیونکہ بلاوجہ مسلمان کو اذیت دینا حرام ہے... تو نہ صرف ماحولیاتی آلودگی کم ہوگی، بلکہ بے شمار معاشرتی خرابیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ مثلاً:

- اگر ہماری سواری دھواں چھوڑتی ہے تو اُس کی مرمّت کروائیں؛ کیونکہ یہ مسلمانوں کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہے۔
- گھر یا دُکان میں سردی کی شدّت کم کرنے کے لیے ایسا ایندھن استعمال نہ کریں جس سے آلودگی پھیلتی ہے؛ تاکہ ایذائے مسلم نہ ہو۔
- کوڑے یا فصلوں کی باقیات کو آگ نہ لگائیں؛ کیونکہ یہ بھی آلودگی کا ایک بڑا سبب ہے۔
- ہمارا تعلق صنعت کے میدان سے ہے تو احادیث پر عمل کی نیت سے ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کریں جن کے سبب مشینوں کا دھواں اور صنعتی فُضلہ کم سے کم ہو، یوں ثواب بھی ملے گا اور آلودگی بھی کم ہوگی۔
- شور شرابا کرنے سے اجتناب کریں؛ کہ اِس سے صوتی آلودگی پھیلتی ہے اور دوسروں کی تکلیف کا ذریعہ ہے۔

---

[1] دیکھیے فتاوٰی رضویہ، ج:24، ص:425، 426

سدِّباب... پانی کا تحفّظ

پانی کو زندگی میں بے حد اہمیت حاصل ہے، یہ ایسی عظیم نعمت ہے جو فقط دُنیا میں ہی نہیں ملی، بلکہ جنت میں بھی عطا کی جائے گی۔ اِس عطیۂ اِلٰہی کے بغیر زمین پر نہ تو انسانی حیات باقی رہ سکتی ہے اور نہ ہی جنگلی حیات (حیوانات و نباتات) کا تصور ممکن ہے۔

پانی کے ضیاع اور اُسے گندگی سے نہ بچانے کے سبب نہ صرف نظامِ ارضی کا قدرتی توازُن و تناسب بگڑ رہا ہے، بلکہ پاکستان سمیت کئی ممالک میں زیرِ زمین پانی کے ذخائر بھی خطرناک حد تک کم ہو رہے ہیں۔ ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے کہ پانی کو بلاوجہ ناپاک یا آلودہ نہ کریں... نیز اُسے محتاط طریقے سے استعمال کریں، حتّٰی کہ وضو وغیرہ دینی کاموں میں بھی بے جا پانی استعمال کرنے کی اِجازت نہیں۔

ضیاع کی ممانعت: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے آباؒ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وضو کی کیفیت سے متعلق پوچھا۔ نبیِ رحمت ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو کر کے دکھایا، پھر فرمایا: هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ۔ أَوْ «ظَلَمَ وَأَسَاءَ۔ "(کامل) وضو اِس طرح ہے (جیسے ابھی مَیں نے کیا)، جس نے اِس میں کمی بیشی کی (سنت کو پورا نہ کیا یا تین سے زیادہ مرتبہ اعضا کو دھو کر پانی ضائع کیا) اُس نے بُرا کیا اور (اپنے اُوپر) ظلم کیا۔" (سنن ابی داؤد: 135)

آلودہ کرنے سے روک: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: نَهٰى أَنْ يُّبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ۔ "رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔" (صحیح مسلم، حدیث: 281) کیونکہ ایسا کرنے سے نجاست کے اثرات پانی میں پہنچ کر اُسے آلودہ کر دیں گے۔

تربیت: اِس وقت پاکستان میں پانی کے قدرتی ذخائر تیزی سے کم ہو رہے ہیں، نیز آبی آلودگی میں بھی خطرناک اِضافہ ہو رہا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ پانی کو محتاط طریقے سے استعمال کریں اور ایک قطرہ بھی ضائع نہ کریں، نیز دریاؤں اور ندیوں کو گندگی سے بچائیں۔

سدِّباب... شجر کاری

درخت بھی اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہیں، یہ آکسیجن فراہم کرتے ہیں، نقصان دہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرتے ہیں، موسمی اثرات کو کم کرتے ہیں اور کئی حوالوں سے انسانی صحت کے لیے مفید ہیں۔ دینِ متین نے شجر کاری کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور بلاوجہ درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ارشادِ نبوی مروی ہے: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيْمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ۔ یعنی "جو مسلمان باغ لگائے یا کھیت بوئے، پھر اُس سے پرندے یا انسان یا جانور کچھ کھائیں تو اِس کے سبب اُسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے صدقہ کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 2320۔ صحیح مسلم، حدیث: 1553)

سدِّباب... نَفاست وصفائی

شریعتِ مطہرہ نے جہاں مسلمان کو اپنا جسم، لباس اور مقام پاک صاف رکھنے کا حکم دیا ہے وہاں اپنے ماحول... یعنی گلی محلے، سڑکوں اور شہروں میں صفائی کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ سرورِ عالم ﷺ نے اپنے ارشاداتِ گرامی میں نَجاست وآلودگی کو دُور کرنے پر بشارتیں عطا فرمائی ہیں اور گندگی وغلاظت پھیلانے پر وعیدیں سنائی ہیں۔ اِس اُصول پر عمل کیا جائے تو بہت حد تک آلودگی کم ہو جائے۔

تکلیف دہ چیز کو ہٹانے پر بشارت: حضرت معاویہ بن قُرّہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مَیں صحابیِ رسول ﷺ سیدنا مَعقِل مُزَنی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا، راستے میں پڑی کسی تکلیف دہ چیز پر اُن کی نظر پڑی تو اُنھوں نے اُسے وہاں سے ہٹا دیا۔ کچھ لمحوں بعد میری نگاہ میں ایک تکلیف دہ چیز آئی تو جلدی سے مَیں نے اُس کا اِزالہ کر دیا۔ وہ فرمانے لگے: بھتیجے! ایسا کیوں کیا ہے؟ مَیں نے کہا: آپ کو تکلیف دہ چیز راستے سے ہٹاتے دیکھا تو مَیں نے بھی ویسا ہی کیا۔ فرمانے لگے: بھتیجے! تم نے بہت اچھا کیا؛ مَیں نے نبیِ اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مَنْ أَمَاطَ أَذًى عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ، وَمَنْ تُقُبِّلَتْ لَهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ ”جس نے مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹایا اُس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور جس کی ایک نیکی قبول ہو گئی اُسے (بلا عذاب) جنّت میں داخلہ نصیب ہو گا۔ (الأدب المفرد للبخاری، حدیث: 593۔ المعجم الکبیر، حدیث: 502۔ الأدب لابن ابی شیبہ، حدیث: 111۔ سندہٗ حسن)

”تکلیف دہ چیز“ ایسا جامع لفظ ہے جس میں کوڑا کرکٹ سے لے کر کیلے وغیرہ کے چھلکے تک سب چیزیں شامل ہیں۔ اِن میں سے کوئی بھی چیز ہٹائی تو رحمتِ الٰہی سے قوی اُمّید ہے کہ ایک مقبول نیکی لکھی جائے گی اور جنت میں داخلہ عطا ہو گا۔

گندگی پھیلانے پر وعید: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: اِتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ! یعنی ”لَعن طَعن کا سبب بننے والی دو چیزوں سے بچو!“ عرض کی گئی: وہ کون سی چیزیں ہیں؟ فرمایا: اَلَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ۔ یعنی ”لوگوں کے راستے میں یا اُن کی سایہ دار جگہ پر بول وبَراز کرنا (نجاست گرانا)۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 269)

تربیت: رحمتِ عالم ﷺ کے اِن حسین ارشادات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم اپنی صورتِ حال پر غور کریں تو شرم سے سر جھک جاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ:

- گھر / دُکان کا کچرا، خالی بوتلیں، اضافی شاپرز، کھانے پینے کی بچی ہوئی اشیا وغیرہ راستے یا کھلی جگہ پر پھینکنے کے بجائے کوڑے کے لیے مختص جگہ پر ڈالیں۔
- نیز اگر اِس طرح کی تکلیف دہ چیز کسی دوسرے نے راستے میں پھینک دی ہو تو اُسے وہاں سے ہٹا دیں۔

یوں احادیثِ کریمہ پر عمل کا اجر وثواب بھی ملے گا اور ماحولیاتی آلودگی بھی کم ہو گی۔

سدِّباب... اسلامی تہذیب کی ترجیح

ماحولیاتی آلودگی کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں، خصوصًا نوجوانوں کا کردار اور اخلاق خطرناک حد تک بگڑ رہے ہیں، باطنی کیفیت بدتر اور رُوحانیت تباہ ہوتی جارہی ہے۔ اِس سے زیادہ بُری خبر کیا ہوگی کہ پی۔ٹی۔اے۔ کے ترجمان نے اپنے ایک تازہ ترین بیان میں انکشاف کیا ہے کہ روزانہ دو کروڑ پاکستانی انٹرنیٹ کے ذریعے فحش مواد تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں، ساڑھے آٹھ لاکھ فحش ویب سائٹس کو بلاک کیا گیا ہے، مگر پاکستانی اُنھیں دیکھنے کے لیے غیر قانونی طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔

اِس پریشان کُن صورتِ حال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ "پاک وطن" میں اسلام کی "پاکیزہ تہذیب" کو فروغ دینے کے بجائے یورپ کے "آلودہ وناپاک کلچر" کو پروان چڑھایا جارہا ہے۔ جب تمدّن آلودہ وغلیظ ہوگا تو اُس کے نتیجے میں ستھرے کردار کی توقع کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کوڑے کے ڈھیر پر خوشبودار پھول کھلنے کی اُمید رکھے۔ ماحولیاتی آلودگی کے اِس پہلو کا سدِّباب اِسی طرح ممکن ہے کہ ریاست نوجوانوں میں اسلامی تہذیب اور جذبۂ حیا کو فروغ دینے کے لیے ٹھوس اقدامات کرے۔

جب کوئی شخص نصیحت کرے تو بعض اوقات وقتی طور پر اُس کی فہمائش کڑوی لگتی ہے، مگر پانی سر سے گزرنے پر احساس ہوتا ہے کہ ناصح نے درست کہا تھا۔ ماضی قریب میں مغربی تہذیب کے خلاف ایک طاقت وَر آواز شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ وقتی طور پر کچھ لوگوں کو اُن کی باتیں تلخ لگتی تھیں، مگر بے حیائی کے بڑھتے ہوئے طوفان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ درست کہتے تھے۔ وہ اپنی تقریروں میں اقبال علیہ الرحمہ کے یہ اشعار کثرت سے سناتے اور جوانوں کو مغربی تہذیب سے نفرت دلاتے:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکُشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا [1]

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دُکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عِیار ہوگا [2]

نکل کے صحرا سے جس نے رُوما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قُدسیوں سے مَیں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا [3]

---

[1] یعنی تمہاری تہذیب جلد ہی اپنی موت مر جائے گی؛ کیونکہ اِس کی بنیاد مضبوط نہیں۔ نازک شاخ پر بننے والا گھونسلا کبھی پائدار نہیں ہوتا۔

[2] یعنی مغرب والو! ربّ تعالیٰ کی پیدا کردہ یہ دنیا دُکان نہیں، جہاں تم اپنا گھٹیا سودا بیچتے رہو گے، جس کو تم کھرا سمجھ رہے ہو وہ عن قریب کھوٹا سونا ثابت ہوگا۔

[3] یعنی میں نے فرشتوں سے سنا ہے کہ جن مسلم شیروں نے عرب کے صحرا سے نکل کر دنیا کی سپر پاور روم کا تخت اُلٹ دیا تھا، وہ پھر بیدار ہونے والے ہیں۔

سدِّباب... محبتِ رسولِ کریم ﷺ کا فروغ

ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے ایک بہت ہی قابلِ توجّہ بات یہ بھی ہے کہ اِس وقت مسلمانوں کی اکثریت بزدلی و کمزوری کی بیماری میں مبتلا ہے۔ بزدلی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ پچاس سے زیادہ اسلامی ممالک کی موجودگی کے باوجود غزہ میں اسرائیلی درندوں کو دندناتے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، مگر اُن کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں۔

اِس بزدلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دل اپنی محبت اور اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کے ساتھ عشق کے لیے عطا فرمایا تھا، ہم نے اُس پاکیزہ دل کو محبتِ دُنیا کی نجاست سے آلودہ کر دیا۔ دل جسم کا بادشاہ ہے، جب وہ ہی گندگی سے بھرا ہو گا تو ظاہری حالت کیسے اچھی ہو سکتی ہے! اِس صورتِ حال میں شدید ضرورت ہے کہ مَن کی دُنیا میں پھر سے محبتِ رسولِ کریم ﷺ کا چراغ روشن کیا جائے، اگر دل سنور گیا تو اعمال کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور ظاہری آلودگی کا علاج بھی ہو جائے گا۔

امیر المجاہدین شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کثرت سے وہ دُعا خود بھی مانگتے تھے اور اپنے متعلقین کو بھی سکھاتے تھے، جسے سیدنا سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ نے یوں روایت کیا: رسول اللہ ﷺ ہمیں (بہت اہتمام کے ساتھ) یہ کلمات تعلیم فرماتے جیسے (بچوں کو) لکھنا سکھایا جاتا ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔» ”اے اللہ! مَیں بخل (کنجوسی) سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! مَیں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، خداوندا! مَیں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ ہمیں ناکارہ عمر کی طرف لوٹایا جائے اور مَیں دنیا کے فتنے میں مبتلا ہو جانے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔“ (صحیح بخاری، حدیث:6390)

آپ اپنی تقریروں میں کثرت سے اقبال علیہ الرحمہ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے:

عاشقانِ اُو زِ خُوباں خُوب تَر
خوش تَر و زیباتَر و محبوب تَر[1]

دل زِ عشقِ اُو توانا می شود
خاک ہم دُوشِ ثریّا می شود[2]

امیر المجاہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چوتھے عرسِ مبارک کے موقع پر یہ کہنا بے جا نہیں کہ اُنھوں نے رُوحانی آلودگی کے خاتمہ کے لیے نہایت شان دار خدمات انجام دیں، جن کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

---

[1] رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سچی محبت رکھنے والے اعلیٰ لوگوں سے بھی بلند تر ہوتے ہیں۔ اُن کے عاشق عمدہ ترین، نہایت حسین اور محبوب تر ہوتے ہیں۔

[2] دل اُن کی محبت سے مضبوط و توانا ہوتا ہے۔ اُن کا پیار نصیب ہو جائے تو خاک بھی ثُریّا ستاروں کی ہم پلہ ہو جاتی ہے (اُن کی محبت ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتی ہے)۔

حرفِ آخر... قدرتی نظافت اور تبدیلی کی آلودگی

ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ نے کیا کچھ پیدا فرمایا ہے! تاہم جو کچھ ہمارے مُشاہدے میں ہے اُس سے متعلق یہ سچی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو توازُن کے ساتھ حکمت و ضرورت کے عین مطابق پیدا فرمایا ہے۔ اُس کی تخلیق کا حُسن ہے کہ زمین پر انسانوں کے علاوہ مختلف جان دار زندگی گزارتے ہیں اور ہر ایک کو اُس کی ضرورت کی تمام اشیا میسّر ہیں۔

اِس وقت پوری دُنیا کے انسانوں کو جو مسائل درپیش ہیں اُن میں ایک سرِ فہرست مسئلہ "ماحولیاتی آلودگی" ہے۔ انسان جس دُنیا میں رہ رہا ہے وہاں اُس کا گرد و پیش / آس پاس اتنا آلودہ و گندا ہو چکا ہے کہ انسانی صحّت کو خطرناک مسائل لاحق ہیں، بلکہ اگر آلودگی اِسی طرح بڑھتی رہی تو شاید یہاں جینا بھی مشکل ہو جائے گا۔ پاکستان میں سموگ کی حالیہ صورتِ حال ہم سب کے سامنے ہے۔

اِس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ آلودگی کوئی بھی ہو... فَضائی ہو یا آبی، صوتی ہو یا شُعاعی... سبھی انسان کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہیں۔ انسان خود وقتی مفادات کی خاطر نظامِ قدرت کو بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں... صفائی، ستھرائی کے حوالے سے سستی ہے... درختوں کو کاٹا اور پہاڑوں کو توڑا جا رہا ہے... غلیظ پانی پاک و صاف ندیوں اور دریاؤں میں جا رہا ہے... پانی کے تحفّظ سے متعلق مجرمانہ غفلت برتی جا رہی ہے... کارخانوں اور گاڑیوں کا زہریلا دُھواں فضا کو مَسْمُوم کر رہا ہے... جنگلی حیات تیزی سے کم ہو رہی ہے.... ٹیکنالوجی فضا کو بُری طرح مُکدَّر کر رہی ہے... سب سے زیادہ تباہ کن روحانی و باطنی آلودگی ہے جو اسلام کی فطری تہذیب کو چھوڑ کر یورپین کلچر کو فروغ دینے کے نتیجے میں انسانوں کو تیزی سے تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔

اِن حالات میں قرآن و سنت کے عطا کردہ اُصولوں پر عمل کی شدید ضرورت ہے، جو نہ صرف ماحولیاتی آلودگی کا بہترین طریقے سے سدِّباب کرتے ہیں، بلکہ معاشرے کی تمام خرابیوں کا خاتمہ کرتے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی سے متعلق چند اہم اُمور یہ ہیں:

- ماحولیاتی آلودگی ہو یا کوئی اور مصیبت... اِن کے ظاہری اسباب مختلف ہو سکتے ہیں، مگر حقیقی سبب انسانوں کے اپنے کرتوت ہوتے ہیں، جن کے نتیجے میں باری تعالیٰ اپنی قدرت کے جلوے دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بارانِ رحمت کے لیے ہمیں دُعا و استسقا کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ماحولیاتی آلودگی سے نجات کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ ہم ربّ تعالیٰ کے حضور رجوع کریں اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں۔
- شریعتِ مطہرہ نے ہر اُس کام کو ناجائز قرار دیا ہے جس کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف ہو؛ لہٰذا شرعی طور پر ہماری ذمہ داری ہے کہ دھواں پھیلانے والے تمام ذرائع سے بچیں اور اُس کے خاتمہ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔
- پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، آلودگی میں کمی کے لیے اِس کا تحفّظ کریں... اِسے ضائع کرنے سے بھی بچیں اور آلودہ کرنے سے بھی مکمل اجتناب کریں۔

❖ اچھی نیت سے شجر کاری اجر وثواب کا ذریعہ بھی ہے اور ماحول دوست بھی۔ چنانچہ ہمیں اپنے گھروں اور دفاتر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ پودے اور درخت لگانے چاہییں اور پہلے سے موجود دَرختوں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔

❖ دینِ متین ہمیں اپنے جسم، لباس اور مقام کو پاک صاف رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے اردگرد کو بھی ستھرا رکھنے کی تربیت دیتا ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنے گھر اور گلی محلے، بلکہ اپنی بِساط کے مطابق شہر بھر کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے اور گندگی / آلودگی کو پھیلنے کا ذریعہ بننے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

❖ ماحولیاتی آلودگی میں رُوحانی واَخلاقی آلودگی سب سے زیادہ خطرناک ہیں؛ کیونکہ ہوا صاف نہ ہونے سے جسم بیمار ہوتا ہے، جب کہ روحانی آلودگی ایمان کے لیے بھی خطرہ ہے۔ چنانچہ ہمیں مغربی تہذیب کو دھتکار کر اسلامی تہذیب کو اختیار کرنا چاہیے اور دل کو دُنیا کی محبت سے آلودہ کرنے کے بجائے محبتِ رسولِ کریم ﷺ سے سرشار کرنا چاہیے۔ یہ دُنیا وآخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے۔

آلودگی کی بات ہو تو امریکہ واسرائیل اور اُن کے اتحادی عالمی غنڈوں کی مذمت بھی ضروری ہے، جو دوسروں کو ماحول کے تحفّظ کا درس دیتے ہیں، مگر اُن کے مُہلِک ہتھیاروں نے دُنیا کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ کیمیائی بموں سے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں سمیت ہزاروں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیتے ہیں، شہر کے شہر ویران کر دیتے ہیں، فصلیں تباہ کر دیتے ہیں اور پورے ماحول کو زہریلا کر دیتے ہیں، جس سے انسانوں کے ساتھ ساتھ دیگر حیوانات بھی متأثر ہوتے ہیں۔ اِس کی تازہ مثال غزہ اور لبنان کی صورتِ حال ہے۔ اقوامِ متحدہ کی ذمہ داری ہے کہ ماحول کے تحفّظ کے لیے اِن غنڈوں کو لگام ڈالے، بلکہ سب سے بڑھ کر اُمّتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے عملی اقدامات کرے۔

شرعی مسئلہ: اگر کوئی شدید ہنگامی صورت نہ ہو تو نماز میں چہرہ (ناک اور ہونٹ) چھپانا مکروہِ تحریمی ہے؛ لہٰذا شدید مجبوری کے بغیر ماسک پہن کر نماز پڑھنا درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے طفیل ہم سب کی بخشش ومغفرت فرمائے اور ہر طرح کی ظاہری وباطنی، جسمانی وروحانی آلودگی سے چھٹکارا نصیب فرمائے۔

خالقِ کائنات تمام اُمّتِ مسلمہ سے مصائب وآلام دُور فرمائے، مظلوموں کی غیبی تائید ونصرت فرمائے، خصوصًا اہلِ غزہ کو اِعانت سے نوازے، اسرائیلی درندوں کو اتحادیوں سمیت تباہ وبرباد فرمائے اور اُمّت کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزّہ کے مظلوموں کے ساتھ عملی طور پر تعاون کرنے کی توفیق عطا کرے!

ربِّ کریم پاکستان کو سموگ سمیت تمام آفات اور بحرانوں سے نجات دے اور حکمرانوں کو ملک وقوم کا خیر خواہ بنائے!

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ!

۱۹ جُمادَی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ/22 نومبر 2024ء

وعیدِ "وَیُل" پانے والے

(پہلا حصہ)

مشمولات

- وعید یافتگان... ناپ تول میں کمی کرنے والے
- وعید یافتگان... ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے والے
- وعید یافتگان... حق و شریعت کی پرواہ نہ کرنے والے
- مفتیٔ اعظم پاکستان کا بعد از وصال شریعت پر عمل کرنا
- مزاح جائز ہونے کی شرائط
- وی۔پی۔این کے استعمال کی حُدود و قیود
- سبق آموز نبوی مزاح
- جوابِ سلامِ تحیّت کا وجوب اور واٹس ایپ پر بھیجے گئے سلام کا جواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ o الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ o وَاِذَا کَالُوۡھُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡھُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ o اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ o لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ o یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o [المطففین 83:1 تا 6]

لوگوں کے حالات اور مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ بعض افراد کے حق میں نرمی فائدہ مند ہوتی ہے، اُنھیں پیار سے سمجھایا جائے اور شوق دلایا جائے تو وہ جلد سُدھر جاتے ہیں... جب کہ کچھ انسانوں کے لیے سختی سُود مند ہوتی ہے، وہ لاڈ پیار سے بگڑ جاتے ہیں، تاہم سختی کرنے اور ڈرانے سے اُن کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے اپنے حکمت بھرے کلام میں بے پناہ انعامات کے وعدوں سے فرماں برداری کا شوق بھی دلایا ہے اور سخت سزا کی وعیدوں کے ذریعے نافرمانی سے ڈرایا بھی ہے۔ یوں ہی اُس نے اپنے حبیبِ مکرّم ﷺ کو بَشِیۡر (خوش خبری دینے والا) کا منصب بھی عطا کیا ہے اور نَذِیۡر (ڈر سنانے والا) کے لقب سے بھی سرفراز فرمایا ہے؛ تاکہ کچھ بندے انعام کے شوق میں سُدھر جائیں اور دیگر وعید سے ڈر کر سنور جائیں۔ (جزا و سزا سے بالاتر ہو کر فقط محبت میں اطاعت کرنے والوں کی شان اِن سے بہت بلند ہے۔)

قرآن و سنّت میں کچھ بُرے اعمال کے حوالے سے فرمایا گیا ہے کہ جو یہ عمل کرے اُس کے لیے وَیۡل ہے۔ "وَیۡل" سے کیا مراد ہے؟ علما نے لکھا کہ اِس میں مختلف احتمالات ہیں: سخت پریشانی، ہلاکت / خرابی / تباہی، دردناک عذاب یا جہنم کا ایک مقام۔[1]

یوں جرائم کی سزا میں وَیۡل کی وعید سنا کر بندوں کو خبردار کیا گیا کہ جو شخص اِن برے اعمال کا ارتکاب کرے اُس کے لیے خرابی ہے، چنانچہ تم اِن کاموں سے دُور رہو؛ تاکہ تم پر رحمتِ الٰہی ہو، تباہی کے بجائے نَجات اور جہنم کے بجائے جنت نصیب ہو۔

بندۂ مومن کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پُر اُمّید بھی رہنا چاہیے اور اُس کے دل میں اپنے اعمال کی وجہ سے جلال و سزا کا خوف بھی ہونا چاہیے۔ یہ دونوں خوبیاں موجود ہوں تو ایمان بھی کامل ہو جاتا ہے اور اعمال بھی سنور جاتے ہیں۔ رحمت سے مایوس ہونا کفار کا طریقہ ہے، جب کہ سزا سے بے خوفی بہت مرتبہ نافرمانی اور گمراہی تک لے جاتی ہے۔

شاید یہ خوفِ الٰہی کی کمی کا ہی نتیجہ ہے کہ جن اعمال کے بارے میں ویل کی سخت ترین وعید فرمائی گئی آج اُمّتِ مسلمہ کی ایک بڑی تعداد اُنہی اعمال میں مبتلا ہے اور اِس سے بھی بڑی آفت یہ کہ رفتہ رفتہ اُن برے کاموں کی ہیبت بھی دلوں سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔

چنانچہ اِصلاحِ احوال کی خاطر آج کے خطبہ میں ویل کی وعید والے چند اعمال کا تذکرہ کیا جائے گا۔

---

[1] خزائن العرفان، زیرِ آیتِ المطففین: 1، ملخصًا

وعید یافتگان... ناپ تول میں کمی کرنے والے

تباہی سے بچانے کے لیے جن افراد کو وَیل کے الفاظ سے وعید سنائی گئی ہے اُن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں اور اپنا حق تو پورا وصول کرتے ہیں، مگر دوسروں کو اُن کا حق پورا نہیں دیتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ o الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ o وَاِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ o "ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے، وہ لوگ کہ جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا وصول کریں اور جب اُنھیں ناپ یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔" [المطففین 83:1 تا 3]

تربیت: عام طور پر لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے حق میں کمی برداشت نہیں کرتے، مگر دوسروں کا حق چھیننے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ خود گالیاں دینے سے نہیں شرماتے، مگر اُنھیں کوئی گالی دے تو سیخ پا ہو جاتے ہیں... اپنے گھر والوں کی عزت و عصمت کو محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں، مگر دوسروں کے اہلِ خانہ کی حُرمت کا خیال نہیں کرتے... اِس بُری عادت کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

یہی صورتِ حال تجارت کے حوالے سے بھی ہے... دوسروں سے خالص کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر خود ملاوٹ کر کے دیتے ہیں... لیتے ہوئے نمبروَن کا تقاضا ہوتا ہے، مگر دیتے ہوئے دو نمبری سے کام لیتے ہیں... وصول کرتے وقت خوب دھیان کرتے ہیں کہ مقدار اور معیار میں کمی نہ ہو، مگر فراہم کرتے ہوئے مقدار میں بھی ڈنڈی مارتے ہیں اور معیار کو بھی بھول جاتے ہیں۔

تجارت میں خیانت کی کوئی بھی صورت ہو، خواہ پرانی طرز کے ترازو کے دونوں پلڑوں میں فرق کیا جائے... یا الیکٹرونک پیمانے کی سیٹنگ خراب کی جائے... پٹرول پمپ کے میٹر وغیرہ میں ٹیکنیکل طریقے سے کوئی کمی رکھی جائے... یا گاہک کو بتاتے / دکھاتے وقت اور چیز ہو، جب کہ فراہم کرتے ہوئے دوسری چیز دی جائے... بہر صورت دوسروں کو اُن کے حق سے کم دینے والوں کو آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے دُنیا و آخرت میں خرابی و تباہی کی وعید سنائی گئی ہے۔ دُنیا میں اِس طرح کہ:

- لوگ بُرا بھلا کہیں گے۔
- اعتبار ختم ہو جائے گا۔
- بے اعتمادی سے تجارت متأثر ہو گی۔
- رزق سے برکت اُٹھ جائے گی
- قحط سالی، حکمرانوں کے ظلم اور دیگر مختلف مصائب کا سامنا ہو گا۔

اور آخرت میں یوں کہ:

- یہ بندے کی حق تلفی ہے، جب تک وہ معاف نہ کرے ربّ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرمائے گا۔

- حرام کمائی کی نحوست سے دل سیاہ، خیالات خراب اور نیک اعمال برباد ہو جائیں گے۔
- سب سے بڑھ کر یہ کہ ربّ تعالیٰ کے حضور پیشی کے وقت سخت شرمندگی اُٹھانی پڑے گی۔

دُنیا میں تباہی: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک طویل و حسین ارشادِ نبوی روایت کیا، جس میں یہ جملے بھی ہیں: وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَؤُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ۔ یعنی "جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں وہ اِس طرح گرفت میں آتے ہیں کہ قحط سالی ہوتی ہے، اُنھیں سخت مَشَقَّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور حکمران اُن پر ظلم کرتے ہیں۔" (سننِ ابن ماجہ، حدیث: 4019، قال الأرناؤط: حسن لغیرہ)

حدیثِ پاک میں "سخت مشقت" سے مراد یہ ہے کہ کھانے پینے کی اشیا اور لباس وغیرہ کی قیمتیں زیادہ ہونے کی وجہ سے گھریلو اخراجات پورے نہیں ہوں گے۔[1] ہمیں اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہیے کہ کہیں ہم اِسی سزا میں مبتلا تو نہیں!

اُخروی خرابی: ناپ تول میں کمی کے اُخروی نقصانات میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایسے شخص کو بارگاہِ الٰہی میں پیشی کے وقت شرمندگی اُٹھانی پڑے گی۔ اِس طرف اشارہ کرتے ہوئے ربِّ کریم نے فرمایا: أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ○ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○ "کیا اِن لوگوں کو یقین نہیں کہ اُنھیں (مرنے کے بعد زندہ کرکے دوبارہ) اُٹھایا جائے گا، ایک عظمت والے دن کے لیے، جس دن سب لوگ ربّ العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔" [المطففین 83:4 تا 6]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی تاجر کے پاس سے گزرتے تو اُسے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے: اِتَّقِ اللهَ وَأَوْفِ الْكَيْلَ وَالْوَزْنَ؛ فَإِنَّ الْمُطَفِّفِينَ يُوقَفُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى إِنَّ الْعَرَقَ لَيُلْجِمُهُمْ إِلَى أَنْصَافِ آذَانِهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور ناپ تول پورا کرنا؛ کیونکہ کمی کرنے والوں کو قیامت کے دن رحمان جلّ جلالہٗ کے حضور کھڑا کیا جائے گا، حتّٰی کہ (گرمی و وحشت سے) وہ اپنے پسینے میں کانوں تک ڈوب رہے ہوں گے۔ (معالم التنزیل [تفسیر بغوی]، الکشف والبیان [تفسیرِ ثعلبی]، زیرِ آیت)

لمحۂ فکریہ: کتنی عجیب بات ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے دُنیا و آخرت میں تباہی کی قرآنی وعید کے باوجود آج مسلمانوں کی بڑی تعداد اِس برائی میں مبتلا ہے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔

قرآن و سنت میں ہماری تربیت فرمائی گئی ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی بھلائی پسند کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ جب ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دھوکا نہ دیا جائے تو ہمیں بھی دوسروں کو فریب نہیں دینا چاہیے... اپنی حق تلفی گوارا نہیں کرتے تو دوسروں کے حقوق کا بھی پاس رکھنا چاہیے... اور خود ناپ تول پورا لینا چاہتے ہیں تو دوسروں کو بھی پورا ہی دینا چاہیے۔

---

[1] وَشِدَّةِ الْمَؤُونَةِ) أَيْ: مَصَارِيفِ الْبَيْتِ بِغَلَاءِ السِّعْرِ فِي الْمَطَاعِمِ وَالْمَشَارِبِ وَالْمَلَابِسِ مَثَلًا۔ (شرح سننِ ابن ماجۃ للھرری)

وعید یافتگان... ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے والے

جن افراد کو لفظِ وَیْل کے ذریعے تنبیہ فرما کر تباہی سے بچنے کا شوق دلایا گیا ہے اُن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو خود کو سچ کا پابند نہیں بناتے اور دوسروں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بول دیتے ہیں۔

سیدنا معاویہ بن حَیدہ قُشَیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ، لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَّهُ وَيْلٌ لَّهُ۔ ”اُس شخص کے لیے تباہی ہے جو لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹی بات بیان کرتا ہے، اُس کے لیے ہلاکت ہے، اُس کے لیے خرابی ہے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 2315۔ سنن ابوداؤد، حدیث: 4990)

محدثینِ کرام علیہم الرحمہ نے لکھا کہ اِس شخص کے لیے تین مرتبہ وَیْل فرمانے میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُس کے لیے دُنیا میں بھی خرابی ہے، برزخ میں بھی تباہی ہے اور آخرت میں بھی بربادی ہے۔ (مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث: 4834)

تربیت: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سچ فرماتا ہے اور وہ پسند کرتا ہے کہ اُس کے بندے بھی سچ ہی بولیں۔ اُس کی اپنی ذاتِ اقدس جھوٹ سے اِس شان کے ساتھ پاک ہے کہ وہاں جھوٹ کا امکان بھی نہیں اور وہ بندوں کے لیے بھی جھوٹ کی اجازت نہیں دیتا۔

ہنسی مزاح اگر شریعت کے دائرے میں ہوں تو کوئی حرج نہیں، بلکہ بعض مرتبہ جانِ عالَم ﷺ بھی تربیت پر مبنی حسین مزاح فرمایا کرتے تھے، لیکن اگر ہنسی میں شریعت کی مقرر کردہ حُدود وقُیود کی پابندی نہ کی جائے تو یہ تباہی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ہنسی کب جائز ہے؟ مختلف احادیثِ کریمہ کی روشنی میں علمائے کرام نے لکھا کہ چند شرائط پائی جائیں تو مزاح جائز ہے:

1) اُس میں جھوٹ اور فحش وبے حیائی نہ ہو۔ امام الانبیا ﷺ نے اپنے مزاح سے متعلق خود ارشاد فرمایا: «إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا۔» ”یقیناً میں (ہنسی میں بھی) صرف حق (انصاف پر مبنی سچی) بات ہی کہتا ہوں۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 1990)

2) اُس کی وجہ سے کسی مسلمان کی دل آزاری نہ ہو؛ کیونکہ قرآن وسنت میں جابجا مسلمانوں کو بلاوجہ تکلیف پہنچانے اور ستانے پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

3) اُس میں بڑوں کی بے ادبی اور چھوٹوں کی بے لحاظی وبے مُروّتی نہ ہو۔ سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا۔ یعنی ”جو مسلمانوں کے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور اُن کے بڑوں کے شرف واحترام کا لحاظ نہ رکھے وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 1920)

4) بے موقع مزاح نہ ہو۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق رحمتِ کونین ﷺ نے فرمایا: لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ۔ یعنی ”اپنے مسلمان بھائی سے بے جا جھگڑا، بے تُکا مزاح اور جھوٹا وعدہ نہ کرو۔“ (جامع ترمذی: 1995)

5) مزاح معمولی مقدار میں ہو، کثرت کے ساتھ نہ ہو؛ کیونکہ زیادہ ہنسا غفلت کی نشانی ہے اور نبیِ کریم ﷺ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی: وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ۔ (جامع ترمذی، حدیث: 2305) "زیادہ نہ ہنسا کرو؛ کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔" (فتاوٰی رضویہ، ج: 23، ص: 194، ملخصًا)

جھوٹ سے نفرت: جھوٹ ایسی بُری چیز ہے جسے مومن کی فطرت قبول ہی نہیں کرتی۔ بُری صحبت کے نتیجے میں بعض اوقات مسلمان جھوٹ بولنے لگتا ہے، لیکن اگر وہ ایمانی تقاضے سے سوچے تو اُس کا دل ہمیشہ اِس سے نفرت کرتا ہے۔

دوسری صدی ہجری کی معروف دینی شخصیت حضرت محمد بن مسلم ابن شہاب زُہری علیہ الرحمہ کا ایک خوب صورت قول سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے، فرمایا: فَوَاللهِ لَوْ نَادَانِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنَّ اللهَ أَحَلَّ الْكَذِبَ مَا كَذَبْتُ۔ اگر مجھے آسمان سے آواز آئے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے کی رُخصت دے دی ہے تو بھی مَیں ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گا۔
(تاریخ مدینۃ دمشق، ج: 55، ص: 371، دار الفکر۔ سیر أعلام النبلاء، ج: 5، ص: 339، مؤسسۃ الرسالۃ)

سبق آموز نبوی مزاح: حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھی خاتون نے جانِ عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: حضور! دُعا کیجیے کہ ربّ تعالیٰ مجھے جنت نصیب فرمائے! آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ۔ "بلاشبہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔" یہ سن کر اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک آئے۔ سرورِ عالم ﷺ نے اُسے حقیقت سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: أَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوزٌ۔ یعنی "وہ جنت میں جانے کے وقت بوڑھی نہیں ہو گی، تب جوان ہو جائے گی۔"
پھر آپ ﷺ نے اِن آیاتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی: إِنَّآ أَنشَأْنٰهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝ [الواقعۃ 56: 35 تا 37] "بلاشبہ ہم نے جنتی عورتوں کو خاص انداز سے پیدا کیا تو ہم نے اُنھیں کنواریاں بنا دیا، (اپنے شوہروں سے) مَحبّت کرنے والیاں (آپس میں) ہم عمر۔" (شمائلِ ترمذی، حدیث: 230، دار احیاء التراث۔ المعجم الاوسط، ج: 5، ص: 357، حدیث: 5545)

اگرچہ وہ بوڑھی خاتون وقتی طور پر پریشان ہوئیں، مگر یہ حسین مِزاح اُن کے لیے اور قیامت تک کی عمر رسیدہ خواتین کے لیے فرحت کا سامان بن گیا؛ کہ جب بھی اُنھیں بڑھاپے کی مشقت محسوس ہو، وہ جنت کا منظر یاد کریں تو اُن کی تمام تر پریشانی دُور ہو جائے گی۔

لمحۂ فکریہ: اسلامی تعلیمات سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ بے جا ہنسی مذاق عام ہے اور یہ کئی صورتوں میں گناہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ سچ اور جھوٹ کی پرواہ ہی نہیں کی جاتی... لوگوں کی عزتیں اچھالی جاتی ہیں... بلکہ کامیڈی ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے، بے ہودہ مذاق پر انعامات سے نوازا جاتا ہے اور کئی لوگ جُگت بازی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں (حالانکہ سوائے چند صورتوں کے شریعت میں جھوٹ کی قطعًا اجازت نہیں)۔ ہمیں یہ شعور بیدار کرنا چاہیے کہ اگرچہ شریعتِ مطہرہ نے ایک حد تک ہنسی مِزاح کی اِجازت دی ہے، لیکن اگر مِزاح میں جھوٹ، بے حیائی، دل آزاری یا بے توقیری و بے مروّتی ہو یا یہ کثرت کے ساتھ ہو تو شریعت اِس سے منع فرماتی ہے۔

وعید یافتگان... حق وشریعت کی پرواہ نہ کرنے والے

زبانِ رسالت مآب ﷺ نے حق کی طرف متوجہ فرمانے کے لیے جن مجرموں کو ہلاکت کا حق دار قرار دیا ہے اُن میں وہ افراد بھی ہیں جو دینی اُمور کی پرواہ نہیں کرتے، اُنھیں شریعت پر عمل کی دعوت دی جائے تو سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں اور اپنے جرائم سے توبہ کرنے کے بجائے حیلے بہانے کرتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر جلوہ گر ہو کر یہ فرماتے سنا ہے:

- اِرْحَمُوْا تُرْحَمُوْا وَاغْفِرُوْا يَغْفِرِ اللّٰهُ لَكُمْ... یعنی "تم مخلوق پر رحم کرو، خالقِ کائنات تم پر رحمت فرمائے گا اور تم لوگوں کو معاف کرو، اللہ کریم تم سے درگزر فرمائے گا۔"
- وَيْلٌ لِّأَقْمَاعِ الْقَوْلِ،[1] وَيْلٌ لِّلْمُصِرِّيْنَ الَّذِيْنَ يُصِرُّوْنَ عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی "اُن لوگوں کے لیے تباہی ہے جو حق اور شریعت کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں / اُسے محفوظ نہیں کرتے۔ اُن لوگوں کے لیے بربادی ہے جو جان بوجھ کر نافرمانی پر اِصرار کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے۔" (الأدب المفرد، حدیث:380۔ مسند احمد، حدیث:7041)

تربیت: بندۂ مومن کا مزاج یہ ہونا چاہیے کہ جب اُسے دین کی بات معلوم ہو اور شریعت کے مسئلے کا پتا چلے تو فوراً اُسے قبول کر لے۔ شرعی حکم کے مقابلے میں حیلے بہانے کرنا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ سوچنا چاہیے کہ جب ملازم دُنیاوی افسروں کے آرڈر پر عمل کرنے سے انکار نہیں کر سکتا تو بندے کا اپنے مالک وخالق اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کو موڑنا کس قدر بُرا ہو گا!

شریعت پر عمل... ذریعۂ رحمت: جب کوئی خوش نصیب شرعی حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اُس کے سامنے اپنی گردن جھکا دیتا ہے تو اللہ کریم اُسے اُس کے وہم وگمان سے بھی بڑھ کر اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت منصور بن عمّار علیہ الرحمہ (م:225ھ) وعظ فرما رہے تھے، ایک غلام پاس سے گزرا، آپ نے کسی حق دار کی مدد کرنے کا شوق دلاتے ہوئے فرمایا: مَنْ يَدْفَعُ إِلَيْهِ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ أَدْعُوْ لَهُ أَرْبَعَ دَعَوَاتٍ۔ جو اِس ضرورت مند کو چار درہم دے مَیں اُس کے لیے چار دُعائیں کروں گا۔ غلام نے چار درہم پیش کر دیے۔ آپ نے فرمایا: کون سی دُعائیں کروانا چاہتے ہو؟ غلام نے کہا: 1) مجھے آزادی مل جائے! 2) مجھے اِن درہموں کے متبادل درہم مل جائیں! 3) ربّ تعالیٰ مجھے اور میرے آقا کو توبہ کی توفیق سے نوازے! 4) اللہ کریم میری، میرے آقا کی، آپ کی اور تمام حاضرین کی مغفرت فرما دے! آپ نے بارگاہِ الٰہی میں چاروں التجائیں پیش کر دیں۔

غلام گھر واپس گیا تو آقا نے دیر سے لوٹنے کی وجہ پوچھی۔ اُس نے سارا واقعہ بتا دیا۔ آقا نے پوچھا: کون سی دُعائیں کروائی ہیں؟

---

[1] وَأَقْمَاعُ الْقَوْلِ: الَّذِيْنَ آذَانُهُمْ كَالْقَمِعِ يَدْخُلُ فِيْهِ سَمَاعُ الْحَقِّ مِنْ جَانِبٍ وَيَخْرُجُ مِنْ جَانِبٍ آخَرَ، لَا يَسْتَقِرُّ فِيْهِ۔ (فتح الباری لابن رجب)

کہا: پہلی دُعا یہ کروائی ہے کہ مَیں آزاد ہو جاؤں! آقا نے کہا: جا! تجھے اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے آزاد کیا۔ پوچھا: دوسری دُعا کیا کروائی ہے؟ کہا: اللہ تعالیٰ مجھے اُن درہموں کا متبادل عطا فرمادے! آقا نے کہا: مَیں اپنے مال سے تجھے چار درہم دیتا ہوں۔ پوچھا: تیسری التجا کون سی تھی؟ بتایا: اللہ تعالیٰ آپ کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے! کہا: تُبْتُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ یعنی پہلے جو ہو چکا اُس سے سچی توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کبھی ربّ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ استفسار کیا: بارگاہِ خداوندی میں چوتھی پُکار کیا تھی؟ کہا: اللہ تعالیٰ میری، آپ کی، دُعائیں دینے والے کی اور تمام اہلِ مجلس کی مغفرت فرمائے! کہا: یہ میرے بس کی بات نہیں۔

شریعت کے سامنے گردن جھکانا ایسا قبول ہوا کہ آقا نے رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: أَنْتَ قَدْ فَعَلْتَ مَا كَانَ إِلَيْكَ، أَفَتَرَانِي لَا أَفْعَلُ مَا كَانَ إِلَيَّ! قَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلِلْغُلَامِ وَلِمَنْصُورِ بْنِ عَمَّارٍ وَلِلْقَوْمِ الْحَاضِرِينَ وَأَنَا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔
جو تیرے بس میں تھا وہ تُو نے کر دیا، مَیں ارحم الراحمین ہوں، میرے متعلق کیا خیال ہے، جو میری قدرت میں ہے مَیں وہ نہیں کروں گا! مَیں نے تجھے بھی بخش دیا، تیرے غلام سے بھی درگزر کیا، منصور بن عمار اور تمام حاضرینِ مجلس کی بھی مغفرت فرمادی۔
(روض الرّیاحین للیافعی، الحکایۃ: 206، ص:202، مکتبۃ زھران۔ إحیاء علوم الدین للغزالی، کتاب الخوف والرجاء، بیان دواء الرجاء...، ج:4، ص:154، دار المعرفۃ)

وصال کے بعد شریعت پر عمل: معمارِ جامعہ نظامیہ رضویہ مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ عمر بھر شرعی احکام کے پابند رہے۔ وصال کے بعد جب آپ کو غسل دیا جارہا تھا تو گھٹنے سے کپڑا کچھ اوپر ہو گیا (مَرد کے لیے گھٹنے کو چھپانا فرض ہے)، مفتی محمد تنویر القادری صاحب فرماتے ہیں: مَیں نے دیکھا کہ آپ کے چہرۂ مبارکہ پر غصے کے آثار تھے، جوں ہی مَیں نے کپڑا درست کیا تو فوراً غصہ کے آثار ختم ہو گئے اور چہرہ پہلے کی طرح پھر سے چمکنے لگا۔ (النظامیہ، مفتیٔ اعظم نمبر [اگست 2018ء]، ص:134)

لمحۂ فکریہ: عصرِ حاضر میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد ہے جو کسی بھی قیمت پر اپنے مفادات و معمولات چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور شرعی حکم کو سن کر اُس پر عمل کے حوالے سے حیلے کرتے ہیں، بلکہ بتانے والے علما کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

رواں ہفتے حکومت کی طرف سے غیر رجسٹرڈ وی۔ پی۔ این[1] پر پابندی کا فیصلہ ہوا تو بحث چل نکلی کہ شرعی طور پر اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ حکومتی عہدے داران سمیت کئی غیر ذمہ دار لوگ کہنے لگے کہ "اِس کا شریعت سے کوئی تعلق ہی نہیں"، گویا اُن کی نظر میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شریعت کوئی راہ نمائی نہیں کرتی، معاذ اللہ!... حالانکہ دین کی معمولی سمجھ رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ فحاشی، گستاخی اور اسلامی ریاست کی سلامتی کو نقصان پہنچانا سخت حرام کام ہیں اور اِن ناجائز مقاصد کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کیا جائے تو اُس کی بھی اجازت نہیں ہو گی... وہی ذریعہ اگر کسی اچھے کام کے لیے استعمال کیا جائے تو جائز ہو گا۔

---

[1] ورچوئل پرائیویٹ نیٹ ورک (وی پی این) سافٹ ویئرز کے ذریعے صارف کی شناخت چھپ جاتی ہے اور وہ ممنوعہ ویب سائٹس کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔

حرفِ آخر... وعیدِ وَیل اور ہمارے اعمال کا مَیل

مخلوق کے ساتھ جیسی مَحبّت خالقِ کریم فرماتا ہے کسی اور سے ویسے پیار کا تصوُّر بھی نہیں کیا جاسکتا... اور مخلوق میں انسانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ سرورِ عالَم ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ کو پسند ہے کہ ہم تباہی اور ہلاکت سے بچ جائیں اور نجات کے راستے پر چلیں، مگر ہماری نالائقی ہے کہ ہم اُن کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر بُرے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ أُمَّتِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَالْفَرَاشُ يَقَعْنَ فِيهِ، فَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهِ۔ یعنی "میری اور اُمّت کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جس نے (فائدے کے لیے) آگ روشن کی تو کیڑے مکوڑے اور پروانے اُس میں گرنے لگے۔ مَیں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ (میں گرنے) سے بچاتا ہوں اور تم اُس میں گرے جاتے ہو۔" (صحیح مسلم، حدیث:2284)

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ اور اُس کے حکم سے رسولِ کریم ﷺ نے ہمیں فرماں برداری پر انعامات کی خوش خبریاں عطا فرمائیں اور نافرمانی پر سزاؤں کی وعیدیں سنائیں؛ تاکہ اِس ترغیب وترہیب کے ذریعے ہم سدھر جائیں۔ کچھ بُرے کاموں سے روکنے کے لیے اُن کا ارتکاب کرنے والے کو وَیل کی وعید سنائی گئی، جس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ مجرم تباہی، سخت پریشانی اور دردناک عذاب کا حق دار ہے۔ یہ وعیدیں اِسی لیے ہیں کہ ہم اُن جرائم سے دُور رہیں اور تباہی سے بچ جائیں۔

آج کے خطبہ میں تین ایسے جرائم کا تذکرہ ہوا جن پر ویل کی وعید فرمائی گئی ہے:

1) ناپ تول میں کمی کرنے والے۔ اِس جُرم پر تباہی کی وعید کے ساتھ ساتھ دُنیا میں قحط سالی، سخت مشقت وکمر توڑ مہنگائی اور حکمرانوں کے ظلم کی دھمکی بھی دی گئی ہے اور روزِ قیامت رحمان کے حضور پیشی کے وقت شرمندگی سے بھی ڈرایا گیا ہے۔
چنانچہ ذلّت وتباہی سے بچنے کے لیے ہمیں اپنی اِصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ جیسے ہم اپنے لیے یہ پسند کرتے ہیں کہ کوئی ہمارا حق نہ چھینے، ایسے ہی دوسروں کو بھی اُن کا پورا حق دینا چاہیے۔

2) لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے والے۔ دینِ اسلام نے ہر چیز کی حُدود وقُیود مقرر فرمائی ہیں، خوش طبعی اگرچہ جائز ہے، بلکہ مسلمان کا دل خوش کرنے کے لیے ہو تو کارِ ثواب ہے، مگر مِزاح میں جھوٹ، فحش، دل آزاری اور بے توقیری کی ہرگز اِجازت نہیں ہے۔ اِسی طرح زیادہ ہنسنا بھی پسندیدہ نہیں، یہ ایک حد تک ہی ہونا چاہیے۔ اِس حوالے سے بھی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں اُسوۂ حسنہ ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میری عادت تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے جو بات بھی سنتا اُسے محفوظ کرنے کے اِرادے سے لکھ لیتا۔ بعض قریش نے مجھے روکا اور کہا: کیا تم ہر چیز لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ لباسِ بشریت میں ہیں، کبھی غصے کی حالت میں کلام فرماتے ہیں کبھی خوشی کی کیفیت میں۔ مَیں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے اِس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے اپنی مبارک اُنگلی سے اپنے دہنِ اقدس کی طرف اِشارہ کر کے فرمایا: اُكْتُبْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ۔ ”تم (میری ہر بات) لکھا کرو، اللہ کی قسم! میرے منہ سے صرف حق بات ہی نکلتی ہے۔“ (سنن ابو داؤد، حدیث:3646)

3) حق اور شریعت کی بات ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دینے والے۔ جو شخص خود کو شریعت کا پابند نہیں بناتا وہ اپنے ہاتھوں سے دونوں جہان میں اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے اور شرعی حکم کے سامنے سر جھکانے والے کو دونوں جہان میں ربّ تعالیٰ کی رحمتیں نصیب ہوتی ہیں۔

شریعت کی پابندی اتنی بڑی سعادت ہے کہ بزرگانِ دین کی سیرتوں میں وفات کے بعد بھی شریعت کی پابندی کا سبق ملتا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ خود کو شریعت کے سامنے یوں پیش کر دیں جیسے مُردہ غسل دینے والے کے سامنے ہوتا ہے، اِسی میں ایمان کی سلامتی ہے اور اِسی میں دونوں جہان کی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئندہ خطبہ میں مزید کچھ ایسے جرائم کا تذکرہ ہوگا، جن سے روکنے کے لیے قرآن و سنت میں اُن پر ویل کی وعید ارشاد فرمائی گئی ہے۔

شرعی مسئلہ: ملاقات کے وقت سلام کہنا سنّت ہے اور سلامِ مسنون کا فوری طور پر اتنی آواز سے جواب دینا لازم ہے کہ سلام کہنے والا اُسے سُن لے۔ اگر ملاقات کا وقت نہ ہو، مثلاً کوئی شخص تلاوت یا وظائف یا درس و تدریس میں مصروف ہو یا نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو تو سلام کہنا سنت نہیں اور اِس کا جواب بھی واجب نہیں۔

واٹس ایپ کے ذریعے سلام موصول ہو (ٹیکسٹ میسج ہو یا وائس) تو اُس کا جواب دینا بھی لازم ہے، خواہ زبان سے جواب دے یا لکھ کر۔ بہتر ہے کہ فوری طور پر زبان سے جواب دے دیا جائے اور باقی پیغام بعد میں پڑھا یا سنا جائے۔[1]

---

[1] جامعہ نظامیہ رضویہ کے فیض یافتہ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد قاسم عطاری صاحب نے ”کسی نے WhatsApp پر سلام کیا، تو جواب دینا لازم ہے؟“ کے عنوان سے مفصّل فتوٰی تحریر کیا ہے، جو انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے۔

۲۶ جُمادَی الاُولیٰ ۱۴۴۶ھ/29 نومبر 2024ء

وعیدِ "وَیل" والے

(آخری حصہ)

مشمولات

- وعید یافتگان... عیب جوئی وغیبت کرنے والے
- وعید یافتگان... نماز سے غفلت برتنے والے
- وعید یافتگان... وُضو میں کوتاہی برتنے والے
- وعید یافتگان... سخت دل لوگ

○ نماز سے غفلت کی مختلف صورتیں
○ ملک الموت علیہ السلام سے نماز کے لیے مہلت لینا
○ دل کی نرمی وسختی کا مفہوم اور دل سخت ہونے کی وجوہات

بزرگوں کے مزارات پر حاضری کا طریقہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ o الَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاھُوۡنَ o

الَّذِیۡنَ ھُمۡ یُرَآءُوۡنَ o وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ o [الماعون 107:4 تا 7]

کسی اچھی چیز کے بارے میں اپنی پسندیدگی ظاہر کرنے کے کئی طریقے ہیں، ایک انداز یہ ہے کہ عمدہ بات کہنے یا حسین عمل کرنے والے کو شاباش دی جائے اور انعام سے نوازا جائے۔ اِسی طرح بُری چیز پر اظہارِ ناگواری کے بھی کئی طریقے ہیں، ایک طرز یہ ہے کہ گھٹیا بات کہنے یا قبیح کام کرنے والے کو کوئی دھمکی یا سزا دی جائے۔

شاباش اور دھمکی کی حیثیت کہنے والے کے مطابق ہوتی ہے... عام شخص تحسین کرے تو اُس کی وُقعت بھی عام سی ہوتی ہے، جب کہ کوئی بااختیار عہدے دار یا سربراہِ مملکت چند تعریفی کلمات کہہ دے تو اُن کی قیمت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ یوں ہی مفلوک الحال شخص کسی کو دھمکی دے تو لوگ اُس کا مذاق اُڑاتے ہیں، مگر کسی اعلیٰ افسر کے ڈرانے سے بہت مرتبہ اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ یعنی کہنے والا جتنا زیادہ بااختیار ہو اُس کی شاباش یا دھمکی بھی اُتنی ہی زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی قدرت اور اُس کا اختیار لامحدود و لامتناہی ہیں۔ وہ جو چاہے کرے، اُس کے حکم کے سامنے نہ تو کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ہی کسی کو انکار کی مجال ہے... وہ جسے چاہے نوازے، نہ تو کوئی اُسے منع کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو اعتراض کی جرأت ہے... اور وہ جسے چاہے محروم کرے، نہ تو کوئی اُسے پابند کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو مزاحمت کی ہمت ہے۔

جب باری تعالیٰ کی قدرت و طاقت کی کوئی حد نہیں تو اُس کی طرف سے شاباش یا دھمکی کی وقعت و اہمیت بھی سب سے بڑھ کر ہے۔ ربِّ کریم جس کے اچھے عمل کو پسند فرما کر اُس کے لیے انعام کا وعدہ فرمائے وہ سب سے بڑا خوش نصیب ہے... اور قادرِ مطلق جس کو بُرے کام پر دھمکی / وعید ارشاد فرمائے کائنات بھر میں سب سے زیادہ خطرہ اُسی بندے کو ہے۔ وزیرِ اعظم / آرمی چیف کسی کو دھمکی دے تو اُسے سخت خطرہ ہوتا ہے تو جسے تمام جہانوں کا بادشاہ تباہی کی وعید سنائے اُس سے بڑھ کر کس کو خوف زدہ ہونا چاہیے!

قادرِ مطلق جلّ مجدہٗ اور اُس کے رسولِ محتشم ﷺ نے کچھ بُرے اعمال سے متعلق فرمایا ہے کہ جو یہ عمل کرے اُس کے لیے وَیۡل ہے، یعنی اُس کے لیے سخت پریشانی، ہلاکت / خرابی / تباہی، دردناک عذاب یا جہنم کا ایک مقام ہے۔ یہ کس قدر سخت دھمکی ہے! کاش ہمیں اِس کا احساس کرنے کی توفیق نصیب ہو۔

گزشتہ جمعۂ مبارکہ کے خطبہ میں تین قسم کے افراد کا تذکرہ ہوا تھا جنھیں لفظِ وَیۡل کے ذریعے تباہی کی وعید سنائی گئی ہے۔ اصلاحِ احوال کے لیے آج بھی اِسی سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے گا۔

وعید یافتگان... عیب جوئی وغیبت کرنے والے

غیر تربیت یافتہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے عیب تلاش کرکے اُنھیں دُور کرنے کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈتے اور بیان کرتے ہیں... یوں ہی دوسروں کی غیر موجودگی میں کسی شرعی وجہ کے بغیر اُن کے چُھپے عیبوں کا تذکرہ / غیبت کرتے ہیں، ایسوں کے لیے بھی خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے تباہی کی وعید ارشاد فرمائی ہے۔

فرمانِ ربّانی ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔ یعنی "ہر اُس شخص کے لیے تباہی ہے جو لوگوں کے منہ پر عیب نکالے / طعنے دے، پیٹھ پیچھے برائی / غیبت کرے۔" [الھمزۃ104:1]

کافر سرکارِ دوعالَم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدزبانی کرتے، طعنے دیتے اور اُن کی غیبتیں کرتے تھے۔ ربِّ ذوالجلال نے اُن کی اِس بری حرکت پر اُنھیں دونوں جہان میں تباہی کی وعید ارشاد فرمائی۔ عصرِ حاضر میں بھی ایسے بدنصیب موجود ہیں جو یہی حرکتیں کرتے ہیں... خواہ وہ عالمی سطح پر سازشیں کرنے والے کفار ہوں یا اُن کے ڈالروں پر بکنے والے مقامی لوٹے... چاہے وہ رحمتِ عالم ﷺ کو اذیّت پہنچانے والے ہوں یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدزبانی کرنے والے... جیسے قرآنِ حکیم کے مطابق اُس دَور کے گستاخوں کے لیے دونوں جہان میں تباہی ہے، ایسے ہی عصرِ حاضر کے بدزبانوں کے لیے بھی دُنیا و آخرت میں بربادی ہے!

آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کے لیے سبق ہے کہ اُنھیں اِن بُرے اوصاف سے بچنا چاہیے۔ دوسروں کے عیب ڈھونڈنے والا اور غیبت کرنے والا اپنی نیکیاں برباد کرتا ہے اور کئی گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے۔ آپ نے اُسے مٹھائی کا تھال بھیجا اور فرمایا: بَلَغَنِيْ أَنَّكَ أَهْدَيْتَ إِلَيَّ حَسَنَاتِكَ فَكَافَأْتُكَ۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم نے اپنی نیکیاں مجھے تحفے میں دی ہیں، یہ میری طرف سے جوابی تحفہ ہے۔ (الرسالۃ القشیریۃ، باب الغیبۃ: ج:1، ص:292، دار المعارف)

سیدتنا اَسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ کیا مَیں تمھیں تمہارے بہترین افراد کے بارے میں نہ بتاؤں؟ عرض کی گئی: کیوں نہیں، ارشاد فرمایئے! فرمایا: اَلَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللهُ۔ "(تم میں بہترین وہ ہیں) جنھیں دیکھ کر اللہ کی یاد آئے۔"[1] پھر فرمایا: کیا میں تم کو اُن لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے بُرے ہیں؟ عرض کی: حضور! راہ نمائی کیجیے! فرمایا: اَلْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفْسِدُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ۔ "وہ لوگ جو چغلی کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان فساد ڈالتے ہیں اور پاک لوگوں میں عیب نکالتے ہیں۔" (الأدب المفرد، حدیث:323۔ مسند احمد، حدیث:27599۔ حسن لغیرہ)

انسان اگر اپنے عیب ڈھونڈ کر اُنھیں دُور کرے تو اپنی اصلاح بھی ہو جاتی ہے اور ربِّ کریم کی خصوصی رحمت بھی نصیب ہوتی ہے۔

---

[1] اُنھیں ربّ تعالیٰ کا اتنا قرب نصیب ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کے دل میں بھی یادِ خدا پیدا ہو جاتی ہے یا اُنھیں دیکھ کر زبان پر ذکرِ الٰہی جاری ہو جاتا ہے۔

وعید یافتگان... وُضو میں کوتاہی برتنے والے

نماز کے لیے وضو شرط ہے اور کوئی شرعی عذر نہ ہو تو بغیر وضو کے نماز ادا نہیں ہوتی۔ بعض اوقات جلدی یا بے توجّہی میں انسان صحیح طرح سے وُضو نہیں کرتا اور جن اعضا کو دھونا فرض ہے اُن کا کچھ حصہ خشک رہ جاتا ہے۔ سرورِ عالم ﷺ نے وُضو کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے اعضائے وضو میں سے کوئی عضو پوری طرح نہ دھونے والوں کو بھی تباہی کی وعید ارشاد فرمائی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ہم امام الانبیا ﷺ کے ہمراہ مکہ مکرّمہ سے مدینہ منوّرہ زَادَھُمَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا کی طرف لوٹے، راستے میں ایک جگہ پانی دستیاب ہوا تو کچھ لوگوں نے نمازِ عصر کو جلد ادا کرنے کے لیے تیزی میں وضو کیا، اُن کی ایڑیاں خشک رہ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ أَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ۔ ”اِن ایڑیوں والوں کے لیے تباہی ہے، کامل وضو کیا کرو (فرائض اور سنتوں کو پوری طرح ادا کیا کرو)۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 241)

وُضو میں چہرہ، کہنیوں سمیت بازو اور (موزے نہ پہنے ہوں تو) ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا فرض ہے۔ ”دھونے“ کا مطلب یہ ہے کہ اِن اعضا پر اِس طرح پانی بہایا جائے کہ ہر حصے سے پانی کے کم از کم دو قطرے ٹپکیں، تیل کی طرح پانی مل لینے سے دھونے کا فرض پورا نہیں ہوتا۔ یوں ہی اگر کسی عضو کا معمولی سا حصہ بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا... اور ظاہر ہے کہ وضو نہ ہو تو نماز بھی ادا نہیں ہوتی اور بجائے ثواب کے انسان گناہ گار ہوتا ہے۔ اعضا پوری طرح نہ دھونے والوں کو اِس حدیثِ پاک میں تباہی کی وعید سنائی گئی ہے۔

یوں ہی وضو میں سنتوں اور مستحبات کا لحاظ کرنا چاہیے؛ تاکہ پورا ثواب حاصل ہو۔ موسمِ سرما کی آمد قریب ہے، اگر گرم پانی دستیاب نہ ہو تو بہت مرتبہ سردیوں میں کامل وُضو کے حوالے سے سُستی ہو جاتی ہے۔ موسم کوئی بھی ہو... شرعی حکم پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنا مومن کو زیب نہیں دیتا۔ پھر سردیوں میں کامل وضو پر زیادہ ثواب کی بھی بشارت عطا فرمائی گئی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ ”کیا مَیں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات بلند فرماتا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ! کیوں نہیں؟ (ضرور ارشاد فرمایئے) فرمایا: إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ۔ ”مشقّتوں میں کامل وضو کرنا، مساجد کی طرف قدموں کی کثرت کرنا (مسجد میں نماز باجماعت کی پابندی کرنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا (دل کو نماز اور مسجد سے لگائے رکھنا)۔ تمہارے لیے یہی رِباط (جہاد کے لیے تیاری کی طرح) ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 251)

اِس حدیثِ مبارک کے مطابق سردی میں... جب پانی استعمال کرنا مشکل ہوتا ہے... سنت کے مطابق تمام اعضا کو دھونا ایسا عظیم الشان عمل ہے جس کی برکت سے گناہوں کی بھی معافی ملتی ہے اور درجات کی بلندی بھی عطا ہوتی ہے۔

وعید یافتگان... سخت دل لوگ

راہِ نجات پر چلانے کے لیے جن لوگوں کو تباہی کی وعید سنائی گئی اُن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کے دل سخت ہو چکے ہیں اور اُن پر حق بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ارشادِ ربّانی ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ ”تو کیا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا، وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو (وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے گمراہی کی مہر لگا دی ہو؟) تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے سخت ہو گئے، وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔“ [الزمر 22:39]

دل کی اہمیت: دل جسم کا بادشاہ ہے، یہ سنور جائے تو پورا جسم سنور جاتا ہے اور یہ بگڑ جائے تو تمام بدن نافرمان ہو جاتا ہے۔ کائنات کی سب سے بڑی دولت، یعنی ربِّ کریم کی معرفت و پہچان اِسی دل سے ہی ہوتی ہے۔ اِس سے بڑھ کر دل کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے کہ لوگ چہرہ دیکھتے ہیں، مگر مالکِ کریم کی نگاہِ عنایت دل کی طرف ہوتی ہے!

دل کی نرمی اور سختی: جن چیزوں کو ہم اپنے ہاتھوں سے چھوتے ہیں اُن کے نرم یا سخت ہونے کا مطلب واضح ہے، مگر دل کی نرمی اور سختی اُن کی طرح نہیں۔

- دل نرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں خوفِ خُدا ہو... اطاعتِ الٰہی کی لذّت اور خُشوع نصیب ہو... دل پر قرآن و سنت سے نصیحت کا اثر ہو... وہ موت اور آخرت کو یاد رکھے اور اُس میں دوسروں کی مشکلات کا احساس ہو۔
- جب کہ دل سخت ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اُس میں خوفِ الٰہی نہ رہے... آیاتِ کریمہ واحادیثِ طیّبہ کا اثر نہ ہو... آخرت کی فکر ختم ہو جائے... تمام تر توجّہ دُنیاوی اُمور کی طرف ہی ہو... اور دل میں بخل، بدگمانی اور حسد وغیرہ بُرے اوصاف گھر کر جائیں۔

دل سخت ہونے کی وجوہات: دل کی اہمیت کے پیشِ نظر علمائے کرام نے آیاتِ کریمہ اور احادیثِ طیبہ کی روشنی میں اُن اسباب کو ذکر فرمایا ہے جن کی وجہ سے دل سخت ہو جاتا ہے؛ تاکہ اُن سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ چند اسباب یہ ہیں:

1) یادِ الٰہی سے اعراض: سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ نے ارشادِ نبوی روایت کیا: «مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔» ”اپنے ربّ تعالیٰ کو یاد کرنے والا زندہ شخص کی طرح ہے اور اُس کی یاد سے محروم مُردہ انسان کی طرح ہے۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 6407) جسم کی ساری بہار زندگی کے ساتھ ہے اور دل کی تمام تر رونق یادِ الٰہی کے ساتھ ہے، روح بدن سے نکلتے ہی جسمانی زندگی ختم ہو جاتی ہے، یوں ہی جو شخص ربّ تعالیٰ کو یاد نہ کرے اُس سے رُوحانیت ختم ہو جاتی ہے۔

2) گناہوں کی کثرت: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشادِ نبوی مروی ہے: إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى يَعْلُوَ قَلْبَهُ۔ "مسلمان جب گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں سیاہ داغ لگ جاتا ہے، اگر توبہ کر لے، باز آجائے اور معافی مانگ لے تو اُس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے، اگر مزید گناہ کرے تو سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتّٰی کہ دل پر چھا جاتی ہے۔"

پھر فرمایا: "یہ وہ زنگ ہے جسے ربّ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا: كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔[1] ہر گز نہیں! بلکہ اُن کے اعمال نے اُن کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔" (مسند احمد، حدیث: 7952۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 4244)

3) فضول گوئی: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ قَسْوَةٌ لِّلْقَلْبِ، وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي۔ یعنی "ذکر اللہ کے بغیر زیادہ فضول گفتگو نہ کرو؛ کیونکہ ذکر اللہ کے بغیر زیادہ باتیں کرنا دل کی سختی کا سبب ہے اور سخت دل والا بندہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے دُور ہوتا ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث: 2411۔ ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح، زیرِ حدیث: 2276)

4) گانا: صاحبِ نعلین ووِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شاہِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا: «اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ۔»[2] یعنی "گانے (کی محبت اور اُسے سننے) سے دل میں منافقت پیدا ہوتی ہے۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 4927)

تربیت: جس خوش نصیب کا دِل زندہ ہو اُس کی روح بدن سے نکل جائے تو بھی اُسے "پاکیزہ زندگی" عطا ہوتی ہے، لیکن اگر کسی کا دل مُردہ ہو تو جسمانی حیات کے باوجود وہ حقیقت میں "زندہ" کہلانے کے لائق نہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"دلِ مُردہ" دل نہیں ہے، اِسے زندہ کر دوبارہ — کہ یہی ہے اُمّتوں کے مرَضِ کُہن کا چارہ

اگر ہم حقیقت پسند بن کر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہمیں بھی اپنے دلوں کو نرم اور زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ رُوحانیت سے خالی جیسی بے کیف زندگی ہم گزار رہے ہیں یہ "زندگی" کہلانے کے لائق نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ قرآن و سنت میں دلوں کو نرم کرنے کے جو ذرائع بیان ہوئے ہیں اُنھیں اختیار کر کے دلوں کی سختی کا علاج کریں... قلوب کو یادِ الٰہی سے آباد کریں اور اُن میں محبتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن کریں... توبہ و استغفار کے ذریعے مَن کی سیاہی دُور کریں... موت کو بکثرت یاد کر کے ضمیر کو خوابِ غفلت سے جگائیں... قرآنِ حکیم کی تلاوت اور اُس میں تدبّر سے اپنے باطن کو منوّر کریں اور یتیموں، مسکینوں اور کمزوروں کی مدد کر کے قلب کو نرم کریں۔

---

[1] المطففین 83:14

[2] وروی البیہقی عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوعًا: اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ۔ (شعب الایمان: 4746)
وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفا قَالَ: اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ، وَالذِّكْرُ يُنْبِتُ الْإِيمَانَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ۔ (السنن الکبریٰ: 21007)

وعید یافتگان... نماز سے غفلت برتنے والے

مخلوق پر رحمت فرماتے ہوئے اُنھیں ہلاکت سے بچانے کے لیے ربّ تعالیٰ نے اُن افراد کو بھی تباہی کی وعید سنائی جو نماز سے غفلت کا مُظاہرہ کرتے ہیں اور اِس حوالے سے منافقوں کے طریقے پر چلتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ o الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ o الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ o وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ o "اُن نمازیوں کے لیے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں، وہ جو رِیاکاری (دِکھاوا) کرتے ہیں اور (کسی کے مانگنے پر) استعمال کی معمولی چیز بھی نہیں دیتے۔" [الماعون 107:4 تا 7]

آیتِ کریمہ میں بنیادی طور پر منافقوں کو تباہی کی وعید سنائی گئی ہے اور اُن کی تین نہایت بُری عادتیں بیان ہوئی ہیں:

1) نمازوں سے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں... لوگوں کے سامنے تو نماز پڑھتے ہیں، مگر تنہائی میں چھوڑ دیتے ہیں۔
2) رِیاکاری کرتے ہیں... ربّ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نہیں، بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔
3) لوگوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ بھی ایسا قبیح ہوتا ہے کہ کوئی اُن سے استعمال کی معمولی چیز، مثلاً سوئی، ہنڈیا یا پیالہ وغیرہ مانگے تو اُسے دینے میں بھی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ قرآنِ حکیم ہر دَور میں، ہر خطّے کے لوگوں کی راہ نمائی فرماتا ہے۔ چنانچہ مُنافقوں کے بارے میں نازل ہونے والی یہ آیاتِ کریمہ اُن مسلمانوں کو بھی جھنجوڑتی ہیں جو منافق تو نہیں، مگر منافقوں والے کام کرتے ہیں:

❖ وہ مسلمان جو "نماز سے غفلت" کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مثلاً:

- پابندی سے نہیں پڑھتے: کبھی پڑھ لی اور کبھی چھوڑ دی... یا کچھ پڑھ لیں اور کچھ چھوڑ دیں۔
- وقتِ مقرّر پر ادا نہیں کرتے: کبھی مستحب وقت میں پڑھ لی تو کبھی وقتِ جواز میں... کبھی کراہت والی ساعت میں تو کبھی ٹائم گزر جانے کے بعد۔
- فرائض وواجبات کو پورا نہیں کرتے: نماز کے تفصیلی احکام سیکھتے ہی نہیں یا اُن کی پابندی نہیں کرتے، اتنی جلدی میں یا سستی سے نماز پڑھتے ہیں کہ کچھ فرائض یا واجبات چھوٹ جاتے ہیں۔
- باجماعت نہیں پڑھتے: مَرد حضرات پر شرائط موجود ہونے کی صورت میں باجماعت نماز ادا کرنا واجب ہے اور شرعی وجہ کے بغیر جماعت کو چھوڑنا گناہ ہے... مگر وہ لوگ جماعت کی پرواہ نہیں کرتے، کبھی جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں اور کبھی بلاوجہ اکیلے۔
  - اُن افراد کو بھی سبق سیکھنا چاہیے جو "نماز میں غفلت" کا مظاہرہ کرتے ہیں... خُشوع وخضوع اور یکسوئی اختیار نہیں کرتے، رُخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور دھیان کسی اور جانب... اگرچہ یہ لوگ اِس آیت کا مصداق نہیں ہیں۔

❖ یہ آیاتِ مبارکہ اُن مسلمانوں کو بھی خبر دار کرتی ہیں جو ریاکاری سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اپنی عبادات اِس لیے لوگوں کو دکھانے کی چاہت رکھتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے۔

❖ نیز اِن آیاتِ مقدسہ میں اُن لوگوں کے لیے بھی تنبیہ ہے جو بخل / کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور طاقت ووُسعت کے باوجود ضرورت مندوں کی ضروریات پوری نہیں کرتے۔

اہتمامِ نماز کی تاکید: سیدنا حُذَیفہ بن یَمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا، وہ رکوع وسجود صحیح طرح ادا نہیں کر رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: تم کتنے عرصے سے اِس طرح نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا: چالیس سال سے۔ فرمایا: مَا صَلَّيْتَ مُنْذُ أَرْبَعِينَ سَنَةً، وَلَوْ مُتَّ وَأَنْتَ تُصَلِّي هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَمُتَّ عَلٰى غَيْرِ فِطْرَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ چالیس سال سے تمہاری نماز (کامل) نہیں ہوئی، اگر تم اِسی طرح نماز پڑھتے فوت ہوئے تو رسولِ کریم ﷺ کی سنت کے خلاف (نماز پڑھتے ہوئے) تمہاری وفات ہوگی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اُس کی تربیت کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُخَفِّفُ وَيُتِمُّ وَيُحْسِنُ۔ یعنی آدمی نماز خواہ ہلکی پڑھے (مختصر قراءت کرے) لیکن (تمام ارکان کو) مکمل کرے اور سنت کے مطابق ادا کرے۔ (سنن نسائی، حدیث: 1312۔ مسند احمد، حدیث: 23258)

حفاظتِ نماز کی شان دار مثال: حضرت ابو الحسن محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ جناب سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم زمانہ ہیں۔ فیضِ عالم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ نے لکھا: جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو نمازِ مغرب کا وقت ہو چکا تھا، نزع کی کیفیت سے اِفاقہ ہوا اور آنکھیں کھولیں تو ملک الموت سیدنا عزرائیل علیہ السلام کو دیکھ کر کہنے لگے: قِفْ! عَافَاكَ اللهُ، فَإِنَّمَا أَنْتَ عَبْدٌ مَأْمُورٌ وَأَنَا عَبْدٌ مَأْمُورٌ، وَمَا أُمِرْتَ بِهِ لَا يَفُوتُكَ وَمَا أُمِرْتُ بِهِ فَهُوَ شَيْءٌ يَفُوتُنِي، فَدَعْنِي أَمْضِ فِيمَا أُمِرْتُ ثُمَّ امْضِ بِمَا أُمِرْتَ بِهِ. ٹھہریے! اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت دے۔ آپ بھی اللہ کے بندے ہیں، جنھیں (جان نکالنے کا) حکم ملا ہے اور مَیں بھی اللہ کا بندہ ہوں جسے (نماز پڑھنے کا) حکم ملا ہے، آپ کو جو (جان نکالنے کا) حکم ملا ہے وہ تو آپ ضرور پورا کرلیں گے، مگر مجھے جو (نماز ادا کرنے کا) حکم ملا ہے وہ مجھ سے رہ جائے گا؛ آپ مجھے مہلت دیں! مَیں اپنا فرض پورا کرلوں، پھر آپ اپنی ذمہ داری پوری کر لیجیے گا![1] چنانچہ آپ نے پانی منگوا کر وُضو کیا اور نماز ادا کرنے کے بعد جان اپنے مالک جلّ جلالہٗ کے سپرد کر دی۔

داتا صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا: اُسی رات کئی لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جواباً حضرت محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: مجھ سے یہ تو نہ پوچھو کہ رب تعالیٰ نے کیا کرم فرمایا، لیکن اتنا بتا دیتا ہوں کہ تمہاری دُنیا سے میری جان چھوٹ گئی ہے۔ (کشف المحجوب، الباب الحادی عشر، ص: 189)

---

[1] ظاہر ہے کہ ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اِجازت کے بغیر ایک لمحہ تاخیر نہیں کرتے، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنھیں اِجازت ملی ہوگی کہ میرے فرماں بردار بندے کو زندگی کے آخری لمحات میں بھی میرا حکم پورا کرلینے دو۔

حرفِ آخر... وعیدِ باری اور انسان کی خواری

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی بادشاہی ازلی ابدی ہے... وہ تب بھی بادشاہ تھا جب اُس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا اور وہ تب بھی بادشاہ ہو گا جب سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ تمام مخلوق فرماں بردار بن جائے تو اُس کی سلطنت میں کوئی اِضافہ نہیں کر سکتی اور پوری مخلوق نافرمان ہو جائے تو اُس کی شہنشاہی میں کوئی کمی نہیں کر سکتی۔ دُنیاوی حکمران اپنے مفادات کے تحفّظ اور حکومت کو بچانے کے لیے دھمکیاں دیتے ہیں اور بڑ لگاتے ہیں، مگر قادرِ مطلق عزّوجلّ کو اپنی شہنشاہی کی خاطر دھمکیاں دینے کی کوئی حاجت نہیں۔ اُس نے اپنے کلامِ حکیم میں جن باتوں پر وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں وہ سب ہمارے فائدے اور ہمیں تباہی سے بچانے کے لیے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔

”اور یوں ہی ہم نے اِسے عربی قرآن نازل فرمایا اور اِس میں طرح طرح سے وعیدیں بیان کیں؛ تاکہ لوگ ڈریں یا قرآن اُن کے دلوں میں نصیحت قبول کرنے کا جذبہ پیدا کرے۔“ [طٰہٰ 20:113] معلوم ہوا کہ قرآنِ حکیم میں عذاب کی مختلف وعیدیں اِسی لیے ہیں کہ لوگ انعام کے شوق میں اور سزا کے خوف سے نافرمانی چھوڑ دیں اور فرماں بردار بن جائیں۔

وہ شخص بہت خوش نصیب ہے جو ربّ تعالیٰ کی طرف سے وعید سن کر برائی چھوڑ دے اور اپنی اصلاح کر لے، جب کہ وہ انسان سخت نالائق ہے جس کے دل پر تمام جہانوں کے ربّ کی طرف سے دھمکی کا کوئی اثر نہ ہو، وہ اُسے ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دے اور اپنے کرتوتوں میں مگن رہے۔

اصلاحِ احوال کے لیے آخری دو خطبات میں اُن جرائم کا تذکرہ ہوا جن کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے ربِّ ذوالجلال اور اُس کے رسولِ بشیر ونذیر ﷺ نے وَیْل (ہلاکت وتباہی) کی وعید ارشاد فرمائی ہے:

1) وہ لوگ جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں اور دوسروں کو اُن کا حق پورا نہیں دیتے۔
2) وہ جو سچ کی پابندی نہیں کرتے اور لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔
3) وہ جو اپنی مستی میں مگن رہتے ہیں اور حق وشریعت کی بات ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔
4) جو اپنے عیبوں کی اصلاح کرنے کے بجائے دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہیں اور بلاوجہِ شرعی غیبت کر کے اپنی نیکیاں بھی برباد کرتے ہیں اور گناہ کا بوجھ بھی سر لیتے ہیں۔
5) جن کے بُرے اعمال کے سبب اُن کے دل سخت ہو چکے ہیں... وہ موت کو بھلا کر دُنیا میں مگن ہیں اور اُن کے دلوں سے ربّ ذوالجلال کا خوف ختم ہو چکا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ یادِ الٰہی، محبتِ رسولِ کریم ﷺ، تلاوتِ قرآنِ حکیم اور موت کو کثرت کے ساتھ یاد کر کے اپنے دل کی بیماری کا فوری علاج کریں۔

6) جو وضو کرتے ہوئے اُس کے فرائض پورے نہیں کرتے۔

7) نماز سے غافل لوگ...جو:

i. نماز کی پابندی نہیں کرتے۔

ii. یا اُسے وقتِ مقرر پر نہیں پڑھتے۔

iii. یا نماز کے فرائض وواجبات کو پورا نہیں کرتے۔

iv. یا جماعت میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

شریعت نے جس قدر نماز کی تاکید فرمائی ہے اُس کے پیشِ نظر ہمیں نماز اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہونی چاہیے۔

شرعی مسئلہ: بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہونا اچھا عمل ہے اور دُنیا وآخرت کی کئی بھلائیوں کا ذریعہ ہے۔ شریعت کی پابندی کرتے ہوئے باادب طریقے سے مزاروں پر حاضر ہونا چاہیے۔

حاضری کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پاؤں والی جانب سے حاضر ہوں اور چہرے کے سامنے تقریباً چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہو کر درمیانی آواز میں سلام پیش کریں، پھر حسبِ موقع بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ایصالِ ثواب کریں اور صاحبِ مزار کے وسیلے سے ربّ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا مانگیں، جب واپس لوٹنا ہو تو سلام کر کے پاؤں والی جانب سے ہی واپس آجائیں۔

(فتاوٰی رضویہ، ج:9، ص:522، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، ملخصًا)

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے طفیل ہمیں راہِ نجات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور تباہی کے راستے سے بچائے۔ ربِّ کریم ہمیں اُن تمام کاموں سے بچنے کی توفیق سے نوازے جن پر قرآن وسنّت میں وَیْل وہلاکت کی وعید فرمائی گئی ہے۔

خالقِ کائنات تمام اُمّتِ مسلمہ سے مصائب وآلام دُور فرمائے، مظلوموں کی غیبی تائید ونصرت فرمائے، خصوصًا اہلِ غزہ کو اِعانت سے نوازے، اسرائیلی درندوں کو اتحادیوں سمیت تباہ وبرباد فرمائے اور اُمّت کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزّہ کے مظلوموں کے ساتھ عملی طور پر تعاون کرنے کی توفیق عطا کرے!

ربِّ کریم پاکستان کو تمام آفات، بحرانوں اور ہر طرح کے انتشار سے نجات دے اور حکمرانوں کو ملک وقوم کا خیر خواہ بنائے!

آمین بجاہ النبیِّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

۳ جُمادَی الاُخرٰی ۱۴۴۶ھ/06 دسمبر 2024ء

یومِ جُمُعہ سیّدِ ایّام ہے

(شبِ جمعہ، روزِ جمعہ اور نمازِ جمعہ کے فضائل وآداب)

مشمولات

- اُمّتِ مصطفویّہ پر خصوصی رحمتیں اور جمعہ کی عظمتیں
- سیدِ ایّام... ربّ تعالیٰ کا عظیم انعام
- شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ کے فضائل
- سنتِ مؤکّدہ وغیرِ مؤکّدہ کی ادائیگی میں فرق
- روزِ جمعہ کے چند آداب
- نمازِ جمعہ کے فضائل
- نمازِ جمعہ کے بعض آداب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَیۡعَ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔

ربّ تعالیٰ اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کے ساتھ نسبت کی برکت سے اُمّتِ مصطفویّہ کو بے پناہ رحمتوں سے نوازتا ہے۔ یہ نسبت ہی کا صدقہ ہے کہ ہمیں ملنے والی شریعت سب سے آسان ہے، جب کہ روزِ قیامت اِس پر اجر سب سے زیادہ عطا کیا جائے گا... یہ بھی تعلق کی ہی قدر ہے کہ ہم زمانے کے اعتبار سے آخری ہیں، جب کہ حساب وکتاب اور جنت میں داخلہ تمام اُمّتوں سے پہلے ہو گا... یہ بھی اُن کی غلامی کا ہی انعام ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کے اربوں افراد کو بلا حساب جنت عطا کی جائے گی اور یہ بھی خاتم الانبیا ﷺ کے قدموں کی ہی خیرات ہے کہ یہ آخری اُمّت اجتماعی طور پر کبھی گمراہ نہیں ہو گی، اکثریت کے عقائد ہمیشہ حق ہی رہیں گے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے طفیل باری تعالیٰ نے اِس اُمّت کو ایسے دن اور راتیں عطا فرمائی ہیں جن میں اُس کی خصوصی رحمتوں کی بَرکھا برستی ہے، اِنھیں خاص اوقات میں سے شبِ جمعۃ المبارک اور روزِ جمعۃ الکریم بھی ہیں۔

احادیثِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ربِّ کریم نے ازل سے جمعہ شریف کو بابرکت وپُر رحمت اور خاص دن بنایا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی اِس کی تعظیم کا حکم دیا گیا، مگر یہودیوں نے اپنے لیے ہفتہ کو اور عیسائیوں نے اپنے لیے اتوار کو منتخب کیا، تاہم ربّ تعالیٰ نے اِس امّت پر کرم فرمایا اور اِس نے توفیقِ الٰہی سے جمعۃ المبارک کو اختیار کر لیا۔[1]

روزِ جمعہ اور اِس میں فرض ہونے والی نمازِ جمعہ... دونوں کو بارگاہِ الٰہی میں نہایت عظمت حاصل ہے۔ قرآن وسنّت میں اِن سے متعلق متعدد احکام وآداب ارشاد فرمائے گئے ہیں... آداب واحکام کا لحاظ رکھنے والے خوش نصیبوں کو رحمت ومغفرت کی بشارتیں دی گئی ہیں اور ناقدری وبے ادبی کرنے والے نالائقوں کو وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

دین سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ زیادہ تر لوگ اِس عظیم الشان دن کو عام دنوں کی طرح گزار دیتے ہیں... چند منٹ کے لیے مسجد میں جا کر دو فرض یا ساتھ میں سنّتیں ادا کر لیتے ہیں اور باقی پورا دن وہی معمول کی مصروفیات ہوتی ہیں... اور ایک بڑی تعداد اُن لوگوں کی بھی ہے جو اِس مبارک دن کو نیکیوں میں گزارنے کے بجائے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اِس مبارک دن کی برکتیں سمیٹنے کے لیے آج کے خطبہ میں جمعہ شریف کے حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

---

[1] فی روایۃ سیدینا أبی ھریرۃ وحذیفۃ مرفوعًا: أَضَلَّ اللّٰہُ عَنِ الۡجُمُعَةِ مَنۡ کَانَ قَبۡلَنَا، فَکَانَ لِلۡیَهُوۡدِ یَوۡمُ السَّبۡتِ وَکَانَ لِلنَّصَارٰی یَوۡمُ الۡأَحَدِ، فَجَاءَ اللّٰہُ بِنَا فَهَدَانَا اللّٰہُ لِیَوۡمِ الۡجُمُعَةِ۔ (صحیح مسلم، الحدیث: 856)
وفی روایۃ آخر: ثُمَّ هٰذَا یَوۡمُهُمُ الَّذِیۡ فُرِضَ عَلَیۡهِمۡ فَاخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ، فَهَدَانَا اللّٰہُ... (صحیح البخاری، الحدیث: 876)

شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ کے فضائل

جمعۃ المبارک کو عطا ہونے والی بے شمار خصوصیات میں سے چند کا ذکر رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی زبانِ اقدس سے بھی فرمایا ہے۔

سیدنا ابو لُبابہ رِفاعہ اور سیدنا سعد بن عُبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَ اللهِ، وَهُوَ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ مِنْ يَوْمِ الْأَضْحَى وَيَوْمِ الْفِطْرِ۔ ”یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور سب سے عظیم ہے[1]... اور بارگاہِ الٰہی میں اِس کی عظمت عید الاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔“

مزید فرمایا: فِيهِ خَمْسُ خِلَالٍ۔ ”اِس میں پانچ اوصاف ہیں (جن سے اِس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے)“:

1) خَلَقَ اللهُ فِيهِ آدَمَ۔ ”ربّ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعۃ المبارک میں پیدا فرمایا۔“

2) وَأَهْبَطَ اللهُ فِيهِ آدَمَ إِلَى الْأَرْضِ۔ ”اور اِسی روز میں اُنھیں زمین کی طرف اُتارا (جس سے نسلِ انسانی کا آغاز ہوا)۔“

3) وَفِيهِ تَوَفَّى اللهُ آدَمَ۔ ”اور اِسی میں اُنھیں وفات دی (اور وہ دُنیا کی مَشقتوں سے آزاد ہو کر خاص رحمت میں پہنچے)۔“

4) وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يَسْأَلُ اللهَ فِيهَا الْعَبْدُ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ مَا لَمْ يَسْأَلْ حَرَامًا۔ ”اور اِس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں بندہ ربّ تعالیٰ سے کوئی بھی شے مانگے تو وہ اُسے عطا فرما دیتا ہے، جب تک حرام کا سوال نہ کرے۔“

5) وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ۔ ”اور اِسی دن میں قیامت قائم ہو گی (پھر پیاروں کو جنت اور بے پناہ انعامات سے نوازا جائے گا)۔“

مزید فرمایا: مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا أَرْضٍ وَلَا رِيَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ إِلَّا هُنَّ يُشْفِقْنَ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔

”ہر مقرّب فرشتہ، آسمان و زمین، ہوائیں، پہاڑ اور دریا... سبھی جمعۃ المبارک کے دن سے ڈرتے ہیں (کہ کہیں آج ہی قیامت کا دن نہ ہو)۔“

(سننِ ابنِ ماجہ، حدیث: 1084۔ مسند احمد، حدیث: 22457)

جمعہ میں وفات کی فضیلت: سیدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔ ”جو مسلمان جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات کو وفات پائے اللہ تعالیٰ اُسے قبر کی آزمائش (حساب و سوال اور عذاب) سے محفوظ رکھے گا۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 1074۔ مسند احمد، حدیث: 6582، حسن لغیرہ)

مغفرتِ عامہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام الانبیا ﷺ سے روایت کیا: إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَيْسَ بِتَارِكٍ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا غَفَرَ لَهُ۔ یعنی ”اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن (آداب کا لحاظ رکھنے والے) ہر مسلمان (کے صغیرہ گناہوں) کی بخشش فرما دیتا ہے۔“ (المعجم الاوسط، حدیث: 4817، اِسنادہ حسن)

---

[1] دنوں میں جمعہ افضل ہے اور راتوں میں ”شبِ قدر“ اعظم ہے۔ (مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث: 1363)

روزِ جمعہ کے چند آداب

کوئی چیز جس قدر اہم ہو اُس کے آداب بھی اُتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ روزِ جمعہ سیّد ایّام ہے، چنانچہ اِس کے آداب بھی اِسی اعتبار سے ہیں اور خود سیدِ عالم ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ چند آداب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

غسل وخوشبواورعمدہ لباس: جمعۃ المبارک کی تعظیم کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔ اِسی طرح خوشبو لگانا، ناخن تراشنا، مسواک کرنا، غیر ضروری بال دُور کرنا اور عمدہ لباس پہننا سنّت و مستحب ہے۔

سیدنا ابو ذر جُندُب غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم المرسَلین ﷺ نے فرمایا: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَأَحْسَنَ غُسْلَهُ، وَتَطَهَّرَ فَأَحْسَنَ طُهُورَهُ، وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ، وَمَسَّ مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ مِنْ طِيبِ أَهْلِهِ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ وَلَمْ يَلْغُ وَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى۔ یعنی ”جو مسلمان جمعہ کے دن اچھی طرح (سنت کے مطابق) غسل کرے، خوب پاکیزگی حاصل کرے (غیر ضروری بال اُتارے اور ناخن تراشے)، بہترین لباس پہنے اور جو نصیب میں لکھی ہے وہ خوشبو لگائے... پھر جمعہ کے لیے حاضر ہو، نہ تو بے کار بات کرے اور نہ ہی دو مسلمانوں (کے درمیان گنجائش نہ ہونے کے باوجود بیٹھ کر اُن) میں جدائی ڈالے تو اللہ تعالیٰ اِس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے اُس کے (صغیرہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا۔“

(سنن ابن ماجہ، حدیث:1097)

سیدنا ابو اُمامہ صُدَیّ بن عَجْلان باہِلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ اطہر ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لَيَسْتَلُّ الْخَطَايَا مِنْ أُصُولِ الشَّعْرِ اسْتِلَالَةً [اسْتِلَالًا]۔ ”جمعہ کے روز غسل بالوں کی جڑوں سے بھی (صغیرہ) گناہوں کو نکال دیتا ہے۔“

(المعجم الکبیر للطبرانی، ج:8، ص:256، حدیث:7996، قال الھیثمی: رجالہ ثقات. مجمع الزوائد، زیرِ حدیث:3063)

اُمُّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نبیِ اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا تو لوگوں کو چمڑے کا لباس پہنے دیکھ کر فرمایا: مَا عَلَى أَحَدِكُمْ إِنْ وَجَدَ سَعَةً أَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِجُمُعَتِهِ سِوَى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهِ۔ یعنی ”اگر گنجائش ہو تو تم میں کسی پر تنگی نہیں کہ کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے (بہترین) جوڑے کا اہتمام کرے۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث:1096)

قرآنِ مجید کی تلاوت: جمعۃ المبارک میں اعمالِ صالحہ کا ثواب بڑھ جاتا ہے، چنانچہ اِس میں قرآنِ حکیم کی مختلف سورتوں کی تلاوت کرنی چاہیے، احادیثِ کریمہ میں اِس پر خاص رحمتوں اور کثیر اجر و ثواب کا ذکر ہے۔

سیدنا ابو سعید سَعد خُدری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ یعنی ”جو یومِ جمعہ (یا شبِ جمعہ) کو سورۂ کہف کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اُس کے اور کعبۂ مشرفّہ کے درمیان ایک

نور روشن فرمادے گا۔" (یہ نور کہاں ہو گا؟ مختلف احتمالات ہیں: چہرے پر ہو گا یا دل میں... زندگی میں یا قبر و حشر میں۔ [مرآۃ و فیض القدیر])

(سنن سعید بن منصور، حدیث: 1368۔ المستدرک، حدیث: 3432، روی مرفوعًا وموقوفًا والموقوف أصح ومثل هذا الموقوف مرفوع حكمًا)

دُرودِ پاک کی کثرت: سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق سید المرسَلین ﷺ نے جمعۃ المبارک کے کچھ فضائل بیان کر کے ارشاد فرمایا: أَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ۔ "جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجا کرو[1]؛ اِس لیے کہ تمہارا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے (اِس دن میں خصوصی قبولیت ہوتی ہے)۔" صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے درودِ پاک پہنچنے کی کیفیت پوچھنے کے لیے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! ہمارا دُرود آپ کی خدمت میں کیسے پیش ہو گا، حالانکہ آپ کا تو وصالِ اقدس ہو جائے گا؟ فرمایا: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے (چنانچہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں)۔"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 1029، 8681، علی شرط الشیخین۔ سنن نسائی: 1374۔ سنن ابو داؤد: 1047۔ ترجمہ و تشریح از مرقاۃ و مرآۃ)

ساعتِ قبول کی تلاش: جمعۃ المبارک کے بے شمار فضائل میں سے ایک "ساعتِ اجابت و قبول" بھی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالکِ کونین ﷺ نے جمعہ شریف کا ذکر کر کے فرمایا: فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى شَيْئًا، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ۔ یعنی "جمعہ شریف میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جو مسلمان کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے اُسے پالے تو وہ ربِّ کریم سے جو بھلائی بھی مانگے اللہ اُسے عطا فرمادے گا۔" نبیِ غیب داں ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ وہ وقت بہت تھوڑا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 935)

اِس حدیثِ مبارک میں قبولیت والے لمحے کا ذکر ہے، مگر اُس کی تعیین نہیں ہے؛ تاکہ بندے شوق و ذوق کا مظاہرہ کریں اور اُس لمحے کو پانے کی خاطر پورا دن عبادات اور کارہائے خیر میں مصروف رہیں۔[2] تاہم دیگر روایات سے قبولیت والی گھڑی کی راہ نمائی ملتی ہے:

1) یہ خطیب کے خطبہ کے لیے بیٹھنے سے لے کر اختتامِ نماز تک ہے۔ 2) یہ جمعہ کے آخری لمحات ہیں۔ (بہارِ شریعت، ج: 1 (ب)، ص: 754)

زیارتِ قُبور: قبروں کی زیارت انسان کو اپنی موت یاد دلاتی ہے اور اِس سے آخرت کی تیاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے؛ لہٰذا جمعۃ المبارک میں زیارتِ قبور کے لیے جانا مستحب ہے۔ روایات میں جمعہ شریف کو والدین کی قبروں پر جانے والے کی بخشش کا بھی ذکر ہے۔[3]

---

[1] جمعۃ المبارک افضل دن ہے اور دُرودِ پاک افضل نفلی عمل ہے؛ لہٰذا افضل وقت میں زیادہ سے زیادہ افضل عمل کیا جائے۔ نیز جمعہ سیدِ ایّام ہے، چنانچہ اِس میں سیدِ انام ﷺ کے حضور کثرت سے دُرود بھیجا جائے۔ (مرقاۃ المفاتیح، زیرِ حدیث: 1361)

[2] وَالْحِكْمَةُ فِي إِخْفَائِهَا لِيَشْتَغِلَ النَّاسُ بِالْعِبَادَةِ فِي جَمِيعِ أَجْزَاءِ نَهَارِهَا، رَجَاءَ أَنْ يُوَافِقَ دُعَاؤُهُمْ وَعِبَادَتُهُمْ إِيَّاهَا۔ (مرقاۃ المفاتیح)

[3] روی الطبرانی بإسناد ضعیف مرفوعًا: مَنْ زَارَ قَبْرَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهُ وَكُتِبَ بَرًّا۔ (المعجم الأوسط: 6114)

نمازِ جمعہ کے فضائل

باری تعالیٰ نے اوقات میں یومِ جمعۃ المبارک کو تمام ایّام کا سردار بنایا اور اعمال میں جمعہ شریف کے شب و روز میں کیے جانے والے اعمالِ حسنہ پر دیگر اعمال سے زیادہ اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔ اِس دن کا سب سے اہم اور افضل کام نمازِ جمعہ ہے۔ صلاۃِ جمعہ کی اہمیت اِس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ ربّ تعالیٰ نے اِسے بندوں پر فرض فرمایا، محبوبِ خدا ﷺ نے اِس کے آداب و فضائل سکھائے اور اُن کا پاس نہ رکھنے پر سخت وعیدیں بھی ارشاد فرمائیں۔

پہلا جمعہ: نبی کریم ﷺ نے اعلانِ نبوّت کے تیرہویں سال 12 ربیع الاوّل، بروز پیر کو قُبا شریف پہنچ کر قیام فرمایا، یہیں مسجدِ قبا موجود ہے۔ پھر جمعۃ المبارک کو شہر مدینہ میں جلوہ گری کا ارادہ فرمایا، راستے میں بنو سالم کے محلے میں جمعہ کا وقت ہوا تو یہیں نمازِ جمعہ ادا فرمائی، جس کی یادگار کے طور پر یہاں مسجدِ جمعہ قائم ہے۔ یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا پہلا جمعہ تھا۔ (المعجم الکبیر: 6/30، رقم: 5414)

شرکائے جُمُعہ: سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جانِ عالم ﷺ سے روایت کیا: "جمعہ کے لیے تین طرح کے افراد آتے ہیں":

1) رَجُلٌ حَضَرَهَا يَلْغُوْ فَهُوَ حَظُّهُ مِنْهَا۔ "وہ شخص جو بے ہودگی کے لیے آیا (مسجد اور نماز کے آداب کا لحاظ نہ کیا، محض شُغل وغیرہ کے لیے جمعہ میں شریک ہوا)، جمعہ میں اِس کا حصہ یہی ہو گا (یہ اجر و ثواب کے بجائے گناہ کا حق دار ٹھہرا)۔"

2) وَرَجُلٌ حَضَرَهَا يَدْعُوْ، فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِنْ شَاءَ أَعْطَاهُ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُ۔ "وہ آدمی جو دُعا کے لیے آیا (مگر پوری طرح آداب کا لحاظ نہ کیا)، اِس نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہے، مالکِ کریم چاہے تو اِسے عطا فرمائے اور چاہے تو نہ دے۔"

3) وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِإِنْصَاتٍ وَسُكُوْنٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ۔ "وہ شخص جو خاموشی اور سکون کے ساتھ جمعہ پڑھنے حاضر ہوا، اُس نے نہ کسی مسلمان کی گردن کو پھلانگا اور نہ ہی کسی کو تکلیف دی تو اِس کا جمعہ دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دن (کے صغیرہ گناہوں) کا کفارہ بن جائے گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: "یہ اس لیے کہ اللہ کریم فرماتا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ [الانعام 6:160] جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اُس جیسی دس نیکیاں ہیں۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 1113۔ ترجمہ و تشریح ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح و مرآۃ المناجیح)

جمعہ چھوڑنے پر وعید: سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر جلوہ گر ہو کر ارشاد فرمایا: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔ "لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں سے ہو جائیں گے۔" (صحیح مسلم: 865)

سیدنا ابو الجَعد ضَمْری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللهُ عَلَى قَلْبِهٖ۔ "جو سستی سے تین جمعے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اُس کے دل پر مہر لگا دے گا۔" (سنن ابو داؤد: 1052۔ سنن ابن ماجہ: 1125)

نمازِ جمعہ کے بعض آداب

کام جس قدر اہم ہو اُس کا اہتمام بھی اُتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ سیدِ ایّام کا اہم ترین عمل نمازِ جمعہ ہے، چنانچہ اِس کی اہمیّت ذہن نشین کروانے کے لیے رحمتِ عالم ﷺ نے اِس کے متعدّد آداب ارشاد فرمائے ہیں۔

جلد حاضری: جمعۃ المبارک کی برکات زیادہ سمیٹنے کے لیے جلد مسجد میں حاضر ہونا چاہیے، تاہم جب جمعہ شریف کی اذان ہو جائے تو خرید و فروخت سمیت تمام ایسی مصروفیات کو چھوڑنا لازم ہے جو جمعہ کی حاضری میں رکاوٹ بنیں، حتّٰی کہ اگر کوئی شخص اذان کے بعد سعی الی الجمعہ کے بجائے تجارت کرے تو وہ بیع مکروہ ہے اور اِس سودے کو فسخ / ختم کرنا لازم ہے۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ ”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر (خطبہ) کی طرف دوڑو / چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، اگر تم جانو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“ [الجمعۃ 9:62]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ۔ یعنی ”جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنے والوں (کی ترتیب کے مطابق اُن) کے نام لکھتے ہیں، جو پہلے آئے اسے پہلے لکھتے ہیں۔“

مزید فرمایا: وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً، ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً، ثُمَّ كَبْشًا، ثُمَّ دَجَاجَةً، ثُمَّ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔ یعنی ”جو جلد آئے وہ ایسے ہے جیسے کوئی حرمِ مکہ میں اُونٹ کی قربانی کرے، اُس کے بعد آنے والا حرم میں گائے کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، اس کے بعد آنے والا دنبے کی قربانی کرنے والے جیسا ہے، پھر حاضر ہونے والا مرغی کو صدقہ کرنے والے کی مانند ہے، اُس کے بعد والا انڈا صدقہ کرنے والے کی مثل ہے، جب امام (خطبہ کے لیے) نکل آئے تو فرشتے اپنے رجسٹروں کو لپیٹ دیتے ہیں اور غور سے خطبہ سنتے ہیں۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 929۔ صحیح مسلم، حدیث: 850)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے لیے آئے تو دیکھا کہ تین افراد آپ سے پہلے حاضر ہو چکے ہیں، آپ نے فرمایا: مَیں چار میں سے چوتھا ہوں اور چوتھا بھی دُور نہیں۔ پھر ارشادِ نبوی بیان کیا: إِنَّ النَّاسَ يَجْلِسُوْنَ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى قَدْرِ رَوَاحِهِمْ إِلَى الْجُمُعَاتِ، اَلْأَوَّلَ وَالثَّانِيَ وَالثَّالِثَ۔ ”یقیناً روزِ قیامت لوگ جمعہ کے لیے حاضر ہونے کی ترتیب سے اللہ تعالیٰ کے حضور بیٹھیں گے، پہلے حاضر ہونے والا پہلے نمبر پہ، پھر دوسرا، اس کے بعد تیسرا۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 1094، رجالہ ثقات)

اگلی صفوں میں بیٹھنا: جمعہ کی حاضری سمیت نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنا بے شمار سعادتوں کا ذریعہ ہے...

جب کہ رضائے الٰہی کے کاموں میں سستی کا مظاہرہ کرنا اور دُنیاوی مفادات کو ترجیح دینا سخت محرومی ہے۔

سیدنا سَمُرہ بن جُندُب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم المرسَلین ﷺ نے فرمایا: اُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوا مِنَ الْإِمَامِ؛ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا۔ "خطبہ میں حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھو؛ اِس لیے کہ آدمی دُور ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جنت (کے داخلہ) میں پیچھے رہ جائے گا، اگرچہ داخل ہو جائے۔" (سنن ابو داوٗد، حدیث:1108)

خاموشی سے خطبہ سننا: جمعہ کی دوسری اذان کے آغاز سے اختتامِ نماز تک نماز والا ہی حکم ہے، اِس دوران وہ تمام کام منع ہیں جو نماز میں جائز نہیں؛ لہٰذا مقتدی حضرات کو زبان سے دوسری اذان کا جواب دینے، دُعا کرنے، اِس دوران نماز پڑھنے اور سرورِ عالَم ﷺ کا نامِ نامی آنے پر زبان سے درودِ پاک پڑھنے، حتّٰی کہ دوسرے شخص کو گفتگو سے روکنے کی بھی اِجازت نہیں۔ بالکل نماز کے تشہد کی طرح دوزانو بیٹھ کر توجہ سے خطبہ سننا چاہیے۔ (فتاوٰی رضویہ:8/300، 301۔ بہارِ شریعت، ج:1، ص:768، ملخصًا)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور خاتم المرسَلین ﷺ نے فرمایا: إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ یعنی "جمعہ کے روز دورانِ خطبہ اگر تم اپنے ساتھ والے سے کہو: "چپ ہو جاؤ" تو تم نے بے کار بات کی۔" (صحیح بخاری، حدیث:934۔ صحیح مسلم، حدیث:851) کسی کو خاموش کروانا امر بالمعروف ہے اور فرض ہے، اس کے باوجود خطبہ کے دوران یہ ممنوع ہے تو دورانِ خطبہ نوافل ادا کرنا یا کوئی گفتگو کرنا بدرجۂ اَولیٰ ممنوع ہے۔

اذیت نہ دینا: بلاوجہ کسی مسلمان کو تکلیف دینا ہر وقت میں منع ہے، نمازِ جمعہ کے وقت میں بھی اِس سے منع فرمایا گیا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے نمازِ جمعہ کا اجر و ثواب بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا کہ نمازی کو یہ ثواب تب ملے گا جب وہ دوسروں کو تکلیف نہ دے، اُن کی گردنیں نہ پھلانگے، اِس حوالے سے حدیثِ مبارک بیان کی جا چکی ہے... تاہم اگر لوگ سستی کرتے ہوئے پچھلی صفوں میں بیٹھ جائیں اور اگلی صفوں میں جگہ خالی ہو تو عربی خطبہ شروع ہونے سے پہلے آگے جانے کی اجازت ہے۔ آغازِ خطبہ کے بعد آگے جانے کی اجازت نہیں، جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھیں۔ (بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ح:4، ص:768، ملخصًا)

سیدنا عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جمعہ کے دن سیدنا رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، نبیِ اکرم ﷺ نے اسے حکم دیا: اِجْلِسْ، فَقَدْ آذَيْتَ۔ "بیٹھ جاؤ! تم نے (لوگوں کو) اذیت دی ہے۔"
(سنن ابو داوٗد حدیث:1118۔ سنن نسائی، حدیث:1399)

سنتوں کی ادائیگی: بعض حضرات نمازِ جمعہ کے دو فرض ادا کرتے ہی مسجد سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں، اِسی طرح جمعہ کے بعد چار رکعات سنتِ مؤکّدہ ہیں اور اِنھیں چھوڑنا گناہ ہے، مزید دو رکعات سنتِ غیر مؤکدہ ہیں، پھر نوافل ہیں۔ (بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ح:4، ص:663، ملخصًا)

حرفِ آخر: سیدِ ایّام... ربّ تعالیٰ کا عظیم انعام

کائناتِ رنگ وبُو کی ساری بہاریں رسول اللہ ﷺ کے دم قدم سے ہیں، خصوصًا آپ ﷺ کے قدموں کے ساتھ نسبت کی برکت سے اُمّتِ مسلمہ کے وارے نیارے ہیں اور ربّ تعالیٰ اِس نسبت کے طفیل اِس اُمّت کو خصوصی رحمتوں سے نوازتا ہے۔

نسبتِ مصطفوی کے طفیل ہونے والے انعامات میں سے ایک جمعۃ المبارک بھی ہے... یہ دن بارگاہِ الٰہی میں تمام دنوں کا سردار ہے اور سب دنوں سے عظیم تر ہے۔

مجلسِ علماءِ نظامیہ کی فرمائش پر مولانا علی رضا فخری (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ) نے خوب لکھا:

یومِ جمعہ سیّدِ ایّام ہے		ربِّ اکبر کا عظیم اِنعام ہے
یومِ جمعہ منبعِ اکرام ہے		وجہِ شان وشوکتِ اسلام ہے
یومِ جمعہ برتر از عیدین ہے		سب مسلمانوں کا نورِ عین ہے
گُلستانِ دین کا یہ پھول ہے		اس میں بھی اک ساعتِ مقبول ہے
دین میں اس کی بڑی تاکید ہے		اس سے بخشش کی جُڑی اُمّید ہے
السلام اے مصطفیٰ کہہ دیجیے!		برکتوں سے جھولیاں بھر لیجیے!
یومِ جمعہ ہے دُعاؤں کے لیے		اپنے رب سے التجاؤں کے لیے
بخشش و غُفران کا سامان ہے		اس پہ فخریؔ دل مرا قُربان ہے

دین سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ زیادہ تر لوگ اِس عظیم الشان دن کو عام دنوں کی طرح گزار دیتے ہیں... دو رکعات فرض پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ بہت بڑا کام کرلیا ہے اور باقی پورے دن میں وہی معمول کی مصروفیات رہتی ہیں۔

اِس مبارک دن کی برکتیں سمیٹنے کے لیے آج کے خطبہ میں جمعہ شریف کے حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ:

- شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بے شمار مسلمانوں کی بخشش فرماتا ہے، چنانچہ ہمیں مغفرت یافتہ لوگوں میں شامل ہونے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔
- اِس دن میں قبولیت واجابت والی ایک ایسی گھڑی / ساعت آتی ہے جس میں ربّ تعالیٰ ہر دُعائے خیر کو قبول فرماتا ہے۔ ہمیں اُسے حاصل کرنے کی تڑپ میں پورا دن اچھے کام کرنے چاہییں... خصوصًا جمعہ کی دوسری اذان سے اختتامِ نماز تک خاموشی وکامل یکسوئی سے حاضر رہنا چاہیے، نیز جمعہ کے آخری لمحات کی قدر کرنی چاہیے؛ اِن اوقات میں قبولیت کی زیادہ اُمّید ہے۔

❖ جمعۃ المبارک کی تعظیم کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔ اِسی طرح خوشبو لگانا، ناخن تراشنا، مسواک کرنا، غیر ضروری بال دُور کرنا اور عمدہ لباس پہننا سنّت و مستحب ہے۔

❖ جمعۃ المبارک میں نیکیوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے؛ لہٰذا اِس مبارک دن میں قرآنِ مجید، خصوصًا سورۂ کہف کی تلاوت کرنی چاہیے۔ نیز سرورِ عالَم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں کثرت کے ساتھ درودِ پاک پیش کرنا چاہیے۔ ربّ تعالیٰ کے حضور خوب دُعائیں کرنی چاہییں۔

❖ فکرِ آخرت اور وفات یافتگان کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے شرعی تقاضوں کے مطابق قبروں کی زیارت کرنی چاہیے۔

❖ آداب کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرنے پر ہفتہ بھر کے صغیرہ گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے اور جمعہ میں سستی کرنے والوں کے لیے وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا؛ لہٰذا ہمیں شرعی مجبوری کے بغیر کسی صورت میں بھی نمازِ جمعہ کو نہیں چھوڑنا چاہیے اور نمازِ جمعہ کے آداب کا بھی خوب اہتمام کرنا چاہیے۔ چنانچہ:

- جلد حاضر ہونا چاہیے؛ تاکہ زیادہ ثواب ملے اور خاص رحمت والے رجسٹروں میں نام درج ہو۔ اذانِ جمعہ کے بعد قرآنِ مجید کے حکم کے مطابق خرید و فروخت سمیت تمام ایسے کاموں کو چھوڑ دینا لازم ہے جو جمعہ کی حاضری میں رکاوٹ بنیں۔
- اگلی صفوں میں بیٹھنا چاہیے؛ کہ پہلی صفوں میں شرکت پر پہلے جنت میں داخلہ کی بشارت ہے۔
- گردنیں پھلانگنے، دو افراد کے درمیان گھس کر بیٹھنے یا کسی بھی طرح سے دوسروں کو تکلیف نہیں دینی چاہیے؛ یوں ثواب ضائع ہونے کا خدشہ ہے، تاہم عربی خطبہ شروع ہونے سے پہلے اگلی صفوں میں جگہ موجود ہو تو آگے جاسکتے ہیں۔
- دوسری اذان کے آغاز سے نماز کے اختتام تک گفتگو سمیت وہ تمام کام منع ہیں جن کی دورانِ نماز اجازت نہیں؛ لہٰذا اِس دوران مکمل خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ حاضر رہنا چاہیے اور کوئی عذر نہ ہو تو تشہد کی طرح بیٹھ کر خطبہ سننا چاہیے۔
- جمعہ سے پہلے اور بعد والی چار سنتیں مؤکّدہ ہیں، اِن کے بعد دو سنتیں غیر مؤکّدہ اور پھر نوافل ہیں۔ اگر زیادہ وقت عبادت میں نہیں گزار سکتے تو کم از کم سنتیں ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

شرعی مسئلہ: چار رکعات والی سنتِ غیر مؤکّدہ اور نوافل کے پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد دُرود شریف اور دُعا پڑھنا مستحب ہے، مثلاً یوم یقوم الحساب تک پڑھیں گے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر ثنا پڑھنا بھی مستحب ہے... جب کہ سنتِ مؤکّدہ کے پہلے قعدہ میں تشہد (عبدہ ورسولہ) سے آگے پڑھنے کی اجازت نہیں، نیز تیسری رکعت کے آغاز میں ثنا بھی نہیں پڑھی جائے گی۔

۱۰ جُمادَی الاُخرٰی ۱۴۴۶ھ/ 13 دسمبر 2024ء

مُسلَّم ہے دائم فضیلت بڑوں کی

(بے ادبی کے بڑھتے ہوئے ناسور کے سدِّباب کے لیے)

مشمولات

- بڑوں کی تعظیم پر بشارات اور بے ادبی پر وعید
- بڑوں کی تکریم... بڑی سعادت
  - تکریمِ اکابر کا تعظیمِ الٰہی ہونا
  - قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد دُعا کی سنیت اور اُس کے الفاظ کا اطلاق
  - بڑوں کی بے توقیری پر وعید
- بڑوں کی تعظیم سے متعلق اہم اُمور
- نافرمانی میں کسی کی اِطاعت نہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ ضُعۡفًا وَّشَیۡبَۃً ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ ۔ [الروم 54:30]

انسان اپنی زندگی میں مختلف مراحل سے گزرتا ہے... پیدائش کے وقت وہ ایک انتہائی کمزور بچہ ہوتا ہے، نہ تو اُس میں سوجھ بوجھ ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کچھ کرنے کے قابل ہوتا ہے... پھر آہستہ آہستہ بولتا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگتا ہے... پھر لڑکپن شروع ہوتا ہے، جس میں عقل و شُعور کے دروازے کھلتے ہیں اور جسمانی طاقت بھی بڑھتی ہے... پھر جوانی کا دَور آتا ہے، جب اُس کی ذہنی و جسمانی طاقت جوبن پر ہوتی ہے، وہ صلاحیتوں کے مطابق سب کچھ سمجھتا بھی ہے اور بہت کچھ کر بھی سکتا ہے... پھر رفتہ رفتہ بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے، جسمانی قوّت بھی کمزوری میں بدلنے لگتی ہے اور عقل و شعور میں بھی فتور پیدا ہونے لگتا ہے۔

باری تعالیٰ نے اپنی اِس قدرت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ ضُعۡفًا وَّشَیۡبَۃً ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ ۔ ”اللہ ہی ہے جس نے تمھیں کمزور پیدا فرمایا، پھر اِس کمزوری کے بعد تمھیں قوّت عطا فرمائی، پھر اِس طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا طاری کیا، وہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اور وہ بہت علم والا بے حد قدرت والا ہے۔“ [الروم 54:30]

آیتِ کریمہ میں جہاں باری تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کا بیان ہے وہاں اِس بات کا بھی ذکر ہے کہ جوانی اور طاقت کے بعد بڑھاپے میں انسان کمزور ہو جاتا ہے اور اُسے دوسروں کی خدمت و سہارے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ قرآن و سنت میں عمر رسیدہ افراد کی تعظیم اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم فرمایا گیا ہے، بلکہ اِس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ دُنیا کے کسی بھی مذہب نے مُعمّر افراد کے اتنے حقوق نہیں سکھائے جتنے اسلام نے تعلیم فرمائے ہیں۔

بوڑھوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بھی اہم ہے کہ اسلام نے ”عمر میں بڑے“ حضرات کی تعظیم و تکریم کا حکم بھی دیا ہے اور ”علم و عمل میں بڑے“ بزرگوں کی تعظیم بھی لازم فرمائی ہے۔

اسلامی تہذیب سے دُوری اور یورپین کلچر سے قُرب کی نحوستوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمارے معاشرے میں ”بڑوں“ کی تعظیم کا جذبہ تیزی سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ گھر میں والدین اور دیگر رشتہ داروں کی تکریم کو دیکھیں، کلاس روم میں اساتذہ کے احترام پر بات کریں یا عمر رسیدہ حضرات کے حقوق کی پاسداری کا جائزہ لیں... ہر حوالے سے صورتِ حال بگڑتی چلی جا رہی ہے۔

چنانچہ ”تکریمِ اکابر“ کے اسلامی جذبہ کو اُجاگر کرنے کے لیے آج کے خطبہ میں اِس پہلو پر قرآن و سنت کی روشنی میں گفتگو ہو گی۔

بڑوں کی تعظیم پر بشارات اور بے ادبی پر وعید

قرآن وسنت کی تعلیمات سے معمولی آگاہی رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ اسلام میں ادب واحترام کو بہت اہمیت حاصل ہے اور دین ہمیں ہر شخص کی حیثیت کے مطابق اُس کی تکریم کا حکم دیتا ہے۔

دلوں کو معرفتِ الٰہی کے نور سے منوّر کرنے والے، قرآن وحدیث کی دولت کو سینوں میں محفوظ کرنے والے، عدل وانصاف قائم کرنے والے، دین پر عمل کی سعادت پانے والے، اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا اعزاز پانے والے، اسلام کی حالت میں لمبی عمر پانے والے... یہ سبھی "بڑے" ہیں، کوئی عمر میں بڑا ہے اور کوئی دینی اُمور میں... ہمارا دین ہمیں اِن تمام افراد کی تعظیم کا حکم دیتا ہے۔ اِن کی تکریم پر بارگاہِ الٰہی سے انعام کی بشارت ہے اور اِن کی بے توقیری پر محرومی کی وعید ہے۔

دُنیا میں انعام: کئی اعمال ایسے ہیں جن پر آخرت میں اجر وثواب کا وعدہ ہے، جب کہ بڑوں کا احترام کرنا ایسا عمل ہے جس پر آخرت میں تو انعام ہے ہی، دُنیا میں بھی نواز دیا جاتا ہے۔

پروَردۂ آغوشِ نبوّت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبوبِ ربِّ عرش ﷺ سے روایت کیا: مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِّسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللهُ لَهُ مَنْ يُّكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ۔ "جو جوان بوڑھے شخص کی عمر کی وجہ سے اُس کی تعظیم کرے تو اِس (جوان) کے بڑھاپے کے وقت اللہ تعالیٰ ایسا شخص مقرر کر دے گا جو اِس کی تکریم کرے گا۔"

(جامع ترمذی، حدیث: 2022۔ قال البکری فی دلیل الفالحین [219/3]: علی الحدیث علامۃ الحسن)

اِس حدیثِ مبارک میں بزرگوں کی تعظیم کرنے والے جوان کے لیے پہلی خوش خبری یہ ہے کہ اُسے لمبی عمر نصیب ہو گی... اور دوسری بشارت یہ ہے کہ جب یہ بڑھاپے کو پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کی خدمت وتعظیم کرنے کے لیے کسی بندے کا انتظام فرما دے گا۔[1]

حدیثِ پاک کے راوی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سال کے بچے تھے کہ اُنھیں نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت کرنے کا اِعزاز نصیب ہوا پھر یہ سلسلہ آقا کریم ﷺ کے وصالِ اقدس تک جاری رہا۔ عمر رسیدہ عام مسلمان کی خدمت رائیگاں نہیں جاتی تو جسے امام الانبیا ﷺ کی خدمت نصیب ہوئی اُس کے کیا کہنے! اللہ تعالیٰ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو عمر، اولاد اور مال میں بے مثال برکت عطا فرمائی:

- عمر میں ایسی برکت ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہ کا وصال 91ھ میں عراق کے شہر بصرہ میں ہوا، اِس وقت آپ کی عمر شریف 103 سال تھی اور بصرہ کے رہنے والے صحابہ میں سب سے آخر میں آپ ہی کا وصال ہوا۔[2]

---

[1] وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى طُولِ عُمُرِ الشَّابِّ الْمُعَظِّمِ لِلشَّيْخِ الْمُكَرَّمِ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

[2] وَهُوَ آخِرُ مَنْ مَاتَ بِالْبَصْرَةِ مِنَ الصَّحَابَةِ سَنَةَ إِحْدَى وَتِسْعِينَ، وَلَهُ مِنَ الْعُمُرِ مِائَةٌ وَثَلَاثُ سِنِينَ، وَقِيلَ: تِسْعٌ وَتِسْعُونَ سَنَةً۔ (مرقاۃ)

- اولاد میں ایسی برکت ہوئی کہ صحیح بخاری شریف کے مطابق وصال سے تقریباً پندرہ سال پہلے 75ھ میں آپ کی اولاد[1] میں سے 120 سے زیادہ حضرات وفات پا چکے تھے،[2] جب کہ 100 سے زائد موجود تھے۔[3]
- مال میں ایسی برکت عطا ہوئی کہ آپ انصار صحابہ علیہم الرضوان کے مال دار ترین افراد میں سے تھے۔[4] باقی سب باغ ایک سال میں ایک مرتبہ پھل دیتے، مگر آپ کے باغ میں دو مرتبہ پھل لگتے تھے۔[5]

آخرت میں اعزاز: بڑوں کی تکریم پر جہاں دُنیا میں نوازا جاتا ہے وہاں قبر و حشر میں بھی عزت افزائی کا وعدہ ہے۔

فقہ کے چار ائمہ میں سے ایک معروف امام حضرت امام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ ایک مرتبہ بہتے پانی سے وُضو فرما رہے تھے، پانی کی بالائی جانب ایک اور شخص وضو کر رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ میرا استعمال شدہ پانی بہہ کر جس طرف جا رہا ہے اُس جانب ربّ تعالیٰ کے ایک محبوب بندے اور مسلمانوں کے پیشوا حضرت امام احمد وُضو فرما رہے ہیں، اُس کے دل نے یہ بات گوارا نہ کی اور وہ اُٹھ کر نچلی جانب آ گیا جدھر کو امام صاحب کے وُضو کا پانی بہہ کر آ رہا تھا۔

جب اس کی وفات ہوئی تو کسی نے اُسے خواب میں دیکھ کر پوچھا: خُدائے تعالیٰ با تُو چہ کَرد؟ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیسا سلوک فرمایا؟ کہنے لگا: رَحمَتْ کَرْد؛ بَداں حُرْمَتْ دَاشْتْ کہ اِمام رَا کَرْدَمْ دَرْ وُضو سَاخْتَنْ۔ یعنی مَیں نے ایک مرتبہ وُضو کرتے ہوئے امام احمد کا ادب کیا تھا، ربّ تعالیٰ نے اُس کی لاج رکھتے ہوئے رحمت فرمائی ہے (اور بخش دیا ہے)۔[6]

(تذکرۃ الاولیاء، شیخ فرید الدین عطار، ذکرِ امام احمد بن حنبل، ص:199، مطبع فخر المطابع)

---

[1] شیخ قاری علیہ الرحمہ نے "مرقاۃ المفاتیح" میں اختیار کیا کہ اِس تعداد میں آپ کے پوتے، نواسے وغیرہ بھی شامل ہیں، جب کہ علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ نے "عمدۃ القاری" میں اختیار کیا کہ یہ تعداد صُلبی اولاد کی ہے، پوتے، نواسے وغیرہ اِس کے علاوہ ہیں۔

[2] وَحَدَّثَتْنِي ابْنَتِي أُمَيْنَةُ أَنَّهُ دُفِنَ لِصُلْبِي مَقْدَمَ حَجَّاجٍ الْبَصْرَةَ بِضْعٌ وَعِشْرُونَ وَمِائَةٌ۔ (صحیح البخاری: 1982)

[3] وَإِنَّ وَلَدِي وَوَلَدَ وَلَدِي لَيَتَعَادُّونَ عَلَى نَحْوِ الْمِائَةِ الْيَوْمَ۔ (صحیح مسلم: 2481)

[4] آپ رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا: فَإِنِّي لَمِنْ أَكْثَرِ الْأَنْصَارِ مَالًا۔ (صحیح البخاری: 1982)

[5] آپ نے خود فرمایا: «وَإِنَّ أَرْضِي لَيُثْمِرُ فِي السَّنَةِ مَرَّتَيْنِ، وَمَا فِي الْبَلَدِ شَيْءٌ يُثْمِرُ مَرَّتَيْنِ غَيْرَهَا۔» (المعجم الکبیر، حدیث: 710)
مشہور تابعی ابو العالیہ رفیع علیہ الرحمہ نے فرمایا: وَكَانَ لَهُ بُسْتَانٌ يَحْمِلُ فِي السَّنَةِ الْفَاكِهَةَ مَرَّتَيْنِ، وَكَانَ فِيهَا رَيْحَانٌ يَجِدُ مِنْهُ رِيحَ الْمِسْكِ۔
آپ کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اُس میں ایک گھاس تھی، جس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ (جامع ترمذی، حدیث: 3833)

[6] نقل است کہ بر لبِ آبی وضو می ساخت، ودیگرے بالائے اُو وُضو می ساخت. حُرمتِ امام را برخاست و زیرِ امام شد، و وضو ساخت۔ چون آن مرد وفات کرد اُو را بہ خواب دیدند۔ گفتند: خُدائے تعالیٰ با تُو چہ کَرد؟ گفت: رَحمَتْ کَرْد؛ بَداں حُرْمَتْ دَاشْتْ کہ اِمام رَا کَرْدَمْ دَرْ وُضو سَاخْتَنْ۔

تکریمِ اکابر کا تعظیمِ الٰہی ہونا: بڑوں کے احترام کا حکم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ نے دیا ہے، چنانچہ جو شخص بزرگوں کی تکریم کرے ارشادِ نبوی کے مطابق وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ[1] وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔ یعنی "تین افراد کا احترام کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے:

1) سفید بالوں والا / بوڑھا مسلمان۔

2) حاملِ قرآنِ کریم (حافظ، قاری، عالمِ دین، مفسّر، محدّث، مفتی)، جو نہ تو اُس میں حد سے بڑھے اور نہ ہی اُس سے دُور رہے (نہ اُسے غلط پڑھے یا ریاکاری کرے یا لوگوں کو گمراہ کرے اور نہ ہی اُس کی تلاوت اور اُس پر عمل سے غافل ہو)۔

3) عادل بادشاہ کی تکریم۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 4843۔ الزہد والرقائق لابن المبارک، حدیث: 388)

یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اِس حدیثِ مبارک میں بوڑھوں، قرآن والوں اور عادل حکمران کی تعظیم کا ذکر ہے، والد کا ذکر نہیں ہے؛ لہٰذا اُس کا احترام اِن کی طرح ضروری نہیں۔ اِس وہم کو دُور کرنے کے لیے معروف محدّث شیخ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا (خلاصہ): والد کا ادب بھی حقیقت میں ربّ تعالیٰ کی تعظیم ہے، تاہم سرکارِ دو عالَم ﷺ نے اِس حدیثِ پاک میں اُس کا ذکر اِس لیے نہیں فرمایا کہ اُس کی تعظیم کا حکم قرآن و سنت کی کئی نصوص سے ظاہر ہے۔ یعنی والد کے احترام کا حکم اِن حضرات کی تکریم سے بھی زیادہ واضح ہے۔[2]

بڑوں کی بے توقیری پر وعید: جس طرح بڑوں کی تکریم پر کئی بشارتیں ہیں، ایسے ہی اُن کی بے توقیری پر سخت وعید بھی ارشاد فرمائی گئی ہے۔

پَروَردۂ آغوشِ نبوّت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عمر رسیدہ صحابی سرکارِ دو عالَم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے ارادے سے آئے، لوگوں کو اُن کے بیٹھنے کے لیے گنجائش بنانے میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ چنانچہ امام الانبیا ﷺ نے تربیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَيْسَ مِنَّا[3] مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا۔ یعنی "جو مسلمانوں کے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور اُن کے بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث: 1919)

---

[1] غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ: غَيْرِ الْمُجَاوِزِ عَنِ الْحَدِّ لَفْظًا وَمَعْنًى كَالْمُوَسْوِسِينَ وَالشَّكَّاكِينَ أَوِ الْمُرَائِينَ أَوِ الْخَائِنِ فِي لَفْظِهِ بِتَحْرِيفِهِ كَأَكْثَرِ الْعَوَامِّ بَلْ وَكَثِيرٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ أَوْ فِي مَعْنَاهُ بِتَأْوِيلِهِ الْبَاطِلِ كَسَائِرِ الْمُبْتَدِعَةِ۔ (وَلَا الْجَافِي عَنْهُ) وَغَيْرِ الْمُتَبَاعِدِ عَنْهُ الْمُعْرِضِ عَنْ تِلَاوَتِهِ وَأَحْكَامِ قِرَاءَتِهِ وَإِتْقَانِ مَعَانِيهِ وَالْعَمَلِ بِمَا فِيهِ... (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 4972، بحذف یسیر)

[2] وَلَعَلَّ عَدَمَ ذِكْرِ الْوَالِدِ فِي الْحَدِيثِ لِظُهُورِهِ وَعُمُومِهِ... (أيضًا)

[3] أَيْ لَيْسَ عَلَى طَرِيقَتِنَا وَسُنَّتِنَا۔ (فیض القدیر)

بڑوں کی تعظیم سے متعلق اہم اُمور

شریعتِ مطہرہ نے بزرگوں کی تعظیم کا حکم بھی دیا ہے اور اُس کا سلیقہ بھی سکھایا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ گفتگو، نشست و برخاست، لباس و طعام اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی... تمام اُمور میں بڑوں کی تکریم کا حکم ہے۔

گفتگو میں تعظیم: دین سکھاتا ہے کہ بڑوں کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے ایسے الفاظ کا انتخاب کریں جن سے تعظیم کی خوشبو مہکے... ایسا لہجہ اپنائیں جس سے احترام واضح ہو... بات کرنے میں اُن سے پہل نہ کریں... بلا ضرورت اپنی آواز کو اُن کی آواز سے بلند نہ کریں... اختلافِ رائے ہو تو اُس کے اظہار میں بھی ادب کو پیشِ نظر رکھیں... اور کوئی ایسا لفظ نہ بولیں جس سے اُن کا دل ٹوٹے۔

شہزادۂ فاروقِ اعظم سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کا مفہوم ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کی مثال ایک سرسبز درخت کی طرح ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، وہ مسلمان کی طرح بابرکت ہے،[1] وہ کون سا درخت ہے؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میرے دل میں آرہا تھا کہ عرض کروں: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! وہ کھجور کا درخت ہے... مگر میں نے دائیں بائیں دیکھا کہ جو دس صحابۂ کرام موجود تھے، اُن میں میری عمر سب سے کم تھی۔ چنانچہ ادب و حیا کے پیشِ نظر مَیں خاموش رہا۔

پھر سرکارِ دوعالم ﷺ نے خود ہی راہ نمائی فرمائی: هِيَ النَّخْلَةُ۔ یعنی "کھجور کا درخت مسلمان کی طرح نفع بخش و بابرکت ہے۔"

آپ نے فرمایا: بعد میں مَیں نے والدِ گرامی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ اُس موقع پر مَیں یہ عرض کرنا چاہتا تھا، مگر احتراماً خاموش رہا تو اُنھوں نے فرمایا: لَوْ كُنْتَ قُلْتَهَا لَكَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَ كَذَا۔ یعنی اگر تم بارگاہِ عالی میں عرض کر دیتے تو مجھے بڑی بڑی دُنیاوی نعمتیں ملنے سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6144، 5444، 6122)

حدیثِ مبارک سے پتا چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے بزرگوں کا ایسا احترام سکھایا تھا کہ اُس دَور میں چھوٹے اپنے بڑوں کے سامنے بات کرنے سے بھی ہچکچاتے تھے، تاہم یہ حسین پہلو بھی قابلِ توجّہ ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے کی تربیت فرمائی کہ دین سیکھنے اور سکھانے میں شرم و حیا نہیں۔ نیز دینی بات پوچھنا یا ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے بڑوں سے علمی سوال و جواب کرنا تعظیم کے خلاف نہیں، بلکہ یہ اُن سے دُعائیں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور بڑی بڑی دُنیاوی نعمتوں سے زیادہ خوشی کی بات ہے۔

آپ ﷺ نے کھجور کے درخت کی مثال سے تربیت فرمائی کہ جس طرح کھجور کا درخت ہر حال میں نفع دیتا ہے... پھل ظاہر ہونے سے پکنے تک وہ کھانے کے قابل ہوتا ہے، حتّٰی کہ اُس کی گٹھلی بھی بے کار نہیں ہوتی... اِسی طرح مسلمان کو ہمیشہ نفع دینا چاہیے! کامل مسلمان ہر حال میں بابرکت ہوتا ہے، حتّٰی کہ اُس کی وفات کے بعد بھی اُس کا نفع جاری رہتا ہے۔ (فتح الباری، زیرِ حدیث: 61)

---

[1] إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ لَمَا بَرَكَتُهُ كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5444)

نشست وبرخاست وغیرہ میں تکریم: اسلامی تربیت یہ ہے کہ کوئی عمر رسیدہ مسلمان آجائے تو اُس کے لیے بیٹھنے کی گنجائش بنائیں، بلکہ اُسے عزت کی جگہ پر بٹھائیں... بڑوں کے سامنے ادب کے انداز سے بیٹھیں، حتّی الامکان اُن کی طرف پاؤں نہ پھیلائیں اور اُن سے اُونچی جگہ نہ بیٹھیں... چلنے پھرنے میں اُنھیں آگے رکھیں... کھانے پینے میں اُن سے پہل نہ کریں... بزرگوں کے پاس، خصوصًا اپنے والدین کے پاس بیٹھ کر اُن کی طرف توجّہ رکھیں۔ اگر اُن کے پاس بیٹھ کر پورا وقت اپنے فون یا کسی اور چیز میں مشغول رہیں تو یقینًا اِس سے اُن کی دل آزاری ہوگی۔

روایت میں ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کسی جگہ تشریف فرما تھے، نشست صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے بھری ہوئی تھی، اتنے میں سیدنا جریر بن عبد اللہ بَجَلی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، جگہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ دروازے کے باہر ہی بیٹھنے لگے تو نبیِ مکرّم ﷺ نے اپنی چادر مبارک اُن کی طرف اُچھالی؛ کہ اِس پر بیٹھ جاؤ۔ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے چادر مبارک کو بوسہ دیا، (تعظیم کے لیے) آنکھوں پر رکھا اور آقا کریم ﷺ کو واپس کرتے ہوئے کہا: أَكْرَمَكَ اللهُ كَمَا أَكْرَمْتَنِي۔ یعنی حضور! آپ نے غلام کی عزت افزائی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی شان مزید بلند فرمائے۔ سرورِ عالَم ﷺ نے فرمایا: إِذَا أَتَاكُمْ كَرِيمُ قَوْمٍ فَأَكْرِمُوهُ۔ یعنی "جب تمہارے پاس کوئی معزّز شخص آئے تو اُس کی تکریم کرو۔" (روی ابن ماجة الحرف الأخير فی سننه، برقم: 3712۔ المستدرك علی الصحيحين، رقم: 7791۔ مسند البزار، رقم الحديث: 8027۔ مكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا، رقم الحديث: 71۔ المعجم الأوسط، رقم الحديث: 5416)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کا ارشادِ گرامی روایت کیا: مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں مسواک کر رہا ہوں، میرے پاس دو افراد آئے، ایک (عمر میں) دوسرے سے بڑا تھا، مَیں نے چھوٹے کو مسواک دی تو مجھے کہا گیا: كَبِّرْ۔ بڑے کو عطا کیجیے! چنانچہ مَیں نے بڑے کو دے دی۔ (صحیح بخاری، حدیث: 246)

نبیِ مکرّم ﷺ نے قریب ہونے یا کسی اور وجہ سے چھوٹے کو دینا چاہی تو باری تعالیٰ کی طرف سے اُمّت کی تربیت کے لیے فرمایا گیا کہ بڑے کو پہلے عنایت کیجیے؛ تاکہ اُمّت کو معلوم ہو جائے کہ بڑوں کی کیسے تکریم کرنی ہے۔

ضروریات پوری کرنے میں اعزاز: عمر رسیدہ ہونے کے بعد زیادہ تر انسان کمانے اور خود اپنی ضروریات پوری کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ دینِ متین سکھاتا ہے کہ ہم نہ صرف اُن کی ضروریات پوری کریں، بلکہ اِس میں بھی اُن کی تعظیم کا خیال رکھیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ ہم اُن پر احسان کر رہے ہیں؛ بلکہ یہ سوچیں کہ ہم اپنے بچپن میں اُن کے محتاج تھے تو انھوں نے نہ جانے ہم پر کیا کیا شفقتیں کیں! اب اُن کی خدمت اُن کے احسانات کا اعتراف واعزاز ہے اور ہمارے لیے بے شمار برکتوں کا ذریعہ ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ۔ "برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔" (المستدرک: 210، علی شرط البخاری) چنانچہ عمر رسیدہ افراد، علماء وصلحا کی تعظیم وخدمت سے برکتیں حاصل کرنی چاہییں۔

نافرمانی میں کسی کی اِطاعت نہیں

ہر چیز اپنی حد میں اچھی ہوتی ہے... اگر اُسے اُس کی حد سے بڑھایا جائے تو یہ "اِفراط" ہے، جو قابلِ قبول نہیں اور اگر اُسے اُس کے درجے سے کم کیا جائے تو یہ "تفریط" ہے، جس کی دین اجازت نہیں دیتا۔

بڑوں کی تعظیم و تکریم سے متعلق حُدود و قیود واضح ہیں اور اُن کے احترام واِعزاز کے حوالے سے شرعی تقاضوں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اِس پہلو سے بھی اگر کوئی شخص حد سے بڑھتا ہے تو درست نہیں، مثلاً خدانخواستہ اگر بڑے دینی تعلیمات کے خلاف کوئی بات کہیں تو اُسے ماننا حد سے تجاوُز ہے اور اِس کی اجازت نہیں۔

دین سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے دَور میں بہت مرتبہ والدین اور دیگر رشتہ دار یا افسر اور چوہدری وغیرہ لوگ خود بھی دین کے پابند نہیں ہوتے اور اپنے بچوں / ماتحت افراد کو بھی اُلٹے سیدھے کام کرنے کا کہتے ہیں۔ اِس صورت میں اُن کے درجہ کے مطابق اُن کے احترام کا لحاظ تو رکھا جائے گا، مگر جو بات وہ شریعت کے خلاف کہیں اُس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرّم اللہ وجہہٗ سے مروی طویل حدیثِ مبارک میں سرکارِ دوعالَم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی بھی ہے: لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔ "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، اطاعت تو جائز کاموں میں ہی ہوتی ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث:1840)

کفار کو اسلام کا پیغام دیا جاتا تو وہ جواباً کہتے: بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا۔ بلکہ ہم تو اُسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ۔ "کیا اگرچہ شیطان اُنھیں جہنم کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو (پھر بھی وہ اپنے باپ دادا کے پیچھے ہی چلیں گے)!" [لقمان 31:21]

معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف سیاسی لیڈروں، قبائلی سرداروں، خاندانی وڈیروں، حتّٰی کہ والدین کے کہنے پر چلنا بھی درست نہیں اور قرآنِ حکیم نے اِس کی مذمت فرمائی ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ بعض فتنہ پرور لوگ کفار کے بارے میں نازل ہونے والی یہ آیات پڑھ کر بزرگانِ دین کے خلاف بے ہودہ زبان استعمال کرتے ہیں... کہتے ہیں کہ "بابوں کے پیچھے چلنے سے قرآن نے منع فرمایا ہے"۔ کیسے بدنصیب لوگ ہیں کہ شیطان کے پجاریوں سے متعلق نازل ہونے والی آیاتِ کریمہ کو ربّ تعالیٰ کے پیارے بندوں پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں!

ہمیں سمجھنا چاہیے کہ گمراہ باپ داداؤں کی پیروی کرنا بہت بُرا ہے اور قرآن نے اِس کی مذمت فرمائی ہے، جب کہ بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنا نہایت اچھا ہے اور قرآن نے اِس کا حکم ارشاد فرمایا ہے، جس کی دُعا نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ میں کی جاتی ہے۔

حرفِ آخر: بڑوں کی تکریم... بڑی سعادت

اسلامی تہذیب و تمدّن میں بڑوں کے ادب واحترام کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا:

کَرْدَمْ اَزْ عَقْلْ سُوالے کہ بُگو ایماں چیست؟
عَقْل دَرْ گُوشِ دِلَمْ گُفْت کہ ایمان ادب است[1]

دلوں کو معرفتِ الٰہی کے نور سے منوّر کرنے والے، قرآن وحدیث کی دولت کو سینوں میں محفوظ کرنے والے، عدل وانصاف قائم کرنے والے، دین پر عمل کی سعادت پانے والے، اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا اعزاز پانے والے، اسلام کی حالت میں لمبی عمر پانے والے... یہ سبھی "بڑے" ہیں، کوئی عمر میں بڑا ہے اور کوئی دینی اُمور میں... ہمارا دین ہمیں اِن تمام افراد کی تعظیم کا حکم دیتا ہے۔

مجلسِ علماءِ نظامیہ کی فرمائش پر مولانا علی رضا فخری (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ) نے خوب کہا:

مسلّم ہے دائم فضیلت بڑوں کی		ہمیشہ مقدّم ہے عزت بڑوں کی
ہے انمول دولت یہ نسبت بڑوں کی		قرابت بڑوں کی زیارت بڑوں کی
بنائے بہادر شجاعت بڑوں کی		ہر اِک آدمی کو ہے حاجت بڑوں کی
اصاغِر پہ شفقت ہے عادت بڑوں کی		سدا خیر خواہی علامت بڑوں کی
خدایا سلامت رہے دل میں میرے		محبّت بڑوں کی عقیدت بڑوں کی
زمانے کو اس شخص پہ رشک آئے		مقدّر میں ہو جس کے خدمت بڑوں کی
اگر چاہتے ہو سکوں زندگی میں		سدا یاد رکھنا نصیحت بڑوں کی
نصیبوں میں اُس کے عُروج و ترقّی		جسے مل گئی ہو قیادت بڑوں کی
ہر اِک خوش نصیبی کے پیچھے ہزاروں		دُعائیں بڑوں کی حمایت بڑوں کی
بڑے فخر سے ہے یہ فخری کا دعویٰ		ہماری سعادت ہے صحبت بڑوں کی

مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معاشرے سے تیزی کے ساتھ بڑوں کا ادب واحترام کم ہوتا جارہا ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں تکریمِ اکابر کے حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا، چند اہم نکات یہ ہیں:

❖ بڑوں کی تعظیم وتکریم پر بارگاہِ الٰہی سے دُنیا وآخرت میں انعام عطا کیا جاتا ہے... جب کہ اُن کی بے ادبی سے اُخروی ذلت کے ساتھ ساتھ دُنیا میں بھی رُسوائی ہوتی ہے۔

---

[1] فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:393۔ یعنی مَیں نے عقل سے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ عقل نے میرے دل کے کان میں کہا: ایمان ادب کا نام ہے۔

❖ بڑوں کے سامنے گفتگو میں بھی تعظیم کا پہلو نمایاں ہونا چاہیے، چنانچہ:

- الفاظ کا انتخاب بہترین ہو۔
- لہجہ باادب ہو۔
- بات کرنے میں نہ اُن سے پہل کی جائے، نہ آواز کو اُن کی آواز سے بلند کیا جائے۔
- اختلافِ رائے ہو تو بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

❖ نشست و برخاست میں بھی تعظیم کا لحاظ ہو۔ چنانچہ:

- عمر رسیدہ حضرات کو عزت کی جگہ پر بٹھائیں۔
- بڑوں کے سامنے ادب سے بیٹھیں اور حتّی الامکان اُن کی طرف پاؤں نہ پھیلائیں۔
- چلنے پھرنے میں اُنھیں آگے رکھیں اور کھانے پینے میں اُن سے پہل نہ کریں۔
- بزرگوں کے پاس، خصوصًا اپنے والدین کے پاس بیٹھ کر اُن کی طرف توجّہ رکھیں، نہ کہ فون وغیرہ کی جانب۔

❖ بزرگوں کی خدمت کر کے اُسے اُن پر احسان نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ یہ تصوّر ہونا چاہیے کہ یہ اُن کے بڑے بڑے احسانات کا معمولی اعزاز و اعتراف ہے۔

❖ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، وہ شریعت کے خلاف کوئی بات کہیں تو اُس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

عمر رسیدہ افراد اور بزرگانِ دین کا ادب سیکھنے کے لیے اِس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ یہ ربّ تعالیٰ کے حضور دُعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیں تو مالک اِن کے ہاتھ خالی موڑنا پسند نہیں فرماتا، جب ربِّ کریم اتنی عزت افزائی فرماتا ہے تو ہمیں کیسی تکریم کرنی چاہیے!

شرعی مسئلہ: نماز میں آخری قعدہ فرض ہے، اُس میں تشہد (عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تک) پڑھنا واجب ہے، پھر دُرودِ پاک پڑھنا اور دُعا کرنا سنت ہے۔ حدیثِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کے لیے الفاظ کی کوئی قید نہیں ہے، عربی زبان میں کوئی بھی دُعا کی جا سکتی ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث:835۔ صحیح مسلم، حدیث:402)

ایک خوب صورت قرآنی دُعا عمومًا پڑھی جاتی ہے: رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ اے میرے ربّ! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا رکھ، اے ہمارے ربّ! اور میری دُعا قبول فرما۔ اے ہمارے ربّ! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور تمام مسلمانوں کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہو گا۔

۱۷ جُمادَی الاُخرٰی ۱۴۴۶ھ/20 دسمبر 2024ء

افضلیّتِ یارِ غار و مزار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما

(مع مدارِ س بِل پر حکومتی ہلبل)

مشمولات

- عقیدۂ اہلِ سنّت میں ترتیبِ افضلیت
- قرآنِ کریم میں افضلیتِ یارِ غار بتفسیرِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما
- اسلام میں سبقتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما
- دخولِ جنت میں سبقتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما
- جنت میں سیادتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما
- شہزادۂ والاشان کے سامنے افضلیتِ یارِ غار رضی اللہ عنہ کا اِظہار
- حیدرِ کرّار کا افضلیتِ یارِ غار رضی اللہ عنہما کو قطعی قرار دینا
- ایصالِ ثواب کے الفاظ میں ہونے والی ایک غلطی کی اصلاح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡہُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ ۚ وَمِنۡہُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡہُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ۔ [الفاطر 32:35]

"فضیلت" وبزرگی کا معیار خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کا قُرب ہے۔ مالکِ کریم جس پر رحمت فرماتے ہوئے اُسے اپنے قُرب سے نواز دے وہ فضیلت وبڑائی والا ہے... اور جسے اپنے اعمال کی وجہ سے ربّ تعالیٰ کا قُرب نہ مل سکے وہ فضیلت وبرتری سے محروم ہے۔

"قربِ الٰہی" سے "مکانی قرب" (جگہ قریب ہونا) مراد نہیں؛ کیونکہ ربّ تعالیٰ مکان سے پاک ہے، بلکہ "قُرب سے نوازنے" کا مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ بندے کو اپنی معرفت عطا فرماتا ہے، اُس پر لُطف وکرم کرتا ہے اور اُس سے راضی ہو جاتا ہے۔

پوری مخلوق میں ربّ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قُرب ہمارے آقا کریم ﷺ کو حاصل ہے، چنانچہ آپ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ لطف یہ کہ فقط خود ہی افضل نہیں، بلکہ آپ کے ساتھ نسبت والی چیزیں بھی مثالی فضیلت رکھتی ہیں۔ آپ پر نازل ہونے والی کتاب تمام کتابوں سے افضل (اُس کی تلاوت پر ثواب تمام آسمانی کتابوں سے زیادہ ملتا ہے)... آپ کے جسمِ اقدس کو چھونے والا زمین کا حصہ تمام روئے زمین، بلکہ عرشِ بریں سے بھی افضل... آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے اعلیٰ... اور آپ کی اُمّت تمام اُمّتوں سے برتر۔

گویا مخلوق کی "فضیلت" و"فوقیت" افضل الخلق ﷺ کے قدموں سے وابستہ ہے، آپ ﷺ کے ساتھ نسبت جس قدر پختہ ہوتی جائے فضیلت ورُتبہ بھی اُسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔

قرآن وسنت اور سیرتِ طیّبہ کا علم رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ انسانوں میں جس شخصیت کو رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ پختہ تعلق اور نہایت قُرب حاصل تھا وہ یارِ غار ومزار، خلیفۃ الرسول، سیدنا ابو بکر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہیں... آپ نے سولہ برس کی عمر میں امام الانبیاء ﷺ کے قدمِ اقدس تھامے، پھر ہر آنے والے دن میں یہ تعلّق پختہ سے پختہ تر ہوتا گیا... اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں... روزِ قیامت آقا کریم ﷺ کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اپنی اپنی مبارک قبروں سے اُٹھیں گے... اور سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہتے ہوئے خلدِ بریں میں داخل ہوں گے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:28، ص:457، بتغییر یسیر) چنانچہ اہلِ سنّت وجماعت کا ہمیشہ سے اجماع رہا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد انسانوں میں سب سے افضل اور بڑے درجہ والے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

فضیلت والوں کے مقام ومرتبہ کی صحیح پہچان اُنھیں ہی ہوتی ہے جو خود فضیلت والے ہیں، دُنیادار تو بہت مرتبہ مقبولانِ بارگاہ کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں... مولَی المسلمین سیدنا علیِ مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو بہت اُونچا مقام نصیب ہوا۔ آپ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ودرجہ کو خوب جانتے... اور صرف جانتے ہی نہیں، بلکہ بہت اچھے طریقے سے بیان بھی فرماتے۔

بعض نالائق لوگ محبتِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آڑ میں افضلیتِ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انکار کر بیٹھتے ہیں، بلکہ کئی بدنصیب توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں مقامِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے متعلق ارشاداتِ مولَی المسلمین کا تذکرہ ہوگا، ان شاء اللہ۔

عقیدۂ اہلِ سنّت میں ترتیبِ افضلیت

قرآنِ مجید اور احادیثِ طیبہ میں خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے وصالِ اقدس کے بعد اُمّت فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور لوگ نئے نئے عقائد اختیار کرلیں گے۔ اِس صورتِ حال میں صحیح عقیدہ پر استقامت اور حق کی پہچان کے لیے حکم دیا گیا کہ اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت عقائد کے حوالے سے ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، چنانچہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اکثریت کے نظریات اختیار کریں اور فرقوں سے بچیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ ہر دَور میں اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت "اہلِ سنت وجماعت" ہی رہی... اور رہے گی۔

اہلِ سنت وجماعت کا ہمیشہ سے اِس بات پر اتفاق واجماع رہا ہے کہ:

- پوری مخلوق میں سب سے زیادہ قُرب وفضیلت اور عزت ووجاہت ہمارے آقا کریم ﷺ کو عطا ہوئی ہے۔ آپ کے فضائل کو شمار کرنا اور آپ کی تعریف وتوصیف کا حق ادا کرنا مخلوق کے بس میں ہے ہی نہیں۔
- رسول اللہ ﷺ کے بعد دیگر انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔ کسی بھی غیرِ نبی کو نبی سے افضل سمجھنے والا بدنصیب کافر ہے۔
- انبیائے کرام کے بعد مُقرب فرشتے عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات سب سے زیادہ معزّز ہیں، مثلاً سیدنا جبرائیل، سیدنا میکائیل، سیدنا اسرافیل، سیدنا عزرائیل اور سادا تناحاملانِ عرش (عرشِ الٰہی کو اُٹھانے والے فرشتے) عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات۔ کوئی بھی غیرِ نبی اِن کی بلند شان تک نہیں پہنچ سکتا۔
- اِن کے بعد بارگاہِ الٰہی میں سب سے بڑا رُتبہ سرورِ عالم ﷺ کے خلفائے راشدین علیہم الرضوان کو ترتیبِ خلافت کے مطابق حاصل ہے۔ یعنی انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کے بعد انسانوں میں سب سے اُونچا مقام خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، پھر خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا، پھر خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا، پھر خلیفۂ رابع سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا۔ اِن کے بعد عَشَرۂ مُبَشَّرہ میں بقیہ صحابۂ کرام، حضراتِ حسنَیْنِ کریمَین، اہلِ بدر، اہلِ اُحد اور اہلِ بیعتِ رضوان اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اِن سب سے جنت کا وعدہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ "اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کروگے۔" [الحدید 10:57]
- اِن کے بعد دیگر صالحین ومتقین افضل ہیں، پھر عام فرشتے عام مسلمانوں سے زیادہ عزت وفضیلت رکھتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: اِعۡتِقَادُ الۡأَحۡبَابِ فِي الۡجَمِيۡلِ وَالۡمُصۡطَفٰى وَالۡآلِ وَالۡأَصۡحَاب، فتاوٰی رضویہ، ج:29، ص:339 تا 390، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ۔ مَطۡلَعُ الۡقَمَرَيۡنِ فِي إِبَانَةِ سُبۡقَةِ الۡعُمَرَيۡن۔ نیز دیکھیے تبیان القرآن، زیرِ آیتِ البینۃ 7:98)

قرآنِ کریم میں افضلیتِ یارِ غار بتفسیرِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما

علمائے کرام نے لکھا کہ قرآنِ حکیم کی متعدد آیاتِ کریمہ اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اکرم کے وزیرِ اعظم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رُتبہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد تمام انسانوں سے اُونچا ہے۔

ایک آیتِ کریمہ میں ارشادِ ربّانی ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۔ ”پھر ہم نے اپنے چُنے ہوئے بندوں کو کتاب کا وارث بنایا، تو اُن میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور ان میں کوئی درمیانہ راستہ اختیار کرنے والا ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں آگے بڑھنے والا ہے، یہی بڑی فضیلت ہے۔“ [الفاطر 32:35]

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہ علیٰ نبیہا الصلوٰۃ والسلام میں شامل افراد کے تین درجے بیان فرمائے:

1) وہ جو نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔
2) وہ جو درمیانہ راستہ اختیار کرتے ہیں، کہ اُن سے گناہ ہو جاتے ہیں، مگر نیکیوں کا ایک بڑا ذخیرہ بھی اُن کے پاس موجود ہوتا ہے۔
3) وہ جو اعلیٰ درجہ کے فرماں بردار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے بھلائیوں میں آگے نکلنے والے ہیں۔

بھلائیوں میں آگے نکلنے والوں سے متعلق فرمایا کہ اِنھیں بارگاہِ الٰہی میں ”بڑی فضیلت“ اور عظیم بزرگی حاصل ہے۔

ظاہر ہے کہ تمام صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم تیسرے درجے میں ہیں، سبھی نیکیوں میں سبقت والے، ”بڑی فضیلت“ والے ہیں اور باقی تمام اُمّت سے افضل ہیں۔ اب جو شخصیت صحابہ میں سب سے آگے ہوگی وہی تمام صحابہ اور پوری اُمّت سے افضل ہوگی۔ صحابہ میں پہلا نمبر کس کا ہے؟ اِس حوالے سے تمام صحابہ کا ایک شخصیت پر اتفاق ہے کہ وہ ”سَبّاق بالخیر“ (بھلائیوں میں سب سے آگے) ہے۔[1] سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ نے بھی اُسی ہستی کا ذکر فرمایا۔ حضرت صِلہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر ہوتا تو آپ فرماتے: اَلسَّبَّاقَ تَذْكُرُوْنَ، اَلسَّبَّاقَ تَذْكُرُوْنَ۔ یعنی تم بھلائیوں میں بہت آگے نکل جانے والے کا تذکرہ کر رہے ہو! اُس ہستی کو یاد کر رہے ہو جو خیر میں نہایت سبقت والی ہے! پھر فرماتے: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اسْتَبَقْنَا إِلٰى خَيْرٍ قَطُّ إِلَّا سَبَقَنَا إِلَيْهِ أَبُوْ بَكْرٍ ۔ اُس ربّ کی قسم جس کے قبضۂ قُدرت میں علی کی جان ہے! جب بھی ہم نے خیر کی طرف پہل کی کوشش کی تو ہمیشہ پہلا نمبر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی ہوتا تھا۔ (المعجم الاوسط، ج:7، ص:164، رقم:7168[2])

قرآن نے اعلان فرمایا کہ نیکیوں میں سابق بڑی فضیلت و برتری والا ہے اور مولَی المسلمین نے بتا دیا کہ ابو بکر ہی سبّاق ہیں رضی اللہ عنہما۔

---

[1] ملاحظہ کیجیے تصنیفِ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ مَطْلَعُ الْقَمَرَيْنِ فِيْ إِبَانَةِ سُبْقَةِ الْعُمَرَيْنِ، فصل ثانی، آیتِ ثانیہ، ص:174 تا 178، مکتبہ بہارِ شریعت

[2] وَثَّقَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالَهٗ فی ”مجمع الزوائد“ [تحت الحدیث:14332] سوی أحمد الحرانی، وذکرہ ابن حبان فی ”الثقات“۔

اسلام میں سبقتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما

امام المشاہدین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام الواصلین سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ... دونوں ایسے پاکیزہ وطاہر ہیں کہ ایک لمحہ بھی اُن کا دامن شرک وکفر کی نجاست سے آلودہ نہیں ہوا... دونوں عالَمِ ارواح سے ہمیشہ تک کے لیے مسلمان اور توحید پرست ہیں۔ عالَمِ ذُریّت سے ولادت تک اِس لیے مسلمان تھے کہ ربّ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم سے اپنے ربّ ہونے کا وعدہ لیا تو اُنھوں نے بھی اقرار کیا، اِس "میثاق" کا ذکر قرآنِ حکیم میں ہے... پھر اِسی "فطرت" پر ولادت ہوئی تو پیدائشی اسلام کا شرف مل گیا... بعد ازاں سرکارِ دوعالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوّت تک دونوں "توحید" پر قائم رہے اور کبھی بھی غیر اللہ کی عبادت نہیں کی... اور اعلانِ نبوّت کے بعد کا اسلام تو ہر شخص کو معلوم ہے۔

"میثاقی" اور "فطری" اسلام کی فضیلت دونوں بزرگوں کے لیے یکساں ہے، جب کہ پیدائش کے بعد سے اعلانِ نبوّت تک اور اُس کے بعد سے وصال تک کے اسلام میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ارفع واعلیٰ ہے:

- "توحیدی اسلام" میں برتری اِس طرح کہ سیدنا علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائی... آپ ہی کی باتیں سنیں اور آپ ہی کی مبارک عادتیں سیکھیں... ابھی فقط آٹھ دس سال کے قریب عمر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوّت فرمایا اور اُنھوں نے فوری طور پر اسلام قبول کر لیا... شرک وکفر کی نحوست اُن کے قریب ہی نہیں آئی۔ اِس کے برعکس حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً چالیس سال تک دورِ جاہلیت کو دیکھا... بچپن کی کچی سمجھ بوجھ میں پکّے مشرکوں کے درمیان توحید پر قائم رہے اور بُت پرستی کی پُرزور دعوت پر اُس سے صاف انکار کر دیا، یہ اُنہی کا خاصہ ہے۔
- پھر اعلانِ نبوّت کے بعد مولَی المسلمین کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بچپن کی وجہ سے کچھ دنوں تک اپنے اسلام کو مخفی رکھا، جب کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرتے ہی سخت مشکل حالات میں سب کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔

چنانچہ یارِ غار ومزار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِس سبقت وفضیلت کو بھی حیدرِ کرّار کرّم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمایا۔ (اِس عنوان پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: فتاوٰی رضویہ، ج:28، ص:458 تا 463، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ)

سیدنا عبد اللہ بن عمر اور امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت کے مطابق جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ایک بے حیا آکر کہنے لگا: حیرت ہے کہ مہاجرین وانصار نے آپ کی موجودگی میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کیسے خلیفہ بنا دیا، حالانکہ آپ کی فضیلتیں بھی زیادہ ہیں اور آپ کو سبقت بھی پہلے سے حاصل ہے![1] آپ نے اُسے دھمکی آمیز سخت ڈانٹ پلائی اور سبقتِ یارِ غار ومزار بیان کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَيْفَ يَخْطَأُكَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَأَنْتَ أَكْرَمُ مَنْقَبَةً وَأَقْدَمُ سَابِقَةً۔ (فضائل الصدیق)

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ سَبَقَنِيْ إِلَى أَرْبَعٍ لَمْ آتِهِنَّ وَلَمْ أَعْتَضْ مِنْهُنَّ: مُرَافَقَةُ الْغَارِ وَتَقَدُّمُ الْهِجْرَةِ وَأَنِّيْ آمَنْتُ صَغِيْرًا وَآمَنَ كَبِيْرًا وَإِمَامُ[1] الصَّلَاةِ۔[2] مفہوم یہ کہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار ایسی باتوں میں سبقت و فضیلت حاصل ہے جو مجھے نصیب نہیں ہوئیں اور نہ ہی میرے پاس اُن فضیلتوں کا کوئی متبادل ہے:

1) وہ یارِ غار ہیں (جب کہ مجھے سفرِ ہجرت میں رسول اللہ ﷺ کی سنگت نہیں ملی)۔

2) اُنھوں نے مجھ سے پہلے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کی ہے۔

3) اُنھوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا، جب کہ مَیں بچپن میں ہی مسلمان ہو گیا (چنانچہ اُنھوں نے اسلام قبول کرتے ہی اُس کا اعلان کیا، جب کہ مَیں نے بچپن کی وجہ سے اُسے کچھ دن چھپائے رکھا تھا... نیز شرک میرے قریب ہی نہیں آیا، جب کہ وہ ڈھیٹ مشرکوں میں چالیس سال رہ کر بھی پکّے توحید پرست تھے)۔

4) (وصالِ اقدس سے پہلے میری موجودگی میں) امام الانبیا ﷺ نے نماز کے لیے اُنھیں مصلائے امامت پر کھڑا کیا تھا۔

(فضائل أبي بكر الصديق للعشاري، ص:24، رقم:5، دار الصحابہ۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:30، ص:291۔ کنز العمال، رقم:36150)

دخولِ جنت میں سبقتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما

حیدرِ کرّار جہاں یہ بتاتے تھے کہ یارِ غار کا دُنیا میں پہلا نمبر ہے، وہاں یہ بھی فرماتے تھے کہ جنت میں بھی اُن کا پہلا ہی نمبر ہو گا۔

حضرت عبدِ خیر علیہ الرحمہ کہتے ہیں: مَیں نے حیدرِ کرّار کرّم اللہ وجہہٗ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ (اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام) کے بعد جنت میں سب سے پہلے کون جائے گا؟ آپ نے فرمایا: أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ۔ یعنی نبیوں کے بعد جنت میں سب سے پہلے اُنہی دونوں حضرات کا داخلہ ہو گا جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سُلایا ہوا ہے۔

عبدِ خیر کہتے ہیں: مَیں نے پوچھا: وہ آپ سے بھی پہلے جنت میں جائیں گے؟ فرمایا: إِيْ وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ! إِنَّهُمَا لَيَأْكُلَانِ مِنْ ثِمَارِهَا وَيَتَّكِئَانِ عَلَى فُرُشِهَا۔[3] یعنی جی ہاں! اُس ربّ کی قسم جس نے بیج کو چیر کر درخت اُگایا اور اپنی قدرت سے انسان کو صورت بخشی! بلاشبہ وہ مجھ سے پہلے جنّت میں تشریف لے جائیں گے، اُس کے پھلوں میں سے کھائیں گے اور اُس کی عالی شان مَسندوں پر آرام فرمائیں گے۔ (فضائل أبي بكر الصديق للعشاري، ص:67، رقم:43)

---

[1] ورواه السيوطيّ بلفظ: سَبَقَنِيْ إِلَى الْإِمَامَةِ... (جامع الأحاديث، رقم:33887)

[2] وفي رواية: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ سَبَقَنِيْ إِلَى أَرْبَعٍ لَمْ أُوتَهُنَّ: سَبَقَنِيْ إِلَى إِفْشَاءِ الْإِسْلَامِ وَقِدَمِ الْهِجْرَةِ وَمُصَاحَبَتِهِ فِي الْغَارِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ بِالشِّعْبِ، يُظْهِرُ إِسْلَامَهُ وَأُخْفِيْهِ۔ (المواهب اللدنية، ج:1، ص:133، المكتبة التوقيفية)

[3] وفي رواية: نَعَمْ! وَيَشْبَعَانِ مِنْ ثِمَارِهَا وَأَنَا مَوْقُوْفٌ مَغْمُوْمٌ مَهْمُوْمٌ بِالْحِسَابِ۔ (تاريخ مدينة دمشق:159/44۔ كنز العمال:36100)

جنت میں سیادتِ یارِ غار بزبانِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہما

ارشادِ نبوی کے مطابق سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہلِ جنت کے سردار ہوں گے۔ لُطف کی بات یہ کہ اِس حدیث کو خود جناب حیدرِ کرّار کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے بھی روایت کیا ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ نے فرمایا: مَیں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا کہ صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُوْلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ إِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ، يَا عَلِيُّ! لَا تُخْبِرْهُمَا۔ ”یہ دونوں انبیاء و مُرسلین کے علاوہ، اوّلین و آخرین میں پختہ عمر (میں وفات پانے والے) جنتیوں کے سردار ہیں، اے علی! تم اُنھیں نہ بتانا۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 3665)

اہلِ جنت کی عمریں 30 یا 33 سال ہوں گی اور ہمیشہ یہی عمر رہے گی۔[1] حدیثِ پاک سے مراد یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے علاوہ دنیا میں جن مسلمانوں نے اُدھیڑ عمر کو پہنچ کر وفات پائی ہو گی، صدّیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُن سب کے سردار ہیں۔ اے علی! مجھ سے پہلے تم اُنھیں نہ بتانا؛ تاکہ مَیں خود اُنھیں خوش خبری دوں اور اُنھیں زیادہ خوشی ہو۔[2]

شہزادۂ والا شان کے سامنے افضلیتِ یارِ غار رضی اللہ عنہ کا اِظہار

مولَی المسلمین خلیفۂ رابع سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ نے خاتونِ جنت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد کئی شادیاں کیں، اُن میں سے ایک شہزادے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما نے ایک دن اپنے والدِ گرامی حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر و افضل آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: «أَبُوْ بَكْرٍ۔» یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد تمام انسانوں میں سب سے پہلا نمبر سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ شہزادۂ والا شان نے پوچھا: اِن کے بعد کس کا رتبہ ہے؟ فرمایا: «ثُمَّ عُمَرُ۔» یعنی دوسرا نمبر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ شہزادۂ والا شان نے کہا: اِن کے بعد تو آپ ہی کا رتبہ ہے نا؟ آپ نے عاجزی کرتے ہوئے فرمایا: مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ یعنی مَیں تو ایک عام مسلمان ہوں۔

(صحیح بخاری، حدیث: 3671۔ سنن ابو داؤد، حدیث: 4629)

---

[1] سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُّرْدًا مُّكَحَّلِيْنَ أَبْنَاءَ ثَلَاثِيْنَ أَوْ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِيْنَ سَنَةً۔ ”جنتی اس حالت میں جنت میں داخل ہوں گے کہ (سر کے بالوں، پلکوں اور بھوؤں کے علاوہ) ان کے جسم اور چہروں پر بال نہیں ہوں گے، سرمہ لگا ہوا ہو گا، تیس یا تینتیس سال کی عمر کے ہوں گے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 2545)

[2] لَا تُخْبِرْهُمَا يَا عَلِيُّ! قَبْلِيْ؛ لِأُبَشِّرَهُمَا بِنَفْسِيْ فَيَبْلُغُهُمَا السُّرُوْرُ مِنِّيْ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 6060)

حیدرِ کرّار کا افضلیتِ یارِ غار رضی اللہ عنہما کو قطعی قرار دینا

دینی اُمور میں سے کچھ "ظنّی" ہیں، یعنی اُن کے دلائل ہم تک پہنچنے میں زیادہ پختہ نہیں ہیں، اگر کوئی شخص اُن کا انکار کرے تو اُسے گمراہ اور سخت مجرم قرار نہیں دیا جائے گا... جب کہ کئی اُمور ایسے پختہ دلائل سے ثابت ہیں کہ اُن کا انکار کرنے والا شخص گمراہ اور سخت گناہ گار قرار پاتا ہے، ایسے مسائل کو "قطعی" کہا جاتا ہے۔

یارِ غار و مَزار سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت "قطعی" ہے اور ضروریاتِ اہلِ سنت سے ہے۔ یعنی آپ رضی اللہ عنہ کو انبیائے کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ماننا ایسا مسئلہ ہے جس پر قرآن و سنّت کے واضح دلائل موجود ہیں اور اِس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص اِس کا انکار کرتا ہے اور سیدنا علی کرّم اللہ تعالٰی وجہہٗ یا کسی بھی غیر نبی کو آپ سے افضل مانتا ہے تو وہ گمراہ اور سخت مجرم ہے۔

(ملاحظہ کیجیے: مطلع القمرین فی إبانۃ سبقۃ العمرین، بابِ اوّل، فصلِ اول، ص: 134 تا 156، مکتبہ بہارِ شریعت)

یارِ غار و مَزار رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو جلیل القدر اکابر علما نے تو قطعی قرار دیا ہی ہے، خود حیدرِ کرّار کرّم اللہ تعالٰی وجہہٗ اور دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک بھی یہ مسئلہ قطعی ہے۔

مولَی المسلمین کرّم اللہ وجہہٗ نے فرمایا: بَلَغَنِي أَنَّ أُنَاسًا يُفَضِّلُونِي عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، لَا يُفَضِّلُنِي أَحَدٌ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِلَّا جَلَدْتُهُ حَدَّ الْمُفْتَرِي۔ مجھے خبر ملی ہے کہ کچھ لوگ مجھے سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر سے افضل کہتے ہیں، جو شخص مجھے صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم سے افضل قرار دے مَیں اُس پر الزام تراشی کرنے والے کی حد جاری کروں گا (اسّی (80) کوڑے ماروں گا)۔

("فضائل الصحابۃ" للإمام أحمد، ج: 1، ص: 294، رقم: 387۔ "السنۃ" لابن أبي عاصم، ج: 2، ص: 575، رقم: 1219۔ "المؤتلف والمختلف" للدارقطني، ج: 2، ص: 807، دار الغرب الإسلامي۔ "الاعتقاد" للبیہقي، ص: 358۔ إسنادہ صحیح)

شریعت کا اُصول ہے کہ جُرم کے ثبوت میں کسی بھی طرح کا شُبہ / شک پیدا ہو جائے تو شرعی حد جاری نہیں ہوتی، سزا میں نرمی ہو جاتی ہے۔ اگر سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو افضل ماننا ضروری نہ ہوتا اور یہ مسئلہ ظنّی ہوتا تو حیدرِ کرّار کرّم اللہ تعالٰی وجہہٗ اِس کا انکار کرنے والے پر حد جاری کرنے کی دھمکی ارشاد نہ فرماتے۔ پھر کسی بھی صحابی یا تابعی نے آپ کو اِس دھمکی سے نہیں روکا، معلوم ہوا کہ سبھی اِسے قطعی سمجھتے تھے۔ (دیکھیے: فتاوٰی رضویہ، ج: 28، ص: 673 تا 675) یہ بات بھی واضح ہے کہ آپ کا یہ ارشاد بطورِ عاجزی نہیں ہے؛ کیونکہ بطورِ عاجزی حد جاری نہیں ہوتی، یہ دھمکی ایک عقیدہ سکھانے کے لیے ہے۔

یاد رہے کہ مختلف صحابۂ کرام کو ربِّ کریم نے مختلف خصوصیات سے نوازا ہے، یہ خصوصیات اُن کی جُزوی فضیلتیں ہیں۔ ایسے ہی مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کو بھی کئی "جزوی فضیلتیں" حاصل ہیں، مگر اُن کا ذکر کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ فلاں وصف میں حیدرِ کرّار کو زیادہ فضیلت ہے۔ کسی وصف و قید کے بغیر مطلقًا "افضل" کا لفظ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے ہی بولا جائے گا؛ "کلی فضیلت" آپ ہی کا خاصہ ہے۔

حرفِ آخر... مدارس بِل پر حکومتی ہلبَل

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے سیدنا عبد اللہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی بارگاہ اور اپنے محبوب ﷺ کی درگاہ میں بے مثال قُرب سے نوازا ہے۔ دربارِ مصطفوی میں آپ کی مقبولیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورِ الٰہی میں آپ کا مقام کتنا اُونچا ہے!

کسی شخص نے شہزادۂ امام حسین سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہو کر پوچھا: مَا كَانَ مَنْزِلَةُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم کو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں کیا مقام حاصل تھا؟ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بہت مختصر اور خوب صورت جواب عنایت کیا، فرمایا: كَمَنْزِلَتِهِمَا السَّاعَةَ۔ یعنی "جا کر سنہری جالیوں کی زیارت کرلو! جیسے آج بے مثال قرب سے سرفراز ہیں، ظاہری حیاتِ طیّبہ میں بھی اِسی طرح منظورِ نظر تھے۔" (مسند احمد، ج:27، ص:264، حدیث:16709)

بعض بدنصیب خود کو سیدنا علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کا محبّ قرار دے کر رُتبۂ صدیقی کا انکار کرتے ہیں یا اُسے کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کے خطبہ میں حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے شانِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا۔ چند اہم نکات یہ ہیں:

- انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد یارِ غار و مزار رضی اللہ عنہ تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں۔ یہ عقیدہ قطعی / ضروریات اہلِ سنت سے ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سمیت کسی بھی غیرِ نبی کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنے والا گمراہ ہے۔
- جُزوی فضیلتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ کو حاصل ہیں، مگر کلی فضیلت خلیفۂ اوّل بلا فصل رضی اللہ عنہ کا ہی خاصہ ہے۔
- خیر و بھلائی کے کاموں میں تاج دارِ صداقت رضی اللہ عنہ سبّاق ہیں اور ہمیشہ تمام صحابہ سے پیش پیش ہوتے تھے۔
- ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کا دامن کفر کی نجاست سے آلودہ نہیں ہوا، آپ عالمِ ارواح سے ہمیشہ تک کے لیے توحید پرست و مومن ہیں۔
- جنت میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے پہلے آپ ہی داخل ہوں گے اور جنّتی اُمتیوں کے سردار ہوں گے۔

گفتگو کے آخر میں ایک اور اہم بات کا تذکرہ ضروری ہے۔ تاریخ سے آگاہی رکھنے والا ہر شخص جانتا کہ برِّ صغیر میں اسلام کی ترویج و اشاعت اور اسلامی اقدار کے فروغ و بقا کے لیے دینی مدارس کی بے پناہ خدمات ہیں۔ مصوّرِ پاکستان اقبال علیہ الرحمہ نے مدارس کی مخالفت کرنے والوں سے کہا تھا کہ اگر یہ مدارِس نہ رہے تو خطے میں مذہبی معاملات کی وہی صورتِ حال ہو گی جو اِس وقت سپین میں ہے اور یہاں اسلامی تہذیب کا نام و نشان نظر نہیں آئے گا۔ (اوراقِ گم گشتہ، از رحیم بخش شاہین، صفحہ:374، 375، مرکزی مکتبہ اسلامی، ملخصًا)

دینی مدارس کا معیارِ تعلیم اِس قدر بلند ہے کہ پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کا اِدارہ H.E.C. (ہائر ایجوکیشن کمیشن) سُنّی اداروں کی تنظیم "تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان" اور دیگر منظور شدہ بورڈز سے جاری ہونے والی سند کو ایم۔ اے۔ عربی + ایم۔ اے۔ اسلامیات (ڈبل ایم۔ اے) کے برابر تسلیم بھی کرتا ہے اور برابر ہونے کا (مُعادَلہ) سرٹیفکیٹ بھی جاری کرتا ہے۔

سکھوں اور انگریزوں نے اپنے اپنے اَدوار میں دینی مدارس کو بند کرنے یا اِنھیں اپنی مرضی کے مطابق کنٹرول کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کیں، مگر ہر دَور میں علمانے نہ صرف دینی مدارس کو باقی رکھا، بلکہ اِن کی آزادی کا بھی تحفّظ کیا۔

بیرونی قوّتوں کے اشارے پر مختلف اوقات میں پاکستانی حکمران بھی دینی مدارس کو کنٹرول کرنے اور اُنھیں اپنے ماتحت کرنے کے لیے اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ اِس وقت بھی حکومت کی طرف سے دینی مدارس کی رجسٹریشن اور اُن کے بینک اکاؤنٹس سے متعلق بے جا رکاوٹیں ڈالی جارہی ہیں۔

پرویز مشرّف نے اپنے دَور میں پاکستان کی قومی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ساتھ ساتھ آزاد کشمیر اسمبلی سے یہ ایکٹ پاس کروایا تھا کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن سوسائٹیز ایکٹ کے تحت ہوگی۔ حالیہ چھبیسویں آئینی ترمیم میں بھی یہ بل پارلیمنٹ اور سینٹ سے منظور ہوا، پھر دس روز تک ایوانِ صدر سے اِس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا اور آئینی طور پر صدر کی طرف سے کسی بل پر دس دن میں اعتراض نہ کیا جائے تو وہ خود بخود قانون بن جاتا ہے؛ لہٰذا یہ بل اب ایکٹ بن چکا ہے، مگر بلاوجہ اِس حوالے سے رکاوٹیں پیدا کی جارہی ہیں۔

تمام مسالک کے مدارس کی مشترکہ تنظیم "اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ" کے سیکرٹری جنرل مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن دامت برکاتہٗ نے مشترکہ اجلاس کے بعد تمام مسالک کی طرف سے متفقہ طور پر یہ مطالبہ کیا کہ اب بل ایکٹ بن چکا ہے؛ لہٰذا فوری طور پر اِس کا گزٹ نوٹیفکیشن جاری کیا جائے اور دینی مدارس کے راستے میں روڑے نہ اٹکائے جائیں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان اور دیگر علما کا یہ مطالبہ حق بجانب ہے، حکومت کو چاہیے کہ اِسے فوری طور پر پورا کرے؛ تاکہ ملک میں کسی قسم کا انتشار پیدا نہ ہو۔

شرعی مسئلہ: سرورِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کے وسیلہ سے اپنے فوت شدگان کو اعمالِ صالحہ کا ثواب بھیجنا / ایصال کرنا بہت اچھا عمل ہے اور یہ ثواب رحمتِ الٰہی سے فوت شدگان کو پہنچتا ہے۔

بعض لوگ ایصالِ ثواب کے شروع میں کہتے ہیں: "اے اللہ! اِن تمام اعمال کا ثواب تیری بارگاہ میں پیش کیا، اِسے قبول فرما!" یہ جملہ جہالت ہے اور بارگاہِ ربّ العزت کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تو ثواب عطا فرماتا ہے، پھر اُسے پیش کرنے کا کیا مطلب! یوں کہنا چاہیے: "اے اللہ! ہمارے تمام اچھے اعمال کو قبول فرما کر اُن پر اپنی شان کے مطابق اجر و ثواب عطا فرما اور وہ سب ہمارے آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں پہنچا!...."[1]

---

[1] ملاحظہ کیجیے: فتاوٰی رضویہ، ج:26، ص:609

۲۴ جُمادَی الاُخرٰی ۱۴۴۶ھ/27 دسمبر 2024ء

نیا سال آیا ہے رَبّ کو مناؤ!

(نئے شمسی سال کے آغاز پر... اُسوۂ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ چند اُمور)

مشمولات

- محاسبہ و تعیینِ اہداف کی اہمیت
- وقت اور مال کا صحیح استعمال
- نیکیوں کی کثرت اور بھلائی میں سبقت
- اتباعِ قرآن و سنت
  - خلافِ سنّت رواج کو جوتے کی نوک پر رکھنا اور کسی سے سوال نہ کرنا
- سال نَو کی آمد پر کرنے کے کام
- نماز میں دستانے پہننے کا جواز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

ثُمَّ لَتُسۡئَلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ۔ [التکاثر 8:102]

ذاتی معاملہ ہو یا قومی... کاروباری قضیہ ہو یا تعلیمی... داخلی امر ہو یا خارجی... بہر حال کامیابی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وقتاً فوقتاً کارکردگی کا جائزہ لیا جائے، ماہرین سے راہ نمائی لیتے ہوئے سابقہ کوتاہیوں کا اِزالہ کر کے آئندہ کے لیے اہداف طے کیے جائیں اور ترقّی کے راستے میں حائل رُکاوٹوں کو دُور کیا جائے۔

مختلف تنظیمات اور ادارے اپنا اپنا سال مکمل ہونے پر اپنے معاملات کی جانچ پڑتال (Audit / آڈِٹ) کرتے ہیں۔ دینی مدارس کا تعلیمی سال شعبان المعظّم میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے، وہ اِس موقع پر اپنے سالانہ اُمور کا جائزہ لیتے ہیں... بینک اپنے مالی سال کی تکمیل پر اپنے حسابات کی دیکھ بھال کرتے ہیں... اور بہت سے ادارے دسمبر میں اپنا بیوپار دیکھتے ہیں۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات قمری سال کے اعتبار سے طے کرنے چاہییں، جس کا آغاز محرّم الحرام سے ہوتا ہے... تاہم دُنیاوی اُمور کو شمسی سال کے حساب سے انجام دینا بھی ممنوع نہیں ہے اور ہمارے دَور میں زیادہ تر اِسی سال کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔

شمسی سال 2024ء کے اختتام میں چار دن باقی ہیں، چنانچہ اِس موقع پر ہمیں اپنے گزشتہ سال کے معاملات کا جائزہ لینا چاہیے اور کوتاہیوں کا اِزالہ کرتے ہوئے کامیاب لوگوں کی راہ نمائی سے یہ طے کرنا چاہیے کہ منزل تک رسائی کے لیے آئندہ کیا کرنا ہوگا!

راہ نمائی کس سے لینی چاہیے؟ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے شعبہ کے ماہرین سے رائے لیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے ادارے بھاری تنخواہیں ادا کر کے ایسی شخصیات کی خدمات حاصل کرتے ہیں جن کا کام صرف مشورہ دینا ہوتا ہے اور اُن کی خوبی فقط یہ ہوتی ہے کہ وہ اُس شعبہ میں مہارت و وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ کو راضی کرنے اور دُنیا و آخرت میں کامیابی پانے کے لیے ہمیں اُن ہستیوں کی پیروی کرنی ہوگی جنھوں نے رِضائے الٰہی اور خُوشنودیٔ مصطفیٰ کریم ﷺ کی سعادت بھی پائی اور دُنیا و آخرت کی کامیابی نے بھی اُن کے قدم چومے... عمومی طور پر تمام صحابہ و اہلِ بیت علیہم الرضوان اِس خوبی سے متصف ہیں، وہ ہدایت کے ستارے ہیں اور اُمّت کے بہترین راہ نما ہیں... پھر اُن میں خصوصیت کے ساتھ یارِ غار و مزار خلیفۂ اوّل بلا فصل افضل البشر بعد الانبیا سیدنا ابو بکر صدیق اور خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیروی کا حکم ارشاد فرمایا گیا ہے۔[1]

سالِ نَو کی آمد پر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اِس سے متعلق خطبہ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیّبہ سے راہ نمائی لی جائے گی۔

---

[1] عَنۡ حُذَیۡفَۃَ قَالَ: کُنَّا جُلُوۡسًا عِنۡدَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: إِنِّیۡ لَا أَدۡرِیۡ مَا بَقَائِیۡ فِیۡکُمۡ، فَاقۡتَدُوۡا بِالَّذَیۡنِ مِنۡ بَعۡدِیۡ وَأَشَارَ إِلٰی أَبِیۡ بَکۡرٍ وَّعُمَرَ۔ (الجامع للترمذی، رقم الحدیث: 3663۔ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 97)

وقت اور مال کا صحیح استعمال

ربّ تعالیٰ کے احسانات اِس قدر ہیں کہ اگر انسان اُنھیں شمار کرنا چاہے تو اُس کی گنتی ختم ہو جائے گی، مگر ربِّ کریم کے انعامات کو شمار نہیں کر پائے گا۔

دینِ متین سکھاتا ہے کہ خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی نعمتوں کی قدر کرتے ہوئے اُن کا صحیح استعمال کرنا چاہیے؛ روزِ قیامت پوچھا جائے گا کہ نعمتوں کا شکر ادا کیا تھا یا نہیں؟ اُنھیں کن ذرائع سے حاصل کیا تھا اور کیسا استعمال کیا؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۔ ”پھر بے شک ضرور اُس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“ [التکاثر 102:8]

”وقت“ اور ”مال“ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں ہیں، اِن کے صحیح استعمال کی زیادہ تاکید ہے اور قیامت کے دن اِن کے حوالے سے خصوصی طور پر سوال ہو گا۔[1]

شمسی سال 2024ء کے اختتام پر ہمیں اپنے وقت کا حساب کرنا چاہیے کہ ہمارا یہ سال کن کاموں میں گزرا ہے؟ اگر مُحاسبہ سے معلوم ہو کہ اِس سال میں نیکیوں کا بڑا ذخیرہ جمع کیا ہے اور رِضائے الٰہی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے تو اِس توفیق پر ربِّ کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے... لیکن اگر صورتِ حال اِس کے برعکس ہو تو فوراً اپنی اِصلاح کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے؛ کیونکہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، جس طرح 2024ء ضائع ہو گیا اور پتا بھی نہیں چلا، ایسے ہی خدانخواستہ خود کو نہ سنوار پائے تو 2025ء بھی برباد ہو جائے گا اور قیامت کو اُس کے حساب کے وقت سخت شرمندگی کا سامنا ہو گا۔

یوں ہی مال کے حوالے سے بھی اپنا مُحاسبہ کرنا چاہیے کہ 2024ء میں ہم نے کن ذرائع سے مال کمایا اور کن کاموں میں خرچ کیا؟ اگر کمائی حرام تھی یا ایسے کاموں میں خرچ کیا جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے تو سمجھ لیجیے کہ ہمارا مال ہماری تباہی کا ذریعہ بن رہا ہے... چنانچہ فوری طور پر گزشتہ سے توبہ کرتے ہوئے آمدن اور خرچ دونوں کو شریعت کے تابع کیجیے؛ تاکہ ذلت و رسوائی سے بچ سکیں۔

نیو ائیر نائٹ کے نام پر اپنا مال فحاشی اور دیگر غیر شرعی کاموں میں خرچ کرنے کا مطلب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اُس کی نافرمانی میں استعمال کر رہے ہیں، جو نعمت سے محرومی کے ساتھ ساتھ عذاب کا بھی سبب ہے۔

وقت کا استعمال اور اُسوۂ صدیق: وقت کے صحیح استعمال کے حوالے سے بھی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیّبہ قابلِ رشک ہے۔ قبولِ اسلام سے وصالِ پُر ملال تک اُن کے شب و روز کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اُن کے وقت کا ایک

---

[1] عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ أَنْفَقَهٗ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ۔ (الترمذی، رقم: 2416)

بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر رہ کر گزرا، کچھ بارگاہِ عالی میں حاضری کے انتظار اور اُس کی تیاری میں صَرف ہوا، جب کہ وصالِ نبوی کے بعد اُن کا ایک ایک لمحہ اُمّت کی کشتی کو سنبھالنے میں بیتا، حتّٰی کہ قیامت تک کے لیے پہلوئے اقدس میں پہنچ گئے۔

مال کا استعمال اور اُسوۂ صدیق: دَولت کو استعمال کرنے کا سلیقہ بھی کوئی سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھے! آپ قریش کے مال دار ترین افراد میں سے تھے، قبولِ اسلام کے وقت چالیس ہزار دینار (سونے کے سکوں) کے مالک تھے،[1] آپ نے وہ تمام اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دیے۔

خوش نصیبی کی انتہا کہ سرکارِ دو عالَم ﷺ نے بھی مال خرچ کرنے پر آپ کی تعریف فرمائی اور خود ربِّ ذوالجلال جلّ مجدہٗ نے بھی عزت افزائی کے ساتھ ساتھ انعام واکرام اور رِضائے ابدی کا وعدہ فرمایا۔

فرمانِ نبوی: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو جہاں ﷺ نے فرمایا: مَا نَفَعَنِيْ مَالٌ قَطُّ، مَا نَفَعَنِيْ مَالُ أَبِيْ بَكْرٍ۔ ”مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابو بکر کے مال نے نفع دیا ہے۔“ یہ سن کر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپ نے ادب و محبت اور عاجزی وانکساری میں ڈُوبا ایسا حسین جملہ عرض کیا جو قیامت تک ایمان کو تازہ کرتا رہے گا، کہا: هَلْ أَنَا وَمَالِيْ إِلَّا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! یارسول اللہ، صلّی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم! (”ابو بکر کا مال“ نہ فرمایئے!) مَیں بھی آپ کا ہوں اور میرا مال بھی آپ ہی کا ہے۔ (سننِ ابن ماجہ، حدیث:94)

ارشادِ ربّانی: خالقِ کائنات نے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:[2]

- وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى۔ ”اور عن قریب سب سے بڑے پرہیز گار کو اُس جہنم سے دُور رکھا جائے گا۔“
- اَلَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔ ”جو اپنا مال دیتا ہے؛ تاکہ اُسے پاکیزگی ملے۔“
- وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى۔ ”اور اُس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، (وہ) صرف اپنے ربِّ اعلیٰ کی رضا چاہتا (ہے)۔“
- وَلَسَوْفَ يَرْضٰى۔ ”اور یقیناً عن قریب وہ راضی ہو گا۔“ [الّیل 92:17 تا 21] (اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گا اور اُنھیں اتنا انعام عطا فرمائے گا کہ وہ بھی اپنے مالک کے انعام پر خوش ہوں گے)

کاش! صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے صدقے میں ہمیں بھی یہ توفیق عطا ہو کہ ہمارا وقت اور مال رضائے اِلٰہی کے کاموں میں صرف ہوں۔

---

[1] أَسْلَمَ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ يَوْمَ أَسْلَمَ وَلَهٗ أَرْبَعُوْنَ أَلْفَ دِيْنَارٍ۔ (تاریخ مدینۃ دمشق، ج:30، ص:66)

[2] اِن آیاتِ کریمہ میں اگرچہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے، مگر مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیات آپ سے متعلق ہی نازل ہوئیں۔

نیکیوں کی کثرت اور بھلائی میں سبقت

نئے سال کی آمد پر اِس حوالے سے غور کرنا بھی ضروری ہے کہ نیکیوں کی کثرت اور بھلائی کے کاموں میں سبقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اُخروی درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے۔ قیامت کے روز جب نیکوکاروں کو انعامات واعزازات سے نوازا جائے گا تب معلوم ہوگا کہ نیکیوں کی قدر کیا ہے!

عمر بھر اطاعت کرنے والے کی تمنا: سیدنا محمد بن ابو عَمِیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَوْ أَنَّ عَبْدًا خَرَّ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلَى أَنْ يَمُوتَ هَرَمًا فِي طَاعَةِ اللهِ لَحَقَّرَهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ وَلَوَدَّ أَنَّهُ رُدَّ إِلَى الدُّنْيَا؛ كَيْمَا يَزْدَادَ مِنَ الْأَجْرِ وَالثَّوَابِ۔ یعنی "اگر انسان پیدا ہوتے ہی چہرے کے بل گرے (سجدے میں سر رکھے، پھر پوری زندگی ربّ تعالیٰ کی فرماں برداری میں گزارے) اور اِطاعت میں بوڑھا ہو کر وفات پائے تو بھی قیامت کے دن وہ (اجر وثواب کو دیکھ کر) اپنے عمل کو حقیر وقلیل سمجھے گا اور تمنّا کرے گا کہ اُسے دُنیا میں جانے کی اجازت دی جائے؛ تاکہ وہ مزید اجر وثواب حاصل کر سکے۔"

(مسند احمد، حدیث:17650، إسنادہ صحیح)

دُعائے نبوی: نبیِ کریم ﷺ بارگاہِ ربّ العزت میں کئی ایسی دُعائیں بھی فرماتے جن سے تربیت مقصود ہوتی کہ اُمّت کو خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ سے کیا مانگنا چاہیے! اور زندگی میں بہتری کیسے لانی چاہیے! ایسی ہی ایک حسین دُعا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے، حضور ﷺ اپنے ربِّ کریم سے التجا کرتے:

- اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِيَ الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي! یعنی "اِلٰہی! میرے دین کی اصلاح فرمادے، جو میرے ہر کام کی حفاظت ہے... خداوندا! میری دُنیا درست فرمادے، جس میں میری زندگی ہے... اور میرے مالک! میری آخرت سنوار دے، جہاں مجھے لَوٹنا ہے!"
- وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ![1] یعنی "یاربّ العالمین! اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں اضافہ کا ذریعہ بنادے (میری زندگی تیرے پسندیدہ کاموں میں گزرے اور فرماں برداری میں اضافہ کا ذریعہ بنے)!"
- وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ! یعنی "یارحم الراحمین! موت کو میرے لیے ہر تکلیف سے راحت کا سبب بنادے (میرا خاتمہ بالخیر ہو؛ تاکہ دُنیا کی مشقّتوں سے جان چھوٹ جائے اور آخرت کی راحتیں نصیب ہوں)!" (صحیح مسلم، حدیث:2720)

کاش! اِس دُعا سے تربیت لیتے ہوئے ہمارے دل میں بھی شوق پیدا ہو جائے کہ اگلا سال نیکیوں میں اضافے کا سال ہوگا!

---

[1] اِجْعَلْ حَيَاتِي سَبَبَ زِيَادَةِ طَاعَتِي۔ يَعْنِي: اِجْعَلْ عُمُرِي مَصْرُوفًا فِيمَا تُحِبُّ وَجَنِّبْنِي مِمَّا تَكْرَهُ۔ (المفاتیح فی شرح المصابیح، الحدیث:1789)

سبقت الی الخیرات اور اُسوۂ صدیق: نیکیوں کی کثرت اور بھلائی کے کاموں میں سبقت (دوسروں سے آگے نکلنے) کا جذبہ بھی حضرت یارِ غار و مزار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھنا چاہیے!

حضرت سلیمان بن یسار علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حبانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: خِصَالُ الْخَيْرِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ خَصْلَةً، إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعَبْدٍ خَيْرًا جَعَلَ فِيْهِ خَصْلَةً مِّنْهَا يُدْخِلُهُ بِهَا الْجَنَّةَ۔ ”بھلائی کے 360 اوصاف ہیں، اللہ تعالیٰ جسے نوازنا چاہے اُسے اِن میں سے ایک وصف عطا کر کے اُس کے ذریعے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔“ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَفِيَّ مِنْهَا شَيْءٌ؟ یارسول اللہ! اِن میں سے کوئی وصف مجھ میں بھی پایا جاتا ہے؟ نبیِ مکرم ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ، جَمِيْعًا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ (مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا، رقم:29) وفی روایۃ: وَهَنِيْئًا لَّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ۔ (تاریخ دمشق، ج:30، ص:104) یعنی ”جی ہاں اے ابو بکر! تمہیں مبارک ہو، تمہارے اندر بھلائی کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیوں کے سرور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِّنَ الْأَشْيَاءِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ - يَعْنِي الْجَنَّةَ - يَا عَبْدَ اللهِ! هٰذَا خَيْرٌ۔ یعنی ”جو اللہ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کرے اُسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا: اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ تیرے لیے بہتر ہے۔“ مزید فرمایا:

- فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ۔ ”نمازی کو نماز والے دروازے سے پکارا جائے گا۔“
- وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ۔ ”مُجاہد کو باب الجہاد سے آواز دی جائے گی۔“
- وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ۔ ”صدقات و خیرات کرنے والے کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا۔“
- وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصِّيَامِ، وَبَابِ الرَّيَّانِ۔ ”اور روزہ دار کو باب الریّان سے ندا ہو گی۔“

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اِس کی ضرورت تو نہیں کہ کسی کو تمام دروازوں سے پکارا جائے، (داخلہ ایک دروازے سے بھی ہو سکتا ہے) لیکن کیا کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہے جسے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ، وَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ يَا أَبَا بَكْرٍ۔ ”جی ہاں! اور اے ابو بکر! یقیناً تم ان ہی لوگوں میں سے ہو۔“ (صحیح بخاری، حدیث:3666)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ انسان تجارت، تعلیم، رہائش، نوکری اور بچوں کے حوالے سے تو اگلے سال کے لیے منصوبے بناتا ہے، مگر دینی ترقّی کے لیے پلاننگ نہیں کرتا! یہ فکر تو ہے کہ اگلے سال کاروبار کیسے ہو گا، مگر یہ پرواہ نہیں کہ میرے دامن میں ایسے اعمال ہوں کہ مجھے بھی جنت کے کسی دروازے سے پکارا جائے! سال 2024ء ختم ہونے کا مطلب ہے کہ ہماری زندگی کا ایک سال مزید کم ہو گیا ہے... پہلے اگر ہماری موت کو مثلاً دس سال باقی تھے تو اب نو سال رہ گئے ہیں... اب بھی نیکیوں میں کثرت کے لیے منصوبہ بندی نہ کرنے کا مطلب ہے کہ ہم اپنی زندگی کے باقی ماندہ چند سالوں کے لیے کوشش کر رہے ہیں، مگر لاتعداد سالوں کی فکر ہی نہیں!

اتباعِ قرآن و سنت

کلمۂ طیّبہ پڑھنے کے بعد مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی مَن مانی کرے، رسم ورِواج اور دیگر معاملات میں اِس بات کی فکر ہی نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ لبیب ﷺ نے کیا حکم فرمایا ہے، بس جو دل میں آئے یا جس میں ظاہری مفاد ہو یا جو کچھ لوگوں کو کرتا دیکھے ویسا ہی کرنے لگ جائے۔ یہ رویّہ رکھنے والا بندہ نام کا مسلمان تو ہے، مگر اُس کا طریقہ مسلمانوں والا نہیں... حقیقت میں مسلمانی یہ ہے کہ بندے کا ہر عمل قرآن و سنت کے تابع ہو اور وہ وہی کچھ کرے جس کا اُس کے مالکِ کریم جلّ جلالہٗ نے حکم فرمایا ہے اور اُس کے نبیِ کریم ﷺ نے تربیت عطا فرمائی ہے۔

اُسوۂ صدیق: قرآن و سنت پر عمل کے حوالے سے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبہ قیامت تک کے لیے مَنارۂ نور ہے۔

دَورِ صدیقی میں شام، روم اور اُردن کی فتوحات کا آغاز ہو چکا تھا۔ اُس دَور میں بڑی ریاستوں کا رواج تھا کہ جب کوئی علاقہ فتح ہوتا تو وہاں کے سردار کو قتل کر کے اُس کا سَر کاٹ کر دار الحکومت میں بادشاہ کے پاس بھیج دیا جاتا۔ چنانچہ شام کے کچھ علاقے فتح ہوئے تو وہاں کے بڑے مذہبی لیڈر کا سَر کاٹ کر خلیفۃ الرسول سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ آپ نے اِس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تو عرض کی گئی: يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَإِنَّهُمْ يَصْنَعُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اے سرکارِ دو جہاں ﷺ کے خلیفۂ مکرّم! یہ وہاں کا رواج ہے، وہ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ نے بہت خوب صورت تاریخی جملہ ارشاد فرمایا، جس میں ڈانٹ کا پہلو بھی تھا: أَفَاسْتِنَانٌ بِفَارِسَ وَالرُّوْمِ؟ یعنی کیا ہم فارس اور رُوم (غیر مسلموں) کی نقّالی شروع کر دیں؟ اُن کے تہذیب و تمدّن کو اختیار کر لیں؟ پھر آپ نے قیامت تک کے لیے لائحۂ عمل دیتے ہوئے فرمایا: لَا يُحْمَلُ إِلَيَّ رَأْسٌ، فَإِنَّمَا يَكْفِي الْكِتَابُ وَالْخَبَرُ۔ یعنی آئندہ کسی کا سر کاٹ کر میرے پاس نہ لایا جائے۔ ہم کفار کے رسم ورِواج کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں، ہمارے لیے ربّ تعالیٰ کا قرآن اور رحمتِ عالم ﷺ کا فرمان ہی کافی ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم: 18351۔ قال ابن کثیر إسنادہ صحیح، کنز العمال: 11728۔ سننِ سعید بن منصور، رقم: 2649)

لمحۂ فکریہ: سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِس خوب صورت ارشاد کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اپنی صورتِ حال پر غور کریں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ باقی باتوں کو چھوڑ کر سالِ گزشتہ کے اختتام اور سالِ نَو کے آغاز ہی کو لیجیے! جو کچھ عمومی طور پر کیا جاتا ہے، کیا قرآن و سنت اور اسلامی تہذیب میں اِس کی گنجائش ہے؟

- کیا کرسمس پر کیک کاٹنا اور مبارک باد دینا اسلامی تعلیمات سے ہے؟ ہرگز نہیں! یہ خالصۃً عیسائیوں کا مذہبی تہوار ہے، جس کا اسلام سے دُور کا بھی تعلق نہیں، مگر ریاست کے سرکردہ افراد اِس میں ایسے شریک ہوتے ہیں جیسے معاذ اللہ یہ کوئی ثواب کا کام ہو!

- نیو ائیر نائٹ کے حوالے سے جو طوفانِ بد تمیزی بپا ہوتا ہے، کیا یہ اسلامی تہذیب ہے؟ ہر گز نہیں! موسیقی، شراب نوشی، ناچ گانا، آتش بازی اور ہوائی فائرنگ... اِن سب کاموں سے تو شریعتِ مطہرہ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔
- وَن ویلنگ اور موٹر سائیکلوں / گاڑیوں کے سلنسر نکال کر لوگوں کو تکلیف دینا، کیا یہ اسلامی مزاج ہے؟ بالکل نہیں! قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو بلاوجہ تکلیف دینا ایک بڑا گناہ قرار دیا ہے۔[1]

اگر یہ پوچھا جائے کہ آپ یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں؟ تو اِس کا جواب فقط یہی ہو گا کہ دُنیا ایسا کر رہی ہے۔ سیدنا ابو سعید سعد خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے (قیامت کے قریب پیدا ہونے والی صورتِ حال سے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اور اُس سے منع کرتے ہوئے) فرمایا: لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ[2] مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَّذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ۔ یعنی "مسلمانو! تم ضرور بالضرور (شرعی احکام کی خلاف ورزی میں) مکمل طور پر اپنے سے پہلے لوگوں کے راستے پر چل پڑو گے، حتّٰی کہ اگر وہ گوہ (چھپکلی نما بڑا جانور / Iguana) کے سوراخ میں گُھس جائیں (بالکل بے فائدہ، بلکہ نقصان دہ کام کریں) تو تم بھی اُن کے پیچھے چلو گے۔" صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى؟ یعنی یارسول اللہ! کیا مسلمان یہود و نصارٰی کے پیچھے چل پڑیں گے؟ فرمایا: فَمَنْ؟ یعنی "اور کس کی بات کر رہا ہوں؟ (یہود و نصارٰی کی ہی بات کر رہا ہوں، مسلمان اندھا دھند اُن کی پیروی کرنے لگیں گے)۔" (صحیح بخاری، حدیث: 7320۔ صحیح مسلم، حدیث: 2669)

ہمیں چاہیے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اِس حسین جملے سے راہ نمائی لیں: فَإِنَّمَا يَكْفِي الْكِتَابُ وَالْخَبَرُ۔ یعنی ہم کفار کے رسم و رواج کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں، ہمارے لیے ربِّ رحیم کا قرآن اور مصطفی کریم کا فرمان کافی ہے۔

مثالی اِطاعت: حضرت یارِ غار و مزار رضی اللہ عنہ اپنے ہر چھوٹے بڑے عمل میں سرکارِ دو جہاں ﷺ کے حکم کو پیشِ نظر رکھتے۔ حضرت ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بعض اوقات سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لگام گر جاتی تو آپ اونٹنی کو بٹھا کر خود لگام اُٹھاتے۔ عرض کی جاتی: آپ نے ہمیں کیوں نہیں حکم دیا کہ ہم پکڑا دیتے؟ فرماتے: إِنَّ حِبِّي رَسُوْلَ اللهِ ﷺ أَمَرَنِي أَنْ لَّا أَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا۔ یقیناً میرے محبوب، سرورِ عالَم ﷺ نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ مَیں لوگوں سے کچھ نہ مانگوں۔ (مسند احمد، رقم: 65، حسن لغیرہٖ)

لوگوں سے سوال کرنے کی ممانعت کا مطلب یہ تھا کہ شدید مجبوری کے بغیر لوگوں سے مال / چیزیں نہ مانگی جائیں، مگر سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبۂ اطاعت ایسا بے مثال تھا کہ لوگوں سے کسی شے کا بھی سوال نہ فرماتے، حتّٰی کہ لگام گرنے پر بھی خود سواری سے اُتر کر اُسے اُٹھاتے؛ صرف اِس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا۔

---

[1] الاحزاب 58:33

[2] بِفَتْحِ السِّيْنِ بِمَعْنَى الطَّرِيْقِ۔ (ارشاد الساری) ويجوز بِضَمِّ السِّيْنِ جَمْعُ سُنَّةٍ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

حرفِ آخر... سالِ نَو کی آمد پر کرنے کے کام

کام نیا ہو، مگر شریعت کے اُصولوں کے مطابق ہو تو وہ اچھا ہوتا ہے... جب کہ شرعی تقاضوں کی پاس داری نہ کی جائے تو وہ کام بُرا ہو جاتا ہے اور ایسے ہی کاموں کو "بدعت" قرار دے کر سرکارِ دوعالم ﷺ نے اُن کی مذمت فرمائی ہے۔

نئے سال کی آمد پر دُنیا بھر میں خوشی کا اِظہار کیا جاتا ہے اور مختلف تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے۔ یہ سب اگر شریعت کے دائرے میں ہو تو اچھی چیز ہے اور دینی تقاضوں کے برعکس ہو تو ہرگز اِس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

آج کے خطبہ میں نئے شمسی سال کی مناسبت سے اُسوۂ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روشنی میں چند باتوں کا تذکرہ کیا گیا۔

چند اہم نکات یہ ہیں:

1) شریعتِ مطہرہ نے اکثر دینی احکام کی بنیاد چاند کے حساب پر رکھی ہے۔ حج، زکوٰۃ، روزے، خواتین کی عدت وغیرہ... سبھی احکام کو قمری تقویم کے مطابق پورا کرنا لازم ہے۔ دُنیاوی معمولات کا نظام الاوقات (Schedule) شمسی حساب کے مطابق بنانا گناہ نہیں، البتہ قمری حساب کو ترجیح دینی چاہیے۔

2) وقت اور مال... دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں، اِن کے بارے میں قیامت کے دن خصوصی طور پر پوچھا جائے گا؛ لہٰذا اِنھیں ربِّ کریم کی فرماں برداری میں ہی استعمال کرنا چاہیے۔ اگر ہم اپنا وقت یا مال فضول اور غیر شرعی کاموں میں ضائع کریں تو روزِ قیامت سخت شرمندگی ہو سکتی ہے۔

3) دُنیا بھر میں سال کے اختتام پر اداروں وغیرہ کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا ہے؛ تاکہ کوتاہیوں کو دُور کر کے ترقّی کا سفر مزید تیزی سے طے کیا جاسکے۔ ہمیں چاہیے کہ سال کے اختتام پر اپنے ماضی، خصوصاً گزشتہ سال کے کاموں کا جائزہ لیں! اگر شریعت پر عمل میں کوتاہی ہے اور گناہوں میں مبتلا ہیں تو فوری طور پر توبہ کرتے ہوئے خود کو سنوارنے کی کوشش کریں۔

4) ربّ تعالیٰ اپنے کرم سے معمولی عمل پر اتنا انعام عطا فرماتا ہے کہ انسان اُس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ نئے سال کی آمد پر پختہ ذہن بنانا چاہیے کہ اِس میں خوب بڑھ چڑھ کر نیکیاں کریں گے اور بھلائی کے کاموں میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے۔

5) مسلمان کا ہر عمل شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ دُنیا کیا کر رہی ہے، بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ دین ہمیں کیا سکھاتا ہے۔ قرآن وسنت کے برعکس غیر مسلموں کی تہذیب اور اُن کے رسم ورِواج کو اختیار کرنا بڑی نالائقی اور سخت محرومی ہے۔

6) کرسمس عیسائیوں کا مذہبی تہوار ہے، مسلمانوں کو کسی بھی طرح سے اِس میں شرکت ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔

7) فحاشی وعُریانی، شراب نوشی وبدنگاہی اور مسلمانوں کو تکلیف دینا سبھی حرام کام ہیں، نیو ائیر نائٹ ہو یا کوئی اور موقع... مسلمانوں کو اِن کاموں سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے۔

مولانا علی رضا فخری (فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ) نے مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کی فرمائش پر خوب کہا:

یکم جنوری کو مبارک بناؤ! نیا سال آیا ہے رب کو مناؤ!
چلو نیک کاموں سے قسمت جگاؤ! نیا سال آیا ہے رب کو مناؤ!

نہ لَوٹے گی بیتی ہوئی کوئی ساعت، ابھی تک نہ جاگے تو ہوگی ندامت
نگاہوں سے غفلت کے پردے ہٹاؤ! نیا سال آیا ہے رب کو مناؤ!

مِلا ہے جو موقع سَنور لو سُدھر لو! گناہوں سے توبہ کا تم عہد کر لو!
بدی میں کبھی نہ کچھ اپنا گنواؤ! نیا سال آیا ہے رب کو مناؤ!

مسلمان ہو تم بنو بھائی بھائی! سلامت رہو گے کرو نہ لڑائی
دلوں سے تم اپنے کدورت مٹاؤ! نیا سال آیا ہے رب کو مناؤ!

سدا کیجیے سب اِطاعت نبی کی! اِسی میں چھپی ہے ترقّی سبھی کی
حُدودِ شریعت کبھی نہ بُھلاؤ! نیا سال آیا ہے رب کو مناؤ!

ابو بکر کی تم جو سیرت پڑھو گے، بھلائی میں اِک دوسرے سے بڑھو گے
اُٹھو سب کو فخریؔ سبق یہ سناؤ! نیا سال آیا ہے رب کو مناؤ!

شرعی مسئلہ: سردی کی وجہ سے پاک دستانے (Gloves) پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے؛ کیونکہ نماز میں ہاتھ ننگے رکھنا ضروری نہیں، البتہ اگر سردی وغیرہ عذر نہ ہو تو مرد کے لیے نماز میں ہاتھ ننگے رکھنا بہتر ہے اور عورتوں کے لیے عمومی حالات میں بھی ہاتھ چھپا کر نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ افضل البشر بعد الانبیا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقے میں نئے شمسی سال کو پوری اُمّت مسلمہ کے حق میں خیر و برکت کا ذریعہ بنائے! اور ہمیں اپنا محاسبہ کرتے ہوئے خود کو سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے!

خالقِ کائنات اہلِ غزہ کو اِعانت سے نوازے، اسرائیلی درندوں کو اتحادیوں سمیت تباہ و برباد فرمائے اور اُمّت کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزّہ کے مظلوموں کے ساتھ عملی طور پر تعاون کرنے کی توفیق عطا کرے!

مالکِ کریم دینی مدارس کی رونقیں تا صبحِ قیامت باقی رکھے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے!

۲ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ/03 جنوری 2025ء

اذیّت رسانی کی حُرمت اور ہماری حالت

(پہلا حصہ)

مشمولات

- وقت ضائع کرنے سے اذیّت رسانی
  - وقت کی ناقدری پر قرآنی وعید
- راستوں کے حوالے سے اذیّت رسانی
  - راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے پر جنّت کی بشارت
  - نماز میں سر کے اُوپر سے چادر اوڑھنے کی سنیّت اور چادر میں ہاتھ چھپانے کا جواز
  - راستے تنگ کرنے پر وعید اور راستے کے حقوق
- ذاتی معاملات میں مداخلت سے اذیّت رسانی
  - خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ کا حُسنِ اخلاق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا۔ [الاحزاب 58:33]

باری تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے کہ انسان دُنیا میں آتے ہوئے بھی تنہا ہوتا ہے اور یہاں سے جاتے ہوئے بھی اکیلا ہی ہوتا ہے، تاہم پیدائش ووفات کے درمیان اُس کا مختلف افراد کے ساتھ تعلّق رہتا ہے، جس کے دُنیا وآخرت میں نتائج وثمرات ہوتے ہیں۔

بعض افراد کا دوسروں کے ساتھ تعلّق ایسا حسین ہوتا ہے کہ متعلقین اُسے اپنے لیے باعثِ راحت ورحمت سمجھتے ہیں، بہت مرتبہ یہی اُن کے حق میں دونوں جہان کی بھلائی اور بخشش کا ذریعہ بن جاتا ہے... جب کہ کچھ لوگوں کا دوسروں سے میل جول اتنا بُرا ہوتا ہے کہ اُسے سببِ اذیّت وزحمت قرار دیا جاتا ہے اور کئی مرتبہ اِسی وجہ سے وہ دُنیا میں ذلّت اور آخرت میں سزا کے حق دار ٹھہرتے ہیں۔

بندۂ مومن کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ وہ گفتگو کرے تو اُس کا بول زخمی دلوں کا مرہم بنے... اُس کے پاس بیٹھنے سے ٹوٹے دلوں کی ڈھارس بندھے... اُس کا تبسّم غم زَدوں کے لیے تسکینِ قلب کا ذریعہ ہو... اور اُس کے کردار سے بھلائی کے دروازے کھلیں۔

دینی تہذیب اور اچھے ماحول سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے دَور میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دوسروں کی تکلیف کا سبب بنتی ہے۔ بعض حضرات ایسے ہیں جو مسلمانوں کو آزار پہنچانے سے بچنا چاہتے ہیں، مگر معلومات کم ہونے کی وجہ سے اَن جانے میں اذیّت کا ذریعہ بن جاتے ہیں... جب کہ بے شمار ایسے بھی ہیں جنھیں اِس بات کا احساس ہی نہیں کہ ایذائے مسلم کتنا بڑا جُرم ہے، چنانچہ وہ جان بوجھ کر دوسروں کو رَنج دیتے ہیں اور اِس پر شرمسار بھی نہیں ہوتے۔ زندہ تو زندہ رہے، لوگ وفات یافتگان کو پریشان کرنے والے کاموں سے بھی باز نہیں آتے، بلکہ ایسے عمل بھی عام ہیں جو احادیثِ کریمہ کے مطابق فرشتوں کی اذیّت کا سبب بنتے ہیں۔

دوسروں کو اذیّت پہنچانے کی مختلف صورتیں ہیں: تکلیف دہ الفاظ، اِیذا رساں لہجہ اور دُکھ پہنچانے والا عمل... یہ سبھی سخت گناہ ہیں اور یارِ غار ومزارِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی اِس ارشادِ نبوی کا مصداق ہیں: مَلۡعُوۡنٌ مَّنۡ ضَارَّ مُؤۡمِنًا أَوۡ مَکَرَ بِہٖ۔ یعنی ”جو (شرعی وجہ کے بغیر) کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے یا اُسے دھوکا دے وہ ملعون (خیر سے دُور) ہے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 1941)

کاش! ہمارے اندر یہ شعور بیدار ہو جائے کہ فرشتوں اور زندہ یا وفات یافتہ مسلمانوں کی تکریم تو بہت بلند ہے! شریعتِ مطہرہ ہمیں بلاوجہ غیر مسلموں اور جانوروں کو تکلیف دینے سے بھی منع فرماتی ہے۔

ماہِ رجب المُرجَّب کا آغاز ہو چکا ہے، جس کی آمد پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُعائے برکت فرماتے تھے اور ایک طرح سے رمضانِ کریم کی تیاری شروع ہو جاتی تھی۔ ہمیں چاہیے کہ اِس مبارک مہینے میں اپنے رویّوں کی اصلاح کریں، زحمت کے بجائے رحمت کا ذریعہ بنیں اور اذیّت کے بجائے مَسَرَّت کو عام کریں۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں ایذائے مسلم کے مختلف ذرائع سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

وقت ضائع کرنے سے اذیّت رسانی

"وقت" وہ عظیم نعمت ہے جو ضائع ہو جائے تو دوبارہ کسی بھی صورت میں نہیں ملتی، مگر ہر شخص اِس کا قدر دان نہیں ہوتا۔ جن خوش نصیبوں نے ساعات و لمحات کی قدر کی اور اُنھیں اچھے کاموں میں گزارا وہ دُنیا و آخرت کی عزتوں سے سرفراز ہوئے، لیکن جنھوں نے حینِ حیات کی اہمیت نہ جانی اور اُسے فضول یا نافرمانی کے کاموں میں صَرف کیا وہ دُنیا میں بھی کوئی بڑا کام نہ کر سکے اور روزِ حساب بھی اپنے کیے پر بے حساب افسوس کریں گے، مگر اُس دن ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

قرآن و سنت میں ہمیں وقت کی قدر کرنے / اُسے فرماں برداری میں گزارنے کا حکم دیا گیا ہے اور اِس پر عالی شان نویدیں ارشاد ہوئی ہیں، جب کہ وقت کو ضائع کرنے / نافرمانی میں گزارنے سے روکا گیا ہے اور اِس پر لَرزا دینے والی وعیدیں بیان ہوئی ہیں۔

وقت کی قدر کا انعام: اگر انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے اچھے کاموں میں گزارے تو اُسے وہ عظیم انعام نصیب ہوتا ہے جس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سیدنا ابو عبد اللہ عُبَید بن خالد سُلَمی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو افراد کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اُن میں سے ایک صاحب راہِ خدا میں شہید ہو گئے اور دوسرے تقریباً ایک ہفتہ بعد وصال کر گئے۔[1] جب ہم نے بعد میں وفات پانے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی تو آقا کریم ﷺ نے پوچھا: مَا قُلْتُمْ؟ یعنی "تم نے کیا دُعا مانگی تھی؟" عرض کی: ہم نے دُعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ اِس کی بخشش فرمائے اور اِسے اپنے شہید بھائی کے ساتھ ملا دے (اے اللہ! اگرچہ یہ صاحب شہادت سے محروم رہے ہیں، مگر تُو اپنے کرم سے اِسے بھی شہید کا درجہ عطا فرما دے؛ تاکہ دونوں بھائی جنت میں اکٹھے رہیں)! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فَأَيْنَ صَلَاتُهُ بَعْدَ صَلَاتِهِ وَصَوْمُهُ بَعْدَ صَوْمِهِ؟ - شَكَّ شُعْبَةُ فِي صَوْمِهِ - وَعَمَلُهُ بَعْدَ عَمَلِهِ۔ "پھر اُس شہید کے بعد اِس کی نمازیں، اُس کے بعد اِس کے روزے اور اُس کے بعد اِس کے اعمالِ خیر کہاں گئے؟" (تم سمجھ رہے ہو کہ شہید کا درجہ بلند ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ بعد میں وفات پانے والے کو تقریباً ایک ہفتہ تک مزید نمازوں، روزوں اور اعمالِ صالحہ کا موقع ملا ہے، چنانچہ اِس کا درجہ اِس کے شہید بھائی سے بلند ہے)

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: إِنَّ بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ یعنی "بعد میں وفات پانے والے کا درجہ شہید سے اتنا بلند ہے کہ دونوں کے دَرجوں کے درمیان زمین و آسمان جتنا (بہت زیادہ) فاصلہ ہے۔" (سننِ ابو داؤد، حدیث: 2524، إسنادہ صحیح)

جنت میں اتنا بلند و بالا رُتبہ فقط ایک ہفتہ کے اعمالِ خیر کی برکت سے ہے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وقت کتنی بڑی نعمت ہے اور اِس کی ناقدری کتنی بڑی آفت ہے!

---

[1] بعد میں وصال فرمانے والے صاحب کو شہادت کی سچی طلب تھی، چنانچہ اِس حوالے سے ایک شہادت پا کر اور دوسرے طالبِ صادق ہو کر برابر ہو گئے۔

لمحۂ فکریہ: ہمارے دَور میں بہت کم لوگ ہیں جو وقت کی قدر جانتے ہیں اور اِس کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ جس شخص کو اپنے لمحات کی قدر نہیں وہ دوسرے کی ساعات کا کب خیال کرے گا! یہی وجہ ہے کہ ہم جانے اَن جانے میں دوسروں کا وقت ضائع کر کے اُنھیں اذیّت میں مبتلا کر دیتے ہیں اور اِس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً:

- عموماً شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں وقتِ مقرر کی پابندی نہیں کی جاتی۔ بروقت پہنچنے والے کے کئی گھنٹے ضائع کر دیے جاتے ہیں، یوں بہت مرتبہ اُس کی ضروری مصروفیات متأثر ہوتی ہیں... حدّ تو یہ کہ اگر آنے والا اپنے وقت کے ضیاع کا شکوہ کرے تو اُسے جواب میں کہا جاتا ہے: آپ کو معلوم ہی تھا کہ ایسی دعوتیں بروقت نہیں ہوتیں، آپ اتنی جلدی آئے کیوں!
سمجھنے کی بات ہے کہ جب دعوت نامے پر نظام الاوقات درج کر دیا جائے تو بلاوجہ اُس کی پابندی نہ کرنے میں وقت ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ ایک طرح سے وعدہ خلافی اور تضاد بیانی و جھوٹ کا وبال بھی شامل ہو جاتا ہے؛ لہٰذا اِس سے بچنا از حد ضروری ہے۔
- سرکاری افسران کا یہ معمول بھی نہایت قبیح ہے کہ عوام کے ایک ہی کام کے لیے دفتروں کے کئی کئی چکر لگوائے جاتے ہیں، ایک افسر دوسرے کے پاس، جب کہ دوسرا تیسرے کے پاس بھیج دیتا ہے اور متعلقہ شخص خوار ہوتا رہتا ہے۔ یوں ہی کورٹس میں ایک کیس کئی سالوں تک چلتا رہتا ہے اور نظام کی خرابی کی وجہ سے لوگ چکر لگا لگا کر ذلیل ہوتے رہتے ہیں۔
- کئی لوگ دوسروں کو بلاضرورت فون کرتے ہیں یا پیغام بھیجتے ہیں... یا مختصر بات پر لمبا وقت صَرف کر دیتے ہیں... اِسی طرح دوسرے کے آرام یا مصروفیت کا خیال کیے بغیر جب چاہیں رابطہ کر لیتے ہیں... اگر وہ مُروّت کا لحاظ کرتے ہوئے زبان سے کچھ نہ بھی کہے تو ظاہر ہے کہ اُسے تکلیف تو ہوتی ہی ہے، پھر اگر وہ زبان سے کہہ ہی دے کہ "مَیں مصروف ہوں" تو آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں کہ "لو جی! فلاں اب اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ اُس کے پاس ہمارے ساتھ بات کرنے کے لیے وقت ہی نہیں ہے"۔
- بعض لوگ بے موقع ملاقات کے لیے آ دھمکتے ہیں... یا مہمان بنیں تو واپس جانے کا سوچتے ہی نہیں۔ خود فارغ ہوں تو سمجھتے ہیں کہ دوسرا بھی نکمّا ہی ہو گا... ظاہر ہے کہ اِس رویّے کی اصلاح ضروری ہے؛ تاکہ دوسروں کو ہماری وجہ سے آزار نہ ہو۔
- بہت سے افراد کسی شرعی مسئلہ پر راہ نمائی کے لیے ایک سوال متعدد مفتیانِ کرام کو بھیج دیتے ہیں، یوں ایک ہی کام کے لیے کئی افراد کا وقت صَرف ہوتا ہے اور اُن کی دوسری دینی مصروفیات متأثر ہوتی ہیں۔

سخت وعید: وقت کی اہمیت کا اندازہ اِس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب جہنمی جہنم میں چیختے چلاتے ہوئے کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں دوزخ سے نکال، اب ہم دُنیا میں جا کر اچھے کام کریں گے تو اُنھیں گزرا وقت یاد دلاتے ہوئے فرمایا جائے گا: أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ۔ "اور کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر (لمبی زندگی) نہیں دی تھی کہ جس میں نصیحت قبول کر لیتا وہ شخص جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمھارے پاس (عذاب کا) ڈر سنانے والا بھی تشریف لایا تھا تو اب مزہ چکھو، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔" [الفاطر 37:35]

راستوں کے حوالے سے اذیّت رسانی

انسانی زندگی کی روز مرّہ ضروریات میں سے ایک "راستہ" بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ راستے کے بغیر انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتا۔ اگر منزل تک پہنچنے کے لیے راہ نہ ملے تو سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے؛ اِسی لیے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں راستوں سے متعلق اذیّت دُور کرنے پر بڑی بشارتیں اور اِس حوالے سے تکلیف دینے پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں۔

جنت کی بشارت: سیدنا ابو بَرْزَہ نَضْلَہ اَسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! مجھے ایسا عمل بتلایئے جس سے مجھے نفع حاصل ہو / اُس کی برکت سے جنّت نصیب ہو جائے! امام الانبیا ﷺ نے فرمایا: اِعْزِلِ الْأَذٰى عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ! "مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو دُور کرو (اِس سے نفع بھی ہو گا اور جنت بھی عطا ہو جائے گی)!" (صحیح مسلم، حدیث: 2618۔ مسند احمد، حدیث: 19791)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق سیدِ عالم ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے سرِ راہ درخت کی شاخ پڑی دیکھی، کہنے لگا: وَاللهِ لَأُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ، لَا يُؤْذِيْهِمْ! قسم بخدا! اِسے ضرور مسلمانوں کے راستے سے ہٹا دیتا ہوں؛ کہیں اُنھیں تکلیف نہ دے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ۔ یعنی "ربّ تعالیٰ نے کرم فرماتے ہوئے اِس کی برکت سے اُس بندے کو جنت عطا فرما دی۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1914)

ہماری حالت: ہمارے ہاں اذیّت رسانی کے دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ راستوں کے حوالے سے ستانا بھی عام ہے۔ مثلاً:

- بہت مرتبہ پارکنگ درست جگہ نہیں کی جاتی۔ چنانچہ دوسروں کے لیے گزرنے کا طریق باقی نہیں رہتا... یا وہ وہاں سے اپنی سواری نہیں نکال پاتے... یا قریبی دُکان / دفتر والے اپنا کام نہیں کر پاتے... ظاہر ہے کہ یہ سب صورتیں اذیت کا سبب بنتی ہیں۔
- راستہ تنگ کر دیا جاتا ہے... دُکان دار اپنا سامان دُکان سے باہر راستے میں رکھ دیتے ہیں... گھر سے باہر چبوترہ یا کیاری وغیرہ بنا کر گلی تنگ کر دیتے ہیں... دیگیں پکانے یا کسی اور کام کے لیے گڑھے کھود دیتے ہیں... اور راہ گیر کوستے رہتے ہیں۔

شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص راستے میں بیٹھ کر خرید و فروخت کرے اور اِس سے گزرنے والوں کو پریشانی ہو تو یہاں تجارت کرنا ناجائز ہے اور ایسے شخص سے سودا نہیں خریدنا چاہیے۔ (بہارِ شریعت، ج:2، ح:11، ص:726، م:13۔ ج:3، ح:18، ص:871، م:438)

- سڑکوں / گلیوں میں تقریبات کا انعقاد بھی فیشن سمجھا جانے لگا ہے۔ شادی بیاہ اور غمی خوشی کے اجتماعات یا مذہبی مجالس کے لیے شارعِ عام کو استعمال کیا جاتا ہے، خصوصاً اگر قریب میں متبادل راستہ نہ ہو تو راہ گیروں کو سخت کُلفت محسوس ہوتی ہے۔
- چھٹی سے گزشتہ رات یا چھٹی والے دن راستوں میں کھیل کا اہتمام بھی رائج ہوتا جا رہا ہے، جس سے گزرنے والے بھی پریشان ہوتے ہیں اور بہت مرتبہ شور و غل اہلِ محلہ کے لیے بھی سخت کوفت کا سبب بنتا ہے، بلکہ گھروں سے شیشے وغیرہ ٹوٹنے کا بھی مشاہدہ ہے۔

- راستے میں کوڑا پھینکنا بھی معمول بن چکا ہے۔ اپنے گھر / دُکان / دفتر سے کچرا نکالتے ہیں اور حکومت کی طرف سے مقرر کردہ جگہ پر ڈالنے کے بجائے عین گزرگاہ میں پھینک دیتے ہیں... اِسی طرح کھانے یا پینے کی چیز استعمال کرتے ہیں اور چھلکا / لفافہ وغیرہ راستے میں ڈال دیتے ہیں... یوں گزرنے والوں کے لیے پریشانی کا سبب بنتے ہیں، بلکہ کئی مرتبہ تو کسی کا ایکسیڈنٹ بھی ہو جاتا ہے۔
- بارہا ایسی چیز ہاتھ میں ہوتی ہے یا راستے میں رکھ دی جاتی ہے جس کی نوک / دھار سے کوئی شخص زخمی ہو جاتا ہے... یا کپڑے پھٹ جاتے ہیں... یا گاڑی وغیرہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ جس کے ساتھ کبھی ایسا واقعہ ہوا ہو وہ بخوبی اِس سے ہونے والی بے چینی کو سمجھتا ہے۔
- تمباکو نوشی اور گاڑیوں وغیرہ کا دھواں بھی راہ گیروں کی ذہنی وجسمانی اذیّت کا باعث بنتا ہے، مگر اِس کی پرواہ ہی نہیں کی جاتی۔
- گزرگاہ میں بیٹھ کر بدنگاہی کرنا، دوسروں کے عیب ڈھونڈنا اور آوازیں کَسنا بھی نہایت بُری عادتیں ہیں، جن میں بے شمار لوگ اپنا وقت بھی ضائع کرتے ہیں، گناہ بھی سر لیتے ہیں اور دوسروں کے ملال کا سبب بھی بنتے ہیں۔

راستے سے متعلق اذیّت رسانی کی حُرمت کا اندازہ اِس بات سے کیجیے کہ کسی شخص کو عذرِ شرعی کے بغیر گزرگاہ میں نماز پڑھنے یا صف میں غیر ضروری جگہ گھیرنے کی اجازت نہیں، جب عبادت کی یہ صورتِ حال ہے تو باقی کاموں کا اندازہ ہم خود کر سکتے ہیں۔[1]

سخت وعید: سیدنا مُعاذ بن اَنَس جُہَنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مَیں ایک غَزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا، لوگوں نے منزلیں تنگ کر دیں اور راستے بند کر دیے (غیر ضروری جگہ گھیر لی یا راستوں میں سامان رکھ دیا)۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا: أَنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ۔ یعنی "جو جگہ تنگ کرے یا راستہ بند کرے اُسے جہاد کا پورا ثواب نہیں ملے گا۔" (سننِ ابوداوٗد، حدیث: 2629۔ ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ ومرآۃ)

راستے کے حقوق: سیدنا ابوسعید سَعد خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خاتَم النبیین ﷺ نے فرمایا: إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ۔ "راستوں میں بیٹھنے سے بچو!" لوگوں نے عرض کی: (بسا اوقات) راستوں میں بیٹھنا ضروری ہوتا ہے، اہمّ بات کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: إِذْ أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ۔ یعنی "اگر بیٹھنا ہی ہو تو راستے کا حق ادا کرو!" عرض کی گئی: یارسول اللہ! راستے کا کیا حق ہے؟ فرمایا: غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذَى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (بخاری: 6229) وفی روایۃ أبی ھریرۃ: وَإِرْشَادُ السَّبِيلِ۔ وفی روایۃ عمر: وَتُغِيثُوا الْمَلْهُوفَ۔ (ابوداوٗد: 4816، 4817) یعنی "راستے کے حقوق یہ ہیں: نگاہیں نیچی رکھنا (بدنگاہی نہ کرنا)... تکلیف دینے سے باز رہنا / تکلیف دہ چیز کو ہٹانا... سلام کا جواب دینا... بھلائی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا... (بھولے ہوئے کو) راستہ بتانا... اور مظلوم کی مدد کرنا۔"

---

[1] بعض اوقات اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش ہوتی ہے اور قانونی طریقے سے بات نہیں سُنی جاتی، ایسی صورت میں دینی تقاضوں کے تحفّظ کی خاطر اربابِ اختیار کو متوجّہ کرنے کے لیے راستہ بند کرنا ایک "شرعی عذر" ہے، اب راستہ بند کرنا کچھ حُدود وقُیود کے ساتھ جائز ہوگا۔

ذاتی معاملات میں مداخلت سے اذیّت رسانی

زندگی کے کئی معاملات کا تعلّق انسان کی ذات سے ہوتا ہے، دوسروں کا اُن اُمور سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا... جیسے گھریلو اُمور، کھانا پینا، ذرائعِ آمدن وخرچ۔ ہر انسان اِس طرح کے معاملات کو دوسروں سے مخفی رکھنا چاہتا ہے اور یہ اُس کا حق ہے۔ اگر کوئی شخص اِن معاملات میں دخل اندازی کرے تو انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے؛ اِسی لیے شریعتِ مطہرہ نے دوسروں کے ذاتی معاملات میں مداخلت سے منع فرمایا ہے، بلکہ دوسروں کے خفیہ اُمور کی جستجو کرنے پر سخت وعیدیں بھی ارشاد فرمائی ہیں۔

سیرتِ نبویّہ: نبیِ کریم ﷺ اُمّت کے لیے باپ سے زیادہ مہربان ہیں اور آپ کا کسی کے ذاتی اُمور سے متعلق شفقت فرمانا اُس کے لیے بہت بڑے اِعزاز سے کم نہیں... اِس کے باوُجود آپ ﷺ اُمّت کی تعلیم وتربیت کے لیے دوسروں کے ذاتی اُمور میں مداخلت سے اجتناب فرماتے تھے۔

سیدنا عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا أَتَى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهٖ وَلٰكِنْ مِّنْ رُّكْنِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ، وَيَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ! یعنی رسول اللہ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کسی کے گھر جاتے (اور اجازت ملنے کا انتظار کرتے) تو دروازے کے سامنے کھڑے ہونے کے بجائے دائیں یا بائیں رہتے اور اِجازت طلب فرمانے کے لیے سلام کہتے۔ (سننِ ابو داوٗد، حدیث:5186)

خفیہ اُمور کے تجسّس اور ذاتی معاملات میں مداخلت سے بچنے کی کیسی حسین تربیت ہے کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں رونق افروز بھی نہ ہوتے اور دروازے کے بالکل سامنے قیام بھی نہ فرماتے کہ کہیں پردے یا دروازے کے سوراخوں سے گھر میں نظر نہ پڑے؛ کیونکہ یہ بھی خفیہ اُمور میں دخل اندازی ہے۔

لمحۂ فکریہ: ہمارے معاشرے میں لوگ دوسروں کے ذاتی معاملات میں جی بھر کے دست اندازی کرتے ہیں اور اِس سے زیادہ افسوس ناک یہ ہے کہ اپنی اِن حرکتوں کو معیوب بھی نہیں سمجھتے۔ جیسے:

⇐ دوسروں کے ذاتی معاملات سے متعلق سوالات کرنا... مثلاً: آج گھر میں کیا پکایا ہے؟ کپڑے کتنے میں خریدے ہیں؟ ماہانہ آمدن و خرچ کتنا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے معاملات کو اپنے حساب سے انجام دیتا ہے اور دوسرے اُن میں دخل اندازی کریں تو اُسے سخت کوفت ہوتی ہے۔

⇐ بغیر اجازت لیے دوسروں کے فون کی گیلری چیک کرنا یا اُس کے پیغامات پڑھنا یا فون کی دیگر چیزیں دیکھنا بھی پرائیویسی کے خلاف ہے اور اذیّت کا سبب ہے۔

⟸ روڈ پر چلتی گاڑیوں میں جھانک کر دیکھنا بھی ذاتی اُمور میں دخل اندازی اور قبیح عمل ہے۔ ممکن ہے کہ گاڑی میں پردہ دار خواتین ہوں یا ایسی چیزیں ہوں جنھیں گاڑی والا مخفی رکھنا چاہتا ہے۔

⟸ مہمان کے آداب میں سے ہے کہ وہ اپنے میزبان کے گھر میں پڑی چیزوں کو بغیر اجازت کے نہ چھیڑے، بلکہ بلا ضرورت دائیں بائیں پڑی چیزوں کو دیکھے بھی نہیں۔ بعض غیر تربیت یافتہ مہمان ضیافت کرنے والے کے سارے گھر کی تلاشی لینا شروع کر دیتے ہیں اور صاحبِ خانہ کی رنجیدگی کا سبب بنتے ہیں۔

⟸ کوئی شخص دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے اُسے اپنا راز بتائے... یا اُس سے اپنے کسی ذاتی معاملے میں مشورہ مانگے تو اُس کا راز فاش کرنا بد دیانتی بھی ہے، رازداری کی خلاف ورزی بھی ہے اور سخت اذیت کا سبب بھی۔

⟸ موبائل فون کے ذریعے تقریباً ہر شخص کے پاس تصویر کھینچنے اور ویڈیو بنانے کی سہولت موجود ہوتی ہے۔ دوسروں کی اجازت کے بغیر اُن کی تصاویر یا ویڈیوز بنا کر سوشل میڈیا پر وائرل کر دینا عام ہوتا جا رہا ہے۔ بہت مرتبہ تصویر / ویڈیو ایسی ہوتی ہے جسے ظاہر کرنا اچھا نہیں لگتا یا کسی نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ بے ہودہ تفریح ذاتی معاملات میں کھلی دخل اندازی ہے۔

⟸ ٹی۔وی چینلز اپنی ریٹنگ بڑھانے کے لیے سب سے پہلے خبر نشر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بہت مرتبہ لوگوں کی ذاتی ویڈیوز کو بھی نشر کر دیا جاتا ہے، جو واضح طور پر ذاتی اُمور میں دست اندازی ہے، مثلاً خدانخواستہ کسی شخص کو حادثہ پیش آئے تو اُس کی اور اُس کی فیملی کی بے بسی کے عالَم میں لی گئی تصاویر یا ویڈیوز کو نشر کرنا اُس کے لیے ایکسیڈنٹ سے بڑی سردَرد بن جاتی ہے۔

⟸ بن مانگے مشورہ دینا کچھ لوگوں کا معمول ہوتا ہے، یہ ذاتی کاموں میں دست درازی ہے، جس سے انسان اپنا وقار بھی کھو بیٹھتا ہے۔

⟸ دوسروں کے خفیہ عیب اور کمزوریاں تلاش کرنا ذاتی معاملات میں مداخلت کی ایک بدترین صورت ہے، جس پر قرآن وسنّت میں سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

عیب جوئی کا انجام: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر بلند آواز سے ارشاد فرمایا: يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ! لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ۔ ”اے اُن لوگوں کی جماعت جو زبان سے اسلام لائے اور اُن کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا! مسلمانوں کو اذیت نہ دو! اُنھیں (رسوا کرنے کے لیے) عار نہ دلاؤ! اور اُن کے خفیہ عیب تلاش نہ کرو!“

پھر یہ بُری حرکت کرنے والوں کو سخت وعید سناتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَبَّعَ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ۔ یعنی ”جو اپنے مسلمان بھائی کے خفیہ عیبوں کو تلاش کرے اللہ تعالیٰ اُس کے عیب ظاہر فرما دے گا اور جس کے عیب اللہ ظاہر فرمائے وہ اُسے ضرور ذلیل ورُسوا کر دے گا، اگرچہ وہ اپنے گھر کے وسط میں (لوگوں سے چھپا) ہو۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 2032)

حرفِ آخر... راحت پہنچایئے، رحمت پایئے!

انسان نے جو چیز خود تیار کی ہو اُس پر نظر رکھتا ہے، خصوصًا اگر وہ اُس کی پسندیدہ چیز ہو تو اُس کی بہت رکھوالی کرتا ہے اور اگر کوئی شخص اُسے نقصان پہنچائے تو اُس سے ناراض ہوتا ہے۔ بلا تشبیہ و تمثیل مخلوق ربّ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اُس کی نگاہِ قدرت میں ہے، پھر مخلوق میں مسلمان اُس کے پسندیدہ و پیارے ہیں، جن پر اُس کی خصوصی نگاہِ کرم ہے۔ مسلمانوں کو نفع دینے والا پیارا بن جاتا ہے اور بلاوجہ اُنھیں اذیّت دینے پر باری تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اُس شخص کے لیے سخت سزا کی وعیدیں بھی ارشاد ہوئی ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربّانی ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔ یعنی "جو لوگ مسلمان مَردوں اور عورتوں کو اُن کی کسی خطا کے بغیر ستاتے / تکلیف دیتے ہیں اُنھوں نے بہتان اور کُھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر لیا۔" [الاحزاب 33:58]

قرآن و سنت پر عمل کے جذبہ سے سرشار بزرگانِ دین کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی بلاوجہ مسلمانوں کو تکلیف نہیں پہنچاتے تھے۔

آج ماہِ رجب المرجَّب کا دوسرا روز ہے، اِسی مہینے کی چھ تاریخ کو سلطان الہند، خواجۂ خواجگان سید حَسَن سِجْزی قُدِّس سِرّہ العزیز کا یومِ وصال ہے۔[1] دوسروں کو تکلیف نہ دینے کا سلیقہ بھی کوئی آپ سے سیکھے!

خواجۂ خواجگان علیہ الرحمہ کے جلیل القدر مرید و خلیفہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے ارشاد کا خلاصہ ہے کہ مَیں بیس سال خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر رہا ہوں، مگر مَیں نے آپ کو کبھی بھی کسی پر غصہ کرتے نہیں دیکھا، بس ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے ایک خادم کے ساتھ بدتمیزی کی تھی تو اُس پر آپ نے کچھ لمحوں کے لیے جلال فرمایا تھا۔[2] (مونس الأرواح (فارسی)، ص: 43، مطبوعہ شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی)

دین سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے دلوں سے دیگر گناہوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اذیّت پہنچانے کی ہیبت بھی ختم ہوتی جارہی ہے۔ بے دھڑک دوسروں کا دل دکھاتے ہیں، بلکہ عزت کے حوالے سے دست درازی کرتے ہیں، بلکہ دوسروں کے مال و جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے، حالانکہ یہ تمام اُمور گناہِ کبیرہ اور سخت عذاب کا سبب ہیں۔

---

[1] سالِ ولادت و وصال سے متعلق دیگر اقوال بھی ہیں۔ تاریخ کی تعیین مقصود بھی نہیں، مقصود تو اُنھیں خراجِ تحسین پیش کرنا اور اُن کے تذکرہ سے سبق حاصل کرکے خود کو سنوارنا ہے۔

[2] مَنْ بِیْست سال مُلازِمِ صُحْبَتِ آں حضرت بُودَمْ، ہرگز نَدِیْدَمْ کہ برکَسے غضب شدہ باشند، مگر یک روز...

مسلمانوں کو اذیّت رسانی سے بچنے کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے آج کے خطبہ میں چند ایسے اُمور کا تذکرہ ہوا جو ہمارے معاشرے میں عام ہیں اور جانے اَن جانے میں لوگوں کی بڑی تعداد اُن میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

- ❖ وقت عظیم الشان نعمت ہے، ہمیں اپنے وقت کی بھی قدر کرنی چاہیے اور دوسرے کے وقت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔
  - ○ تقریبات میں وقت کی پابندی ہونی چاہیے۔
  - ○ اور دوسروں سے رابطہ یا ملاقات کرتے ہوئے اُن کی مصروفیات کا لحاظ کرنا چاہیے۔
- ❖ مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے، جب کہ راستوں کے حوالے سے اُنھیں اذیّت دینا سخت گناہ ہے۔
  - ○ چنانچہ غلط پارکنگ کرنے، راستے بند کرنے، گزرگاہ میں کوڑا یا کوئی دوسری تکلیف دہ چیز پھینکنے اور راہ گزر میں بیٹھ کر بدنگاہی کرنے سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔
- ❖ دوسروں کی رازداری کا تحفّظ نہایت ضروری ہے اور سرورِ عالَم ﷺ کی سنت ہے۔ لوگوں کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرنے سے اُنھیں بھی اذیّت ہوتی ہے اور انسان کا اپنا وقار بھی مجروح ہوتا ہے۔
  - ○ ہمیں چاہیے کہ دوسروں سے اُن کے خفیہ اُمور سے متعلق سوالات نہ کریں، لوگوں کے گھروں / گاڑیوں میں جھانکنے سے بچیں، بن مانگے مشورہ دینے سے اجتناب کریں اور بلا اجازت لوگوں کی تصاویر یا ویڈیوز ہرگز وائرل نہ کریں۔

دوسروں کے خفیہ عیب اور کمزوریاں تلاش کرنے پر وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والے کے عیب ظاہر فرمادے گا۔

یہ اذیّت رسانی کے فقط چند پہلو تھے، اگر ہم ذہن بنالیں کہ دوسرے مسلمانوں کو کسی بھی طرح سے تکلیف نہیں دیں گے تو بہت سی باتیں از خود سمجھ میں آجائیں گی اور اِن شاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبات میں اِس حوالے سے مزید کچھ اُمور کا تذکرہ بھی ہوگا۔

شرعی مسئلہ: سردیوں میں بہت مرتبہ چادر اوڑھ کر نماز ادا کی جاتی ہے۔

نماز کی حالت میں چادر لینے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اُسے سر کے اُوپر سے اوڑھ کر نماز پڑھی جائے، البتہ اگر کوئی شخص فقط کندھوں کے اُوپر سے اوڑھتا ہے تو بھی اس کی نماز درست ہے۔ (فتاوٰی امجدیہ، ج:1، ص:200، مکتبہ رضویہ، کراچی)

نیز نماز کے دوران قیام کی حالت میں چادر کے اندر ہاتھ باندھ لینا جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ سردی وغیرہ عذر نہ ہو تو ہاتھ چادر سے باہر نکال کر ہی باندھے جائیں۔

۹ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ/10 جنوری 2025ء

اذیّت رسانی کی حُرمت اور ہماری حالت

(دوم ۱ھ)

(مع تذکرۂ مولَی المسلمین سیدنا علی رضی اللہ عنہ)

مشمولات

- کارہائے خیر میں اذیّت رسانی
  - صدقہ وخیرات میں اُسوۂ صدیقی ومرتضوی
  - مساجد، محافل، حج وعمرہ اور عیادت میں اذیت رسانی کی صورتیں
  - اذیّت رسانی سے عمل کا ضیاع اور جہنم کی وعید
- وفات یافتگان کو اذیّت رسانی
  - وفات یافتگان پر متعلقین کے اعمال کو پیش کیا جانا
  - گستاخِ خلفا کو سیدنا علی رضی اللہ عنہم کا حوضِ کوثر سے پانی نہ پلانا
  - تبارک کی نیاز کا جواز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا ۔ [الاحزاب 58:33]

جو بُرائی معاشرے میں عام ہو جائے لوگوں کے دلوں سے اُس کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے، پھر لوگ اُسے باعثِ شرم نہیں سمجھتے، بلکہ اگر وہ گناہ بہت زیادہ رائج ہو جائے تو نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ معاذ اللہ! لوگ اُس کا نام تبدیل کر کے اُسے اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ اِس قسم کے کئی جرائم کی مثالیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ مثلاً:

- فحاشی / بے حیائی قطعی طور پر حرام ہے اور خواتین کا بے حجاب بازاروں میں گھومنا گناہ ہے۔ کچھ عرصہ پہلے اگر کوئی خاتون بے پردہ ہوتی تو اُس کے متعلقین اُسے بُرا بھلا کہہ کر اِصلاح کرتے... مگر یہ برائی اتنی عام ہو چکی ہے کہ اب اِسے معیوب سمجھا ہی نہیں جاتا، بلکہ "روشن خیالی" اور "فیشن" وغیرہ کا نام دے کر لوگ اِسے اچھا قرار دینے لگے ہیں، نعوذ باللہ!
- جھوٹ، وعدہ خلافی، دھوکا دہی، بد دیانتی اور قومی مفادات پر ذاتی فائدے کو ترجیح دینا... ایسی بُرائیاں ہیں جن کی اسلام میں قطعًا گنجائش نہیں، مگر اب یہ سب کچھ اِس طرح چلتا ہے کہ لوگ اِن میں عار محسوس ہی نہیں کرتے، بلکہ اِن قبائح کو "یوٹرن"، "سیاست" اور "چالاکی" قرار دے کر اِن میں اپنی کامیابی تلاش کرتے ہیں۔ اقبال علیہ الرحمہ نے خوب کہا تھا:

تھا جو "ناخُوب" بتدریج وہی "خُوب" ہُوا — کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

مسلمان کو بے جا تکلیف پہنچانا گناہِ کبیرہ ہے، جس کی قرآن وسنّت میں سخت مذمّت فرمائی گئی ہے... مگر یہ جُرم بھی اتنا عام ہو چکا ہے کہ دوسروں کو اذیّت دیتے ہوئے لوگوں کے کانوں پر جُوں تک نہیں رینگتی... بلکہ بعض احمق اِسے "تفریح" سمجھ کر اتنی ڈھٹائی سے ارتکاب کرتے ہیں کہ قیامت میں جب حساب لیا جائے گا تو سخت عذاب کے مستحق قرار پائیں گے، نعوذ باللہ من ذٰلک!

ایذائے مسلم کتنا بڑا جُرم ہے! اِس کا اندازہ اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے روایت کردہ ارشادِ نبوی سے کیجیے: فَإِنَّ أَزۡنَی الزِّنَا عِنۡدَ اللّٰہِ اسۡتِحۡلَالُ عِرۡضِ امۡرِئٍ مُّسۡلِمٍ ۔ یعنی "بارگاہِ الٰہی میں سخت ترین بدکاری یہ ہے کہ کسی مسلمان کی عزت کو پامال کیا جائے۔" پھر سرکارِ دوعالم ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی: وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا ۔ [الاحزاب 58:33] یعنی "جو لوگ مسلمان مَردوں اور عورتوں کو اُن کی کسی خطا کے بغیر ستاتے / تکلیف دیتے ہیں اُنھوں نے بہتان اور کُھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر لیا۔" (مسند ابو یعلیٰ: 4689۔ شعب الایمان: 6285، اسنادہ صحیح أو حسن)

گزشتہ خطبہ میں مسلمانوں کو تکلیف دینے کے حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا تھا۔ رجب المُرجّب کی 13 تاریخ کو حیدرِ کرّار سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یومِ ولادت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کے ذکرِ خیر سے برکت لیتے ہوئے آج کا موضوع گزشتہ سے پیوستہ ہو گا۔

کارہائے خیر میں اذیّت رسانی

ربّ تعالیٰ جسے نوازنا چاہے اُسے زیادہ سے زیادہ نیکیوں کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ مال و دَولت اور دنیاوی مناصب ایسی چیزیں نہیں جن میں دوسروں سے آگے نکلنے کی فکر کی جائے، بھلائی کے کام ہی اِس لائق ہیں کہ انسان کو اُن میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ... "نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرو!" [البقرۃ:2:148]

دینِ متین سکھاتا ہے کہ کارہائے خیر میں ایسا انداز ہرگز اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی مسلمان کو بے جا تکلیف پہنچے۔ ایک شخص اچھی نیت سے نیکی کرے، مگر کم علمی یا تربیت نہ ہونے کی وجہ سے اُس کا طریقۂ کار ایسا ہو جو دوسرے مسلمانوں کی دل آزاری کا سبب بنے تو وہ نیکی کے بجائے گناہ کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں کئی ایسی صورتیں پائی جاتی ہیں کہ لوگ خیر و بھلائی کے کاموں میں دوسروں کی دل آزاری کر کے گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور اِس کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ مثلاً:

خیرات و احسان میں اذیت: صدقہ و خیرات کرنا اور کسی بھی طرح سے مسلمان پر احسان کرنا نہایت پسندیدہ اعمال ہیں۔ ربّ تعالیٰ معمولی مقدار میں دینے والے پر بڑا کرم فرماتا ہے اور بے لوث احسان کرنے والے کو احسانِ عظیم سے نوازتا ہے، مگر عموماً خیرات و احسان کا انداز ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے نیکی بھی برباد ہو سکتی ہے اور مسلمان کی دل آزاری کا گناہ بھی ہوتا ہے۔ جیسے:

- مستحقین کو بلاوجہ دیر تک قطاروں میں کھڑا کرنا یا بے سبب اُن کے کئی کئی چکر لگوانا۔
- خیرات لینے والوں کی تصاویر / ویڈیوز وائرل کر کے اُن کی تذلیل کا سبب بننا۔
- اُن کے ساتھ توہین آمیز لہجے میں بات کرنا۔
- احسان جتلانا، یعنی نیچا دکھانے / طعنہ دینے کے لیے یہ ظاہر کرنا کہ مَیں نے تم پر فلاں احسان کیا تھا۔

ایذا اور احسان جتلانے کا انجام: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔

"اے ایمان والو! احسان جتلا کر اور اذیّت دے کر اپنے صدقات کو برباد / ضائع نہ کرو!" [البقرۃ:2:264]

اُسوۂ صدیقی و مرتضوی: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ "وہ لوگ جو رات اور دن میں، پوشیدہ اور اِعلانیہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اُن کے ربّ کے پاس اُن کے لیے اُن کا اجر ہے، اُن پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔" [البقرۃ:2:274]

یہ آیتِ کریمہ سیدنا ابو بکر صدیق یا سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔ (کتبِ تفاسیر) دونوں نے اپنا اپنا مال راہِ خدا میں اخلاص کے ساتھ ایسے حسین انداز میں خرچ کیا کہ قبول فرمانے والے نے خود اُن کی تعریف فرمائی اور اُنھیں اُسوہ و نمونہ قرار دیا۔

محافل میں اذیّت: یادِ خدا تعالیٰ وذکرِ مصطفیٰ ﷺ کی محافل بے شمار رحمتوں اور برکتوں کا ذریعہ ہیں، مگر کئی مرتبہ دینی محافل یا دیگر تقریبات میں اذیّت رسانی سے بچنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ مثلاً: اتنا تیز ساؤنڈ استعمال کیا جاتا ہے کہ قُرب وجوار کے مریض اور بچے یا عمر رسیدہ افراد متأثر ہوتے ہیں، بلکہ کئی مرتبہ تو خود شرکائے محفل بھی پریشان ہو جاتے ہیں... یوں ہی رات گئے تک محافل کو جاری رکھا جاتا ہے، جس سے شرکا کی دیگر مصروفیات مُتأثر ہوتی ہیں اور اُنھیں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ دینی تقاضوں کے خلاف ہے۔[1]

حج وعمرہ میں اذیّت: عمرہ اور حجِ بیت اللہ وہ سعادتیں ہیں جن کے لیے مسلمان کا دل بے تاب رہتا ہے، مگر حج وعمرہ کرنے والوں کی ایک تعداد حَرَم شریف میں دوسرے مسلمانوں کو تکلیف دے کر وہاں کے سخت ترین گناہ کا بوجھ اپنے سر لیتی ہے، مثلاً: حجرِ اسود یا کسی اور مقدّس چیز کا بوسہ لینے کے لیے دھکم پیل کرنا... خاص مقام پر اپنے لیے جگہ بنانے کی خاطر دوسروں کو اذیّت دینا... بلا اجازت دوسرے شخص کا جوتا پہن کر اُسے پریشان کرنا... دوسروں سے بے جا جھگڑا کر کے اُن کا دل دکھانا۔ چونکہ یہ اُمور سخت گناہ ہیں اور حج یا عمرہ کرنے والا ثواب حاصل کرنے کے لیے وہاں جاتا ہے؛ لہٰذا اُسے اِن کاموں سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔

عِیادت میں اذیّت: بیمار کی عیادت کرنا اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ حضرت ابو فاختہ سعید علیہ الرحمہ کہتے ہیں: حیدرِ کرّار سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: میرے ساتھ چلو! حسن (رضی اللہ عنہ) کی عیادت کرتے ہیں! ہم سیدنا حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ اشعری رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: عِیادت کے لیے آئے ہیں یا زیارت وملاقات کے لیے؟ اُنھوں نے کہا: عیادت کے لیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

- مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ۔ "جو مسلمان صبح کے وقت کسی مسلمان کی بیمار پُرسی کرے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اُسے دُعائیں دیتے ہیں۔"
- وَإِنْ عَادَهٗ عَشِيَّةً إِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ۔ یعنی "جو مسلمان شام کو کسی مسلمان کی مزاج پُرسی کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اُس کے لیے دُعائیں کرتے ہیں۔"
- وَكَانَ لَهٗ خَرِيْفٌ فِي الْجَنَّةِ۔ "اور عیادت کرنے والے کے لیے جنّت میں ایک باغ ہو گا۔" (جامع ترمذی، حدیث:969)

افسوس کہ نادانی کی وجہ سے کئی مرتبہ بیمار پُرسی میں مریض کو پریشان کر دیا جاتا ہے، مثلاً: بیمار کے پاس اتنی دیر بیٹھنا کہ وہ اُکتا جائے (اگر آنے والے کے بیٹھنے سے بیمار خوش ہو تو حسبِ موقع بیٹھنا چاہیے، ورنہ مختصر عیادت سنّت ہے)... اُسے غیر ضروری مشورے دینا... فضول سوالات کرنا... بیماری کے حوالے سے پریشان کُن بات کرنا، جیسے: یہ تو بہت خطرناک بیماری ہے... یا اُسے دوسرے

---

[1] حکیم الاُمّت علیہ الرحمہ نے "مرآۃ المناجیح" میں حدیثِ مبارک: وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيْثٍ مِّنْ حَدِيْثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيْثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ... (مشکوٰۃ المصابیح:252) کے تحت بے جا وعظ وتقریر اور لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے متعلق بہت نصیحت آموز کلام فرمایا ہے۔

مریضوں کے مایوس کُن حالات بتانا (مریض سے ایسی بات کرنی چاہیے جس سے اُس کا دل خوش ہو، مثلاً: اللہ تعالیٰ کے کرم سے آپ جلد شفایاب ہو جائیں گے، یہ بیماری اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے مغفرت کا ذریعہ بن جائے گی)۔

مساجد میں اذیّت: مساجد سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور مسجدوں سے دل لگانے والے خوش نصیب کو قیامت کے دن عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہو گا۔ کتنی محرومی کی بات ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے گھر میں حاضر ہو، مگر اپنی نالائقی کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف دے کر گناہ کا مستحق ٹھہرے! یہ خامی بھی ہمارے اندر عام ہے۔ مثلاً:

- کچھ نمازی مسجد میں اپنے لیے جگہ مختص کر لیتے ہیں، اگر کوئی دوسرا اُن کے آنے سے پہلے وہاں بیٹھ جائے تو اُسے پریشان کرتے ہیں۔
- مسجد میں اُونچی آواز سے باتیں کرنا یا نمازیوں کے پاس تلاوت و اذکار میں آواز بلند کرنا اُن کے لیے تشویش کا باعث بنتا ہے۔[1]
- دو افراد کے درمیان جگہ موجود نہ ہونے کے باوُجود اُن میں گُھس کر بیٹھ جانا یا گردنیں پھلانگ کر گزرنا بھی تکلیف دہ امر ہے۔
- کوئی بدبُودار چیز، مثلاً کچا لہسن، پیاز کھا کر یا سگریٹ پی کر مسجد میں جانا، یوں ہی بدبُودار کپڑے پہن کر یا تَعَفُّن والی چیز ساتھ لے کر مسجد میں جانا گناہ ہے اور اِس سے لوگوں کے علاوہ فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (دیکھیے: فتاوٰی رضویہ: 1/839۔ بہارِ شریعت: 1/648)

اذیّت رسانی سے عمل کا ضیاع اور جہنم کی وعید: خیر و بھلائی کے کام بلاشبہ سعادت و رحمت کا ذریعہ ہیں، اِن میں گناہ اور مسلمان کی بے جا دل آزاری سے بچنا بہت ضروری ہے؛ کیونکہ نیکی میں دوسروں کو تکلیف دینا ایسے ہی ہے جیسے صاف شفاف پانی سے بھرے ٹینک میں نجاست ڈال دینا۔ پانی کتنا ہی عمدہ اور زیادہ کیوں نہ ہو، جب اُس میں معمولی نجاست پڑ جائے تو وہ قابلِ استعمال نہیں رہتا... یوں ہی نیکیاں بہت زیادہ ہوں تب بھی دل آزاری اور دیگر گناہوں کی نحوست اُنھیں لے ڈُوبتی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شفیعِ محشر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی گئی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! فلاں خاتون کے بارے میں چرچا ہے کہ وہ بہت نوافل پڑھتی ہے، کثرت سے (نفلی) روزے رکھتی ہے، بھلائی کے کام بڑھ چڑھ کر کرتی ہے اور صدقہ و خیرات وافر مقدار میں کرتی ہے، مگر وہ اپنی زبان (وغیرہ) سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے! فرمایا: هِيَ فِي النَّارِ۔ "(اگر توبہ کیے بغیر مَر گئی تو) وہ آگ میں ہے۔" سائل نے پوچھا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! فلاں عورت کی نمازوں، روزوں اور صدقات کی کمی کا ذکر ہوتا ہے، وہ زیادہ نوافل نہیں پڑھتی اور (غربت کی وجہ سے) پنیر کے کچھ ٹکڑے ہی خیرات کر پاتی ہے، مگر وہ اپنی زبان (وغیرہ) سے اپنے پڑوسیوں کو اذیّت نہیں دیتی! ارشاد فرمایا: هِيَ فِي الْجَنَّةِ۔ "وہ جنّتی ہے۔"

(مسند احمد، حدیث: 9675۔ شعب الایمان، حدیث: 9098۔ المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7305۔ تشریح ماخوذ از مرقاۃ و مرآۃ)

---

[1] اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا درست نہیں جس سے خود کو تکلیف ہو یا نمازی کو تشویش ہو یا جائز نیند سونے والے کے آرام میں خلل پڑے یا بیمار کو اذیّت ہو یا عوامی مقام پر لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہوں اور کوئی بھی سننے کے لیے حاضر نہ ہو۔ (فتاوٰی رضویہ، ج: 23، ص: 883، مسئلہ: 135، ملخصًا)

وفات یافتگان کو اذیّت رسانی

علمائے کرام نے مختلف احادیثِ کریمہ کی روشنی میں یہ اُصول بیان فرمایا کہ مسلمان کی زندگی میں بھی اُس کے احترام واِکرام کا حکم ہے اور اُس کی وفات کے بعد بھی اُس کی تکریم وتعظیم باقی ہے۔(حوالہ جات کے لیے ملاحظہ کیجیے: فتاوٰی رضویہ، ج:9، ص: 441تا453)

ہمارے دَور میں زندہ لوگوں کو ستانا بھی عام ہے اور وفات یافتگان کو بھی مختلف طریقوں سے تکلیف دی جاتی ہے، مثلاً:

- کسی عزیز کی وفات پر آنکھوں میں آنسو آجائیں تو یہ رحمت ومحبّت کی نشانی ہے، مگر میّت پر واویلا یا نوحہ کرنا، پیٹنا، دھاڑیں مارنا اور چلّا کر رونا، اُونچی آوازیں نکالنا اور میّت کے جھوٹے اوصاف بیان کرنا شرعًا ناجائز ہے اور اِس سے مرنے والے کو اذیّت ہوتی ہے۔
- میت کے پیٹ پر کوئی بہت بھاری چیز رکھ دینا یا اُس کے جبڑے وغیرہ ضرورت سے زیادہ کَس کر باندھنا اُس کے آزار کا سبب ہے۔
- مسلمان کا جنازہ اِس طرح بے احتیاطی کے ساتھ لے کر چلنے کی بھی اجازت نہیں کہ اُسے جھٹکے لگنے سے تکلیف ہو۔
- مسلمان میّت کا پوسٹ مارٹم کرنا... اُس کے اعضا نکال لینا... اُس پر تجربات کرنا... یا کسی اور ذریعے سے اُس کی بے حُرمتی کرنا سخت گناہ ہے اور اِس سے میت کو تکلیف ہوتی ہے... تاہم کسی شرعی عذر کی صورت میں پوسٹ مارٹم کی گنجائش ہے، مثلاً: اِس سے کسی بے گناہ کی جان بچ سکتی ہو یا پوسٹ مارٹم کے بغیر تدفین میں شدید قانونی پیچیدگی ہو۔[1]

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهٖ حَيًّا۔ یعنی ”جس طرح زندہ مسلمان کی ہڈی توڑنا حرام ہے، اِسی طرح وفات یافتہ مسلمان کی ہڈی توڑنا (اُسے اذیّت دینا) بھی حرام ہے۔“

(سنن ابو داوٗد، حدیث: 3207۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 1616، ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح)

- متعدّد احادیثِ کریمہ میں حکم ہے کہ مسلمان کی تدفین میں تاخیر نہ کی جائے؛ لہٰذا کسی شرعی مجبوری کے بغیر کئی دن تک میّت کو دفن نہ کرنا ناجائز ہے اور اُس کے آزار کا سبب ہے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کی نعش کو سَرد خانے میں رکھ دینا جائز نہیں، تاہم کوئی شرعی عذر ہو... مثلاً مناسب وقت تک کے لیے رکھ کر قاتل کا کھوج لگایا جاسکتا ہو... تو مجبورًا اجازت ہے۔
- قُبورِ مسلمین کی توہین کرنا بھی بڑا گناہ ہے اور اِس سے قبروں میں آرام فرما مسلمانوں کی سخت دل آزاری ہوتی ہے۔ جیسے کہ:
  - قبر پر بیٹھنا، لیٹنا، سونا... یا اُس پر پاؤں رکھنا... یا قبروں کو راستہ بنانا۔
  - قبر پر بَول وبراز کرنا... یا اُس پر نَجاست پھینکنا۔
  - شرعی عذر کے بغیر مسلمان کی قبر کھول دینا... قبر سے مسلمان میت کی باقیات کو نکال کر دوسری میت کو وہاں دفن کرنا... مسلمان کی قبر کا نشان مٹا دینا یا اُسے زمین کے برابر کر دینا۔

---

[1] خدانخواستہ ایسی مجبوری پیش آنے کی صورت میں دار الاِفتا سے رابطہ کر کے صورتِ حال سے آگاہ کرنا چاہیے، پھر بتائے گئے شرعی حکم پر عمل کرنا چاہیے۔

کس قدر بد بخت ہیں وہ لوگ جنھوں نے شرک وبدعت کا ڈھنڈورا پیٹ کر جنّت البقیع اور جنّت المعلیٰ شریف میں آرام فرما صحابہ و اہلِ بیت علیہم الرضوان کے مزاراتِ عالیہ سے گنبد گرائے، قبورِ مبارکہ پر بلڈوزر چلائے اور اُنھیں گزرگاہ بنادیا۔

❖ وفات یافتگان کو اُن کے زندہ متعلقین کے اعمال دکھائے جاتے ہیں۔ اگر زندہ افراد بُرے اعمال کریں تو اِس سے اُن کے مُردوں کو بہت پریشانی ہوتی ہے، یوں انسان اپنے اعمالِ بد کا گناہ بھی اپنے سر لیتا ہے اور وفات یافتگان کو ستانے کا گناہ بھی۔

سیدنا انَس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا مروی ہے:

- إِنَّ أَعْمَالَكُمْ تُعْرَضُ عَلَى أَقَارِبِكُمْ وَعَشَائِرِكُمْ مِنَ الْأَمْوَاتِ۔[1] یعنی "یقیناً تمہارے وفات یافتہ قریبی تعلّق داروں اور خاندان والوں کے سامنے تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں (جس سے اُنھیں خوشی یا پریشانی ہوتی ہے)۔"
- فَإِنْ كَانَ خَيْرًا اسْتَبْشَرُوا بِهِ۔ "اگر پیش کیے گئے اعمال اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔"
- وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ، قَالُوا: اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُمْ حَتّٰى تَهْدِيَهُمْ كَمَا هَدَيْتَنَا۔[2] اور دوسری طرح کے اعمال ہوں تو وہ دُعا کرتے ہیں: خدایا! اُنھیں موت سے پہلے ہدایت (توبہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق) عطا فرمانا جیسا کہ تُو نے ہمیں ہدایت سے نوازا!"

(مسند احمد، حدیث: 12683، إسنادہٗ ضعیف[3])

❖ زندہ شخص کے عیب بیان کیے جائیں تو اُسے بُرا لگتا ہے، یوں ہی وفات پانے والوں کی بُرائی کرنے سے اُنھیں بھی دُکھ پہنچتا ہے۔ چنانچہ حکم ہے کہ شرعی حکمت کے بغیر وفات پاجانے والے مسلمانوں کے عیب بیان نہ کیے جائیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ۔ "اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور (بلاوجہ) اُن کی برائیاں ذکر نہ کرو۔" (سننِ ابوداؤد: 4900، صحیح لغیرہٖ)

❖ وصال کر جانے والوں کو تکلیف پہنچانے کی بدترین صورت یہ ہے کہ محبوبانِ خدا خصوصًا صحابۂ کرام یا اہلِ بیتِ عظام علیہم الرضوان کے بارے میں بدزبانی کی جائے اور اُن کے باہمی معاملات کے سبب اُن میں سے کسی کی توہین کی جائے۔ اِس گھٹیا و قبیح حرکت سے ربّ تعالیٰ بھی ناراض ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور اِن نفوسِ قدسیہ کو بھی دکھ پہنچتا ہے۔

گستاخانِ صحابہ سے سیدنا علی کی براءت: رجب المرجّب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یومِ ولادت ہو یا دیگر مواقع... کچھ بد نصیبوں کو غلط فہمی ہے کہ شاید خلفائے راشدین، سیدنا عمرو بن عاص، سیدنا ابوسفیان یا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی بے ادبی

---

[1] زاد الإمام أبو داؤد: فَيُسَاءُونَ وَيُسَرُّونَ۔ (كتاب الزهد، رقم الحديث: 211)

[2] وفي رواية الطبراني: اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْهُ عَمَلًا صَالِحًا تَرْضٰى بِهٖ وَتُقَرِّبُهٗ إِلَيْكَ۔ (المعجم الاوسط، رقم الحديث: 148)

[3] سرکارِ دوعالم ﷺ اور دیگر وصال یافتگان کے سامنے اعمال پیش ہونے سے متعلق متعدد روایات ہیں، اِن میں بعض کی اسانید ضعیفہ ہیں، مگر مجموعۂ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے: نهاية الآمال في صحة حديث عرض الأعمال۔

سے وہ حیدرِ کرّار کرّم اللہُ تعالٰی وجہہ الکریم کو خوش کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں صحابہ کی گستاخی سے مولَی المسلمین کرّم اللہ وجہہٗ بھی سخت ناراض ہوتے ہیں اور گستاخ سے اپنا تعلّق توڑ دیتے ہیں۔

حضرت ابو محمد عبد اللہ مُہتدِی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مَیں حج بیت اللہ کے لیے حاضر ہوا، حرمِ اقدس میں پہنچا تو مجھے ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ اُسے پانی کی حاجت نہیں پڑتی۔ مَیں نے اُس سے وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا: مَیں حِلّہ (عراقی شہر) کا باشندہ ہوں، میرا تعلق شیعہ (صحابہ کے گستاخ) مسلک سے تھا۔ ایک رات کو مَیں نے خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے... لوگ سخت تکلیف، مصیبت اور پیاس میں مبتلا ہیں اور مجھے بھی سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ مَیں رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حوضِ کوثر پر حاضر ہوا، وہاں آپ کے چاروں یار موجود تھے۔ سیدنا صدیقِ اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بھی جام بھر بھر کر پلا رہے تھے، سیدنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بھی سیراب کر رہے تھے، سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بھی پیاسوں کی تِشنگی دُور کر رہے تھے اور سیدنا علی مرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بھی شربتِ کوثر تقسیم فرما رہے تھے۔

مَیں سیدنا علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے پاس حاضر ہوا؛ تاکہ وہ مجھے جامِ کوثر عطا کریں، اُن کے پاس اِس لیے گیا کہ مجھے اُن پر ناز تھا، محبت تھی اور اُنھیں دیگر سے مقدّم سمجھتا تھا۔ اُنھوں نے مجھ سے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ پھر پیاس کا مارا باری باری سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے بھی اِعراض فرمایا۔

اتنے میں امام الانبیا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نظر پڑی تو آپ کے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! مجھے سخت پیاس لگی ہے، مَیں حضرت علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے پاس گیا ہوں؛ تاکہ وہ مجھے جامِ کوثر پلائیں، مگر اُنھوں نے مجھ سے منہ پھیر لیا۔ میری بات سُن کر مالکِ کوثر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: كَيْفَ يَسْقِيكَ وَأَنْتَ تُبْغِضُ أَصْحَابِي! یعنی "میرے صحابہ سے بُغض رکھنے والے کو میرے حوضِ کوثر سے علی کیسے پلائے گا! (بغضِ صحابہ کی نجاست سے لتھڑا بدبخت پاکیزہ کوثر کے قابل نہیں)" مَیں نے عرض کی: حضور! میری توبہ کی کوئی صورت ہے؟ فرمایا: نَعَمْ! أَسْلِمْ وَتُبْ! وَأَسْقِيكَ شَرْبَةً لَّا تَظْمَأُ بَعْدَهَا أَبَدًا۔ یعنی "تم اپنے بُرے عقائد سے توبہ کر کے اسلامی عقائد اختیار کر لو تو مَیں تمھیں ایسا مشروب پلاؤں گا کہ پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔"

مَیں نے سرورِ عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دستِ اقدس پر توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے ایک پیالہ عنایت کیا، مَیں نے اُسے پی لیا، پھر آنکھ کھلی تو پیاس کا نام و نشان نہیں تھا۔ تب سے یہ حالت ہے کہ چاہوں تو پانی پی لیتا ہوں اور نہ پیوں تو پیاس نہیں لگتی۔ پھر مَیں اپنے علاقے میں واپس گیا اور تمام گستاخانِ صحابہ سے قطع تعلّقی اختیار کر لی۔

(مِصباح الظَّلام فی المُستَغِیثِین بِخَیرِ الأَنام فی الیَقَظَۃِ والمَنام،[1] باب فیمن استغاث من شدّۃ العطش، ص:74، دار الکتب العلمیۃ)

---

[1] جامعہ نظامیہ رضویہ کے سابق شیخ الحدیث شرفِ ملّت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے "پکارو یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" کے نام سے اِس کتاب کا خوب صورت ترجمہ فرمایا ہے۔ عربی، اردو... دونوں کتب انٹرنیٹ سے پی۔ڈی۔ایف میں مفت ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہیں۔

حرفِ آخر: ایصالِ آزار... دونوں جہان کا عار

گناہ میں مبتلا ہونے سے بھی بڑی آفت یہ ہے کہ انسان کے دل سے گناہ کی ہیبت ختم ہو جائے؛ کیونکہ اگر دل میں برائی پر شرمندگی باقی ہو تو کسی نہ کسی وقت انسان اُس سے توبہ ورجوع کر ہی لیتا ہے، لیکن خدانخواستہ بُرے کام کو بُرا سمجھنے کے بجائے اُس پر ناز کرنے لگے تو ندامت اور توبہ کا تصوّر کہاں!

یہی صورتِ حال مسلمانوں کو اذیّت پہنچانے کے سنگین جُرم کی بھی ہے، قرآن وسنّت میں اِس پر سخت وعیدیں اور لرزا دینے والی تہدیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، مگر ہمارے دَور میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو احساس ہی نہیں کہ یہ گناہِ کبیرہ اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے، جب جُرم کی ہیبت ہی ختم ہو گئی تو اُس سے بچنے کی سوچ کیسے پیدا ہو!

مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے مبیّنہ یومِ ولادت کی مناسبت سے آپ کے ایک حسین ارشادِ گرامی کو دل میں نقش کر لیجیے! ان شاء اللہ تعالیٰ گناہوں سے آلودہ معاشرے میں رہ کر خود کو اذیّت رسانی اور دیگر بُرائیوں سے بچائے رکھنے کا سلیقہ آجائے گا۔

حیدرِ کرّار سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: كُونُوا فِي النَّاسِ كَالنَّحْلَةِ فِي الطَّيْرِ، إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ الطَّيْرِ شَيْءٌ إِلَّا وَهُوَ يَسْتَضْعِفُهَا، وَلَوْ يَعْلَمُ الطَّيْرُ مَا فِي أَجْوَافِهَا مِنَ الْبَرَكَةِ لَمْ يَفْعَلُوا ذٰلِكَ بِهَا۔ یعنی لوگوں میں ایسے رہو جیسے پرندوں میں شہد کی مکھی رہتی ہے۔ ہر پرندہ اُسے کمزور سمجھتا ہے، حالانکہ اگر پرندوں کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے پیٹ میں کیا برکت رکھی ہے تو وہ اُس کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے (پرندے شہد کی مکھی کو حقیر سمجھتے ہیں، مگر وہ تکلیف دینے کے بجائے انسانوں کو اپنا بابرکت شہد فراہم کرتی رہتی ہے... یوں ہی لوگ اگرچہ تمہیں کم تر سمجھیں اور تمہارے ساتھ اچھا رویہ نہ رکھیں تب بھی تم اُنھیں دُکھ نہ دو، بلکہ بابرکت بن کر بھلائی عام کرو)۔

مزید فرمایا: خَالِطُوا النَّاسَ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَأَجْسَادِكُمْ وَزَايِلُوهُمْ بِأَعْمَالِكُمْ وَقُلُوبِكُمْ۔ یعنی اپنی زبانوں اور جسموں کے ساتھ لوگوں میں رہو، مگر اپنے اعمال اور دلوں کو اُن سے جُدا رکھو (جسمانی طور پر لوگوں میں رہو اور اُن کے ساتھ اچھی گفتگو کرو، مگر بُرے کاموں میں اُن کا ساتھ نہ دو اور دلی طور پر اُن سے الگ رہو... دل میں دُنیا والوں کو بسانے کے بجائے اُسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے آباد رکھو)!

پھر آپ نے فیصلہ کُن جملہ ارشاد فرمایا: فَإِنَّ لِلْمَرْءِ مَا اكْتَسَبَ وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ یعنی ہر انسان کو اُس کے اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا اور روزِ قیامت وہ اُسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرتا تھا۔

(مسند الدارمی، باب فی اجتناب الأهواء، الرقم: 320۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:42، ص:509۔ إسنادہٗ صحیح)

آخری دو خطبات میں ہونے والی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ:

❖ وقت نہایت قیمتی چیز ہے، جو ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارہ نہیں ملتی؛ لہٰذا اپنا وقت بھی برباد نہیں کرنا چاہیے اور دوسروں کا وقت ضائع کرکے اُن کی دل آزاری بھی نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ:

- تقریبات میں وقت کی پابندی ہونی چاہیے۔
- نیز دوسروں سے رابطہ یا ملاقات کرتے ہوئے اُن کی مصروفیات کا لحاظ کرنا چاہیے۔

❖ مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے، جب کہ راستوں کے حوالے سے اُنھیں اذیّت دینا سخت گناہ ہے۔

❖ کسی کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے سے اُسے پریشانی ہوتی ہے، اِس سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

❖ خیر و بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام بھی ضروری ہے کہ کسی مسلمان کو بے جا تکلیف نہ پہنچے؛ لہٰذا صدقہ و خیرات کرنے میں... دینی محافل کے انعقاد میں... حج و عمرہ کی سعادت میں... اور عیادت و مساجد کی حاضری میں... کسی بھی طرح سے دوسروں کو رَنج نہیں دینا چاہیے۔

❖ جس طرح زندہ مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے، یوں ہی وفات یافتہ مسلمان کو اذیّت دینا بھی سخت جُرم ہے، چنانچہ:

- واویلا و نوحہ کرنے، اونچی آواز سے رونے اور پیٹنے وغیرہ کے ذریعے مُردوں کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔
- عذرِ شرعی کے بغیر کسی بھی طرح سے مسلمان کی نعش کی بے حرمتی کرنا سخت گناہ ہے۔
- قبورِ مسلمین کی توہین بھی بڑا جُرم ہے۔
- ہمارے وفات یافتہ متعلقین کو ہمارے بُرے اعمال دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے، چنانچہ اچھے اعمال کرکے اُنھیں خوش کرنا چاہیے۔
- صحابۂ کرام یا اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتا ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو بھی اذیّت ہوتی ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی گستاخوں سے بیزار ہیں؛ لہٰذا اِن نفوسِ قدسیہ کا ذکر ہمیشہ اچھے الفاظ سے کرنا چاہیے۔

شرعی مسئلہ: ماہِ رجب میں کئی لوگ میٹھی روٹیاں پکا کر سورۂ ملک کی تلاوت کرتے ہیں، پھر ان میٹھی روٹیوں کو اپنے وفات پا جانے والے عزیزوں کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کر دیتے ہیں۔ اِسے عوامی زبان میں "تبارک کی روٹی" یا "تبارک کی نیاز" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ایصالِ ثواب ہی کی ایک صورت ہے اور ایصالِ ثواب نیکی کا کام ہے۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ح:16، ص:643، ملخصًا)

ایصالِ ثواب کسی بھی وقت میں ہو اور کسی بھی شخصیت کے لیے ہو، بہر حال اُس میں کوئی امر خلافِ شریعت نہیں ہونا چاہیے۔

۱۶ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ/17 جنوری 2025ء

اذیّت رسانی کی حُرمت اور ہماری حالت

(آخری حصہ)

(مع تذکرۂ سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

مشمولات

- لین دین میں اذیّت رسانی
- اذیّت رسانی سے بچنے کا طریقہ... قدرتِ الٰہیہ کا احساس
  - معاملات درست نہ کرنے والے تاجروں کا حشر
  - رجب کے کونڈے اور اُن کے آداب
  - امانتِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
- زبان کے ذریعے اذیّت رسانی
  - گناہ گار کی تذلیل پر اللہ تعالیٰ کا غضب فرمانا
  - مشاجراتِ صحابہ میں خاموشی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ صَدَقَۃٍ یَّتۡبَعُہَاۤ اَذًی ؕ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیۡمٌ ۔ [البقرۃ2:263]

بڑے لوگوں کو اپنے مفاد سے زیادہ دوسروں کی مَنفَعت عزیز ہوتی ہے، وہ خود تو مَشقّت برداشت کر لیتے ہیں، مگر دوسروں کو تکلیف نہیں دیتے... جب کہ عوام دوسروں کے فائدے پر اپنے نفع کو ترجیح دیتے ہیں، دوسروں کو ضَرَر سے بچانے کی فکر نہیں کرتے، بلکہ بے جا تکلیف دینے سے بھی باز نہیں آتے، مگر خود کو نقصان کا خدشہ ہو تو اُس سے بچاؤ کے لیے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہیں۔

اگر حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ کہنا بے جا نہیں کہ انسان دوسروں کو نفع پہنچا کر اُن سے زیادہ اپنا بھلا کرتا ہے اور اُنھیں تکلیف سے بچا کر اُن سے زیادہ خود سے ضَرَر کو دُور کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوذر جُندُب غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا: تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ۔ ”لوگوں کو ضَرَر پہنچانے سے بچو! یہ بھی ایک صدقہ ہے جو تم اپنی ذات پر کرتے ہو (دوسروں کو تکلیف نہ دے کر ایک گناہ سے بچتے ہو، یوں درحقیقت تم اپنے اُوپر مہربانی کرتے ہو)۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 2518)

اِس کے برعکس اگر کوئی شخص دوسروں کو تکلیف دینے سے باز نہ آئے تو وہ حقیقت میں اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے؛ کیونکہ اِس طرح وہ ایذائے مُسلِم کا سخت گناہ بھی اپنے سر لیتا ہے اور بہت مرتبہ اپنی کئی نیکیاں بھی برباد کر بیٹھتا ہے۔

خالقِ مہربان کا ارشادِ عالی شان ہے: قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ صَدَقَۃٍ یَّتۡبَعُہَاۤ اَذًی ؕ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیۡمٌ ۔ ”اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد دُکھ پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز، بڑے حِلم والا ہے۔“ [البقرۃ2:263]

رجب المرجّب کے دوران وِصال پانے والی شخصیات میں ایک نمایاں نام جلیل القدر صحابیِ رسول، مدبّرِ اُمّت، سلطانِ اسلام، ابوعبدالرحمٰن سیدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے اُمّتِ مسلمہ کو بہت نفع عطا فرمایا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ساتھی، مُعتمَد علیہ مُشیر اور کاتبِ وَحی رہے۔ خلفائے راشدین کے زیرِ سایہ مختلف اہم ذمہ داریاں انجام دیں اور ملکِ شام کے گورنر بنے۔ سمندری سفر کے ذریعے ہونے والے پہلے جہاد میں آپ ہی امیرِ لشکر تھے۔ شہادتِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چند ماہ بعد 41ھ میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت آپ کے سپرد کر دی، جس کے بعد تقریباً 20 سال تک پوری سلطنتِ اسلامیہ کے سلطان رہے۔

گزشتہ دو خطبات میں مسلمانوں کو بے جا تکلیف دینے کے حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا تھا۔ آج بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکرِ خیر سے برکت لیتے ہوئے اِسی سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے گا۔

لین دین میں اذیّت رسانی

ہر انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوسروں کے ساتھ لین دین کرنا پڑتا ہے اور اِس کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ دینِ اسلام کا حُسن ہے کہ اُس نے جس طرح مسلمانوں کو ربّ تعالیٰ کے حقوق اور اُس کی بندگی کا سلیقہ سکھایا ہے، یوں ہی بندوں کے حقوق اور اُن کے ساتھ برتاؤ کا قرینہ بھی تعلیم فرمایا ہے۔

معاملات میں اذیّت رسانی سے بچنا اتنا ضروری ہے کہ سیدنا ابو سعید سَعد خُدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم نے لین دین کے حوالے سے لوگوں کی مختلف حالتیں بیان کرکے فرمایا:

⇐ أَلَا وَخَيْرُهُمُ الْحَسَنُ الْقَضَاءِ الْحَسَنُ الطَّلَبِ۔ یعنی ”سُنو! لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جس نے دوسرے کا حق دینا ہو تو اچھے طریقے سے ادا کرے اور دوسرے سے اپنا حق لینا ہو تو عمدہ طریقے سے مُطالبہ کرے۔“

⇐ أَلَا وَشَرُّهُمْ سَيِّئُ الْقَضَاءِ سَيِّئُ الطَّلَبِ۔ ”خبردار! لوگوں میں بدترین وہ ہے جس نے دوسرے کا حق دینا ہو تو بُرے طریقے سے ادا کرے اور کسی سے اپنا حق لینا ہو تو نارَوا طریقے سے مُطالبہ کرے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 2191۔ المستدرک علی الصحیحین: 8543)

لمحۂ فکریہ: اگر ہم اپنے طریقۂ کار پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ بہت مرتبہ ہم لین دین میں دوسروں کو بے جا تکلیف دیتے ہیں اور یہ اِس قدر عام ہے کہ احساس بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً:

⇐ قرض کی ادائیگی، ثمن کی سپردگی یا کسی بھی کام کا وعدہ کرکے اُسے پورا نہ کرنا شرعی واخلاقی تقاضوں کے بھی خلاف ہے اور اِس سے دوسرے فریق کو اذیّت بھی ہوتی ہے، مگر ہمارے معاشرے میں یہ ایک عام سی بات ہے۔

⇐ ایک شخص نے قرض، کرایہ یا کسی اور مدّ میں رقم ادا کرنی ہو اور وہ واقعی طور پر کسی مجبوری کی وجہ سے ادا نہ کر پائے تو طعنوں، دھمکیوں اور دیگر ذرائع سے اُسے پریشان کیا جاتا ہے، حالانکہ اگر وہ حقیقی طور پر مجبور ہے تو شرعاً مہلت کا مستحق ہے، نیز اُسے تنگ کرنے سے رقم بھی جلد نہیں مل سکتی۔

⇐ چیز خریدنے کا ارادہ نہ ہو، بس ایسے ہی شوقیہ طور پر دکان دار کا سر کھپاتے رہنا بھی تکلیف دہ امر ہے۔

⇐ اگر دو فریقوں کے درمیان خرید وفروخت یا کرایہ داری وغیرہ کا عقد نتیجہ خیز مرحلے تک پہنچ گیا ہو یعنی طے ہونے کے بالکل قریب ہو تو شریعتِ مطہرہ تیسرے فریق کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ زیادہ رقم دے کر یا اپنا اثر ورسوخ استعمال کرکے اُن کا عقد خراب کرے اور وہ چیز لینے کی کوشش کرے[1]؛ کیونکہ ایسا کرنے سے پہلے فریقوں کو پریشانی لاحق ہو سکتی ہے... مگر ہمارے لیے شاید یہ مسئلہ نیا ہو؛ کیونکہ اذیّت رسانی کی یہ صورت آئے روز اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: بہارِ شریعت، ج:2، ح:11، ص:723

⟸ لڑکے اور لڑکی والوں کے درمیان نکاح کی بات چیت نتیجہ خیز مرحلے تک پہنچ چکی ہو تو شرعی طور پر تیسرے فریق کو ٹانگ اٹکانے کی اجازت نہیں؛ تاکہ دونوں خاندانوں کے لیے آزار کا سبب نہ ہو، مگر معاشرے میں یہ صورت بھی معمول بنتی جارہی ہے۔

⟸ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو لین دین میں پورا حق نہیں دیتی، مختلف طریقوں سے دوسروں کے حق میں کمی کرتی ہے۔ جیسے: ناپ تول میں ڈنڈی مارنا... اچھی چیز کے پیسے لے کر گھٹیا چیز فراہم کرنا... یا بیچنے والے / کرایہ پر دینے والے کو پوری رقم نہ دینا۔ اِن سب صورتوں میں جب حق والے کو اِس بد دیانتی کا پتا چلتا ہے تو اُس کی سخت دل آزاری ہوتی ہے، یوں انسان دھوکا دینے کے ساتھ ساتھ بے جا دل دُکھانے کا گناہِ کبیرہ بھی اپنے سر لیتا ہے۔

⟸ تاجر حضرات گاہک کو مطمئن کرنے کے لیے جھوٹی قسم اُٹھانے سے گریز نہیں کرتے، حالانکہ اِس سے جہاں دوسرے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے وہاں کاروبار والے کے کام سے برکت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

معاملات درست نہ کرنے والوں کا حشر: معاملات میں مسلمانوں کو اذیّت وتکلیف پہنچانے کا انجام اِس قدر بُرا ہے کہ سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا عبد الرحمٰن بن شِبْل رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ آپ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مبارک ارشادات سُنے ہیں اُن میں سے کچھ لوگوں کو سکھایئے! چنانچہ اُنھوں نے لوگوں کو جمع کر کے مختلف احادیثِ طیبات سنائیں، جن میں ایک یہ بھی تھی: إِنَّ التُّجَّارَ هُمُ الْفُجَّارُ۔ "بلاشبہ تاجر ہی نافرمان ہیں۔" صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! (تاجر کیوں فاجر ونافرمان ہیں) کیا اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سُود کو حرام نہیں قرار دیا؟ ارشاد فرمایا: بَلٰى! وَلٰكِنَّهُمْ يَحْلِفُوْنَ وَيَأْثَمُوْنَ۔ یعنی "کیوں نہیں! (اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سُود کو حرام کیا ہے) لیکن وہ جھوٹی قسمیں اُٹھاتے ہیں۔"

(مصنف عبد الرزاق، ج:10، ص:12، رقم:20495۔ مسند احمد، حدیث:15669۔ شعب الایمان، حدیث:4503، رجالہ ثقات)

سیرتِ سیدنا معاویہ: معاملات میں دیانت داری اور سچائی کا سلیقہ سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھنا چاہیے! آپ کی امانت کے لیے یہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وحی لکھنے کے لیے مقرر فرمایا اور آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے آپ کے امین ہونے کی گواہی دی۔

سیدنا عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معاملے میں سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ طلب فرمایا۔ اُنھوں نے عرض کی: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کی عطا سے اُس کے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُدْعُوْا لِيْ مُعَاوِيَةَ! یعنی "مُعاویہ کو میرے پاس بلاؤ!" جب وہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَشْهِدُوْهُ أَمْرَكُمْ، أَحْضِرُوْهُ أَمْرَكُمْ؛ فَإِنَّهٗ قَوِيٌّ أَمِيْنٌ۔ یعنی "معاویہ کو اپنے معاملے میں شریک کرو؛ بلاشبہ وہ طاقت وَر بھی ہے اور امانت دار بھی ہے۔" (مسند البزار، ج:8، ص:433، رقم:3507۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:59، ص:86)

حدیثِ پاک میں دیانت داری کا سبق بھی ہے اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدزبانی کرنے والوں کے لیے تنبیہ بھی۔

زبان کے ذریعے اذیّت رسانی

زبان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہت بڑی نعمت ہے، حقیقی طور پر اِس کی قدر وہی جانتا ہے جو اِس نعمت سے محروم ہے۔ کسی بھی نعمت کا غلط استعمال انسان کے لیے سخت نقصان کا باعث بنتا ہے... یوں ہی بیشتر لوگ نعمتِ لسان کی قدر نہیں کرتے اور اپنی زبان کو غلط استعمال کرکے دوسروں کو تکلیف دیتے ہیں، یہ ناقدر شناسی و ناشکری دُنیا و آخرت میں اُن کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا بلال بن حارث مُزَنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جانِ جاناں ﷺ نے ارشاد فرمایا:

❖ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَرْفَعُ اللهُ بِهَا دَرَجَاتٍ۔[1] یعنی "یقیناً بندہ رِضائے الٰہی کا کوئی کلمہ کہہ دیتا ہے، جس کی اُسے پرواہ نہیں ہوتی (اُسے اندازہ نہیں ہوتا کہ جو بات مَیں کہہ رہا ہوں یہ بارگاہِ ربّ العزّت میں کتنی عظیم الشان ہے)، اللہ تعالیٰ اُس کلمہ کی برکت سے اُس کے حق میں یہ لکھ دیتا ہے کہ مَیں ملاقات کے دن تک (ہمیشہ کے لیے) اِس سے راضی ہوں اور اُس کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔"

❖ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ۔[2] یعنی "بلاشبہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی والی کوئی بات کہہ بیٹھتا ہے، اُس کی پرواہ نہیں کرتا، سزا یہ ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ملاقات تک کے لیے اُس سے ناراض ہو جاتا ہے اور وہ بندہ جہنم میں جا گرتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث:6478)

لمحۂ فکریہ: ہم اپنی زبانوں کا غلط استعمال کرتے ہیں یا صحیح؟ اِس کا جواب معاشرے کے رویّوں سے لگایا جا سکتا ہے، مثلاً:

بات کاٹنے سے اذیّت: بہت سے لوگوں کو زیادہ بولنے کی عادت ہوتی ہے، وہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر بے جا بول پڑتے ہیں جس سے دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک شخص گفتگو کر رہا ہو اور دوسرا اُس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اپنی بات شروع کر دے۔

سرگوشی سے اذیّت: گفتگو کے ذریعے دل دکھانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی نشست میں اِس طرح سرگوشی کی جائے کہ دوسرا شخص اُس میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے ارشادِ گرامی کا مفہوم ہے کہ "دو افراد تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔" مزید فرمایا: فَإِنَّ ذٰلِكَ يُؤْذِي الْمُؤْمِنَ وَاللهُ عزّوجلّ يَكْرَهُ أَذَى الْمُؤْمِنِ۔ "کیونکہ اِس سے مسلمان کو تکلیف ہوتی ہے اور مسلمان کی اذیّت اللہ تعالیٰ

---

[1] وفی روایۃ سیدنا بلال بن الحارث المُزَنِیّ مرفوعًا: فَيَكْتُبُ اللهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث:2472)

[2] وفی روایۃ سیدنا بلال: فَيَكْتُبُ اللهُ عزوجل عَلَيْهِ بِهَا سُخْطَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ۔ (أیضًا)

کو ناپسند ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث:2825) مومن کی اذیّت اتنی بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے پسند نہیں فرماتا!

گالی سے اذیّت: ہمارے معاشرے میں گالی دینا بہت عام ہوتا چلا جارہا ہے، بعض بے حیا لوگ تو مزاح میں بھی گالیاں بک رہے ہوتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے منافق کی نشانیوں میں سے ایک یہ ارشاد فرمائی: وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ یعنی "جب اُس کا جھگڑا ہو تو گالیاں دیتا ہے / ناحق بات کہتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث:2459)

طنز سے اذیّت: کسی کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ اُسے تنہائی میں خیر خواہانہ انداز سے سمجھایا جائے، یہ بہت اچھی بات ہے اور سننے والے کو اِس سے اپنی اصلاح کرنی چاہیے... لیکن اگر کسی شخص کی غلطی پر اُسے طَنز وتَمسخُر کے انداز میں تنبیہ کی جائے تو یہ طریقہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور عموماً اِس طرح سننے والے کی اِصلاح بھی نہیں ہو پاتی۔

سیدنا معاویہ بن حَکَم سُلَمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ نماز میں غلطی ہوئی، رحمتِ عالَم ﷺ نے اُنھیں اتنے پیار بھرے لہجے میں سمجھایا کہ وہ کہا کرتے: فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي! مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ۔ میرے ماں باپ حضور پر قربان! مَیں نے اتنے حسین انداز سے سکھانے والا نہ آپ ﷺ سے پہلے کوئی دیکھا نہ آپ کے بعد۔ (صحیح مسلم، حدیث:537)

مزاح میں اذیّت: بہت مرتبہ لوگ کسی کو سخت اذیّت پہنچاتے ہیں، بعد میں آرام سے کہہ دیتے ہیں: مَیں تو مزاح کر رہا تھا۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ مزاح جائز ہے، مگر تب جب کہ اُس میں جھوٹ، کسی کی دل آزاری اور بد تمیزی وغیرہ نہ ہو۔

مسلمانوں کا بے جا مذاق اُڑانے والے کو روزِ حشر ذلیل کیا جائے گا۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے: "بلاشبہ لوگوں کا مذاق اُڑانے والے کے لیے جنّت کا دروازہ کھول کر (بطورِ سزا) کہا جائے گا: هَلُمَّ! هَلُمَّ! آجاؤ! آجاؤ! وہ مصیبت و غم کا مارا آئے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا۔" فرمایا: فَمَا يَزَالُ كَذٰلِكَ، حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيُفْتَحُ لَهُ الْبَابُ، فَيُقَالُ لَهُ: هَلُمَّ هَلُمَّ! فَمَا يَأْتِيهِ مِنَ الْإِيَاسِ۔ یعنی "اُس کے ساتھ (مذاق اُڑانے کی سزا میں) کئی بار اِسی طرح کیا جائے گا، حتّٰی کہ اُس کے لیے دروازہ کھول کر کہا جائے گا کہ آجاؤ! تو وہ مایوس ہو جانے کی وجہ سے نہیں آئے گا۔"

(شعب الإیمان، ج:9، ص:109، حدیث:6333، مکتبۃ الرشد، إسنادہ حسن۔ الصمت وآداب اللسان لابن أبي الدنیا، حدیث:285)

بُرے نام سے اذیّت: یہ عادتِ بد بھی کثیر ہے کہ دوسروں کو ایسے ناموں سے پکارا جاتا ہے جن سے اُن کا دل دُکھتا ہے، مثلاً لمبو، کالُو، موٹُو۔ قرآنِ حکیم نے ایسے نام رکھنے سے واضح طور پر منع فرمایا ہے۔ [الحجرٰت 49:11]

گناہ پر عار دلانے سے اذیّت: جب انسان کسی گناہ کو چھوڑ دیتا ہے اور اُس سے سچی توبہ کر لیتا ہے تو ربِّ کریم اُسے معاف فرما دیتا ہے، اب اُسے پرانا جُرم یاد دلا کر شرمندہ کرنا سخت گناہ ہے۔ یوں ہی بعض لوگ غصّے میں یا اِظہارِ نفرت کے لیے کہہ دیتے ہیں: "فلاں جنّت میں نہیں جاسکتا"، یہ بھی نہایت خطرناک جملہ ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مالکِ رقابِ اُمم ﷺ سے روایت کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے دوسرے کو کہا: ”قسم بخدا! اللہ تعالیٰ تیری مَغفرت نہیں فرمائے گا“ یا ”قسم بخدا! اللہ تعالیٰ تجھے جنّت میں داخل نہیں کرے گا“۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا، اُس نے دونوں کی جان نکال لی (علمِ الٰہی میں اُن کی موت کے لیے یہی وقت مقرر تھا)۔ وہ بارگاہِ ربّ العزت میں پیش ہوئے تو ربِّ کریم نے گناہ گار کو فرمایا: اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِيْ! ”جا! میری رحمت سے جنّت میں چلا جا!“ اور دوسرے کو فرمایا: أَكُنْتَ بِيْ عَالِمًا؟ أَكُنْتَ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ قَادِرًا؟ یعنی ”کیا تُو میرے (فیصلے کے) بارے میں جانتا تھا؟ میرے پاس جو (رحم و کرم) ہے، کیا تُو اُس پر قادر تھا (مجھے اُس سے روک سکتا تھا)؟“ پھر فرشتوں کو فرمایا: اِذْهَبُوْا بِهٖ إِلَى النَّارِ! ”اِسے جہنّم میں لے جاؤ!“ ارشاد فرمایا: فَوَالَّذِيْ نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهٖ، لَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَوْبَقَتْ دُنْيَاهُ وَآخِرَتَهُ۔ ”اُس ربّ کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں ابو القاسم ﷺ کی جان ہے! اُس نے ایک ایسا جملہ کہا جس نے اُس کی دُنیا و آخرت کو تباہ کر دیا۔“ (مسند احمد، حدیث: 8292۔ سننِ ابو داوٗد، حدیث: 4901)

شماتت سے اذیّت: زندگی کے حالات بدلتے رہتے ہیں، جب کوئی مسلمان پریشانی / مصیبت میں مبتلا ہو تو اُس کی مصیبت پر ہنسنا اُس کے لیے مصیبت سے بھی بڑا دکھ بن جاتا ہے۔

سیدنا واثلہ بن اَسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ معلّمِ اعظم ﷺ نے فرمایا: لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ فَيَرْحَمَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيَكَ۔ یعنی ”اپنے مسلمان بھائی کی (دینی یا دُنیاوی) مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ اُس پر رحم فرمائے گا اور تمہیں مصیبت میں مبتلا فرما دے گا۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 2506)

دیگر ذرائع سے اذیّت: زبان کے ذریعے اذیّت رسانی کی اور بھی بہت سی صورتیں عام ہیں، جیسا کہ بے جا لعنت کرنا... چغل خوری کرنا (فساد پھیلانے کے لیے اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات اِدھر پہنچانا) اور بغیر شرعی ثبوت کے کسی کو جھوٹا، بد دیانت، چور اور رشوت خور وغیرہ کہہ کر دل دُکھانا۔

بدترین اذیّت: نعمتِ لسان کی اِس سے بڑی ناشکری کیا ہو گی کہ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زبان سے اُس کے پیاروں کے بارے میں بے ہودہ کلمات کہے... خصوصًا سیدنا امیر معاویہ یا دیگر صحابۂ کرام و اہلِ بیتِ عِظام رضی اللہ عنہم کے بارے میں زبان درازی کرے! اپنی ”زبان دانی“ یا ”تحقیق کی فراوانی“ سے اُن حضرات کو اذیّت پہنچائے جن کے جنّتی ہونے کا اعلان ربّ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے!

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: اہلِ صِفّین (سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکروں) سے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ يَدَيَّ مِنْهَا، فَلَا أُحِبُّ أَنْ أَخْضِبَ لِسَانِيْ فِيْهَا۔ یعنی ”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرماتے ہوئے اُن کی خون ریزی سے میرے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے، لہٰذا اُن کے متعلق (کوئی نازیبا بات کہہ کر) مَیں اپنی زبان آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔
(حلیۃ الأولیاء، ذکر طوائف من جماھیر النسّاك و العبّاد، ج: 9، ص: 114)

اذیّت رسانی سے بچنے کا طریقہ... قدرتِ الٰہیہ کا احساس

"خوفِ الٰہی" اور "قدرتِ الٰہیہ کا احساس" ایسی عظیم نعمتیں ہیں جو مسلمانوں کو بے جا تکلیف پہنچانے سمیت تمام گناہوں سے روکتی ہیں اور "بے خوفی" وہ آفت ہے جسے بجا طور پر تمام برائیوں کی جڑ کہا جا سکتا ہے۔ جب بندہ باری تعالیٰ کی قدرت پر غور کرتا ہے اور اپنے دل میں یہ شعور بیدار کرتا ہے کہ "وہ ہر وقت مکمّل طور پر اپنے مالک کے تصرّف میں ہے اور ربّ تعالیٰ جب چاہے، جیسے چاہے اُس کی حالت کو تبدیل فرما سکتا ہے" تو وہ ایذائے مسلِم یا کسی بھی گناہ کا خیال آتے ہی یہ سوچ کر باز رہتا ہے کہ اگر ربِّ کریم نے اِس جُرم پر میری گرفت فرمائی تو کیا کروں گا! یوں اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے اور انسان گناہوں سے بچتے ہوئے بھلائیوں میں آگے بڑھتا ہے۔

یہ شعور بیدار فرمانے کے لیے ربّ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جابجا اپنی قُدرت وطاقت کا ذکر بھی فرمایا ہے اور وہ وقتاً فوقتاً اپنی قُدرت وقوّت کے جلوے دکھاتا بھی ہے۔

اِس وقت امریکی ریاست کیلیفورنیا (California) کے سب سے زیادہ آبادی والے شہر لاس اینجلس (Los Angeles) میں لگی ہوئی تباہ کُن آگ بھی ربّ تعالیٰ کی قدرت کا اِظہار ہے۔ دُنیا کو اپنی مٹھی میں بند کرنے کی خواہش رکھنے والے امریکہ کی پوری انتظامیہ تمام تر جدید ٹیکنالوجی کے باوجود آگ، بلکہ حقیقت میں ربّ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے مکمل طور پر بے بس ہے۔ 40 ہزار ایکڑ سے زیادہ رقبہ جل کر راکھ ہو چکا ہے، 12 ہزار سے زائد عمارتیں تباہ ہو چکی ہیں، نقصان کا ابتدائی تخمینہ 275 ارب ڈالر ہے، لاکھوں افراد متأثر ہیں اور تاحال انتظامیہ کی طرف سے یہ وارننگ ہے کہ تیز ہواؤں کے سبب آگ مزید پھیل سکتی ہے۔

اِس قدرتی آفت میں اگرچہ وہ لوگ مبتلا ہیں جن کے ہاتھ لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہیں، خصوصاً اگر اِسے غزہ میں ہونے والے اسرائیلی ظلم وبربریّت کی حمایت کا بدلہ کہا جائے تو ہرگز بے جا نہیں؛ کیونکہ مکافاتِ عمل کا اُصول برحق ہے اور ہر دَور میں ربّ تعالیٰ فوری طور پر یا کچھ مہلت کے بعد ظالموں کو ایسے عبرت ناک انجام سے دوچار فرماتا رہا ہے... مگر اِس صورتِ حال میں ہمارے لیے بھی عبرت ہے کہ ہم بھی مسلمانوں کو بے جا تکلیف دینے سمیت ہر طرح کے گناہوں سے باز رہیں۔

ربّ تعالیٰ نے قدرت کی ایسی نشانیوں سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ[1] اِلَّا تَخْوِيْفًا۔

"اور ہم (لوگوں کو عذاب سے) ڈرانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں۔" [بنی اسراءیل 17:59]

بہت نالائق ہیں وہ لوگ جو قدرت کی کھلی نشانیاں دیکھیں، مگر اُن سے عبرت حاصل نہ کریں۔

---

[1] أَيْ بِالْاٰيٰتِ الْمُقْتَرِحَةِ اِلَّا تَخْوِيْفًا مِنْ نُزُوْلِ الْعَذَابِ الْمُسْتَأْصِلِ، فَإِنْ لَمْ يَخَافُوْا نَزَلَ... أَوْ بِغَيْرِ الْمُقْتَرِحَةِ كَالْمُعْجِزَاتِ وَاٰيٰتِ الْقُرْآنِ اِلَّا تَخْوِيْفًا بِعَذَابِ الْآخِرَةِ، فَإِنَّ أَمْرَ مَنْ بُعِثَتْ إِلَيْهِمْ مُؤَخَّرٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (تفسير البيضاوی، تحت الآية)

حرفِ آخر: اذیّت رسانی... دونوں جہان کی پشیمانی

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک "حِلم" بھی ہے۔ باری تعالیٰ مجرموں کو فوری سزا نہیں دیتا، ورنہ دُنیا کب کی تباہ ہو چکی ہوتی۔ وہ مہلت دیتا ہے، باز آنے اور توبہ کرنے کا موقع عطا فرماتا ہے... اگر انسان توفیقِ الٰہی سے پلٹ آئے تو گزشتہ جرائم کو بھی بخش دیتا ہے، لیکن معاذ اللہ! کوئی بدنصیب مہلت سے مزید بے باک ہو جائے تو اُس کی بہت سخت گرفت فرماتا ہے۔

ویسے تو جزا و سزا آخرت میں ہو گی... دُنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا ہے، مگر کچھ کاموں پر باری تعالیٰ اتنا سخت ناراض ہوتا ہے کہ اُن کی سزا آخرت کے ساتھ ساتھ دُنیا میں بھی مل جاتی ہے، جیسے والدین کی نافرمانی اور مخلوقِ خدا پر ظلم کرنا۔ مسلمانوں کو بے جا اذیّت پہنچانا بھی اُنہی جرائم میں سے ہے جن کی سزا بہت جلد ملتی ہے۔

سیدنا ابو صِرمہ مالک اَنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللهُ بِهِ وَمَنْ شَاقَّ[1] شَقَّ اللهُ عَلَيْهِ۔ یعنی "جو بے جا (مالی یا بدنی، دُنیاوی یا اُخروی) نقصان پہنچائے اللہ تعالیٰ اُسے (بطورِ سزا) نقصان میں مبتلا فرمائے گا اور جو ناحق اذیّت دے / مخالفت کرے اللہ تعالیٰ اُسے اِس کی سزا دے گا۔" (جامع ترمذی، حدیث: 1940۔ سنن ابو داؤد، حدیث: 3635)

ہمیں چاہیے کہ ربّ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے باز رہیں... لیکن اگر کوئی شخص مفاد پرست ہو اور ہر کام میں اپنا نفع ہی ڈھونڈتا ہو تو اُس کا اپنا فائدہ بھی اِسی میں ہے کہ دوسروں کو اذیّت نہ دے؛ کیونکہ دوسرے مسلمانوں کو بے جا دُکھ دینے پر دُنیا و آخرت میں سزا کی وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

کامل مسلمان ذریعۂ اذیّت و زحمت نہیں بنتا، بلکہ سببِ راحت و رحمت ہوتا ہے... اُس سے شر کا خدشہ نہیں ہوتا، بلکہ خیر کی توقّع ہوتی ہے۔ سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ربّ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے اُمّت کو بے پناہ نفع عطا فرمایا۔ لاکھوں افراد نے آپ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور آپ کی امارت میں اسلامی سلطنت کی حُدود خوب وسیع ہوئیں۔

آخری تین خطباتِ جمعہ میں مسلمانوں کو اذیّت پہنچانے کی حُرمت سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ:

- اپنے وقت کا بھی صحیح استعمال کرنا چاہیے اور دوسروں کا وقت ضائع کر کے اُنھیں بھی پریشان نہیں کرنا چاہیے۔
- خیر و بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام بھی ضروری ہے کہ کسی مسلمان کو بے جا تکلیف نہ پہنچے؛ لہٰذا صدقہ و خیرات کرنے میں... دینی محافل کے انعقاد میں... حج و عمرہ کی سعادت میں... اور عیادت و مساجد کی حاضری میں... کسی بھی طرح سے دوسروں کو رَنج نہیں دینا چاہیے۔

---

[1] وَالْمَشَقَّةُ: إِيصَالُ أَذِيَّةٍ إِلَى بَدَنِهِ بِتَكْلِيفِهِ عَمَلًا شَاقًّا... أَوْ مِنَ الشِّقَاقِ بِمَعْنَى النِّزَاعِ۔ (لمعات التنقیح)

❖ جس طرح زندہ مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے، یوں ہی وفات یافتہ مسلمان کو اذیّت دینا بھی سخت جُرم ہے۔

❖ ارشادِ نبوی کے مطابق بہترین شخص وہ ہے جو دوسرے کے حق کی ادائیگی بھی اچھے طریقے سے کرے اور اپنے حق کا مطالبہ بھی عمدہ انداز سے کرے؛ لہٰذا ہمیں لین دین میں اذیّت پہنچانے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے... دوسروں کو اُن کا حق پورا دیں، وعدے کی پاس داری کریں، مجبور کو مہلت دیں اور دوسرے کے سودے پر سودا نہ کریں۔

❖ ہماری زبان سے ہمیشہ اچھی بات نکلنی چاہیے، بعض اوقات ایک بُری بات بھی انسان کو لے ڈوبتی ہے۔ دوسرے شخص کی بات کاٹنا... پریشان کُن انداز میں سرگوشی کرنا.. گالیاں دینا... مذاق اُڑانا... طعنے دینا... بُرے نام رکھنا... توبہ کے بعد گناہ پر عار دلانا... مسلمان کی مصیبت پر ہنسنا... دل آزاری کی یہ سب صورتیں بظاہر معمولی ہیں، مگر بارگاہِ ربّ العزّت میں بہت بڑی ہیں۔

❖ سیدنا امیر معاویہ سمیت صحابہ یا اہلِ بیت علیہم الرضوان میں سے کسی سے متعلق بدزبانی کرنا دُنیا و آخرت میں تباہی کا ذریعہ ہے۔

❖ تکلیف دینے کی عادت چھڑانے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شعور بیدار کرے کہ مَیں ہر وقت مکمّل طور پر اپنے مالک کے تصرّف میں ہوں۔ ربّ تعالیٰ جب چاہے، جیسے چاہے میری حالت کو تبدیل فرما سکتا ہے۔ اگر یہ کیفیت پختہ ہو گئی تو مسلمان کا دل دکھانے یا کسی بھی گناہ کا خیال آنے پر انسان ربِّ کریم کی قُدرت کا تصوّر کر کے جُرم سے باز رہے گا۔

اِس وقت بدترین اذیّت میں مبتلا غزہ کے مظلوم مسلمانوں سے متعلق یہ خبر خوش کُن ہے کہ اسرائیلی درندوں اور مجاہدینِ حماس کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ طے پا گیا ہے۔ 15 ماہ سے جاری حملوں میں اسرائیل نے ظلم کی کوئی صورت نہیں چھوڑی، مگر مجاہدین کو سلام ہے کہ طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا اسرائیلی اُنھیں جھکا نہیں سکے، بلکہ اُنھیں تسلیم کرتے ہوئے اُن کے ساتھ معاہدہ طے کیا ہے۔

اگر اِس پہلو سے غور کیا جائے کہ مسلم حکمرانوں نے اسرائیلی درندوں کے ہاتھوں پہنچنے والی اذیّت سے غزہ کے مسلمانوں کو بچانے کی خاطر کیا کچھ کیا تو سر شرم سے جُھک جاتا ہے، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلم اُمّہ بھی اُن کی اذیّت رسانی میں کسی حد تک شریک رہی ہے اور سوائے رسمی قراردادوں کے کچھ نہیں کیا گیا۔

شرعی مسئلہ: 22 رجب المرجّب کو مسلمان سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے نیاز پکاتے اور تقسیم کرتے ہیں۔ اِسے رجب کے کونڈے بھی کہا جاتا ہے۔ یہ باعث خیر و برکت ہے، تاہم چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

1) امام جعفر صادق کا یومِ وصال 15 شوّال یا 15 رجب ہے، جب کہ ایک روایت کے مطابق 22 رجب سیدنا امیر معاویہ کا یوم وصال ہے؛ لہٰذا امام جعفر صادق کے ساتھ ساتھ سیدنا امیر معاویہ اور دیگر صحابہ و اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کو بھی ایصالِ ثواب کرنا چاہیے۔

2) اس موقع پر یہ نہ سمجھا جائے کہ خاص برتن ضروری ہیں یا کونڈے گھر کے اندر رکھنا ہی ضروری ہے۔ کچھ بھی پکایا جا سکتا ہے، کسی بھی برتن میں رکھا جا سکتا ہے، کہیں بھی لے جایا جا سکتا ہے اور ہر مسلمان کھا سکتا ہے۔

3) اس موقع پر بعض لوگ "دس بیبیوں کی کہانی" یا "بی بی فاطمہ کا معجزہ" وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ سب جھوٹ ہے اور بدمذہبوں کی اختراع ہے۔ اِن کے بجائے قرآن کریم اور دُرود پاک وغیرہ کی تلاوت کی جائے۔

۲۳ رجب المرجّب ۱۴۴۶ھ / 24 جنوری 2025ء

صاحبِ معراج ﷺ کی مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری

(حکمتیں، اثرات اور اُمّت کی ذمہ داریاں)

مشمولات

- سفرِ معراج کے مراحل، منکرین کا حکم اور پہلے مرحلے کا آغاز
- فتحِ بیت المقدس کی نیک فالی
- ذریعۂ تصدیق
- تحفّظِ مسجدِ اقصیٰ سے متعلق اُمّت کی ذمہ داری
- اُمّت کے لیے حشر میں آسانی
- وُضو میں پھٹی ہوئی ایڑیاں دھونے سے متعلق حکم
- آرزوئے دیدار کی تکمیل اور اِظہارِ افضلیّت
- شرفِ قبلۂ اوّل میں اضافہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۔ [بنی اسراءیل 17:1]

آقائے دوجہاں ﷺ کے بے شمار اعزازات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی بے مثال "سیر" کروائی جو نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ بعد میں کسی کا مقدّر ہو گی۔ مشہور بات ہے کہ سیر معراج رجب المرجّب کی 27ویں شب کو ہوئی تھی۔[1]

اِس مبارک سفر کے دو مرحلے تھے: پہلا مرحلہ مکّہ مکرمہ سے بیت المقدس تک تھا۔ یہ نصِّ قرآنی سے ثابت ہے اور جو شخص اِس کا انکار کرے وہ کافر ہے... جب کہ دوسرے مرحلے کا آغاز مسجدِ اقصیٰ سے ہوا، پھر آپ ﷺ نے آسمانوں اور اُن سے اُوپر جہاں تک ربّ تعالیٰ نے چاہا سیر فرمائی، یہ مرحلہ کثیر صحیح احادیثِ کریمہ سے ثابت ہے، جو حدِّ تواتر کے قریب ہیں۔ اِس کا مُنکِر گمراہ ہے۔[2]

معراج مبارک کے ہر پہلو سے سرکارِ دوجہاں ﷺ کی شانیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اِس کے دوسرے مرحلے کا آغاز مسجدِ اقصیٰ سے کروانے میں جہاں ربِّ کریم کی دیگر بے شمار حکمتیں ہیں، وہاں کئی جہتوں سے عظمت و شانِ مصطفیٰ ﷺ کا اِظہار بھی ہوتا ہے۔

مسجدِ اقصیٰ اور سرزمینِ بیت المقدس کو متعدّد انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ نسبت حاصل ہے، خصوصًا اِس نے شبِ معراج امام الانبیا ﷺ کے مبارک قدم چومے تو اِس کی عظمتوں کو چار چاند لگ گئے۔ ایک عالَمی سازش کے تحت تقریبًا 80 سال سے مسجدِ اقصیٰ اور مقدس سرزمین انتہا پسند یہودیوں کے زیرِ اثر ہے، اُن کا ناپاک منصوبہ خطرناک بھی ہے اور مَضحکہ خیز بھی۔

صہیونی یہودی ایک عرصے سے گریٹر اسرائیل، یعنی ایک بہت بڑی سلطنت کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ چھ جنوری 2025ء کو اسرائیل کے سرکاری سوشل میڈیا اکاؤنٹ سے ایک مرتبہ پھر گریٹر اسرائیل کا نقشہ جاری کیا گیا، جس میں فلسطین، شام، لبنان اور اُردن کے علاقوں کے ساتھ ساتھ مکہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ کو بھی اسرائیل کا حصہ دکھایا گیا ہے۔ یعنی شدّت پسند یہودیوں کا منصوبہ ہے کہ وہ اِن تمام ممالک پر قبضہ کر کے اِنھیں ناجائز ریاست اسرائیل کا حصہ بنائیں گے۔

اِن حالات میں مسجدِ اقصیٰ اور سرزمینِ مقدّس کے تحفّظ سے متعلق اُمّتِ مسلمہ، خصوصًا مسلم حکمرانوں کی کچھ ذمہ داریاں بنتی ہیں۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں آسمانی معراج کے مسجدِ اقصیٰ سے آغاز اور موجودہ حالات میں اُمّت کی ذمہ داریوں سے متعلق گفتگو ہو گی۔

---

[1] شبِ معراج کے مہینے اور تاریخ میں کئی اقوال ہیں؛ لہٰذا قطعی طور پر کسی ماہ و تاریخ کی تعیین ممکن نہیں، تاہم امام ابو عبد اللہ محمد زُرقانی علیہ الرحمہ نے رجب کی ستائیسویں شب کو راجح قرار دیا؛ کیونکہ صدیوں سے اُمّت کا اِسی پر عمل ہے۔ (دیکھیے: شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:2، ص:71، دار الکتب العلمیۃ)

[2] خزائن العرفان، زیرِ آیتِ بنی اسراءیل 17:01، ملخصًا

مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... ذریعۂ تصدیق

سفرِ معراج آقائے دوجہاں ﷺ کا عظیم معجزہ ہے۔ جن لوگوں کو آپ ﷺ نے اِس معجزہ کا بتانا تھا اُنھوں نے ساتوں آسمان اور جنّت و دوزخ کو دیکھا ہی نہیں تھا؛ کہ وہ اُن کے بارے میں پوچھ کر تسلّی کر لیتے۔ چنانچہ ربِّ کریم نے آسمانی سفر کے آغاز کے لیے ایسے مقام کا انتخاب فرمایا جسے مکہ والے اچھی طرح جانتے تھے اور اُس کے بارے میں پوچھ کر اطمینان حاصل کر سکتے تھے۔ جب نشانیوں کے ذریعے اُنھیں اِس بات کی تصدیق ہوگئی کہ آپ مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے تھے تو اِس سے پیغام ملا کہ جو ہستی مختصر وقت میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جا کر واپس پلٹ سکتی ہے اُس کا عرشِ بریں پر تشریف لے جانا اور واپس لوٹنا بھی مشکل نہیں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے قریش کو معجزۂ معراج کے بارے میں آگاہ کیا تو اُن کی عقلیں اِسے سچا قرار دینے سے عاجز تھیں۔ اُنھوں نے امتحان کے لیے مسجدِ اقصیٰ کی نشانیاں پوچھیں تو مالکِ کریم نے ایک مرتبہ پھر اُسے سامنے کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ۔ ”مَیں بیت المقدس کی طرف دیکھ رہا تھا اور قریش کو اُس کی نشانیاں بتا رہا تھا۔“ (بخاری:3886)

جن لوگوں نے بیت المقدس کو دیکھ رکھا تھا وہ کہنے لگے: أَمَّا النَّعْتُ فَقَدْ أَصَابَ۔ یعنی آپ ﷺ نے بیت المقدس کی جو نشانیاں بتائی ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ وہاں کے نقش و نگار اور دَر و دِیوار میں معمولی فرق بھی نہیں۔ (سننِ نسائی کبریٰ، حدیث:11221)

ایک مرتبہ قیصرِ روم کے دربار میں سرکارِ دوعالَم ﷺ کی نبوّت کا تذکرہ ہوا تو قریش کے نمائندے نے کہا: اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ ایک رات کو مسجدِ حرام سے تمہاری مسجدِ اقصیٰ میں آئے اور پھر صبح سے پہلے مسجدِ حرام میں واپس بھی پہنچ گئے۔ یہ سنتے ہی بیت المقدس کا بڑا عابد کہنے لگا: مجھے وہ رات معلوم ہے۔ شاہِ روم نے پوچھا: تمھیں کیسے علم ہوا؟ اُس نے کہا: مَیں ہر رات کو سونے سے پہلے مسجدِ اقصیٰ کے تمام دروازے بند کر دیتا ہوں۔ اس رات کو ایک دروازہ بند نہیں ہو رہا تھا، وہاں موجود تمام افراد نے میرے ساتھ مل کر پوری کوشش کی مگر وہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ چنانچہ ہم نے اُسے کھلا ہی چھوڑ دیا۔ صبح دیکھا کہ مسجد کے کونے میں موجود ایک پتھر کے اندر سوراخ تھا اور اُس میں سواری باندھنے کا نشان بھی تھا۔ مَیں سمجھ گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا: مَا حُبِسَ هٰذَا الْبَابُ اللَّيْلَةَ إِلَّا عَلَى نَبِيٍّ، وَقَدْ صَلَّى اللَّيْلَةَ فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا۔ یعنی رات کو یہ دروازہ صرف اس لیے بند نہیں ہو رہا تھا کہ اِس سے ایک نبی نے تشریف لانا تھا، یہ نشان بتاتے ہیں کہ گزشتہ شب مسجدِ اقصیٰ میں اُس نبی کی جلوہ گری ہوئی ہے اور اُنھوں نے یہاں نماز بھی ادا کی ہے۔ یہ سن کر شاہِ روم نے گواہی دی کہ یہ وہی نبیِ آخر الزماں خاتم الانبیا ﷺ ہیں جن کی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے خوش خبری عطا فرمائی تھی۔

(تفسیر ابن کثیر و دُرِّ منثور، زیرِ آیتِ معراج۔ الخصائص الکبریٰ:1/282۔ الاکتفاء للکلاعی:2/8۔ عیون الأثر للیعمری:2/327۔ تاریخ الخمیس:2/34)

جو بدنصیب ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان لانے والے نہیں اُنھیں کسی بھی نشانی سے فائدہ و نفع نہیں، تاہم حق پرستوں کے لیے مسجدِ اقصیٰ سے آسمانی معراج کے آغاز میں معجزۂ معراج کی تصدیق اور عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا پہلو کل بھی نمایاں تھا اور آج بھی واضح ہے۔

مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... اُمّت کے لیے حشر میں آسانی

محشر کے دولہا آقا کریم ﷺ نے خطۂ بیت المقدس کے بارے میں ارشاد فرمایا: أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ۔[1] یعنی "سرزمینِ بیت المقدس پر حشر و نشر ہو گا۔" (سننِ ابن ماجہ، حدیث: 1407، قال البوصیری فی مصباح الزجاجۃ تحت الحدیث: صحیح، رجالہٗ ثقات)

اُمّت پر رسول اللہ ﷺ کی شفقت ایسی بے مثال ہے کہ آپ ﷺ روزِ حشر کی مشکلات کو سوچ کر اپنی اُمّت کے لیے فکر مند ہو جاتے تھے۔ چنانچہ خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی مشیّت ہوئی کہ سیر معراج کے لیے جاتے ہوئے امام الانبیا ﷺ کے قدم بیت المقدس میں بھی لگ جائیں؛ تاکہ اُن کے قدموں کی برکت سے حشر کے دن اُمّت کے لیے آسانی ہو۔[2]

ازالۂ وہم: ہو سکتا ہے کہ کسی مادیّت کے پجاری اور عقل پرست شخص کے ذہن میں سوال آئے کہ یہ مبالغہ ہے، شبِ معراج اُن کے قدم لگنے سے حشر کے دن اُمّت کے لیے کیسے آسانی ہو گی؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم اُس ہستی کے قدم لگنے کی بات کر رہے ہیں:

- جن کے قدموں سے لگنے والی مٹی کی ربِّ ذو الجلال قسم ارشاد فرماتا ہے: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ o وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ o "مجھے اِس شہر کی قسم کہ اے محبوب! آپ اِس میں تشریف فرما ہیں۔" [البلد 90:1، 2]
- اُن کے پائے اقدس لگے تو اللہ تعالیٰ نے پوری زمین کو سجدہ کے قابل بھی بنا دیا اور پانی کا استعمال ممکن نہ ہونے کی صورت میں زمین کو (تیمّم سے) پاک کرنے والی بھی بنا دیا۔ سرکارِ دو جہاں ﷺ نے اپنے خصائص بیان کرتے ہوئے خود فرمایا: وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا۔ "میری خاطر پوری زمین کو جائے سجدہ اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا۔" (صحیح بخاری، حدیث: 438)
- مسجدِ اقصیٰ میں اُن کے قدم لگنے سے روزِ حشر کی آسانی کو مشکل سمجھنے والے اِس بات پر غور کریں کہ دُنیا میں اُن کی جلوہ گری کے سبب ہی عذاب سے امان کا وعدہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ یعنی "اللہ کی یہ شان نہیں کہ اُنھیں عذاب دے جب کہ اے حبیب! آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔" [الانفال 8:33] یہاں امان ہے تو وہاں آسانی کب مشکل!
- یہ اُن کے دم قدم کی ہی برکت ہے کہ بیماریوں والا یَثرب بابرکت طیبہ بھی ہو گیا، حَرَم بھی بن گیا اور اُس کی مٹی خاکِ شفا بھی ہو گئی۔

امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا: اے رضا! طوفانِ محشر کے طلاطُم سے نہ ڈر!... شاد ہو! ہیں کشتیٔ اُمّت کو لنگر ایڑیاں

---

[1] اَلْبُقْعَةُ الَّتِيْ يُجْمَعُ النَّاسُ فِيْهَا إِلَى الْحِسَابِ وَيُنْشَرُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ ثُمَّ يُسَاقُوْنَ إِلَيْهَا۔ (التیسیر وفیض القدیر، تحت الحدیث: 4925)

[2] قال الشیخ محمد الصالحی: وَقِيْلَ: لِأَنَّهٗ مَحَلُّ الْحَشْرِ، فَأَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنْ تَطَأَهُ قَدَمُهٗ لِيَسْهُلَ عَلٰى أُمَّتِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وُقُوْفُهُمْ بِبَرَكَةِ أَثَرِ قَدَمَيْهِ۔ (سبل الهدٰی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، أبواب معراجه، الکلام علی الأقصٰی: ج:3، ص:18، دار الکتب العلمیۃ)
وقال زین الدین محمد الرازی: لِأَنَّ بَيْتَ الْمَقْدِسِ مَحْشَرُ الْخَلَائِقِ، فَأَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنْ تَطَأَهَا قَدَمُهٗ لِيَسْهُلَ عَلٰى أُمَّتِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وُقُوْفُهُمْ عَلَيْهَا بِبَرَكَةِ أَثَرِ قَدَمِهٖ۔ (أنموذج جلیل فی أسئلة وأجوبة عن غرائب آی التنزیل، تحت أوّل آیة بنی اسراءیل)

مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... آرزوئے دیدار کی تکمیل اور اِظہارِ افضلیّت

اللہ عزوجلّ نے تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَات سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ اگر خاتَم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمہارے دُنیا میں ہوتے ہوئے جلوہ گر ہو جائیں تو تم ضرور اُن پر ایمان لاؤ گے اور ضرور اُن کی مدد کرو گے۔[اٰلِ عمران 3: 81] یہی وعدہ تمام انبیا علیہم السلام اپنی اپنی اُمّتوں سے بھی لیتے رہے۔[1] ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے دلوں میں یہ حسرت ہو گی کہ کاش! اُن کی زیارت کا موقع ملتا!... اے کاش! کبھی ایسا ہوتا کہ وہ نماز پڑھاتے اور ہم اُن کی اقتدا کرتے!... یہی حسرت اُن کے اُمّتیوں کو بھی ہو گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ اُمّتیوں کی حسرتِ دیدار قیامت کو پوری ہو جائے گی، تاہم انبیائے کرام کی آرزوئے دیدار دنیا میں ہی پوری کر دی جائے؛ لہٰذا باری تعالیٰ نے آسمانی معراج کے آغاز سے پہلے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس پہنچا دیا؛ تاکہ آپ وہاں انبیائے ذی شان کی... اُن کے قبلہ، یعنی مسجدِ اقصیٰ میں امامت کرواتے آئیں۔[2] یوں انبیائے کرام کی آرزوئے دیدار بھی پوری ہو گئی... اور پھر جب تمام سردارانِ خلق نے ہاتھ باندھے اُن کی اقتدا میں نماز پڑھی تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ سب سے آخر میں تشریف لانے والے کی عظمت وشان سب سے اُونچی ہے۔[3] اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سِرّ عیاں ہو معنیٔ اوّل آخر — کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

یہاں مسجدِ اقصیٰ میں انبیائے کرام نے خطابات فرمائے، پھر سیدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَرْسَلَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَكَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا، وَأَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْهِ بَیَانٌ لِّكُلِّ شَیْءٍ۔ یعنی ”سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور سب کا رسول بنایا خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور اُس نے مجھ پر قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔“ مزید فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت کو تمام اُمّتوں سے افضل اور عادل اُمّت بنایا، میری اُمّت کو زمانے میں مؤخّر اور رُتبے میں مقدّم کیا۔“ پھر فرمایا: وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَوَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِكْرِیْ، وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا۔ ”اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میرا سینہ کھول دیا، مجھ سے میرا بوجھ اُتار دیا، میرے لیے میرا ذکر بلند فرمایا اور مجھے بابِ رسالت کو کھولنے والا اور سلسلۂ نبوّت کو ختم کرنے والا بنایا۔“ اِس پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام گویا ہوئے: بِهٰذَا فَضَلَكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔ اِسی لیے پیارے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تم سب سے افضل ہیں۔ (تفسیر طبری وابن ابی حاتم وابن کثیر۔ دلائل النبوّۃ: 2/ 397-403۔ مسند البزار: 9518)

---

[1] عن سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ: لَمْ یَبْعَثِ اللّٰهُ عز وجل نَبِیًّا - آدَمَ فَمَنْ بَعْدَهُ - إِلَّا أَخَذَ عَلَیْهِ الْعَهْدَ فِیْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَئِنْ بُعِثَ وَهُوَ حَیٌّ لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَیَنْصُرَنَّهٗ... وَیَأْمُرُهٗ فَیَأْخُذُ الْعَهْدَ عَلٰی قَوْمِهٖ۔ (ذکرہ الطبری والبغوی والخازن والسیوطی فی تفاسیرھم تحت الآیۃ)

[2] أَنَّ بَیْتَ الْمَقْدِسِ مَجْمَعُ أَزْوَاجِ الْأَنْبِیَاءِ، فَأَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰی أَنْ یُشَرِّفَهُمْ بِزِیَارَتِهٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔ (”أنموذج جلیل فی أسئلۃ وأجوبۃ عن غرائب آی التنزیل“ و”فتح الرحمن بکشف ما یلتبس فی القرآن“، تحت أوّل آیۃ بنی اسرائیل)

[3] شبِ معراج امامتِ انبیائے کرام والی احادیثِ کریمہ کی مختلف اسانید کے حوالے سے جاننے کے لیے ملاحظہ کیجیے: فتاوٰی رضویہ، ج:30، ص:238 تا 243

مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... شرفِ قبلۂ اوّل میں اضافہ

مسجدِ اقصیٰ میں سرورِ عالم ﷺ کی جلوہ گری سے جہاں پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کو شرفِ دیدار و اقتدا ملا وہاں آپ کے قُدومِ مَیمَنت لُزوم سے مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کی عزت میں بھی اِضافہ ہو گیا۔

یہ خطہ پہلے بھی لائقِ تعظیم و تکریم تھا؛ کیونکہ مسجدِ اقصیٰ انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کا قبلہ رہا، اِس علاقے میں اُنھوں نے اپنی مبارک زندگیاں گزاریں، اُن پر وحی نازل ہوتی رہی اور کثیر تعداد میں یہاں انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ السَّلام کی مبارک قبریں بھی موجود ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ... یعنی "ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کروائی، جس کے اِرد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔" [بنی اسراءیل:1]

چنانچہ خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ نے چاہا کہ معراج کے لیے آتے ہوئے پیارا محبوب ﷺ یہاں بھی جلوہ گر ہو کر نماز ادا کرے؛ تاکہ اُن کے قدموں کی برکت سے اِس خطے، خصوصاً مسجدِ اقصیٰ کی عظمتوں میں اور اضافہ ہو جائے۔[1]

اب مسجدِ اقصیٰ کی شان و شوکت کو ایسا عروج نصیب ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد بیان کیا: لَا تُشَدُّ[2] الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ صلى الله عليه وسلم وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى۔ یعنی "زیادہ ثواب پانے کی نیت سے صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے: (باقی مساجد میں نماز کا ثواب برابر ہے، اُن کی طرف زیادہ ثواب کے لیے لمبا سفر کرنے کی اجازت نہیں) مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ۔" (صحیح بخاری، حدیث:1189)

غلط فہمی کا ازالہ: بعض لوگ کہتے ہیں: سرورِ عالم ﷺ کے روضۂ مطہرہ اور مزاراتِ اولیا کی زیارت کے لیے سفر کرنا حرام ہے اور بطورِ دلیل یہ حدیثِ مبارک پیش کرتے ہیں، حالانکہ محدثین نے واضح طور پر لکھا کہ اِس حدیثِ پاک میں فقط مساجد کی بات ہے، یعنی مساجد میں سے فقط اِن تین کی طرف سفر جائز ہے، زیارت یا دیگر ضروریات کا سفر اِس حدیث کا موضوع ہی نہیں۔ اگر یہ کہیں کہ تین مساجد کے علاوہ کوئی بھی سفر جائز نہیں تو پھر تجارت وغیرہ کا سفر بھی ناجائز قرار پائے گا۔ (ملخص از مرقاۃ و مرآۃ)

بہر حال سفرِ معراج کے دوران مسجدِ اقصیٰ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی جلوہ گری سے اُس کی عظمتوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔

---

[1] وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُوْنَ الْحَقُّ سبحانه وتعالى أَرَادَ أَنْ لَا يُخَلِّيَ تُرْبَةً فَاضِلَةً مِنْ مَشْهَدِهٖ وَوَطْءِ قَدَمَيْهِ، فَتَمَّمَ تَقْدِيْسَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ بِصَلَاةِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ فِيْهِ۔ (سبل الهدى والرشاد، أبواب معراجه، الكلام على الأقصى: ج:3، ص:18، دار الكتب العلمية)

[2] إِنَّ شَدَّ الرِّحَالِ كِنَايَةٌ عَنِ السَّفَرِ الْبَعِيْدِ۔ (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، تحت الحديث:1397)

مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری... فتحِ بیت المقدس کی نیک فالی

مشرقِ وُسطیٰ کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے خصوصی طور پر اِس بات کا تذکرہ بہت ایمان افروز اور نہایت لُطف اندوز ہے کہ علمائے کرام نے لکھا: مسجدِ اقصیٰ میں سرکارِ دوعالَم ﷺ کی جلوہ گری اِس بات کی نیک فالی بھی تھی کہ یہاں آپ کے مبارک قدم لگ گئے ہیں، اب جلد ہی آپ کی اُمّت اللہ تعالیٰ کی مدد سے اِس خطّے کو فتح کر کے یہاں اسلام کا جھنڈا لہرائے گی۔[1]

اِس بات کو فقط جوشِ خطابت یا حُسنِ عقیدت نہ سمجھا جائے، بلکہ متعدّد احادیثِ کریمہ میں خود سرورِ عالم ﷺ نے بشارت دی تھی کہ میری اُمّت بیت المقدس کو فتح کرلے گی،[2] بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں میں بھی لکھا تھا کہ اُمّتِ مسلمہ اُسے فتح کرے گی، نیز یہ بھی لکھا تھا کہ فتح کرنے والے کا نام کیا ہوگا اور اُس کے اوصاف کیا ہوں گے۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خندق کھود رہے تھے، کوشش کے باوجود ہم ایک بڑے پتھر کو نہ توڑ سکے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی تو آپ خود تشریف لائے، کُدال اپنے دستِ مبارک میں لی اور بسم اللہ شریف پڑھ کر ایک ضَرب لگائی، پہلی مرتبہ میں ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُ أَكْبَرُ! أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحُمْرَ مِنْ مَكَانِي هٰذَا۔ ”اللہ اکبر! مجھے شام کی چابیاں عطا کر دی گئیں، (تب بیت المقدس شام کا حصہ تھا) اللہ تعالیٰ کی قسم! مَیں یہاں سے شام کے سرخ محلّات کو دیکھ رہا ہوں۔“ بقیہ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر کُدال سے مزید دو ضَربیں لگائیں اور پورا پتھر توڑ دیا۔ دوسری اور تیسری ضَرب پر آپ ﷺ نے ایران اور یمن فتح ہونے کی بشارت عطا فرمائی۔ (مسند احمد، حدیث: 18694۔ مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: 36820، إسنادہٗ ضعیف لکن المعنٰی ثابت)

یہ نیک فالی وبشارت امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 17ھ (تقریباً 638ء) کو پوری ہوئی۔ آپ بیت المقدس کے قلعے کے قریب پہنچے تھے تو عیسائی راہب نے آپ کو غور سے دیکھ کر بلند آواز سے کہا تھا: خدا کی قسم! یہ وہی شخص ہیں جن کی صفات ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھی ہیں اور اِنھیں کے ہاتھوں پر بیت المقدس اور دیگر شہر فتح ہوں گے۔ پھر اُس کے کہنے پر وہاں کے باشندے قلعے کی دیوار سے نیچے اُترے، شہر کا دروازہ کھول دیا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور عظیم الشان فتح ونُصرت کے ساتھ بغیر جنگ کے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ (فتوح الشام، ج: 1، ص: 233، ملخصًا)

یہ عظیم الشان فتح شبِ معراج امام الانبیا ﷺ کے بیت المقدس میں قدم لگنے کی برکتوں کا ظہور تھا۔

---

[1] وَقِيلَ: لِتَفَاؤُلِ حُصُولِ التَّقْدِيرِ لَهُ حِسًّا وَمَعْنًى۔ (سبل الهدٰى والرشاد، أبواب معراجه، الكلام على الأقصى: ج: 3، ص: 18)

[2] عَنْ سَيِّدِنَا عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، وَهُوَ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ، فَقَالَ: اعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ: مَوْتِي ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، الحديث۔ (صحيح البخاري، رقم الحديث: 3176)

تحفّظِ مسجدِ اقصیٰ سے متعلق اُمّت کی ذمہ داری

فتحِ فاروقی کے بعد تقریباً پانچ سو سال تک بیت المقدس پر اسلامی حکومت قائم رہی۔ پھر کچھ عرصہ عیسائیوں کا قبضہ رہا۔ 1187ء میں عظیم الشان اسلامی سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایّوبی علیہ الرحمہ (م:1193ء) نے بیت المقدس کو فتح کر کے دوبارہ اسلامی حکومت قائم کی۔ اِس کے بعد 761 سال تک بیت المقدس پر اسلامی جھنڈا لہراتا رہا۔ 1948ء میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور اُن کے اتحادیوں نے سازش سے فلسطین کے کچھ حصے پر یہودیوں کو قبضہ دلا کر وہاں اسرائیل کے نام سے ایک ناجائز یہودی ریاست بنائی، جس نے قیام سے اب تک مشرقِ وُسطیٰ میں دہشت گردی کی تمام حدوں کو پار کیا ہے۔ چند روز قبل چھ ہفتے کے لیے غزہ میں جنگ بندی شروع ہوئی ہے تو اسرائیلی درندے فلسطین کے مغربی کنارے پر حملہ آور ہو گئے ہیں۔ یہودی آبادکار بھی مسلسل فلسطینیوں کو اُن کی زمینوں سے بے دخل کر کے ناجائز قبضے کر رہے ہیں۔ گزشتہ ماہ اسرائیلی فورسز نے عالمی قوانین کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے شام کی دفاعی طاقت کو تباہ کیا۔ شامی علاقے گولان کی پہاڑیوں پر قبضے کی یہودی سازش بھی جاری ہے... یوں ہی ظلم کی کئی اور داستانیں بھی ہیں۔

اِس وحشی پن کا پسِ منظر ”گریٹر اسرائیل“ کا منصوبہ ہے۔ صَہیونی یہودی کہتے ہیں کہ سلطنتِ سیدنا داوٗد وسیدنا سلیمان علیہما السلام کا دار الحکومت بیت المقدس تھا؛ لہٰذا یہ خطہ یہودیوں کی میراث ہے، چنانچہ اِس خطے کے تمام ممالک پر قبضہ کر کے ناجائز یہودی ریاست اسرائیل کی سرحدوں کو 3000 سال پہلے کی سلطنتِ سیدنا داوٗد تک وسیع کیا جائے گا۔ حال ہی میں چھ جنوری 2025ء کو اسرائیل کے سرکاری سوشل میڈیا اکاؤنٹ سے ”گریٹر اسرائیل“ کا نقشہ جاری کیا گیا، جس میں فلسطین، شام، لبنان اور اُردن کے علاقوں کے ساتھ ساتھ مکہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ کو بھی اسرائیل کا حصہ دکھایا گیا ہے۔

یہ بات بھی خطرناک ہے کہ شدّت پسند یہودی مسجدِ اقصیٰ کو شہید کر کے یہاں ہیکلِ سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً ظاہری اور خفیہ طور پر مسجدِ اقصیٰ کی عمارت کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔

اِن حالات میں اُمّت پر فرض ہے کہ وہ مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کے تحفّظ کے لیے ضروری اقدامات کرے۔ چنانچہ:

- مسلم حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ مذمّتی قراردادوں پر اکتفا کرنے کے بجائے عملی طور پر فلسطینیوں کی حمایت کریں اور اسرائیلی مظالم کو روکنے کے لیے اگر طاقت کا استعمال ضروری ہو تو اُس سے بھی گریز نہ کریں۔ اسرائیلی دہشت گرد اتنے بے باک صرف اِس وجہ سے ہیں کہ اُنھیں فلسطینی تنہا نظر آتے ہیں، اگر اُمّت اُن کے ساتھ ہو تو وہ کبھی ایسی جرأت نہ کریں؛ کیونکہ قرآنِ مجید کے مطابق یہودی ڈرپوک قوم ہیں اور اُن پر موت کا خوف سوار رہتا ہے۔ (دیکھیے: البقرۃ، آیت:96 اور الحشر، آیت:14، 15)
- ہمیں چاہیے کہ یہودی مصنوعات کا مکمّل بائیکاٹ کریں۔ کیا ہم اتنے بے حس ہیں کہ دینی تقاضوں کی خاطر بوتل یا برگر نہیں چھوڑ سکتے!
- ”دُعا مسلمان کا ہتھیار ہے“۔ اگر ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم صدقِ دل سے مظلوم مسلمانوں کے لیے دُعا تو کیا کریں۔

حرفِ آخر: مسجدِ اقصیٰ میں دُرود پر بے حساب دُرود

کچھ چیزوں کی حقیقت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے اور انسانی عقل اُنھیں پوری طرح سمجھنے کے قابل نہیں، اِس کے باوجود ہم اُنھیں کامل یقین کے ساتھ مانتے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ یا اُس کے حبیبِ مکرّم ﷺ نے اُنھیں بیان فرمایا ہے۔ ایسی چیزوں پر یقین کو "ایمان بالغیب" کہا جاتا ہے۔ ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان بالغیب ہی معتبر ہے، ورنہ روزِ قیامت دیکھنے کے بعد تو سبھی مان جائیں گے۔

سرکارِ دوجہاں ﷺ کا سفر معراج بھی ایسے ہی اُمور سے ہے۔ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی معراج کو خود باری تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں بیان فرمایا ہے، جب کہ مسجدِ اقصیٰ سے اگلا مرحلہ صاحبِ معراج ﷺ کے کثیر ارشاداتِ عالیہ سے ثابت ہے، جن میں معمولی شک کی بھی گنجائش نہیں۔

عقل کے پجاریوں نے تب بھی اِسے تسلیم نہیں کیا تھا اور آج بھی اِس کا انکار کرتے ہیں، جب کہ یارِ غار ومزار سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمانِ نبوی پر عقل کو قربان کرکے بہت خوب کہا تھا: وہ اِس سے بڑی بات بھی فرمائیں تو مَیں دل وجان سے اُس کی تصدیق کے لیے تیار ہوں... اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کا مزاج آج بھی یہی ہے کہ معراج ہو یا قرآن وسنت کی کوئی اور بات... اُنھیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز پر اتنا اعتماد نہیں ہوتا جتنا سرکارِ مدینہ ﷺ کی بتائی ہوئی بات پر یقین ہوتا ہے۔

معراجِ مبارک کے ہر پہلو سے سرکارِ دوجہاں ﷺ کی عظمت وشان ظاہر ہوتی ہے۔ موجودہ عالَمی منظرنامے کے پیشِ نظر آج کے خطبہ میں آپ ﷺ کی مسجدِ اقصیٰ میں جلوہ گری کے حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا۔ چند اہم نکات یہ ہیں:

- مسجدِ حرام سے آسمانوں کی طرف عروج کے بجائے آپ ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا، پھر وہاں سے معراج کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ اِس سے بھی عظمتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے کئی پہلو سمجھ میں آتے ہیں:
  - تمام اہلِ مکہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اِس سے پہلے کبھی مسجدِ اقصیٰ میں تشریف نہیں لے گئے۔ جب سفر سے واپسی پر آپ ﷺ نے مسجدِ اقصیٰ کی نشانیاں اور وہاں کے تمام حالات بالکل درست بیان فرمائے تو حق کی جستجو رکھنے والے شخص کے لیے کسی طرح کے شک کی گنجائش باقی نہ رہی؛ کیونکہ جو ہستی رات کے مختصر وقت میں مسجدِ اقصیٰ تشریف فرما ہو کر واپس آسکتی ہے اُس کے لیے رات کے قلیل حصے میں لامکاں سے ہو کر واپس آجانا بھی کوئی مشکل نہیں۔ شاعر نے خوب کہا:

    تو چاہے تو ہر شب ہو مثالِ شبِ اسریٰ تیرے لیے دو چار قدم عرشِ بریں ہے

  - میدانِ محشر بیت المقدس اور شام کی سرزمین پر قائم ہوگا، سفرِ معراج میں آپ ﷺ کے پائے اطہر وہاں لگے۔ علما نے لکھا: حضور ﷺ کے قدموں کی برکت سے اُمّت کے لیے میدانِ حشر میں آسانی ہوگی۔

- مسجدِ اقصیٰ میں سرکارِ دو جہاں ﷺ کی جلوہ گری سے انبیائے کرام علیہم السلام کی تمنّائے دیدار بھی پوری ہوئی اور جب اُنھوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ سب سے آخر میں تشریف لانے والے رسولِ مکرّم ﷺ کی شان سب سے اُونچی ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

سارے اُونچوں میں اُونچا سمجھیے جسے ہے اُس اُونچے سے اُونچا ہمارا نبی

- سرکارِ دو جہاں ﷺ کے مبارک قدم لگنے سے مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کی عظمت میں اضافہ بھی ہوا اور یہ نیک فالی بھی کہ جلد ہی ربّ تعالیٰ اِس خطے میں آپ ﷺ کی اُمّت کو فتح عطا فرمائے گا۔ چنانچہ یہ بشارت خلافتِ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ میں پوری ہوئی اور بیت المقدس ریاستِ مدینہ کا حصہ بن گیا۔

❖ مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کو کئی انبیائے کرام علیہم السلام سے نسبت ہے، یہ پہلی اُمتوں کا قبلہ رہا، یہاں کثیر انبیائے ذی شان علیہم السلام کی قبورِ مبارکہ ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شبِ معراج اِسے سرکارِ دو جہاں ﷺ کی قدم بوسی بھی میسّر آئی۔ چنانچہ اِس کا تحفّظ فقط فلسطینی مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں، بلکہ پوری اُمّت کا فریضہ ہے۔

❖ گریٹر اسرائیل کے منصوبے کو خاک میں ملانا اور انتہا پسند صَہیونی یہودی کا راستہ روکنا اُمّت کی ذمہ داری ہے۔ اگر مسلم حکمران اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کرتے رہے اور مسجدِ اقصیٰ کی حفاظت نہ کی تو روزِ قیامت جواب دہ ہوں گے۔[1]

❖ ہمارا بھی فریضہ ہے کہ یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں، بڑھ چڑھ کر فلسطینی مسلمانوں کی مدد کریں اور اُن کے حق میں صدقِ دل سے دُعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں۔

یہ بات بھی سبق آموز اور ایمان افروز ہے کہ معراج النبی ﷺ کے پہلے مرحلے کا آغاز بھی مسجد سے ہوا اور آسمانی سفر کی ابتدا بھی مسجد سے... بے مثل و بے مثال قُربِ الٰہی کی پہلی منزل بھی مسجد سے شروع ہوئی اور دوسرا درجہ بھی مسجد سے۔ اِس میں ہمارے لیے یہ پیغام بھی ہے کہ قربِ الٰہی پانے کے لیے ہمیں بھی مساجد سے اپنا تعلق مضبوط کرنا چاہیے؛ کیونکہ مسجدوں سے درجات کی بلندیوں کا آغاز و افتتاح ہوتا ہے۔

شرعی مسئلہ: سردیوں میں بعض اوقات ایڑیاں زخمی ہو (پھٹ) جاتی ہیں، تاہم اُن پر پانی گزارنا ممکن ہوتا ہے، ایسی صورت میں ایڑیوں کے ظاہری حصے کو دھونا لازم ہے، تاہم شگافوں کے اندر پانی پہنچانا لازم نہیں۔ اگر زخم گہرا ہو اور دھونا ممکن نہ رہے تو پاؤں کا بقیہ حصہ دھونا لازم ہے اور زخمی حصے پر مسح کر لیا جائے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو دھونا معاف ہے۔

(جدّ الممتار، ج:1، ص:331، مکتبۃ المدینہ)

---

[1] اِس حوالے سے مفصّل معلومات کے لیے دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ سے جاری ہونے والا فتوٰی ملاحظہ کریں جو مجلہ النظامیہ، دسمبر 2023ء میں شائع ہوا۔

یکم شعبان المعظّم ۱۴۴۶ھ / 31 جنوری 2025ء

تقلیدِ امامِ اعظم

رضی اللہ تعالٰی عنہ....

ضرورت واہمیت اور ازالۂ شبہات

(پہلا حصہ)

مشمولات

- قرآن وسنت پر عمل
- امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف
- امام اعظم رضی اللہ عنہ کا علمی مقام
- امام ابو یوسف کا امام اعظم کی حدیث دانی کو خراجِ تحسین
- امام اعظم رضی اللہ عنہ کا خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی راہ نمائی فرمانا
- تصویر بنوانے کے لیے مقدّس مقامات کی طرف پُشت کرنے کا حکم
- حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو مجمع البحرین قرار دینا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ۙ [الفاتحہ 1:6،7]

یہ اٹل فیصلہ ہے کہ انسان کی کامیابی قرآن وسنّت پر عمل اور امام الانبیا ﷺ کے قدموں سے وابستگی میں ہے، جب کہ ارشاداتِ الٰہیّہ وفرامینِ نبویہ کو چھوڑنا اور دین وشریعت سے منہ موڑنا انسان کے لیے تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ابنِ آدم کا سب سے بڑا دشمن، یعنی شیطان، اُسے قرآن وسنّت اور راہِ جنّت سے دُور کرنے کے لیے طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے اور مختلف حیلے اپناتا ہے... کبھی وقتی مفادات کا لالچ اتباع سے رکاوٹ بن جاتا ہے، کبھی ظاہری حالات کا دباؤ اِطاعت سے مانع ہو جاتا ہے اور کبھی لوگوں کے طعنوں کا ڈر پیروی نہیں کرنے دیتا۔ ایک حربہ یہ بھی ہوتا ہے کہ شیطان اپنے چیلوں کے ذہنوں میں قرآن وسنّت کا غلط مفہوم ڈالتا ہے، پھر اُس کے کارندے وہ مغالطے لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ اِس چال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ راہِ راست سے بھٹک جاتے ہیں اور اپنے تئیں یہی سمجھتے ہیں کہ ہم قرآن وسنت پر عمل کر رہے ہیں۔

اِس خطرناک ترین شیطانی چال سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اِنعام یافتہ بندوں کے راستے پر چلے، جو ابلیسی مکر وفریب سے محفوظ رہے اور کامیابی کی منازل تک پہنچے۔ سورۂ فاتحہ میں یہی دُعا تعلیم فرمائی گئی ہے، نیز جانِ عالَم ﷺ نے فرقہ پرستی اور فتنوں کی کثرت کے دَور میں راہِ حق پر قائم رہنے کا یہی ذریعہ بتایا ہے اور اِسی طریقہ کو اپناتے ہوئے صدیوں سے اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت:

- اسلامی عقائد میں امام ابو منصور محمد ماتُریدی علیہ الرحمہ (متوفّٰی:۳۳۳ھ / 944ء) کی تشریحات کو قبول کرتی ہے۔
- فقہی مسائل میں امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفّٰی:۱۵۰ھ / 767ء) کی تقلید کرتی ہے۔
- اور تصوّف سے متعلقہ اُمور میں سلسلۂ عالیہ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ کے بزرگوں کو راہ نما بناتی ہے۔

ہمارے دَور میں فتنہ پَرْوَر لوگ / گمراہ فرقے کوشش کرتے ہیں کہ لوگ اِن اکابر بزرگوں کی تشریحات کو چھوڑ دیں اور اُن کی نئی تحقیقات کو قبول کریں۔ وہ شیطانی مغالطہ ڈالتے ہیں کہ ہمیں بابوں / اماموں کے پیچھے چلنے کے بجائے قرآن وسنّت پر عمل کرنا چاہیے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں کی تشریحات اور اُن کے راستے کو "بابوں / اماموں کی باتیں" قرار دے کر اُس سے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ اپنی نئی تحقیقات اور مغالطوں کو "قرآن وسنت کا صحیح مفہوم" قرار دے کر اُس پر عمل کی دعوت دیتے ہیں۔

اِن حالات میں اِس بات کی اشد ضرورت ہے کہ تقلیدِ امامِ اعظم کی ضرورت واہمیت کو جانا جائے اور اِس حوالے سے پیش کیے جانے والے شُبہات کا ازالہ کیا جائے۔

ایک قول کے مطابق امامِ اعظم کا وصال ماہِ شعبان میں ہوا۔ اس مناسبت سے خطبہ میں "تقلیدِ امامِ اعظم" پر گفتگو کی جائے گی۔

قرآن وسنت پر عمل کی صحیح صورت... ائمہ کی تقلید

دوا کی ڈبیا پر بہت قیمتی اور مؤثر میڈیسن کا نام لکھا ہو، مگر اندر موجود گولیاں گھٹیا قسم کی ہوں تو وہ دوا نہ صرف بے فائدہ ہے، بلکہ نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے... یوں ہی اگر کوئی شخص نام تو قرآن وسنت کا استعمال کرے، مگر اُس کی بات اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف ہو تو وہ تحقیق نہ صرف غیر شرعی ہے، بلکہ اُخروی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن وسنت کے نام پر دیے جانے والے دھوکے سے بچنے کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ ربّ تعالیٰ کے کلام اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے فرمان پر عمل کا صحیح طریقہ کیا ہے! تو خوب ذہن نشین کر لیجیے کہ قرآن وسنّت پر صحیح طور سے عمل کے لیے تین میں سے ایک بات ضروری ہے:

1) ربِّ کریم نے یہ موقع عطا فرمایا ہو کہ کوئی شخص صاحبِ قرآن ﷺ سے بلاواسطہ قرآنِ حکیم سمجھے، آپ ﷺ کے مبارک ارشادات سنے اور حسین ادائیں دیکھے یا یہ سعادت پانے والے صحابی سے تربیت حاصل کرے۔

2) علمِ دین سے اتنا وافر حصہ ملے کہ انسان میں قرآن وحدیث کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اُن سے شرعی مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت ہو۔

3) انسان کسی مجتہد کی پیروی کرے، یعنی اعلیٰ درجہ کے دینی عالم نے قرآن وسنت کی جو تشریح کی ہے اور اُن سے جو شرعی احکام اخذ کیے ہیں اُن پر عمل کرے۔

ہمارے لیے اِن تینوں میں سے کون سی صورت ممکن ہے؟ اِس حوالے سے مزید کچھ وضاحت کی جاتی ہے:

1) بلاواسطہ سیکھ کر عمل کرنا: مذکورہ تین میں سے پہلی صورت فقط صحابۂ کرام اور تابعینِ ذی شان رضی اللہ عنہم کے لیے ممکن تھی۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے امام الانبیا ﷺ کی معیّت وسنگت کا شرف پایا، آپ کی زبانِ اقدس سے قرآنِ کریم کو سماعت کیا اور سمجھا، آپ کے ارشاداتِ عالیہ کو پیار سے سنا اور افعالِ کریمہ کو محبت سے دیکھا اور پھر نہایت اہتمام کے ساتھ اُنھیں محفوظ کر کے اعلیٰ شان کے ساتھ اُن پر عمل کیا۔ پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَات میں سے کسی کی بھی اُمّت نے اپنے نبی کی باتوں کو نہ اِس طرح محفوظ کیا تھا، نہ اُن پر عمل کیا تھا۔ پھر تابعین نے بھی صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے اِسی اہتمام کے ساتھ قرآن وسنت کو سیکھا اور اُن پر عمل کیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اہتمام کی فقط ایک مثال پر غور کیجیے! سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: رَمَقْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً أَوْ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً، يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ بِـ {قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ} وَ {قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ}۔ یعنی مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو بغور ٹکٹکی باندھ کر دیکھا، آپ نمازِ فجر سے پہلے والی سنّتوں اور نمازِ مغرب کے بعد والی سنّتوں کی پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص کی تلاوت فرماتے، مَیں نے یہ منظر چوبیس یا پچیس بار دیکھا ہے۔ (مسند احمد، حدیث: 5742۔ شرح معانی الآثار، حدیث: 1769۔ المعجم الکبیر، 13/188، حدیث: 13895)

ذہن میں سوال آتا ہے کہ سنّتِ فجر اور سنّتِ مغرب میں بلند آواز سے تلاوت نہیں کی جاتی، سرّی قراءت ہوتی ہے، پھر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اِن سورتوں کا علم کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کو نہایت غور سے دیکھتے تھے، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرتے تو سیدنا عبد اللہ بن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظریں مبارک ہونٹوں پر یوں جمی ہوتی تھیں، اُنھیں لبہائے لعلیں کی حرکت سے معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی سورۂ مبارکہ کی تلاوت فرما رہے ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ توجّہ ہے کہ اُنھوں نے نہ صرف سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولاتِ مبارکہ کو خوب طریقے سے محفوظ کیا، بلکہ یہ بھی اچھی طرح سے یاد رکھا کہ مَیں نے یہ عمل کرتے ہوئے کتنی بار دیکھا ہے۔

قرآن و سنت پر عمل کی یہ سب سے اعلیٰ صورت ہے، جو صحابہ اور تابعین کے ہی مقدّر میں تھی، ہمارے بس میں نہیں ہے۔

2) مجتہدین کا عمل کرنا: قرآن و سنت پر عمل کی دوسری صورت یہ ہے کہ خالقِ کائنات انسان کو علمِ دین سے اتنا وافر حصہ عطا فرمائے کہ وہ قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم سمجھ کر اُن سے شرعی مسائل اخذ کر سکے۔ اِس درجہ کے عالمِ دین کو مُجتہِد کہا جاتا ہے۔ مجتہد کتنا بڑا عالِم ہوتا ہے؟ یہ جاننے کے لیے اُس کے چند اوصاف پر غور کیجیے! مجتہد وہ ہوتا ہے جسے:

- احکام سے متعلق تمام قرآنی آیات اور احادیثِ کریمہ یاد ہوں۔
- پھر اُنھیں سمجھنے کے لیے عربی لغت اور فنِ صرف و نحو وغیرہ پر مہارتِ تامّہ رکھتا ہو؛ تاکہ صحیح طرح سمجھ سکے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمانا چاہتے ہیں؟
- فنِ بلاغت وغیرہ پر کامل عبور حاصل ہو؛ تاکہ قرآن و سنت کے رُموز و اِشارات اور بیان کے مختلف اسلوبوں کو سمجھ سکے۔
- حدیث کی تمام اقسام اور حدیث کے راویوں سے متعلق مکمل معلومات رکھتا ہو؛ تاکہ حدیث کا فنی درجہ معلوم کر سکے۔
- علمِ تاریخ اچھی طرح جانتا ہو؛ تاکہ اسے معلوم ہو کون سی آیت یا حدیث پہلے کی ہے اور کون سی بعد والی؟ یوں ناسخ و منسوخ کو سمجھ سکے۔
- شرعی اُصول و ضوابط پر کامل دسترس حاصل ہو؛ تاکہ قرآن و سنت کا ایسا مطلب نہ نکالے جو شرعی ضابطوں کے خلاف ہو۔
- نیز اُس میں وہ تمام اوصاف موجود ہوں جو اجتہاد کے لیے ضروری ہیں۔[1]

---

[1] بعض لوگوں کو خواہ مخواہ یہ وہم ہو جاتا ہے کہ وہ مجتہد ہیں۔ ایسے افراد اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ کی اِس عبارت پر غور کریں، اُنھیں اپنی علمی حیثیت معلوم ہو جائے گی: "(مجتہد وہ ہے) جو آیات و احکام و اصابتِ احکام و طُرُقِ حدیث و شُذوذ و نَکارت و نقدِ رجال، اسبابِ جَرح و تعدیل و عِلَلِ غَامِضَہ و وُجوہِ نظم و صُنوفِ معنٰی و جمیع مَبَادیِ ادبیّہ و اُصولیّہ و ناسخ و منسوخ و مناہجِ ترجیح و تطبیق و مناشیِ حکم و مقاصدِ شَرع و مَصَالحِ زَمَن و عوائدِ اُمم و مظانِّ حکم و اقاویلِ صحابہ و مواضعِ اجماع و مشارعِ خلاف و عللِ مؤثرہ و جوامعِ مُغیّرہ و مسالکِ تعدیہ و مواردِ قصر و غیرہا و جمیع مواردِ حصر کی معرفت میں دریائے ذخّار ناپیدا کنار ہو اور اِس کے ساتھ ذہنِ ثاقب و فکرِ صائب و طبعِ نقّاد و عقلِ وَقّاد و توفیقِ خداداد رکھتا ہو کہ جملہ مالہٗ وماعلیہ کے لحاظ سے منصوص سے مسکوت کا حکم اپنی رائے سے قائم کر سکے۔"

(اِظہار الحق الجلی از اعلیٰ حضرت بریلوی، سوالاتِ جرح و جوابات، سوال نمبر:19، ص:44، مکتبۃ المدینۃ۔ نوٹ: مطبوع میں موجود لفظی اغلاط کی اصلاح کر دی گئی ہے)

یہ حضرات ایک ایک آیت وحدیث سے بیسیوں شرعی مسائل اخذ کرتے، انھوں نے اُمّتِ مسلمہ کو شریعتِ مطہرہ کے ایسے جامع قوانین بنا کر دیے کہ خلفاءِ راشدین علیہم الرضوان کے بعد دُنیا میں اسلام جب بھی بطور قانون نافذ ہوا کسی نہ کسی امام / مجتہد کی فقہ کے مطابق نافذ ہوا اور برِّصغیر میں ہمیشہ فقہِ حنفی کے مطابق اسلامی عدالتی نظام نافذ ہوا۔

دورِ حاضر میں قرآن وسنت پر عمل کی یہ صورت بھی کسی کے بس میں نہیں؛ کیونکہ مجتہد اتنے بڑے درجے کا عالم ہوتا ہے کہ صدیوں سے کوئی بھی مجتہد (مجتہد فی الشرع) پیدا نہیں ہوا۔

3) تقلید کے ذریعے عمل: صحابہ وتابعین کے بعد جو شخص مجتہد نہیں اُس کے لیے قرآن وسنت پر صحیح طرح سے عمل کی صرف یہی صورت ممکن ہے کہ وہ کسی مجتہد کی تقلید کرے، یعنی اعلیٰ درجہ کے دینی عالم نے قرآن وسنت کی جو تشریحات کی ہیں اور جو مسائل اخذ کیے ہیں اُن پر عمل کرے۔

تقریباً تیرہ صدیوں سے اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت تقلید کرکے ہی قرآن وسنت پر عمل کر رہی ہے، حتّٰی کہ امام بخاری وامام مسلم جیسے عظیم محدثین اور فیضِ عالم وغوثِ اعظم جیسے اعلیٰ درجے کے ولی بھی کسی نہ کسی امام کے مقلِّد ہی تھے۔

اِزالۂ وہم: بعض لوگ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کو ناجائز کہتے ہیں اور مغالطہ یہ ڈالتے ہیں کہ اماموں کی تقلید کے بجائے قرآن وسنّت کی پیروی کرنی چاہیے۔ بظاہر یہ بات پُرکشش معلوم ہوتی ہے اور کم علم لوگ اُن کے جھانسے میں آجاتے ہیں۔

ابھی جو گفتگو کی گئی اُس سے واضح ہوا کہ ہمارے (برِّصغیر کے مسلمانوں کے) لیے قرآن وسنّت پر عمل کا یہی طریقہ ممکن ہے کہ ہم امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کریں؛ کیونکہ سرکارِ دوعالَم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ سیکھنا صحابۂ کرام کا اعزاز تھا اور قرآن وسنّت سے اپنے مسائل کا حل خود نکالنے کی صلاحیت ہمارے اندر موجود نہیں، اب جو شخص امام اعظم کی تقلید بھی نہیں کرتا وہ دین کو کھلونا بنانا چاہتا ہے؛ کیونکہ وہ اکابر کی تشریحات کو ردّ کرتا ہے اور جو غَلَط سَلَط اُس کو سمجھ میں آئے اُسے دین قرار دیتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ امامِ اعظم کی تقلید کرکے ہم نیا دین ایجاد نہیں کر رہے، بلکہ اپنی مرضی کرنے کے بجائے قرآن وسنت کی ایسی بہترین تشریح پر عمل کر رہے ہیں، جس پر صدیوں سے اُمّتِ مسلمہ کی اکثریّت کاربند ہے۔

جو لوگ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید سے روکتے ہیں اور فقہِ حنفی کو ردّ کرکے اپنی نئی تحقیقات پیش کرتے ہیں، امامِ اعظم کی علمی شان وشوکت کے سامنے اُن کے علمی قد کاٹھ کو دیکھ کر بے ساختہ ایک محاورہ زبان پر آتا ہے: ”یہ مُنھ اور مَسور کی دال!“ یہ رویہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی میڈیکل کا سٹوڈنٹ عالمی سطح پر تسلیم شدہ تحقیق کو ردّ کرکے اپنی نئی ریسرچ قبول کرنے کی دعوت دے یا سائنس کا کوئی طالبِ علم صدیوں سے تجربہ شدہ اُصول کو مسترد کردے اور اپنا شوشا تسلیم کروانے کی کوشش کرے۔

اب امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی مقام سے متعلق چند باتیں پیش کی جاتی ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کی تقلید ایک اعزاز ہے۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

فقہی مسائل میں ہم جس شخصیت کی تقلید کرتے ہیں اُس کا نام "نُعمان بن ثابت" ہے، دینِ حنیف کی خوب خدمت اور اُس کی بہترین وضاحت کرنے کی وجہ سے اُن کی کنیت "ابو حنیفہ" قرار پائی،[1] اللہ کریم نے اُنھیں معروف مجتہدین میں سب سے اعلیٰ شان عطا فرمائی؛ اِس لیے اُنھیں "امامِ اعظم"، "امام الائمہ" اور "سراج الاُمّہ" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

80ھ / 699ء میں عراق کے مشہور شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا اور والد کو مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ نے برکت کی دعا سے نوازا تھا۔

آپ نے مختلف علاقوں کا سفر کرکے متعدد صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور دیگر تقریباً چار ہزار اکابر مشائخ سے علمِ دین حاصل کیا،[2] امام حسین کے پوتے حضرت امام محمد باقر اور اُن کے شہزادے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی فیض پایا۔ فقہ کے چاروں اماموں میں "تابعی" ہونے کا اِعزاز صرف آپ کو ہی حاصل ہے۔

دینی علوم میں کمال کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے متقی و پرہیز گار بھی تھے۔ یعنی آپ علمائے کرام کے بھی امام و پیشوا ہیں اور اولیائے عظام و اہلِ کشف کے بھی سردار ہیں۔

آپ نے سب سے پہلے فقہی اُصول بنائے، ہزاروں جلیل القدر علما تیار کیے اور اُمّت کو لاکھوں مسائل کا حل بتایا۔ علمی مرتبہ یہ تھا کہ خلیفۂ وقت نے آپ کو قاضی القُضاۃ (Chief Justice) بنانا چاہا اور اِس کے لیے تمام ذرائع استعمال کیے، مگر آپ نے راہِ عزیمت اختیار کرتے ہوئے اِس منصب کو ٹھکرا دیا۔

بلند ترین مقام کے باوجود اپنے نمائندوں کے ذریعے تجارت کرتے تھے اور اُس کی آمدن سے اپنی ضروریات بھی پوری کرتے اور غریب طلبہ اور دیگر مستحق مسلمانوں کی مدد بھی فرماتے۔

تقوٰی و طہارت اور دینی خدمات سے بھرپور ستر سالہ زندگی گزارنے کے بعد ۱۵۰ھ / 767ء میں اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی، ایک قول کے مطابق شعبان المعظم میں وصالِ اقدس ہوا[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[1] "حنیف" کا معنی ہے: باطل سے جدا۔ قال تعالیٰ: فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ [اٰلِ عمران 3:95] سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہر باطل سے جدا ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہترین تشریح کی، اِس لیے آپ کو ابو حنیفہ (ہر باطل سے جدا دین والا) کہا جاتا ہے۔

[2] الخیرات الحسان فی مناقبِ الإمام الأعظم أبی حنیفة النعمان للهیتمی، ص:37، ایچ۔ایم۔سعید کمپنی

[3] رجب اور شوال کا ماہِ وصال ہونا بھی منقول ہے۔ (الخیرات الحسان) مقصود شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہوتا ہے، خواہ تاریخ و ماہِ وصال کوئی بھی ہو۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

قرآن وسنت کا فہم اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، وہ جسے چاہے اِس دَولت سے نوازتا ہے۔ ربِّ کریم نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو فقاہت سے کتنا وافر حصہ عطا فرمایا تھا... اِس کا اندازہ اکابر کے خراجِ تحسین سے لگایا جاسکتا ہے۔

استاذ کی تحسین: جلیل القدر تابعی حضرت سلیمان اَعمش علیہ الرحمہ امام اعظم ابو حنیفہ سمیت سینکڑوں محدثین کے استاذ ہیں۔ اُن سے کچھ مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا، تب امامِ اعظم بھی وہاں موجود تھے۔ اُنھوں نے آپ سے رائے لی، آپ نے فوراً جوابات پیش کیے۔ اُنھوں نے فرمایا: مِنْ أَيْنَ لَكَ هٰذَا؟ آپ نے یہ مسائل کون سی آیات واحادیث سے اخذ کیے ہیں؟ امامِ اعظم نے اُنہی سے سُنی ہوئی احادیث پیش کیں، کہ اِس سند کے ساتھ آپ نے یہ حدیث بیان کی تھی، اِس سند کے ساتھ یہ بیان کی تھی۔ اُنھوں نے فرمایا: حَسْبُكَ مَا حَدَّثْتُكَ فِي مِائَةِ يَوْمٍ حَدَّثْتَنِي فِي سَاعَةٍ، مَا عَلِمْتُ أَنَّكَ تَعْمَلُ بِهٰذِهِ الْأَحَادِيثِ۔ بس کیجیے! مَیں نے سَو دِنوں میں آپ کو جو احادیث سنائی تھیں آپ نے ایک لمحے میں مجھے سنادی ہیں، مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ اِن احادیث پر یوں عمل کرتے ہیں۔

پھر امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تاریخی جملہ کہا: يَا مَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ! أَنْتُمُ الْأَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةُ، وَأَنْتَ أَيُّهَا الرَّجُلُ! أَخَذْتَ بِكِلَا الطَّرَفَيْنِ۔ اے فُقہا (مجتہدین)! ہم محدّث لوگ پَنْساری (اسٹور والے) ہیں اور تم طبیب ہو (اسٹور والے کے پاس ادویات ہوتی ہیں، مگر اُنھیں استعمال کرنے کا طریقہ ڈاکٹر کو ہی معلوم ہوتا ہے... ایسے ہی ہم محدّثین کو احادیث معلوم ہیں، مگر کس حدیث سے کون سا مسئلہ اخذ ہوگا؟ یہ تم فقیہ لوگ جانتے ہو) اور اے ابو حنیفہ! تم حدیث اور فقہ دونوں کے ماہِر ہو۔"

(الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية، ج:2، ص:485، میر محمد کتب خانہ۔ الخيرات الحسان، الفصل الثلاثون، ص:144، ایچ ایم سعید کمپنی)

قاضی القضاۃ کا اِظہارِ حقیقت: اسلامی عدالتی نظام (Islamic judicial system) قائم کرنے والے دنیائے اسلام کے پہلے قاضی القُضاۃ (Chief Justice) امام ابو یوسف یعقوب علیہ الرحمہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور فیض یافتہ ہیں۔ اُنھیں علمِ حدیث میں بہت مہارت حاصل تھی اور وہ ایک درجہ کے مجتہد بھی تھے۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: مَا خَالَفْتُ أَبَا حَنِيفَةَ فِي شَيْءٍ قَطُّ فَتَدَبَّرْتُهُ إِلَّا رَأَيْتُ مَذْهَبَهُ الَّذِي ذَهَبَ إِلَيْهِ أَنْجَى فِي الْآخِرَةِ۔ جب بھی کسی مسئلے میں میری رائے امامِ اعظم کی رائے کے خلاف ہوتی تو غور وفکر کے بعد مجھے معلوم ہوتا کہ اُن کا موقف آخرت میں نجات حاصل کرنے کے زیادہ قریب ہے۔ مزید فرمایا: وَكُنْتُ رُبَّمَا مِلْتُ إِلَى الْحَدِيثِ، وَكَانَ هُوَ أَبْصَرَ بِالْحَدِيثِ الصَّحِيحِ مِنِّي۔ بہت مرتبہ مَیں کسی حدیث کی طرف مائل ہوتا، مگر پھر پتا چلتا کہ امامِ اعظم حدیثِ صحیح کے بارے میں مجھ سے کہیں زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔ (تاریخ بغداد، ج:13، ص:340، دار الکتب العلمیۃ)

خواجۂ نقشبند کا واقعہ: امامِ ربّانی، مجدّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کے پیر و مُرشد شیخ خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی علیہ الرحمہ نے اپنا ایک واقعہ تحریر کیا،[1] جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے حدیثِ مبارک پڑھی: سیدنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ "جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز (مکمل) نہیں۔"[2] آپ نے اِس حدیثِ مبارک سے یہ سمجھا کہ مقتدی کو بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے۔ چنانچہ چند مرتبہ آپ نے باجماعت نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی۔ آپ فرماتے ہیں: مجھے خواب میں امامِ اعظم ابو حنیفہ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ کچھ اشعار پڑھ رہے تھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ خواجہ صاحب! بے شمار غوث، قطب، ابدال میرے مُقلّد ہیں اور میری فقہ (فقہِ حنفی) پر عمل کرتے ہوئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے (اگر امام کے پیچھے خاموش رہنا حدیث کے خلاف ہوتا تو وہ ولی نہ بنتے)۔

گویا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کو سمجھایا کہ آپ نے ایک حدیثِ مبارک پڑھی ہے، مَیں نے صحابہ سے اور بھی کئی احادیثِ کریمہ روایت کی ہیں۔ ایک حدیثِ پاک وہ بھی ہے جسے رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا: مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ، فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ۔ یعنی "جو امام کی اقتدا میں نماز پڑھے تو امام کی تلاوت اُس کے لیے کافی ہے۔"[3] جس حدیث پاک میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تنہا نماز پڑھنے والے اور امام کے لیے ہے... اور سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ مقتدی خاموش بھی ہے تو اُس نے تلاوت کی ہے، کیونکہ امام کی تلاوت ایسے ہی ہے جیسے مقتدی نے خود تلاوت کی۔

یہ شخصیات جن کے علم و فقاہت اور قرب و وِلایت کے سامنے اکابر کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں، اِن کے خراجِ تحسین سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے امامِ اعظم کا علمی مقام کس قدر بلند ہے اور آپ کی تقلید کتنا بڑا اعزاز ہے! حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نے کہا:

ہمارے آقا ہمارے مولیٰ، امامِ اعظم ابو حنیفہ — ہمارے ملجا ہمارے مأوٰی، امامِ اعظم ابو حنیفہ
زمانہ بھر نے، زمانے بھر میں، بہت تجسّس کیا ولیکن — ملا نہ کوئی امام تم سا، امامِ اعظم ابو حنیفہ
تمہارے آگے تمام عالَم، نہ کیوں کرے زانوئے اَدب خَم — کہ پیشوایانِ دیں نے مانا، امامِ اعظم ابو حنیفہ
ہوا اُولی الامر سے یہ ثابت کہ تیری طاعت ضروری واجب — خدا نے تم کو کیا ہمارا امامِ اعظم ابو حنیفہ
سِراج تو ہے بغیر تیرے، جو کوئی سمجھے حدیث و قرآں — پھرے بھٹکتا نہ پائے رستہ، امامِ اعظم ابو حنیفہ

---

[1] چَنْدْگاہْ مَنْ ہَمْ خَلْفِ امام قِراءَتِ فاتِحَہْ مِیْ نَمُودَمْ، آخِرالأَمر شَبے امامِ اعظم (علیہ الرحمہ) رادَرْ خواب دِیْدَمْ، کہ قَصِیْدَۂ غَرّاء دَرْ مدحِ خود می خواند، وایں مضمون مُسْتَفَادْ مِیْ گَرْدَدْ کہ چَنْدِیں اَوْلِیَاء دَرْ مَذْہَبِ مَن بُوْدَہْ اَنْدْ۔ ازاں وقت تَرْکِ قِراءَتِ فاتِحَہْ خَلْفِ امام نَمُوْدَمْ۔ (مبدأ و معاد از مجددِ الفِ ثانی، ص: 50، مکتبۃ الحقیقۃ، ترکیا)

[2] صحیح بخاری، حدیث: 756

[3] سنن ابن ماجہ، حدیث: 850۔ حدیثِ مذکور کی متعدد اسناد ہیں، امام زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نصب الرایۃ میں اِس پر مفصل بحث کی ہے۔

حرفِ آخر: تقلیدِ ائمہ... انعام یافتہ بندوں کا راستہ

دشمن کا خطرہ جس قدر بڑھتا جائے محفوظ راستہ اپنانا اُتنا ہی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید کے مطابق شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، اُس کا خطرہ ہر دَور میں رہا تھا اور رہے گا... تاہم عصرِ حاضر میں فتنوں کی یلغار ہے اور ابلیسی چیلوں کی کثرت ہے، چنانچہ اب اُس کے وار سے بچنے کے لیے محفوظ راہ کو اختیار کرنا پہلے سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے... اور محفوظ راستہ اُن ہستیوں کا طریق ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ انعام یافتہ بندوں کی راہ ایسی محفوظ اور اہم ہے کہ خالقِ کائنات نے اِس کی دُعا قرآنِ حکیم میں تعلیم فرمائی ہے اور بندہ نماز میں کئی بار اپنے ربّ تعالیٰ سے اِس کی التجا کرتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ○ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ یعنی "اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا دے، اُن لوگوں کے راستے پر جن پہ تیرا اِنعام واحسان ہے، اُن کے راستے پر نہ چلانا جن پہ تیرا غضب (اُن سے تُو ناراض) ہے اور نہ ہی اُن کے راستے پر جو بھٹکے ہوئے ہیں۔" [الفاتحہ 1:6،7]

اگر ہم اپنے ذہنوں میں یہ بات بٹھالیں کہ ہم نے مختلف فتنوں اور فرقوں کی جنگ میں انعام یافتہ بندوں کا راستہ اپنانا ہے تو کئی اُلجھنیں حل ہو جائیں اور راہِ ہدایت پر استقامت کی دَولت نصیب ہو جائے۔

عصرِ حاضر کا ایک بڑا فتنہ "اپنی رائے کو ترجیح دینا" بھی ہے۔ مختلف انجینئرز، ڈاکٹرز اور سکالرز اپنی اپنی تحقیقات پیش کر رہے ہیں، جنھیں سن کر انسان پریشان ہو جاتا ہے کہ مَیں کسے اختیار کروں! ایسے میں ہمیں چاہیے کہ وہی راہ اپنائیں جس پر صدیوں سے اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے چل رہے ہیں۔ چنانچہ:

- عقائد میں امام ابو منصور محمد ماتُریدی علیہ الرحمہ (م:۳۳۳ھ / 944ء) کی تشریحات پر عمل کریں، یعنی پختہ سُنّی ماتریدی رہیں۔ اِسی فکر کو "فکرِ رضا" بھی کہا جاتا ہے۔
- فقہی مسائل میں تقلید اختیار کریں۔ برِّ صغیر کے سبھی انعام یافتہ بندے امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م:۱۵۰ھ / 767ء) کے مقلِّد رہے ہیں۔

امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماہِ وصال شعبان المعظّم کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں تقلیدِ امامِ اعظم پر کچھ گفتگو کی گئی، جس کے چند اہم نکات یہ ہیں:

⇐ دونوں جہان کی کامیابی قرآن وسنت پر عمل کرنے میں ہے۔

⇐ شیطان اپنے کارندوں کے ذہنوں میں قرآن وسنت کا غلط مفہوم ڈالتا ہے، پھر وہ ابلیسی مغالطے لوگوں میں پھیلاتے ہیں اور قرآن وسنت کے نام پر لوگوں کو راہِ ہدایت سے بہکا دیتے ہیں۔

⇐ قرآن وسنّت کی غلط تشریح اور اپنی مرضی کا مفہوم بیان کرنا بہت بڑا جرم ہے، جس کا انجام کفر تک پہنچ سکتا ہے۔

⟸ قرآن وسنّت پر صحیح طرح سے عمل کے لیے تین میں سے ایک بات ضروری ہے:

1) صاحبِ قرآن ﷺ سے بلاواسطہ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع نصیب ہوا ہو یا نبوی درس گاہ کے تربیت یافتہ سے علمِ دین حاصل کرنے کی سعادت ملے۔ یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے صحابہ و تابعین کو عطا فرمایا۔

2) علمِ دین سے اتنا وافر حصہ عطا ہو کہ انسان قرآن وحدیث کا صحیح مفہوم سمجھ کر خود اُن سے شرعی مسائل اخذ کر سکے۔ یہ صلاحیت مجتہدین کو عطا ہوئی۔

3) انسان کسی مجتہد کی پیروی کرے۔

⟸ ہمارے لیے قرآن وسنّت پر عمل کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہم امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کریں، یعنی اُنھوں نے قرآن وسنت سے مسائل اخذ کر کے "فقہِ حنفی" کی صورت میں شرعی مسائل کا جو وسیع ذخیرہ ہمیں دیا ہے اُس پر عمل کریں؛ کیونکہ ہمیں بلاواسطہ سیکھنے کی سعادت بھی نہیں ملی اور ہمارے اندر قرآن وسنت سے خود تمام مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔

⟸ تقلید کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسا کرنے والا کوئی نیا دین ایجاد کر رہا ہے، بلکہ قرآن وسنت پر عمل کی ہی بہترین صورت ہے۔

⟸ ہمارے امام حضرت ابو حنیفہ نُعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علمی مقام اِس قدر بلند ہے کہ ہر دَور کے مفسّرین و محدثین اور اولیائے کاملین نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور اُن کی اکثریت آپ کی تقلید کرتی تھی۔

شرعی مسئلہ: بعض لوگوں کو تصاویر اور ویڈیوز بنانے کا شوق اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ مقدّس مقامات، مثلاً کعبۂ مشرّفہ یا روضۂ منوّرہ پر حاضر ہو کر اُن کی طرف پیٹھ کر کے اپنی تصاویر بنانے لگ جاتے ہیں، مسلمانوں کے عرف کے مطابق ایسا کرنا بے ادبی ہے[1] اور بے ادبی سے بچنا چاہیے۔ یوں ہی تصاویر یا ویڈیو بنانے کے لیے مزاراتِ اولیا کی طرف پیٹھ کرنے سے بھی بچنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقے میں ہماری مغفرت فرمائے اور فتنوں کے اس دور میں انعام یافتہ بندوں کے راستے پر استقامت کی توفیق سے نوازے!

خالقِ کائنات تمام اُمّتِ مسلمہ سے مصائب وآلام دُور فرمائے، مظلوموں کی غیبی تائید ونصرت فرمائے، خصوصًا اہلِ غزہ کو اِعانت سے نوازے، جنگ کے معاہدے کو خداوندِ قدّوس اسلام کی سربلندی اور اہلِ غزّہ کے لیے خیر وبھلائی کا ذریعہ بنائے!

مالکِ کریم پاکستان کو ہر طرح کے مصائب سے محفوظ رکھے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے!

---

[1] تفصیل کے لیے دار الافتاء اہلِ سنّت سے جاری شدہ فتوٰی بعنوان: "مقدس مقامات کی طرف پیٹھ کر کے تصویریں، ویڈیو بنانا کیسا؟" فتوٰی نمبر: Lar-8604 ملاحظہ فرمائیں! (یہ فتوٰی انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے)

۸ شعبان المعظّم ۱۴۴۶ھ / 07 فروری 2025ء

تقلیدِ امامِ اعظم

رضی اللہ تعالٰی عنہ....

ضرورت واہمیت اور ازالۂ شبہات

(آخری حصہ... مع مذمّت برٹرمپ تجویز)

مشمولات

- فہمِ دین کے لیے ماہرین کی طرف رُجوع کی ضرورت
- شبہ... تقلید کے بجائے حدیث کی پیروی
  - غیرِ مجتہد کے لیے حدیث کی اسنادی وعملی حیثیت اور فقہ جاننا ممکن نہیں
- شبہ... فقہِ حنفی صحیح احادیث کے خلاف ہے
  - ترکِ رفعِ یدین
  - آہستہ آمین کہنا اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا
- شبہ... صحابہ نے تقلید نہیں کی
- شعبان میں روزوں کا اہتمام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ ؕ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَی الرَّسُوۡلِ وَاِلٰۤی اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ ؕ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّیۡطٰنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۔ [النساء4:83]

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق انسانوں کو مختلف صلاحیتیں عطا فرماتا ہے۔ کسی کو علم میں عروج ملتا ہے تو کسی کو معاملہ فہمی کی لیاقت دی جاتی ہے... کوئی لکھت پڑھت سے آگاہ ہوتا ہے تو کوئی کاریگری میں ماہر۔ غرضیکہ سب کی خوبیاں یکساں نہیں ہوتیں۔

ربِّ کریم نے اپنی قُدرت کے ساتھ انسانوں کی قابلیتوں کے ذریعے نظامِ عالَم کو باقی رکھا ہوا ہے۔ لوگوں کی حاجتیں مختلف ہیں اور وہ اپنی اپنی حاجت کے مطابق اُسے پورا کرنے کی لیاقت رکھنے والے شخص سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ علم کا متلاشی عالِم سے نفع پاتا ہے، بیمار کو ڈاکٹر کے ذریعے فائدہ ہوتا ہے اور تعمیر کا خواہش مند معمار سے استفادہ کرتا ہے... اِسی طرح باقی معاملات ہیں۔

جیسے دیگر کاموں میں متعلقہ افراد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، ایسے ہی قرآن وحدیث کو سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کے لیے بھی ماہرینِ قرآن وسنّت سے رائے لینی چاہیے۔ ایک آیتِ کریمہ میں خالقِ کائنات نے بات کا بتنگڑ بنانے والوں اور معاملات کو نااہلوں تک پہنچا کر فتنہ پھیلانے والوں کی مذمت کی اور اُمور کو سدھارنے کا سلیقہ سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَی الرَّسُوۡلِ وَاِلٰۤی اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ... یعنی "اگر وہ اُس بات کو رسولِ کریم ﷺ اور اپنے بااختیار / اہلِ علم حضرات کی خدمت میں پیش کرتے تو اُن میں سے نتیجہ نکالنے کی صلاحیت رکھنے والے ضرور اُس کی حقیقت کو جان لیتے۔" [النساء4:83]

دورِ حاضر میں فرقہ پرستی اور باہمی اختلاف کا یہ حال ہے کہ نماز پڑھنے کا طریقہ بھی ایک جیسا نہیں۔ اگر اِس آیتِ کریمہ پر عمل کرتے ہوئے فقہی مسائل میں اپنی اپنی تحقیق پیش کرنے کے بجائے امام اعظم ابو حنیفہ نُعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن تھام لیا جائے اور آپ نے قرآن وسنّت کی روشنی میں جو دینی مسائل اخذ کرکے "فقہِ حنفی" کا عظیم ذخیرہ عطا کیا ہے، اُس پر عمل کیا جائے تو تمام اختلافات ختم ہو جائیں۔ یعنی تقلیدِ امامِ اعظم میں اِس آیت پر عمل بھی ہے اور اختلافات کا حل بھی۔

ایک طبقہ امامِ اعظم یا کسی دوسرے فقہی امام کے پیچھے چلنے کے بجائے تقلید کو ناجائز وگمراہی قرار دیتا ہے، یعنی وہ لوگ مسلمانوں کو اُس راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں جس پر تقریباً تیرہ صدیوں سے اُمّت کی اکثریت عمل کر رہی ہے اور اُن کی خواہش ہے کہ ہم فقہی اماموں کی تحقیقات کو چھوڑ کر اُس طبقہ کی تحقیق کو قبول کر لیں۔

امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماہِ وصال شعبان المعظّم کی مناسبت سے گزشتہ جمعۃ المبارک میں "تقلیدِ امامِ اعظم" کی ضرورت واہمیت پر کچھ گفتگو کی گئی تھی۔ آج تقلید سے متعلق تین بڑے شبہات / مغالطوں کا اِزالہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

شبہ... تقلید کے بجائے حدیث کی پیروی

تقلید کا انکار کرنے والے یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ ہمارے دَور میں جدید ذرائع دستیاب ہیں، چند سیکنڈز میں کسی بھی مسئلے سے متعلق سرکارِ دوعالَم ﷺ کا ارشادِ گرامی آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور اُس کی اسنادی حیثیت کا بھی پتا چل جاتا ہے کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف۔ چنانچہ اب امامِ اعظم یا دیگر ائمہ کی تقلید کرنا فضول ہے، بلاواسطہ حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔

اِس مغالطہ کا جواب سمجھنے سے پہلے یہ بات جان لیجیے کہ کسی بھی حدیثِ مبارک پر عمل کے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

i. اُسے روایت کرنے والے ہر فرد کے بارے میں تفصیلی معلومات ہوں۔ اِس سے پتا چلے گا کہ وہ روایت ثابت شدہ ہے یا نہیں!

ii. یہ معلوم ہو کہ اُس حدیث پر عمل کرنا درست ہے۔ جب ہر آیت پر عمل نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ کچھ آیاتِ کریمہ متشابہات ہیں، جنھیں ہمارے ایمان کا امتحان لینے کے لیے نازل کیا گیا ہے... تو ہر حدیث پر عمل کیسے درست ہو گا!

iii. اُس حدیث کی فقہ، یعنی اُس کا صحیح مفہوم معلوم ہو۔ فقہِ حدیث تک رسائی نہ ہوئی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ حدیث میں حکم کچھ اور ہو گا، جب کہ بندے کا عمل کچھ اور؛ کیونکہ وہ حدیثِ مبارک کو سمجھ ہی نہیں پایا۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اِن مراحل کو طے کرنا عام شخص (غیر مجتہد) کے بس کی بات نہیں۔[1] اِس سے مغالطے کا جواب بھی مل گیا کہ ہمارے لیے تقلید کے بغیر حدیثِ مبارک پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں، ہم حدیث پر عمل اِس طرح ہی کر سکتے ہیں کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ہر مسئلے میں احادیثِ کریمہ کا خلاصہ پوچھیں، جو اُن کی فقہ بتائے اُس پر عمل کر لیں۔ اِسی بات کو "تقلید" کہا جاتا ہے۔

سند کی حیثیت جاننا ممکن نہیں: حدیثِ مبارک کی سند صحیح ہے یا ضعیف... یہ فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اُس حدیث کی تمام اسانید کو جانتا ہو، نیز اُسے ہر سند کے ہر ایک راوی کے بارے میں مفصّل معلومات ہوں، پھر راویوں پر جَرح و تنقید اور قبول و رَدّ کے حوالے سے تمام ضابطوں پر پوری طرح گرفت ہو۔ یہ کام عوام تو کجا! بڑے بڑے علما کے بس میں بھی نہیں۔

یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ محدّثین نے احادیث کی اسنادی حیثیت کا فیصلہ کر دیا ہے، ہمیں تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ محدّثین کا فیصلہ قبول کرنا بھی تو ایک طرح کی "تقلید" ہے اور تقلید کے منکرین کہتے ہیں کہ ہم اماموں کی بات نہیں مانیں گے۔

عمل کا فیصلہ بس میں نہیں: سند کی بحث چھوڑ دیں اور یہ کہیں کہ اِس بارے میں ہم محدثین کا فیصلہ مانیں گے، مثلاً جو حدیثِ مبارک صحیح بخاری، صحیح مسلم یا دیگر صحاحِ ستہ میں ہے اُسے قبول کریں گے تو اگلے مرحلے میں یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ اِس حدیث پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں... یہ بھی عام شخص (غیرِ مجتہد) کی قدرت میں نہیں؛ وجہ یہ ہے کہ کبھی حدیث کی سند ثابت ہوتی ہے، مگر اُس

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: اَلْفَضْلُ الْمَوْهِبِي فِي مَعْنٰى "إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِي"، مشمولہ در فتاوٰی رضویہ، ج:27، ص:63 تا 88

پر عمل نہیں ہو سکتا... جب کہ کئی مرتبہ سند ثابت نہیں ہوتی، مگر دیگر قرائن کی وجہ سے اُس پر عمل درست ہوتا ہے۔

صحیح غیر معمول بہا: سند ثابت شدہ (صحیح یا حَسَن) ہو، مگر عمل درست نہ ہو... اِس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، مثلاً:

- وہ حدیث منسوخ ہو۔ یعنی پہلے مخصوص حالات میں کوئی حکم دیا گیا ہو، پھر اُس کی جگہ دوسرا حکم آ جائے... اب پہلے والی حدیث پر عمل نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ وہ حدیثِ صحیح ہو۔ جیسے زیارتِ قبور سے روکا گیا تھا، پھر اُس کی اجازت ہو گئی۔ (صحیح مسلم، حدیث:977)
- اِسی درجے کی کوئی دوسری حدیث بھی موجود ہو اور اُصولوں کی روشنی میں اُس پر عمل راجح ہو، مثال ابھی ذکر کی جائے گی۔
- کوئی ٹھوس دلیل موجود ہو کہ اُس حدیث سے ظاہری معنیٰ مراد نہیں، کچھ اور مراد ہے (مُؤوَّل ہے)۔ حدیث میں ہے: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا۔ (المعجم الاوسط:3348) "جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اُس نے علانیہ طور پر کفر کیا"، مگر دیگر نصوص سے ثابت ہے کہ گناہِ کبیرہ کرنے سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا، البتہ معاذ اللہ گناہ کو جائز سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے؛ لہٰذا اِس حدیث کا ظاہری معنیٰ مراد نہیں، بلکہ ایک توجیہ یہ ہے کہ وہ شخص کفر کے قریب پہنچ گیا۔ (ماخوذ از فیض القدیر)
- وہ حدیث غیر متواتر ہو اور اُس کا ظاہری مفہوم آیتِ قرآنیہ کے خلاف ہو۔ اب اُس کے ظاہر پر عمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اُصولوں کے مطابق ایسی صورت نکالی جائے گی کہ آیت سے تعارض نہ ہو۔
- جس علت کی وجہ سے وہ حکم دیا گیا تھا اب وہ علت نہ پائی جائے۔

اِن کے علاوہ بھی کئی صورتیں ہیں جن میں حدیثِ مبارک کی سند ثابت شدہ ہوتی ہے، مگر اُس پر عمل درست نہیں ہوتا۔

غیر صحیح معمول بہا: بہت مرتبہ حدیث کی سند صحیح نہیں ہوتی، مگر اُصولوں کی روشنی میں اُس پر عمل درست ہوتا ہے۔ مثلاً:

- وہی مفہوم دیگر احادیث میں موجود ہو اور اُن کے ذریعے حدیث قوی ہو جائے۔
- علما اُس پر عمل کریں، جس سے ثابت ہو کہ عمل کرنا صحیح ہے۔ امام ترمذی اور دیگر محدثین علیہم الرحمہ کئی احادیث کو ضعیف کہہ کر فرماتے ہیں: وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ۔ یعنی سند تو کمزور ہے، مگر علما اِس پر عمل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی، حدیث:1191)
- کئی بزرگانِ دین اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خاص بصیرت و کشف سے جان لیتے تھے کہ سند کمزور ہے، مگر یہ ارشادِ نبوی ہی ہے، بلکہ کچھ تو سرکارِ دو عالَم ﷺ سے پوچھ لیتے تھے کہ آقا! یہ آپ کا ارشادِ گرامی ہے یا نہیں؟ سینکڑوں کتابوں کے مصنف، امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو پچھتر (75) مرتبہ بیداری میں امام الانبیا ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور اُنھوں نے آپ ﷺ سے احادیثِ کریمہ کے بارے میں پوچھا۔[1]

اِس بحث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عمل درست ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ بھی عام شخص کا کام نہیں، مجتہد ہی بتا سکتا ہے۔

---

[1] دیکھیے: مُنِيْرُ الْعَيْنِ فِيْ حُكْمِ تَقْبِيْلِ الْإِبْهَامَيْنِ، فتاوی رضویہ، ج:5، افادہ:13 تا 15/19، ص:472 تا 477/491 تا 494، رضا فاؤنڈیشن

فقہِ حدیث قدرت میں نہیں: عامی کے لیے بغیر تقلید کے حدیث پر عمل کرنا اِس لیے بھی ممکن نہیں کہ عربی زبان دُنیا کی فصیح ترین زبان ہے، اُس میں ایک ہی بات کو تعبیر کرنے کے دَسیوں طریقے ہوتے ہیں۔ یہ بات عربی زبان کی ابتدائی معلومات رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے۔ پھر حدیثِ مبارک اُس ہستی کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اوّلین وآخرین میں سب سے زیادہ فصاحت وبلاغت سے نوازا ہے، جسے جوامع الکلم کی دولت عطا ہوئی ہے؛ کہ وہ مختصر الفاظ میں ایسی بات ارشاد فرمادیتے ہیں جس کی تشریح وتوضیح کی جائے تو کئی کتابیں تیار ہو جائیں۔ امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

تِرے آگے یوں ہیں دَبے لچے، فُصَحا عرب کے بڑے بڑے..... کوئی جانے منھ میں زباں نہیں، نہیں! بلکہ جسم میں جاں نہیں

ایک عام سے ادیب و فصیح کی بات ہر ایک کو سمجھ میں نہیں آتی... اُردو میں قانون کی کتاب پڑھ لینے سے کوئی قانون دان نہیں بنتا تو فُصَحائے عرب کے سردار ﷺ کے ارشادات کو سمجھنا ہر ایک کے بس میں کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ مرحلہ بھی فقط مجتہد ہی طے کر سکتا ہے؛ اُسے لغتِ عرب کے تمام فنون، بلاغت کے تمام علوم، الفاظ ومعانی کی تمام صنوف وغیرہ کا مکمل علم ہوتا ہے؛ اِسی لیے تو امام بخاری سمیت اکابر محدثین علمِ حدیث میں اعلیٰ شان رکھنے کے باوجود کسی نہ کسی امام کے مقلِّد تھے۔[1] کاش! بخاری پڑھ کر علمی بخار میں مبتلا ہونے والے اِس بات پر غور کرتے کہ خود امام بخاری اور حدیث کی کتابیں لکھنے والے دیگر محدثین بھی تقلید سے بے نیاز نہیں تھے۔

یہ بات سرکارِ دوعالم ﷺ کے ارشادِ گرامی سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ حدیث سمجھنا ہر ایک کے بس میں نہیں۔ اُمّت میں علمِ میراث کے سب سے بڑے عالِم سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا جُبَیر بن مُطعِم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ۔ روایات کا خلاصہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تَر و تازہ اور حسین وبارونق رکھے جس نے میری حدیث سن کر یاد کی، اُسے محفوظ رکھا، پھر بغیر کسی تبدیلی کے دوسرے کو پہنچادی، کئی علم کے حامل فقیہ نہیں (اِنھیں حدیث یاد ہوتی ہے، مگر اُسے سمجھ نہیں پاتے) اور کئی اپنے سے زیادہ فقیہ تک علم پہنچاتے ہیں (یہ حدیث کو سمجھتے ہیں، مگر دوسرا اِن سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے)۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 230، 231)[2]

امام بخاری وامام مسلم کے دادا اُستاذ، جلیل القدر تابعی حضرت سُفیان بن عُیَینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلْحَدِيثُ مَضَلَّةٌ إِلَّا لِلْفُقَهَاءِ۔ یعنی فقہاء و مجتہدین ہی حدیثِ مبارک کو سمجھتے ہیں، باقی لوگ اپنی کم علمی کے سبب حدیث پڑھ کر سخت گمراہی کا شکار ہو سکتے ہیں۔[3]
(الجامع فی السنن والآداب والمغازی والتاریخ للقیروانی، ص: 118، مؤسسة الرسالة۔ الفتاوی الحدیثیه للهیتمی، ص: 202)

---

[1] قال الشاہ ولی اللہ: مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ، فَإِنَّهُ مَعْدُودٌ فِي طَبَقَاتِ الشَّافِعِيَّةِ۔ (الإنصاف فی بیان أسباب الاختلاف، ص: 76، دار النفائس)

[2] یہ حدیث متعدد صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے کثیر محدّثین نے روایت کی ہے، مزید کے لیے دیکھیے: فتاوی رضویہ، ج: 27، ص: 73

[3] يُرِيدُ أَنَّ غَيْرَهُمْ (غير الفقهاء) قَدْ يَحْمِلُ الشَّيْءَ عَلَى ظَاهِرِهِ وَلَهُ تَأْوِيلٌ مِنْ حَدِيثٍ غَيْرِهِ، أَوْ دَلِيلٌ يَخْفَى عَلَيْهِ، أَوْ مَتْرُوكٌ أَوْ جَبَ تَرْكَهُ غَيْرُ شَيْءٍ مِمَّا لَا يَقُومُ بِهِ إِلَّا مَنِ اسْتَبْحَرَ وَتَفَقَّهَ۔ (المدخل لابن الحاج، ج: 1، ص: 128، دار التراث)

شبہ... فقہِ حنفی صحیح احادیث کے خلاف ہے

تقلید کا انکار کرنے والے یہ مغالطہ بھی دیتے ہیں کہ فقہِ حنفی صحیح احادیث کے خلاف ہے، احناف کے موقف میں پیش کی جانے والی احادیث ضعیف ہیں۔ اِس پر عام شخص تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ پھر فقہِ حنفی کے بجائے احادیث پر عمل کرنا چاہیے۔

اِس حوالے سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت 80ھ میں ہوئی، آپ نے بلا واسطہ کچھ صحابہ کرام اور ہزاروں اکابر تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیثِ مبارکہ سُنیں اور سیکھیں۔ اگر کسی راوی کی وجہ سے موجودہ کتابوں میں موجود حدیث کی سند کمزور ہے تو بھی اِس سے فقہِ حنفی پر اعتراض نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ جب امام اعظم نے اِن احادیث کو دلیل بنایا تھا تب وہ راوی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، جن کی وجہ سے سند کو کمزور کہا جاتا ہے۔

مزید اطمینان کے لیے چند مسائل دلائل کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں، اِس سے اندازہ ہو گا کہ فقہِ حنفی مستند احادیث کے عین مطابق ہے اور مذکورہ مغالطہ منکرینِ تقلید کی کم فہمی کا نتیجہ ہے۔

ترکِ رفعِ یدین: فقہِ حنفی کے مطابق فقط تکبیرِ تحریمہ کے وقت کانوں تک اِس طرح ہاتھ اُٹھانا سنت ہے کہ انگوٹھے کانوں کی لَو کو چھوئیں، نمازِ پنجگانہ میں اِس کے علاوہ ہاتھ اُٹھانا سنت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ احادیث کے خلاف ہے؛ کیونکہ احادیث میں رکوع اور سجدہ میں جانے سے پہلے رفع یدین کرنے کا بھی ذکر ہے، حالانکہ احادیثِ صحیحہ کے مطابق صرف پہلی تکبیر کے وقت ہی ہاتھ اُٹھانے چاہییں[1]:

⇐ سیدنا جابر بن سَمُرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: مَالِيْ أَرَاكُمْ رَافِعِيْ أَيْدِيْكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلَاةِ! یعنی "کیا وجہ ہے کہ میں تمھیں سرکش گھوڑوں کی دُموں کی طرح ہاتھ اُٹھاتے دیکھ رہا ہوں؟ سکون سے نماز پڑھا کرو!"[2] (صحیح مسلم، حدیث:430)

⇐ اکابر صحابہ، جو نماز میں سرکارِ دو جہاں ﷺ کے بالکل قریب کھڑے ہوتے تھے، وہ فقط پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے، رکوع یا سجدہ سے پہلے رفعِ یدین نہیں کرتے تھے۔ یہ واضح دلیل ہے کہ اُنھوں نے آپ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا تھا۔

○ حضرت اسود علیہ الرحمہ نے فرمایا: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ أَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُوْدُ۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے "شرح معانی الآثار" یا بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی طرف سے شائع شدہ "خلاصہ شرح معانی الآثار"، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلك رفع أم لا؟

[2] غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اِس حدیث میں سلام کے وقت ہاتھ اُٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ عذر درست نہیں؛ کیونکہ: 1) حدیثِ مبارک کے الفاظ میں مطلقاً سکون / ہاتھ نہ اُٹھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ 2) سلام کے وقت ہاتھ اُٹھانے سے ممانعت والی حدیث الگ ہے، جب کہ یہ حکم الگ ہے۔ 3) "فِيْ" صریح ہے کہ نماز میں ہاتھ اُٹھانے سے روکا گیا ہے۔ (ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، زیرِ حدیث:793)

مَیں نے امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے وقت اپنے ہاتھ اُٹھاتے، اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(شرح معانی الآثار، حدیث:1364،قال الطحاوی: حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)

○ ایک موقع پر صاحبِ نعلَین ووِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ یعنی مَیں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ نہ سکھاؤں؟ پھر آپ نے نماز پڑھائی اور فقط تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھائے۔(جامع ترمذی، حدیث:257۔ سننِ نسائی:1058، 1026۔ مسند احمد، 1/388، حدیث:441، قال الألبانی: صحیح)

اِن صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں رکوع اور سجدہ سے پہلے ہاتھ اُٹھانے کا ذکر ہے، وہ منسوخ یا مرجوح ہیں۔

آمین بالسرّ: فقہِ حنفی کے مطابق نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت مکمل ہونے پر آہستہ آواز سے آمین کہنا سنت ہے اور احادیثِ صحیحہ کا یہی تقاضا ہے:

❖ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے نماز میں آمین کہنے کا حکم دیا اور فرمایا: فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ "جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ومطابق ہوئی اُس کے سابقہ (صغیرہ) گناہ معاف ہوگئے۔" (صحیح بخاری، حدیث:780) ظاہر ہے کہ فرشتوں کی آمین بلند آواز سے نہیں ہوتی۔

❖ سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: إِنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ قَالَ: "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" قَالَ: آمِيْنَ، يَخْفِضُ بِهَا صَوْتَهُ۔ اُنھوں نے رحمتِ عالَم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ ﷺ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا تو "آمین" کہا اور اپنی آواز آہستہ رکھی۔(المستدرک علی الصحیحین، حدیث:2913، صحیح علی شرط الشیخین)

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ آواز سے کہنا سنت ہے، جس حدیث سے بعض لوگ کھینچ تان کر اُونچی آواز سے آمین کہنا ثابت کرتے ہیں اُس کا مفہوم ہے کہ کبھی کبھی اِس لیے اُونچی آواز سے آمین کہی کہ پتا چل جائے آمین کہنا سنت ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا: فقہِ حنفی کے مطابق نماز میں قیام کے دوران مَرد کے لیے سنت یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے، دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پُشت پر رکھے اور انگوٹھے وچھنگلیا سے بائیں کلائی کا حلقہ بنائے۔ یہی احادیث میں ہے۔ مثلاً: سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَضَعَ يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔[1] مَیں نے نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ناف کے نیچے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث:3981)

خلاصہ یہ کہ امام اعظم کی سند عالی ہے، اُنھوں نے بلاواسطہ صحابہ وتابعین سے سیکھا ہے اور اُن کی فقہ احادیث کے عین مطابق ہے۔

---

[1] اِس حدیثِ مبارک کی سند صحیح ہے اور معتبر نسخوں میں "تحت السرّۃ" کے الفاظ موجود ہیں۔

شبہ... صحابہ نے تقلید نہیں کی

منکرینِ تقلید کہتے ہیں: صحابہ کسی کے مقلِّد نہیں تھے، اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی ہے اور ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔

اِس مغالطہ کو سمجھنے کے لیے ایک لطیفہ پر غور کیجیے! کسی شخص کو بخاری شریف پڑھنے کا شوق دلایا گیا تو وہ کہنے لگا: مَیں نہیں پڑھوں گا۔ اُس سے کہا گیا: یہ احادیثِ کریمہ کی معتبر ترین کتاب ہے، اِسے پڑھنا چاہیے۔ کہنے لگا: صحابہ نے بخاری نہیں پڑھی تو مَیں بھی نہیں پڑھتا۔ ظاہر ہے کہ اِس شخص کو سمجھایا جائے گا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنی آنکھوں سے امام الانبیا ﷺ کا رُخِ زیبا دیکھتے تھے اور اپنے کانوں سے آپ ﷺ کے میٹھے بول سنتے تھے، اُنھیں کوئی کتاب پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جو اعزاز اُنھیں ملا وہ تمہارے بس میں نہیں؛ اِس لیے تم اُن جیسا بننے کی کوشش نہ کرو۔

اِس سے تقلید پر پیش کیے گئے شبہ کا جواب بھی مل گیا کہ عہدِ نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تقلید کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ سرکارِ دو جہاں ﷺ کی زیارت کرکے اور آپ سے احادیث سماعت کرکے اتباع کرتے تھے، اگر کوئی بات خود دیکھی یا سُنی نہیں ہوتی تھی تو دیگر صحابہ سے پوچھ لیتے تھے اور جس مسئلہ میں راہ نمائی درکار ہوتی بلاواسطہ تاج دارِ ختمِ نبوّت ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔

پھر جب آپ ﷺ نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو وہ اہلِ علم و فتوٰی / مجتہد صحابہ سے پوچھتے اور نئے پیش آنے والے مسائل سے متعلق راہ نمائی لیتے، تاہم اُس دَور میں یہ پابندی نہیں تھی کہ صرف فلاں صحابی سے ہی پوچھا جائے گا؛ کیونکہ وہ سبھی اعلیٰ درجہ کے متقی تھے، نہ تو اپنے پاس سے کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے اور نہ ہی قرآن و سنت کا غلط مفہوم بیان کرتے تھے۔

دورِ صحابہ کے بعد جب چرب زبان منافق مَن مانی تشریحات کرکے قرآن و حدیث کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے لگے تو فیصلہ ہوا کہ اب نہ تو ہر ایک کی بیان کردہ حدیث کو قبول کیا جائے گا، نہ ہی ہر ایک سے قرآن و سنت کی تشریح اور شرعی مسائل پوچھے جائیں گے۔[1] صحیح مسلم کے مطابق پھر فقط سُنّی راویوں کی حدیث قبول کی جاتی۔[2] بعد ازاں تیسری صدی ہجری میں تمام علمائے حق نے اِس بات پر اتفاق کیا کہ اب فقط چار ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے گی: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (م:150ھ)، امام مالک بن انس اَصبحی (م:179ھ)، امام محمد بن ادریس شافعی (م:204) اور امام احمد بن حنبل شَیبانی (م:241ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

چار میں سے ایک کی قید اِس لیے رکھی گئی کہ لوگ دین کو مذاق نہ بنالیں، کہ کوئی بات اِس امام کی اور کوئی اُس امام کی مان لی۔ چنانچہ تب سے اُمّت اِن اماموں کی تقلید کر رہی ہے اور ہر دَور میں اکثریت امامِ اعظم ابو حنیفہ کی مقلِّد رہی ہے۔

---

[1] قَالَ سیدنا عبد الله بن عباس رضی الله عنهما: إِنَّا كُنَّا مَرَّةً إِذَا سَمِعْنَا رَجُلًا يَقُوْلُ: "قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ" ابْتَدَرَتْهُ أَبْصَارُنَا وَأَصْغَيْنَا إِلَيْهِ بِآذَانِنَا. فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُوْلَ لَمْ نَأْخُذْ مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَا نَعْرِفُ. (صحيح مسلم، مقدمة)

[2] فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوْا: سَمُّوْا لَنَا رِجَالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ. (أيضًا)

حرفِ آخر: فقہِ حنفی... دینِ حنیف کی بہترین تشریح

سرورِ عالم ﷺ کو باری تعالیٰ نے یہ اِعزاز عطا فرمایا ہے کہ آپ ﷺ شارِع (شریعت بنانے والے) اور قانون ساز ہیں... اُمّت میں کوئی بھی شارِع نہیں ہے، تاہم اُمّتی شارِح (قرآن وسنت کی تشریح وتوضیح کرنے والا) ہو سکتا ہے۔

قرآن وسنّت کی تشریح کس سے پوچھنی چاہیے؟ کلامِ الٰہی سکھاتا ہے کہ اِس کے لیے اِستِنْباط... یعنی قرآن وحدیث سے مسائل کا حل نکالنے... کی صلاحیت رکھنے والے مجتہد کی طرف رُجوع کرنا چاہیے اور اُس کی تشریح پر عمل کرنا چاہیے۔ [النساء4:83]

مجتہدین میں سب سے اعلیٰ شان ہمارے امام حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوئی؛ اِسی لیے آپ کو "امام اعظم" (معروف مجتہدین میں سب سے بڑا امام) کہا جاتا ہے۔ آپ دینِ حنیف کے ایسے بہترین شارِح ہیں کہ آپ کی کنیت ہی "ابو حنیفہ" ہے۔ تقریباً تیرہ صدیوں سے اُمّت کی اکثریت آپ کی تشریحات کو قبول کرتی ہے اور آپ کی تقلید کرتے ہوئے فقہِ حنفی پر عمل کرتی ہے۔

عصرِ حاضر کا ایک بڑا فتنہ یہ بھی ہے لوگ اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں، مختلف انجینئرز، ڈاکٹرز اور سکالرز اپنی اپنی تحقیقات منوانے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ ایک طبقہ تو سرے سے ائمہ کی تقلید کا ہی انکار کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمان امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید چھوڑ دیں اور ہماری تحقیق کو قبول کریں۔

اِنہی حالات کے پیشِ نظر ماہِ وصالِ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مناسبت سے آخری دو خطبات میں تقلیدِ امامِ اعظم کی ضرورت واہمیّت کو اجاگر کیا گیا اور اِس حوالے سے پیش کیے جانے والے شبہات اور مغالطوں کے ازالہ کی کوشش کی گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

- مسلمان ہر نماز میں کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے: الٰہی مجھے اُن لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تُو نے انعام فرمایا! صدیوں سے اُمّت کی اکثریت اور تمام انعام یافتہ بندوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ:
  - عقائد میں امام ابو منصور محمد ماتُریدی علیہ الرحمہ (م:۳۳۳ھ / 944ء) کی تشریحات پر عمل کرتے ہیں۔
  - اور فقہی مسائل میں امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م:۱۵۰ھ / 767ء) کی تقلید کرتے ہیں۔

  ہمیں بھی یہی راہ اپنانی چاہیے۔

⇐ قرآن وسنّت پر صحیح طرح سے عمل کے لیے تین میں سے ایک بات ضروری ہے:

1) صاحبِ قرآن ﷺ سے بلا واسطہ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع نصیب ہوا ہو یا نبوی درس گاہ کے تربیت یافتہ سے علمِ دین حاصل کرنے کی سعادت ملے۔ یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے صحابہ وتابعین کو عطا فرمایا۔
2) علمِ دین سے اتنا وافر حصہ عطا ہو کہ انسان قرآن وحدیث کا صحیح مفہوم سمجھ کر خود اُن سے شرعی مسائل اخذ کر سکے۔ یہ صلاحیت مجتہدین کو عطا ہوئی۔

3) انسان کسی مجتہد کی پیروی کرے۔ ہمارے لیے یہی طریقہ ممکن ہے۔

⟸ تقلید کرنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ایسا کرنے والا کوئی نیا دین ایجاد کر رہا ہے، بلکہ یہ قرآن و سنت پر عمل کی بہترین صورت ہے۔

⟸ فقہِ حنفی کو صحیح احادیث کے خلاف کہنا کم علمی کا نتیجہ ہے؛ کیونکہ:

i. امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاواسطہ متعدّد صحابہ اور ہزاروں تابعین علیہم الرضوان سے احادیثِ کریمہ سنیں، آپ کی فقہ سے متعلق جن احادیث کو بعض راویوں کی وجہ سے ضعیف / کمزور کہا جاتا ہے وہ راوی بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی آپ نے جب یہ احادیث صحابہ و تابعین سے سنیں، تب یہ راوی درمیان میں تھے ہی نہیں۔

ii. موجودہ کتابوں میں بھی ایسی مستند احادیث موجود ہیں جن سے آپ کی فقہ ثابت ہے۔

❖ عہدِ نبوی میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تقلید کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اُنھیں جس مسئلہ میں راہ نمائی درکار ہوتی وہ بلاواسطہ تاج دارِ ختمِ نبوّت ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔ بعد میں وہ اہلِ علم و فتویٰ / مجتہد صحابہ سے پوچھتے تھے اور دورِ صحابہ کے بعد جب لوگ قرآن و حدیث کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے لگے تو فیصلہ ہوا کہ اب فقط چار ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے گی۔ چنانچہ تب سے اب تک اُمّت اِن اماموں کی تقلید کر رہی ہے اور ہر دَور میں اکثریت امامِ اعظم ابو حنیفہ کی مقلِّد رہی ہے۔

گفتگو کے آخر میں ایک عالَمی مسئلہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ دو روز قبل امریکی انتہا پسند صدر ٹرمپ نے اسرائیل کے متعصّب یہودی وزیرِ اعظم کے ساتھ ملاقات کے بعد مشترکہ پریس کانفرنس کی، جس میں یہ منصوبہ پیش کیا کہ ہم غزّہ پر قبضہ کر لیں گے اور فلسطینیوں کو وہاں سے دوسرے ممالک کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔

ہم اِس تجویز کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہوئے اِس کی پُرزور مذمت کرتے ہیں۔ ٹرمپ کو اپنی اوقات میں رہنا چاہیے، یہ خطہ فلسطینی مسلمانوں کا آبائی علاقہ ہے، جس کا کچھ حصہ ظالمانہ طور پر چھین کر وہاں ناجائز ریاست اسرائیل قائم کی گئی۔ ٹرمپ کی حالیہ تجویز عالمی قوانین کی کھلی خلاف ورزی ہے، جسے اقوامِ متحدہ نے بھی مسترد کیا ہے۔

اب تو اُمّتِ مسلمہ کو احساس ہو جانا چاہیے کہ امریکی و اسرائیلی گٹھ جوڑ کا اصل ناپاک منصوبہ کیا ہے، اب قراردادوں سے آگے بڑھ کر عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

شرعی مسئلہ: سرکارِ دو عالم ﷺ ماہِ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ شعبان المعظّم کے روزوں کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ ہمیں بھی اِس رمضان کی تیاری کرتے ہوئے اِس ماہِ مکرّم کے روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ قضائے رمضان کے روزے ذمّے میں ہوں تو اُن کی نیت کی جائے، ورنہ (منت وغیرہ لازم نہ ہونے کی صورت میں) نفلی روزوں کی سعادت حاصل کی جائے۔

۱۵ شعبان المعظّم ۱۴۴۶ھ / 14 فروری 2025ء

مَحَبَّت

سے متعلق اسلامی تعلیمات

(عالَمی یومِ مَحبَّت / Valentine Day کے تناظر میں)

مشمولات

- ربّانی محبّت کی برکت اور نفسانی محبّت کی نحوست
- کیا عشقِ مجازی عشقِ حقیقی کا ذریعہ ہے؟
- اللہ تعالیٰ سے محبّت
- عشقِ حقیقی کی چاشنی
- اللہ تعالیٰ کے لیے محبّت
- غیر اللہ کی قسم کا عدمِ جواز و عدمِ اعتبار
  - عشقِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور محبّت للہ کی دیگر صورتیں
  - میاں بیوی کے درمیان محبّت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَجَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّرَحۡمَۃً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ۔ [الروم30:21]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن قابلِ تعریف اوصاف سے نوازا ہے اُن میں سے ایک "محبّت" بھی ہے۔ جذبۂ اُلفت خالقِ کائنات کی توحید پر دلیل بھی ہے اور اُس کا پسندیدہ وصف بھی۔ پیار کے ذریعے انسان بندوں کے دل میں بھی اپنی جگہ بنالیتا ہے اور اپنے مالکِ کریم کا بھی قُرب پاسکتا ہے۔ اِس نور سے متعلق بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرتے ہوئے شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال نے کہا

اِس دَور کی ظُلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو — وہ داغِ محبّت دے جو چاند کو شرما دے!
بے لَوث محبّت ہو، بے باک صداقت ہو! — سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے![1]

کسی بھی فائدہ مند چیز میں اُس کی حد سے تجاوُز کیا جائے تو وہ نقصان دہ بن جاتی ہے۔ مثلاً کھانا، پینا انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اِس کے بغیر زندگی باقی نہیں رہتی، لیکن اگر انسان کھانے پینے میں حُدود وقُیود کی پابندی نہ رکھے تو جان لیوا بیماریاں بھی لاحق ہوسکتی ہیں۔ یہی صورتِ حال اُلفت وچاہت کی بھی ہے... جذبۂ محبت کو پیدا فرمانے والے ربِّ کریم کے دین نے اِس کی حُدود وقیود متعیّن فرمادی ہیں۔ اگر انسان اسلامی تعلیمات پر عمل کرے اور شریعت کی حد میں رہے تو محبّت اُسے ثُریّا کی بلندیوں سے بھی اُوپر لے جاتی ہے، لیکن خدانخواستہ اِس راستے میں دینی تقاضوں کو بُھلادے تو یہی محبّت اُسے ثَرٰی کی پستیوں سے بھی نیچے گرادیتی ہے۔

ہمارے دَور میں محبّت کا چرچا تو بہت ہے، مگر صد افسوس کہ اِس حوالے سے اسلامی تعلیمات کو فراموش کردیا گیا ہے۔ اِسی روِش کا نتیجہ ہے کہ نوجوانوں کا کردار تباہ ہورہا ہے، اخلاق بگڑ رہے ہیں اور خواہش پرستی آخری حدوں کو چُھو رہی ہے۔

محبّت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ اِس سوال کا جواب دو جملوں میں سمیٹا جائے تو وہ یہ ہے کہ اگر محبت اللہ تعالیٰ سے ہو یا اللہ کریم کے لیے ہو تو یہ دُنیا میں بھی سعادت وبرکت کا ذریعہ ہے اور آخرت میں بھی رحمت ونَجات کا سبب ہے، لیکن اگر معاذ اللہ! پیار خواہشِ نفس کو پورا کرنے کے لیے ہو اور اُس میں ربّ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے تو دُنیا میں اُس کا انجام اخلاق وکردار کی تباہی اور ذلّت ورُسوائی ہے... جب کہ آخرت میں اُس کی سزا ربّ تعالیٰ کی ناراضی اور سخت خسارہ ہے۔

14 فروری کو عالَمی سطح پر "یومِ محبّت / Valentine Day" منایا جاتا ہے۔ ہر مسلمان سمجھتا ہے کہ اِس دن میں ہونے والے بے ہودہ کام اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ بہر حال اِس دن کی مناسبت سے خطبہ میں محبّت کے موضوع پر گفتگو کی جائے گی۔

---

[1] مِینا: شیشہ۔ یعنی اِلٰہی! ہماری محبت بے لوث (فقط تیری رِضا کے لیے) ہو! ہماری سچائی بے باک وبے خوف ہو! ہمارے سینوں کو روشن فرمادے! اور ہمارے دلوں کو شیشے کی طرح صاف شفاف کردے۔

اللہ تعالیٰ سے محبّت

محبّت کے حوالے سے گفتگو کریں تو پہلی بات یہ ہوگی کہ انسان کو سب سے زیادہ محبّت کس سے ہونی چاہیے؟ اِس بارے میں قرآن وسنّت کی راہ نمائی تو واضح ہے، اِس کے ساتھ ساتھ اگر ہم اپنے ضمیر سے ہی پوچھیں کہ سب سے زیادہ محبّت کس سے کرنی چاہیے؟ تو ہمارا ضمیر بھی یہی کہے گا کہ سب سے بڑھ کر محبّت اُس ربِّ کریم سے کرو! جس نے تمہیں پیدا فرمایا... اپنی پسندیدہ صورت عطا فرمائی... ایک کمزور وناتواں جسم کو طاقت وَر انسان بنایا... فہم وشعور سے نوازا اور ہر لمحہ مزید نواز رہا ہے... جس کے احسانات اِس قدر ہیں کہ اگر تم اُنھیں شمار کرنا چاہو تو گنتی ختم ہو جائے گی، مگر اُس کے انعامات کا حساب نہیں کر پاؤ گے!

ضمیر بھی یہی کہتا ہے اور قرآن وسنت میں بھی اِسی کی تربیت فرمائی گئی ہے۔ خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے مسلمانوں کی خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ ”اور ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبّت کرتے ہیں۔“[البقرۃ2:165]

محبّتِ الٰہی کا مفہوم: یاد رہے کہ بندوں کے ساتھ محبت کا مطلب ہم سمجھتے ہیں، یعنی دل کسی کی طرف مائل ہو، مگر خالق کے ساتھ محبّت کا مفہوم یہ نہیں، اُس کی شان بہت بلند ہے۔ بزرگوں نے لکھا: ربّ تعالیٰ سے محبت ایسی حالت ہے جسے محسوس تو کیا جاتا ہے، مگر الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اِس کی پہچان اِس کے تقاضوں سے ہوتی ہے۔ محبتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کے دل میں ربّ تعالیٰ کی تعظیم ہو، وہ اُس کے قُرب ورِضا کا طلب گار رہے، اُس کی بارگاہ میں حاضری کا شوق رکھے، خود کو ربِّ کریم کا محتاج سمجھے، اُس کے ذکر سے قرار پائے، یادِ خدا کے بغیر اُسے چین نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرے۔[1]

محبتِ الٰہی کی دُعا: اگرچہ قرآن وسنّت میں بھی تربیت فرمائی گئی اور ضمیر بھی یہی کہتا ہے، مگر بیشتر لوگ محبّتِ الٰہی کی چاشنی سے محروم رہتے ہیں؛ کیونکہ یہ نور ربّ تعالیٰ کی عطا ہے اور گناہوں کی نحوست اِس سے رکاوٹ بن جاتی ہے۔

اِس دَولت کی عظمت کا اندازہ یوں لگائیے کہ ایک مرتبہ خالقِ کائنات نے اپنے محبوبِ کریم ﷺ کو خاص الخاص رحمت سے نوازا، آپ ﷺ نے اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَّعَرَفْتُ۔ ”مجھ پر ہر چیز ظاہر ہوگئی اور مَیں نے پہچان لی۔“

اُس موقع پر ربِّ کریم نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا: کچھ مانگ لیجیے! تب سرکار ﷺ نے (تعلیمِ اُمّت کے لیے) یہ دُعا بھی کی: وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُ إِلٰى حُبِّكَ! ”اِلٰہی! مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اپنی محبّت عطا فرمادے! جو تجھ سے محبّت کریں اُن کا پیار عطا کر دے! اور اپنی محبّت کے قریب کرنے والے اعمال کی چاہت دے دے!“(ترمذی:3235)

---

[1] وَأَمَّا مَحَبَّةُ الْعَبْدِ لِلّٰهِ تَعَالٰى: فَحَالَةٌ يَجِدُهَا مِنْ قَلْبِهٖ تَلْطُفُ عَنِ الْعِبَارَةِ، وَقَدْ تَحْمِلُهُ تِلْكَ الْحَالَةُ عَلَى التَّعْظِيْمِ لَهٗ وَإِيْثَارِ رِضَاهُ وَقِلَّةِ الصَّبْرِ عَنْهُ وَالْاِحْتِيَاجِ إِلَيْهِ وَعَدَمِ الْقَرَارِ مِنْ دُوْنِهٖ وَوُجُوْدِ الْاِسْتِيْنَاسِ بِدَوَامِ ذِكْرِهٖ لَهٗ بِقَلْبِهٖ۔ (الرسالة القشيرية:485/2)

اللہ تعالیٰ کے لیے محبّت

نفع بخش محبّت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہو... یا اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے سب سے زیادہ پیار کس سے ہونا چاہیے؟ قرآن وحدیث میں بھی یہی سکھایا گیا ہے اور ضمیر بھی یہی کہتا ہے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ پیار اُس رسولِ کریم ﷺ سے کرنا چاہیے جن سے خالقِ کائنات بھی اپنی شان کے مطابق محبّت فرماتا ہے، جنھوں نے ہمیں سیدھا راستہ بتایا ہے، بلکہ مُشتِ خاک کو انسانی اقدار کی پہچان کروائی ہے، جن کے قدموں سے وابستگی دُنیا میں بھی کامیابی کی ضمانت ہے اور آخرت میں بھی اُنہی کی شفاعت کا سہارا ہے۔

عِشقِ مصطفٰی کی عظمت: سینکڑوں نصوص میں عشقِ مصطفٰی کا شوق دلایا گیا ہے، حتّٰی کہ سیدنا انَس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق امام الانبیا ﷺ کے اپنے ارشادِ گرامی کا مفہوم ہے: "اللہ کی قسم! جب تک انسان کے دل میں میری محبّت دیگر تمام سے بڑھ کر نہ ہو، تب تک اُس کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔" (صحیح بخاری، حدیث:14، 15)

اگر رحمتِ الٰہی سے عشقِ مصطفٰی ﷺ کی مٹھاس نصیب ہو جائے تو موت بھی پُر لُطف ہوتی ہے اور خدانخواستہ انسان اِسے حاصل نہ کر پائے تو زندگی بھی بے مزہ ہو جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ عاشقانِ جانِ جاناں ﷺ کی داستانوں سے بھری پڑی ہے، جن کی اُلفت سچی تھی تو اُن کی زندگیاں بھی قابلِ رشک بنیں اور اُن کی اموات بھی لائقِ فخر ہوئیں... اور اِس دَولت سے محروم لوگوں کی بے کیف زندگیاں تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی رہے ہیں۔

محبّت للہ کے دیگر ذرائع: اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے محبت کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً:

⟸ اللہ کریم کے پیاروں سے محبت کرنا... جیسے صحابۂ کرام، اہلِ بیتِ عظام، اولیائے ذوی الاحترام اور علمائے ذی شان کی چاہت۔

⟸ اُس بندے سے محبت کرنا جس کے ذریعے فرماں برداری کی توفیق ملی... جیسے نیکی کی راہ نمائی کرنے والے اُستاذ اور دوست کی اُلفت۔

⟸ اپنے والدین سے اِس لیے محبت کرنا کہ ربّ تعالیٰ نے اُن سے حُسنِ سلوک کا حکم فرمایا ہے۔

⟸ اولاد کے ساتھ اِس وجہ سے پیار کرنا کہ دین نے اُن پر شفقت اور اُن کی اچھی تربیت کا شوق دلایا ہے اور تربیت یافتہ اولاد مرنے کے بعد نیکیوں میں اضافہ کا ذریعہ بنتی ہے۔

⟸ رشتہ داروں سے فقط اِس لیے پریت نبھانا کہ رسولِ خدا ﷺ نے اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

⟸ غریبوں اور کمزوروں سے فقط اِس لیے لگاؤ رکھنا کہ اُن کی مدد سے ربّ تعالیٰ کی رِضا نصیب ہوتی ہے۔

⟸ علمِ دین سیکھنے والوں کی طرف اِس لیے میلان رکھنا کہ وہ دینِ خدا کے خدمت گزار بنیں گے۔

اِن سب صورتوں میں محبت کا بنیادی مقصد فقط رِضائے اِلٰہی ہو... رشتہ داری، دوستی، احسانات اور دیگر چیزیں سب بعد میں ہوں تو اِس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی محبّت بھی نصیب ہوتی ہے اور ایمان کی مٹھاس بھی مل جاتی ہے۔

جن خوبیوں سے ایمان کی مٹھاس ملتی ہے اُن سے متعلق حدیثِ مبارک کے الفاظ ہیں: وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ۔ ''انسان صرف اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے بندۂ خدا سے محبت کرے (تو اُسے حلاوتِ ایمان نصیب ہوتی ہے)۔'' (صحیح بخاری: 6941)

میاں بیوی کے درمیان محبّت: ازدواجی زندگی ایک فطری تقاضا ہے اور دینی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر لوگ اِسے دُنیاداری سمجھتے ہیں، حالانکہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنی اہلیہ کے ساتھ محبّت کرنا بھی رِضائے الٰہی کے لیے محبّت کی ایک صورت ہے، جس پر اجر و ثواب ملتا ہے۔

خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ یعنی ''اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا فرمائیں؛ تاکہ تم اُن سے سُکون / آرام پاؤ اور اللہ نے تمہارے (میاں بیوی کے) درمیان محبّت و رحمت رکھ دی، بے شک اِس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے (اللہ کی قدرت پر) نشانیاں ہیں۔'' [الروم 30:21]

آیتِ کریمہ سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1) خاندانی نظام، نکاح کا سلسلہ اور میاں بیوی والا رشتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی قدرت کی واضح نشانی ہے۔ زندگی کے اِس پہلو میں ذہنی آرام و راحت کا صرف یہی ایک ذریعہ اللہ کریم نے بنایا ہے۔ اِس سے اُن لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو ہماری نوجوان نسل کو مغربی کلچر کے قصیدے سناتے ہیں اور خاندانی نظام کو تباہ کر کے فحاشی پر مبنی دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ اِس کلچر سے نہ تو مغرب والے ذہنی سکون حاصل کر سکے ہیں، نہ ہی کبھی مسلم معاشرہ نفسیاتی چین پا سکتا ہے۔ (ماخوذ از صراط الجنان)

2) آیتِ کریمہ سے واضح ہوا کہ قُدرت کا بنایا ہوا نظام یہ ہے کہ مَرد کمائے اور عورت گھر میں رہ کر اُس کے آرام کا ذریعہ بنے، بلاوجہ اِس کا اُلٹ کرنا قدرتی نظام کی خلاف ورزی ہے۔ (ماخوذ از نور العرفان)

3) مَرد و عورت کے درمیان پہلے سے کوئی رشتہ داری یا تعارف نہ ہو تب بھی ربِّ کریم کی قدرت سے نکاح کے ذریعے اُن کے درمیان محبّت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے ہمدردی بھی کرنے لگتے ہیں۔ (ماخوذ از خزائن العرفان)

اِس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان محبّت اُن ذرائع سے نہیں ہوتی جو مغربی کلچر سکھاتا ہے، یہ محبّت ربّ العزّت کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بے ہودہ ذرائع اختیار کریں اُن کی محبّت چند ماہ کے دوران نفرت و لڑائی میں بدل جاتی ہے اور یہ ہمارے سامنے ہے... جب کہ شریعت کے تقاضے پورے کرنے والوں کا باہمی پیار مثالی اور لازوال ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ خواہش پرستی و نفسانی محبّت عارضی ہوتی ہے اور سخت نقصان کا باعث بنتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے پیار لازوال ہوتا ہے اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوتا ہے، خواہ محبوبانِ خدا سے ہو یا اپنے رشتہ داروں سے... اہلیہ سے ہو یا اپنی اولاد سے۔

عشقِ حقیقی کے ذرائع

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر بھلائی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی نصیب ہوتی ہے، وہ نوازے تو کوئی روکنے والا نہیں اور وہ محروم رکھے تو کوئی دینے والا نہیں۔

عشقِ حقیقی بھی ربّ تعالیٰ کا انعام ہے، وہ جسے چاہے اِس دَولت سے سرفراز فرماتا ہے۔ اِس کے لیے اپنے مالکِ کریم سے دُعائیں مانگنی چاہییں، تاہم واضح بات ہے کہ ربّ تعالیٰ اپنی بندگی اور اپنے حبیبِ کریم ﷺ کی غلامی پر خوش ہوتا ہے اور اِن پر دارَین کی سعادت سے نوازتا ہے۔ اگر ہم بھی یہ کام کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوی اُمّید ہے کہ وہ ہمیں بھی حقیقی محبّت کی چاشنی عطا فرمائے گا۔

اِزالۂ وہم: عشقِ حقیقی کے حوالے سے ایک غلط فہمی کا اِزالہ بہت ضروری ہے۔ جس طرح باقی گناہوں سے متعلق شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ انسان برائی کو اچھائی سمجھنے لگتا ہے اور قبیح چیز خوش نما محسوس ہوتی ہے... اِسی طرح عشقِ حقیقی سے متعلق بھی شیطان انسان کو ایسے فریب میں پھنساتا ہے کہ وہ سخت گناہ کو بھی ذریعۂ خیر گمان کرنے لگتا ہے۔

یہ شیطان کی ہی کارستانی ہے کہ بعض لوگ نفسانی محبّت کو عشقِ حقیقی و محبّتِ باری کا ذریعہ سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اِس کے لیے ایسے ایسے جملے بولتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! بلکہ احمق لوگ گناہ والی محبّت کو جواز فراہم کرنے کے لیے صوفیائے کرام کا نام استعمال کرتے ہیں اور صوفی ازم کی مَن مانی تشریحات کرتے پھرتے ہیں۔

اِس حوالے سے پہلے تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ "عشقِ مجازی" کسے کہتے ہیں! تاج دارِ گولڑہ عالمِ ربّانی پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمہ کے مرشدِ گرامی شمس العارفین خواجہ محمد شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کے مُرید و خلیفہ سید محمد سعید شاہ زنجانی علیہ الرحمہ نے پوچھا کہ اِس شعر کا مفہوم کیا ہے؟

مَتَابْ اَزْ عِشْقْ رُو گَرْچہ مَجَازِیْسْت　　کہ آں بَہْرِ حَقِیْقَتْ کَارْسَازِیسْت

(یعنی عشق اگر مجازی بھی ہو تو اُس سے منھ نہ موڑو!... یہ عشقِ حقیقی کا ذریعہ بن جائے گا)

آپ نے فرمایا: مُرَادْ اَزْ "عِشْقِ مَجَازِی" اَحْکَامِ شَرْعِیّہ و مُتَابَعَتِ پِیْرِ طَرِیْقَتْ استْ۔ یعنی صوفیا جب "عشقِ مجازی" کا لفظ بولتے ہیں تو اُن کی مراد شریعت کے احکام پر عمل اور (قُربِ الٰہی کے راستے پر چلانے والے) پیر و مرشد کی پیروی ہوتی ہے۔

مزید فرمایا: چُوں مُرِیْدِ صَادِقْ دَرِیں ہَر دو ثَابِتْ قَدَم بَاشَدْ یَقِیْن است کہ بَمَرْتَبَۂ عِشْقِ حَقِیْقِیْ خَوَاہَدْ رَسِیْد۔۔ اگر سچا مرید اِن دونوں پر ثابت قدم رہے (دل و جان سے شریعت پر عمل کرے اور خدا تعالیٰ تک رسائی کا راستہ بتانے والے شیخ کا حکم مانے) تو یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُسے عشقِ حقیقی نصیب ہو جاتا ہے۔ (مرآۃ العاشقین (فارسی)، مجلس:38، ص:201، مطبع مصطفائی)

غور کیجیے، صوفیا کے نزدیک عشقِ مجازی سے مراد کتنی پاکیزہ چیز ہے! وہ نماز، روزہ اور شریعت کی پابندی کو عشقِ مجازی کہتے ہیں اور عشقِ مجازی کا شوق دلا کر حقیقت میں اُن جھوٹے صوفیوں کا رَدّ کرتے ہیں جنھوں نے محبّتِ الٰہی کے دعوٰی میں شریعت کو چھوڑ دیا، اِس کے برعکس ہمارے دَور کے آوارہ فکر لوگوں نے نوجوانوں کے ذہنوں میں عشقِ مجازی کا کیسا غلط مفہوم بٹھا دیا ہے!

نسلِ نَو فلموں، ڈراموں اور بے ہودہ پروگراموں میں جن لوگوں سے محبّت کا مطلب اور اُس کے گُر سیکھ رہی ہے اُن بے چاروں کو حقیقی محبّت کی کیا خبر!... عزیزو! تاج دارِ گولڑہ کے مرشدِ گرامی شمس العارفین علیہما الرحمہ سے پوچھو عشقِ مجازی کیا ہوتا ہے؟ وہ سکھاتے ہیں کہ شریعت پر عمل کا نام "عشقِ مجازی" ہے اور پھر جب شریعت کی برکت سے طریقت و حقیقت کا راستہ کھل جائے اور ربِّ کریم کی وہ رحمت نصیب ہو جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں... تو اُسے "عشقِ حقیقی" کہیں گے۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ اگر اللہ تعالٰی کسی شخص کو نفسانی محبّت کی آزمائش میں ڈالے اور وہ بندہ تقوٰی کا دامن تھامے رکھے، اللہ تعالٰی سے اِس آزمائش میں عافیت مانگے، دل کی کیفیت کو چھپائے، گانے اور دیگر بے ہودہ کاموں سے بچے تو اِس تقوٰی کی برکت سے رحمت ہو گی اور اُسے عشقِ حقیقی نصیب ہو جائے گا۔

عشقِ حقیقی کی چاشنی

مَحبّت کا چرچا ہر دَور میں رہا ہے اور اللہ والوں نے ہمیشہ یہی سکھایا ہے کہ ایک بار اللہ تعالٰی کی محبّت کا مزہ چکھ لو، پھر زندگی بھر کے لیے خواہشات والی محبت کو بھول جاؤ گے! تاریخ بتاتی ہے کہ جن خوش نصیبوں نے بزرگوں کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اللہ سے لَو لگائی اُن کی اُخروی زندگی تو سنوری ہی سہی، ساتھ میں دنیاوی زندگی بھی قابلِ رشک بن گئی۔

اِس حوالے سے حضرت ابو عاصِم عُبَیْد بن عُمَیر لَیْثی علیہ الرحمہ کا واقعہ بہت ایمان افروز ہے۔ آپ عہدِ نبوی میں پیدا ہوئے اور پھر علم و شباب جوبَن پر آیا تو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دَور میں مسجدِ حرام شریف کے اندر بیٹھ کر بندگانِ خدا کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ قرآن و سنت کے دلائل سے بھرپور آپ کا وعظ اتنا پُر اثر ہوتا تھا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما جیسے جلیل القدر صحابی بھی آپ کی مجلسِ وعظ میں رونق افروز ہوا کرتے تھے۔[1]

مکہ مکرّمہ میں ایک نہایت حسین و جمیل عورت رہتی تھی، ایک دن وہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے شوہر سے کہنے لگی: تمہارے خیال میں کوئی ایسا بندہ ہے جو میرا چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو؟ شوہر نے کہا: ہاں! ایک ایسا بندہ ہے۔ کہنے لگی: وہ کون! شوہر نے کہا: حضرت عُبَید بن عُمَیر۔ کہنے لگی: اگر تم مجھے ایک سازش کی اجازت دو تو میں اُنھیں بھی پھنسالوں گی! شوہر نے کہا: جاؤ کوشش کر لو!

---

[1] وَكَانَ يُذَكِّرُ النَّاسَ، فَيَحْضُرُ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما مَجْلِسَهُ۔ (سير أعلام النبلاء، ج:4، ص:157، مؤسسة الرسالة)

وہ مسجدِ حرام میں آپ کے پاس آئی اور گویا ہوئی: مَیں آپ سے اپنے ایک ذاتی معاملے میں شرعی راہ نمائی لینا چاہتی ہوں... اور آپ کو مسجد کے ایک کونے میں لے گئی۔ وہاں اپنے حسین چہرے سے نقاب ہٹا کر کہنے لگی: إِنِّي قَدْ فُتِنْتُ بِكَ فَانْظُرْ فِي أَمْرِي! مَیں آپ کی محبّت میں گرفتار ہو چکی ہوں، آپ بھی میرے معاملے میں غور کریں!

حضرت ابو عاصِم عُبَید علیہ الرحمہ اُس کے جال میں پھنسنے والے کہاں تھے! تاہم آپ نے اُس کی کایا پلٹنے کے لیے فرمایا: مَیں تم سے چند سوالات پوچھتا ہوں، اگر تم نے سچ بولا تو میں غور کروں گا۔ کہنے لگی: مَیں ضرور سچ بولوں گی۔

آپ نے فرمایا: اگر ملک الموت جناب عزرائیل علیہ السلام تیری جان نکالنے کے لیے تشریف لے آئیں تب تیری یہ تمنا ہو گی؟ کہنے لگی: قسم بخدا، ہرگز نہیں! فرمایا: تُو نے سچ کہا ہے۔ پھر فرمایا: اچھا یہ بتا کہ جب تجھے قبر میں دفن کیا جائے گا اور مُنکَر نکیر سوال و جواب کے لیے آئیں گے تب یہ گناہ تجھے اچھا لگے گا؟ کہنے لگی: اللہ کی قسم، بالکل نہیں! فرمایا: یہ جواب بھی تو نے درست دیا ہے۔ پھر پوچھا: جب لوگوں کو اُن کے اعمال نامے دیے جا رہے ہوں گے اور تجھے یہ معلوم نہیں ہو گا کہ تیرا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں ہاتھ میں، اس وقت تجھے اِس نفسانی محبّت کی چاہت ہو گی؟ کہنے لگی: تب تو اس کا تصوّر بھی نہیں ہو گا۔ فرمایا: یہ بات بھی درست کی ہے۔

پھر آپ نے اُسے پُل صِراط، میزانِ اعمال اور حساب و کتاب کے مراحل یاد دلائے کہ اِن مقامات پر تجھے اِس پیار کی آرزو ہو گی؟ اس نے ہر ایک کا جواب نفی میں دیا۔ آپ نے فرمایا: اِتَّقِي اللهَ يَا أَمَةَ اللهِ! فَقَدْ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْكِ وَأَحْسَنَ إِلَيْكِ۔ یعنی اللہ کی بندی! (ربّ العزّت نے تجھے حُسن و جمال اور دیگر نعمتوں سے نواز کر) تجھ پر انعام و احسان فرمایا ہے، اِس کا یہ مطلب نہیں کہ تو اللہ کو ناراض کرے، ربّ کے فضل کا تقاضا یہ ہے کہ تو رب سے ڈرتی رہے اور اس کا حکم مانے۔ وہ گھر واپس لوٹی تو دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ شوہر نے پوچھا: (حضرت عبید کو پھنسانے کی) سازش کامیاب ہوئی؟ اس نے فقط ایک جملہ بولا: أَنْتَ بَطَّالٌ وَنَحْنُ بَطَّالُونَ۔ یعنی اِس نفسانی عشق و محبّت کے چکر میں ہم تو حماقت و بے وقوفی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

پھر وہ نماز، روزے اور عبادات میں یوں مشغول ہوئی کہ اُس کا شوہر کہتا: مَالِي وَلِعُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ أَفْسَدَ عَلَيَّ زَوْجَتِي، كُنْتُ كُلَّ لَيْلَةٍ عَرُوسًا فَصَيَّرَهَا رَاهِبَةً۔[1] یعنی پہلے میری بیوی حُسن کی پُجاری تھی اور یوں بَن سنور کر رہتی کہ ہماری ہر شب سہاگ رات ہوتی تھی، عبید بن عُمیر نے نہ جانے کیا نگاہ ڈالی ہے کہ اب وہ (عشقِ حقیقی کی چاشنی پا کر) جھوٹی محبّت کی ساری ادائیں بھول گئی ہے۔
(الثقات للعجلی، باب عبید، ج:2، ص:119، مکتبۃ الدار)

سیدنا عبید علیہ الرحمہ کا یہ ایمان افروز واقعہ نفسانی محبّت کی خاطر گناہ میں مبتلا ہونے والوں کو آج بھی راہِ ہدایت دکھاتا ہے۔

---

[1] مَالِي وَلِعُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ أَفْسَدَ عَلَيَّ امْرَأَتِي كَانَتْ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ عَرُوسًا فَصَيَّرَهَا رَاهِبَةً۔ (ذمّ الھوی لابن الجوزی، الباب:32، ص:266)

حرفِ آخر: دردِ دل کر مجھے عطا یاربّ!

اشرف المخلوقات "انسان" کے جسم میں سب سے قیمتی حصہ "دل" ہے۔ یہ سنور جائے تو پورا جسم سنور جاتا ہے اور یہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ مخلوق کی آنکھیں چہرہ ولباس وغیرہ کی طرف اُٹھتی ہیں، جب کہ خالقِ کریم کی نگاہِ رحمت دل کی طرف ہوتی ہے۔

دل کے عمدہ اوصاف میں سب سے اعلیٰ خوبی "محبّت" ہے۔ بزرگانِ دین یہی خوبی حاصل کرنے کے لیے مجاہَدات وریاضات کرتے ہیں اور اِسی کے لیے بارگاہِ الٰہی میں رو رو کر التجائیں پیش کرتے ہیں۔

برادرِ اعلیٰ حضرت شہنشاہِ سخن مولانا حسن رضا خان قادری علیہ الرحمہ نے سوز وگُداز میں ڈوب کر مُناجات کی:

دردِ دِل کر مجھے عطا یاربّ! — دے مِرے دَرد کی دَوا یارب!
زَخم گہرا سا تیغِ اُلفت کا — میرے دل کو بھی کر عطا یاربّ!
بھول کر بھی نہ آئے یاد اپنی — میرے دل سے مجھے بُھلا یاربّ!
میری آنکھیں مِرے لیے ترسیں — مجھ سے ایسا مجھے چُھپا یاربّ!
ٹیس کم ہو نہ دردِ اُلفت کی — دِل تڑپتا رہے مِرا یاربّ!
داغِ اُلفت کی تازگی نہ گھٹے — باغ دل کا رہے ہَرا یاربّ!
تُو حَسَنؔ کو اُٹھا حَسَن کر کے — ہو مع الخیر خاتمہ یاربّ!

یہ بات سوچ کر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ عصرِ حاضر کے نوجوان اپنے قیمتی دل کے اعلیٰ ترین وصف، یعنی محبّت سے مکمّل طور پر ناآشنا ہوتے جارہے ہیں۔ وہ اِس عالی شان خوبی کی معلومات ایسے گھٹیا لوگوں سے لیتے ہیں جنھیں محبّت کی خبر ہی نہیں۔

آج عالَمی سطح پر "یومِ محبت / Valentine Day" منایا جارہا ہے۔ چنانچہ "محبّت کے بارے میں اسلامی تعلیمات" کے عنوان سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ:

- محبّت اللہ تعالیٰ سے ہو یا اللہ کریم کے لیے ہو تو دُنیا میں بھی سعادت وبرکت کا ذریعہ بنتی ہے اور آخرت میں بھی رحمت ونَجات کا سبب ہوگی، لیکن اگر معاذ اللہ! نفسانی خواہشات کو محبّت کا نام دے کر ربّ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے تو اُس کا انجام اخلاق وکردار کی تباہی اور ذلّت ورُسوائی ہے... جب کہ مالکِ کریم کی ناراضی اور بندے کی اُخروی تباہی اِس کے علاوہ ہے۔
- انسان پر فرض ہے کہ اُس کے دل میں سب سے زیادہ محبّت اُس ربّ کی ہو جس نے اُسے پیدا فرمایا ہے۔ اِس محبت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اِس کی پہچان یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، اُس کے قُرب ورِضا کا طلب گار رہے، خود کو ربِّ کریم کا محتاج سمجھے، اُس کے ذکر سے چین آئے اور اُس کے حکم پر عمل کرے۔

❖ مخلوق میں جس ہستی کے ساتھ سب سے زیادہ، بلکہ ''اَخّے واہ'' پیار ہونا چاہیے وہ امام الانبیا ﷺ کی ذاتِ کریمہ ہے؛ آپ ربِّ کریم کے محبوب بھی ہیں اور ہم پر آپ کے احسانات اِس قدر ہیں کہ کبھی بھی اُن کا بدلہ نہیں چکایا جاسکتا۔

❖ مخلوق میں سے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے محبّت ہو... یعنی اُس سے فقط اِس لیے اُلفت ہو کہ باری تعالیٰ اُس کے ساتھ پیار سے راضی ہوتا ہے... اُس کی محبّت بڑی سعادتوں کا سبب بنتی ہے۔ جیسے: صحابہ کرام، اہلِ بیتِ عظام، اولیائے ذوی الاحترام اور علمائے ذی شان کی چاہت... اُس بندے سے محبت جس کے ذریعے فرماں برداری کی توفیق ملی... اپنے والدین سے محبت... اولاد کے ساتھ پیار... اپنی اہلیہ سے اُلفت... رشتہ داروں کی پریت... غریبوں اور کمزوروں سے لگاؤ... علمِ دین سیکھنے والوں کی طرف میلان۔ اگر یہ سب چاہتیں شرعی حُدود میں ہوں تو انسان کو بہت بلندی تک لے جاتی ہیں۔

❖ ''اللہ تعالیٰ کی محبّت'' اور ''اللہ تعالیٰ کے لیے محبّت''... دونوں کی چاشنی ایسی ہے کہ اگر ایک مرتبہ نصیب ہو جائے تو انسان زندگی بھر کے لیے گناہوں والی محبّت پر تھوک دے؛ لہٰذا ہمیں خواہش پرستی کے بجائے محبّتِ الٰہی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

❖ عشقِ مجازی سے مراد شریعت کے احکام پر عمل کرنا اور محبوبانِ خدا سے پیار کرنا ہے، یہ محبّت بلاشبہ عشقِ حقیقی کا ذریعہ بنتی ہے۔ نفسانی محبّت نہ تو عشقِ مجازی ہے، نہ ہی وہ عشقِ حقیقی کا ذریعہ ہے۔ سوچیے! کیا گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی ملے گی؟ کتنی عجیب منطق ہے جو ہماری نوجوان نسل کو سکھائی جارہی ہے! کبھی زہر کے ذریعے بھی شفا ملی ہے؟

❖ نگاہوں کی حفاظت سے ایمان کی مٹھاس ملتی ہے اور بدنگاہی ایمان کے لیے زہرِ قاتل ہے؛ لہٰذا کبھی بھی بدنگاہی جیسے منحوس عمل میں مبتلا ہو کر اپنے ایمان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

❖ حیا ایمان، بلکہ انسانیت کا زیور ہے اور بے حیائی سے بے شمار گناہوں کا راستہ کھلتا ہے؛ لہٰذا ہر اُس کام سے بچنا چاہیے جو بے حیائی تک لے جائے اور حیا کو پروان چڑھانے کی خوب کوشش کرنی چاہیے۔

❖ بے ہودہ یورپین کلچر ہمیں اسلامی تعلیمات سے دُور کرتا ہے؛ لہٰذا اِس سے خود بھی بچیے اور حتّی الامکان اپنے متعلقین کو بھی بچائیے! اور اسلامی تہذیب اپنائیے! جو ہمیں ماہِ مدینہ ﷺ کے قدموں تک پہنچاتی ہے۔

شرعی مسئلہ: بات بات پر قسم اُٹھانا درست نہیں، یوں ہی جھوٹی قسم اُٹھانا گناہ ہے، تاہم ضرورت کے تحت سچی قسم اُٹھائی جاسکتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ قسم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی صفات اور اُس کے ناموں کی ہوتی ہے، کسی بھی اور چیز کی قسم اُٹھانا ممنوع ہے اور غیر اللہ کی قسم کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، جیسا کہ کعبۃ اللہ یا ماں باپ وغیرہ کی قسم... یعنی ایسی قسم توڑنے پر کفارہ لازم نہیں ہوتا، جب کہ اللہ تعالیٰ کی صفت یا نام پر مستقبل کی قسم اُٹھائی جائے تو اُس کے توڑنے پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔

۲۲ شعبان المعظّم ۱۴۴۶ھ / 21 فروری 2025ء

مادَری زبان...
قدرت کا نشان و احسان

(عالَمی یومِ مادری زبان / International Mother Language Day کی مناسبت سے)

مشمولات

- قوّتِ بیان اور مادَری زبان کی چاشنی
- دوسری زبان سے مرعوب ہونے کے اثرات
- زبانوں کا تنوُّع... قُدرت کی عظیم نشانی
- ماہِ نزولِ قرآن کی مناسبت سے عربی تلفّظ سیکھنے کی ضرورت
- عربی... افضل زبان
- شعبان کے آخری ایّام میں روزے رکھنے کا استحباب
- مادَری زبان کی اہمیّت
- مادَری زبان کے حوالے سے ہماری صورتِ حال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَاَلۡوَانِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ۔ [الروم 22:30]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم و شعور کے ذریعے دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ انسان ہی ہے جو سوچتا اور سمجھتا ہے، اچھے بُرے کا فیصلہ کر سکتا ہے اور پھر اچھائی کو اختیار کر کے اپنی دُنیا و آخرت کو بہتر بنا سکتا ہے۔

یہ بھی حضرت انسان کا ہی اعزاز ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر / احساسات و خیالات کو مختلف ذرائع سے دوسروں تک پہنچا سکتا ہے... باری تعالیٰ نے اُسے لکھنے کی صلاحیت سے بھی نوازا ہے، اِشارات و عمل (Body language) کے ذریعے اظہار کا سلیقہ بھی سکھایا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو فصیح و بلیغ الفاظ کے ساتھ بولنے کی قوّت بھی عطا فرمائی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ o عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ o ایک تفسیر کے مطابق اِس کا ترجمہ ہے: "رحمٰن (جلّ جلالہٗ) نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے قوّتِ گویائی سے نوازا۔" [الرحمٰن 55:3،4] بولنے کی قوّت و صلاحیت کتنی بڑی نعمت ہے! اِس کا احساس کرنا ہو تو کچھ لمحات کے لیے غور کیجیے کہ اگر ہمیں بولنے کی طاقت نہ ملتی تو کیا صورتِ حال ہوتی!

یہ بھی ربِّ کریم کا احسان اور اُس کی قدرت کا اظہار ہے کہ انسان مختلف بولیاں (Languages) بولتے ہیں، بلکہ بہت مرتبہ ایک ہی شخص ضرورت، شوق یا کسی فائدے کے پیشِ نظر ایک سے زیادہ زبانوں میں بات کرتا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان چاہے کتنی ہی زبانیں روانی کے ساتھ کیوں نہ بول سکتا ہو، بہر حال اپنے خیالات و احساسات کو مادری زبان میں بیان کرتے ہوئے جو بے تکلّفی، لطف اور اپنائیت محسوس ہوتی ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہوتی۔

مادری زبان (Mother Language)... جو انسان اپنے گھر اور خاندان سے سیکھتا ہے... یہ کسی بھی قوم کی ثقافت، شناخت اور اُس کی تاریخ کا اہم حصہ ہوتی ہے۔ عصرِ حاضر کے بڑے مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ عالمی زبانوں سے مرعوب ہو کر مادری زبان سے لاپرواہی برت رہے ہیں۔

اقوامِ متّحدہ کی طرف سے 21 فروری کا دن عالمی یومِ مادری زبان (International Mother Language Day) کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اِس مناسبت سے آج دُنیا بھر میں مختلف تقریبات کا انعقاد ہو رہا ہے اور پاکستان کی متعدد یونی ورسٹیز، کالجز اور دیگر سیاسی و سماجی اداروں میں زبانوں سے متعلق آگاہی کے لیے سیمینارز کا اہتمام ہے۔

اِسی مناسبت سے آج کے خطبہ میں زبانوں (Languages) سے متعلق کچھ گفتگو کی جائے گی۔

زبانوں کا تنوُّع... قُدرت کی عظیم نشانی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف زبانیں / بولیاں عطا فرمائی ہیں، ایک تحقیق کے مطابق دُنیا بھر کے لوگ تقریباً 7,000 زبانوں میں بات کرتے ہیں، صرف برِّ اعظم ایشیا میں بولی جانے والی زبانوں کی تعداد 2,300 ہے۔ نہ جانے کتنی زبانیں ایسی ہیں جو پہلے بولی جاتی تھیں، مگر اب معدوم ہو چکی ہیں اور نہ جانے کتنی بولیاں بعد میں ایجاد ہوں گی۔ یہ سب ربِّ کریم کی قُدرت پر بہت بڑی دلیل ہے۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ۔ یعنی "آسمانوں و زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں / بولیوں اور رنگوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے، بے شک اِس میں علم والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔" [الروم 22:30]

اِس آیتِ مبارکہ میں غور و فکر کی دعوت ہے کہ اے انسانو! تم سبھی ایک ہی باپ جناب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، مگر:

- کوئی عربی بولتا ہے تو کوئی فارسی... کوئی اُردو میں گفتگو کرتا ہے تو کوئی پنجابی، سندھی اور پشتو یا بلوچی وغیرہ میں۔
- یوں ہی تمہاری آوازیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، حتّٰی کہ سگے، بلکہ جُڑواں بھائیوں کی آواز بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔
- نیز قوّتِ گویائی بھی یکساں نہیں ہوتی... کوئی گونگا ہوتا ہے، بہت سارے بول تو سکتے ہیں مگر سلجھے ہوئے چند فصیح جملے بولنا اُن کے بَس میں نہیں ہوتا، جب کہ کئی بلا تکلّف گھنٹوں تک فصیح زبان میں پُر مغز گفتگو کرتے ہیں۔
- رنگوں کو دیکھو تو کوئی گورا ہے، کوئی کالا اور کوئی گندمی۔
- اِسی طرح انسانوں کی تعداد اربوں میں ہونے کے باوجود کسی کا رنگ، چہرہ اور نَقش دوسرے سے پُورا پُورا نہیں ملتا، ہر ایک دوسرے سے جُدا ہی نظر آتا ہے... حتّٰی کہ کسی انسان کے ہاتھوں اور انگلیوں کی لکیریں دوسرے انسان کی لکیروں سے نہیں ملتیں۔

تمام انسان ایک ہی جنس کے... آپس میں منہ کی بناوٹ بھی دوسروں سے مختلف نہیں... اُن کے اندر موجود گوشت کا ٹکڑا (زبان) بھی یکساں... مگر اُن سے ادا ہونے والے الفاظ اور نکلنے والی آوازیں مختلف... رنگت اور جسمانی ساخت ہر ایک کی دوسرے سے جُدا... اِس تفاوت و تنوّع میں نہ تو والدین کا کوئی دخل ہے نہ ہی پیدا ہونے والے کا کوئی اختیار ہے... یہ نظام ہزاروں سال سے قائم ہے اور اِس میں کبھی تبدیلی نہیں آئی... یہ واضح نشانی ہے کہ نظامِ کائنات نہ تو خود سے چل رہا ہے اور نہ ہی اِسے چلانے والے کئی ہیں، یہ پورا نظام ایک ہی ذات کا بنایا ہوا ہے جو سب کچھ کر سکتی ہے۔

آیت کے آخری حصے میں فرمایا: "بے شک اِس میں علم والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔" نشانیاں سب کے سامنے تو ہیں، مگر دُنیادار اُن میں غور نہیں کرتے، اُن کے اپنے بکھیڑے بہت ہوتے ہیں، نشانیوں سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق علم والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

عربی... افضل زبان

ویسے تو سبھی بولیاں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور اُس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، مگر اِن تمام میں عربی زبان کی شان سب سے بڑھ کر ہے۔ عربی زبان سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے، الفاظ کی وُسعت اور معانی کی گہرائی جو عربی میں ہے کسی اور زبان میں نہیں۔ جب سب زبانیں ختم ہو جائیں گی تب بھی عربی باقی رہے گی۔ اِن کے علاوہ بھی عربی زبان کی بہت خوبیاں ہیں، مگر اِس زبان کے ساتھ ہماری محبّت ایمانی تقاضے سے ہے؛ کیونکہ:

- ربّ العزت نے اپنی افضل کتاب کو سب سے اعلیٰ شان والے رسولِ کریم ﷺ پر نازل کرنے کے لیے اِسی زبان کو پسند فرمایا۔
- عربی متعدِّد انبیائے کرام علیہم السلام کی زبان ہے اور ہمارے آقا کریم ﷺ بھی عمومی طور پر اِسی زبان میں تکلّم فرماتے تھے۔
- ہم تک دینِ اسلام پہنچانے والے اور پوری دُنیا میں اسلام کا جھنڈا لہرانے والے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی زبان بھی عربی ہے۔
- قبر کے سوالات وجوابات بھی عربی میں ہوں گے۔ (مرقاۃ المفاتیح، زیرِ حدیث:6006)
- یہ وہ واحد زبان ہے جو مرنے کے بعد ہر شخص کو خود بخود آجائے گی۔ (جاء الحق، ملخصًا)
- دین کے اُصول و فروع عربی زبان میں (لکھی گئی کتابوں کے اندر محفوظ) ہیں۔ (بہارِ شریعت، حصہ:3، ص:653)
- تمام اہلِ جنّت اپنے اُس دائمی گھر میں عربی کے اندر ہی گفتگو کیا کریں گے۔ شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے خوب کہا:

پیارے آقا شہِ بطحا کی ہے بولی عربی
دل کو لگتی ہے تبھی پیاری یہ میٹھی عربی

اپنے محبوبِ مکرّم کے مُبارک دل پر
رب نے قرآں کی عبارت بھی اُتاری عربی

قبر میں جوں ہی فرشتوں نے سوالات کیے
حکمِ خالق سے زباں سب ہی کو آئی عربی

باغِ جنت میں بہشتی کریں گے جب باتیں
فضلِ باری سے وہ بولیں گے وہاں بھی عربی

کہنا سیکھو عربی کے کلماتِ مسنون
ہے سعادت کا سبب بولنا ایسی عربی

مادری زبان کی اہمیّت

انسان جو بولی اپنے گھر اور خاندان سے سیکھتا ہے اُسے مادری زبان (Mother Language) کہا جاتا ہے، یہ کسی بھی قوم کی شناخت اور اُس کی تہذیب و تمدّن کی عکّاس ہوتی ہے۔

دُنیا بھر کے اہلِ فکر و دانش مادری زبان کی اہمیّت کو اُجاگر کرتے ہیں۔ اقوامِ متّحدہ کی طرف سے بھی اِسی لیے ہر سال 21 فروری کو عالمی یومِ مادری زبان منایا جاتا ہے۔ اِس سے اہم یہ کہ اگر ہم مذہبی تعلیمات کو پیشِ نظر رکھیں تو اُن کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عربی کے بعد مادری زبان کے ساتھ ہی سب سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ مادری زبان بولنے میں نہ تو کسی قسم کا احساسِ کمتری ہونا چاہیے اور نہ ہی اِسے ترقّی کے راستے میں رکاوٹ سمجھنا چاہیے۔

مادری زبان کی اہمیّت کا اندازہ اِس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ باری تعالیٰ نے انسانوں کی راہ نمائی کے لیے متعدد انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰاتُ والتَّسۡلِیۡمات کو مبعوث فرمایا، چنانچہ جو نبی جس قوم میں جلوہ افروز ہوئے وہ اُسی قوم کی مادری زبان میں خالقِ کائنات کے احکام پہنچایا کرتے تھے۔

فرقانِ حمید میں اِس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمۡ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۔ ”اور ہم نے ہر رسول کو اُس کی قوم کی زبان میں ہی بھیجا؛ تاکہ وہ انھیں واضح کر کے بتائے، پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہی بہت عزّت والا، بڑی حکمت والا ہے۔“ [ابراھیم 4:14]

آیتِ کریمہ میں کئی حوالوں سے راہ نمائی ملتی ہے:

- ہر قوم کے رسولِ مکرّم علیہ السلام کو اُن کی مادری زبان میں بھیجنا تربیت کرتا ہے کہ کوئی بھی قوم اپنی مادری زبان کو حقیر مت سمجھے، یہ بولیاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔
- فطری اُصول یہ ہے کہ تعلیم مادری زبان میں دی جائے؛ اِس سے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور صلاحیتیں خوب پروان چڑھتی ہیں۔
- یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خالقِ کائنات نے ہمارے آقا خاتم النبیین ﷺ کو دُنیا بھر کی تمام زبانیں سکھائی ہیں؛ کیونکہ آیتِ کریمہ کے مطابق ہر نبی کو اُس قوم کی زبان معلوم ہوتی ہے جس کی طرف اُسے بھیجا گیا۔ سرکارِ دوعالَم ﷺ کو ہر قوم کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے؛ لہٰذا حضور سب کی زبانیں جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیثِ کریمہ کے مطابق نبیِ کریم ﷺ نے کئی مرتبہ غیر عربی بولنے والوں کے ساتھ اُن کی زبان (Language) میں کلام فرمایا اور یہ بھی ثابت ہے کہ سرکارِ دوعالَم ﷺ جانوروں کی بولی میں اُن کی عرضیاں بھی سمجھ لیا کرتے تھے۔ (ماخوذ از نور العرفان)

مادری زبان کے حوالے سے ہماری صورتِ حال

مادری زبان کے حوالے سے برِّ صغیر کے باسیوں کی صورتِ حال بہت عجیب ہے۔ ہم پاکستان کو ہی دیکھیں تو یہاں علم و فن سے زیادہ زبان سیکھنے اور سکھانے پر محنت کی جاتی ہے... اور اہلِ علم حضرات جانتے ہیں کہ یہ کیفیت ایک گھناؤنی سازش کا نتیجہ ہے۔

برطانیہ نے تجارت کے بہانے برِّ صغیر میں گُھس کر جب یہاں پر قبضہ جمایا تو:

- ایک طرف یہاں کی مقامی صنعت کو تباہ کیا؛ تاکہ مارکیٹ میں برطانیہ کی بنی ہوئی چیزوں کے لیے جگہ بنائی جاسکے۔
- دوسری طرف یہاں کے نظامِ تعلیم کو تبدیل کیا؛ تاکہ لوگوں کی سوچ بدل کر اُنھیں محکوم رکھا جاسکے۔ چنانچہ صدیوں سے تعلیم یافتہ اور ہنر مند افراد تیار کرنے والے دینی مدارس کی جگہ جدید تعلیمی ادارے قائم کیے گئے، جس پر شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال سمیت کئی مفکرین نے کتابیں اور نظمیں لکھیں، مگر افسوس کہ ہماری روِش آج بھی اُسی طرح ہے۔
- تیسری بڑی سازش یہ تھی کہ انگریز نے برِّ صغیر میں بسنے والی اقوام کو اُن کی مادری زبانوں سے دُور کرنے کی پالیسی بنائی۔ چنانچہ فارسی اور عربی کی جگہ انگریزی کو تعلیم کا ذریعہ بنایا گیا۔ یہاں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں: پنجابی اور بنگالی کے بجائے انگریزی اور اُردو کو دفتری و سرکاری زبان قرار دیا گیا۔

خطے کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 75 سال گزر جانے کے باوجود تہذیب و ثقافت اور زبان کے حوالے سے اربابِ اختیار اور حکمرانوں کی سوچ آج بھی انگریز والی ہے۔ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز لوگ انگریزی سے اِس قدر مرعوب و متأثر ہیں کہ وہ مادری زبان کو معمولی، بلکہ غیر ضروری سمجھتے ہیں اور کئی کم ظرف تو انگریزی نہ بول سکنے والوں کو جاہل قرار دیتے ہیں... بڑی تعداد میں ایسے لوگ ہیں جو اُردو لکھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور اُردو کو بھی رومن الفاظ میں لکھتے ہیں۔ انگلش میڈیم سکولوں میں تعلیم دلوانے کو ترجیح دی جاتی ہے، حالانکہ اہلِ فکر و دانش تسلیم کرتے ہیں کہ مادری زبان میں تعلیم آسان اور زیادہ مؤثّر ہوتی ہے، یہاں تک کہ یورپین ممالک میں تارکینِ وطن کے بچوں کو اُن کی مادری زبانوں میں تعلیم دی جاتی ہے، باوجودیکہ وہ جانتے ہیں کہ اِنھوں نے کبھی اپنے ملکوں میں واپس نہیں جانا... ماضی میں سپریم کورٹ نے اُردو زبان کو نافذ کرنے کے لیے واضح آرڈر جاری کیا، مگر دفتری زبان آج بھی انگریزی ہے۔

ایک لطیفہ مشہور ہے: پاکستانی گھر میں اپنی مادری زبان (پنجابی، سندھی، بلوچی اور پشتو وغیرہ) بولتے ہیں، قومی رابطے کے لیے اُردو کا استعمال ہوتا ہے، تعلیمی اداروں اور دفاتر میں انگریزی چلتی ہے، جب کہ موت کے بعد تمام مراحل میں عربی درکار ہوگی۔

قرآن و سنت کو سمجھنے کے لیے عربی سیکھنا سعادت ہے، نہ سیکھی تو موت کے بعد خود ہی آجائے گی، مگر ہماری نئی نسل کی جس قدر صلاحیتیں انگریزی سیکھنے پر صَرف ہو رہی ہیں، اگر اِنھیں علم و فن سیکھنے اور سکھانے میں استعمال کیا جائے تو ملک و قوم کی بڑی خدمت ہوگی۔

دوسری زبان سے مرعوب ہونے کے اثرات

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ ضرورت ہو تو جائز طریقے سے دُنیا کی کوئی بھی زبان سیکھنا درست ہے اور اچھی نیت ہو تو کارِ ثواب بھی ہے۔ ہر دَور میں مسلمان اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے دوسری زبانیں سیکھتے رہے ہیں، اِسی طرح حاجت کے تحت قومی ترقّی کے لیے دوسری زبان سیکھنے میں حرج نہیں... مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ "ضرورت وحاجت" اور چیز ہے، جب کہ "شوق وچاہت" کچھ اور ہے۔ ضروری ہو تو بیمار شخص کڑوی دوا بھی لیتا ہے، بلکہ ایسی جراثیم کُش / Antibiotic دوا بھی لینا پڑتی ہے جس سے معدہ وقتی طور پر خراب ہو جاتا ہے... لیکن اگر کوئی شخص اِن دواؤں کو غذا کی طرح استعمال کرنے لگے تو یہ اُس کے لیے سخت نقصان دہ ہوں گی۔

یہی صورتِ حال زبانوں کی بھی ہے، انگریزی زبان ہو یا کوئی اور... ضرورت کے تحت اُسے سیکھنے میں حرج نہیں، لیکن اگر بات یہاں تک پہنچ جائے کہ "صاحب جی" قرآنِ مجید تو صحیح طور پر پڑھ نہیں سکتے اور اِس کے لیے کوشش بھی نہیں کرتے، مگر انگریزی بولنے کو اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں... دین سیکھنے کے لیے وقت نہیں، مگر انگریزی ایسے ہے جیسے یہی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہو... تو ظاہر ہے کہ اِس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے۔ یوں انگریزی کے پیچھے پڑنے والے مسلمانوں کی دینی اقدار سے بیزاری ہمارے سامنے ہے۔

اصل میں غیر محسوس طور پر انگریزی کو ٹھونسنے کی وجہ یہ ہے کہ طاقت وَر ریاستیں عالَم گیریّت (Globalization) کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ دُنیا بھر کے انسانوں کا طرزِ زندگی اور تہذیب وتمدّن ایک ہی ہو، چونکہ زبان بھی کسی قوم کی ثقافت کا حصہ ہوتی ہے؛ اِسی لیے زبان کو تبدیل کر کے تہذیب وثقافت کو بدلنے کا راستہ ہموار کیا جارہا ہے۔

زبان کی تبدیلی کا اثر کتنا گہرا ہوتا ہے؟ اِس کا اندازہ ترکیہ کی تاریخ سے کیجیے! ترکی زبان صدیوں سے عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد 1928ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک نے ترکیہ کی اسلامی شناخت کو ختم کر کے اُسے لبرل جمہوریہ بنانے کے لیے یہ حکم جاری کیا کہ ترکی زبان کو عربی کے بجائے لاطینی یا رومن رسم الخط میں لکھا جائے... زبان تبدیل نہیں ہوئی، فقط رسم الخط بدلا گیا... نتیجہ یہ نکلا کہ لائبریریوں میں موجود صدیوں کا علمی ذخیرہ ناکارہ ہو گیا اور اُن کتابوں کو پڑھنے کی قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے تُرکیہ کی نئی نسل کا اپنے ماضی سے تعلق منقطع ہو گیا۔ یوں ہی 1889ء سے کشمیر کی سرکاری زبان اُردو تھی، 131 سال بعد 13 ستمبر 2020ء کو مُودی سرکار نے مقبوضہ کشمیر میں اردو کی سرکاری حیثیت کو ختم کر کے ہندی کے ساتھ کچھ مقامی زبانوں کو سرکاری درجہ دیا، اِس کے ساتھ ساتھ کشمیری زبانوں کا رسم الخط اردو نستعلیق سے تبدیل کر کے دیوناگری اختیار کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔

اِس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زبان کی تبدیلی کا تہذیب وثقافت پر کتنا گہرا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمیں یہ شعور بیدار کرنا چاہیے کہ انگریزی سمیت کوئی بھی زبان ضرورت ہو سکتی ہے، مگر شوق نہیں۔ محبّت عربی کے بعد اپنی مادری زبان سے ہی ہونی چاہیے۔

ماہِ نزولِ قرآن کی مناسبت سے عربی تلفّظ سیکھنے کی ضرورت

اِس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ مادری زبان سے محبّت فطری تقاضا اور قومی شعور کی بیداری ہے، مگر عربی سے محبّت ایمانی تقاضا اور قرآن وحدیث کے ساتھ تعلّق کی پختگی ہے۔ اِس تناظر میں توجہ طلب بات ہے کہ آج شعبان المعظّم کی 22 تاریخ ہے اور چند ہی دنوں میں رمضان المبارک جلوہ افروز ہونے والا ہے۔ یہ وہ ماہِ پُر نور ہے جسے ربّ تعالیٰ نے اپنا کلامِ مجید نازل کرنے کے لیے پسند فرمایا۔ چنانچہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ اِس مہینے میں قرآنِ حکیم کے ساتھ اپنا رشتہ مزید مضبوط کریں۔

قرآنِ حکیم سے وابستگی میں یہ پہلو بھی بہت اہم ہے کہ ہم اُسے صحیح تلفّظ کے ساتھ پڑھنا سیکھیں۔ بلا مبالغہ ہمارے ہاں 90٪ یا اِس سے زیادہ لوگ قرآنِ مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ پھر اِس سے بھی بڑھ کر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمیں شعور ہی نہیں کہ قرآنِ مجید کا درست تلفُّظ سیکھنا اور اُسے صحیح پڑھنا فرضِ عین ہے۔[1] اگر کوئی شخص قرآنی الفاظِ کریمہ کی صحیح ادائیگی نہیں سیکھتا تو وہ اُسی طرح سخت گناہ گار ہے جس طرح نماز نہ پڑھنے والا گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

پروَردۂ آغوشِ نبوّت سیدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: رُبَّ تَالٍ لِّلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ۔ یعنی کئی قرآنِ کریم کو پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں جن پر قرآن لعنت فرماتا ہے۔

(إحیاء علوم الدین للغزالی، کتاب آداب تلاوۃ القرآن، ج:1، ص:274۔ التذکرۃ فی الوعظ، مجلس:7، ص:81)

بزرگوں نے لکھا کہ یہ وعید اُس کے لیے بھی ہے جو قرآنِ حکیم کو غلط پڑھے، اُس کے لیے بھی ہے جو اُس کی غلط تشریح کرے اور اُس کے لیے بھی جو قرآنِ حکیم پر عمل نہ کرے۔[2]

سیدنا انَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِس ارشاد سے اُن بدبختوں کو بھی سبق لینا چاہیے جو ایک عالَمی سازش کے تحت قرآنِ حکیم پڑھانے والے افراد اور اداروں کے بارے میں بدگمانیاں پھیلا کر لوگوں کو اُن سے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن غلط پڑھنے والے پر لعنت ہے تو سازش کے تحت قرآن سے دُور کرنے والا کتنا بڑا لعنتی ہو گا۔

یہ بات درست ہے کہ اگر کسی فرد یا ادارے میں خرابی ہے تو اُسے ضرور دُور کرنا چاہیے، مگر جس طرح کسی کالج یا یونی ورسٹی کے متعلقہ افراد غلط کام کریں تو ملک بھر کی یونی ورسٹیوں کے خلاف پروپیگنڈا نہیں کیا جاتا، اِسی طرح کسی دینی ادارے میں کام کرنے والا ایک شخص نامناسب حرکت کرے تو تمام دینی اداروں کو بدنام کرنا قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

---

[1] فتاوٰی رضویہ، ج:6، ص:343، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ملخصًا

[2] وَهُوَ مُتَنَاوِلٌ لِمَنْ يُخِلُّ بِمَبَانِيهِ أَوْ مَعَانِيهِ أَوْ بِالْعَمَلِ بِمَا فِيهِ۔ (تفسیر روح البیان، تحت المزمل 4:73)

حرفِ آخر: قوّتِ بیان اور مادری زبان کا مان

قوّتِ بیان ربّ تعالیٰ کا احسان ہے، خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی عطا سے انسان اپنے خیالات واحساسات کو فصیح وبلیغ الفاظ میں تعبیر کرکے دوسروں تک پہنچا سکتا ہے، تاہم یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ زبان کو شریعت کی لگام دینا بہت ضروری ہے۔ یہ زبان دِکھنے میں گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے، مگر اِس کی قدر ومنزلت بہت زیادہ ہے... اگر انسان گفتگو میں دینی تقاضوں کا لحاظ رکھے اور فقط وہ بات کرے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم ﷺ کو پسند ہے تو زبان اُسے اُن بلندیوں تک پہنچاتی ہے جن کا اُسے تصوّر بھی نہیں ہوتا، لیکن اگر زبان کو بے لگام چھوڑ دیا جائے اور "جو منہ میں آیا بک دیا" والی بات ہو تو ارشادِ نبوی کے مطابق بعض اوقات انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضی والے ایک لفظ کی وجہ سے جہنم میں جا گرتا ہے۔[1]

یہ ہمارے دَور کا بہت بڑا المیہ ہے کہ زیادہ تر لوگ بولنے کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور ہر بات میں ٹانگ اَڑانے کو ضروری خیال کرتے ہیں، حالانکہ بہت مرتبہ خاموش رہنا بولنے سے ہزار درجے بہتر ہوتا ہے۔

بہر حال قوّتِ گویائی مالکِ کریم کا احسان ہے اور انسانوں کا مختلف زبانوں (Languages) میں بات کرنا قدرت کا نشان ہے۔ انسانوں کی جنس بھی متّحد، منہ کی بناوٹ بھی یکساں، منہ میں موجود گوشت کا ٹکڑا (زبان) بھی ایک ہی طرح کا، مگر اُن سے ادا ہونے والے الفاظ اور نکلنے والی آوازیں مختلف... رنگت اور جسمانی ساخت ہر ایک کی دوسرے سے جُدا... اِس میں نہ تو والدین کا کوئی دخل ہے نہ ہی پیدا ہونے والے کی کوئی مرضی... چنانچہ یہ واضح نشانی ہے کہ نظامِ کائنات نہ تو خود سے چل رہا ہے اور نہ ہی اِسے چلانے والے کئی ہیں، یہ پورا نظام ایک ہی ذات کا بنایا ہوا ہے جو سب کچھ کر سکتی ہے۔

21 فروری: عالَمی یومِ مادری زبان (International Mother Language Day) کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں بولیوں سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا۔ چند اہم نکات یہ ہیں:

- دنیا بھر میں بولی جانے والی تقریباً 7,000 زبانوں میں "عربی" کو سب سے نرالی شان حاصل ہے اور اِس سے محبّت ایمانی تقاضا ہے، ہر مسلمان پر اتنی عربی سیکھنا لازم ہے کہ وہ درست تلفُّظ کے ساتھ قرآنِ حکیم کی تلاوت کر سکے، اِس کے ساتھ اگر وہ قرآن وحدیث اور دینِ متین کو سمجھنے کے لیے عربی علوم بھی سیکھے تو بہت سعادت کی بات ہے۔

ماہِ نزولِ قرآن رمضان المبارک کی مناسبت سے ہمیں قرآنِ حکیم کے ساتھ اپنا تعلّق پختہ کرنا چاہیے، کسی قاری صاحب کو تلاوت سُنا کر اپنا تلفظ درست کریں، تلاوت کرکے خوب نیکیاں کمائیں اور عمل کرکے اپنی دُنیا وآخرت کو سنواریں۔

---

[1] فی روایۃ سیدنا أبی ھریرۃ مرفوعا: وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ۔ (البخاری: 6478)

❖ مادری زبان (Mother Language)... جو انسان اپنے گھر اور خاندان سے سیکھتا ہے... یہ کسی بھی قوم کی ثقافت، شناخت اور اُس کی تاریخ کا اہم حصہ ہوتی ہے۔ اِس سے محبّت فطری تقاضا ہے۔ ہمیں مادری زبان بولتے ہوئے ہر گز احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنی مادری اور قومی زبان کے فروغ کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

❖ ضرورت کے تحت شرعی حدود میں رہتے ہوئے دُنیا کی کوئی بھی زبان سیکھی جاسکتی ہے، البتہ عربی کے علاوہ کسی بھی زبان سے مرعوب ہونے یا اُسے اپنا شوق بنانے کی ہر گز حاجت نہیں۔

❖ یہ غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ بعض لوگ انگریزی زبان کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں، دین سیکھنے کے لیے ایک گھنٹہ نہیں نکال پاتے، جب کہ انگریزی کے لیے ہمہ وقت دستیاب ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنی صلاحیتیں کسی ایک زبان کے لیے وقف کرنے کے بجائے علوم وفنون کو حاصل کرنے کے لیے صَرف کرنی چاہییں۔

❖ یہ بھی خام خیالی ہے کہ اگر انگریزی نہ سیکھی تو ترقّی نہیں کر سکیں گے؛ کیونکہ چائنہ، جاپان اور کوریا وغیرہ ترقّی یافتہ ممالک ہیں اور اُنھوں نے انگریزی کا بُھوت سر پر سوار کیے بغیر مادری زبانوں میں ترقّی کی ہے۔

❖ ہمیں نہ تو انگریز سے محبّت ہے، نہ انگریزی سے پیار ہے اور نہ ہی انگریزی تہذیب ہمیں قبول ہے... ہمیں ماہِ عرب ﷺ سے عشق ہے، آپ کی پیاری بولی سے پیار ہے اور آپ کی عطا کردہ تہذیب ہمارا فخر ہے۔ جدید عصری اداروں میں پڑھنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان اپنی اقدار کو بھول جائے۔ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال نے بھی مختلف ممالک سے تعلیم حاصل کی، مگر اُنھوں نے کہا:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف[1]

شرعی مسئلہ: جس طرح شعبان المعظّم کے آغاز میں روزے رکھنا مستحب ہے، اِسی طرح آخری دنوں میں بھی روزے رکھنا اچھا ہے۔ نبیِ کریم ﷺ شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔

بعض روایات میں شعبان کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا،[2] اُن سے مراد ہے کہ جو شخص کمزور ہو اور شعبان میں روزے رکھنے کی وجہ سے اُس کے رمضان کے روزے متأثر ہوں... وہ شعبان کے آخری دنوں میں روزے نہ رکھے۔[3]

---

[1] خِیرَہ: حیرت زدہ / متأثر۔ دانشِ فَرَنگ: یورپ سے حاصل شدہ علم۔ نَجَف: عراق کا وہ شہر جہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مزارِ پُر انوار ہے۔ یعنی مَیں یورپ کے علم وحکمت سے مرعوب نہیں ہوا؛ کیونکہ میری آنکھوں میں مدینہ منورہ اور نجفِ اشرف کی خاک کا سرمہ لگا ہے۔

[2] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: إِذَا بَقِيَ نِصْفٌ مِّنْ شَعْبَانَ فَلَا تَصُوْمُوْا۔ (الترمذی:738)

[3] اَلْمَقْصُوْدُ اسْتِجْمَامُ مَنْ لَا يَقْوٰى عَلٰى تَتَابُعِ الصِّيَامِ، فَاسْتُحِبَّ الْإِفْطَارُ كَمَا اسْتُحِبَّ إِفْطَارُهٗ عَرَفَةَ لِيَتَقَوّٰى عَلَى الدُّعَاءِ، فَأَمَّا مَنْ قَدَرَ فَلَا نَهْيَ لَهٗ، وَلِذٰلِكَ جَمَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ الشَّهْرَيْنِ فِي الصَّوْمِ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث:1974

۲۹ شعبان المعظّم ۱۴۴۶ھ / 28 فروری 2025ء

رَحمتیں بانٹنے عالَم میں ہے آیا

رَمَضان

(رمضان میں نیکیوں کی کثرت اور زکوٰۃ کی ادائیگی)

مشمولات

- انعامِ ربّانی کی قدردانی سے رمضان کی قدرشناسی
- رمضان المبارک میں کرنے کے کام
- رَمَضان المبارَک میں نیکیوں کی کثرت
- زکوٰۃ سے متعلق پانچ بنیادی اُمورِ شرعیّہ
- زکوٰۃ کی ادائیگی سے نیکیوں میں کثرت کی توفیق
- مسائلِ زکوٰۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَمَآ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتُہَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ [القصص 60:28]

انسان کو جس چیز میں فائدہ محسوس ہو وہ اُس کے لیے کوشش کرتا ہے، صلاحیتیں بروئے کار لاتا ہے، وقت دیتا ہے اور مال وغیرہ بھی خرچ کرتا ہے... لیکن جس کام میں نفع نظر نہ آئے تو اُس کے لیے محنت کرنے سے اُکتاتا ہے، صلاحیتیں استعمال کرنے سے گریز کرتا ہے، وقت دینا بوجھ سمجھتا ہے اور مال صَرف کرنے سے بھی کتراتا ہے... تاہم یہ انسان کی فطری خامی ہے کہ وہ وقتی مَفاد اور عارضی لذّت کو ترجیح دیتا ہے، حالانکہ قرآن وسنّت کی تربیت اور عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ اُس چیز کو فوقیت دینی چاہیے جس کا فائدہ طویل اور نفع کثیر ہو۔

ہمارے سامنے دو کام ہوں: ایک سے مال ملے اور دوسرے سے اجر وثواب، تو ہم کسے اختیار کرتے ہیں؟ یہ ہم اپنے رویّے اور معمولات پر غور کرنے سے بخوبی معلوم کرسکتے ہیں۔ فقط نماز کے حوالے سے اپنا محاسبہ کرلیجیے کہ ہمیں مال کی فکر زیادہ ہوتی ہے یا نماز کی!

بہر حال ہمیں یہ سوچ بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ ساری دُنیا اور اُس کی لذّتیں ایک طرف ہوں، دوسری جانب ربِّ کریم کی رضا اور اُس کا اِنعام ہو تو دُنیا ومافیہا کی اُس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

یہی بات سمجھانے کے لیے خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا: وَمَآ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتُہَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ ”جو کچھ بھی تمھیں دیا گیا ہے وہ دُنیاوی زندگی کا سامان اور اُس کی زینت ہے اور جو (اجر وثواب) اللہ کے پاس ہے وہ سب سے اچھا ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!“ [القصص 60:28]

اگر بارگاہِ الٰہی سے ملنے والے انعام واکرام کی قدر ذہن نشین ہو تو یہ سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ رمضان المبارک ربّ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے! جس میں معمولی کوشش پر رِضائے الٰہی کا بڑا انعام عطا ہوتا ہے اور تھوڑے کام پر زیادہ اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے؛ اِسی لیے تو قدر دان پورا سال رمضانِ کریم کا انتظار کرتے ہیں اور پھر اِس کی آمد پر نیکیاں کمانے کے لیے کمر کَس لیتے ہیں۔

شعبان المعظّم کی چند گھڑیاں باقی ہیں اور آج یا شاید کل ماہِ عظیم کے مَہِ حسین کا ظہور ہو جائے گا۔ ہمیں چاہیے کہ سیدِ عالَم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ اور بزرگانِ دین کی مبارک سیرتوں سے سبق لیتے ہوئے اِس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ مالکِ کریم کو راضی کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کریں اور اپنی دُنیا وآخرت کو سنواریں۔

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد رمضان المبارک کا آغاز ہوتے ہی دیگر اُمورِ خیر کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا فریضہ بھی ادا کرتی ہے۔ چنانچہ آج رمضان المبارک میں نیکیوں کی کثرت اور مسائلِ زکوٰۃ سے متعلق کچھ گفتگو ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

رَمَضان المبارَک میں نیکیوں کی کثرت

رمضان المبارک نیکیوں کا موسمِ بہار ہے، اِس میں کارہائے خیر کتنے زیادہ کرنے چاہییں؟ اِس بات کا اندازہ لگانے کے لیے فقط ایک نقطہ پر غور کیجیے کہ ہمارے پاس تو نیکیوں کا کوئی بڑا ذخیرہ ہے ہی نہیں، ہمارے آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جن کی نیکیاں تمام مخلوق سے بڑھ کر ہیں اور کسی دوسرے کے لیے اعمال یا ثواب میں اُن کے قریب پہنچنے کا بھی تصوّر نہیں... ماہِ پُرنور کی آمد پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معمول یہ ہوتا تھا کہ اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهُ، ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهُ حَتّٰى يَنْسَلِخَ۔ یعنی جب ماہِ رمضان المبارک کا آغاز ہوتا تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عبادت کے لیے کمربستہ ہو جاتے، پھر اختتامِ رمضان تک محنت کا سلسلہ مسلسل جاری رکھتے۔ (صحیح ابن خزیمہ، حدیث: 2216، رمز السیوطی لحسنہ فی الجامع الصغیر: 9878)

اُسوۂ حسنہ سے تربیت لیتے ہوئے آمدِ رمضانِ کریم پر ہمیں بھی نیکیوں میں سبقت کی کوشش کرنی چاہیے۔ روزوں کے ساتھ ساتھ سب سے اہم کام یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ! نماز یا کسی اور فرض کی ادائیگی میں سُستی ہو رہی تھی تو اُس کا ازالہ کرتے ہوئے فرائض کی مکمل پابندی کریں، بلکہ پہلے جو کوتاہی ہوئی اُس سے سچی توبہ کر کے قضا کا سلسلہ بھی شروع کریں۔

رمضان المبارک ماہِ نزولِ قرآنِ کریم ہے، چنانچہ اِس مہینے میں قرآنِ حکیم کے ساتھ تعلّق پختہ کرنا بھی بہت ضروری ہے... اگر تلفّظ درست نہیں تو کسی قاری صاحب سے درست تلفظ سیکھیں، یہ فرضِ عین ہے... نیز قرآنِ حکیم کی کثرت سے تلاوت کریں، اِس ماہِ مبارک میں جبریلِ امین علیہ السلام قرآنِ مجید کا دَور کرنے کے لیے رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے... تراویح میں تلاوتِ قرآنِ مجید کو خوب شوق وذوق وآداب کے ساتھ سُنیں اور تیز پڑھنے والے کے بجائے ایسے صحیح العقیدہ امام کے پیچھے تراویح ادا کریں جو درست تلفّظ کے ساتھ خوب صورت آواز میں تلاوت کرتا ہو۔[1]

سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآنِ حکیم کو سمجھنے اور پھر اُس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اِس کے لیے روزانہ قرآنِ کریم کا کچھ نہ کچھ حصہ ترجمہ وتفسیر کے ساتھ پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ کنز الایمان اور خزائن العرفان یا کسی بھی سُنّی عالم کی تفسیر (مثلاً نور العرفان، تبیان القرآن، ضیاء القرآن) کا مطالعہ روزانہ کا معمول بنائیں۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کے فیض یافتہ شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد قاسم قادری صاحب کی "صراط الجنان"[2] اُردو زبان میں نہایت آسان تفسیر ہے۔

اگر ہم زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا ذہن بنالیں اور بارگاہِ الٰہی میں صدقِ دل سے اِس کی دُعا کریں تو ضرور کرم نوازی ہوگی۔

---

[1] یاد رہے کہ خوب صورت پڑھنے پر ثواب تب ملتا ہے جب صحیح پڑھا جائے؛ لہٰذا حسین آواز سے پہلے صحیح تلفّظ کا اہتمام ہونا چاہیے۔

[2] یہ تفسیر PDF میں بھی دستیاب ہے اور اِس کی نہایت جدید ایپ بھی ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی سے نیکیوں میں کثرت کی توفیق

اگر ہم اِس بات پر غور کریں کہ انسان زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کر پاتا؟ حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ نیکیاں ہی آخرت میں کام آئیں گی... تو اِس کا جواب یہ ہے کہ "دُنیا کی محبّت" ایسی نحوست ہے جو بے شمار سعادتوں سے رکاوٹ بن جاتی ہے۔ محبّتِ دُنیا سے نجات کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان نفس کی مخالفت کرتے ہوئے دل سے دولت کا لالچ نکالے اور اپنے ربِّ کریم کی رضا کے لیے اُس کی راہ میں مال خرچ کرے، خصوصاً زکوٰۃ ادا کرے تو توفیقِ الٰہی سے آہستہ آہستہ دل محبّتِ دُنیا سے پاک اور نفس شریعت کے تابع ہونے لگتا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ "اے حبیبِ مکرّم! آپ اُن کے مالوں سے زکوٰۃ[1] وصول کیجیے جس کے ذریعے آپ اُنھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دیں اور اُن کے حق میں دُعائے خیر کیجیے، یقیناً آپ کی دُعا اُن کے دلوں کا چین (سکون و رحمت کا ذریعہ) ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔" [التوبہ 9:103]

مسائلِ زکوٰۃ جاننے کی ضرورت

مسلمان اپنے دین کی تکمیل کے لیے جن باتوں کا محتاج ہے اُن کا علم حاصل کرنا فرض ہے... درست عقائد، ارکانِ اسلام کے ضروری مسائل، دل سے متعلق ضروری اُمور اور اپنے شعبہ سے متعلق شرعی احکام وغیرہ... اِن سب چیزوں کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:623، 624۔ بہارِ شریعت، ج:3(ب)، ح:19[ضمیمہ]، ص:1035، ملخصاً)

چنانچہ ہر مال دار شخص پر زکوٰۃ سے متعلق کم از کم پانچ سوالات کے جوابات سیکھنا فرض ہے: 1) زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟ 2) کون سے اموال کی زکوٰۃ فرض ہے؟ 3) کب فرض ہوتی ہے؟ 4) کتنی مقدار ادا کرنا فرض ہے؟ 5) کس کو ادا کرنی ہے؟

زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟

وہ سمجھ دار بالغ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی[2] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے / 612.36 گرام چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی (Cash) یا سامانِ تجارت وغیرہ کا مکمل طور پر مالک (Owner) ہو اُس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

نوٹ: حکومتِ پاکستان نے 2025ء/1446ھ کے لیے زکوٰۃ کا نصاب 179,689 (تقریباً ایک لاکھ اسّی ہزار) روپے مقرر کیا ہے۔[3]

---

[1] امام ابو بکر جصاص علیہ الرحمہ نے اِس بات کو ترجیح دی کہ آیتِ کریمہ میں "صدقہ" سے زکوٰۃ مراد ہے۔ (خزائن العرفان)

[2] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

[3] 27 فروری 2025ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 3,250 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً 171,000 ہزار روپے ہے۔

نصاب میں سونے کا اعتبار ہوگا یا چاندی کا؟ جو شخص سونے کے علاوہ کسی بھی چیز کا مالک نہ ہو اُس پر سونے کی زکوٰۃ تب فرض ہوگی جب اُس کا وزن 7.5 تولہ یا اِس سے زیادہ ہو، البتہ اگر سونے کے ساتھ چاندی / کرنسی یا دیگر مذکورہ چیزیں موجود ہوں تو سونے اور دیگر تمام چیزوں کی مالیت کو جمع کیا جائے گا، مجموعہ 612 گرام چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہے۔

فرضیت معلوم کرنے کا طریقہ: بنیادی ضروریاتِ زندگی کے علاوہ جن چیزوں کے آپ مالک ہیں، مثلاً نقدی[Cash]، سونا چاندی کی قیمت، سامانِ تجارت کی قیمت اور لوگوں کو دیا ہوا قرض،[1] انشورنس کی جمع کرائی ہوئی رقم،[2] مکان وغیرہ کی حفاظت کے لیے دی ہوئی پیشگی رقم (ایڈوانس)، کمیٹی کی جمع کرائی ہوئی قسطیں وغیرہ، اِن سب کو جمع کریں، پھر اِس سے قرض[3] کو مِنہا(Minus) کردیں، اگر باقی رقم مذکورہ بالا نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو آپ صاحبِ نصاب ہیں اور زکوٰۃ فرض ہے۔

دورانِ سال نصاب میں کمی کا حکم دورانِ سال اگر مال نصاب سے کم ہو جائے، مگر سال کے شروع اور آخر میں نصاب کی مقدار پوری ہو تو زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر دورانِ سال تمام مال ہلاک / ختم ہو جائے تو جب دوبارہ نصاب کی مقدار مال حاصل ہوگا اُس تاریخ سے نیا سال شمار کیا جائے گا۔

خواتین پر زکوۃ: عورت مالکِ نصاب ہو تو اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ حضرت عَمرو بن شعیب نے اپنے آبائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو خواتین حاضر ہوئیں، اُنھوں نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اِس سونے کی زکوٰۃ دیتی ہو؟" اُنھوں نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ؟ "کیا تم گوارا کروگی کہ اللہ تعالیٰ اِن کے عوض تمھیں آگ کے دو کنگن پہنائے؟" اُنھوں نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَأَدِّيَا زَكٰوتَهٗ۔ "تو پھر اِس کی زکوٰۃ ادا کرو۔" (جامع ترمذی، حدیث:637)

نوٹ: جن چیزوں کی مالک بیوی ہے شوہر پر بیوی کی طرف سے اُن کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، البتہ شوہر پر یہ لازم ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی اہلیہ کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:132، 133، ملخصًا) تاہم اگر شوہر بیوی کی اِجازت سے اُس پر لازم ہونے والی زکوٰۃ ادا کردے تو ادا ہو جائے گی۔

---

[1] حساب کی آسانی اِسی میں ہے کہ جو قرض لوگوں کو دیا ہوا ہے اُس کی زکوٰۃ سال بہ سال ادا کرتا رہے۔ (فتاوٰی رضویہ:10/133۔ بہارِ شریعت:1/906، ملخصًا)

[2] اگرچہ انشورنس کرانا شرعی طور پر ناجائز ہے۔

[3] مسئلہ: جو قرض زکوٰۃ لازم ہونے کے بعد لیا ہو اُسے نصاب سے مِنہا(Minus) نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: طویل المیعاد(Long Term) دَین... جسے فوری طور پر ادا نہیں کرنا (مثلاً کوئی سامان اُدھار پر لیا اور اُس کے ثمن کی کچھ قسطیں ابھی ادا کرنی ہیں)، اُس کی زکوٰۃ فرض ہے۔

کون سے اموال کی زکوٰۃ فرض ہے؟

شرعی ضابطہ ہے کہ زکوٰۃ صرف اُس مال کی فرض ہے جو نامی / بڑھنے والا ہے۔[1] ہمارے پاس عموماً جو اموال موجود ہوتے ہیں شریعت نے اُن میں سے صرف تین قسم کے اموال کو بڑھنے والا قرار دیا ہے:

1) نقدی (Cash) بشمول پرائز بانڈ، چیک وغیرہ۔[2]

2) سونا چاندی خواہ وہ کسی بھی ہیئت وصورت میں ہوں، زیرِ استعمال ہوں یا فروخت کے لیے یا ویسے محفوظ کر رکھے ہوں۔[3] ارشادِ ربّانی ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. ”وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔“ [التوبہ 9:34]

3) وہ چیز (سامان / اشیا / پراپرٹی) جسے تجارت (Trading) کے لیے خریدا ہو۔[4]

سامانِ تجارت سے متعلق وضاحت:

☆ جو چیز بیچنے کے لیے نہیں خریدی، اُس کی زکوٰۃ فرض نہیں، مثلاً: جامد اثاثہ جات (پراپرٹی، مشینری، اوزار وغیرہ) اور اسٹور (Store) میں پڑی فالتو چیزیں۔ (بہارِ شریعت، ج:1 (ب)، ص:883، ملخصًا)

☆ جس چیز کو خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہیں تھی، بعد میں بیچنے کا اِرادہ کیا تو فروخت کرنے سے پہلے اُس کی زکوٰۃ لازم نہیں۔

☆ جو پراپرٹی یا کوئی اور چیز کرایہ پر دے رکھی ہے، اُس کی مالیّت (قیمت) کی زکوٰۃ فرض نہیں، سال پورا ہونے کی تاریخ میں اُس کا جتنا کرایہ موجود ہوگا اُسے باقی اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ ملایا جائے گا، نصاب مکمل ہونے کی صورت میں سب کی زکوٰۃ لازم ہے۔

---

[1] سال کا اکثر حصہ بغیر اخراجات کے چرنے والے جانوروں (سائمہ) کی زکوٰۃ اور زمین کی پیداوار کے عُشر کے مسائل یہاں مذکور نہیں ہیں۔

[2] ایک شخص نے (ادائے دین کے علاوہ) آئندہ پیش آنے والی کسی بنیادی ضرورت / حاجتِ اصلیّہ کے لیے رقم جمع کی اور اُسے استعمال کرنے سے پہلے سال پورا ہو گیا تو اُس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، تاہم اگر سال پورا ہونے کے دن سے پہلے وہ رقم خرچ ہو چکی یا سال پورا ہونے کے دن وہ بنیادی ضرورت موجود ہے تو اُس رقم کی زکوٰۃ فرض نہیں۔ (بہارِ شریعت، ج:1 (ب)، ح:5، ص:881، م:29، مکتبۃ المدینہ، ملخصًا)

مسئلہ: زیارتِ حرمَین شریفَین کے لیے جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:140، ملخصًا)

مسئلہ: حج کے لیے رقم جمع کروا رکھی ہو اور نام فائنل ہونے سے پہلے سال پورا ہو جائے تو اِس رقم کی زکوٰۃ لازم ہے اور نصاب کا 5/1 وصول ہونے پر ادائیگی فرض ہو گی۔ نام فائنل ہونے کے بعد سال پورا ہو تو لازم نہیں۔ (فتاوٰی اہلِ سنت (احکامِ زکوٰۃ)، ص:170، ملخصًا)

مسئلہ: بچی کی شادی کے لیے جمع کیا جانے والا سونا اور رقم عموماً والدین کی ملکیت میں ہوتے ہیں، اِس لیے دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں اِن کی زکوٰۃ فرض ہے۔ (فتاوٰی اہلِ سنت، ص:107) البتہ نابالغ بچی کو مالک بنا دیا تو جب تک وہ بالغ نہ ہو اِن کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:144، 145)

[3] جو زیور گروی رکھا ہوا ہے اُس کی زکوٰۃ فرض نہیں، نہ گروی رکھنے والے پر، نہ لینے والے پر... نہ اب، نہ بعد میں۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:146، ملخصًا)

[4] جس چیز کو خریدا نہیں وہ نیتِ تجارت سے مالِ تجارت نہیں قرار پائے گی، جیسے جانور خریدا؛ تاکہ اُس کے بچوں کو بیچیں تو پیدا ہونے والے بچوں کی زکوٰۃ فرض نہیں۔ (فتاوٰی اہلِ سنت (احکامِ زکوٰۃ)، ص:583، مکتبۃ المدینہ)

زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے؟

جس تاریخ کو کوئی شخص نصاب کا مالک بنے، چاند کے حساب سے اگلے سال اُسی تاریخ کو اگر وہ نصاب کا مالک ہے تو اُس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور اب ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:10، ص:202، رضافاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ)

کیا زکوٰۃ رمضان میں فرض ہوتی ہے؟ اگر رمضان المبارک سے پہلے کسی مہینے میں زکوٰۃ فرض ہو... مثلاً کوئی شخص پہلی بار 15 شعبان 1445ھ کو نصاب کا مالک ہوا، اِس کا سال 15 شعبان 1446ھ کو مکمل ہوگا... تو ایسے شخص کو رمضان آنے تک زکوٰۃ کی ادائیگی کو مؤخر کرنا جائز نہیں، بلکہ 15 شعبان کو ہی زکوٰۃ ادا کرے۔ اگر یہ رمضان شریف کی فضیلت حاصل کرنا چاہے تو آئندہ سال کی زکوٰۃ پیشگی طور پر اِس رمضان میں ادا کر سکتا ہے۔

☆ اگر کوئی شخص وقتاً فوقتاً شرعی فقرا کو زکوٰۃ کے مال سے دینا چاہتا ہے تو اِس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ کی نیت سے آئندہ سال کی زکوٰۃ پیشگی طور پر دیتا رہے اور سال مکمل ہونے پر جتنا دے چکا اُس کا حساب کرلے... اگر زکوٰۃ اُتنی ہی بنتی ہو جتنی دے چکا ہے تو فرض ادا ہو چکا، زیادہ ادا کر چکا ہے تو اِضافہ کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کر سکتا ہے، کم دیا ہے تو بقیہ کو سال پورا ہونے کے دن ادا کر دے۔[1]

ہر مال کا الگ سال نہیں: مختلف اوقات میں حاصل ہونے والے سونا، چاندی، نقدی اور سامانِ تجارت پر الگ الگ سال گزرنا ضروری نہیں۔ سال پورا ہونے کے دن مالکِ نصاب کے پاس جتنا مالِ زکوٰۃ موجود ہو، تمام کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

(بہارِ شریعت، ج:1، ح:5، ص:884، م:43، مکتبۃ المدینہ، ملخصًا)

زکوٰۃ کتنی ادا کرنا فرض ہے؟

ہر قسم کے مال سے 40/1، یعنی 2.5٪ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ مثلاً ایک لاکھ روپے کی زکوٰۃ اڑھائی ہزار روپے ہے۔

مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہ تعالٰی وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا... "چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم ادا کرو۔" (جامع ترمذی، حدیث:620)

مقدارِ زکوٰۃ سے متعلق اہم وضاحت: ☆ زکوٰۃ ادا کرنے میں سامان کی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں، بلکہ جس جگہ مالِ زکوٰۃ موجود ہے اُس جگہ کے مارکیٹ ریٹ کا 2.5٪ ادا کرنا لازم ہے۔ (بہارِ شریعت، ج:1 (الف)، ص:908۔ فتاوٰی رضویہ 10/133)

---

[1] سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذٰلِكَ۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے زکوٰۃ فرض ہونے سے قبل ہی اُسے ادا کرنے کی اِجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اُنھیں رخصت عطا کی۔ (جامع ترمذی، حدیث:678)

☆ تھوک (Wholesale) کے تاجروں پر تھوک ریٹ کا 2.5٪ بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے اور پرچون (Retail) کے تاجروں پر پرچون ریٹ کا 2.5٪ فرض ہے۔ (فیضان زکوٰۃ، ص: 41، ملخصاً، مکتبۃ المدینہ)

☆ زکوٰۃ کے طور پر سامان یا سونا چاندی کو ادا کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً کسی شخص کی کپڑے کی دکان ہے اور وہ کپڑے ہی بطورِ زکوٰۃ پیش کرنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے، اِس صورت میں اِن کپڑوں کے مارکیٹ ریٹ کے برابر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (بہارِ شریعت، ج: 1، ص: 909)

زکوٰۃ کسے دینی ہے؟

وہ صحیح العقیدہ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 612.36 گرام چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامان وغیرہ کا مالک نہ ہو اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ پیشہ وَر بھکاری عموماً مالکِ نصاب ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو مالِ زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

نیت ضروری ہے، بتانا ضروری نہیں: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مال الگ کرتے وقت یا مستحق کو دیتے وقت دل میں زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت ہونا ضروری ہے، مستحق کو بتانا ضروری نہیں کہ مالِ زکوٰۃ ہے۔ سفید پوش مستحق کو زکوٰۃ کے بجائے ہدیہ وغیرہ کہہ کر دینا ہی مناسب ہے۔

مالک بنانا: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مستحق کو مالک (Owner) بنانا ضروری ہے؛ اِسی لیے زکوٰۃ کی رقم مسجد کو نہیں دی جا سکتی۔ زکوٰۃ کی رقم سے غریبوں کو واجب الادا قرض (Loan) دینا یا اُسے اِس قسم کے رِفاہی (Welfare) کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

کن کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے: اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی (اُصول) اور اولاد (فروع) کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ باقی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، بلکہ مستحق رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا دوسرے مستحقین کو دینے سے بہتر ہے۔ ☆ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رشتہ داروں (سادات اور دیگر بنو ہاشم) کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

بینک سے زکوٰۃ کی کٹوتی: جن حضرات کے بینک اکاؤنٹس ہیں اُنھیں چاہیے کہ خود اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کریں، بینکوں کا نظامِ زکوٰۃ درست نہ ہونے کی وجہ سے اُن کے ذریعے ادائیگی یقینی نہیں ہو گی۔

اہم وضاحت: وجوبِ زکوٰۃ کے لیے نصاب کی مقدار مالِ نامی ہونا ضروری ہے، حرمانِ زکوٰۃ کے لیے نصاب کا نامی ہونا ضروری نہیں۔ یعنی کسی شخص کے پاس بنیادی ضروریات کے علاوہ نصاب کی مقدار ایسا مال ہے جو بڑھنے والا نہیں تو وہ مستحقِ زکوٰۃ نہیں ہے، اگرچہ اُس پر زکوٰۃ فرض بھی نہیں۔ مثلاً زید کے پاس بنیادی ضرورت سے زائد ایسی پراپرٹی ہے جو بیچنے کے لیے نہیں، تو زید پر اگرچہ اِس پراپرٹی کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں، تاہم وہ دوسروں سے زکوٰۃ وصول بھی نہیں کر سکتا۔

مدارس کو زکوٰۃ: دینی مدارس کے طلبہ کے لیے زکوٰۃ پیش کرنا بہتر ہے؛ اِس میں مستحقین کی مدد بھی ہے اور دین کی خدمت بھی۔

حرفِ آخر: رمضان المبارک میں کرنے کے کام

ہر دانا شخص اپنے مستقبل کی بہتری چاہتا ہے اور اُس کے لیے منصوبہ بندی کرتا ہے، بلکہ اگر خوشگوار کل کے لیے آج مشکل بھی برداشت کرنی پڑے تو خوشی سے کرلیتا ہے۔

اگر ہم سوچیں کہ ہمارا مستقبل کیا ہے؟ تو سچی بات ہے کہ آنے والے کل کی ہم میں سے کسی کے پاس بھی ضمانت نہیں ہے، بلکہ اگلی سانس کا بھی بھروسا نہیں ہے۔ افسوس کہ جس "کل" کا علم ہی نہیں اُس کے لیے تو ہم عمر بھر سوچتے اور کوشش کرتے ہیں، مگر جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور سو فی صد یقین ہے کہ وہاں رہنا ہے اُس کی فکر ہی نہیں کرتے۔

یہ حقیقت ہے کہ دُنیاوی مال و دَولت اور سب آسائشیں یہیں رہ جائیں گی، جب کہ ربّ تعالیٰ کو راضی کرلیا تو اُس کی بارگاہ سے ملنے والا اجر و ثواب دائمی زندگی میں کام آئے گا۔ ارشادِ ربّانی ہے: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ یعنی "جو کچھ تمہارے پاس دُنیا کا سامان ہے یہ سب ختم ہو جائے گا اور اللہ کے پاس رحمت اور اُخروی ثواب کا جو خزانہ ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔" [النحل 96:16]

اُخروی ثواب کے طلب گاروں کے لیے ماہِ رمضان المبارک موسمِ بہار ہے، جس میں ربِّ کریم کی رحمت جوبَن پر ہوتی ہے، معمولی کوشش پر بڑی رِضا نصیب ہوتی ہے اور نیکیوں کے اجر و ثواب میں کئی گنا اضافہ کر دیا جاتا ہے، بلکہ شیاطین کو بھی قید کر دیا جاتا ہے؛ تاکہ اعمالِ خیر کی کوشش کرنے والوں کے لیے کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے مجلسِ علماءِ نظامیہ کی فرمائش پر خوب کہا:

رَحمتیں بانٹنے عالَم میں ہے آیا رَمضان
ہر سُو نیکی کی بہاریں بھی ہے لایا رَمضان

اپنے محبوب کی اُمّت پہ عنایت کے لیے
رب نے بخشش کا مہینہ ہے بنایا رَمضان

ہو دُرود اُن پہ، سلام اُن پہ، ہے صدقہ جن کا
ہم گنہ گاروں نے ہر سال ہے پایا رَمضان

لذّتیں سحری میں، ہیں فرحتیں اِفطاری میں
راحتیں شب میں تراویح کی لایا رَمضان

روزے، خیرات، نمازیں، شبِ قدر، استغفار
اہلِ ایماں کے دل و جاں میں سمایا رَمضان

اِعتکاف اور دُعائیں، وہ مساجد میں بہار
خوب طاعت کی مہک سے ہے بَسایا رَمضان

رُوحِ انساں کی غذاؤں میں اضافے کے لیے
کثرتِ ذکر و تلاوت سے سجایا رَمضان

ہیں کُھلے سب درِ جنت، ہے مُقفّل دوزخ
خیر کی بَن کے گھٹا ہم پہ ہے چھایا رَمضان

سب شیاطین ہیں پابندِ سلاسل اِس میں
شر کی قوّت سے یوں رب نے ہے بچایا رَمضان

حمد بے حد ہے خدائے دوجہاں کی ثاقبؔ
اپنی رحمت سے ہمیں جس نے دِکھایا رَمضان

ماہِ مبارک میں خوب سعادتیں سمیٹنے کے لیے ہمیں چند باتیں پیشِ نظر رکھنی چاہییں:

⟸ اپنے گزشتہ گناہوں پر شرمندہ ہو کر سچی توبہ کریں؛ کہ رمضان کے ہر لمحے میں بے شمار لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے۔

⟸ فرائض کی پابندی نصیب ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُن کا ذوق وشوق مزید بڑھائیں، لیکن اگر خدانخواستہ پابندی نہیں تو پختہ نیت وبھرپور کوشش کریں کہ آئندہ کوئی فرض نہیں چھوٹے گا۔

⟸ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کے لیے دُنیاوی مصروفیات کو کم کریں، بلکہ تمام غیر ضروری مشاغل کو چھوڑ دیں۔ ایسا نہ ہو کہ رمضان میں ہمارا طرزِ زندگی وہی پرانا رہے اور فقط کھانے پینے کا وقت تبدیل ہو جائے!

⟸ قرآنِ مجید ظاہری وباطنی بیماریوں سے شفا کا ذریعہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ صحیح تلفّظ کے ساتھ تلاوت کریں، پوری توجّہ اور اعلیٰ ذوق کے ساتھ اُسے سنیں، نیز قرآنِ مجید کو سمجھ کر اُس کے احکام پر عمل کی کوشش کریں۔

⟸ کسی بھی وقت میں گناہ کا ارتکاب کرنا بہت بڑی نالائقی ہے، تاہم رحمت وبرکت والے اوقات میں گناہ کرنا اور زیادہ بُرا ہے؛ کیونکہ اِس میں قابلِ احترام وقت کی بے ادبی بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ رمضان المبارک میں تمام گناہوں سے مکمل اجتناب کریں؛ تاکہ اِس کی برکت سے سال بھر گناہوں سے بچتے رہیں۔

⟸ جن حضرات پر زکوٰۃ فرض ہے وہ خوش دلی سے شرعی طریقے کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں، نیز اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خیر کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ مال پیش کریں۔ زکوٰۃ سے متعلق پانچ باتیں بنیادی ہیں:

1) وہ سمجھ دار بالغ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے / 612.36 گرام چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامانِ تجارت وغیرہ کا مکمل طور پر مالک ہو اُس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

حکومتِ پاکستان نے 2025ء/1446ھ کے لیے زکوٰۃ کا نصاب 179,689 (تقریباً ایک لاکھ اسّی ہزار) روپے مقرر کیا ہے۔

2) شریعت نے فقط بڑھنے والے اموال کی زکوٰۃ فرض فرمائی ہے، جیسا کہ نقدی، سونا چاندی اور سامانِ تجارت۔

3) جس تاریخ کو کوئی شخص نصاب کا مالک بنے، ایک سال بعد چاند کے حساب سے اُسی تاریخ کو اگر وہ نصاب کا مالک ہے تو اُس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور اب ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔

4) ہر قسم کے مال سے 40 / 1، یعنی 2.5% زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ مثلاً ایک لاکھ روپے کی زکوٰۃ اڑھائی ہزار روپے ہے۔

5) وہ صحیح العقیدہ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 612.36 گرام چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامان کا مالک نہ ہو اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ پیشہ ور بھکاری عموماً مالکِ نصاب ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو مالِ زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ نیز بنو ہاشم اور اپنے اُصول وفروع (باپ، دادا اور اولاد وغیرہ) کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

۶ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ / 07 مارچ 2025ء

بانوانِ عفّت و فقاہت و حیا

(سیدتنا خدیجہ، سیدتنا عائشہ اور حضرت خاتونِ جنّت علیہن الرضوان کی سیرتوں کا ذکرِ جمیل

ایّامِ وصالِ کی مناسبت سے.... عالَمی یومِ خواتین کے موقع پر)

مشمولات

- ذہن سازی کی اہمیت اور اُس میں پسندیدہ شخصیت کے کردار کا اثر
- عِفّت و عِصمتِ سیّدتُنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- بیس رکعات نمازِ تراویح کا سنتِ مؤکّدہ ہونا
- فقاہت و جلالتِ سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- حیائے سیدتنا خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- تربیت کی ضرورت اور ہماری حالت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۔[الاحزاب 33:33]

ذہن سازی/Mindset Development اور تربیت کا انسان کی ذاتی زندگی پر بھی گہرا اثر ہوتا ہے اور اِس کے بغیر اخلاقی اقدار کی بحالی و معاشرے کی ترقّی بھی ممکن نہیں۔ جس عورت یا مَرد کی سوچ اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلی ہوگی اُس کی اپنی زندگی بھی بامقصد ہوگی اور وہ دوسروں کی بھی خیر خواہی کرے گا... جب کہ تربیت نہیں ہوگی تو انسان خود بھی جانوروں کی طرح کھانے پینے اور مَوج مستی کو ہی سب کچھ سمجھے گا اور دوسروں کی بہتری کے لیے بھی کوئی قابلِ ذکر کام نہیں کر سکے گا۔

ویسے تو مَرد و عورت دونوں ہی کی تربیت و ذہن سازی ضروری ہے، مگر خواتین کی تربیت کا معاشرے پر زیادہ اثر ہوتا ہے؛ کیونکہ ایک بچی کی دینی تربیت کر دی جائے تو وہ اچھی ماں، بیوی، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے پورے خاندان کا رُخ بدلنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

اگر ہم روزہ اور رمضان المبارک کے دیگر معمولات کے مقاصد پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ یہ سب کچھ انسان کی تربیت اور اُس کے کردار میں نکھار کے لیے ہے... اور یہ تجربہ شدہ بات، بلکہ قرآنِ مجید کا پیغام بھی ہے کہ جو شخص روزہ کے آداب کا لحاظ کرے اُسے رحمتِ الٰہی سے تقوٰی کی دَولت نصیب ہو جاتی ہے۔

ذہن سازی میں پسندیدہ مثالی شخصیت کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ انسان جسے آئیڈیل (Role Model) بنائے اُس جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے، اُس کے کردار سے سیکھتا ہے اور اُس کے اخلاق اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر آئیڈیل شخصیت بارگاہِ الٰہی میں محبوب ہو تو اُس کے راستے پر چلنے والا بھی کامیاب ہو جاتا ہے اور خدانخواستہ کسی بے دین یا دُنیادار کو آئیڈیل بنالیا جائے تو انجام ویسا ہی ہوتا ہے۔

08 مارچ کو دُنیا بھر میں "یومِ خواتین" (International Women's Day) منایا جاتا ہے۔ اِس کا اصل مقصد خواتین کے حقوق کا تحفّظ اور معاشرے میں اُن کے کردار کو بہتر بنانا ہے، لیکن اکثر بے دین اور مفاد پرست لوگ خواتین کے حقوق اور اُن کے کردار میں بہتری کے لیے اقدامات سے زیادہ اُنھیں بے حیائی کے راستے پر ڈالنے کے لیے کوششیں کرتے ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اِس دن میں خواتین کی ذہن سازی کے لیے، بلکہ فقط خواتین کی ہی نہیں پورے معاشرے کی تربیت کے لیے رمضانِ کریم میں وصال فرمانے والی اُن جلیل القدر خواتین کی مبارک سیرتوں کا نور عام کریں جنھوں نے ربّ تعالٰی کے حضور بھی عزّت و قبولیت پائی اور سرکارِ دوجہاں ﷺ نے بھی متعدّد مرتبہ اُن کی سیرت و کردار کی تعریف فرمائی۔ یعنی اُمّ المؤمنین سیدۂ قریش حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ عنہا، جن کا وصالِ پُرملال 10 رمضان شریف کو ہوا... اُمّ المؤمنین صِدّیقہ بنت صدّیق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، جو 17 رمضانِ کریم کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئیں... اور خاتونِ جنت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا، جو تین رمضان المبارک کو جنّت البقیع میں آرام فرما ہوئیں۔

چنانچہ آج یومِ خواتین کے تناظر میں اِنھیں ہستیوں کی سیرتوں سے روشنی حاصل کی جائے گی۔

عِفّت و عِصمتِ سیّدتُنا خدیجہ رضی اللہ عنہا

جو شخص اسلام کا نور عام ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے کردار کو سنوار لے یقیناً وہ مبارک باد کا حق دار ہے، مگر اُن ہستیوں کے کیا کہنے! جنھوں نے اپنی سیرت کو اُس وقت بھی روشن رکھا جب چاروں طرف جہالت کی تاریکی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ نبوّت نہیں فرمایا تھا۔ اُمّ المؤمنین، اُمّ القاسم، سیدۂ قریش، حضرت خدیجۃ الکُبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اُنہی شخصیات میں سے ہیں۔

آپ قریش کی مال دار ترین خاتون تھیں۔ عصرِ حاضر کے نام نہاد روشن خیال یہ تو بتاتے ہیں کہ آپ تجارت فرماتیں اور معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ آپ ایک "گھریلو خاتون" تھیں اور ایسی عفیفہ و پاک دامن تھیں کہ تجارت کے لیے خود گھر سے باہر نہیں جاتی تھیں، بلکہ دوسروں کو اپنا مال بطورِ مضاربت[1] دے کر شام وغیرہ کی طرف تجارت کے لیے بھیجا کرتی تھیں۔

سرورِ دوعالَم ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے اُنھوں نے تجارت کے لیے اپنا مال حضور کی خدمت میں بھیجا تھا، جس کے تذکرہ سے اُن کی بلند سوچ کا اظہار ہوتا ہے۔ مؤرّخین نے لکھا: فَلَمَّا بَلَغَهَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَا بَلَغَهَا مِنْ صِدْقِ حَدِيْثِهٖ وَعِظَمِ أَمَانَتِهٖ وَكَرَمِ أَخْلَاقِهٖ بَعَثَتْ إِلَيْهِ... یعنی سیدتنا خدیجہ کو معلوم ہوا کہ قریش میں ایک محمد ﷺ نامی جوان ہیں جو سچائی میں بھی اپنی مثال آپ ہیں، امانت و دیانت میں بھی اُن کا کوئی ثانی نہیں اور حُسنِ اخلاق میں بھی اُن کی شان سب سے نرالی ہے تو اُنھوں نے اپنا تجارتی سامان شام لے جانے کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست بھیجی۔

تاجر حضرات ہمیشہ ایسے شخص کے ساتھ شراکت داری (Partnership) کرتے ہیں جو تجارت میں ماہر ہو، مگر قربان جائیں! اُس دَور میں بی بی صاحبہ کی سوچ اتنی بلند تھی کہ اُنھوں نے تجارتی شراکت کے لیے کسی نامور تاجر کے بجائے ایسی شخصیت کا انتخاب کیا جس کی سیرت و کردار کی مثالیں پیش کی جاتی تھیں۔

حضور ﷺ نے مالِ تجارت کو شام لے جانے کے حوالے سے بی بی صاحبہ کی درخواست کو قبول فرمایا۔ اُنھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ اپنے غلام مَیْسَرَہ کو بھیجا۔ مَیسرہ نے واپسی پر بی بی صاحبہ کو بُحَیْرَاء راہب کی پیشین گوئی بتائی اور سخت دھوپ میں فرشتوں کے سایہ کرنے سے متعلق بھی آگاہ کیا، جس کے بعد حضرت خدیجہ نے رسول اللہ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔

پیغامِ نکاح کے تذکرہ سے پہلے اِس بات پر غور کیجیے کہ اُس وقت معاشرے میں بی بی صاحبہ کی حیثیت کیا تھی؟ تاریخ میں ہے: وَكَانَتْ خَدِيْجَةُ يَوْمَئِذٍ أَوْسَطَ نِسَاءِ قُرَيْشٍ نَسَبًا وَأَعْظَمَهُنَّ شَرَفًا وَأَكْثَرَهُنَّ مَالًا۔ قریش کی خواتین میں سیدتنا خدیجہ کا

---

[1] مضاربت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص اپنا مال دے، دوسرا کام کرے اور دونوں آپس میں فی صد کے اعتبار سے نفع کی مقدار معین کرلیں۔ شرائط پائی جائیں تو یہ عقد جائز ہے۔ دیکھیے رسالہ: "مضاربت اور اُس کے ضروری احکام"، از مرکز الاقتصاد الاسلامی دار الافتاء اہلِ سنت

نسب سب سے عالی تھا، اُن کا شرف سب سے عظیم تھا اور اُن کے پاس مال بھی سب سے بڑھ کر تھا۔ مؤرخین نے مزید لکھا: كُلٌّ قَوْمِهَا كَانَ حَرِيصًا عَلٰى ذٰلِكَ مِنْهَا لَوْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ۔ بس چلتا تو قوم کے بڑے لوگ اُن کے ساتھ نکاح کی چاہت رکھتے تھے۔ قربان جائیں! اُس پاکیزہ کردار خاتون نے کسی کی بات کو وُقعت وحیثیت نہیں دی اور امام الانبیا ﷺ کی بارگاہ میں خود پیغامِ نکاح بھیجا۔

بی بی صاحبہ نے جو پیغامِ نکاح بھیجا اُس کے الفاظ ہماری تربیت کرتے ہیں، کاش کہ وہ تربیت ہم اپنے گھر والوں تک بھی پہنچا سکیں! اُنھوں نے لکھا: إِنِّي قَدْ رَغِبْتُ فِيكَ لِقَرَابَتِكَ وَسِطَتِكَ فِي قَوْمِكَ وَأَمَانَتِكَ وَحُسْنِ خُلُقِكَ وَصِدْقِ حَدِيثِكَ۔ یعنی آپ کی طرف میری توجہ اِس لیے ہوئی کہ آپ کے ساتھ رشتہ داری ہے[1]... اور آپ کو پوری قوم میں عزّت وشرافت حاصل ہے... نیز دیانت داری، حُسنِ اخلاق اور سچائی میں بھی آپ کی شان سب سے بلند ہے۔

اُن کی طرف سے پیغام ملنے پر جانِ عالم ﷺ نے خود جواب نہیں دیا، بلکہ خاندانی نظام کے مطابق اپنے چچا حضرات کو آگاہ کیا۔ چنانچہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محترم بھتیجے کے ہمراہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد "خُوَیلِد" کے پاس تشریف لے گئے اور نکاح کی بات چیت شروع کی۔[2]

(سیرتِ ابن ہشام، ج:1، ص:188، ناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی وأولادہ۔ سیرتِ ابن اسحاق، ص:81، دار الفکر۔ الثقات لابن حبان، ج:1، ص:45، 46۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:2، ص:66، 67)

نکاح کے بعد اُمّ المؤمنین بن کر اُنھوں نے تقریباً 25 سال تک اپنے تَن مَن دَھن کے ساتھ سرورِ عالم ﷺ کی بے مثال خدمت کی۔ آپ ﷺ نے اعلانِ نبوّت فرمایا تو کفار نے اذیتیں پہنچانے کی حد کر دی، چاروں طرف مشکلات ہی مشکلات تھیں، اِن حالات میں اُمّ المؤمنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ صرف خود بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا، بلکہ جانِ عالم ﷺ کے قلبِ مبارک کو تسلی بھی دیا کرتی تھیں اور دل کھول کر مال وجان کے ساتھ خدمت بھی کیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی ظاہری حیاتِ طیّبہ کے آخری ایّام تک اُن کی خدمت کو یاد کرتے اور اُن کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔

لمحۂ فکریہ: ہم نے اُس دَور میں آنکھ کھولی ہے جب اسلام کی روشنی چہار دانگِ عالَم میں پھیل چکی ہے۔ کبھی غور کیجیے کہ کیا آج دَورِ اسلام میں ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی سوچ اُتنی بلند ہے جتنی دَورِ جاہلیت میں حضرت خدیجہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی تھی؟ کیا رشتوں کی تلاش میں ہمارا بھی وہی معیار ہے جو حضرت ماں جی کا تھا؟ اگر نہیں تو پھر ہمیں اپنی امی جان رضی اللہ عنہا کی حسین سیرت سے تربیت لینی چاہیے۔

---

[1] چند واسطوں کے بعد ہماری امی جی کا سلسلۂ نسب حضور ﷺ سے مل جاتا ہے، حضرت قُصَیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے بڑے دادا ہیں۔

[2] فَلَمَّا قَالَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ذَكَرَ ذٰلِكَ لِأَعْمَامِهِ، فَخَرَجَ مَعَهُ عَمُّهُ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى خُوَيْلِدِ بْنِ أَسَدٍ فَخَطَبَهَا إِلَيْهِ، فَتَزَوَّجَهَا۔

فقاہت و جلالتِ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا

کسی شخصیت کی عزّت و فضیلت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت ہی کافی ہے، پھر اگر اِس عظیم نسبت کے ساتھ علم و فقاہت کی دَولت بھی مُیسَّر ہو تو صاحبِ نسبت کی عظمت و بزرگی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

اُمّ المؤمنین، حبیبۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، صدّیقہ بنتِ صدیقِ اکبر سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت بھی نرالی ہے اور باری تعالیٰ نے اُنھیں علم و فقاہت میں بھی اعلیٰ شان عطا فرمائی ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری پیاری امی جان کے ساتھ نکاح فرمایا اُس وقت آپ رضی اللہ عنہا نو عمر تھیں، ظاہر ہے کہ یہ باری تعالیٰ کے حکم سے تھا اور ربِّ کریم کے ہر حکم میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں۔ ربِّ کریم نے پسند فرمایا کہ سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ محترم میں ایسی خاتون ہو جو ہر بات کو اچھے طریقے سے سمجھے، مضبوط حافظہ کی مالک ہو اور نہایت دیانت داری کے ساتھ یہ امانتیں اُمّت تک پہنچائے... وہ دیکھے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو معاملات کیسے انجام دیتے ہیں؟ ازواج کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے؟ رات کو نماز کیسے ادا فرماتے ہیں؟ خواتین کے مخصوص مسائل سے متعلق شریعت کے کیا احکام ہیں... کم عمری کے باوجود یہ تمام خوبیاں سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا میں موجود تھیں؛ لہٰذا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں شرفِ نکاح سے نوازا اور بعد میں اِس حکمت کا خوب اِظہار ہوا۔

اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی قُرب پا کر علم و عمل میں وہ کمال حاصل کیا کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَّلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا: مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ۔ یعنی "مَردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے ہیں، تاہم خواتین میں فقط حضرت عیسیٰ کی والدہ "مریم" اور فرعون کی بیوی "آسیہ" ہی درجہ کمال کو پہنچی ہیں۔" (مَردوں کی بہت بڑی تعداد عالم و فاضل اور ولی، غوث، قطب، ابدال ہوئی ہے، جب کہ عورتوں میں فقط حضرت مریم اور حضرت آسیہ نے ہی اپنے اپنے زمانے میں فضائل کے اندر اعلیٰ شان پائی ہے)

پھر فرمایا: وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ۔ یعنی "عائشہ خواتین سے ایسے ہی افضل ہے جیسے ثَرید[1] باقی کھانوں سے اعلیٰ ہے۔"[2] (صحیح بخاری: 3769، ترجمہ و تشریح ماخوذ از مرقاۃ و مرآۃ)

---

[1] شوربے میں روٹی بھگو کر تیار کردہ کھانا۔

[2] اُمّ المؤمنین سیدتنا خدیجہ، اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ اور خاتونِ جنّت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کون افضل ہے؟ اِس بارے میں علما کی آرا مختلف ہیں۔ محقق علما فرماتے ہیں کہ مختلف جہتوں سے تینوں افضل ہیں (ایک جہت سے سیدتنا خدیجہ کی شان بلند تر ہے، دوسری جہت سے سیدتنا عائشہ برتر ہیں، جب کہ تیسری جہت سے حضرت خاتونِ جنت کی شان اعلیٰ ہے)۔ بہتر ہے کہ اِس مسئلے میں بحث نہ کی جائے۔ (مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث: 5724)

علما نے لکھا: ربِّ کریم نے علم وفقاہت، اخلاق وخِلقت اور ذکاوت وذہانت میں جو شان سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرمائی ہے وہ اوّلین وآخرین میں کسی بھی خاتون کو نصیب نہیں ہوئی۔[1]

مُفتیٔ چار ملت: نبیِ کریم ﷺ کے وصالِ اقدس کے بعد جلیل القدر صحابۂ کرام علیہم الرضوان دینی مسائل میں سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راہ نمائی لیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ چاروں خلفائے راشدین کے ادوار میں جاری رہا۔

سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حَدِيْثٌ قَطُّ، فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا۔ یعنی ہم اصحابِ رسول ﷺ کو جب بھی کسی حدیث (ومسئلہ) کے حوالے سے مشکل پیش آتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کرنے پر ہمیں ضرور معلومات حاصل ہو جاتیں۔ (جامع ترمذی، حدیث: 3883)

شمعِ تابانِ کاشانۂ اِجتہاد　　مفتیِ چار ملت پہ لاکھوں سلام

حضرت مسروق علیہ الرحمہ نے فرمایا: رَأَيْتُ مَشْيَخَةً[2] مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الْأَكَابِرِ يَسْأَلُوْنَهَا عَنِ الْفَرَائِضِ۔ یعنی مَیں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ جلیل القدر عمر رسیدہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان بھی علمِ فرائض کے بارے میں سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھتے تھے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:4، ص:1883۔ المستدرک علی الصحیحین، رقم:6736، إسنادہ صحیح)

لمحۂ فکریہ: علمِ دین میں اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثالی شان کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں اپنے گریبانوں میں بھی جھانکنا چاہیے کہ کیا ہمارا بھی علمِ دین کے حوالے سے ایسا ذوق ہے؟ خصوصًا کیا ہماری مائیں، بہنیں اور بچیاں علمِ دین کے زیور سے آراستہ ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ ہم نے اپنے روشن مستقبل کی بنیاد نہیں رکھی؛ کیونکہ دُنیا وآخرت کی بھلائی دین سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے میں ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنا رویّہ تبدیل کرنا چاہیے، خود بھی علمِ دین حاصل کریں اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنی خواتین کو بھی اِس کے مواقع فراہم کریں۔

طریقۂ تعلیم: یاد رہے کہ پیاری امی جان رضی اللہ عنہا کی سیرت سے جہاں علمِ دین حاصل کرنے کا درس ملتا ہے وہیں مخلوط نظامِ تعلیم (Co-education system) کی بھی نفی ہوتی ہے؛ کیونکہ آپ کا طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ پوچھنے والا حجرۂ مُقدّسہ کے باہَر کھڑے ہو کر پوچھتا اور آپ حجرہ کے اندر پردے کے پیچھے سے جواب عنایت فرمایا کرتی تھیں، باوجودیکہ آپ مسلمانوں کی ماں ہیں۔[3]

---

[1] مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث: 5724، 6194

[2] اِس لفظ کو مَشْيَخَة اور مَشِيْخَة... دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ (فتح الباری لابن حجر، ج:10، ص:185، دار المعرفہ، بیروت)

[3] باری تعالیٰ نے الاحزاب 33:53 میں اِسی بات کا حکم فرمایا اور متعدّد راویوں نے آپ سے روایت کرتے ہوئے مِنْ وَرَاءِ الْحِجَاب (پردے کے پیچھے) کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ دیکھیے: صحیح بخاری، احادیث: 4827، 5566۔ مسند احمد، حدیث: 26144۔ السنن الکبریٰ للنسائی: 8443۔ الطبقات الکبریٰ: 6/294

حیائے سیدتنا خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا

اولاد کی سیرت واوصاف میں (زیادہ تر) والدین کے اخلاق وکردار کا اثر ہوتا ہے۔ اِس بات کی قرآن وسنت سے بھی تائید ہوتی ہے اور یہ روزمرہ کا مشاہدہ بھی ہے۔

سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی شہزادی، خاتونِ جنّت سیدتنا فاطمہ زہرا سلامُ اللہِ تعالٰی علٰی أبیہا وعلیہا کی پاکیزہ سیرت کا اِس بات سے ہی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے بابا امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی والدہ سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وہ ہستی ہیں جن کی طرف سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام کے ذریعے خود خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے سلام بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری، حدیث:3820)

خونِ خَیْرُ الرُّسُل سے ہے جن کا خمیر
اُن کی بے لَوث طِینت پہ لاکھوں سلام[1]

اُس بتولِ جگر پارۂ مصطفٰی
حَجلہ آرائے عِفّت پہ لاکھوں سلام[2]

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ ومہر نے
اُس رِدائے نَزاہَت پہ لاکھوں سلام[3]

سیّدہ زاہرہ طیّبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تعالٰی وَجْہَہٗ نے آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا: كَانَتْ مِنْ أَحَبِّ أَهْلِهٖ إِلَيْهِ۔ یعنی سرکارِ دوعالَم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہلِ خانہ میں سب سے زیادہ پیار اپنی شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے ساتھ تھا۔

مزید فرمایا: إِنَّهَا جَرَّتْ بِالرَّحٰى حَتّٰى أَثَّرَ فِيْ يَدِهَا، وَاسْتَقَتْ بِالْقِرْبَةِ حَتّٰى أَثَّرَ فِيْ نَحْرِهَا، وَكَنَسَتِ الْبَيْتَ حَتّٰى

---

[1] خَمِیر: اصل۔ جن کا مادۂ پیدائش خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ مقدّس ہے اُن کی پاکیزہ وبے عیب فطرت اور عادات پر لاکھوں سلام ہوں!

[2] بَتُول: پارسا وپاک دامن / خاتونِ جنّت کا لقب۔ حَجَلہ: مُسہری / پالکی۔ آراء: سنوارنے والا۔ یعنی مصطفٰی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت بتول رضی اللہ عنہا پر لاکھوں سلام، جنھوں نے عفّت وپاک دامنی کی چادر کو زینت بخشی ہے۔

[3] آنچل: دوپٹے کا کنارا۔ رِداء: چادر۔ نَزَاہَت: پاکیزگی۔ یعنی خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا پر لاکھوں سلام، جو ایسی پردہ دار تھیں کہ سورج اور چاند نے بھی اُن کا آنچل نہیں دیکھا۔

اغْبَرَّتْ ثِيَابُهَا۔ وہ (آٹا وغیرہ پیسنے کے لیے) چکی چلاتی تھیں، جس سے اُن کے ہاتھ پر نشانات (چھالے) پڑ گئے تھے... پانی کی مشک بھر کر خود اُٹھالاتیں، جس کا اثر اُن کے جسم (گردن / سینے) پر ہوا... اور گھر کی صفائی کرتیں جس سے کپڑے غبار آلود ہو جاتے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے تو مَیں نے خاتونِ جنت سے کہا: اگر آپ اپنے باباجان صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر ایک خادم عنایت کرنے کی درخواست کریں تو بہتر ہو گا۔ وہ حاضرِ بارگاہ ہوئیں، دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ بیٹھ کر گفتگو کر رہے ہیں، چنانچہ وہ (حیا کی وجہ سے) بات نہ کر سکیں اور اپنے گھر واپس آ گئیں۔ (ہمارے ہاں خواتین کا بَن سنور کر غیر مَحرم مہمانوں یا دیگر افراد کے سامنے آنا معمول کی بات ہے۔ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت میں کیسا حسین سبق ہے کہ پردے میں ہونے کے باوجود نامَحرم صحابہ کی موجودگی میں اپنے باباجان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بات نہ کر سکیں)

دوسرے روز امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی شہزادی کے ہاں رونق افروز ہوئے اور فرمایا: مَا كَانَ حَاجَتُكِ؟ "بیٹی! (کل آپ آئی تھیں، مگر بات نہیں کر سکیں) کیا کام تھا؟" (حیا کی وجہ سے) خاتونِ جنّت خاموش رہیں۔ (اپنے ناز نخرے پورے کرنے کے لیے والدین کو بے جا مشقّت میں ڈالنے والے غور کریں! خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سخت مشقّت برداشت کرتیں، اِس کے باوجود حیا نے اُنھیں اپنے پیارے باباجان صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور دُنیاوی چیز کا سوال نہیں کرنے دیا)

سیدنا علیِ مرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ نے فرمایا: مَیں نے کہا: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! مَیں آپ کو عرض کرتا ہوں... گھر کے تمام کام یہ خود کرتی ہیں، جب آپ کے پاس خادم آئے تو مَیں نے اِن سے کہا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی باندی کی درخواست کریں؛ تاکہ اِن کی مشقّت کم ہو جائے۔[1]

میری بات سن کر سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی محترمہ کو نصیحت فرمائی: اِتَّقِي اللهَ يَا فَاطِمَةُ! وَأَدِّي فَرِيضَةَ رَبِّكِ! وَاعْمَلِي عَمَلَ أَهْلِكِ! "اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو! اپنے ربّ کے فرائض پورے کرتی رہو! اور اپنے گھر والوں کا کام کرتی رہو۔"

(یہ حسین جملے والدین کو سکھاتے ہیں کہ اُنھیں اپنی بچیوں کو اُن کے سسرال میں بھیجتے ہوئے شوہر کی خدمت اور گھر کے کام کاج خوب محنت اور سلیقے سے کرنے کی نصیحت کرنی چاہیے۔ افسوس کہ ہمارے معاشرے میں عموماً کچھ اور ہی ذہن دے کر بھیجا جاتا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: فَإِذَا أَخَذْتِ مَضْجَعَكِ فَسَبِّحِي ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ وَاحْمَدِي ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ وَ كَبِّرِي أَرْبَعًا وَّثَلَاثِينَ فَتِلْكَ مِائَةٌ، فَهِيَ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ خَادِمٍ۔ "بیٹی! جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو 33 مرتبہ سُبْحٰنَ اللہ، 33 بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور

---

[1] جَرَّتْ بِالرَّحٰى حَتّٰى أَثَّرَتْ فِي يَدِهَا، وَحَمَلَتْ بِالْقِرْبَةِ حَتّٰى أَثَّرَتْ فِي نَحْرِهَا، فَلَمَّا أَنْ جَاءَكَ الْخَدَمُ أَمَرْتُهَا أَنْ تَأْتِيَكَ فَتَسْتَخْدِمَكَ خَادِمًا يَقِيهَا حَرَّ مَا هِيَ فِيهِ۔

34 دفعہ اللہُ أکبَر پڑھ لیا کرو! یہ سو کلمات ہیں، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہیں۔" (اِن کلمات کے خادم سے بہتر ہونے کی وضاحت آیتِ کریمہ سے ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۔ "مال اور بیٹے دُنیا کی زندگی کی رونق ہیں اور باقی رہنے والی اچھی باتیں / نیک اعمال، اُن کا ثواب آپ کے ربّ کے ہاں بہتر ہے اور اُن کی اُمّید نہایت خوب ہے۔" [الکھف 46:18]

خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا نے پیارے بابا جان ﷺ کی یہ حسین نصیحت سُن کر عرض کی: رَضِيتُ عَنِ اللهِ وَعَنْ رَّسُوْلِهٖ۔ یعنی مَیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کی رِضا پر راضی ہوں۔ (قربان جائیں! قناعت کی کیسی حسین مثال ہے! ہمارے دَور میں ہر وقت حالات کا رونا رونے والوں کو اِس قناعت کا ایک ذرّہ ملے تو نہ صرف دلوں کی تمام تر بے قراری کا خاتمہ ہو، بلکہ دُنیا کے پیچھے پڑے رہنے کے بجائے آخرت کی فکر بھی نصیب ہو جائے)

(سننِ ابو داؤد: 2988۔ إسنادہٗ ضعیف لکن روی من أوجہ مختلفۃ، ورواہ البخاری فی صحیحہ برقم: 3113 ومسلم أیضا برقم: 2727)

حرفِ آخر: تربیت کی ضرورت اور ہماری حالت

اِس بات میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ "اچھی تربیت" انسان کی کردار سازی اور معاشرے کی ترقّی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ والدین کی طرف سے اولاد کے لیے سب سے اچھا تحفہ اور سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ وہ اُن کی اچھی، یعنی دینی تربیت کریں۔ بچیوں کی تربیت پر اور بھی زیادہ توجّہ ضروری ہے؛ کیونکہ اُن کی تربیت پورے خاندان پر اثر انداز ہوتی ہے۔

"اچھی تربیت" کا ایک اہم عُنصُر یہ بھی ہے کہ بچوں اور بچیوں کے دل و دماغ میں ایسی شخصیات کی محبّت و سیرت نقش کی جائے جن کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان خود خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے فرمایا ہے۔ یہی ہستیاں آئیڈیل بنائے جانے کے قابل ہیں۔

08 مارچ: یومِ خواتین (International Women's Day) کے موقع پر بے دین اور مفاد پرست لوگ طوفانِ بد تمیزی و غوغائے بے حیائی بپا کرتے ہیں، حالانکہ اِس دن کا اصل مقصد خواتین کے حقوق کا تحفّظ اور معاشرے میں اُن کے کردار کو بہتر بنانا ہے۔ "یومِ خواتین" کے مقصد کو پیشِ نظر رکھا جائے تو کردار کی بہتری کے لیے سب سے اہم یہ ہے کہ اُنھیں اُمّہات المؤمنین اور خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی سیرت سے روشناس کروایا جائے۔

ماہِ رمضان المبارک میں دو اُمّہات المؤمنین کے ایّامِ وصال ہیں: ہماری پہلی ماں سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصالِ پُر ملال 10 رمضان شریف کو ہوا... اور اُمّ المؤمنین صدّیقہ بنت صدّیق سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا 17 رمضانِ کریم کو دُنیائے فانی سے رُخصت ہوئیں۔ نیز پیکرِ حیا خاتونِ جنت سیدتنا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا وصال بھی رمضان شریف میں ہے، آپ نے تین رمضان کو گُل گشتِ جنّت کی راہ لی۔

یہ تینوں ہستیاں آیتِ کریمہ کا مصداق ہیں: اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۔

"اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی کو دُور رکھے اور تمہیں خوب ستھرا پاکیزہ رکھے۔" [الاحزاب 33:33]

امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا قادری فاضلِ بریلی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق　　بانُوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

آج کے خطبہ میں اِنہی مقدّس ہستیوں کی مبارک سیرتوں کا نور بانٹنے کے لیے اُن کا ذکرِ جمیل ہوا۔ چند اہم نکات یہ ہیں:

❖ تعلقات قائم کرنے، خصوصًا رشتے لینے اور دینے کے حوالے سے ہمیشہ پاک دامنی، اخلاق اور دیانت داری و دین داری کو ترجیح دینی چاہیے۔ مال و دَولت آنے جانے والی چیز ہے، دین و اخلاق دونوں جہان میں کام آئیں گے۔ اُمّ المؤمنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار کی وجہ سے ہی آپ کی خدمت میں پیغامِ نکاح بھیجا تھا۔

❖ خاندانی نظام اسلامی اقدار کے قریب تر ہے۔ مغربی تہذیب نہ تو مغرب والوں کے لیے سکون کا ذریعہ بن سکی ہے، نہ ہی اُس میں ہمارے لیے کسی خیر کی توقّع ہے۔

❖ اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علم و فقاہت اور اخلاق و ذہانت میں جو شان عطا ہوئی ہے وہ اوّلین و آخرین میں کسی خاتون کو نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کی سیرت سے سبق لیتے ہوئے ہمیں اپنی خواتین کو علمِ دین کے زیور سے آراستہ کرنا چاہیے۔

❖ سب سے بڑی معلّمہ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا طریقۂ تعلیم عفّت و حیا کی تربیت دیتا ہے اور مخلوط نظامِ تعلیم کی کھلی نفی کرتا ہے، آپ نہایت احترام کرنے والے غیر محرم طالبانِ علم کی ماں ہونے کے باوجود اُنھیں احادیثِ کریمہ بھی پردے کے پیچھے سے سُنایا کرتی تھیں۔

❖ اگر ہم اپنی خواتین کو شہزادیٔ رسول ﷺ، خاتونِ جنّت، سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرتِ مبارکہ سے رُوشناس کروائیں تو ہمارے گھروں کا ماحول ہی بدل جائے اور ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کا کردار بھی قابلِ رشک ہو۔

شرعی مسئلہ: بیس رکعات نمازِ تراویح ہر عاقل و بالغ مسلمان مَرد و عورت کے لیے سنتِ مؤکّدہ ہے اور تراویح کو چھوڑنے کی عادت بنانے والا گناہ گار ہے۔ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ مبارک میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں طویل قیام کی وجہ سے بعض اوقات لاٹھیوں پر ٹیک لگا کر (سہارا لے کر) بیس رکعات پوری کرتے تھے۔[1]

---

[1] عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔ قَالَ: وَكَانُوْا يَقْرَءُوْنَ بِالْمِئِيْنِ، وَكَانُوْا يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عِصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی الله عنه مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ۔ (السنن الكبرٰى للبيهقي، ج:2، ص:698، رقم:4617، دار الكتب العلمية۔ وصحّحه النوويّ في "المجموع شرح المهذب"، ج:4، ص:33، إدارة الطباعة المنيرية)

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ / 14 مارچ 2025ء

ایمان کے ثَمَرات

اور

غزواتِ بدر و فتحِ مکہ میں اُن کے مَظاہر

(مع پیغام بمناسبت ”یومِ تحفّظِ ناموسِ رسالت“)

مشمولات

- ایمان کا تعارف
- ایمان کا ثَمَرہ... اقتدار و خلافت اور غلبۂ دین
- ایمان کا ثَمَرہ... دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مدد
  - فتحِ مکہ کے ذریعے وعدۂ اقتدار و خلافت کا آغاز
  - غزوۂ بدر میں بے مثال نُصرتِ الٰہی
  - رمضان میں بلا عذر سرِعام کھانے والے کا حکم اور بچوں کو روزہ کی ترغیب
- ایمان کا ثَمَرہ... امن و اطمینان
  - غزوۂ بدر میں امن و اطمینان کی کیفیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡہَادُ۔ [المؤمن 40:51]

ایمان ربّ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ مالکِ کریم کی رِضا اور دُنیا و آخرت کی دیگر تمام بھلائیاں ایمان ہی کے ساتھ ہیں... جسے ایمان نصیب نہیں بارگاہِ الٰہی میں اُس کی رائی کے دانے برابر بھی عزت و تکریم نہیں اور سوائے عارضی دُنیاوی دَولت و آسائش کے اُس کے لیے کوئی خیر و بھلائی نہیں... تاہم جسے دولتِ ایمان عطا ہوئی خالقِ کریم کی جانب سے اُس کے لیے عزت واِکرام بھی ہے اور دُنیا و آخرت میں اِتنی سعادتوں کے وعدے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔

کسی چیز کا معیار جس قدر بلند ہو اُس کے فوائد و ثمرات بھی اُتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں اور معیار اچھا نہ ہو تو منافع کی مقدار بھی کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً دُودھ خالص ہو گا تو خوش ذائقہ بھی ہو گا، صحت بخش بھی اور قوّت افزا بھی... لیکن ملاوٹ شدہ ہو تو بجائے فائدہ مند ہونے کے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔ اِسی طرح ایمان اگر پختہ ہو تو وہ انسان کو اتنی بلندیوں تک لے جاتا ہے کہ فرشتوں سے بھی اعلیٰ کر دیتا ہے اور دُنیا و آخرت قابلِ رشک بن جاتی ہے، لیکن کمزور اور رسمی قسم کا ہو تو حالت ہمارے جیسی ہی ہوتی ہے۔

قرآنِ حکیم میں باری تعالیٰ نے ایمان پر جن سعادتوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ یقیناً برحق ہیں اور ایمان کے جو ثمرات و نتائج ذکر فرمائے ہیں بلاشبہ وہ سچے ہیں۔ اگر آج مسلمان ہونے کے باوجود ہمیں وہ ثمرات و منافع نصیب نہیں تو اِس کا مطلب ہے کہ ہمیں اپنے ایمان کو پختہ کرنے اور ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے کی ضرورت ہے۔

رمضان کریم ایمان کی ترقّی اور دینی جذبات کو پختہ کرنے کا مہینہ ہے۔ رحمتِ الٰہی جوبَن پر ہوتی ہے اور ماحول نورانی ہوتا ہے۔ انسان خود کو سنوارنا چاہے اور اپنے ایمان کو پختہ کرنا چاہے تو اِس مہینے کے اندر وہ بہت جلد اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ماہِ پُرنور میں ایسے متعدّد واقعات رونما ہوئے ہیں جن کا تذکرہ ایمان کو جِلا و تازگی عطا کرتا ہے۔ ہجرتِ نبویہ کے دوسرے سال 17 رمضان المبارک کو اسلام اور کفر کی پہلی بڑی جنگ ہوئی، جسے غزوۂ بدر کہا جاتا ہے اور ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک کے دوسرے عشرے میں[1] مکّہ مکرمہ فتح ہوا، جس کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ اِن دونوں غزوات میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے بے مثال انداز سے ایمانی جذبات کا مظاہرہ کیا، پھر باری تعالیٰ نے بھی اُنھیں ایمان کے ثمرات سے یوں نوازا کہ اُن کے ذکر سے قیامت تک کے مسلمانوں کو ایمان کی پختگی اور عملِ صالح میں ترقّی کا جذبہ نصیب ہوتا رہے گا۔

چنانچہ آج ایمان کے ثمرات اور غزواتِ بدر و فتحِ مکہ میں اُن کے مَظاہر سے متعلق گفتگو ہو گی۔

---

[1] یومِ فتح سے متعلق روایات مختلف ہیں، 20 رمضان المبارک کا یومِ فتحِ مکہ ہونا مشہور ہے۔

ایمان کا تعارف

ایمان کے فوائد و ثمرات سے متعلق گفتگو سے پہلے ایمان کا تعارف ضروری ہے؛ تاکہ کوئی غلط فہمی ہو تو وہ بھی دُور ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو کہ کن اوصاف کو پختہ کرنے سے ایمانی ترقّی نصیب ہو گی۔

"ایمان" تمام "ضروریاتِ دین" پر سو فیصد پختہ یقین کا نام ہے۔ یعنی وہ بنیادی اسلامی عقائد جو قرآن و سنت کے قطعی دلائل سے صراحت کے ساتھ ثابت ہیں اور ہر خاص و عام پر واضح ہیں، اُن میں سے ہر ایک کو سچے دل سے، پختہ اعتقاد کے ساتھ ماننا۔

ضروریاتِ دین میں چھ باتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

1) **ایمان باللہ:** یعنی یہ پختہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ واحد و تنہا ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں، نہ اُس کی ذات میں، نہ اُس کی صفات میں، نہ اُس کے اسما (ناموں) میں، نہ اُس کی سلطنت میں اور نہ ہی اُس کے افعال و احکام میں... وہ کسی کا محتاج نہیں، مگر تمام جہان اُس کا محتاج ہے... وہ تنہا معبود ہے، اُس کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں... صرف وہی واجب الوجود ہے، باقی سب اپنے وُجود میں اُس کے محتاج ہیں... وہ مخلوق کے اوصاف: جسم اور اعضا و جوارح وغیرہ سے پاک ہے۔

2) **ایمان بالرُّسُل:** یعنی دل سے تسلیم کرنا کہ خالقِ کائنات نے مخلوق کی ہدایت کے لیے کچھ مَردوں کی طرف وَحی فرمائی۔ یہ حضرات معصوم ہیں، یعنی شرعی طور پر یہ ممکن ہی نہیں کہ اُن سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ یہ تمام مخلوق سے زیادہ عزت والے ہیں۔ بُرے اخلاق، جھوٹ اور ہر عیب و قابلِ نفرت چیز سے پاک ہیں۔ اِن کو "انبیا" کہا جاتا ہے اور اِن کا سلسلہ ہمارے آقا کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔

3) **ایمان بالکُتُب:** یعنی اِس بات میں شک نہ کرنا کہ رب تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام پر متعدِّد صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں، جن میں سے چار کتابیں مشہور ہیں: تورات، زَبور، اِنجیل اور قرآنِ کریم۔ یہ تمام کتابیں برحق ہیں، مگر پہلی کتابوں کو اُمّتیں محفوظ نہ رکھ سکیں، اُن میں تبدیلیاں ہو چکی ہیں، البتہ آخری کتاب: قرآنِ حکیم ہر طرح کی تبدیلی سے مکمّل طور پر محفوظ ہے۔

4) **ایمان بالملائکۃ:** یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے نور سے ایک مخلوق پیدا فرمائی ہے، اِنھیں "فرشتہ" کہتے ہیں۔ یہ بہت معزّز اور معصوم بندے ہیں۔ نہ مَرد ہیں نہ ہی عورتیں۔ اِن کے ذمّے مختلف اُمور ہوتے ہیں اور اِنھیں عالی شان قوّت عطا ہوئی ہے۔

5) **ایمان بالقَدر:** یعنی صدقِ دل سے ماننا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے اپنے علم و حکمت کے مطابق قیامت تک ہونے والے ہر معاملے کا فیصلہ کر کے اُسے لوحِ محفوظ میں لکھوا دیا ہے۔

6) **ایمان بالآخِرت:** یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ موت کے بعد ایک دن جسموں میں دوبارہ روحیں ڈال کر اُٹھایا جائے گا اور حشر ہو گا، پھر اعمال کا وزن ہو گا، حساب لیا جائے گا، پُل صراط سے گزرنا ہو گا اور آخری ٹھکانا رحمتِ الٰہی سے جنت یا اعمال کی سزا میں جہنم ہو گا۔

اِن اُمور پر یقین جتنا پختہ ہو گا ایمان بھی اُتنا ہی زیادہ قوی ہو گا اور اُس کے ثمرات بھی اُسی قدر زیادہ نصیب ہوں گے۔

ایمان کا ثمرہ... دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مدد

ایمان پر جن ثمرات و فوائد کا وعدہ فرمایا گیا ہے اُن میں سے ایک اہم یہ بھی ہے کہ خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ دُنیا و آخرت میں صاحبانِ ایمان کی نُصرت و مدد فرماتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ۔ ”بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی ضرور مدد فرمائیں گے... دنیا کی زندگی میں (بھی) اور اُس (قیامت کے) دن (بھی) جس دن وہ گواہ کھڑے ہوں گے۔“ [المؤمن 40:51] یعنی ربِّ کریم رسولوں اور اُن پر ایمان لانے والوں کو قوی دلائل عطا کرتا ہے... دین کو اور دین والوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے، وقتی طور پر مشکلات بھی آئیں تو بالآخر ایمان والے ہی سربلند ہوتے ہیں... مالکِ کریم رُسُلِ کرام اور اُن کے غلاموں کے آثار کو اُن کے وصال کے بعد بھی باقی رکھتا ہے، یوں خیر میں اُن کی پیروی جاری رہتی ہے... قادرِ مطلق مسلمانوں کے دشمنوں سے اپنی قدرت کے ساتھ انتقام لیتا ہے... اور روزِ قیامت بھی مسلمانوں کو نُصرت و عزّت سے نوازے گا۔ (خزائن العرفان و تبیان القرآن، ملخصًا)

ایک طرح کی مدد تو ہر مسلمان کو نصیب ہوتی ہے اور ایمان پختہ ہوتا چلا جائے تو مالکِ کریم کی مدد میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر اگر ایمان اہلِ بدر کا ہو تو نُصرتِ الٰہی کا اظہار بھی ایسے بے مثال انداز سے ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات نے سیدنا جبریل علیہ السلام سمیت پانچ ہزار فرشتے نازل فرمائے[1] اور بے سروسامان مسلمانوں کو اسلحہ سے لَیس بڑی فوج کے مقابلے میں شان دار فتح عطا فرمائی۔

غزوۂ بدر میں عطا ہونے والی مدد آنکھوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ فرشتوں کو دیکھ کر شیطان کے میدان سے بھاگنے کا ذکر قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔[2] اِسی طرح صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے بھی اپنی آنکھوں سے مدد کے کئی مَظاہر دیکھے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بدر کے روز ایک صحابی رضی اللہ عنہ کافر کا پیچھا کرتے ہوئے دوڑ رہے تھے، اچانک اُوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سُنی اور کوئی گھڑ سوار (گھوڑے کو دوڑانے کے لیے) کہہ رہا تھا: أَقْدِمْ حَیْزُوْمُ! ”حیزوم، آگے بڑھو!“ (حیزوم فرشتے کے گھوڑے کا نام ہے)۔ پھر یک دم اُس صحابی کی نظر پڑی کہ وہ کافر مَرکرِ چت گرا پڑا تھا، اُس کی ناک پر کوڑے کی چوٹ تھی، منہ پھٹا ہوا تھا اور پورے جسم کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا۔ (وہ صحابی حیران تھے کہ مَرا ہوا نظر آرہا ہے، مگر مارنے والا دکھائی نہیں دیتا) اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَّدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ۔ ”تم نے سچ کہا، (بدر میں مختلف آسمانوں کے فرشتے آئے ہوئے تھے، جو تم نے دیکھا) یہ تیسرے آسمان کی مدد سے ہے۔“ (صحیح مسلم: 1763)

---

[1] اٰلِ عمران 3:125۔ فرشتوں کی مدد سے متعلق حیران کُن مصدقّہ روایات پڑھنے کے لیے دیکھیے: تبیان القرآن، ج:4، ص:558 تا 561

[2] الانفال 8:48

ایمان کا ثمرہ... امن واطمینان

ایمان واسلام پر جو انعامات عطا ہوتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ربِّ کریم صاحبانِ ایمان کو دُنیا وآخرت میں امن واطمینان عطا فرماتا ہے اور اُن کے دشمنوں / بدخواہوں کے دلوں میں اُن کا رُعب وخوف ڈال دیتا ہے۔

ارشاد ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم / شرک کے ساتھ نہیں ملایا، اِنہی کے لیے امن وامان / بے خوفی ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔“ [الانعام6:82] یعنی ایسے مخلص مسلمان دُنیا میں بھی بے خوف رہتے ہیں اور مصیبت آئے تو بھی دل پُر سکون ہوتا ہے... قبر میں بھی امان عطا ہوگی اور عذاب و گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے... آخرت میں بھی امن نصیب ہوگا اور جہنم سے نَجات پائیں گے۔ (ماخوذ از نور العرفان)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے وہ خصائص بیان فرمائے جو اوّلین وآخرین میں کسی اور کو عطا نہیں ہوئے۔ اُن کے تذکرہ میں یہ بھی فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ۔ یعنی ”اللہ تعالیٰ نے میری اِس طرح مدد فرمائی ہے کہ وہ میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رُعب ودبدبہ ڈال دیتا ہے۔“ (صحیح بخاری، حدیث:438)

ظاہر ہے کہ یہ انعام بھی ایمان کی قوّت وترقّی کے مطابق ہوگا۔ ایمان جس قدر پختہ ہوگا اطمینان وقرار اور دشمنوں کے دلوں میں رُعب بھی اُسی قدر ہوگا اور خدانخواستہ ایمان کمزور ہو تو صورتِ حال ویسی ہوتی ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ اہلِ بدر کا ایمان بے نظیر تھا تو باری تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو سکینہ واطمینان بھی بے مثال عطا فرمایا:

- بدر پہنچنے سے پہلے ایسے بے خوف تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشورہ طلب فرمایا تو عرض کی: آقا! آپ جدھر کو چاہیں قدم بڑھائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کو حق کے ساتھ بھیجنے والے ربّ کی قسم! اگر آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کُود جائیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ (دلائل النبوّۃ للبیہقی، ج:3، ص:34، دار الکتب العلمیۃ۔ سیرتِ ابنِ ہشام، ج:1، ص:615)
- میدان میں پہنچے تو ایسے مطمئن تھے کہ جمعہ کو جنگ ہونا تھی، اُس سے پچھلی شب تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان نہایت پُر سکون نیند کے ساتھ سوئے اور صبح اُٹھے تو جہاد کے لیے بالکل تازہ دم تھے۔ اِس پُر سکون نیند کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں بھی فرمایا گیا ہے۔[1]
- جنگ شروع ہوئی تو دلوں کو ایسا قرار تھا کہ بڑے تو بڑے رہے بچوں کی جواں مَردی کی بھی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ کفار کے سَرغنے ابوجہل کو اُس کی فوج کے نَرغے میں گُھس کر مارنے والے کوئی اُدھیڑ عمر تجربہ کار جنگجو نہیں تھے، بلکہ دو نَو عمر تھے: ایک کا نام سیدنا مُعَوَّذ اور دوسرے کا سیدنا مُعاذ ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (صحیح بخاری، حدیث:3141)

---

[1] اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ۔ ”یاد کرو! جب اللہ نے اپنی طرف سے تمہاری تسکین کے لیے تم پر غنودگی طاری کر دی۔“ [الانفال8:11]

دوسری طرف کفار کے دلوں پر خالقِ کائنات نے ایسا رُعب طاری کیا کہ جو مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنا کر اِتراتے ہوئے میدان میں آئے تھے اور اُنھیں اپنی طاقت پر ناز تھا... جب جنگ شروع ہوئی تو کچھ ہی وقت میں اُن کے نام وَر جنگجو مارے گئے اور وہ میدان چھوڑ کر اِس طرح بھاگنے لگے کہ نہ اپنے قتل ہونے والے سرداروں کی لاشوں کی پرواہ تھی، نہ ہی اپنے جنگی سامان کی فکر تھی... اپنی اپنی جان بچانے کے لیے ہر شخص سرپَٹ دَوڑ رہا تھا اور مسلمان اُنھیں گرفتار کر کے جنگی قیدی بنا رہے تھے۔

اِس انعام کا ذکر کرتے ہوئے خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ ”اے حبیب، یاد کیجیے! جب آپ کے ربّ نے فرشتوں کو وحی فرمائی کہ مَیں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو، عن قریب مَیں کافروں کے دلوں میں رُعب / ہیبت ڈال دوں گا تو تم کافروں کی گردنوں کے اُوپر مارو! اور ان کے ایک ایک جوڑ پر ضَربیں لگاؤ!“[الانفال 12:8]

یہ بھگوڑے مکۂ مکرّمہ میں واپس پہنچ کر لوگوں کو فرشتوں کے بارے میں بتاتے: ہمیں چِتکبرے گھوڑوں پر سوار گورے مَرد نظر آتے تھے، اُن کا مقابلہ کسی کے بس میں نہیں تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیں خوب قتل کیا اور جیسے چاہا قید کیا۔[1]

لمحۂ فکریہ: ربّ تعالیٰ کا وعدہ ضرور سچا ہے کہ وہ مسلمانوں کو امن و قرار سے نوازتا ہے اور اُس کے حبیبِ مکرّم ﷺ کی بشارت بھی برحق ہے کہ ”آپ ﷺ کی رُعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے“، یعنی ربِّ کریم دشمنانِ اسلام کے دلوں میں اپنی قدرت سے خوف ڈال دیتا ہے... مگر اِس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ہم اپنی نجی زندگی میں بھی امن و سکون کی دَولت سے محروم ہیں اور اجتماعی طور پر بھی اُمّتِ مسلمہ یہود و نصاریٰ کا ظلم و ستم برداشت کر رہی ہے، جب کہ مسلم حکمران کفار سے ایسے مرعوب و خوف زدہ ہیں کہ اُنھوں نے غزہ کے حوالے سے مذمّت کے علاوہ کچھ نہیں کیا، پھر ہالینڈ کے گستاخ کو لگام ڈالنے کے لیے کوئی تگڑی دھمکی تک نہیں دے سکے!

جس ربّ نے بدر میں مسلمانوں کو بے مثال مدد سے نوازا تھا اور کفّار کو مرعوب کر کے میدان سے بھگا دیا تھا نہ تو اُس کا وعدہ تبدیل ہوا ہے اور نہ ہی اُس کی قدرت میں کوئی کمی ہوئی ہے... اور جس نبیِ مکرم ﷺ کے ساتھ نسبت کی برکت سے امن و قرار عطا ہوتا تھا اُن کی وجاہت و تکریم میں بھی ہر لمحہ اِضافہ ہو رہا ہے... پھر حالات بدلنے کا مطلب ہے کہ ہمارا ایمان کمزور ہو گیا ہے اور ہمیں اپنے اندر اُس یقین کی جھلک پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو اہلِ بدر کو نصیب تھا۔ شاعرِ مشرق نے خوب کہا:

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نُصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردُوں سے قطار اندر قطار اب بھی

---

[1] فَوَاللهِ إِنْ لَقِيْنَاهُمْ فَمَنَحْنَاهُمْ أَكْتَافَنَا يَقْتُلُوْنَنَا كَيْفَ شَاءُوْا، وَيَأْسِرُوْنَنَا كَيْفَ شَاءُوْا ..... رَأَيْتُ رِجَالًا بِيْضًا عَلَى خَيْلٍ بُلْقٍ، لَا وَاللهِ مَا تَلِيْقُ شَيْئًا وَلَا يَقُوْمُ لَهَا شَيْءٌ۔ (المستدرك على الصحيحين، رقم: 5403)

ایمان کا ثمرہ... اقتدار و خلافت اور غلبۂ دین

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ زمین و آسمان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے، ہر جگہ اُسی کا حکم نافذ تھا، ہے اور رہے گا۔ وہ جسے چاہے تختِ حکومت پر بٹھاتا ہے اور جسے چاہے محکوم و تابع بنا دیتا ہے۔

قرآنِ حکیم سے یہ دُستورِ قُدرت معلوم ہوتا ہے کہ تکبّر و سرکشی کرنے والے فسادیوں کو اگر وقتی طور پر اقتدار ملے تو بھی بالآخر وہ ذلیل و رُسوا ہوتے ہیں اور ایمان لا کر انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ السَّلَام کی غلامی کرنے والوں کو عزّت و اقتدار سے نوازا جاتا ہے۔ فرعون کا اپنے تمام لشکروں سمیت غرق ہونا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے والے کمزوروں کا زمین پر اقتدار پانا اِس کی واضح مثال ہے۔

اِسی قدیم دُستور کے مطابق باری تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ اور آپ کے اصحابِ ذی شان سے فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ... ”تم میں سے ایمان والوں اور اچھے اعمال کرنے والوں سے اللہ نے وعدہ کیا“:

1) لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ... ”ضرور بالضرور (اللہ کریم) اُنھیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح سے اُن سے پہلوں کو خلافت عطا کی تھی۔۔۔“

2) وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ... ”یقیناً یقیناً (ربّ تعالیٰ) اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مستحکم و مضبوط فرما دے گا جو ربّ نے اُن کے لیے پسند فرمایا ہے (دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرما دے گا)۔۔۔“

3) وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا... ”اور بلاشبہ ضرور اُن کے پہلے خوف کو امن میں تبدیل فرما دے گا۔“ [النور 24:55]

خالقِ کائنات کے اِس سچے وعدے کی تکمیل سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں ہوئی، جب اسلام کا جھنڈا پوری دُنیا پر لہرایا، عالمی طاقتیں (Superpowers) مسلمانوں کے سامنے ڈھیر ہوئیں اور مسلمانوں کو اپنے خالقِ کریم کے علاوہ کسی بھی طاقت کا ڈر خوف نہیں رہا... تاہم وعدہ کیے گئے اِس اقتدار و غلبہ کا ابتدائی ظہور ہجرت کے آٹھویں سال رمضانِ کریم میں ہوا، جب مسلمان ایسی فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کہ کسی کو بھی راستہ روکنے کی جرأت نہیں تھی۔ وہ کافر جنھوں نے گزشتہ تقریباً بیس سال سے سرورِ عالَم ﷺ اور آپ کے اصحابِ ذی شان علیہم الرضوان کو ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، وہ آج آپ ﷺ کی بارگاہ میں مِنّت سماجت کے ساتھ امان و معافی کی درخواستیں پیش کر رہے تھے۔

10 رمضان المبارک، 8ھ / یکم جنوری 630ء کو رسول اللہ ﷺ تقریباً 10,000 جاں نثار صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ہمراہ مدینہ منوّرہ سے روانہ ہوئے۔ اِس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ اہلِ مکہ نے حدیبیہ میں ہونے والے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ چنانچہ اُنھیں یہ خدشہ تو تھا کہ مسلمان اُن پر حملہ آور ہوں گے، مگر اُنھیں کسی بھی طرح سے یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ اتنا بڑا لشکر ہماری طرف روانہ ہو چکا

ہے۔ اُنھوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ آپ ﷺ نے مَرُّ الظَّهْرَان کے مقام پر پڑاؤ فرمایا تو صحابہ کرام کو آگ روشن کرنے کا حکم دیا؛ تاکہ اہلِ مکہ کے نمائندوں کو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ ہو۔ جب نمائندے پہنچے تو اُنھوں نے یہ حیران کُن منظر دیکھا کہ تاحدِّ نگاہ خیمے نصب ہیں اور ہر خیمے کے پاس آگ روشن ہے۔[1] پھر جب لشکرِ اسلام روانہ ہوا تو سرورِ عالَم ﷺ نے خوب تیار ہو کر طاقت کا مظاہرہ کرنے کا حکم فرمایا، اہلِ مکہ کے نمائندوں نے یہ منظر بھی دیکھا اور ہکّے بکّے رہ گئے۔ یوں ہی اُنھوں نے صحابہ کرام کے نماز پڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرنے کے دل کَش مناظر دیکھے۔ اِن نمائندوں میں "ابوسفیان" بھی شامل تھے۔ اُنھوں نے واپس لَوٹنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا۔ جب وہ مکہ مکرمہ واپس پہنچے تو اعلان کیا: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، وَيْحَكُمْ! إِنَّهُ قَدْ جَاءَ مَا لَا قِبَلَ لَكُمْ بِهِ! هٰذَا مُحَمَّدٌ فِي عَشَرَةِ آلَافٍ عَلَيْهِمُ الْحَدِيدُ، فَأَسْلِمُوا! یعنی اے قریش! تمہارے پاس اتنی بڑی فوج پہنچ چکی ہے کہ تم کسی بھی صورت میں اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے دس ہزار جاں نثار صحابہ کے ساتھ رونق افروز ہو چکے ہیں اور وہ اسلحہ سے لَیس ہیں۔ جان بچانا چاہتے ہو تو فوری طور پر اسلام قبول کر لو! (المغازی للواقدی، ج:2، ص:823)

سرورِ عالَم ﷺ مکہ مکرّمہ میں پہنچے تو جو بھی شخص لشکرِ اسلام کو دیکھتا اُس کے ہوش اُڑ جاتے، لوگوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ عام کروایا: مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ۔ یعنی "جو ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں چلا جائے اُس کے لیے امان ہے، جو اسلحہ پھینک دے (Surrender کرے) اُسے بھی امن ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی بے خوف ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث:1780)

اب منظر یہ تھا کہ اہلِ مکہ اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے اور اسلحہ پھینک کر امان کی درخواست کر رہے ہیں۔ مکہ مکرمہ کے چاروں اطراف اور ہر بازار سے امام الانبیا ﷺ کے وفا شعار مُسَلَّح صحابہ کرام علیہم الرضوان داخل ہو رہے ہیں... نبیِ کریم ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے پورا مکہ اُمڈ آیا ہے... گلیاں، بازار، مکانوں کے دریچے، چھتیں اور قریبی پہاڑیوں کی چوٹیاں شائقینِ زیارت سے بھری ہوئی ہیں۔ دوسری طرف نبیِ کریم ﷺ کی دُنیاوی شان و شوکت سے بے نیازی کا عالَم یہ ہے کہ اپنی اُونٹنی قَصْواء پر جلوہ گر ہیں، سرِ انور پر سیاہ عمامہ شریف سجایا ہوا ہے، اپنے پیچھے اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید کے بیٹے سیدنا اُسامہ رضی اللہ عنہما کو بٹھایا ہوا ہے، بارگاہِ الٰہی میں عاجزی کے لیے گردن مبارک جھکائی ہوئی ہے، حتّٰی کہ پیشانی مبارک کجاوے کی سامنے والی لکڑی کو چھو رہی ہے۔ زبانِ اقدس پر یہ حسین کلمات بھی جاری ہوئے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ... "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اُسی نے تمام دشمن لشکروں کو شکست دی۔"

(سنن ابن ماجہ، حدیث:2628۔ مسند احمد، حدیث:15388)

---

[1] فَلَمَّا نَزَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَرَّ الظَّهْرَانِ عِشَاءً أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُوقِدُوا النِّيرَانَ، فَأَوْقَدُوا عَشَرَةَ آلَافِ نَارٍ۔ (المغازی للواقدی:814/2)

حرفِ آخر: ایمان کی صَلابَت اور یومِ تحفّظِ ناموسِ رسالت

دولتِ ایمان وہ سعادت ہے جس پر خالقِ کائنات نے دُنیا و آخرت کی بے شمار بھلائیوں کا وعدہ فرمایا ہے؛ اِسی لیے قرآن و سنت کی تربیت کے مطابق بزرگانِ دین سب سے زیادہ اہتمام اِسی دُعا کا کیا کرتے تھے کہ خداوندا! دُنیا سے جاتے ہوئے ہمارا ایمان سلامت رکھنا!

ایمان جس قدر پختہ ہو اُس کے ثمرات و منافع بھی اُتنے ہی زیادہ نصیب ہوتے ہیں۔ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے ایمانی تقاضوں کو اعلیٰ انداز میں پورا کیا تو ربّ تعالیٰ نے بھی اپنے وعدوں کی نرالی شان کے ساتھ تکمیل فرمائی۔ یقیناً مالکِ کریم کے وعدے آج بھی سچے ہیں اور اُس کی قدرت میں آج بھی کسی طرح سے کوئی کمی نہیں ہوئی... کوتاہی ہماری ہی طرف سے ہے کہ ہم نے ایمانی تقاضوں کو پورا نہیں کیا تو نجی زندگی کے حقیقی لُطف سے بھی محروم ہیں اور اُمّت کی اجتماعی صورتِ حال بھی ناگفتہ بہ ہے۔

"ایمان" تمام "ضروریاتِ دین" پر سو فیصد پختہ یقین کا نام ہے۔ یعنی وہ بنیادی اسلامی عقائد جو قرآن و سنت کے قطعی دلائل سے صراحت کے ساتھ ثابت ہیں اور ہر خاص و عام پر واضح ہیں، اُن میں سے ہر ایک کو سچے دل سے، پختہ اعتقاد کے ساتھ ماننا۔

آج کے خطبہ میں ایمان کے فقط تین ثمرات و فوائد کا تذکرہ کیا گیا ہے (اللہ کریم نے چاہا تو آئندہ خطبۂ جمعہ میں اِس حوالے سے مزید گفتگو کی جائے گی):

1) ربّ تعالیٰ ایمان والوں کی دُنیا و آخرت میں مدد فرماتا ہے۔
2) خالقِ کائنات صاحبانِ ایمان کو دُنیا و آخرت میں امن و اطمینان عطا فرماتا ہے اور اُن کے دشمنوں / بدخواہوں کے دلوں میں اُن کا رُعب و خوف ڈال دیتا ہے۔
3) مالکِ کریم مسلمانوں کو زمین میں اقتدار و غلبہ عطا فرماتا ہے اور فسادیوں کو وقتی طور پر حکومت مل بھی جائے تو اُن کا انجام ذلّت و رُسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

اگر ہم ماہِ رمضانِ کریم میں ہونے والے دو غزواتِ مبارکہ: غزوۂ بدر اور غزوۂ فتحِ مکہ کی تاریخ پڑھیں تو تینوں ثمرات کا مثالی مظاہرہ نظر آتا ہے۔ دونوں مواقع پر نُصرتِ الٰہی یوں عطا ہوئی کہ کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور مسلمان شان دار کامیابی سے ہم کنار ہوئے... دونوں غزوات میں سخت حالات کے باوجود صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو ایسا امن و قرار میسّر تھا جو عام شخص کو معمول کے حالات میں بھی نہیں ملتا، دوسری طرف دشمنانِ اسلام مرعوب و خوف زدہ ہو کر مسلمانوں کے سامنے بے بَس نظر آتے تھے... اور مالکِ کریم نے اِن دونوں مراحل میں دین اور دین والوں کو ایسا غلبہ عطا فرمایا جو بعد میں پوری دُنیا پر مسلمانوں کی حکومت کا ذریعہ بنا۔

اگر آج ہم بھی ایمانی تقاضوں کو پورا کریں تو یقیناً رحمتِ الٰہی سے یہ ثمرات ہمیں بھی نصیب ہوں گے۔

آخر میں ایک اور اہم بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں خوف، تعصّب اور منفی جذبات پھیلانے کا سلسلہ شروع سے جاری ہے اور موجودہ دَور میں یہ سازش جدید ذرائع کے ساتھ ہو رہی ہے۔ آئے روز سرورِ عالَم ﷺ کی شانِ رفیع میں گستاخی اور قرآنِ مجید کی توہین اِسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

چند سالوں سے 15 مارچ کو "اسلاموفوبیا سے نمٹنے کا عالَمی دن / International Day to Combat Islamophobia" منایا جاتا ہے۔ اِس سال حکومتِ پاکستان نے یہ دن بطور "یومِ تحفّظِ ناموسِ رسالت" منانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اقدام لائقِ تحسین ہے؛ کیونکہ ناموسِ رسالت کے حوالے سے عوام میں شعور و آگہی کا اضافہ بے حد ضروری ہے، تاہم اِس موقع پر محض رسمی سیمینارز وغیرہ کافی نہیں؛ اِس لیے کہ یہ رویّہ سیاسی کاموں کے لیے اپنایا جاتا ہے، جب کہ تحفّظِ ناموسِ رسالت ایمانی تقاضا ہے اور اِس بارے میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے بغیر نہ تو بندہ مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایمان سلامت رہتا ہے۔

حکومت کو چاہیے کہ شایانِ شان طریقے سے یہ دن منانے کے ساتھ ساتھ عملی اقدامات بھی کرے۔ چنانچہ:

- گستاخِ رسول کے سدِّباب کے لیے دیگر اسلامی ممالک کے تعاوُن سے عالَمی سطح پر قانون سازی کروائی جائے۔
- اجتماعی طور پر گستاخانِ رسول کو چھوٹ دینے والے ممالک کو سخت سفارتی پیغام دیا جائے اور اُن کا معاشی بائیکاٹ کرتے ہوئے یہ باور کروایا جائے کہ امن کے لیے ناموسِ رسالت کا تحفّظ بے حد ضروری ہے۔
- جن مجرموں کی گستاخی ثابت ہو چکی ہے اور پاکستانی کورٹس نے اُنھیں پھانسی کی سزا سنا رکھی ہے فوری طور پر اُنھیں پھانسی کے پھندے پر لٹکا کر نشانِ عبرت بنایا جائے اور جو مقدّمات زیرِ سماعت ہیں اُن کا ٹرائل تیز رفتاری سے کیا جائے۔
- سوشل میڈیا پر گستاخانہ مواد کو روکنے کے لیے سخت ترین قوانین نافذ کیے جائیں اور پی۔ٹی۔اے۔ کے ذریعے ایسے مواد کو فوری طور پر بلاک کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

کچھ عرصہ قبل کہا گیا تھا کہ سوشل میڈیا پر چیک رکھنے کے لیے اربوں روپے خرچ کر کے "فائروال" (سکیورٹی سسٹم) قائم کی گئی ہے، اب کوئی اسلام دشمن یا وطن دشمن آڈیو / وڈیو پوسٹ پبلک نہیں کی جا سکے گی، لیکن اس کے مثبت نتائج نظر نہیں آ رہے۔ مسلمان کی نظر میں دینی مقدّسات کی حُرمت جنرل / جج صاحبان کی عزت سے کروڑوں درجے زیادہ ہے، مگر حکومت اِسے اہمیت نہیں دے رہی۔ تحفّظِ ناموسِ رسالت کے لیے عملی اقدامات ایمانی تقاضا بھی ہیں اور حکومت کی آئینی ذمے داری بھی، اِسے نبھانا بے حد ضروری ہے۔

شرعی مسئلہ: شرعی عذر نہ ہو تو بالغ مسلمان پر رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں اور کوئی شخص رمضان المبارک میں سرِعام کھائے پیے تو حاکمِ اسلام کو حکم ہے کہ اُسے بطورِ سزا قتل کروا دے۔ بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اُسے بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا، دس سال کا ہو جائے تو روزہ نہ رکھنے پر سرزنش کی جائے گی اور بالغ ہو جائے تو روزہ فرض ہو گا۔

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ / 21 مارچ 2025ء

ایمان کے ثَمَرات
اور
حیاتِ مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ
میں اُن کے مَظاہر

مشمولات

- ایمان کا ثَمَرہ... مَحبّت و مَوَدَّت
  - مولَی المسلمین رضی اللہ عنہ کی شانِ محبوبیت
- ایمان کا ثَمَرہ... حیاتِ طیّبہ
  - نماز اور قناعتِ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ
- ایمان کا ثَمَرہ... یقین و توکُّل و شُجاعت
  - شجاعت و توکّلِ حیدری
  - نقشِ خاتَمِ علَوی
- ایمان کے اُخروی ثمرات

شبینہ کا استحسان اور اُس کے جواز کی شرائط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ۔ [التغابن 64:11]

ہر نعمت ربِّ ذوالجلال جَلَّ مَجْدُہُ العزیز ہی عطا فرماتا ہے اور یہ اُس کی شانِ کرم ہے کہ وہ فقط اپنے ماننے والوں پر ہی نہیں، بلکہ اپنا انکار کرنے والوں پر بھی احسانات فرماتا ہے... تاہم "ایمان" وہ انعام ہے جو خالقِ کائنات ہر ایک پر نہیں فرماتا، بلکہ یہ احسان فقط اُن پر کرتا ہے جن سے مَحبّت فرماتا ہے۔

ایمان جس قدر پختہ ہو بارگاہِ الٰہی میں محبوبیّت و مقبولیّت اُسی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ[1] خَیْرٌ وَّأَحَبُّ إِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ، وَفِیْ کُلٍّ خَیْرٌ... "قوی مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور مومن سے بہتر ہے اور زیادہ پیارا ہے، تاہم بھلائی سب میں ہے۔۔۔" (صحیح مسلم، حدیث:2664) یعنی کافر میں خیر نہیں، جب کہ ہر مومن میں خیر ہے، تاہم سب مسلمان برابر نہیں... "قوی مسلمان": جس کا ربّ تعالیٰ پر یقین و توکُّل پختہ ہو، ڈٹ کر فرماں برداری کرتا ہو، بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہو، جہاد اور نیکی کی دعوت وغیرہ کے ذریعے خدمتِ دین میں پیش پیش رہتا ہو... یہ اللہ کریم کے حضور "کمزور مسلمان" سے زیادہ محبوب ہے اور اِس کا درجہ بلند تر ہے۔

ایمان پختہ ہو تو جہاں محبوبیّت و رِضا میں اِضافہ ہوتا ہے وہیں ایمان کے ثمرات و منافع بھی بیشتر نصیب ہوتے ہیں۔ کاش ہمارے اندر یہ شعور بیدار ہو کہ رمضان المبارک ایمان کو پختہ کرنے کا مہینہ ہے اور اِس میں ربِّ کریم بہت جلد کرم فرماتا ہے! یوں ہم اِس مہینے میں سنور کر ایمان کو ترقّی دیں اور مالکِ کریم کو خوش کر کے دُنیا و آخرت کی زیادہ سے زیادہ بھلائیاں سمیٹیں۔

گزشتہ خطبہ میں ایمان کے ثَمَرات اور غزواتِ بدر و فتحِ مکہ میں اُن کے مَظاہِر سے متعلق کچھ گفتگو ہوئی تھی۔ کل 21 رمضان مولَی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کا یومِ شہادت ہے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ پیدائش سے وصال تک ایک لمحہ کے لیے بھی کفر کی نَجاست آپ کے قریب نہیں آئی، ہر لمحہ مومن رہے اور پختگیٔ ایمان میں بھی آپ کو اعلیٰ شان عطا ہوئی۔

یقیناً آپ اُن شخصیات میں سے ہیں جن کی سیرت اُمّت کے لیے مَنارۂ نور ہے اور آپ کے نقشِ قدم کی پیروی باعثِ سعادت و نَجات ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں "ایمان کے ثَمَرات اور حیاتِ مولَی المسلمین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ میں اُن کے مَظاہِر" سے متعلق گفتگو ہو گی۔

---

[1] اَلْقَوِیُّ) أَیْ: فِی الْاِعْتِقَادِ بِاللّٰہِ وَالثِّقَۃِ بِہٖ، وَالصَّبْرِ عَلَی الطَّاعَۃِ، وَفِیْ قُوَّۃِ الْعَزَائِمِ عَلَی الْخَیْرِ، وَتَقْوِیَۃِ الدِّیْنِ بِالْجِہَادِ وَالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَحْوِ ذٰلِکَ۔ (لمعات التنقیح، تحت الحدیث: 5298)

ایمان کا ثمرہ... مَحبّت و مَوَدّت

ایمان کے ثمرات میں سے یہ بھی ہے کہ خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ ایمانی تقاضے پورے کرنے والوں کو اپنا محبوب بنالیتا ہے، پھر ظاہری اسباب کے بغیر دُنیا میں بھی اُن کی محبّت عام فرمادیتا ہے اور آخرت میں بھی اُن کا پیار شائع کردے گا۔[1]

ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا۔ "بلاشبہ وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے عن قریب رحمٰن اُن کے لیے مَحبّت پیدا کردے گا۔" [مریم 96:19] "محبّت پیدا کردے گا" میں مختلف اُمور شامل ہیں:

1) اُنھیں اپنا محبوب بنالے گا۔
2) اپنے پیاروں کے دلوں میں اُن کی اُلفت ڈال دے گا۔[2]
3) اُن کے دلوں میں مسلمانوں پر شفقت و مہربانی کا جذبہ پیدا فرمادے گا۔[3]

شانِ مَحبَّت اور مولَی المسلمین: حیاتِ مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللّٰہ وجہہ الکریم میں ایمان کا یہ ثمرہ پورے جوبَن کے ساتھ نظر آتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوبِ بارگاہِ خدا بھی ہیں، مقبولِ دربارِ مصطفیٰ ﷺ بھی ہیں، مسلمانوں کے دل بھی آپ کی محبّت سے آباد ہیں اور آپ کے قلبِ مبارک میں بھی مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

محبوبیّتِ خدا و مصطفیٰ: ساتویں ہجری کے آغاز میں غزوۂ خیبر ہوا، اِس دوران ایک قلعہ کی فتح میں کافی مشکل پیش آئی۔ امام الانبیا ﷺ نے فرمایا: لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی "کل مَیں یہ جھنڈا (لشکر کی کمان) اُس پیارے کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمادے گا، وہ خوش نصیب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے پیار کرتا ہے اور اللہ و رسول بھی اُس سے محبّت فرماتے ہیں۔"[4]

---

[1] إِذَا كَانَ مَحْبُوْبًا فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَذٰلِكَ فِي الْآخِرَةِ۔ (الجامع لأحكام القرآن [تفسير القرطبي]، تحت مريم 96:19)

[2] عن سيدنا عبد الله بن عباس رضي الله عنهما: يُحِبُّهُمْ وَيُحَبِّبُهُمْ۔ (المصنف لابن أبي شيبة، رقم: 34787، دار التاج)
يقول الإمام الرازيؒ رحمه الله: أَنَّهٗ تَعَالٰى سَيُحْدِثُ لَهُمْ فِي الْقُلُوْبِ مَوَدَّةً وَيَزْرَعُهَا لَهُمْ فِيْهَا مِنْ غَيْرِ تَوَدُّدٍ مِنْهُمْ وَلَا تَعَرُّضٍ لِلْأَسْبَابِ الَّتِيْ يَكْتَسِبُ النَّاسُ بِهَا مَوَدَّاتِ الْقُلُوْبِ۔ (مفاتيح الغيب [التفسير الكبير]، تحت الآية)

[3] حضرت ہَرِم بن حیّان علیہ الرحمہ نے فرمایا: مَا أَقْبَلَ عَبْدٌ بِقَلْبِهٖ إِلَى اللهِ عز وجل إِلَّا أَقْبَلَ اللهُ بِقُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِلَيْهِ حَتّٰى يَرْزُقَهٗ مَوَدَّتَهُمْ وَرَحْمَتَهُمْ۔ یعنی جو مسلمان اپنے دل کو ربِّ کریم کی طرف متوجّہ کرے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دل اُس کی طرف متوجّہ کردیتا ہے، حتّٰی کہ اُس کے دل میں اہلِ ایمان کی محبّت اور اُن پر مہربانی کا جذبہ پیدا کردیتا ہے۔ (الزہد لأحمد، ص: 223، رقم: 1285، دار الكتاب العربي۔ الزہد الكبير للبيہقي، رقم: 799۔ تفسیرِ طبری)

[4] ایک شخص کی خوبی سے دوسروں کی نفی نہیں ہوتی؛ اُس پیارے کے تذکرہ سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ صرف وہی محبوب ہے۔

یہ شرف پانے کے لیے صحابۂ کرام علیہم الرضوان پوری رات غور وخوض کرتے رہے کہ کل کس پیارے کو جھنڈا دیا جائے گا! (پہلے سے نام ظاہر نہ کرنے میں یہ حکمت بھی تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رات بھر یہ سعادت پانے کا انتظار کریں اور اِس پر ثواب پائیں [مرآۃ]) اگلی صبح سبھی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ہر ایک کو آس تھی کہ یہ کرم نوازی مجھ پر ہو جائے! مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے پوچھا: أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ۔ "پیارا علی کہاں ہے؟" عرض کی گئی: اُن کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ ﷺ نے اُنھیں بلوا بھیجا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاضرِ خدمت کیا گیا۔

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فَبَصَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعابِ اقدس اُن کی آنکھوں میں لگایا اور دُعا سے نوازا، فَبَرَأَ حَتَّى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ، فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ۔ اُن کی آنکھیں فوراً اِس طرح ٹھیک ہو گئیں گویا اُنھیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں جھنڈا دیا اور ربِّ کریم نے فتح عطا فرما دی۔ (صحیح بخاری، حدیث: 4210)

سیدِ عالم ﷺ کی زبانِ اقدس سے ادا ہونے والے الفاظ سے معلوم ہوا کہ مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم مُحبِّ خدا و مصطفیٰ بھی ہیں اور محبوبِ ربِّ ذوالجلال و رسولِ باکمال بھی ہیں، جلّ وعلا وصلّی اللہ علیہ وسلّم۔

محبوبیّتِ مسلمین: مسلمانوں کے دلوں میں سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ کی محبّت کس قدر ہے! یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، ہر مسلمان اِسے محسوس کرتا ہے اور یہ بشارت بھی رسول اللہ ﷺ نے خود عطا فرمائی تھی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ إِنَّهُ لَعَهِدَ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ ﷺ إِلَيَّ: أَنْ لَا يُحِبَّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ۔ یعنی قسم بخدا! کسی کا شاگرد بنے بغیر محض ربِّ رحیم کی عطا سے غیب بتانے والے آقا کریم ﷺ نے مجھ سے یہ عہد فرمایا کہ میری محبّت فقط مسلمان کے دل میں ہو گی اور میرا بغض فقط منافق کے سینے میں ہو گا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 78)

بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سچی محبّت کرنے والا باری تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی تھی: اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، اَللّٰهُمَّ عَادِ مَنْ عَادَاهُ۔ "الٰہی! جو علی سے محبّت کرے تو اُسے اپنا محبوب بنا لے اور جو علی سے دشمنی رکھے تو اُسے اپنا دشمن قرار دے!"[1] (سنن ابن ماجہ، حدیث: 116۔ مسند احمد، حدیث: 950، صحیح لغیرہ)

تنبیہ: بعض بدبخت حُبِّ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آڑ میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی توہین کرتے ہیں یا آپ کو سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل کہتے ہیں۔ ایسے لوگ محبّتِ علی کے دعوے میں جھوٹے ہیں؛ کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود بُغضِ صحابہ پر بھی شدید ڈانٹ پلائی ہے اور شیخین کو افضل نہ ماننے پر بھی اپنے ہاتھ سے سزا دینے کی سخت وعید فرمائی ہے، رضی اللہ عنہم۔

---

[1] یاد رہے کہ "اختلافِ رائے" اور "دشمنی" الگ الگ چیزیں ہیں۔ آپ سے دیگر حضرات کا اختلافِ رائے ہوا، مگر کسی مسلمان نے آپ سے دشمنی نہیں رکھی۔

ایمان کا ثمرہ... حیاتِ طیّبہ

ایمان کے عالی شان ثمرات وفوائد میں سے یہ بھی ہے کہ مالکِ کریم جلّ جلالُہٗ نے اعمالِ صالحہ بجالانے والے مسلمانوں سے دُنیا وآخرت میں "حیاتِ طیّبہ"/ پاکیزہ زندگی کا وعدہ فرمایا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ "جو مرد یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مسلمان ہو تو ہم ضرور اُسے "پاکیزہ زندگی" عطا کریں گے اور ہم ضرور اُنہیں اُن کے بہترین کاموں کے بدلے میں اُن کا اجر دیں گے۔" [النحل 97:16]

"پاکیزہ زندگی" کی مراد سے متعلق مفسرینِ کرام کے اقوال کا خلاصہ یوں ہے:

1) دُنیا میں "پاکیزہ زندگی" یہ ہے کہ ربّ تعالیٰ:

i. سَعادت وخوش بختی سے سرفراز فرماتا ہے۔
ii. درجۂ صبر ورِضا پر فائز کر دیتا ہے، یعنی بندے کو یہ توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ تقدیر پر راضی رہے اور شکوہ وشکایت نہ کرے۔
iii. اپنی فرماں برداری وعبادت کی "حلاوت/ چاشنی" مرحمت فرماتا ہے۔
iv. طیب وحلال رِزق سے نوازتا ہے۔
v. قناعت کی دولت عطا فرماتا ہے، یعنی جائز طریقے سے کوشش کے بعد جتنا مل جائے اُس پر راضی رہنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔
vi. مزید اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشتا ہے۔

2) اور آخرت کی "پاکیزہ زندگی" یہ ہے کہ ربِّ ذوالجلال بے پناہ اِعزاز واکرام اور جنّت کی بے انتہا نعمتوں سے نوازے گا۔[1]

مرتضوی حیاتِ طیّبہ: خالقِ کائنات نے نیک مسلمانوں سے جس "پاکیزہ زندگی" کا وعدہ فرمایا ہے اُس کا بہترین مُظاہرہ سیدنا علی کرّم اللہُ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حیاتِ طیّبہ میں نظر آتا ہے۔

نمازِ شیرِ خدا: "پاکیزہ زندگی" میں عبادت کی مٹھاس اور چاشنی بھی شامل ہے۔ سیدنا علی مرتضٰی کرّم اللہ وجہہٗ کو عبادت کی کیسی حلاوت عطا ہوئی تھی! اِس بارے میں مروی ہے: إِذَا حَضَرَ وَقْتُ الصَّلَاةِ يَرْتَعِدُ وَيَتَلَوَّنُ وَجْهُهٗ۔ یعنی جب نماز کا وقت آتا تو آپ رضی اللہ عنہ کے جسمِ مبارک پر کپکپی طاری ہو جاتی اور چہرۂ پُرنور کا رنگ بدل جاتا۔ عرض کی گئی: امیر المؤمنین! یہ کیا ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا: جَاءَ وَقْتُ أَمَانَةٍ عَرَضَهَا اللهُ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلْتُهَا۔ یعنی اُس امانت

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: تبیان القرآن، زیرِ آیت، ج:6، ص:567 تا 569

کی ادائیگی کا وقت آگیا ہے جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش فرمایا تو وہ اُس سے ڈر گئے اور اُسے نہ اُٹھا سکے، مگر وہ امانت میرے ذمّے ہے۔" (إحیاء علوم الدین للغزالی، کتاب أسرار الصلاۃ، فضیلۃ المسجد، ج:1، ص:151، دار المعرفۃ)

آپ کے اِس ارشاد میں سورۂ احزاب کی آیت:72 کی طرف اشارہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ربِّ کریم نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کو یہ پیشکش فرمائی کہ وہ احکام کی ذمہ داری لیں، فرماں برداری کی تو اُنھیں جزا ملے گی اور نافرمانی کی تو سزا ہوگی... مگر آسمان و زمین ڈر گئے اور اِس امانت کا بوجھ نہ اُٹھا سکے، لیکن یہ امانت انسان کے ذمّے ہے۔ چنانچہ اِس امانت کا تصوّر کر کے مولَی المسلمین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جسم کانپنے لگتا اور چہرۂ مبارک کی رنگت بدل جاتی۔

دُنیا کی سوچوں میں گم ہو کر نماز پڑھنے والے ہم جیسے کس طرح اندازہ کریں کہ مولیٰ علی کو نماز میں کیسی چاشنی نصیب ہوتی تھی!

قناعتِ مشکل کُشا: پاکیزہ زندگی میں یہ خوبی بھی نصیب ہوتی ہے کہ انسان کا دل لالچ سے پاک ہو جاتا ہے اور حلال ذریعہ سے جو بھی مل جائے اُس پر مطمئن رہتا ہے۔ سرکاری خزانے سے اپنی تجوریاں بھرنے والوں کو قناعت مل جائے تو کبھی بھی مسلمانوں کے مال میں بد دیانتی نہ کریں۔ سیدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ الکریم کو قناعت میں بھی اعلیٰ شان حاصل تھی۔ مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب سرکاری خزانے میں مال آتا تو آپ سب کچھ مسلمانوں میں حسبِ موقع و ضرورت تقسیم فرماتے، پھر ہر چیز تقسیم ہو جانے کا یقین کرنے کے لیے حکم دیتے کہ بیت المال میں جھاڑو لگا کر پانی کا چھڑکاؤ کیا جائے، پھر وہاں نماز ادا کرتے؛ تاکہ یہ نماز روزِ قیامت گواہی دے کہ اُنھوں نے مسلمانوں کا تمام مال اُن میں تقسیم کر دیا ہے اور اپنے پاس کچھ نہیں رکھا۔[1]

ایمان کا ثَمَرہ... یقین و توکُّل و شجاعت

ایمان پر ہونے والی نوازشات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ربِّ کریم صاحبِ ایمان کے دل کو ہدایت و یقین عطا فرماتا ہے، پھر بندے کو اپنے ربّ پر بھروسا کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور بزدلی اُس کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔

ارشادِ ربّانی ہے: وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ "اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اُس کے دل کو ہدایت دے گا اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔" [التغابن 64:11] یعنی ایمان کی برکت سے ربِّ کریم یقین و اطمینان عطا کرے گا اور بندے کے دل کو اِس بات پر قرار ہوگا کہ جو مصیبت آئی ہے وہ کسی صورت ٹل نہیں سکتی تھی اور جو نہیں آئی وہ کبھی پہنچ نہیں سکتی تھی۔[2]

---

[1] أَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ كَانَ يَأْمُرُ بِبَيْتِ الْمَالِ فَيُكْنَسُ، ثُمَّ يُنْضَحُ، ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ رَجَاءَ أَنْ يَشْهَدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَّهُ لَمْ يَحْبِسْ فِيهِ الْمَالَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ۔ (الزھد للإمام أحمد، رقم:695۔ حلیۃ الأولیاء، ج:1، ص:81۔ الإستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، ج:3، ص:1113)

[2] لِلْيَقِينِ فَيَعْلَمُ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ۔ (تفسیر الطبری، تحت الآیۃ)

حیاتِ حیدرِ کرّار کرّم اللہ تعالٰی وجہہٗ میں ایمان کے اِس ثَمَرہ کے مَظاہِر بھی بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ آپ کی شجاعت بھی ضَرب المثَل ہے اور قُدرتِ الٰہیہ پر آپ کا توکُّل ویقین بھی لائقِ تقلید ہے۔

شجاعتِ حیدری: سیدِ عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ظاہری حیاتِ طیّبہ میں سبھی مواقع پر سیدنا علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی بہادری نمایاں تھی.... ہجرت کی رات اپنی جان کو جانِ عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر فدا کرنے کے لیے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بستر پر لیٹنے والے شیر خُدا رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ہی تھے... غزوۂ بدر میں سب سے پہلے جن شخصیات نے کفار کو للکارا اُن میں سے ایک حیدرِ کرّار رَضِیَ اللہُ عَنْہُ تھے... غزوۂ خندق میں عَمرو بن عبدِ وُدّ کو پچھاڑ کر کافروں کا زور توڑنے کی سعادت بھی حضرت مشکل کُشا رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے حصّے میں آئی... فاتحِ خیبر ہونے کا تاج بھی مولیٰ مرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے سَر سجا... پھر عہدِ خلفاءِ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم اور اپنے دورِ خلافت میں بھی آپ کی شجاعت ہمیشہ نمایاں رہی۔

توکُّلِ اسد اللّٰہی: شہزادۂ امام زین العابدین سیدنا محمد باقر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نے بیان کیا: سیدنا علیِ مرتضٰی کرّم اللہ وجہہٗ کی بارگاہ میں دو شخص اپنے مقدّمے کا فیصلہ کروانے کے لیے حاضر ہوئے، چنانچہ آپ ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے کہا: امیر المؤمنین! یہاں سے اُٹھ جایئے! دیوار گرنے والی ہے۔ آپ نے اطمینان کے ساتھ فرمایا: اِمْضِ کَفٰی بِاللّٰہِ حَارِسًا۔ یعنی تم اپنا کام جاری رکھو! اللہ تعالٰی کی حفاظت کافی ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں: فَقَضٰی بَیْنَھُمَا وَقَامَ ثُمَّ سَقَطَ الْجِدَارُ۔ یعنی آپ نے شریعت کے مطابق مقدّمے کا فیصلہ کیا، اِس دوران اللہ تعالٰی کے حکم سے دیوار اپنی جگہ قائم رہی، آپ فیصلے کے بعد وہاں سے اُٹھے تو دیوار گر گئی۔ (دلائل النبوّۃ لابی نعیم: 531)

نَقشِ خاتَمِ عَلَوی: حیدرِ کرّار کرّم اللہ وجہہ الکریم کی مبارک انگوٹھی کے نَقش کا تذکرہ بھی ایمان افروز ہے۔ کسی دستاویز کی تصدیق کے لیے مُہر (Stamp) لگائی جاتی ہے، پہلے جدید طرز کی مُہریں نہیں ہوتی تھیں، اُس وقت انگوٹھی کے نگینے پر کچھ لکھا ہوتا تھا، اُس کو سیاہی میں تَر کر کے کاغذ وغیرہ پر نشان لگا دیا جاتا تھا، یہی مہر ہوتی تھی۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اِسی لیے انگوٹھی بنوائی تھی۔

انگوٹھی فقط اُس شخص کے لیے ہی سُنّت ہے جسے مُہر لگانے کی ضرورت ہو۔ دیگر مَرد حضرات اگر چاندی کی ایک انگوٹھی پہنیں، جس کا وزن ساڑھے چار ماشے (4 گرام، 374 ملی گرام) سے کم ہو اور اُس میں صرف ایک نگینہ لگا ہو تو جائز ہے (سنّت نہیں)۔[1]

سیدنا علیِ مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مبارک انگوٹھی پر لکھا تھا: نِعْمَ الْقَادِرُ اللّٰہُ! اللہ تعالٰی کی قدرت کتنی عظیم الشان ہے!

(عیون الأخبار للدینوری، ج:1، ص:420، دار الکتب العلمیۃ۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:42، ص:445)

اگر مسلم حکمرانوں کو حیدری شجاعت وتوکُّل کا ایک ذرّہ نصیب ہو جاتا تو آج غزّہ کے یہ حالات نہ ہوتے!

---

[1] انگوٹھی نہ بغیر نگینے کے ہو اور نہ ایک سے زائد نگینے ہوں۔ چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات جیسے لوہا، تانبا اور سونا وغیرہ کی انگوٹھی یا کوئی بھی زیور مرد کے لیے ناجائز وحرام ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:141۔ بہارِ شریعت، ج:3، ح:16، ص:426۔ وقار الفتاوٰی، ج:2، ص:190)

ایمان کے اُخروی ثمرات

گزشتہ کلام میں ایمان پر ہونے والی اُن عنایات کا تذکرہ ہوا جو دُنیا میں نصیب ہوتی ہیں، جہاں تک آخرت میں ہونے والے انعامات کا تعلّق ہے تو یہ کہنا بے جا نہیں کہ ایمانی ثَمَرات کا پورا جلوہ آخرت میں ہی ظاہر ہو گا؛ کیونکہ دُنیا تو مسافر خانہ ہے، اصل گھر آخرت کا گھر ہے... وہاں مسلمانوں پر ربِّ کریم کی عطائیں اِس قدر ہوں گی جن کو بیان کرنا تو دُور کی بات ہے! اُن کا تصوُّر کرنا بھی ممکن نہیں۔

مادیّت پرستی کے اِس دَور میں بعض لوگ اُخروی انعامات کے حوالے سے بے ہودہ قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: جنّت کس نے دیکھی؟ آج کو سنوار نہیں پائے، کل کی فکر کیسے کریں؟ اِسی طرح کے کئی آوارہ جملے بولے جاتے ہیں۔

اِس حوالے سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مَرنے کے بعد اُٹھنے اور جنّت و دوزخ پر یقین ضروریاتِ دین میں سے ہے، اگر کوئی شخص اِس میں معمولی شک بھی کرتا ہے تو مسلمان نہیں... پھر یہ بھی اہم ہے کہ جنّت و دوزخ اور پُل صراط وغیرہ کی باتیں علما اپنے پاس سے نہیں کرتے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رِضا پانے کا شوق، جنّت کی طلب اور جہنم کا خوف... ہماری تربیت کے لیے امام الانبیا ﷺ خود اِن چیزوں کا اِظہار فرماتے تھے۔

بہر حال قرآن و سنت سے آخرت میں مسلمانوں پر ہونے والی نوازشات کا تذکرہ پڑھ سُن کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ ”اللہ نے مسلمان مَردوں اور مسلمان عورتوں سے اُن جنّتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے... اور دائمی جنّتوں میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا (وعدہ فرمایا ہے) اور اللہ کی رِضا سب سے بڑی چیز ہے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“ [التوبۃ 9:72]

سیدنا ابو سعید سَعد خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: ”اے اہل جنت!“ وہ عرض کریں گے: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ! وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ۔ اے ہمارے ربّ! ہم حاضر ہیں اور تمام تر بھلائی تیرے دستِ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”کیا تم خوش ہو گئے؟“ عرض کریں گے: اے ہمارے ربّ! ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے، تُو نے ہمیں وہ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: أَلَا أُعْطِيْكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ ”مَیں تمھیں اِس سے بھی اعلیٰ و افضل نعمت نہ دوں؟“ عرض کریں گے: اِس سے افضل چیز کیا ہو گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ أَبَدًا ۔ ”مَیں تم پر اپنی رِضا نازل کرتا ہوں، اب مَیں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔“

(صحیح بخاری، حدیث: 7518۔ صحیح مسلم، حدیث: 2829۔ سنن ترمذی، حدیث: 2555)

حرفِ آخر: ایمان کے ثمرات اور اُمّت کے حالات

ربّ تعالیٰ کے حضور دُنیا نہایت حقیر ہے اور اِس کی حیثیت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں؛ اِسی لیے خالقِ کائنات دُنیاوی نعمتیں کافروں کو بھی دیتا ہے، باوجودیکہ وہ اُس کا انکار کرتے ہیں اور دینِ خدا کے دشمن ہیں... جب کہ بارگاہِ الٰہی میں ایمان عظیم ترین دَولت ہے؛ اِسی لیے مالکِ کریم ایمان کا شرف فقط اپنے پیاروں کو ہی عطا فرماتا ہے۔

ایمان کی عظمت و فضیلت اِس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ہمیں کثرت کے ساتھ سلامتیٔ ایمان کی دُعا کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم کے مطابق ماہر علمائے دین کی دُعاؤں میں یہ عرض بھی شامل ہوتی ہے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ "اے ہمارے ربّ! تُو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی، اِس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تُو بہت عطا فرمانے والا ہے۔" [اٰلِ عمران 3:8]

ایمان جس قدر پختہ ہو اُس کی برکتیں بھی اُتنی ہی زیادہ نصیب ہوتی ہیں۔ بڑی سعادت ہے کہ ربِّ کریم نے ہمیں اِس سال بھی رمضان المبارک کے لمحات عطا فرمائے، یہ ماہِ پُرنور خود کو سنوار کر اپنے ایمان کو تازگی و جِلا دینے کا مہینہ ہے۔ جو شخص اِس مبارک مہینے میں بھی مغفرت و رحمت حاصل نہ کر سکے وہ سخت نالائق ہے اور حدیثِ مبارک کے مطابق تباہی کا حق دار ہے۔[1]

ایمان کو پختہ کرنے کا شوق دلانے کے لیے آخری دو خطبات میں ایمان کے کچھ ثمرات و منافع ذکر کیے گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ:

4) دُنیا و آخرت میں ایمان والوں کی مدد فرماتا ہے۔

5) دُنیا و آخرت میں صاحبانِ ایمان کو امن و اطمینان عطا فرماتا ہے۔

6) اُنھیں زمین میں اقتدار و غلبہ مَرحمت فرماتا ہے اور فسادیوں کا انجام ذلّت و رُسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

7) نیک مسلمانوں کو اپنا محبوب بھی بنالیتا ہے اور بندوں کے دلوں میں بھی اُن کا پیار ڈال دیتا ہے۔

8) اُنھیں سعادت و قناعت اور رِضا و حلاوَت سے بھرپور "پاکیزہ زندگی" عطا فرماتا ہے۔

9) مومنین کے دلوں کو دولتِ یقین سے سرفراز فرما کر توکّل و شجاعت کی توفیق سے نوازتا ہے۔

10) اور آخرت میں عطا ہونے والی رحمتیں تو تصوُّر سے بھی بالاتر ہیں۔

---

[1] عن سیدنا کعب بن عُجرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا: إِنَّ جِبْرِيْلَ علیہ الصلاۃ والسلام عَرَضَ لِيْ فَقَالَ: بُعْدًا لِّمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ قُلْتُ: آمِيْنَ۔ (المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: 7256، صحيح الإسناد)

ربِّ کریم کے وعدے ضرور سچے ہیں اور اُس کی قدرت کامل واکمل ہے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے ایمانی تقاضے پورے کیے تو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ایمان کے ثمرات پورے جوبن کے ساتھ عطا فرمائے۔ خطبہ میں یومِ شہادتِ سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ کی مناسبت سے آپ کی حیاتِ کریمہ سے ایمانی ثمرات کی چند شان دار مثالیں بھی پیش کی گئیں۔ اِن میں تربیت ہے کہ اگر ہم بھی اپنے ایمان کو پختہ کریں تو یقیناً ہمیں بھی ایمان کے ثمرات نصیب ہوں گے۔

"حیاتِ طیّبہ / پاکیزہ زندگی" کے وعدہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اپنی زندگی پر غور کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارا ایمان کس قدر پختہ ہے! دوسری طرف اُمّت کی اجتماعی صورتِ حال دیکھ کر بھی دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اسرائیلی درندوں نے حماس کے ساتھ طے پانے والے معاہدے کو توڑ کر غزہ پر تازہ حملوں میں سینکڑوں کو شہید کر دیا ہے اور امداد کی ترسیل بھی روک دی ہے۔

مسلم حکمران سمجھتے ہیں کہ مذمّتی قراردادوں کے ذریعے یہودی باز آجائیں گے اور ظلم کا راستہ چھوڑ دیں گے، یہ خام خیالی بزدلی کا نتیجہ ہے۔ یہودی وہ بدبخت ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو توڑا، انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو شہید کیا اور ہمیشہ زمین میں فساد پھیلایا۔ ربِّ کریم نے یہودیوں کی ریت بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً۔ "تو اُن کے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دل سخت کر دیے۔"

پھر خالقِ کریم نے یہ بھی بتلا دیا کہ اُن کی یہ حرکتیں کبھی تبدیل نہیں ہوں گی: وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ "اور تم اُن میں سے چند ایک (جو ایمان لے آئے) کے علاوہ سب کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہو گے۔" [المائدۃ 5:13]

کیا اب بھی اُمّت یہی سمجھتی رہے گی کہ فقط قراردادوں سے یہودی مظالم رُک جائیں گے؟ ہرگز نہیں! یہودی طاقت کی زبان سمجھتے ہیں۔ اُن کا ظلم اِسی طرح روکا جا سکتا ہے کہ اُمّت متحد ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرے۔ عوام کو مظلوم مسلمانوں کے حق میں سچے دل کے ساتھ دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے اور یہودی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے۔

شرعی مسئلہ: ہمارے ہاں رمضان المبارک میں کثرت کے ساتھ شبینہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، یعنی ایک یا چند راتوں میں قرآنِ حکیم کی تلاوت مکمل کی جاتی ہے۔ ایسا کرنا جائز و مستحسن ہے، تاہم یہ ضروری ہے کہ اخلاص کے ساتھ قواعدِ تجوید کے مطابق درست طریقے سے تلاوت کی جائے... لوگ سُستی و لاپرواہی کے بجائے شوق و رغبت کے ساتھ شریک ہوں... لاؤڈ سپیکر کا اس طرح استعمال نہ کیا جائے جو دوسروں کے لیے پریشانی کا سبب ہو۔ نیز نوافل کی جماعت اعلان کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے۔[1]

---

[1] دیکھیے فتاوی رضویہ، ج:7، ص:476 تا 481، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ
صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: جس طرح آج کل رواج ہے کہ کوئی بیٹھا باتیں کر رہا ہے، کچھ لوگ لیٹے ہیں، کچھ لوگ چائے پینے میں مشغول ہیں، کچھ لوگ مسجد کے باہر حقہ نوشی کر رہے ہیں اور جب جی میں آیا ایک آدھ رکعت میں شامل بھی ہو گئے، یہ ناجائز ہے۔ (بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ح:4، ص:695، م:42)

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ / 28 مارچ 2025ء

رَمَضَان کے الوداعی لمحات

اور

جواب دہی میں آسانی والے احساسات

مشمولات

- اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی اور تمام مخلوق کی جواب دہی
- رمضان المبارک کا اچھا اختتام
- کوتاہی پر ندامت
- شبِ عید اور نبوی تعلیمات
- ریاکاری اور خود پسندی سے اجتناب
- صدقۂ فطر کے احکام
- اصلاحِ قلب (عاجزی و تضرّع) کی اہمیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ o عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o [الحجر 15:92،93]

جس شخص کے ذِمّے کوئی کام ہو وہ ذمّہ داری دینے والے کو اپنے کام کے حوالے سے جواب دہ (Responsible) ہوتا ہے اور باز پُرس کی فکر اُسے اپنے کام میں کوتاہی سے روکتی ہے، جیسے ملازمین نے اپنے افسران کو حساب کتاب دینا ہوتا ہے تو اُنھیں دھیان رکھنا پڑتا ہے کہ کام کی انجام دہی میں ایسی خامی نہ رہ جائے جس کی وجہ سے احتساب (Accountability) میں مشکل ہو۔

خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ کی عظمت وشان ہے کہ وہ جو چاہے کرے، اُس سے کوئی بھی پوچھنے والا نہیں؛ کیونکہ وہ مالکِ حقیقی ہے، جسے چاہے عزّت دے اور جسے چاہے ذلّت میں مبتلا کرے، جسے چاہے سعادت سے نوازے اور جسے چاہے بدبخت کر دے، جسے چاہے روزی میں وُسعت عطا کرے اور جس کا چاہے رزق تنگ فرمادے... وہ سب کا حاکم ہے، اُس پر کوئی بھی حاکم نہیں جو اُس سے پوچھ سکے۔ مخلوق کوئی بھی ہو، وہ ضرور جواب دہ ہے۔ اگر انسان ایسے اعلیٰ عہدے پر فائز ہو کہ لوگوں میں اُس سے جواب طلبی کرنے والا کوئی نہ ہو تب بھی وہ ربّ تعالیٰ کے حضور ضرور جواب دہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ۔ ”اللہ سے اُن کاموں کے متعلق نہیں پوچھا جاسکتا جو وہ کرتا ہے اور اُن سب سے باز پُرس کی جائے گی۔“ [الانبیاء 21:23]

ایک اور مقام پر ارشاد ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ o عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o ”اے حبیب، آپ کے ربّ کی قسم! ہم ضرور اُن سب سے جواب طلب کریں گے o اُن تمام کاموں سے متعلق جو وہ کرتے تھے۔“ [الحجر 15:92،93]

کسی بھی جواب دہ کو سب سے زیادہ فکر اُس وقت لاحق ہوتی ہے جب اُس کا کام مکمّل ہونے کے قریب ہوتا ہے؛ کیونکہ اب کام کے نتائج واثرات سامنے آنے والے ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پر اُس سے باز پُرس ہوتی ہے۔

ربّ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک عطا فرما کر ہم پر احسان فرمایا اور اُس میں نمازیں، روزے اور دیگر کچھ کام ہمارے ذمّے لگا کر اُن کے حوالے سے ہمیں جواب دہ بنایا۔ آج 1446ھ کے رمضانِ کریم کا آخری جمعہ مبارک ہے، چنانچہ فکر ہونی چاہیے کہ ہم نے اِس رمضان میں کیا کھویا اور کیا پایا؛ کیونکہ اِس حوالے سے ہمیں پوچھا جائے گا۔

رمضان المبارک کے حوالے سے احساسِ جواب دہی زیادہ ضروری ہے؛ کیونکہ نبیِ کریم ﷺ نے جہاں رمضان کی قدر کرنے والوں کو خوش خبریاں دی ہیں وہاں اِس میں محروم رہ جانے والوں کے لیے سخت وعید بھی بیان فرمائی ہے۔

آج کے خطبہ میں چند ایسے اُمور کا تذکرہ کیا جائے گا جنھیں اختیار کرنے سے کرم نوازی اور جواب دہی میں سہولت ہوگی۔

کوتاہی پر ندامت

رمضان المبارک میں اعمالِ صالحہ کے حوالے سے لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں: کچھ خوش نصیب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شریعت کے احکام پر دل جمعی کے ساتھ عمل کرتے ہیں... جب کہ ایک بڑی تعداد سُستی ونالائقی کا مُظاہرہ کرنے والوں کی بھی ہوتی ہے۔ جمعۃ الوداع کے موقع پر یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اگر ہم سے ربِّ کریم کے احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے تو اُس پر دل سے شرمندہ ہوں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔

جن حضرات نے فرض روزوں کے حوالے سے سستی کی، شرعی عذر کے بغیر ایک روزہ بھی چھوڑا، اُنھیں غور کرنا چاہیے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا: مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِّنْ رَّمَضَانَ فِيْ غَيْرِ رُخْصَةٍ رَّخَّصَهَا اللهُ لَهُ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صِيَامُ الدَّهْرِ۔ یعنی ”جو شخص اللہ تعالیٰ کی رُخصت (شرعی عذر) کے بغیر رمضان کے ایک دن کا روزہ چھوڑے وہ عمر بھر بھی روزے رکھے تو رمضان کے روزے کا ثواب حاصل نہیں کر سکے گا۔“[1] (سنن ابوداؤد، حدیث: 2396۔ ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ ومرآۃ)

جو لوگ ماہِ مقدس میں فرض نمازوں کی پابندی نہیں کر سکے اُنھیں غور کرنا چاہیے کہ ربّ کریم فرماتا ہے: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ... ”اُن نمازیوں کے لیے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں...“ [الماعون 107:4،5] آیاتِ کریمہ میں منافقوں کو وعید سنائی گئی، مگر یہ اُن مسلمانوں کو بھی جھنجوڑتی ہیں جو منافقوں کی طرح ”نماز سے غفلت“ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مثلاً:

- پابندی سے نہیں پڑھتے: کبھی پڑھ لی اور کبھی چھوڑ دی... یا کچھ پڑھ لیں اور کچھ چھوڑ دیں۔
- وقتِ مقرّر پر ادا نہیں کرتے: کبھی مستحب وقت میں، کبھی وقتِ جواز میں... کبھی کراہت والی ساعت میں اور کبھی قضا کر کے۔
- فرائض وواجبات کو پورا نہیں کرتے: نماز کے تفصیلی احکام سیکھتے ہی نہیں یا اُن کی پابندی نہیں کرتے، اتنی جلدی میں یا سستی سے نماز پڑھتے ہیں کہ کچھ فرائض یا واجبات چھوٹ جاتے ہیں۔
- باجماعت نہیں پڑھتے: مَرد حضرات پر شرائط موجود ہونے کی صورت میں باجماعت نماز ادا کرنا واجب ہے اور شرعی وجہ کے بغیر جماعت کو چھوڑنا گناہ ہے... مگر وہ لوگ جماعت کی پابندی نہیں کرتے، کبھی جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں اور کبھی بلاوجہ اکیلے۔

چنانچہ اگر نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی یا دیگر شرعی احکام میں کوتاہی ہوئی ہے تو رمضانِ کریم کے آخری لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے؛ کہ ایک لمحہ کے لیے بھی جہنم کا عذاب برداشت کرنا کسی کے بس میں نہیں۔

---

[1] أخرجه أحمد (470/2، رقم: 10082)، والترمذي (101/3، رقم: 723)، وابن ماجه (535/1، رقم: 1672)، وإسناده ضعيف۔ وهو مروي عن سيدنا ابن مسعود رضي الله عنه موقوفًا، ورجاله ثقات، قاله الهيثمي في مجمع الزوائد، ج:3، ص:168، رقم: 4979

عمل کی حفاظت

شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے۔ اوّلاً تو وہ انسان کو سُستی دلاتا ہے اور عمل سے غافل کرنے کی کوشش کرتا ہے، پھر اگر بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے شریعت پر عمل کرے اور اعمالِ صالحہ بجالائے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ انسان کو رِیاکاری اور خود پسندی وغیرہ میں مبتلا کردے؛ تاکہ اِن آفتوں کی وجہ سے عمل کرنے کے باوجود انسان اِنعام وثواب حاصل نہ کرپائے۔

چنانچہ جن حضرات نے رمضانِ کریم میں توفیقِ خداوندی سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کے احکام پر عمل کیا.... روزے رکھے، تراویح پڑھیں، تلاوت وسماعتِ قرآنِ حکیم کا شرف پایا، زکوٰۃ وصدقات کی برکتیں سمیٹیں اور دیگر شرعی تقاضوں کو پورا کیا اُنھیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، شیطانی چالوں سے دُور رہیں اور دو باتوں کا خصوصی اہتمام کریں:

1) خود کو نِفاق ورِیاکاری سے بچاتے ہوئے فقط اللہ تعالیٰ کی رِضا کے طلب گار بنیں اور اُخروی اجر وانعام کی تمنّا رکھیں۔ کسی بھی طرح کے دُنیاوی مفاد یا لوگوں کی طرف سے داد وتحسین کی چاہت نہ رکھیں۔

2) اعمالِ صالحہ کی توفیق کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان سمجھیں اور دل میں یہ خیال ہرگز نہ بیٹھنے دیں کہ اچھے کاموں کو بجالانے میں ہماری کسی خوبی یا فضلِ خداوندی کے علاوہ کسی چیز کا کوئی دخل ہے۔

اگر خدانخواستہ شیطان کا وار کامیاب ہوا اور انسان نِفاق ورِیاکاری یا خود پسندی میں مبتلا ہوگیا تو معاذ اللہ محنت ومشقّت سے کام کرنے کے باوجود اجر وثواب کے بجائے عذاب وسزا کا حق دار ٹھہرے گا۔

رِیاکاری کا انجام: سیدنا ابو عبد اللہ جُنْدُب بَجَلی اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا: مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ، وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ "جو اِس لیے عمل کرے کہ شہرت ہوگی / لوگ سن کر تعریف کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل ورُسوا کرتے ہوئے مشہور کروادے گا کہ یہ شہرت کا طلب گار ہے... اور جو لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرے اللہ تعالیٰ اُس کے بارے میں دکھادے گا کہ یہ رِیاکار ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 6499۔ صحیح مسلم، حدیث: 2986)

رِیاکار کے نقصان کو مثال کے ذریعے یوں سمجھیے کہ اگر کسی شخص کے پاس کروڑوں کی مالیت کا نایاب موتی ہو اور وہ اپنی نالائقی کی وجہ سے اُسے کوڑیوں کے بھاؤ / نہایت سستا بیچ دے تو یقیناً اُس بندے نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا اور اُسے احمق قرار دیا جائے گا۔ یوں ہی جو شخص اچھا عمل کرتا ہے، اگر اُس کی نیت اچھی ہو... فقط اپنے ربِّ کریم کی رضا چاہے، خالقِ کائنات کی تعظیم اور اُس کے حکم پر عمل کا قصد کرے تو وہ اپنے اِس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کرسکتا ہے اور یہ دُنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے، پھر مالکِ کریم راضی ہوجائے تو وہ اپنی رحمت سے دُنیا وآخرت کی بھلائیاں اور جنّت کی وہ نعمتیں عطا فرمائے گا جن کا انسان تصوُّر بھی نہیں کرسکتا! لیکن اگر بندے کی نیت اچھی نہ ہو... وہ اپنے نیک عمل کے ذریعے کوئی دُنیاوی مفاد حاصل کرنا چاہے، مال جمع کرنے کا بھوکا ہو، شہرت کا طلب گار

ہو، لوگوں سے داد و تحسین حاصل کرنے کا قصد کرے تو اِس سے بڑا بے وقوف اور نقصان اُٹھانے والا کون ہو گا، جس نے اپنے نیک عمل کے ذریعے "رضائے اِلٰہی" کے بجائے "گھٹیا دُنیا" پانے کی کوشش کی!

یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ دُنیا کے پجاری کو دُنیا بھی تو اُتنی ہی ملتی ہے جتنی ربِّ کریم چاہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۔ "جو دُنیا کا انعام چاہے تو دُنیا و آخرت دونوں کا انعام اللہ ہی کے پاس ہے اور اللہ ہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔" [النساء4:134] یعنی جب سب کچھ اللہ کے پاس ہے تو انسان کو اُس کی رضا کا طلب گار بننا چاہیے، فقط دُنیا مانگنے اور چاہنے والے کی سوچ بہت گھٹیا ہے۔

خود پسندی کا انجام: رِیاکاری کی طرح "خود پسندی" بھی اجر و ثواب ضائع ہونے اور دُنیا و آخرت کے نقصان کا باعث بنتی ہے۔ خود پسندی کا مطلب ہے کہ انسان اپنے نیک عمل یا کسی بھی خوبی کو اللہ تعالیٰ کا احسان قرار دینے کے بجائے اُسے اپنا کمال سمجھے۔

سیدنا ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی کا خلاصہ ہے کہ "تین خوبیاں ایسی ہیں کہ جسے نصیب ہو جائیں وہ اُن کی برکت سے نَجات پائے گا اور تین باتیں ایسی ہیں جو اُن میں مبتلا ہو وہ اُن کے سبب تباہ ہو جائے گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسبابِ ہلاکت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

1) فَهَوًى مُّتَّبَعٌ۔ "وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے (انسان نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ جائے اور شریعت کے احکام کی پرواہ کیے بغیر جو دل میں آئے وہ کرنے لگے)۔"

2) وَشُحٌّ مُّطَاعٌ۔ "اور وہ بخل جس کی اِطاعت کی جائے (انسان لالچی و کنجوس بن کر دوسروں کا مال ناحق کھائے اور اپنے ذمّے لازم حقوق ادا نہ کرے)۔"

3) وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ، وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ۔ "اور خود پسندی، یہ (تینوں آفتوں میں) سب سے سخت ہے۔"

(شعب الإيمان، رقم الحديث:6865، ورواه الطبراني في المعجم الأوسط عن أنس بن مالك مرفوعا، برقم:5452، حسن لغيره)

خود پسندی سے بچنے کے لیے ایک بات پر غور کرنا چاہیے! کوئی عظیم الشان بادشاہ ہو، بڑے بڑے رئیس اُس کے دربار میں ہاتھ باندھے حاضر ہوں، وڈیرے لوگ اُس کی ایک مسکراہٹ کے لیے قربان ہونے کو تیار ہوں، وہ کسی دیہاتی شخص کو اپنے پاس بلائے اور اُس کی عزت افزائی کرے تو یہ اُس کا احسان ہو گا، اب اگر یہ دیہاتی خود پسندی میں مبتلا ہو جائے اور اِس عزت افزائی کو بادشاہ کا احسان سمجھنے کے بجائے اپنی خوبی جانے تو اُسے احمق کہا جائے گا۔ ربّ العالمین وہ بادشاہ ہے کہ زمین و آسمان کی ہر شے اُس کی پاکی و حمد بیان کرتی ہے اور اُن میں اُس کے حکم کے خلاف کرنے کی جرأت نہیں، اُس کے حضور جبریلِ امین سمیت جلیل القدر فرشتے علیہم السلام سر جھکاتے ہیں اور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سمیت انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات اُس کی بندگی کرتے ہیں، وہ ہمارے جیسے گناہ گار پر احسان کرتے ہوئے کسی نیک عمل کی توفیق دے یا علم وغیرہ کسی فضیلت سے نوازے، اب اگر ہم اِسے اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان سمجھنے کے بجائے اپنی خوبی قرار دیں تو ہم سے بڑا نالائق اور بے وقوف کون ہو گا!

اصلاحِ قلب کی اہمیت

وداعِ رمضان المبارک کے موقع پر خود کو رِیاکاری اور خود پسندی سے بچانے کی طرف توجّہ کرنا اِس لیے ضروری ہے کہ اگر عمل کی مقدار کم ہو، مگر اُس کے ساتھ اخلاص اور عاجزی نصیب رہے تو وہ بھی بہت ہے اور قبولیت کی اُمّید ہے... اِس کے برعکس اعمال کی کثرت ہو، لیکن نیت اور دل کی کیفیت اچھی نہ ہو تو سخت خطرہ ہے کہ اُنھیں ردّ کر دیا جائے۔

ربّ کی نگاہِ رحمت: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ ”اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت تمہاری صورتوں اور مالوں کی طرف نہیں ہوتی (اُس کی بارگاہ میں قبولیت حُسنِ صورت یا مال کی کثرت سے نہیں ہوتی)، اُس کی نگاہِ رحمت تو تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف ہوتی ہے (وہ پاکیزہ دلوں اور اچھے اعمال سے خوش ہوتا ہے اور اِن کی برکت سے کرم فرماتا ہے)۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2564)

ذریعۂ قُرب: حضرت بایزید / ابویزید طیفور بن عیسیٰ بَسطامی علیہ الرحمہ (م: ۲۶۱ھ / 874ء) حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے مشائخ سے ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ مَیں نے کئی سال عبادت میں صَرف کیے۔ مجھے ندا فرمائی گئی: خَزَائِنُنَا مَمْلُوءَةٌ مِّنَ الْخِدْمَةِ، فَإِنْ أَرَدْتَّنَا فَعَلَيْكَ بِالذِّلَّةِ وَالْإِفْتِقَارِ۔ یعنی بایزید! ہمارے خزانوں میں عبادت و خدمت کی کوئی کمی نہیں (ہمیں ضرورت نہیں ہے کہ مخلوق زیادہ سے زیادہ عبادت کرے، ہماری بندگی تو زمین و آسمان اور اُن میں موجود تمام مخلوق کرتی ہے)، اگر ہمارا قُرب چاہتے ہو تو اپنے دل میں عاجزی پیدا کرو اور خود کو ہمارا محتاج سمجھو (کیونکہ ہماری نگاہِ کرم دل کی طرف ہوتی ہے)۔

(حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم، ج:10، ص:40، مطبعۃ السعادۃ، منہاج العابدین للغزالی، العقبۃ السادسۃ، ص:238، مکتبۃ المدینہ)

محبوبانِ خدا کی کیفیت: حضرت عَطاء سُلیمی علیہ الرحمہ کپڑا بُنتے تھے، (پہلے کپڑا ہاتھوں سے بُنا جاتا تھا) ایک مرتبہ آپ نے کپڑا تیار کیا اور اُسے فروخت کرنے کے لیے بزّاز (کپڑے کے تاجر) کے پاس لے گئے، تاجر نے اُس کی زیادہ قیمت نہیں لگائی اور کہا: اِس کپڑے میں فلاں فلاں خامی ہے۔ یہ سُن کر آپ کی کیفیت بدل گئی اور زار و قطار رونے لگے۔ تاجر نے سمجھا کہ آپ کپڑے کی اچھی قیمت نہ ملنے کی وجہ سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں، اُس نے معذرت کی اور منہ مانگی رقم دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ حضرت عطاء علیہ الرحمہ نے فرمایا: میری آنکھوں میں آنسو کپڑے کی وجہ سے نہیں ہیں، بات دراصل کچھ اور ہے۔ پھر فرمایا: مَیں کپڑا بُننے کا فن جانتا ہوں اور مَیں نے پوری کوشش سے کپڑا تیار کیا ہے، اِس کے باوُجود جب کپڑے کے ماہِر نے دیکھا تو کچھ نہ کچھ عیب نکل ہی آئے۔ میرے ذہن میں آیا کہ کل جب ہمارے اعمال اُس ربّ کے حضور پیش ہوں گے جو خبیر و بصیر ہے، جس کی نگاہِ قُدرت سے معمولی چیز بھی مخفی نہیں، نہ جانے تب ہمارے اعمال کے کتنے عیب ظاہر ہوں گے (اور اگر اُس نے عیبوں / کوتاہیوں سے درگزر نہ فرمایا تو کیا بنے گا)!

(منہاج العابدین للغزالی، العقبۃ السادسۃ، فصل فی دقۃ عقبۃ القوادح، ص:233، مکتبۃ المدینہ)

رمضان المبارک کا اچھا اختتام

ماہِ پُرنور کے حوالے سے جواب دہی میں آسانی کے لیے یہ بات بھی اہم ہے کہ ماہِ مبارک کا اختتام اچھے انداز سے کرنا چاہیے؛ تاکہ اگر مہینہ بھر نیکیاں کی ہیں تو اُن کے اجر واِنعام میں اِضافہ ہو اور خدانخواستہ کوتاہیاں ہوئی ہیں تو اُن کی معافی مل جائے۔

"اچھے اختتام" سے مراد یہ ہے کہ مبارک مہینے کے آخری لمحات میں، پھر شبِ عید اور روزِ عید میں خوب عبادت کا اہتمام کیا جائے... گناہوں اور فضول کاموں میں ٹائم ضائع کرنے کے بجائے زیادہ وقت نوافل،[1] تلاوتِ قرآنِ حکیم، ذکرِ الٰہی، دُرودِ پاک اور دیگر اچھے کاموں میں گزارا جائے۔

اچھے اختتام کی اہمیت: دینِ اسلام تربیت فرماتا ہے کہ انسان کوئی بھی کام کرے تو اُسے چاہیے کہ اچھے طریقے سے کرے اور بہتر انداز سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ محبوبِ ربِّ اکبر ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلًا أَنْ يُتْقِنَهُ۔[2] یعنی "اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ تم جب کوئی عمل کرو تو اُسے اچھے طریقے سے کرو اور مکمّل کرو!"

(شعب الایمان، ج:7، ص:233، رقم:4930۔ مسند ابو یعلیٰ، ج:7، ص:349، رقم:4386، حسن لغیرہ)

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے رحمتِ کونین ﷺ سے روایت کیا: وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔ "اعمال کا اعتبار صِرف انجام سے ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث:6607) زندگی کا خاتمہ ایمان پر ہو تو بارگاہِ الٰہی سے رحمت کی پختہ اُمّید ہوتی ہے، یوں ہی دیگر اعمال کا اختتام بھی اچھا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے؛ تاکہ پہلے کوتاہی کی ہو تو اُس کا ازالہ ہو جائے۔

سرورِ عالم ﷺ نے تربیت فرمائی ہے کہ ہر مجلس / نشست کا اختتام اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید، توحید کی گواہی اور استغفار پر ہونا چاہیے، اِس کی برکت سے اُس نشست میں ہونے والی خطاؤں کی معافی مل جاتی ہے۔[3]

---

[1] اگر کسی شخص کے ذمے میں نمازوں کی قضا باقی ہو تو اُسے سب سے پہلے قضا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

[2] وفی روایۃ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا أَنْ يُحْكِمَهُ۔ (المصاحف لابن أبی داؤد، ص:344، الفاروق الحدیثیۃ للطباعۃ والنشر)
وفی روایۃ عن كُلَيْبٍ الْجَرْمِيِّ مرفوعًا: «يُحِبُّ اللهُ لِلْعَامِلِ إِذَا عَمِلَ أَنْ يُحْسِنَ۔ (المعجم الکبیر، ج:19، ص:199، رقم:448)
وذکر ابن الحاج فی "المدخل" بلا سند: قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ! وَمَا إِتْقَانُهُ؟ قَالَ: يُخْلِصُهُ مِنَ الرِّيَاءِ وَالْبِدْعَةِ۔ (ج:1، ص:306)

[3] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ جَلَسَ فِي مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيهِ لَغَطُهُ، فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا كَانَ فِي مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ۔
(سنن الترمذی، رقم الحدیث:3433، ورواہ أبو داود فی سننہ عن أبی برزۃ الأسلمی مرفوعًا، رقم الحدیث:4859)

نبوی معمول: اِس بات سے بھی رمضانِ کریم کا اختتام اچھا کرنے کی تربیت ملتی ہے کہ آخری عشرہ میں سرورِ عالم ﷺ کا ذوقِ عبادت مزید جوبن پر آجاتا تھا، آپ ﷺ اعتکاف اور دیگر اطاعتوں کا خوب اہتمام فرماتے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ۔ یعنی "رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں دیگر ایّام سے زیادہ عبادت کی کوشش فرماتے تھے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1175)

شبِ عید اور نبوی تعلیمات: رمضان المبارک کے "اچھے اختتام" سے متعلق یہ بات بھی اہم ہے کہ شبِ عید / چاند رات کو نیکی کے کاموں میں گزارنا چاہیے۔

سیدنا ابو اُمامہ صُدَیّ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا: مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ۔ یعنی "جو مسلمان ثواب کا طلب گار بن کر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے، اُس کا دل نہیں مرے گا (ایمان سے محروم نہیں ہوگا)، جب لوگوں کے دل مَر جائیں گے۔"

(رواہ ابن ماجۃ فی سننہ بسند ضعیف، رقم الحدیث: 1782)

روایت کے مطابق شبِ عید / چاند رات کا نام لَيْلَةُ الْجَائِزَةِ (بارگاہِ الٰہی سے انعام اور عیدی ملنے کی رات) ہے۔[1]

اِنعام اور عیدی کی اہمیّت ہم سب جانتے ہیں... ہر چھوٹے کو بڑوں سے عیدی کی اُمّید ہوتی ہے... ربّ تعالیٰ کی تو شان ہی یہ ہے کہ سب اُس کی بارگاہ کے سوالی ہیں اور اُس سے رحمت کی بھیک مانگنے والے ہیں... تو کتنی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اِس مبارک رات میں ربّ تعالیٰ اپنے بندوں کو نوازنے کے لیے اُنھیں انعام عطا فرماتا ہے۔

پھر ہر ایک اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق عیدی دیتا ہے... کوئی دہائیوں میں، کوئی سینکڑوں میں اور کوئی ہزاروں میں... ربّ تعالیٰ بھی اپنی شان کے مطابق کرم فرماتا ہے، روایت کے مطابق رمضان المبارک کی آخری رات میں سب کی بخشش فرما دیتا ہے۔[2]

لمحۂ فکریہ: ہمارے دَور کی عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری ایّام کو عید کی خریداری / شاپنگ، گھروں کی صفائی ستھرائی اور دیگر تیاریوں میں گزار دیا جاتا ہے... چاند رات کو کھیل کود کی رات سمجھا جاتا ہے، بے شمار لوگ گناہوں کے کاموں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ سبھی اوقات نہایت مبارک ہیں اور اِن میں نیکیوں کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

---

[1] فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ۔ (شعب الایمان، حدیث: 3421)

[2] روی البیہقی عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوعا: فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ آخِرُ لَيْلَةٍ غَفَرَ لَهُمْ جَمِيعًا... (فضائل الأوقات، رقم الحدیث: 36۔ ورواہ ابن عساکر أیضا فی "فضل شهر رمضان"، رقم الحدیث: 8۔ وذکرہ البیہقی فی "شعب الإیمان" عن أبی هریرة مرفوعا، برقم: 3331)

حرفِ آخر: اِحساسِ جواب دہی اور صدقۂ فطر کی ادائیگی

احساسِ جواب دہی (Sense of responsibility) ایسی چیز ہے جس کے ذریعے انسان کے عمل میں حُسن و نکھار آتا ہے۔ دُنیاوی ذمّہ داری ہو یا دینی... اگر انسان کو یہ فکر نہ ہو کہ مجھ سے باز پُرس ہو گی تو وہ اپنا کام لاپرواہی سے کرتا ہے، جب کہ احتساب کا خوف ہو تو اپنے فرائض کو اچھے طریقے سے انجام دیتا ہے۔

قرآن و سنّت میں جابجا تاکید فرمائی گئی ہے کہ انسان کو ہمیشہ یہ بات اپنے پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ ایک روز احکم الحاکمین جلّ مجدہٗ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کے بارے میں جواب دینا ہے۔ صحابۂ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم میں یہ احساس بیدار تھا تو اُن کے افعال بھی قابلِ رشک و لائقِ تقلید تھے، آج ہمیں جواب دہی کی فکر نہیں تو ہمارے کرتوت بھی ایسے ہیں کہ اُن کا ذکر کرنا مناسب ہی نہیں۔

آج 1446ھ کے رمضان المبارک کا آخری جمعہ شریف ہے، رحمت کی بارش چھما چھم برس رہی ہے اور ہر گھڑی میں لاکھوں مسلمان جہنم سے آزاد ہو رہے ہیں۔ اگر ہمارے اندر یہ شعور بیدار ہو جائے کہ روزِ قیامت ہم نے اِس رمضان میں کیے ہوئے کاموں سے متعلق جواب دینا ہے تو اِن شاء اللہ توفیقِ الٰہی سے ہم رمضان کے اِن آخری لمحات سے فائدہ اُٹھا کر اپنی بخشش کا سامان کر سکتے ہیں۔

آج کے خطبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ماہِ پُرنور کے حوالے سے جواب دہی میں آسانی کے لیے چند باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے:

1) احکامِ الٰہی کی بجاآوری میں جو سُستی ہوئی اُس پر صدقِ دل سے توبہ کریں اور اپنے ربِّ کریم سے عہد کریں کہ آئندہ شریعتِ مطہرہ پر عمل میں کوتاہی نہیں کریں گے۔
2) جو کارہائے خیر انجام دیے ہیں اُن کے حوالے سے ریاکاری اور خود پسندی سے بچیں۔ اعمالِ صالحہ پر فقط رِضائے الٰہی کے طلب گار بنیں اور ذہن میں بٹھائیں کہ اِن میں ہمارا کوئی کمال نہیں، یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔
3) رمضان المبارک کے اختتامی لمحات، پھر شبِ عید اور یومِ عید کو فرماں برداری کے کاموں میں گزاریں۔ اِن بابرکت اوقات کو فضول یا گناہ کے کاموں میں گزارنا بڑی نالائقی ہے۔

جواب دہی کے اِحساس کی بات کرتے ہوئے غزّہ کے حالات پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اگر اُمّت میں یہ احساس ہوتا کہ روزِ قیامت ہم سے جواب طلبی ہو گی کہ فلسطین میں بیت المقدس کی حفاظت کی خاطر میدان میں ڈٹے 50,000 ہزار مسلمانوں کو شہید کیا گیا، تم نے اِس حوالے سے کیا کیا؟ اربابِ اختیار سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری فوجیں میدان میں کیوں نہ آئیں؟ ہم سے کم از کم یہ باز پُرس تو ہو گی کہ اِس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے، ظالموں کا بائیکاٹ کرنے اور مسلمان کے حق میں دعائے خیر کے حوالے سے تمہارا کیا کردار تھا؟ اگر جواب طلبی کا یہ شعور ہمارے دلوں میں جاگزیں ہوتا تو غزّہ میں یہ حالات نہ ہوتے!

صدقۂ فطر کے احکام

جمعۃ الوداع کے موقع پر صدقۂ فطر کی طرف توجہ بھی ضروری ہے؛ تاکہ اِس کی ادائیگی میں تاخیر نہ ہو۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ... یعنی رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر مقرر فرمایا؛ تاکہ اس کی برکت سے روزہ دار کا روزہ لغو اور فحش و بے ہودہ کلام سے پاک ہو جائے اور مساکین کے لیے کھانے کا انتظام ہو جائے۔ (سنن ابو داؤد، حدیث: 1609)

کس پر واجب ہے؟ وہ مسلمان جو عید کی صبح بنیادی ضروریاتِ زندگی[1] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی (Cash) یا سامان وغیرہ کا مکمل طور پر مالک (Owner) ہو اُس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

نوٹ: حکومتِ پاکستان نے 2025ء/1446ھ کے لیے نصاب 179,689 (تقریباً ایک لاکھ اسّی ہزار) روپے مقرر کیا ہے۔[2]

مسئلہ: کوئی شخص بلا عُذر یا عُذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ پایا ہو تو بھی صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں اُس کا فطرانہ واجب ہے۔

کس کس کا واجب ہے؟ ہر صاحبِ نصاب پر اپنا اور اپنی نابالغ اولاد (جو مالکِ نصاب نہیں) کا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ عاقل بالغ اولاد اور بیوی اگر زیرِ کفالت ہوں تو ان کی طرف سے صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لیے اُن سے اجازت لینا ضروری نہیں، ورنہ ضروری ہے۔

کب واجب ہے؟ نمازِ عید سے پہلے پہلے ادا کر دینا ضروری ہے۔ رمضان المبارک میں ادا کر دینا بھی جائز ہے اور اگر نمازِ عید تک ادا نہ کیا تب بھی معاف نہیں، بعد میں ادا کر دے۔

کتنا واجب ہے؟ آمدن اور مالی حیثیت کے مطابق تقریباً دو کلو گندم یا اُس کا آٹا یا قیمت،[3] یا چار کلو کھجور، کشمش، جَو یا اِن کی قیمت۔

کسے دینا ہے؟ وہ صحیح العقیدہ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 612.36 گرام چاندی یا اُس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامان کا مالک نہ ہو اُسے فطرانہ دینا جائز ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ کے لیے فطرانہ پیش کرنے میں دوہرا فائدہ ہے۔

---

[1] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

[2] 27 مارچ 2025ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 3,300 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً 173,000 روپے ہے۔

[3] موجودہ ریٹ کے مطابق دو کلو کی قیمت تقریباً 240 روپے ہے۔

یکم شوّال المکرّم ۱۴۴۶ھ / 31 مارچ 2025ء

شکرگزاری...

مفہوم، درجات، مقامات، فوائد اور حصول کا طریقہ

(خطبۂ عید الفطر)

مشمولات

- شکر گزاری... تقاضائے بندگی و ذریعۂ سعادات
- شکر کی ایک صورت... صدقۂ فطر کی ادائیگی
- شکر کا مفہوم اور اُس کے درجات
- رمضان کے روزوں کی قضا
- شکر کے مقامات
- رمضان کے بعد چھ روزے
- شکر کے فوائد اور ناشکری کا وبال
- مصافحہ و معانقہ کے ذریعے مغفرت
- جذبۂ تعظیم و شکر حاصل کرنے کا طریقہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَإِذۡ تَأَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِن شَكَرۡتُمۡ لَأَزِيدَنَّكُمۡ وَلَئِن كَفَرۡتُمۡ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔ [ابراھیم 14:7]

خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ کے احسانات وانعامات اِس قدر ہیں کہ اُن کا شکر ادا کرنا ہمارے بس میں نہیں، تاہم اپنی بساط وطاقت کے مطابق اپنے ربِّ کریم کا شکر ادا کرتے رہنا بندہ ہونے کا تقاضا بھی ہے اور دونوں جہان کی بے شمار سعادتوں کا ذریعہ بھی۔

شکر کسی ایک وقت کے ساتھ خاص نہیں، اپنے مہربان ربّ کا شکر ہمیشہ ادا کرتے رہنا چاہیے، تاہم عید الفطر کا پُر مَسرّت دن شکر کا خاص موقع ہے، یعنی اِس روز باقی مواقع سے زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے۔

خالقِ کائنات نے سورۂ بقرہ میں رمضان المبارک کے روزے فرض فرمائے، پھر کسی عذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ پانے کی صورت میں اُن کی قضا کا حکم دیا، اِس کے بعد ارشاد فرمایا: يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ۔ ”اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔“ مزید فرمایا: وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ۔ ”اور (یہ آسانیاں اِس لیے ہیں) تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو (رمضان کے 29 یا 30 دن پورے کرو) اور تاکہ تم اِس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو[1] کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔“ [البقرۃ 2:185]

آیت کے آخر میں شکر کا ذکر فرمانے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب بندہ اِس بات کی طرف توجّہ کرے کہ ربّ العالمین جلّ جلالہٗ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، اُسے اِس بات کی ہرگز حاجت نہیں کہ میرے جیسا کمزور وناتواں بندہ اُس کی عبادت کرے، اِس کے باوُجود اُس نے مجھ پر احسان فرماتے ہوئے مجھے نوازنے کے لیے روزے رکھنے اور دیگر اُمورِ خیر کا حکم دیا تو اِس تصوّر سے شکر کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ چنانچہ ربِّ کریم نے آیت کے آخر میں فرمایا: ”اور تاکہ تم (اپنے مہربان ربّ کا) شکر ادا کرو“۔ (تفسیرِ کبیر، ملخصًا)

ہم لوگ شکر کی حقیقت سے ناآشنا ہیں، شاید اِسی وجہ سے ہم شکر کے اِس خاص دن میں کئی طرح سے نافرمانی وگناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی شکر کے روز سخت ناشکری میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ یقیناً یہ شیطان کی کارستانی ہے، جسے ہم سمجھ نہیں پاتے۔ جب اُسے دھتکار کر جنّت سے نکالا گیا تھا تب اُس نے ربّ تعالیٰ کے حضور جسارت کرتے ہوئے کہا تھا: وَلَا تَجِدُ أَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ۔ ”(مَیں انسانوں کو یوں بہکاؤں گا) تُو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔“ [الاعراف 7:17]

چنانچہ آج عید الفطر کے موقع پر، یعنی شکر گزاری کے خاص دن میں شکر کے حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوگا۔

---

[1] نمازِ عید میں چھ تکبیرات (اَللّٰہُ أَکۡبَر کہنا) واجب ہیں اور اِس کے علاوہ عید الفطر کے روز آہستہ آواز سے تکبیراتِ تشریق پڑھتے رہنا مستحب ہے۔

شکر کا مفہوم اور اُس کے درجات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ زبان سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یا حمد و ثنا کے دیگر کلمات کہنا شکر ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا باعثِ رحمت وسعادت ہے، مگر شکر فقط زبان سے تعریف کے کلمات ادا کرنے کا نام نہیں، اِس کی تعریف کچھ اور ہے۔

تعریف: شکر کا مفہوم یہ ہے کہ "احسان واِنعام پر احسان کرنے والے ربِّ کریم کی یوں تعظیم کرنا، جو اُس کی نافرمانی وناشکری سے باز رکھے۔"[1]

وضاحت کے لیے اِسے یوں سمجھ لیجیے کہ اگر عام شخص ہمیں کوئی بات کہے تو اُس کی پرواہ نہیں ہوگی، سمجھیں گے کہ مان لی تو بھی ٹھیک ہے اور نہ مانی تو بھی خیر ہے... اِس کے برعکس وہی بات ہمیں ایسا شخص کہے جس کا ہمارے دل میں احترام واِکرام ہے تو اُس میں سُستی نہیں کریں گے؛ کیونکہ دل میں اُس کی تعظیم ہے۔

شکر کے درجات: شکر کا پہلا اور ابتدائی درجہ وہ ہے جس کا تذکرہ ہوا کہ "احسان فرمانے والے ربِّ کریم کی تعظیم جو اُس کی نافرمانی سے روک دے"۔ پھر جس قدر تعظیم بڑھتی جائے گی شکر کے جذبات میں بھی اِضافہ ہوتا جائے گا۔ اگلا درجہ یہ ہے کہ انسان نعمتوں سے نوازنے والے مالکِ کریم کے حکم کو پورا کرنے میں پوری کوشش صَرف کردے اور اِس سے بھی اگلا مرحلہ یہ ہے کہ بندہ بھلائیاں عطا فرمانے والے مہربان خالق کے حقوق کو پورا کرنے کے لیے جان لڑا دے۔

حسین مثال: خالقِ کائنات کی بے مثال تعظیم اور اُس کے شکر کا حسین ترین انداز امام الحامدین وسید الشاکرین ﷺ کی سیرتِ مبارکہ میں نظر آتا ہے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نماز میں اِس قدر قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہوگئے / سوج گئے۔ مَیں نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! حضور کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اپنوں کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے (اِس شانِ قُرب ومحبوبیت کے باوُجود) آپ اس قدر مشقت کیوں اُٹھاتے ہیں؟ فرمایا: يَا عَائِشَةُ! أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟ "عائشہ! کیا مَیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟" (صحیح مسلم، حدیث: 2820[2])

رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک میں اپنے ربِّ کریم کی اِس قدر تعظیم ہے کہ گناہ کا تو تصوّر بھی نہیں؛ آپ سید المعصومین ہیں، آپ کے شکر واحسان مندی کا یہ حسین ترین انداز ہے کہ ربّ تعالیٰ کے حضور بندگی ونیاز مندی کے لیے اِس قدر مشقّت اُٹھاتے ہیں۔

---

[1] تَعْظِيمُ الْمُنْعِمِ عَلَى مُقَابَلَةِ نِعْمَتِهِ عَلَى حَدٍّ يَمْنَعُهُ عَنْ جَفَاءِ الْمُنْعِمِ وَ كُفْرَانِهِ۔ (منہاج العابدین، العقبۃ السابعۃ، ص: 248)

[2] ورواہ البخاریّ أیضًا فی صحیحہ عن سیدنا المغیرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، برقم: 1130

شکر کے مقامات

شکر کا مفہوم سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہو چکی کہ "شکر" احسان و اِنعام پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم ربِّ کریم کے انعامات و احسانات پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ وہ دُنیاوی نعمتیں بھی عطا فرماتا ہے اور دینی بھی:

1) دُنیاوی نعمتوں میں:

i. بے شمار وہ ہیں جن سے ہم فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ جیسے: سلامتی و عافیت کے ساتھ درست پیدائش، پھر کھانے پینے اور لباس و رہائش وغیرہ مختلف ضروریات اور خواہشات سے متعلق احسانات۔

ii. اِن کے ساتھ ساتھ نہ جانے وہ کتنے نقصان دہ اُمور سے ہمیں محفوظ رکھ کر بھی ہمارے اوپر اِنعام فرماتا ہے۔

2) اور دینی انعامات میں سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اُس نے ہمیں کفر سے بچا کر اسلام کی توفیق عطا فرمائی، پھر بدعت و گمراہی سے محفوظ رکھ کر صحیح عقیدہ (سُنّیّت) پر استقامت سے نوازا، پھر نافرمانی کے بجائے اطاعت کی سعادت سے بہرہ مند فرمایا۔

اگر اِن بنیادی نعمتوں کی تفصیل پر غور کیا جائے تو بے ساختہ ربِّ کریم کا یہ سچا ارشادِ گرامی زبان پر جاری ہو جاتا ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ "اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو شمار نہیں کر سکو گے۔" [ابراھیم 14:34]

اِن تمام دینی و دُنیاوی نعمتوں پر خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ کا شکر ادا کرنا لازم ہے، بلکہ گہرائی میں سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پریشانیوں اور مصائب و مشکلات پر بھی شکر لازم ہے؛ وہ اِس لیے کہ پریشانیاں کئی خوشیوں کا ذریعہ بن جاتی ہیں، مصیبتوں پر صبر کی صورت میں بے پناہ اجر عطا ہوتا ہے اور مشکلات کا آنے کے بعد کچھ عرصہ میں ختم ہو جانا بھی تو ربّ تعالیٰ کا احسان ہی ہے۔

اِسی امر کو رمضان المبارک کی عبادات میں دیکھیں تو بات اور واضح ہو جائے گی۔ روزہ رکھ کر دن بھر بھوک پیاس برداشت کرنے میں کچھ مَشقت ہوتی ہے، یوں ہی دن کے کام کاج کے بعد رات کو تراویح میں قیام کرتے ہوئے بھی کچھ تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے، اِسی طرح قیام اللیل کی خاطر نیند کو قربان کرنا کبھی کبھی دُشوار محسوس ہوتا ہے... مگر یہ سب کچھ اتنے بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ ہے کہ قرآن و سنت میں بیان کیے گئے انعامات کو پڑھ سُن کر دل مچل جاتا ہے اور آرزو پیدا ہوتی ہے کہ کاش! توفیقِ الٰہی سے پورا سال وقتاً فوقتاً روزے رکھتے رہنے کی توفیق نصیب ہو اور عمر بھر کے لیے قیام اللیل کی عادت پڑ جائے!

بزرگوں نے فرمایا: ہر دُنیاوی مصیبت میں بھی اللہ کریم کے کم از کم چار احسانات ہوتے ہیں: 1) وہ دینی معاملات میں نہیں آئی۔ 2) اِس سے بڑی نہیں آئی۔ 3) تقدیر پر راضی رہنے کی توفیق عطا ہوئی۔ 4) اُس پر اجر و ثواب کی اُمّید سے نوازا گیا۔ (احیاء العلوم: 4/129)

خداوندِ قُدّوس کے بے پناہ احسانات پر شکر کا حق ادا کرنا ہمارے بس میں نہیں، کم از کم اُس کے احسانات کا اِدراک کر کے یہ شعور تو بیدار کرنا چاہیے کہ ہم حقِ شکر ادا کرنے سے عاجز ہیں، عاجز ہونے کا اعتراف بھی شکر کی ایک حسین صورت ہے۔

شکر کے فوائد اور ناشکری کا وبال

احسن الحاکمین جلّ جلالہٗ کو مخلوق میں سے کسی کے بھی شکر کی حاجت نہیں، ہم جیسے عاجز لوگوں کے شکر کی اُسے کیا ضرورت! زمین و آسمان اور اُن میں موجود مخلوقات اُس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس کرتی ہیں، اِس کے باوجود ہمیں نوازنے کے لیے اُس نے شکر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اِس پر وہ دُنیا و آخرت کے بے شمار اِعزازات عطا فرماتا ہے۔

شکر کے فوائد و ثمرات میں سے فقط دو کا تذکرہ مقصود ہے:

1) بندہ اپنے ربِّ کریم کا شکر گزار رہے تو ربّ تعالیٰ اپنی عطا کردہ نعمتوں کو اُس سے واپس نہیں لیتا، اُس کے پاس باقی رکھتا ہے۔
2) شکر گزاری پر ربّ العالمین بندے کو مزید انعامات سے نوازتا ہے۔

نعمتوں کا دوام: واضح سی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرد یا قوم پر انعام و احسان فرمائے تو اُسے واپس لینے کی کوئی حاجت نہیں اور نہ ہی وہ واپس لینے کے لیے دیتا ہے، نعمت چھننے کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ بندے ناشکری کرتے ہیں اور اپنے اقوال و افعال سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اِس نعمت کے اہل ہی نہیں۔ اگر شکر گزار رہیں تو کبھی بھی نعمت واپس نہ لی جائے۔[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یعنی "بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ (نافرمانی و ناشکری میں مبتلا ہو کر) خود اپنی حالت نہ بدلیں۔۔۔" [الرعد 13:11]

نعمتوں میں اضافہ: شکر ادا کرنے پر احسانات میں اضافہ کا وعدہ کرتے ہوئے قرآنِ مجید میں مالکِ کریم کا اعلان ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ "اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو مَیں ضرور تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو ضرور میرا عذاب سخت ہے۔" [ابراھیم 14:7]

ناشکری کا وبال: مذکورہ آیاتِ کریمہ سے جہاں شکر کے فوائد معلوم ہوئے وہاں یہ بھی پتا چلا کہ ناشکری کا وبال بہت سخت ہے، اُس میں یہ بھی شامل ہے کہ بندے سے نعمت واپس لے لی جاتی ہے۔

ناشکری کی بدترین صورت یہ ہے کہ بندہ نعمت کو نافرمانی میں استعمال کرے۔ چنانچہ عید کے دن اِس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ خوشی منانے کا انداز نافرمانی والا نہ ہو۔

---

[1] یہ قانون قرآنِ مجید میں ایک مقام پر یوں بیان فرمایا گیا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔۔۔ یعنی "اللہ تعالیٰ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اُس وقت تک وہ اس نعمت کو تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت کو نہ بدلے۔" [الانفال 8:53]

جذبۂ تعظیم و شکر حاصل کرنے کا طریقہ

شکر کا مفہوم، درجات و مقامات اور اُس کے فوائد جاننے کے بعد یہ بھی سیکھنا چاہیے کہ جذبۂ شکر... یعنی ربِّ کریم کی اِس قدر تعظیم جو نافرمانی سے روک دے... یہ جذبہ کیسے نصیب ہو گا؟

اللہ تعالیٰ کے کرم سے تعظیم کا یہ جذبہ اِس طرح نصیب ہو گا کہ انسان اپنے ربِّ کریم کے بے پناہ احسانات کو بار بار یاد کرے، نیز اِس بات پر غور کرے کہ شکر گزاروں کی حالت کتنی اچھی ہے اور ناشکری کرنے والوں کا حال کس قدر بُرا ہے۔[1]

حسین مثال: حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ ایک تالاب کے کنارے موجود تھے، دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا بچھو بیٹھا ہے، اتنی دیر میں ایک بڑا مینڈک تالاب سے نکلا، بچھو مینڈک پر سوار ہوا اور مینڈک نے تیرتے ہوئے اُسے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ذوالنون علیہ الرحمہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا: چلو! ہم بھی دوسرے کنارے کی طرف چلیں، اِس بچھو کا عجیب و غریب واقعہ ہو گا۔ دونوں حضرات تالاب کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک نوجوان نشے کی حالت میں پڑا ہے، اچانک ایک اژدھا (بڑا سانپ) اُس کی طرف آیا، اُس کی ناف سے سینے پر چڑھا اور کان کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ بچھو نے اُس سانپ کو دبوچ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر بچھو تالاب کی طرف گیا، وہاں مینڈک پر سوار ہوا اور واپس پہلے کنارے کی طرف چلا گیا۔

حضرت ذوالنون علیہ الرحمہ نے نشے میں مست اُس جوان کو حرکت دے کر ہوش دلائی، اُس نے آنکھیں کھولیں تو ارشاد فرمایا: اے نوجوان! دیکھ تیرے پروردگار نے کس طرح تیری جان بچائی ہے! یہ سانپ تجھے ہلاک کرنے آیا تھا اور اُس بچھو نے اِسے مار ڈالا ہے۔

وہ نوجوان اُٹھا اور کہنے لگا: إِلٰهِي! هٰذَا فِعْلُكَ بِمَنْ عَصَاكَ، فَكَيْفَ رِفْقُكَ بِمَنْ يُطِيعُكَ! اِلٰہی! اگر اپنے نافرمان کے ساتھ تُو یہ کریمانہ سلوک فرماتا ہے تو اپنے فرماں بردار پر تیری مہربانی کا عالَم کیا ہو گا!

دل میں ربِّ کریم کی تعظیم کے جذبات پیدا ہوتے ہی وہ جوان آگے کی طرف بڑھا اور کہنے لگا (مفہوم): اب ربِّ کریم کی عبادت کے لیے جا رہا ہوں، اللہ کی قسم! آئندہ کبھی بھی دُنیا کی رنگینیوں میں مست ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔[2]

(عیون الحکایات لابن الجوزی، الحکایۃ: 81، ص: 102، دار الکتب العلمیۃ۔ التوّابین لابن قدامۃ، ص: 136، رقم: 90، دار ابن حزم)

آج عید الفطر کے پُر مسرّت موقع پر اگر ہم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کریں تو زبان پر یہی آئے گا: اگر اب اتنی رحمتیں ہیں تو توبہ کرنے پر کیا انعامات ہوں گے! یوں توفیقِ الٰہی سے گناہوں کی عادت چھوڑنے میں آسانی ہو گی۔

---

[1] وَذٰلِكَ بِتَذَكُّرِ إِحْسَانِهِ وَحُسْنِ حَالِ الشَّاكِرِ فِي شُكْرِهِ وَقُبْحِ حَالِ الْكَافِرِ فِي كُفْرِهِ۔ (منہاج العابدین، العقبۃ السابعۃ، ص: 248)

[2] ثُمَّ وَلّٰى، فَقُلْتُ: إِلٰى أَيْنَ؟ قَالَ: إِلَى الْبَادِيَةِ، وَاللهِ! لَا عُدْتُ إِلَى الْمُدُنِ أَبَدًا۔

شکر کی ایک صورت... صدقۂ فطر کی ادائیگی

رمضان المبارک اور اُس کی عبادات، پھر شبِ عید اور روزِ عید کی صورت میں ربِّ کریم نے جو بے شمار احسانات فرمائے اُن کا شکریہ ادا کرنے کی مختلف صورتوں میں سے ایک صدقۂ فطر بھی ہے۔ اِس کے چند اہم مسائل کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

کس پر واجب ہے؟ وہ مسلمان جو عید کی صبح بنیادی ضروریاتِ زندگی[1] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی (Cash) یا سامان وغیرہ کا مکمل طور پر مالک (Owner) ہو اُس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

نوٹ: حکومتِ پاکستان نے 2025ء/1446ھ کے لیے نصاب 179,689 (تقریباً ایک لاکھ اسّی ہزار) روپے مقرر کیا ہے۔[2]

مسئلہ: کوئی شخص بلا عُذر یا عُذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ پایا ہو تو بھی صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں اُس کا فطرانہ واجب ہے۔

کس کس کا واجب ہے؟ ہر صاحبِ نصاب پر اپنا اور اپنی نابالغ اولاد (جو مالکِ نصاب نہیں) کا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ عاقل بالغ اولاد اور بیوی اگر زیرِ کفالت ہوں تو ان کی طرف سے صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لیے اُن سے اجازت لینا ضروری نہیں، ورنہ ضروری ہے۔

کب واجب ہے؟ نمازِ عید سے پہلے پہلے ادا کر دینا ضروری ہے۔ رمضان المبارک میں ادا کر دینا بھی جائز ہے اور اگر نمازِ عید تک ادا نہ کیا تب بھی معاف نہیں، بعد میں ادا کر دے۔

کتنا واجب ہے؟ آمدن اور مالی حیثیت کے مطابق تقریباً دو کلو گندم یا اُس کا آٹا یا قیمت،[3] یا چار کلو کھجور، کشمش، جَو یا اِن کی قیمت۔[4]

کسے دینا ہے؟ وہ صحیح العقیدہ مسلمان جو بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 612.36 گرام چاندی یا اُس کی قیمت کے برابر نقدی یا سامان کا مالک نہ ہو اُسے فطرانہ دینا جائز ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ کے لیے فطرانہ پیش کرنے میں دوہرا فائدہ ہے۔ نیز اربابِ خیر کو غزّہ کے مظلوم مسلمانوں سے ہرگز غافل نہیں ہونا چاہیے۔[5]

---

[1] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

[2] 27 مارچ 2025ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 3,300 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً 173,000 روپے ہے۔

[3] موجودہ ریٹ کے مطابق دو کلو کی قیمت تقریباً 240 روپے ہے۔

[4] قیمتوں کی تفصیل جاننے کے لیے دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ سے جاری شدہ فتوٰی ملاحظہ کریں: https://drive.google.com/file/d/1kDO52X9TRbhbvI_kI6WGL2kIxFIQtcx3/view?usp=sharing

[5] دعوتِ اسلامی کے ذیلی ادارے Faizan Global Relief Foundation (FGRF) کے زیرِ اہتمام غزّہ میں امداد کی ترسیل جاری ہے۔ تعاون اور معلومات کے لیے ادارے کی ویب سائٹ دیکھیں: https://fgrf.org/

رمضان کے روزوں کی قضا

جن افراد کو رمضان المبارک کے تمام روزے رکھنے کی سعادت ملی وہ لائقِ مبارک باد ہیں اور اُنھیں اِس احسانِ ربّانی پر شکر گزار ہونا چاہیے، لیکن اگر خدانخواستہ رمضانِ کریم میں کوئی شخص عذر کی وجہ سے یا بلا عذر کچھ یا تمام روزے نہیں رکھ سکا تو اُس پر بعد میں اُن کی قضا کرنا (اور شیخِ فانی پر اپنے روزوں کا فدیہ دینا) اُسی طرح فرض ہے جس طرح رمضان میں روزے رکھنا فرض تھا۔ جیسے شرعی عذر کے بغیر رمضان میں روزہ چھوڑنا گناہِ کبیرہ ہے اِسی طرح بلا عذر بعد میں قضا نہ کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ ”تو تم میں جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اُتنے روزے دوسرے دنوں میں رکھے۔“ [البقرۃ2:184]

رمضان کے بعد چھ روزے

رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں، اِن کے علاوہ کوئی بھی روزہ فرض نہیں،[1] تاہم روزہ بہت پسندیدہ عبادت ہے جسے حسبِ سہولت مختلف اوقات میں جاری رکھنا چاہیے۔ صیامِ رمضان کی توفیق پر شکر ادا کرنے کے لیے عید کے بعد چھ روزے رکھنا مستحب ہے اور اِن کی بہت فضیلت ہے۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ كَانَ تَمَامَ السَّنَةِ، مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔ ”جو مسلمان (ماہِ رمضان میں روزے رکھے، پھر) عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو اُسے پورے سال کے روزوں کا ثواب ملے گا، (اس لیے کہ) جو ایک نیکی کرے اُس کے لیے اُس جیسی دس نیکیاں ہیں۔“

(سنن ابن ماجہ، حدیث: 1715، إسنادہٗ صحیح)

احادیثِ مبارکہ میں عید کے بعد شوال کے اندر چھ روزے رکھنے کا بھی ذکر ہے،[2] تاہم اِس حدیثِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے بعد کسی بھی مہینے میں چھ روزے رکھنے سے سال بھر روزے رکھنے کا ثواب عطا ہو جائے گا۔ (مرقاۃ المفاتیح، زیرِ حدیث: 2047)

---

[1] اگر کسی شخص نے روزوں کی منّت مانی ہو تو اُس پر اپنی منت کو پورا کرنا واجب ہے۔

[2] میزبانِ رسول ﷺ سیدنا ابو ایّوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔» ”جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اِن کے بعد چھ دن شوال میں روزے رکھے تو ایسا ہے جیسے دہر کا روزہ رکھا۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 1164) یعنی اللہ تعالیٰ اُسے پورے سال کے روزوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔ (لمعات التنقیح)

حرفِ آخر: خطبہ کے اہم نکات

خطبہ میں ذکر کیے گئے اُمور میں سے چند اہم یہ ہیں:

- ہم میں سے ہر ایک پر اللہ تعالیٰ کے اِس قدر احسانات ہیں کہ اُنھیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ اِن کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ ہم اُس کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے، تاہم حسبِ طاقت شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اُس کے انعامات کو یاد کر کے اپنے عاجز ہونے کا اعتراف کرنے سے غافل نہیں ہونا چاہیے، یہ اعتراف واحسان مندی بھی ایک طرح کا شکر ہے۔
- آسان الفاظ میں شکر کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ ربِّ کریم کی اِس قدر تعظیم کرے جو اُسے نافرمانی سے روک دے۔
- اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرنے، نیز شکر گزاری کے فوائد و ثَمَرات اور ناشکری کے وبال وعذاب پر غور کرنے کی برکت سے شکر کا جذبہ عطا ہوتا ہے۔
- شکر ہر وقت ادا کرنا چاہیے، تاہم عید الفطر کا دن اُن اوقات میں سے ہے جن میں شکر کے زیادہ اہتمام کا حکم ہے؛ لہٰذا ہمیں اِس دن کو اچھے کاموں میں گزارنا چاہیے اور نافرمانی سے مکمل طور پر بچنا لازم ہے۔
- نافرمانی وگناہ ناشکری ہے، خصوصاً نعمت کو نافرمانی میں استعمال کرنا بدترین ناشکری ہے۔
- شکر کے دو بڑے فائدے یہ ہیں کہ اِس سے اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتا ہے، نیز نعمت کو واپس نہیں لیتا... جب کہ نافرمانی و ناشکری کی یہ سزا ہوتی ہے کہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔
- مالکِ نصاب مسلمان پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ اگر تاحال ادا نہیں کیا تو نماز کے بعد جلد ادا کریں۔
- کوئی صاحب کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھ سکے تو بعد میں ضرور قضا کریں (اور شیخِ فانی فدیہ دے)، یہ فرض ہے۔
- عید کے بعد چھ روزوں کا اہتمام مستحب ہے، اِس پر سال بھر کے روزوں کے ثواب کی بشارت ہے۔

نمازِ عید کا طریقہ

پہلے زبان سے یا دل میں ہی یوں نیت کریں: ”دو رکعات نمازِ عید واجب، اضافی چھ تکبیروں سمیت، اِس امام کے پیچھے، قبلہ شریف کی طرف رُخ کیے۔“

پھر کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہیں اور ہاتھ باندھ لیں۔ پھر ثنا پڑھیں۔ پھر امام کے ساتھ دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہتے ہوئے ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ اب امام صاحب تلاوت کریں گے اور تمام مقتدی خاموشی سے سنیں گے۔ تلاوت کے بعد باقی نمازوں کی طرح پہلی رکعت مکمل کریں۔

دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر امام صاحب قراءت کریں گے اور تمام مقتدی خاموشی سے سنیں گے۔ قراءت کے بعد امام کے ساتھ تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ أَکْبَرُ کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ چوتھی مرتبہ بغیر ہاتھ اُٹھائے اَللّٰہُ أَکْبَرُ کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں[1] اور حسبِ قاعدہ نماز مکمل کریں۔

نمازِ عید میں تاخیر سے پہنچنے والے کے لیے:

- مقتدی دیر سے پہنچا اور امام صاحب تکبیرات کہہ کر قراءت شروع کر چکے تھے تو وہ تکبیرِ تحریمہ کہہ کر فوراً ہی تین تکبیریں کہہ لے۔
- امام صاحب پہلی یا دوسری رکعت کے رکوع میں جا چکے ہیں تو اُن کے ساتھ رکوع میں جائے اور بغیر ہاتھ اُٹھائے رکوع میں اِضافی تکبیرات کہہ لے۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام صاحب نے رکوع سے سر اُٹھا لیا تو باقی تکبیرات معاف ہو گئیں۔
- اگر امام صاحب کے پہلی یا دوسری رکعت کے رکوع سے اُٹھنے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے، بلکہ امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد جب اپنی بقیہ نماز پڑھے تو اُس وقت کہے۔

نماز میں بھول سے متعلق:

امام پہلی رکعت کی تکبیریں بھول گیا تو قراءت کے بعد یا رکوع میں کہہ لے اور دوسری رکعت کی بھول گیا تو نہ قیام کی طرف لوٹے نہ رکوع میں کہے۔ (بہارِ شریعت، ج:1، ح:4، ص:782، 783، ملخصًا)

مصافحہ و معانقہ کے ذریعے مغفرت

عید کے موقع پر باہم ملاقات اور مصافحہ و معانقہ بکثرت ہوتا ہے، اِس موقع پر بخشش کا بہت آسان ذریعہ ہے کہ دل سے بھی کدورتیں نکال دی جائیں اور سلام کے ساتھ ساتھ بارگاہِ خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں دُرود و سلام کا ہدیہ پیش کیا جائے۔

خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی ہے: مَا مِنْ عَبْدَيْنِ مُتَحَابَّيْنِ فِي اللهِ يَسْتَقْبِلُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَيَتَصَافَحَانِ وَيُصَلِّيَانِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا لَمْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى تُغْفَرَ ذُنُوبُهُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْهَا وَمَا تَأَخَّرَ۔ یعنی ”اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے آپس میں محبت کرنے والے دو مسلمان جب ایک دوسرے سے ملیں اور سلام و مصافحہ کریں اور نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر دُرود پڑھیں تو اُن کے جدا ہونے سے پہلے اُن کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔“

(شعب الإیمان، 281/11 رقم:8543، وأخرجه أیضًا البخاری فی التاریخ الکبیر، ج:3، ص:252، وأبو یعلی فی مسندہ، ج:5، ص:334، رقم:2960، فیه درست بن حمزة، وهو ضعیف)

---

[1] نمازِ عید کی دوسری رکعت میں رکوع کی یہ تکبیر واجب ہے، جب کہ دیگر نمازوں میں سنّت ہوتی ہے۔

۵ شوّال المکرّم ۱۴۴۶ھ / 04 اپریل 2025ء

صحّت

سے متعلق اسلامی تعلیمات

(عالَمی یومِ صحت / World Health Day کی مناسبت سے)

مشمولات

- صحت وعافیت کی قدر
- نعمتِ صحت پر شکر اور اُس کی دُعا
- حفظانِ صحّت کے اُصول اور اسلامی تعلیمات
  - متوازِن غذا اور نقصان دہ چیزوں سے پرہیز
  - ہاتھ دھونا اور صفائی کا لحاظ رکھنا
  - ورزِش اور بروقت سونا وجاگنا
- فکری وباطنی صحّت

شوّال المکرم میں قضائے رَمضان اور مزید چھ روزوں کا اہتمام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيۡهِ تَجۡـَٔرُوۡنَ۔ [النحل 53:16]

دُنیا و آخرت کی تمام نعمتیں خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ ہی عطا فرماتا ہے اور اگر کسی نعمت کی کمی ہو تو اُسی کی بارگاہ میں التجا کی جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيۡهِ تَجۡـَٔرُوۡنَ۔ ”تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں کوئی تکلیف / مصیبت پہنچتی ہے تو تم اُسی سے فریاد کرتے ہو۔“ [النحل 53:16]

ہر نعمت کی قدر کرنی چاہیے؛ کیونکہ اِس سے شکر کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور شکر کی برکت سے انعامات میں اِضافہ ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں مالکِ کریم کا اعلان ہے: لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ۔ ”اگر تم میرا شکر ادا کروگے تو مَیں ضرور تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو ضرور میرا عذاب سخت ہے۔“ [ابراھیم 7:14]

احساناتِ خداوندی میں دینی بھی شامل ہیں اور دُنیاوی بھی... جسمانی بھی داخل ہیں اور رُوحانی بھی... ظاہری بھی درج ہیں اور باطنی بھی... انسان نہ تو اپنے مہربان ربّ کے انعامات کو شمار کر سکتا ہے اور نہ ہی اِن کے شکر کا حق ادا کر سکتا ہے۔

جسمانی انعامات میں ”صحّت / عافیت“ بہت بڑی نعمت ہے؛ اِس کے ذریعے کئی دوسری عطاؤں کا راستہ کھلتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ نعمتِ صحت کی پوری قدر اُسی شخص کو معلوم ہوتی ہے جو کسی بیماری میں مبتلا ہے۔

سیدِ عالَم ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں صحت و عافیت کی دُعا کرتے رہنے کی ترغیب بھی دلائی ہے اور تندرستی کی قدر کرتے ہوئے اوقاتِ صحت کو شریعت پر عمل کرتے ہوئے ربِّ کریم کی فرماں برداری میں گزارنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا ہے۔

ہر سال 07 اپریل کو عالَمی یومِ صحّت (World Health Day) کے طور پر منایا جاتا ہے؛ تاکہ صحت کی اہمیت، حفظانِ صحت کے اُصولوں اور بیماریوں کے علاج سے متعلق شعور بیدار کیا جاسکے۔

یہ سچ ہے کہ عصرِ حاضر میں بیماریاں بڑھنے کی بڑی وجہ اسلامی تعلیمات سے دُوری ہے۔ شریعت کو چھوڑنے پر بطورِ آزمائش و سزا بھی بیماریوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ نیز حفظانِ صحت کے عالَمی اُصولوں کو اسلامی تعلیمات کے تناظر میں دیکھا جائے تو انسان بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے کہ سائنسی تحقیقات کے بعد دُنیا آج جو اُصول بنا رہی ہے ہمارے آقا کریم ﷺ نے صدیوں پہلے یہ ضوابط عطا فرما کر اُن پر عمل کی تربیت فرمائی ہے... بلکہ امام الانبیا ﷺ نے تو فکری و باطنی بیماریوں کی معلومات اور اُن کا علاج بھی عطا فرمایا ہے۔

چنانچہ یومِ صحت کی مناسبت سے آج کے خطبہ میں صحّت سے متعلق اسلامی تعلیمات کا تذکرہ ہوگا۔

صحت وعافیت کی قدر

کسی بھی نعمت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اُس کی قدر دانی بہت ضروری ہوتی ہے۔ قدر نہ ہو تو انسان ربِّ کریم کی عطا کردہ بڑی بڑی نعمتوں کو ضائع کر دیتا ہے، پھر بعد میں ہاتھ مَلنے کے سوا کچھ نہیں کر پاتا۔

سرورِ عالَم ﷺ نے صحت وعافیت کی قدر کرنے کا حکم فرمایا ہے اور عافیت کے وقت کو فضول یا گناہ کے کاموں میں ضائع کرنے کے بجائے فرماں برداری میں گزار کر کچھ کمانے کی تربیت فرمائی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جانِ عالَم ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ۔ یعنی "پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو / اُن سے فائدہ اُٹھالو، اِس سے پہلے کہ دوسری پانچ چیزیں آجائیں":

1) شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ۔ یعنی "بڑھاپا / کمزوری آنے سے پہلے جوانی / قوّت کے وقت سے فائدہ اُٹھالو!"

2) وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ۔ "بیماری سے پہلے تندرستی کو غنیمت سمجھو!"

3) وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ۔ یعنی "فقیری سے پہلے مال داری / مالی عبادات اور صدقات وخیرات پر قدرت سے نفع حاصل کرو!"

4) وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ۔ یعنی "مصروفیت سے پہلے فرصت / فراغت سے استفادہ کرو!"

5) وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ یعنی "موت سے پہلے زندگی کی قدر کرو!"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث:7846۔ شعب الإیمان، ج:12، ص:476، حدیث:9767، صحیح علی شرط الشیخین، تشریح مأخوذ از مرقاۃ)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔ "دو نعمتوں سے متعلق بہت سے لوگ نقصان / خسارے میں ہیں: صحت اور فراغت۔" (صحیح بخاری، حدیث:6412)

یعنی تندرستی اور وقت وفرصت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں، مگر بہت سے لوگ اِن کی قدر نہیں کرتے، اِن میں اعمالِ صالحہ بجا نہیں لاتے اور اِنھیں ضائع کر کے شرمندہ ہوتے ہیں، مگر اُس وقت شرمندگی کا فائدہ نہیں ہوتا۔[1]

صحت کی قدر کر کے اُس میں شریعت پر عمل کرنے سے جہاں اُخروی فائدہ ہوتا ہے وہاں دُنیاوی نفع بھی ملتا ہے؛ کیونکہ جو شخص صحت وعافیت میں فرماں بردار رہے جب وہ بیمار ہو جائے تو ربّ تعالیٰ اُسے عمل کیے بغیر ہی صحت والے معمولات کا اجر عطا فرماتا ہے، نیز اُسے قلبی اضطراب / دل کی بے چینی سے بھی محفوظ رکھتا ہے اور اُس کے اعضا کو بے کار ہونے سے بھی بچالیتا ہے۔

---

[1] لَا يَعْرِفُ قَدْرَ هَاتَيْنِ النِّعْمَتَيْنِ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ؛ حَيْثُ لَا يَكْسِبُونَ فِيهِمَا مِنَ الْأَعْمَالِ كِفَايَةَ مَا يَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ فِي مَعَادِهِمْ، فَيَنْدَمُونَ عَلَى تَضْيِيعِ أَعْمَارِهِمْ عِنْدَ زَوَالِهَا وَلَا يَنْفَعُهُمُ النَّدَمُ۔ (مرقاۃ المفاتیح)

نعمتِ صحت پر شکر اور اُس کی دُعا

صحت و سلامتی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہ جسے چاہے نوازتا ہے۔ اگرچہ حفظانِ صحت کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مگر یہ نعمت فقط تقاضوں کو پورا کرنے سے نہیں ملتی، بلکہ خالصۃً ربِّ کریم کے احسان سے ہی ملتی ہے۔ اگر حفظانِ صحت کے اُصول اپنانے پر ہی تندرستی کا دار و مدار ہوتا تو ترقّی یافتہ ممالک کے لوگ، اِسی طرح ڈاکٹر حضرات کبھی بیمار نہ ہوتے۔

چنانچہ سرورِ عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تندرستی کے احسان پر ربِّ کریم کا شکر ادا کرتے رہنے اور اُس کی بارگاہ میں صحت و عافیت کی دُعائیں مانگتے رہنے کی تربیت فرمائی ہے۔

عافیت پر شکر: سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت کردہ ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے: جو شخص مصیبت زدہ کو دیکھ کر شکر کے یہ کلمات پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ۔ ”سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے مجھے اِس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں تم مبتلا ہو اور مجھے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی“ تو پڑھنے والا ہمیشہ اُس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔“[1] (جامع ترمذی، حدیث: 3431)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: جن جن اَمراض کے مریضوں اور جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اِسے پڑھا بحمدہٖ تعالیٰ آج تک اُن سے محفوظ ہوں اور بعونہٖ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص:69، مکتبۃ المدینہ)

عافیت کی دُعا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کیا کہ بندہ جو دُعائیں مانگتا ہے اُن میں سب سے افضل دُعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ الْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ۔ ”اے اللہ! مَیں تجھ سے دُنیا و آخرت میں (مصیبتوں، بیماریوں اور گناہوں وغیرہ سے) عافیت / سلامتی کا سوال کرتا ہوں۔“ (سننِ ابن ماجہ، حدیث: 3851، صحیح لغیرہٖ)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پیارے چچا سیدنا عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر درخواست کی: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِیْ شَیْئًا أَدْعُوْ بِهٖ؟ یعنی یارسول اللہ، صلّی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم! مجھے کوئی پیاری اور نفع بخش دُعا سکھا دیجیے! آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: سَلِ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ۔ ”اللہ تعالیٰ سے مُعافی اور عافیت / سلامتی مانگو!“ سیدنا عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں: مَیں نے دوبارہ حاضر ہو کر یہی عرض پیش کی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: یَا عَبَّاسُ! یَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم! سَلِ اللّٰهَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ۔ ”اے عباس! اے رسول اللہ کے چچا! اللہ کریم سے دُنیا و آخرت میں عافیت کی دُعا مانگو!“

(مسند احمد، حدیث: 1783، حسن لغیرہٖ۔ جامع ترمذی، حدیث: 3514)

---

[1] بیمار کو دیکھ کر یہ دعا اِس انداز سے پڑھی جائے کہ اُس کی دل آزاری نہ ہو۔

حفظانِ صحّت کے اُصول اور اسلامی تعلیمات

طِبّ کے ماہِرین نے جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں بیماریوں سے بچاؤ کے لیے کچھ اُصول مُرتّب کیے ہیں۔ ہسپتالوں، کلینکس اور دیگر مراکزِ صحت میں اِن اُصولوں کو نمایاں مقامات پر آویزاں کیا جاتا ہے، نیز سوشل میڈیا اور دیگر ذرائعِ ابلاغ سے بھی اِن سے متعلق آگاہی فراہم کی جاتی ہے۔

اِس بات پر غور کرکے انسان حیران رہ جاتا ہے کہ آج ترقّی یافتہ دَور میں تحقیقات کے بعد ماہِرین جن نتائج تک پہنچے ہیں، صدیوں پہلے قرآن وسنّت میں یہ اُصول اپنانے کی نہایت احسن طریقے سے تربیت فرمائی گئی تھی۔

مُتوازِن غِذا: غذا کا انسانی صحت پر گہرا اثر ہوتا ہے اور یہ روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ زیادہ تر بیماریاں کھانے پینے میں اعتدال ومیانہ روی اختیار نہ کرنے سے لاحق ہوتی ہیں۔ اِس حوالے سے خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ نے ارشاد فرمایا: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۔ ”اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو! بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو پسند نہیں۔“ [الاعراف 7:31]

سبحان اللہ، کیسا جامع کلام ہے! ”حد سے نہ بڑھو“ فرما کر کسی بھی طرح سے شریعت کی خلاف ورزی کرنے سے منع فرمادیا... حرام کھانا، نقصان دہ چیز کھانا یا اتنا زیادہ کھانا کہ پیٹ خراب ہونے کا خدشہ ہو... یہ سب حدّ سے تجاوُز کی صورتیں ہیں۔

ایک عیسائی طبیب نے حضرت علی بن حسین واقِد علیہ الرحمہ سے کہا: تم مسلمانوں کی کتاب قرآنِ مجید میں علمِ اَدیان سے متعلق تو معلومات ہیں، مگر علمِ طب کے حوالے سے کچھ بھی مذکور نہیں۔ آپ نے فرمایا: قَدْ جَمَعَ اللهُ الطِّبَّ كُلَّهٗ فِيْ نِصْفِ آيَةٍ مِنْ كِتَابِنَا ۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری کتاب کی آدھی آیت میں پوری طب کو جمع فرمادیا ہے۔ اُس نے حیران ہو کر پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا! ”اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو!“

(الجامع لأحکام القرآن [تفسیر قرطبی]، زیرِ آیت، ج:7، ص:192۔ تفسیر ثعلبی، تفسیرِ بغوی، تفسیرِ مظہری، زیرِ آیت)

نقصان دہ چیزوں سے پرہیز: کہا جاتا ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے؛ کیونکہ علاج سے بھی فائدہ تبھی ہوتا ہے جب نقصان دہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے، بلکہ اگر بندہ احتیاط کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور انسان کئی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ احتیاط سے متعلق سرکارِ دوعالَم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ نہایت تاب ناک ہیں۔

رشتہ کے اعتبار سے نبیِ اکرم ﷺ کی خالہ سیدتنا اُمِّ مُنذِر انصاریہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، مولَی المسلمین سیدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ہمارے ہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے، رسولِ اکرم ﷺ اُنھیں تناول فرمانے لگے، حضرت علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے تو آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: مَهْ مَهْ يَا عَلِيُّ!

فَإِنَّكَ نَاقِهٌ۔ ”اے علی! رُک جاؤ؛ ابھی تم مکمل صحت یاب نہیں ہوئے (کھجور تمہارے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے)۔“ حضرت علی رُک گئے، جب کہ رسول اللہ ﷺ تناول فرماتے رہے۔ سیدتنا اُمِّ مُنذِر نے فرمایا: مَیں نے ان کے لیے چُقَنْدَر[1] اور جَو (سے کھانا/سِیرا) تیار کیا تو نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: يَا عَلِيُّ! مِنْ هٰذَا فَأَصِبْ؛ فَإِنَّهُ أَوْفَقُ لَكَ۔ ”اے علی! اِس میں سے کھاؤ؛ کہ یہ تمہارے موافق ہے۔“

(جامع ترمذی، حدیث: 2037۔ سنن ابو داؤد، حدیث: 3856)

حدیثِ مبارک سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ طبّی مہارت رکھتے تھے وہاں پرہیز کی تربیت بھی ملتی ہے۔

ہاتھ دھونا: انسان کے پیٹ میں زیادہ تر نقصان دہ جراثیم کھانے کے ذریعے پہنچتے ہیں؛ اِسی لیے ڈاکٹرز کھانے سے پہلے صابن کے ساتھ ہاتھ دھونے کی تاکید کرتے ہیں۔ اِس حوالے سے نبیِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی جان کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

سیدنا سَلمان فارِسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے۔ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ أَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ۔ یعنی یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! مَیں نے (اسلام قبول کرنے سے پہلے) تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد وُضو کرنا (ہاتھ دھونا اور کلّی کرنا) باعثِ برکت ہے۔ (کیا یہ بات صحیح ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ۔ یعنی ”کھانے کی برکت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھ دھوئے جائیں اور کلّی کی جائے اور کھانے کے بعد بھی ایسا کیا جائے۔“ (جامع ترمذی، حدیث: 1846۔ سننِ ابو داؤد، حدیث: 3761، تشریح ماخوذ از مرقاۃ و مرآۃ)

اگر ہم کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے اور کلّی کرنے کی عادت ڈالیں تو نہ صِرف کئی بیماریوں سے محفوظ رہیں، بلکہ سنّت پر عمل کی نیت ہو تو ہر مرتبہ ثواب بھی نصیب ہوتا رہے۔

صفائی: حضرت معاوِیہ بن قُرّہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مَیں صحابیِ رسول ﷺ سیدنا مَعقِل مُزَنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ تھا، راستے میں پڑی کسی تکلیف دہ چیز پر اُن کی نظر پڑی تو اُنھوں نے اُسے وہاں سے ہٹا دیا۔ کچھ لمحوں بعد میری نگاہ میں ایک تکلیف دہ چیز آئی تو جلدی سے مَیں نے اُس کا اِزالہ کر دیا۔ وہ فرمانے لگے: بھتیجے! ایسا کیوں کیا ہے؟ مَیں نے کہا: آپ کو تکلیف دہ چیز راستے سے ہٹاتے دیکھا تو مَیں نے بھی ویسا ہی کیا۔ فرمانے لگے: بھتیجے! تم نے بہت اچھا کیا؛ مَیں نے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے: مَنْ أَمَاطَ أَذًى عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ، وَمَنْ تُقُبِّلَتْ لَهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ ”جس نے مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹایا اُس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور جس کی ایک بھی نیکی قبول ہو گئی اُسے (بلا عذاب) جنّت میں داخلہ نصیب ہو گا۔“ (الأدب المفرد للبخاری، حدیث: 593۔ المعجم الکبیر، حدیث: 502۔ الأدب لابن ابی شیبہ، حدیث: 111۔ سندہٗ حسن)

---

[1] چُقَنْدَر (Beetroot): شلجم کی قسم میں سُرخ رنگ کی ایک ترکاری

ورزش: تندرستی کے لیے یہ بات بھی اہم ہے کہ جسم کو متحرک رکھا جائے، جو شخص چلنے پھرنے اور کام کاج میں سستی کرتا ہو اُسے مختلف بیماریاں لاحق ہونے کا خدشہ ہوتا ہے؛ اِسی لیے ورزش اور پیدل چلنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اِس حوالے سے بھی اسلامی تعلیمات منارۂ نور ہیں۔ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے بافائدہ کھیل نہ صِرف جائز ہے بلکہ نبیِ کریم ﷺ نے ایسے کھیلوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، تاہم جو کھیل بے فائدہ ہو یا اُس میں شرعی تقاضوں کی خلاف ورزی کی جائے وہ ممنوع ہے۔

سیدنا سَلَمہ بن اَکْوَع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ "اسلم" کے کچھ افراد کے پاس سے گزرے، وہ ٹیمیں بنا کر تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے اُنھیں شوق دلاتے ہوئے فرمایا: اِرْمُوا بَنِيْ إِسْمَاعِيْلَ! فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا۔ "اولادِ اسماعیل! تیر چلاتے رہو، تمہارے جدِّ امجد حضرت اسماعیل بہت ماہر تیر انداز تھے۔" مزید فرمایا: اِرْمُوْا! وَأَنَا مَعَ بَنِيْ فُلَانٍ۔ یعنی "تیر چلاؤ! مَیں فلاں ٹیم کے ساتھ ہوں۔" زبانِ اقدس سے جوں ہی یہ کلمات ادا ہوئے دوسری ٹیم نے تیر چلانا چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "کیا بات ہے، تیر کیوں نہیں چلاتے؟" اُنھوں نے عرض کی: ہم کیسے تیر چلائیں، جب کہ آپ دوسری ٹیم کے ساتھ ہیں (ایمان اور محبت کا تقاضا ہے کہ آپ جس کے ساتھ ہوں، اُس سے مقابلہ کرنا بھی نہیں چاہیے اور ہو بھی نہیں سکتا[1]) آپ ﷺ نے فرمایا: اِرْمُوْا فَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ۔[2] یعنی "تیر چلاؤ، مَیں (دلی طور پر) تم سب کے ساتھ ہوں۔"

(صحیح بخاری، حدیث: 2899۔ مسند احمد، حدیث: 16528)

حدیثِ مبارک میں نبیِ کریم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی جھلک بھی ہے، صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے بے مثال ادب کا ذکر بھی ہے اور موضوع کی مناسبت سے یہ بات بھی کہ تیر اندازی میں جہاد کی تیاری اور جسمانی ورزش ہے، چنانچہ رحمتِ عالَم ﷺ نے خود اُس میں شریک ہو کر شوقِ جہاد سے سرشار کھلاڑیوں کے جذبات کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

بروقت سونا اور جاگنا: جسمانی صحت کے لیے متوازن نیند بھی بہت ضروری ہے۔ نیند پوری نہ کرنا یا زیادہ سونا... دونوں ہی صحت کے لیے نقصان دہ ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا۔ "اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ اور نیند کو آرام / راحت بنایا اور دن کو اُٹھنے کے لیے بنایا۔" [الفرقان 25:47]

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ آرام کا قدرتی و فطری وقت رات ہے، دن کو ربِّ کریم نے تلاشِ معاش اور کام کاج کے لیے بنایا ہے۔ اِسی وجہ سے شریعتِ مطہرہ نے ترغیب دلائی ہے کہ رات کو نمازِ عشا کے بعد جلد سونے، پھر صبح جلد اُٹھنے کی عادت بنائی جائے۔

مذکورہ اُمور پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں اُخروی فائدہ بھی ہے اور جسمانی صحت بھی۔

---

[1] فی روایۃ: وَقَالُوْا: مَنْ كُنْتَ مَعَهٗ فَأَنّٰى يُغْلَبُ؟ (الترغیب والترھیب، ج:2، ص:179، دار الکتب العلمیۃ)

[2] اَلْمُرَادُ مِنْهُ مَعِيَّةُ الْقَصْدِ إِلَى الْخَيْرِ وَإِصْلَاحِ النِّيَّةِ وَالتَّدَرُّبِ فِيْهِ لِلْقِتَالِ۔ (عمدۃ القاری، ج:14، ص:182، دار احیاء التراث العربی)

فکری و باطنی صحّت

یہ بات واضح ہو چکی کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کی بدولت جسمانی بیماریوں سے شفا ملتی ہے۔ سونے پر سہاگا یہ کہ قرآن و سنّت کو اپنانے سے فقط جسمانی ہی نہیں، فکری و اعتقادی اور باطنی و رُوحانی بیماریاں بھی دُور ہو جاتی ہیں۔

اعتقادی و فکری بیماریوں سے متعلق تو ہم کچھ نہ کچھ جانتے ہیں۔ کفر سب سے بڑا مَرض ہے، قرآنِ مجید کے مطابق اِس کا مریض ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنّم کا حق دار ہے۔ کفر کے بعد سب سے سخت آزار گمراہی (اہلِ سنّت و جماعت کے عقائد کو چھوڑنا) ہے، جس پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

اِسی طرح باطنی بیماریاں بھی بہت خطرناک ہیں، افسوس یہ کہ اکثر حضرات کو اِن کا علم بھی نہیں ہوتا۔ پھر جس بیمار کو اپنی بیماری کا علم ہی نہیں وہ اُس کا علاج کیسے کرے گا! باطنی امراض میں سے زیادہ تر کا تعلّق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اِن سے بچاؤ کے لیے اِن کا علاج سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:23، ص:624، ملخصًا)

باطنی بیماریوں کی فقط چند مثالیں ذکر کی جاتیں ہیں، جس سے اندازہ ہو گا کہ یہ بیماریاں کس قدر عام ہیں، مگر ہم اِن سے غافل ہیں:

- رِیاکاری: یعنی نیکی کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رِضا کے علاوہ کسی مقصد (دکھاوے یا دُنیاوی فائدے) کے لیے کرنا۔
- خود پسندی: یعنی کسی خوبی کو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھنے کے بجائے اپنا کمال قرار دینا اور اُس کے چِھن جانے سے بے خوف ہو جانا۔
- مَحبّتِ دُنیا: یعنی دُنیا کو دل میں یوں بسالینا کہ آخرت کا نقصان ہو اور شریعت پر عمل چھوٹ جائے۔
- مُداہَنَت: یعنی دُنیاوی مفاد کی خاطر دین کے معاملے میں سُستی کرنا اور طاقت کے باوُجود گناہ کو نہ روکنا۔
- طُولِ اَمَل (لمبی اُمّید): یعنی یہ سمجھنا کہ ابھی زندگی بہت طویل ہے، یوں اپنا قیمتی وقت فضول یا گناہ کے کاموں میں ضائع کر دینا۔
- قِلّتِ خَشْیَت: یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں کم ہو، جس سے انسان نافرمانی پر دلیر ہو جائے۔
- خِیانت: یعنی کسی کی امانت میں بے جا تصرُّف کرنا یا حق والے کو اُس کا حق دینے میں کوتاہی کرنا۔

اعتقادی و رُوحانی بیماریاں جسمانی امراض سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں؛ کیونکہ خوفناک جسمانی بیماری میں مبتلا شخص کی زندگی کو خطرہ ہوتا ہے، جب کہ فکری و رُوحانی بیمار کو جہنّم کا خطرہ ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنے عقائد کی اصلاح بھی کرنی چاہیے اور باطنی و رُوحانی بیماریوں سے متعلق معلومات حاصل کر کے اُن کا اِزالہ بھی کرنا چاہیے۔[1]

---

[1] رُوحانی اَمراض کے حوالے سے امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتب، مثلاً مِنْهَاجُ الْعَابِدِيْن کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ اُردو میں "باطنی بیماریوں کی معلومات (شائع کنندہ: مکتبۃ المدینہ) بھی عمدہ و فائدہ مند کتاب ہے۔

حرفِ آخر: دینی تربیت کی اہمیت اور نعمتِ عافیت

مالکِ کریم جلّ جلالُہٗ اپنے ہر بندے کو جانتا بھی ہے اور اُسے دیکھتا بھی ہے۔ وہ اپنی حکمت و تقدیر کے مطابق بندوں کے حالات تبدیل فرماتا رہتا ہے، کبھی صحّت کی دَولت سے مالامال فرماتا ہے اور کبھی نوازنے کے لیے بیماری میں مبتلا کرتا ہے۔ اگر بندہ تربیت یافتہ نہ ہو تو دونوں طرح کے حالات میں اپنا نقصان کرتا ہے؛ کہ صحت و آسائش میں تکبّر کا شکار ہو کر تباہی کا مستحق ٹھہرتا ہے اور بیماری و مصیبت میں شکوہ و شکایت اور مایوسی و نااُمّیدی تک پہنچ کر ہلاکت کا حق دار بنتا ہے... اِس کے برعکس دینی تربیت کا حامل شخص اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہر حالت میں فائدہ اُٹھاتا ہے۔

سیدنا صُہَیب بن سِنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ... "بندۂ مومن کی شان پر تعجب ہے، اُس کے سارے کام خیر ہیں (راحت و آرام میں بھی خیر ہے اور مصیبت و آلام میں بھی خیر ہے، وہ ہر طرح نفع میں ہے) اور مسلمان کے علاوہ کسی کو یہ شان حاصل نہیں۔۔۔" مزید فرمایا: إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ۔ "اگر اسے راحت / نعمت ملے تو شکر کرتا ہے اور یہ اُس کے لیے خیر ہے اور اگر اُسے تکلیف / آزمائش پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ اُس کے لیے بہترین ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2999)

حدیثِ مبارک سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات سے آگاہی بے حد ضروری ہے اور دینی تربیت نہ ہونے سے دُنیا و آخرت کے نقصانات میں مبتلا ہونے کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔

07 اپریل کو دُنیا بھر میں یومِ صحّت (World Health Day) منایا جاتا ہے۔ اِس کی مناسبت سے آج کے خطبے میں صحت سے متعلق اسلامی تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا۔ چند اہم نکات یہ ہیں:

- صحت و عافیت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، اِس کی قدر کرتے ہوئے اوقاتِ صحت میں زیادہ سے زیادہ اعمالِ خیر بجالانے چاہییں اور نافرمانی سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔
- اگرچہ بیماری بھی صبر کی برکت سے رحمتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے، مگر ربّ تعالیٰ سے اُس کی دُعا کرنا منع ہے... تاہم نعمتِ صحت کی دُعا سنّت ہے اور یہ التجا کرتے رہنا چاہیے۔
- دیگر نعمتوں کی طرح صحّت و سلامتی پر بھی ربِّ کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے، اِس سے مزید احسان نصیب ہوگا۔
- حفظانِ صحت کے اُصول ضرور اپنانے چاہییں اور اِنھیں اختیار کرتے ہوئے قرآن و سنّت پر عمل کی نیت کرنی چاہیے، یوں سلامتی بھی عطا ہوگی اور اجر و ثواب بھی۔

قرآن وسنّت میں سکھائے گئے چند اُصول یہ ہیں:

- غذا اعتدال وتوازُن کے ساتھ لینی چاہیے۔ حرام، نقصان دہ چیزوں اور بسیار خوری (اتنا زیادہ کھانا کہ پیٹ خراب ہو) سے اجتناب ضروری ہے۔
- کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور کلّی کرنا صحت بخش بھی ہے اور باعثِ برکت بھی۔
- بدن، لباس اور گرد وپیش کو صاف رکھنا بیماریوں سے بچاؤ کے لیے ضروری ہے اور طہارت وپاکیزگی اِس سے بھی اہم ہے۔
- جسمانی ورزش اچھی چیز ہے اور اِس کے لیے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے بامقصد کھیلوں کا انعقاد مفید ہے۔
- نیند ربِّ کریم کی نعمت ہے، اِس میں اعتدال کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ (کوئی مجبوری نہ ہو تو) نمازِ عشا ادا کرنے کے بعد جلد سونا اور صبح جلد اُٹھنا صحت کے لیے بھی مفید ہے اور اِس سے زندگی کے معمولات بھی اچھے طریقے سے انجام پاتے ہیں۔

❖ ہمیں جسمانی بیماریوں کے علاج سے بھی زیادہ اعتقادی ورُوحانی بیماریوں کے دارُو کی فکر کرنی چاہیے۔ کفر وگمراہی آخرت کو تباہ کر دینے والے اَمراض ہیں۔ نیز رِیاکاری، خود پسندی، لمبی اُمّید، محبّتِ دُنیا اور خیانت وغیرہ بُرے اوصاف بھی ہلاکت تک لے جاتے ہیں، اِن کی معلومات حاصل کر کے اِن کا علاج کرنا بھی فرض ہے۔

یہ باطنی بیماریوں کا علاج نہ کرنے کا ہی تو نتیجہ ہے کہ اجتماعی طور پر اُمّت کا ضمیر مُردہ ہو چکا ہے اور مسلم حکمران غزّہ میں ہونے والے ظلم پر کوئی عملی قدم اُٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگرچہ عالَمی طاقتوں کا ضمیر بھی مُردہ ہی ہے، مگر اُن سے کیا شکوہ! وہ تو ہیں ہی بیگانے، اُن کا ہر دَور میں یہی کردار رہا ہے، شکوہ تو اپنوں سے ہے جن کا ضمیر پچاس ہزار شہادتوں کے بعد بھی بیدار نہیں ہوا!

شرعی مسئلہ: رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی مہینے کے روزے فرض نہیں ہیں، تاہم شوال المکرّم میں روزوں کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔ اگر کسی شخص کے ذمّے منت کے روزے ہوں یا رمضان المبارک کے کچھ روزے رہتے ہوں تو اِن کا اہتمام کرنا چاہیے؛ کیونکہ یہ دونوں ضروری ہیں۔ نیز رمضان المبارک کے ساتھ مزید چھ روزے رکھنے پر سال بھر کے روزوں کا ثواب عطا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ امام الانبیا ﷺ کے لعابِ دہنِ اقدس کے صدقے میں اُمّتِ مسلمہ کے تمام بیماروں کو شفایاب فرمائے! ہمیں دینی تربیت حاصل کر کے صحت وعافیت اور بیماری وآلام کے تمام اوقات کو اپنے لیے خیر بنانے کی توفیق سے نوازے!

ربِّ کریم مظلوموں کی غیبی تائید ونصرت فرمائے، خصوصًا اہلِ غزہ کو اِعانت سے نوازے، مجاہدینِ حمّاس کو سُرخرو فرمائے اور اہلِ غزّہ کو اُن کے وطن سے بے دخل کرنے کے خواہشمند امریکہ، اسرائیل اور اُن کے تمام اتحادیوں کو ذلیل ورسوا کرے!

مالکِ کریم پاکستان کو ہر طرح کے مصائب سے محفوظ رکھے اور حکمرانوں کو دین کا خیر خواہ اور عوام کا خدمت گزار بنائے!

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ!

۱۲ شوّال المکرّم ۱۴۴۶ھ / 11 اپریل 2025ء

مِری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی

(مدارس کے نئے تعلیمی سال اور غزّہ کے ناگفتہ بہ حال کی مناسبت سے)

مشمولات

- خدمتِ دین... دونوں جہان کی سربلندی
- مفتیٔ اعظم پاکستان اور خدمتِ دین کی تلقین
- حصول واشاعتِ علم کے ذریعے دین کی سرفرازی
- علم... مقصدِ تخلیق
- طالبِ علم کے لیے کامل حج کا ثواب
- علمِ دین کے حصول پر غیبی رزق کی بشارت
- جہاد کے ذریعے دین کی سرفرازی
- مجاہدینِ حمّاس کی عظمت
- فرض علوم سے غفلت کا گناہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَیُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ... [محمد 7:47]

جو شخص اپنی منزل کو متعیّن کر کے یکسوئی کے ساتھ اُس کی طرف بڑھتا رہے تو وہ جلد یا دیر سے اُسے پالے گا، لیکن جسے معلوم ہی نہ ہو کہ جانا کہاں ہے! یا منزل تو معلوم ہو مگر اُس کا راستہ چھوڑ کر کسی اور جانب چل پڑے، وہ کبھی بھی اپنے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

کبھی ہم بھی غور کریں کہ ہماری منزل کیا ہے؟ ہمارے شب و روز کس مقصد کے لیے گزر رہے ہیں؟ ہماری صلاحیتیں کس چیز کی طلب میں صَرف ہو رہی ہیں؟ تو اِس سوال کا جواب شاید زیادہ اچھا نہیں ہو گا...

- بعض افراد فقط وقت پاس کر رہے ہیں اور کوئی بڑا مقصد اُن کے پیشِ نظر نہیں، حالانکہ ایسی بے مقصد زندگی تو جانوروں کی ہوتی ہے۔
- متعدِّد لوگ اپنے ذہنوں پر دولت جمع کرنے کا یا اپنا گھر بنانے کا بُھوت سوار کیے دن رات اِن کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔
- کوئی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کا شوق دل میں لیے دن رات منصب حاصل کرنے کی خاطر نہ جانے کیا کچھ کر رہا ہے!

جو لوگ اپنی تمام تر توانائیاں ایسے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں اُنھیں مرنے کے بعد اپنے کیے پر سخت افسوس ہو گا اور وہ آرزو کریں گے کہ کاش! ہم نے دُنیاوی تقاضوں کو اُتنی ہی اہمیت دی ہوتی جتنی اُن کی حیثیت تھی اور جتنا عرصہ ہم نے دنیا میں رہنا تھا۔ پھر ایسے لوگ کبھی بھی دل کا اطمینان نہیں پاسکتے؛ کیونکہ دولت کے پجاری کو سونے سے بھرا جنگل بھی مل جائے تو مزید کا لالچ رکھے گا اور عزت و منصب کا بھوکا بڑے سے بڑے عہدے پر پہنچ کر بھی اُس سے اعلیٰ کی تمنا میں رہے گا۔ یہی صورتِ حال باقی دُنیا پرستوں کی ہے۔

نہایت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی رِضا اور اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ کی خوشنودی کے لیے دینِ اسلام کی خدمت و سربلندی کو زندگی کا مقصدِ اوّلین بنا کر اپنا وقت، صلاحیتیں اور مال و جان دینِ متین کے لیے صَرف کرتے ہیں۔ شاعر نے خوب کہا:

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اِسی لیے مسلماں میں اِسی لیے نمازی

یہ خوش نصیب حضرات اُسی عظیم مقصد کے لیے اپنی زندگیاں گزارتے ہیں جس کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی سب سے اعلیٰ شان والی ہستیوں، یعنی انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کو مبعوث فرمایا۔

اللہ کریم کے دیے ہوئے دل و دماغ اور جسم و جاں پر، نیز اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی پوری زمین پر دینِ متین کو سربلند اور نافذ کرنے کے لیے ہی قرآن و سنت میں جابجا علمِ دین سیکھنے، دین کی دعوت دینے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

افسوس کہ مجموعی طور پر اُمّتِ مسلمہ دین کی سرفرازی کے تمام ذرائع سے انتہائی غافل ہے... نہ علمِ دین کی طرف رُجحان ہے، نہ نیکی کی دعوت عام کرنے کا جذبہ ہے اور نہ ہی غزّہ کے رُلا دینے والے حالات کے باوُجود جہاد کا نام لینے کو تیار ہیں۔

آج کے خطبہ میں موجودہ حالات کے پیشِ نظر دین کی سرفرازی سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہو گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

خدمتِ دین... دونوں جہان کی سربلندی

اخلاص کے ساتھ دینِ متین کی خدمت کرنا وہ اِعزاز ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا، بلکہ خالقِ کائنات یہ توفیق اپنے چیدہ وچُنیدہ بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ پھر ربِّ کریم جس پر احسان فرماتے ہوئے خدمتِ دین کی سعادت سے نوازے اُسے اِس کی برکت سے دونوں جہان کی سربلندیاں عطا فرماتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ یعنی "اے حبیب! آپ فرمادیجیے: فضل وکرم تو یقیناً اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے اور اللہ وُسعت والا، علم والا ہے۔" مزید ارشاد فرمایا: یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ "وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرلیتا ہے اور اللہ بڑے فضل واحسان والا ہے۔" [اٰلِ عمران 3:73،74]

ہمیں بھی خدمتِ دین کا کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا چاہیے، اگر اِس کی توفیق نصیب ہے تو شاعر کا یہ پیغام ذہن نشین رکھنا چاہیے:

مَنّت مَنِہ کہ خِدمتِ سُلطاں ہمِی کُنِیْ
مَنّت اَزُو شناس کہ بَخِدمَت بِدَاشْتَت

(سلطان کی نوکری کرکے یہ مت سمجھو کہ تم نے اُس پر کوئی احسان کیا ہے (اُسے تمہاری ضرورت نہیں تھی، اُس کی خدمت کے لیے بہت سے ترس رہے ہیں)، بلکہ یہ سمجھو کہ اُس نے تم پر احسان کرتے ہوئے تمہیں خدمت کا موقع دیا ہے)

خدمتِ دین پر نصرتِ الٰہی: خدمتِ دین کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اِس پر ربِّ کریم اپنی رِضا بھی عطا فرماتا ہے اور دونوں جہان میں اپنی مدد ونُصرت سے بھی نوازتا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ... "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔" [محمد 7:47] میدانِ جنگ میں بھی ڈٹے رہوگے، اسلام پر بھی استقامت نصیب ہوگی اور پُل صراط پر بھی قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ (خزائن العرفان، ملخصًا)

معمارِ جامعہ نظامیہ رضویہ، مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے خود بھی عمر بھر دین کی خدمت کی اور دوسروں کو بھی اِس کی خوب تلقین فرماتے تھے۔ آپ کے فرمان کا مفہوم ہے: ایک شخص اگر کسی کے ہاں نوکری کرے اور سیٹھ اپنے ملازم کے کھانے، لباس ورہائش وغیرہ کی ذمہ داری لے لے تو ملازم اِن تمام چیزوں سے بے فکر ہوکر اپنا کام کرے گا۔ ایسے ہی جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کا نوکر بن جائے اُس کی تمام ضروریات باری تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہوتی ہیں، اُسے چاہیے کہ اپنی تمام تر توجّہ دین کی خدمت پر مرکوز رکھے، ربِّ کریم اُسے کسی چیز کی کمی نہیں رہنے دے گا۔ (النظامیہ [مفتیٔ اعظم نمبر]، اگست 2018ء، ص:126،127)

حصول واشاعتِ علم کے ذریعے دین کی سر فرازی

جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی کہ ہماری زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے دینِ اسلام کی سر فرازی ہونا چاہیے تو سوال پیدا ہو گا کہ ہم دین کی سربلندی کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ خدمتِ دین کے مختلف ذرائع ہیں، ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ہم علمِ دین حاصل کریں اور اُسے پھیلانے میں کردار ادا کریں۔

مقصدِ تخلیق: زمین وآسمان کی تخلیق اور انسانوں کی آفرینش میں پیدا فرمانے والے ربّ کی بے شمار حکمتیں اور مَصْلَحتیں ہیں، اُن میں غور کرنا ایمان ویقین میں اِضافہ کا ذریعہ بھی بنتا ہے اور یہ سوچنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے کہ ربِّ کریم نے مجھے جس حکمت کے تحت پیدا فرمایا کیا مَیں اُسے پورا کر رہا ہوں یا نہیں!

مالکِ مہربان نے یہ سب کچھ کس حکمت کے تحت پیدا فرمایا؟ اِس حوالے سے ارشادِ ربّانی ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ ”اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں اور اِتنی ہی زمینوں کو پیدا فرمایا، ان کے درمیان اُس کا حکم نازل ہوتا ہے (سب جگہ اُسی کا حکم نافذ ہے)؛ تاکہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا اِحاطہ کیا ہوا ہے۔“[الطلاق 12:65]

اِس آیتِ کریمہ کے مطابق زمین وآسمان کی پیدائش اور ہماری تخلیق کا مقصد ”علم“، خصوصًا ”علمِ توحید وصفات“ ہے۔ ایک دوسری آیتِ کریمہ کے مطابق انسانوں کی پیدائش عبادت کے لیے ہوئی ہے۔[1] چنانچہ علم اور عبادت... دونوں چیزیں ہمارا اصل مقصود ہیں اور افسوس کہ ہم دونوں سے ہی غافل ہیں۔ یعنی پوری زندگی یا زندگی کا بیشتر حصہ اُن کاموں میں گزار دیتے ہیں جن کے لیے پیدا ہی نہیں فرمایا گیا اور جن کے لیے آفرینش ہوئی اُن سے غافل رہ جاتے ہیں۔

کامل حج کا ثواب: قرآن وسنّت میں علمِ دین کے ایسے ایسے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں جنھیں جان کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور رحمتِ الٰہی دستگیری کرے تو علمِ دین حاصل کرنے کا جذبہ بھی نصیب ہوتا ہے۔

سیدنا ابو اُمامہ صُدَیّ بن عَجلان باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مُعلِّمِ کائنات ﷺ نے فرمایا: مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ تَامًّا حَجَّتُهُ۔ یعنی ”جو مسلمان بھلائی سیکھنے یا سکھانے کی نیت سے مسجد میں جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے کامل حج کرنے والے کی طرح اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔“ (المعجم الکبیر، حدیث: 7473۔ صححه الحاكم في المستدرك: 169/1، رقم: 311، وعدّه الذهبيّ على شرط مسلم، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد تحت الحديث: 499: رِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ كُلُّهُمْ)

---

[1] الذّٰریٰت 56:51

غیبی رِزق: علمِ دین مال و دَولت کے لیے نہیں، فقط رضائے الٰہی کے لیے حاصل کرنا چاہیے؛ کیونکہ دُنیاوی مفادات، مثلاً: دَولت، شہرت، منصب اور عزت وغیرہ کی خاطر علم سیکھنے والے کے لیے احادیثِ کریمہ میں سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں.. مگر چونکہ ہمارے ذہنوں میں مادِیّت پَرستی راسخ ہو چکی ہے، اکثر لوگ بھاری تنخواہوں کے لیے ڈگریاں حاصل کرتے ہیں، ایسے حضرات کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اچھی نیت سے علمِ دین حاصل کریں تو ربّ تعالیٰ کی رِضا کے ساتھ ساتھ دُنیا کی دولت بھی مل جاتی ہے۔

روایت ہے: مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللهِ كَفَاهُ اللهُ مُهِمَّهٗ وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ "جو اللہ کے دین کو سمجھے / علمِ دین حاصل کرے، باری تعالیٰ اُس کے (دین و دُنیا کے) مقاصد میں کافی ہو گا اور اُسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اُس کا گمان بھی نہیں۔"
(رواه الإمام الأعظم عن سيدنا عبد الله بن الحارث رضی الله عنه مرفوعًا: مسند الإمام الأعظم، كتاب العلم، رقم الحديث: 33۔ جامع بيان العلم وفضله للإمام ابن عبد البرّ، الحديث: 216، دار ابن الجوزی۔ تاريخ بغداد للخطيب، ج: 3، ص: 242، الرقم: 1272، دار الكتب العلمية۔ وهو مروی عن سيّدنا أنس رضی الله عنه أيضًا مرفوعًا: التدوين في أخبار قزوين للرافعی، ج: 3، ص: 261، دار الكتب العلمية۔ الملاحظة: في إسناده كلام، لكن تلقّته العلماءُ بالقبول)

کئی لوگ اپنے بچوں کو علمِ دین کے راستے پر اِس لیے نہیں چلاتے کہ "دین پڑھے گا تو کھائے گا کہاں سے؟" یہ حدیث اُن کی جاہلانہ سوچ کا ردّ کرتی ہے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کیا عصری تعلیم کی ڈگریاں لینے کے بعد رزق کی کوئی ضمانت ہے؟ اگر نہیں اور ہر گز نہیں؛ کیونکہ رزق اللہ کے دستِ قدرت میں ہے، وہ جسے چاہے جتنا چاہے عطا فرماتا ہے.. تو پھر رزق کی فکر میں علمِ دین سے محرومی کیوں؟

فرض علوم: علمِ دین میں مہارت حاصل کرنا اور باضابطہ طور پر کسی مدرسہ میں داخل ہو کر تربیت لینا ہر شخص پر لازم نہیں اور نہ ہی ہر ایک کے بس میں ہے، مگر یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہم دین کی تکمیل کے لیے جن چیزوں کے محتاج ہیں اُن کا علم حاصل کرنا ہر ایک پر فرض ہے۔ سب سے پہلے بنیادی اسلامی عقائد کا علم، پھر ارکانِ اسلام اور حلال و حرام کا علم، یوں ہی اُن اُمور کا علم جن کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے، نیز اپنے شعبہ سے متعلق شرعی احکام کا علم اور دل سے متعلق ضروری احکام کا علم.... ہم زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلّق رکھتے ہوں بہر حال اِن کا علم حاصل کرنے کے لیے وقت نکالنا ہو گا، ورنہ ایک فرض کو چھوڑنے کا گناہ ہمارے ذمّے ہو گا۔ (فتاوٰی رضویہ، ج: 23، ص: 623، 624، ملخصًا) اِس حوالے سے "فرض علوم سیکھیے!" نامی کتاب کا مطالعہ بھی مفید ہے۔[1]

برِّصغیر کے اکثر دینی مدارس و جامعات کا نیا تعلیمی سال شوّال المکرّم میں شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ اِن دنوں ہزاروں مدارس میں نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریبات ہو رہی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ رِضائے الٰہی کی خاطر خدمتِ دینِ متین کے لیے خود بھی علم حاصل کریں اور اپنے گھر کے کم از کم ایک بچے کو اہلِ سنّت کے کسی اچھے ادارے میں بھیج کر علمِ دین کے زیور سے آراستہ کریں۔ اللہ کریم نے چاہا تو اِس عمل کی برکت سے ہماری دُنیا و آخرت سنور جائے گی۔

---

[1] اِس کتاب کو مکتبۃ المدینہ نے شائع کیا ہے اور اِسے بلا معاوضہ پی۔ڈی۔ایف میں بھی ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔

جہاد کے ذریعے دین کی سرفرازی

جہاں علمِ دین سیکھنا اور اُسے پھیلانا خدمتِ دین کا ایک اہم ذریعہ ہے وہاں ربّ کی زمین پر ربّ کا دین نافذ کرنے کے لیے جہاد کرنا بھی خدمتِ دینِ متین کا ایک اہم واسطہ ہے۔ ربِّ ذوالجلال کو اپنا دین غالب کرنے کے لیے مخلوق میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں، وہ چاہے تو فرشتوں، ابابیلوں اور دیگر مخلوقات کے ذریعے بھی اپنا حکم پورا کرواسکتا ہے، تاہم اُس نے مسلمانوں کو نوازنے کے لیے اُنھیں حکم دیا ہے کہ وہ دین کی سربلندی کے لیے جہاد کریں۔

اسلامی جہاد کا طریقہ: اسلامی جہاد کا طریقہ کار یہ ہے کہ مسلمان دُنیا بھر کے کفار کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیں، جو کافر اسلام قبول کرلیں اُنھیں عزت و تکریم حاصل ہوگی، اگر اسلام قبول نہ کریں تو اُنھیں مسلمانوں کی ریاست میں جزیہ / ٹیکس ادا کر کے رہنے کی پیشکش کریں، اِسے قبول کرلیں تو اُنھیں مسلمانوں کی طرح مکمل عدل وانصاف دیا جائے گا، یہ بھی نہ مانیں تو پھر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی زمین سے فتنہ وفساد کو ختم کرنے اور اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لیے اُن سے جہاد کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ "اور اُن (کفار) سے جہاد کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ / فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔" [الانفال 8:39]

فضائل: قرآن وسنت میں جہاد کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ پروَردۂ آغوشِ نُبوت سیدنا انَس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔[1] اِس کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں:

i. "دن کے ابتدائی یا آخری حصّے میں ایک مرتبہ راہِ خدا میں نکلنے کا ثواب دُنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔"

ii. "اگر کسی کو پوری دُنیا مل جائے اور وہ اُسے راہِ خدا میں خرچ کر دے، دوسری طرف کوئی مسلمان دن کے ابتدائی یا آخری حصے میں ایک مرتبہ جہاد کے لیے نکلے تو اِس کا اِنعام پوری دُنیا خرچ کرنے والے کے اجر سے زیادہ ہوگا۔" (صحیح بخاری، حدیث: 2792)

جذباتِ جہاد: جہاد سے متعلق ربِّ کریم کے دل نواز ارشادات اور سرکارِ دوعالَم ﷺ کے رُوح پرور فرامین مسلمان کا جذبہ آسمان کی بلندیوں سے بھی اُونچا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پوری دُنیا میں اسلام کا جھنڈا لہرانے والے دورِ فاروقی کے مجاہدین کے جذبات ایسے تھے کہ اپنے تو اپنے رہے، بیگانے بھی اُن کے جذبۂ جہاد کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب مسلم افواج رُومیوں سے جہاد کر رہی تھیں اور رُومی فوجیں مسلسل پسپا

---

[1] وَالْمَعْنٰى فَضْلُ الْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ نِعَمِ الدُّنْيَا كُلِّهَا ... وَمُحْتَمَلٌ أَنَّ الْمُرَادَ أَنَّ هٰذَا الْقَدْرَ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ مِّنَ الثَّوَابِ الَّذِيْ يَحْصُلُ لِمَنْ لَوْ حَصَلَتْ لَهُ الدُّنْيَا وَأَنْفَقَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 3792)

ہو رہی تھیں تو شاہِ روم نے ایک خط میں مقامی حاکم پر برہمی کا اظہار کیا اور ڈانٹ پلائی۔ اُس کمانڈر نے جوابی خط میں لکھا: وَاللهِ إِنَّهُمْ عَلَى قِلَّتِهِمْ وَضُعْفِهِمْ أَقْوَى وَأَشَدُّ مِنَّا عَلَى كَثْرَتِنَا وَقُوَّتِنَا، إِنَّ الرَّجُلَ الْوَاحِدَ مِنْهُمْ لَيَعْدِلُ مِائَةَ رَجُلٍ مِنَّا۔ یعنی ہماری تعداد کثیر ہے اور ہمارے پاس جنگی طاقت بھی زیادہ ہے، جب کہ مسلم افواج کی تعداد تھوڑی ہے اور اُن کے پاس اسلحہ بھی کم ہے، لیکن اللہ کی قسم! وہ ہم سے زیادہ طاقت وَر اور مضبوط ہیں، محمدِ عربی کا ایک سپاہی ہمارے ایک سو فوجیوں کے برابر ہے۔

پھر اُس نے وجہ بیان کرتے ہوئے مجاہدین اور اپنی فوج کا تقابل پیش کیا۔ اُس نے لکھا:

- وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ قَوْمٌ اَلْمَوْتُ أَحَبُّ إِلَى أَحَدِهِمْ مِنَ الْحَيَاةِ، يُقَاتِلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ وَهُوَ مُسْتَقْتِلٌ، يَتَمَنَّى أَنْ لَا يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَلَا بَلَدِهِ وَلَا وَلَدِهِ... [1] مسلمان زندگی سے زیادہ شہادت سے پیار کرتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک جان دینے کے لیے لڑتا ہے اور ہر ایک کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ اپنے وطن اور بیوی بچوں کے پاس واپس نہ جائے، بلکہ یہیں جامِ شہادت نوش کرے!
- وَنَحْنُ قَوْمٌ نَكْرَهُ الْمَوْتَ وَنُحِبُّ الْحَيَاةَ وَلَذَّتَهَا... یعنی اِس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ ہم موت سے ڈرتے ہیں، زندگی اور اُس کی عیش و عشرت کے بھوکے ہیں۔
- فَكَيْفَ نَسْتَقِيمُ نَحْنُ وَهٰؤُلَاءِ! وَكَيْفَ صَبَرْنَا مَعَهُمْ! یعنی جب دونوں فوجوں کے جذبات میں زمین آسمان کا فرق ہے تو ہم جیسے بُزدل ایسے شیروں کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں! (فتوح مصر والمغرب، ابو القاسم عبد الرحمان مصری، ص:94، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ)

یوں ہی ہر دَور میں مجاہدینِ اسلام کے جذبات عالی شان اور کارنامے لائقِ تقلید رہے ہیں؛ اِسی لیے تو شاعرِ مشرق کہتے تھے:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبُّر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردُوں تھا، تُو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا [2]

مجاہدینِ حمّاس: اِس وقت غزّہ کے جن مجاہدین نے مسجدِ اقصیٰ سے ظالم یہودیوں کی نجاست کو دُور کرنے کے لیے بزرگوں کے حسین جذبات کی یاد تازہ کر دی ہے اُن کی تنظیم کا نام حمّاس ہے۔ حمّاس کی بنیاد 1987ء میں عظیم عالِم و رُوحانی پیشوا پیرِ طریقت ابو محمد حافظ احمد یاسین شہید علیہ الرحمہ نے رکھی تھی۔ 07 اکتوبر 2023ء کو حمّاس نے اسرائیل کے خلاف طوفان الاقصیٰ آپریشن کیا، اُس کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال سے اسرائیلی درندوں نے غزّہ پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں، مگر مجاہدینِ حماس ابھی تک اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اُن کا جذبہ دیکھ کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روایت کردہ ارشادِ نبوی یاد آتا ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] وَيَرَوْنَ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا عَظِيمًا فِيمَنْ قَتَلُوا مِنَّا، وَيَقُولُونَ: إِنَّهُمْ إِنْ قُتِلُوا دَخَلُوا الْجَنَّةَ، وَلَيْسَ لَهُمْ رَغْبَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا لَذَّةٌ إِلَّا قَدْرَ بُلْغَةِ الْعَيْشِ مِنَ الطَّعَامِ وَاللِّبَاسِ..

[2] گردُوں: آسمان۔ یعنی اے مسلم نوجوان! کبھی تُو نے غور و فکر کیا ہے کہ تُو کس عظیم الشان آسمان کا ٹوٹا ہوا ایک ستارا ہے!

لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِّنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى أَبْوَابِ دِمَشْقَ وَمَا حَوْلَهُ وَعَلَى أَبْوَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَمَا حَوْلَهُ، لَا يَضُرُّهُمْ خِذْلَانُ مَنْ خَذَلَهُمْ، ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ۔ یعنی ”میری اُمّت کی ایک جماعت (شام کے شہر) دِمشق کے دروازوں اور اُس کے اِرد گرد، نیز بیت المقدس کے دروازوں اور اُس کے آس پاس جہاد کرتی رہے گی، اُن کی مدد نہ کرنے والوں کے ترکِ تعاون سے اُنھیں کوئی نقصان نہیں ہو گا، وہ قیامت کے قریب تک حق پر قائم رہتے ہوئے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔“

(مسند أبي يعلى، رقم الحديث: 6417۔ قال الهيثمي في مجمع الزوائد تحت الحديث: 16662: رجاله ثقات)

حمّاس کا ایک خوب صورت جملہ ہے: وَإِنَّهُ لَجِهَادٌ: نَصْرٌ أَوِ اسْتِشْهَادٌ۔ آسان الفاظ میں اِس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم راہِ خدا کے مجاہد ہیں یا تو ربّ تعالیٰ کی مدد سے فتح ملے گی یا جامِ شہادت پی کر بارگاہِ الٰہی میں سُرخرو ہو جائیں گے۔

حماس والے مجاہد یا دہشت گرد؟ یہودی ایجنٹ سادہ لوح مسلمانوں کو غلط فہمی میں ڈالتے ہیں کہ اسرائیلی ظلم قابلِ مذمّت ہے تو اُس کی بنیاد حمّاس کی دہشت گردی ہے، حمّاس نے طوفانِ اقصیٰ آپریشن نہ کیا ہوتا تو یہ نَوبت نہ آتی۔

اگر ہم مسلمان ہونے کے ناطے قرآن وسنت کی روشنی میں غور کریں تو اِس اشکال کا جواب بہت آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ نے جہاد کو فرض قرار دیا ہے، خصوصًا جب کہ یہودی مسجدِ اقصیٰ اور دیگر علاقوں کو چھین کر گریٹر اسرائیل بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں، بلکہ عملی طور پر 1948ء کے بعد سے اپنا ناجائز قبضہ بڑھاتے جا رہے ہیں، دوسری طرف مسلم حکمران یہودیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور یکے بعد دیگرے ”ناجائز ظالم ریاست: اسرائیل“ کو تسلیم کر رہے ہیں، تو اِن حالات میں حمّاس کے مجاہدین نے طوفان الاقصیٰ آپریشن کے نام سے جہاد کر کے کوئی جُرم نہیں کیا، بلکہ پوری اُمّت کا قرض چکایا ہے... اب اُن کی پُشت پناہی کرنا اور اُنھیں یہودیوں کے ظلم سے بچانا پوری اُمّت پر فرض اور قرض ہے۔

اگر اسلامی ہمدردی سے ہٹ کر سوچیں تو بھی حمّاس کا طوفان الاقصیٰ آپریشن بلاجواز نہیں تھا؛ کیونکہ یہ آپریشن اچانک نہیں ہوا، اِس کے پیچھے ظلم کی ایک طویل تاریخ ہے، فلسطینیوں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے اسرائیل قائم ہوا اور تسلسل کے ساتھ وہ اپنے قبضے کو بڑھا رہے ہیں، جسے اقوامِ متحدہ اور انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس بھی ناجائز قرار دے چکے ہیں... تو حمّاس کا طوفان الاقصیٰ آپریشن دہشت گردی نہیں تھا، بلکہ یہ گھر کے مالکوں نے ڈاکوؤں کو اپنے گھر سے بھگانے کے لیے دِفاعی کارروائی کی تھی۔

ترکِ جہاد کا انجام: اِس وقت اُمّتِ مسلمہ جس بے حسّی ودُنیا پرستی میں مبتلا ہے اور جس طرح جہاد سے غافل ہے اِس کے خطرناک انجام سے ہم سب کو ڈرنا چاہیے۔ جہاد کو چھوڑنے پر بھی ذِلّت ورُسوائی کی وعید ہے اور مسلمانوں کو ظالموں کے ہاتھوں میں بے یار ومددگار چھوڑنے پر بھی... یہود ونصاریٰ کو دوست بنانے پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی سخت ناراضی ہوتی ہے اور باہمی انتشار وافتراق پر بھی... اور مجموعی طور پر اُمّتِ مسلمہ اِن تمام جرائم میں مبتلا ہے۔

حرفِ آخر: علم و جہاد... سرفرازی کی بنیاد

جن بد نصیبوں کا عقیدہ یہ ہے کہ "موت کے بعد کوئی زندگی نہیں، بس یہی دُنیا کی ہی زندگی ہے، یہاں جو موج کرنی ہے کر لو"... وہ اگر دُنیا پرستی میں اپنا سارا وقت ضائع کریں تو اِس میں حیرانی والی بات نہیں؛ کیونکہ اُنھیں مرنے کے بعد اُٹھنے کا یقین ہی نہیں ہے، لیکن وہ مسلمان جس کا نظریہ ہے کہ دُنیا کی زندگی چند روزہ ہے، پھر موت کے بعد وہ زندگی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی... اگر اِس عقیدے والے بندے کا مقصدِ زندگی دُنیا حاصل کرنا ہو تو بہت زیادہ حیرت کی بات ہے۔ جب یہ بندہ سمجھتا ہے کہ دائمی زندگی آخرت کی زندگی ہے تو اِسے چاہیے کہ دُنیا کو مقصود بنانے کے بجائے اُسے آخرت کی تیاری کا ذریعہ بنائے اور مالکِ کریم کو راضی کرنے کے لیے یہ پیشِ نظر رکھے:

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی میں اِسی لیے مسلماں میں اِسی لیے نمازی

دین کی سرفرازی و سربلندی کے لیے دو چیزیں بہت اہم ہیں: 1) علم دین حاصل کرنا اور اُسے پھیلانا۔ 2) راہِ خدا میں جہاد کرنا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ "یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلائل کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو نازل فرمائی؛ تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں سخت قوّت ہے (اِس سے جنگی آلات بنتے ہیں) اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد ہیں (صنعتوں اور پیشوں میں کام آتا ہے)۔"

آیتِ کریمہ میں ایک ساتھ کتاب اور لوہے کا ذکر فرمایا، کتاب علم کا ذریعہ ہے اور لوہا جہاد کا ذریعہ ہے۔ اِس کے بعد ارشاد فرمایا: وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ یعنی "تاکہ اللہ ظاہر فرمادے جو (اللہ کو) دیکھے بغیر اللہ (کے دین) کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے، بے شک اللہ بہت قوّت والا بے حد غالب ہے (وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے)۔" [الحدید 25:57]

صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے لے کر عصرِ حاضر تک... ہر دَور میں بزرگانِ دین نے علم اور جہاد کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ تاریخ میں ایسے بے شمار علماء و مشائخ کا تذکرہ ملتا ہے جو دین سکھاتے تھے، پڑھاتے تھے، کتابیں لکھتے تھے، پھر وقت آنے پر میدانِ جہاد میں بھی پیش پیش ہوتے تھے۔ افسوس کہ ہم لوگوں نے علم کا راستہ بھی چھوڑ دیا ہے اور راہِ جہاد کا تو نام لینے سے بھی مسلم حکمران ڈرتے ہیں۔

اِن دنوں دینی مدارس کے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو رہا ہے، دوسری طرف غزہ میں مسلمانوں پر ظلم کی ناگفتہ بہ صورتِ حال خون کے آنسو رُلاتی ہے۔ اِسی مناسبت سے خطبہ میں دونوں پہلوؤں پر کچھ کلام ہوا۔ علمِ دین کے حوالے سے چند اہم نکات یہ ہیں:

1) علمِ دین کے لیے کسی دینی مدرسہ میں داخل ہونا ہر ایک پر لازم نہیں، تاہم حصولِ علم کے دیگر ممکنہ ذرائع کو تو اختیار کرنا چاہیے، مثلاً: ذاتی طور پر کسی صحیح العقیدہ اُستاذ سے سیکھیں، علمائے حق کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اُن کے بیانات سنیں، نیز جو معلوم نہ ہو اُس سے متعلق کسی عالمِ دین سے پوچھنے کی عادت ڈالیں۔

2) رضائے اِلٰہی کی خاطر اپنے گھر کے افراد میں سے کم از کم ایک کو علمِ دین حاصل کرنے کے لیے اہلِ سنت کے کسی ادارے میں داخل کروائیں؛ تاکہ وہ اُس پر عمل کرکے اپنی دُنیا وآخرت سنوارے اور ہمیں سکھا کر ہماری مغفرت کا ذریعہ بھی بنے۔

3) اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے دینی مدارس اور اِن سے وابستہ افراد نے ہمیشہ نمایاں کردار ادا کیا ہے، ہمیں چاہیے کہ اہلِ سنّت کے مدارس سے اپنا تعلّق پختہ کریں... اُن سے بھرپور مالی تعاون کریں، نیز مدارس کی ترقّی کے لیے اپنا وقت اور خدمات پیش کریں۔

4) دینی تقریبات، مثلاً! بزرگانِ دین کے اعراسِ مبارکہ، اعزّہ واَقارِب کے ختمِ قُل، چہلم شریف اور محافلِ میلاد النبی ﷺ وغیرہ کو علمِ دین پھیلانے کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ چنانچہ اِن میں لنگر شریف کا ایک معقول حصہ دینی اداروں میں بھی بھیجنا چاہیے۔ نیز مستند علما کے خطابات کا اہتمام کرنا چاہیے، جن میں عقائد واعمال کی اصلاح کا درس ہو اور "علمی لنگر" (کتب ورسائل) کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔

غزہ میں ہونے والے اسرائیلی مظالم سے متعلق بھی چند باتیں پیشِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے:

1) مسلم حکمرانوں، مسلّح افواج اور دیگر صاحبِ قدرت مسلمانوں پر فرض ہے کہ سفارتی ذرائع استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ طاقت کا بھی استعمال کریں اور غزّہ کے مسلمانوں کو ظلم سے نجات دلائیں۔ (ملاحظہ کریں: مجلہ النظامیہ، دسمبر 2023ء، ص:42 تا 48) یہ عملی جہاد ہے۔ یہودیوں کی بے باکی فقط اِس لیے ہے کہ اُنھیں مجاہدین تنہا نظر آتے ہیں، ورنہ اُنھیں اپنے کیمپوں سے نکلنے کی بھی جرأت نہ ہو؛ کیونکہ یہودی ڈرپوک قوم ہیں اور اُن پر موت کا خوف سوار رہتا ہے۔ (دیکھیے: البقرۃ، آیت:96 اور الحشر، آیت:14، 15)

2) ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ جذبۂ جہاد کو بیدار کرنے اور اسلام کی سربلندی ونفاذ کے لیے اپنی بساط کے مطابق کوشش کریں۔

3) اربابِ خیر کا فریضہ ہے کہ اہلِ غزّہ سے مالی تعاوُن کریں۔ اِس کے لیے فیضان گلوبل ریلیف فاؤنڈیشن (FGRF) بہترین ذریعہ ہے۔

4) تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ یہودیوں اور اُن کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ یہ معاشی جہاد ہے۔ ہم حکمرانوں کو تو بہت کوستے ہیں کہ وہ فلسطینیوں کے لیے کچھ نہیں کررہے اور اپنی غیرت کا حال یہ ہے کہ یہودیوں کی بوتلیں اور برگر بھی نہیں چھوڑ سکتے!

5) دُعا مسلمان کا ہتھیار ہے۔ چنانچہ کثرت کے ساتھ گڑگڑا کر ربِّ کریم کے حضور اہلِ غزہ کی سرفرازی کے لیے دُعائیں کرنی چاہییں۔ یہ جہاد باللِّسان کی ایک صورت ہے۔

شرعی مسئلہ: مسلمان اپنے دین کی تکمیل کے لیے جن چیزوں کا محتاج ہے اُن کا علم حاصل کرنا اُس پر فرضِ عین ہے۔ اِس حوالے سے مصروفیت وغیرہ کا کوئی بہانہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص فرض علوم بھی حاصل نہیں کرتا تو وہ سخت گناہ گار ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کم از کم بنیادی عقائد، ارکانِ اسلام، حلال وحرام، کفر تک لے جانے والے اُمور اور دل سے متعلق اہم باتیں (اخلاص، توکّل اور عاجزی وغیرہ) سیکھنے کا ضرور اور فوری اہتمام کریں۔

۱۹ شوّال المکرّم ۱۴۴۶ھ / 18 اپریل 2025ء

رضی اللہ تعالٰی عنہ

سیدنا امیر حمزہ کی شانِ وفا

مشمولات

- سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- پیکرِ وفا کا جسمِ نازنین
- سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام
- ایپ کے ذریعے تصویر میں تبدیلی کا عدمِ جواز
- ابتدائے وفا... مظلوم مسلمانوں کا دِفاع
- غزوۂ بنو قَینُقَاع اور علَم بردارِ وفا رضی اللہ عنہ
- عُروجِ وفا... شہادتِ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ۔

قرآن و سنت میں تربیت فرمائی گئی ہے کہ انسان جب کوئی بات کہے تو اُس کو پورا کرنا چاہیے۔ شرعی عذر کے بغیر اپنے قول سے مکر جانا یا "رات گئی، بات گئی" والا معاملہ کرنا اسلامی مزاج کے سخت خلاف ہے۔ بے وفائی تو عام لوگوں کے ساتھ بھی نہیں ہونی چاہیے، تاہم اگر انسان نے اپنے ربِّ کریم جَلَّ مَجْدُہٗ یا نبیِ رحیم ﷺ کے ساتھ کوئی وعدہ کیا ہو تو اُسے پورا نہ کرنا نہایت بُری بات ہے۔

اسلام قبول کرنا در حقیقت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ اِس بات کا عہد ہے کہ مَیں اطاعت و فرماں برداری کروں گا اور اپنی مرضی کرنے کے بجائے دینی احکام کی پاس داری کروں گا۔ کاش! ربِّ کریم ہمیں یہ عہدِ وفا نبھانے کی بھی توفیق عطا فرمائے!

وہ لوگ کتنے عظیم اور خوش نصیب ہیں جنھوں نے اپنے مالکِ کریم کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو اِس شان کے ساتھ نبھایا کہ خود ربِّ ذوالجلال نے اُن کی تعریف فرمائی! حیران کُن بات یہ کہ وعدہ بھی معمولی نہیں، بلکہ راہِ خدا میں جان دینے کا تھا، مگر ایسا نہیں ہوا کہ اُنھوں نے جذبات میں کہہ دیا ہو کہ ہم جان تک پیش کر دیں گے، پھر پیچھے ہٹ گئے ہوں، بلکہ سچ مچ ایسا کر کے دکھایا!

ارشادِ ربّانی ہے: مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ۔ یعنی "مسلمانوں میں کچھ ایسے باہمّت مَرد ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا، تو اُن میں کوئی (شہید ہو کر) اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی ابھی انتظار کر رہا ہے اور اُنھوں نے (وعدے میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔" [الاحزاب 23:33]

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر کچھ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اپنے ربِّ کریم کے ساتھ عہد کیا تھا کہ اگر کفار نے امام الانبیا ﷺ پر حملہ کیا تو وہ ڈٹ کر جہاد کریں گے اور جان دے کر شہادت کا درجہ پائیں گے۔ چنانچہ ہجرت کے تیسرے سال شوّال کے وسط میں اُحد کا میدان سجا تو سیدنا امیر حمزہ و دیگر آخری سانس تک ڈٹے رہے اور جامِ شہادت پی کر اپنا وعدہ پورا کر دیا اور جنھیں اِس غزوہ میں شہادت نصیب نہ ہوئی وہ اُس کے منتظر تھے۔ چنانچہ ربِّ کریم نے اُن کی تعریف کے لیے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

آیتِ کریمہ سے سید الشہدا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دُنیا و آخرت کی عزت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفا کرنے میں ہے، اُن کے ساتھ بے وفائی کرنے والا ہمیشہ بے آبرو ہوتا ہے۔

صد افسوس کہ آج مجموعی طور پر اُمّتِ مسلمہ اللہ و رسول کے ساتھ وفا کرنے کے بجائے اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کر رہی ہے؛ اِسی وجہ سے غزہ کے حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ اگر ہمیں وفائے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا ایک ذرّہ بھی مل جاتا تو دینی تقاضوں کو یوں پسِ پُشت نہ ڈالتے۔

آج کے خطبہ میں سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماہِ شہادت کی مناسبت سے آپ کی شانِ وفا کا تذکرہ ہو گا۔

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ

عمِّ رسول، سید الشہدا، شیرِ خدا و مصطفیٰ، ابو عُمارہ سیدنا حمزہ بن عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔[1] آپ نہایت حسین و جمیل، ماہر تیر انداز، قوی ہیکل پہلوان، بے حدّ بہادر اور دیگر متعدّد اچھے اوصاف کے حامل تھے۔ اسلام سے پہلے مکّہ مکرّمہ کے شیر تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر قرار پائے۔

اعلانِ نبوّت کے چھٹے سال اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی توفیق سے نوازا اور آپ کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرمائی۔ اِس کے بعد سے شہادت تک آپ رضی اللہ عنہ ہر موقع پر اسلام کی سربلندی کے لیے پیش پیش رہے۔

اعلانِ نبوّت کے ساتویں سال قریش نے سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانِ عالی شان کا مُعاشرتی و مَعاشی مقاطعہ / بائیکاٹ کر دیا، خرید و فروخت اور نکاح و ملاقات سمیت تمام اُمور پر پابندی لگا دی گئی۔ خاندانِ نبوی نے استقامت کے ساتھ تقریباً تین سال تک یہ ظلم برداشت کیا اور اِس میں عمِّ رسول سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کی اِجازت ملی تو ابو عُمارہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سب کچھ مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر مہاجرینِ اوّلین میں شامل ہونے کا اِعزاز پایا۔

ہجرت کے دوسرے سال مختلف مواقع پر تین مرتبہ کفار کے ساتھ لڑائی کے حالات پیدا ہوئے[2] اور تینوں مرتبہ اسلامی فوج کا جھنڈا شیرِ خدا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کیا گیا۔

غزوۂ بدر ہوا تو اُس میں کفار کو سب سے پہلے للکارنے والے تین افراد میں سے ایک شیرِ مصطفیٰ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اِس موقع پر آپ نے کفار کو سخت نقصان پہنچایا۔

غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں کے ایک قبیلے بنو قَینُقاع نے اپنی فطرت کے مطابق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا امن کا معاہدہ توڑ دیا اور سرکشی پر اُتر آئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے خلاف لشکر تیار فرمایا، اِس کے علَم بردار بھی سید الشہدا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر ہجرت کے تیسرے سال شوّال المکرّم کے وسط میں غزوۂ اُحد ہوا۔ اِس میں کفار کو سخت نقصان پہنچانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش کیا اور بارگاہِ الٰہی میں سُرخرو ہوئے۔

---

[1] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ: كَانَ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَسَنَّ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِسَنَتَيْنِ. (معرفة الصحابة لأبي نعيم، رقم:1811)
ایک قول کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ولادتِ نبوی سے چار سال پہلے ہوئی، مگر دو سال والا قول اصح ہے۔ (اسد الغابہ: 2/67، ترجمہ: 1251)

[2] غزوۂ اَبواء، سَریّہ سیدنا حمزہ اور غزوۂ عُشَیرَہ

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

اعلانِ نبوت کے چھٹے سال اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزّت و غلبہ سے نوازنا چاہا تو سیدنا امیر حمزہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اسلام کی دولت سے مشرّف فرمایا۔ دونوں حضرات نے قریب قریب وقت میں اسلام قبول کیا۔

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن ابو جہل نے صَفا پہاڑی کے پاس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہایت بدزبانی کی اور اسلام کے بارے میں بہت نازیبا جملے کہے۔ آپ ﷺ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا؛ کیونکہ ابھی جہاد کی اجازت نہیں تھی اور درگزر کرنے کا حکم تھا۔ وہ واپس جاکر حرم شریف میں اپنے دوستوں کے پاس بیٹھ گیا۔ اُس وقت امیر حمزہ شکار کے لیے گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے اور اِس واقعہ کا پتا چلا تو اُنھیں اپنے محترم بھتیجے کی توہین پر سخت غصہ آیا۔ وہ تیر، کمان لیے سیدھا حرمِ اقدس میں پہنچے اور ابو جہل کے سر پر زور سے کمان دے ماری، جس سے اُس کا سر پھٹ گیا۔ اگرچہ وہ نہایت تکبر کرنے والا تھا، مگر امیر حمزہ کے رُعب و دبدبے کی وجہ سے اُسے جوابی کارروائی کی جرأت نہ ہوئی، بلکہ جن لوگوں نے جواب دینا چاہا وہ اُنھیں بھی روکنے لگا۔

پھر ابو جہل لجاجت اور منت سماجت کرتے ہوئے کہنے لگا: حمزہ! آپ نے دیکھا نہیں کہ وہ کیسا دین لائے ہیں! ہمیں (بتوں کی پوجا پر) بے وقوف کہتے ہیں، ہمارے خداؤں کو بُرا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادا کے دین کی مخالفت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امیر حمزہ کو ایسی توفیق دی کہ وہ کہنے لگے: وَمَنْ أَسْفَهُ مِنْكُمْ ؟ تَعْبُدُوْنَ الْحِجَارَةَ مِنْ دُوْنِ اللهِ! أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ تم سے بڑا بے وقوف کون ہو سکتا ہے؟ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پتھروں سے بنائے ہوئے بُتوں کی عبادت کرتے ہو! مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، وہ تنہا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور مَیں یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔

(الکشف والبیان عن تفسیر القرآن [تفسیر ثعلبی]، زیرِ آیتِ الانعام 06:122۔ اسباب النزول للواحدی، تفسیر بغوی، تفسیرِ مظہری، تحت الآیۃ)

اِس وقت ابو جہل کے ساتھ مُکالَمہ اور اُس سے بدلہ لینے کی اصل وجہ دینی غیرت نہیں تھی، بلکہ خاندانی حمیّت تھی۔ اُنھیں اِس بات کا غصہ نہیں تھا کہ ابو جہل نے دینِ اسلام کا راستہ روکا ہے، بلکہ یہ طیش تھا کہ اُس نے میرے بھتیجے کے ساتھ بدتمیزی کی ہے... لیکن سیدِ عالَم ﷺ کا دفاع اور تحفّظِ ناموسِ رسالت وہ مقبول عمل ہے جو کبھی ضائع نہیں جاتا۔ اللہ کریم نے لاج رکھی اور اُن کے دل میں اسلام کی محبّت پیدا ہو گئی۔ اگلے روز وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں وعظ و نصیحت فرمائی اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ فرمایا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: أَشْهَدُ أَنَّكَ لَصَادِقٌ شَهَادَةَ الْمُصَدِّقِ وَالْمُعَارِفِ۔ یعنی اب مَیں پہچان کر تصدیق کرتے ہوئے گواہی دیتا ہوں کہ آپ ضرور سچے ہیں۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج:3، ص:213، رقم:4878)

ابتدائے وفا... مظلوم مسلمانوں کا دِفاع

جس وقت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تب حالات انتہائی نازک تھے۔ مکہ مکرّمہ کے تمام طاقت وَروں نے ظلم و تشدد پر باہمی اتّحاد کر رکھا تھا، وہ جانِ عالم ﷺ کو تکلیفیں دیتے، کمزور مسلمانوں پر بے دریغ تشدّد کرتے، سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور دیگر ضعیفوں کو آگ کے انگاروں پر لٹاتے اور اُن بدمعاشوں کو اِن ظالمانہ کارروائیوں سے روکنے والا بھی کوئی نہیں تھا... جیسے آج اسرائیلی اور امریکی درندے جَور و جَفا پر متّحد ہیں، غزّہ میں ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، عالَمی قوانین کی دھجیاں اُڑا رہے ہیں، مگر اُن کمینوں کے ظالم ہاتھوں کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

ایسے حالات میں اگر کوئی شخص کفارِ مکّہ کے ظلم کے خلاف آواز بلند کرتا تو اِس کا مطلب تھا کہ وہ طاقت وَر بدمعاشوں سے لڑائی مُول لے رہا ہے اور اپنے مال و جان کو داؤ پر لگا رہا ہے، اِس کا انجام کچھ بھی ہو سکتا تھا... مگر "وَفا" اِسی چیز کا نام ہے کہ انسان اپنی جان کی پرواہ نہ کرے، بلکہ جو کہہ دیا ہے اُسے پورا کر دکھائے۔

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر کے گویا رسولِ کریم ﷺ کے دفاع، دین کی مدد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا عہد کر لیا تھا اور اب اُنھوں نے اِسے وفا کرنا تھا۔ چنانچہ وہ اسلام قبول کرتے ہی اپنے محترم بھتیجے امام الانبیا ﷺ سے عرض کرنے لگے: فَأَظْهِرْ يَا ابْنَ أَخِي دِيْنَكَ! فَوَاللهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِيْ مَا أَلَمَعَتِ الشَّمْسُ وَإِنِّيْ عَلٰى دِيْنِيَ الْأَوَّلِ۔ یعنی بھتیجے! اب سرِعام اپنے دین کا پیغام دیجیے! قسم بخدا! اب پوری دُنیا بھی ملے تو مَیں اسلام کو چھوڑنا اور شرک پر رہنا پسند نہیں کروں گا۔

چنانچہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرتے ہی مکہ کے ظالموں کا انداز بدل گیا۔ راوی کہتے ہیں: فَلَمَّا أَسْلَمَ حَمْزَةُ عَلِمَتْ قُرَيْشٌ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدْ عَزَّ وَامْتَنَعَ، وَأَنَّ حَمْزَةَ سَيَمْنَعُهُ، فَكَفُّوْا عَنْ بَعْضِ مَا كَانُوْا يَتَنَاوَلُوْنَهُ وَ يَنَالُوْنَ مِنْهُ... یعنی جب سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تو قُریش سمجھ گئے کہ اب رسول اللہ ﷺ کا دین غالب و مضبوط ہو گیا ہے اور اب حمزہ رسول اللہ ﷺ کا دِفاع کریں گے۔ چنانچہ اُن کی ظالمانہ کارروائیوں میں کمی آ گئی۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے شہادت تک اپنے عہد کو وفا کیا اور ہر موقع پر تحفّظِ ناموسِ رسالت، خدمتِ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع میں پیش پیش رہے۔ اسلامی تاریخ نگاروں نے حقیقت پر مبنی یہ حسین جملہ لکھا: فَكَانَ حَمْزَةُ مِمَّنْ أَعَزَّ اللهُ بِهِ الدِّيْنَ۔ سیدنا امیر حمزہ اُن افراد میں سے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 4878)

کاش! موجودہ دَور کے مسلم حکمرانوں میں کوئی سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے درسِ وفا لینے والا ہوتا اور غزہ میں ظلم ڈھانے والوں کا ہاتھ روکتا! پھر یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اہلِ غزہ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اُمّت اپنے اوپر ظلم کر رہی ہے؛ اِس کا انجام بہت خطرناک ہے۔

غزوۂ بنو قَینُقاع اور علَم بردارِ وفا رضی اللہ عنہ

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے مختلف یہودی قبائل کے ساتھ امن کا معاہدہ فرمایا، مگر امن سے رہنا یہودیوں کی فطرت ہی نہیں۔ قرآنِ مجید کے مطابق اُن ظالموں کے ہاتھ کئی انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ تمام یہودی قبائل نے اپنے اپنے معاہدے توڑ دیے اور سرکشی کرنے لگے۔

غزوۂ بدر کے بعد بنو قَینُقاع نے اپنے عہد سے بے وفائی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں محبّت بھرے انداز میں سمجھایا تو وہ بدتمیز کہنے لگے: آپ بدر کی فتح سے مغرور نہ ہوں! وہاں جن لوگوں سے آپ کا مقابلہ ہوا ہے اُنھیں تو جنگ کا پتا ہی کچھ نہیں تھا، ہمارے ساتھ لڑائی ہوئی تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ ہم کون لوگ ہیں![1]

اِس پر ربِّ کریم نے قرآنِ حکیم کی آیاتِ کریمہ نازل فرمائیں۔ ارشاد ہوا: قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِہَادُ۔ ”اے حبیب! آپ کافروں سے فرما دیجیے: عن قریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔“ [اٰلِ عمران 12:03]

اِنہی دنوں میں ایک یہودی نے کسی باحیا مسلمان خاتون کو بے پردہ کرنے کی کوشش کی، اُس مظلوم عورت کی فریاد پر وہاں سے گزرنے والے ایک مسلمان نے اُس بے شرم یہودی کو قتل کر دیا، اِس پر یہودی جمع ہو گئے اور اُنھوں نے ظلم سے روکنے والے غیرت مند مسلمان کو شہید کر دیا۔ یوں حالات زیادہ کشیدہ ہو گئے؛ کیونکہ اب دینی غیرت کا بھی سوال تھا۔

چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوّال المکرّم 2ھ کے وسط میں لشکر تیار فرمایا، سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی مجاہدین کے ہمراہ بنو قینقاع کی طرف تشریف لے گئے۔ لشکر کا سفید پرچم شیرِ خدا و مصطفیٰ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں تھا۔[2]

چنانچہ بنو قینقاع کی بستی کا محاصرہ کیا گیا۔ اُن کے پاس اسلحہ کے وسیع ذخائر تھے اور اُنھیں اپنی بہادری کا بھی بہت گھمنڈ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن پر رُعب طاری فرمایا اور پندرہ دن تک اپنے قلعہ میں بند رہنے کے بعد اُنھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہو گا۔ چنانچہ حکمِ ربّانی کے مطابق سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں مدینہ منوّرہ چھوڑ کر چلے جانے کا حکم دیا۔ یوں وہ شام کی طرف جلاوطن ہو کر ذلیل و رُسوا ہوئے۔

---

[1] یَا مُحَمَّدُ! إِنَّكَ تَرَى أَنَّا قَوْمُكَ! لَا يَغُرَّنَّكَ أَنَّكَ لَقِيتَ قَوْمًا لَا عِلْمَ لَهُمْ بِالْحَرْبِ، فَأَصَبْتَ مِنْهُمْ فُرْصَةً، إِنَّا وَاللهِ لَئِنْ حَارَبْنَاكَ لَتَعْلَمَنَّ أَنَّا نَحْنُ النَّاسُ۔ (سیرۃ ابن ھشام، ج:2، ص:47)

[2] وَحَمَلَ حَمْزَةُ لِوَاءَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ غَزْوَةِ بَنِيْ قَيْنُقَاعَ۔۔۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:3، ص:6، دار الکتب العلمیۃ)

عُروجِ وفا... شہادتِ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

ہجرت کے دوسرے سال میدانِ بدر میں ستر کفار قتل اور تقریباً اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ قتل ہونے والوں میں اکثر قریش کے سردار تھے؛ اِس بنا پر مکہ کے ہر گھر میں افسوس کا سماں تھا اور اہلِ مکہ کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اِس کے ساتھ ساتھ اُن کی تجارتی شاہ راہ بھی منقطع ہو چکی تھی اور دُنیا بھر کے بُت پرستوں سے ملنے والے نذرانے بھی موقوف ہو گئے تھے۔

ہجرت کے تیسرے سال اُنھوں نے مدینہ منوّرہ پر حملہ کے لیے 3,000 افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا، جو اسلحہ سے لَیس تھا۔ چنانچہ دِفاع کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شوال المکرم کے دوسرے عشرے میں اُحد کی طرف روانہ ہوئے، مسلمانوں کی تعداد تقریباً 700 تھی۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی سخت آزمائش ہوئی، ایک موقع پر یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اِس افواہ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر جو کیفیت طاری ہوئی اُسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ بڑے بڑے بہادروں کو کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کریں! اِس نازک ترین صورتِ حال میں جن وفا شعاروں نے اپنی جانوں کی پرواہ کیے بغیر ڈٹ کر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرا دیا اُن میں ایک نمایاں نام سید الشہدا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیے مسلسل لڑتے رہے اور ارشاد فرماتے: أَنَا أَسَدُ اللهِ وَأَسَدُ رَسُوْلِهٖ۔ "مَیں اللہ تعالیٰ کا بھی شیر ہوں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی شیر ہوں۔"[1] چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے 31 کفار کو واصلِ جہنم کیا۔[2]

سلامِ رضا مع تضمین ہے:

دین کے شیر کی معرکہ سازیاں　　تیر کی بارشیں پھر فرس تازیاں　　صفِ اَعدا پہ وہ تیغ اندازیاں
اُن کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں
شیرِ غُرّانِ سَطوَت پہ لاکھوں سلام

جاں نثارانِ مولا کی جاں بازیاں　　اہلِ بطحا و طیبہ کی جاں بازیاں　　حق پسند اہلِ تقویٰ کی جاں بازیاں
اُن کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں
شیرِ غُرّانِ سَطوَت پہ لاکھوں سلام

---

[1] كَانَ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يُقَاتِلُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِسَيْفَيْنِ، وَيَقُوْلُ: أَنَا أَسَدُ اللهِ وَأَسَدُ رَسُوْلِهٖ۔ (المعجم الکبیر، ج:3، ص:149 حدیث:2953)

[2] إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَوْمَ الشِّعْبِ آخِرَ أَصْحَابِهٖ، لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ غَيْرُ حَمْزَةَ، يُقَاتِلُ الْعَدُوَّ، فَرَصَدَهٗ وَحْشِيٌّ فَقَتَلَهٗ، وَقَدْ قَتَلَ اللهُ بِيَدِ حَمْزَةَ مِنَ الْكُفَّارِ وَاحِدًا وَّثَلَاثِيْنَ، وَكَانَ يُدْعٰى أَسَدَ اللهِ۔ (معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم، ج:2، ص:677، رقم:1822، دار الوطن)

بالآخر ربِّ کریم نے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمنّائے شہادت کو پورا فرمایا اور آپ اپنے عہدِ وفا کو نبھاتے ہوئے اُحد میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ بدر کا بدلہ لیتے ہوئے کفار نے آپ رضی اللہ عنہ کے جسمِ مبارک کے اعضا کی شدید بے حرمتی کی۔

نبوی کیفیت وتحسین: سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دکھ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمانِ عالی شان سے زار و قطار آنسو رواں تھے اور آپ اپنی زبانِ اقدس سے اُن کی تعریفیں فرما رہے تھے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَا حَمْزَةُ! يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللهِ وَأَسَدَ اللهِ وَأَسَدَ رَسُوْلِهٖ! يَا حَمْزَةُ، يَا فَاعِلَ الْخَيْرَاتِ! يَا حَمْزَةُ، يَا كَاشِفَ الْكُرُبَاتِ! يَا حَمْزَةُ، يَا ذَابَّ عَنْ وَّجْهِ رَسُوْلِ اللهِ!

یعنی "اے حمزہ! اے رسول اللہ کے پیارے چچا اور شیرِ خدا و شیرِ مصطفیٰ! اے حمزہ! اے بھلائی کے کاموں میں پیش پیش رہنے والے! اے حمزہ! پریشانیوں کو دُور کرنے والے! اے حمزہ! رسول اللہ کا دِفاع کرنے والے!"

(ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی للطبری، ص:181، دار الکتب المصریۃ۔ المواھب اللدنیۃ للقسطلانی، ج:1، ص:515)

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کرم نوازی کی: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ، قَدْ كُنْتَ وَصُوْلًا لِّلرَّحِمِ، فَعُوْلًا لِّلْخَيْرَاتِ۔

یعنی "اے حمزہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہو، یقیناً آپ بہت صلہ رحمی کرنے والے اور بہت بھلائیاں کرنے والے تھے۔"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث:4894۔ إسنادہ ضعیف، لکن لہ شواھد)

پیکرِ وفا کا جسمِ نازنین

غزوۂ اُحد کے تقریباً 46 سال بعد میدانِ اُحد کے قریب ایک نہر کی کھدائی ہو رہی تھی۔ اِس دوران کچھ شہدائے اُحد علیہم الرضوان کی مبارک قبریں کھل گئیں، اُن کے کفن سلامت اور بدن تَر و تازہ تھے اور قبورِ مبارکہ سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ بعض شہدائے کرام نے اپنے ہاتھ زخموں پر رکھے ہوئے تھے، جب زخم سے ہاتھ اُٹھایا جاتا تو تازہ خون نکل کر بہنے لگتا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ پُر سکون نیند سو رہے ہیں۔[1]

اس دوران سید الشہدا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں مبارک پر بیلچہ لگ گیا۔ راوی کہتے ہیں: فَانْبَعَثَتْ دَمًا۔ یعنی آپ کے جسمِ مبارک سے یوں تازہ خون نکلنے لگا جیسے زندہ آدمی کو زخم لگنے سے بہتا ہے۔ (طبقاتِ ابن سعد، ج:3، ص:7، دار الکتب العلمیۃ)

---

[1] قَالَ جَابِرٌ: فَوَجَدْتُّ أَبِيْ فِيْ قَبْرِهٖ كَأَنَّمَا هُوَ نَائِمٌ عَلٰى هَيْئَتِهٖ [وَمَا تَغَيَّرَ مِنْ حَالِهٖ قَلِيْلٌ وَلَا كَثِيْرٌ] وَوَجَدْنَا جَارَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ عَمْرَو بْنَ الْجَمُوْحِ وَيَدُهٗ عَلٰى جُرْحِهٖ، فَأُزِيْلَتْ عَنْهُ فَانْبَعَثَ جُرْحُهٗ دَمًا، وَيُقَالُ: إِنَّهٗ فَاحَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ مِثْلُ رِيْحِ الْمِسْكِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ۔ وَذٰلِكَ بَعْدَ سِتٍّ وَأَرْبَعِيْنَ سَنَةً مِنْ يَوْمِ دُفِنُوْا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:4، ص:49، دار احیاء التراث العربی)

حرفِ آخر: سیرتِ جانِ وفا اور ہماری شرمناک جَفا

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ جو چاہے کرے اُس سے جواب طلبی کرنے والا کوئی نہیں، مگر یہ اُس کا کرم ہے کہ وہ جو وعدہ کرے اُسے ضرور پورا فرماتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ۔۔۔ ”اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے؟“ (وہ سب سے بڑھ کر اپنا وعدہ وفا فرماتا ہے) [التوبۃ 09:111]

ربِّ کریم پسند فرماتا ہے کہ اُس کے بندے بھی اپنی باتوں کے پکّے ہوں... تول کر بولیں اور جو کہیں اُسے پورا کریں؛ اِسی لیے تو سرکارِ دوعالَم ﷺ کی شان ایفائے عہد میں بلند ترین ہے۔

جب انسان اپنے ربِّ کریم سے کوئی وعدہ کرتا ہے یا اپنے نبیِ رحیم ﷺ سے کوئی عہد باندھتا ہے تو اُسے پورا کرنے کا اہتمام اور زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ کاش! یہ بات ہمارے دلوں میں اُتر جائے کہ ایمان لانا در حقیقت اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ کریم ﷺ کے ساتھ غیر مشروط فرماں برداری کرنے کا عہد ہوتا ہے... یوں ہی توبہ کرنا ربِّ کریم کے حضور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا وعدہ ہوتا ہے... مگر افسوس کہ ہم صبح شام اِن وعدوں کے حوالے سے بے وفائی کرتے ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا!

شوّال المکرّم میں جامِ شہادت نوش کرنے والے سرکارِ دوعالَم ﷺ کے محترم چچا، سید الشہدا، شیرِ خدا و مصطفیٰ، سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن وفا شعاروں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے مالکِ کریم کے ساتھ سرکارِ دوعالَم ﷺ کے دفاع اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان تک لُٹا دینے کا عہد کیا اور اُسے اِس شان کے ساتھ وَفا کیا کہ خود باری تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اُن کی تعریف فرمائی۔

علامہ سلمان رضا فریدی صدیقی مصباحی نے خوب کہا:

تسخیرِ فنا حمزہ، تعمیرِ بقا حمزہ	قرطاسِ شجاعت پر، تحریر ”وفا“ حمزہ
سرکار نے بخشا تھا، پرچم جو قیادت کا	لہراتا ہے عالَم میں، اب بھی وہ لِوا حمزہ
بے باک تری ہستی، غیّور تری فطرت	جاں باز ہے دل تیرا، اے شیرِ خُدا حمزہ
کیا شان تمہاری ہے، کیا رُعب تمہارا ہے	سرکارِ دوعالَم کے، محبوب چچا حمزہ
سرداری تمہیں حاصل، ہے سارے شہیدوں کی	یوں حق کی حفاظت میں، کی جان فِدا حمزہ
کونَین منوّر ہیں، سیرت کی تجلّی سے	اے زیبِ سخا حمزہ، اے کانِ حیا حمزہ
تم شمعِ نُبوّت کے، پروانوں کے قائد ہو	قدموں میں جھکے ہیں سب، اربابِ رِضا حمزہ
خورشیدِ نُبوّت سے، آئی ہے چمک تجھ میں	مدھم نہ کبھی ہوگا اب تیرا دِیا حمزہ
ہر دشمنِ ملّت پر، غالب ہو فریدی بھی	پہنایئے اب اِس کو، نُصرت کی عبا حمزہ

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرتِ مبارکہ آج بھی ہماری راہ نمائی کرتی ہے۔ آج کے خطبہ میں آپ کی حیاتِ مبارکہ کے چند گوشوں کا تذکرہ ہوا۔ کچھ اہم باتیں یہ ہیں:

- سرکارِ دوعالَم ﷺ کی خدمت اور دین کی نوکری کبھی ضائع نہیں جاتی۔ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھتیجا سمجھ کر آپ ﷺ کا دِفاع کیا تھا تو ربِّ کریم نے اُس کی لاج رکھتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کو دولتِ ایمان سے سرفراز فرمادیا۔
- مسلمان کو چاہیے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا اثر ورُسوخ، اپنی صلاحیتیں، اپنا مال، بلکہ اپنی جان بھی پیش کرنے کو سعادت سمجھے، سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ربِّ کریم سے جان تک لُٹادینے کا عہد کیا تھا اور پھر اُسے اعلیٰ شان کے ساتھ وفا کیا۔
- مسلمانوں کو ظالموں کے ہاتھوں میں بے یار ومددگار چھوڑ دینا اور اپنے مفادات کا تحفّظ کرتے رہنا دینی غیرت کے سخت خلاف ہے۔ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرتے ہی کمزور مسلمانوں پر کفّارِ مکہ کی ظالمانہ کارروائیوں میں کمی آگئی تھی؛ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب مسلمانوں کی رکھوالی کے لیے امیر حمزہ میدان میں ہوں گے۔

آج غزّہ کے مسلمان اسرائیلی درندوں کے ہاتھوں ظلم میں پِس رہے ہیں اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے کسی غلام کے منتظر ہیں، دوسری جانب اُمّت اِس طرح غافل ہے کہ اپنے کھیلوں اور لغویات کو چھوڑنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

- ربّ تعالیٰ کے حضور دُنیاوی مال ودَولت کی کوئی حیثیت نہیں، اُس کی بارگاہ میں دین کی قدر ہے۔ اگر بارگاہِ ربّ العزت میں دُنیا کی کوئی اہمیت ہوتی تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے محبوبوں کو وافِر مقدار میں مال ودَولت سے نوازتا، حالانکہ جب سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو آپ کو پہنانے کے لیے پورا کفن بھی میسّر نہیں تھا۔ فقط ایک چادر دستیاب تھی جو آپ کے قدمبارک سے بھی چھوٹی تھی۔ چنانچہ اُسے سرِ انور پر ڈال کر پاؤں مبارک گھاس سے چھپائے گئے اور قبر اطہر کو بند کردیا گیا۔

چنانچہ ہمیں دُنیاوی مال ودَولت کے پیچھے بھاگنے کے بجائے دین کی قدر کرنی چاہیے۔

شرعی مسئلہ: آج کل کئی ایسی ایپس (Apps) دستیاب ہیں جن کے ذریعے انسانوں اور دیگر چیزوں کی تصاویر میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔ اِس حوالے سے شرعی حکم یہ ہے کہ تصویر میں تبدیلی سے کسی مسلمان کی دل آزاری یا توہین ہو یا دھوکا دہی کی کوئی صورت بنتی ہو تو اِن وجوہات کی بنیاد پر یہ عمل سخت گناہ قرار پائے گا (بلکہ کسی عالمِ دین یا سید کی توہین ہو تو یہ بات کفر تک لے جائے گی)... اور اگر یہ باتیں نہ ہوں تو بھی تصویر میں تبدیلی کرنا شرعی طور پر درست نہیں؛ لہٰذا اِس سے بچنا چاہیے۔[1]

---

[1] تفصیل کے لیے دار الافتاء اہلِ سنت سے جاری شدہ فتوٰی بعنوان: "ایپ (app) کے ذریعے چہرہ بگاڑنا"، فتوٰی نمبر: Lar-10980 ملاحظہ کریں۔

۲۶ شوّال المکرّم ۱۴۴۶ھ / 25 اپریل 2025ء

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سُلطان نورالدین زَنگی...

اسلام کا سچا مجاہد

مشمولات

- سلطان نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ
- شاہی مجلس کا حسین انداز
- نظامِ عدل کا قیام
- مسلمانوں کے تحفّظ کی فکر
- شرعی عدالت میں پیشی کے لیے لمبا سفر کرنا
- محاصرۂ دِمیاط پر سلطان کی کیفیت اور خواب میں فتح کی خوش خبری
- اسلامی حُدود سے متعلق ایمان افروز ارشاد اور دار العدل کا قیام
- سلطان کی عاجزانہ دُعا سے حارِم کی فتح
- خاموشی سے اذان سننے اور جواب دینے کا حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَلِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا۔ [الفتح 7:48]

یہ بات سو فیصد سچ ہے کہ دُنیا کی سب سے شان دار تاریخ مسلمانوں کی تاریخ ہے۔ ہمارے بزرگوں کے کارنامے سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں اور ہم کسی بھی قوم کے سامنے اپنے بزرگوں کے واقعات فخر کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک سے ماضی قریب تک کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کفار متّحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے، بظاہر اسلامی فوج کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی، مگر ربِّ کریم نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنی قُدرت و نُصرت سے مسلمانوں کو ایسی شان دار فتح عطا فرمائی کہ کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کچھ ایسے ہی حالات شیر اسلام سلطان نور الدین زنگی علیہ الرحمہ کے دَور میں بھی پیش آئے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بیت المقدس فتح ہوا اور تقریباً پانچ سو سال تک یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی۔ 1095ء میں متعصّب پادریوں کے ورغلانے پر عیسائیوں نے مذہبی جنگوں کا آغاز کیا، جنھیں صلیبی جنگیں کہا جاتا ہے۔ پہلی صلیبی جنگ کے بعد 1099ء میں عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ پھر تقریباً ڈیڑھ سو سال تک صلیبی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔

صلیبیوں کا مقابلہ کرنے والے اسلام کے ایک شیدائی مجاہد کو دُنیا سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔ آپ نے عمر بھر اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کیا اور بیسیوں جنگوں میں حالات ناساز ہونے کے باوُجود اللہ کریم کی مدد سے دشمنانِ اسلام کو شکست دی۔ آپ بیت المقدس پر دوبارہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے قریب پہنچ چکے تھے، مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ بالآخر آپ کے ایک سپاہی و جانشین سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۸۳ھ / 1187ء میں بیت المقدس کو فتح کر کے دوبارہ وہاں اسلام کا جھنڈا لہرایا۔

بیت المقدس کے موجودہ حالات سلطان نور الدین زنگی علیہ الرحمہ کے کسی جانشین کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُس وقت دُنیا بھر کے صلیبی عیسائیوں نے متّحد ہو کر ظلم کی حدیں پار کی تھیں اور بیت المقدس کے تقدّس کو پامال کیا تھا... آج جہان بھر کے صہیونی یہودی اکٹھے ہو کر عیسائیوں کی پشت پناہی میں ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور بیت المقدس کو گرانے کا ناپاک منصوبہ پورا کرنے کی کوشش میں ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نُصرت و تائید سے بالآخر اسلام ہی غالب ہو گا اور مسلمان ہی سُرخرو ہوں گے، تاہم حالات کا تقاضا ہے کہ اُمّت اپنے حقیقی راہ نماؤں کی تاریخ پڑھے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلے، پھر دیکھے کہ اللہ اپنے وعدے کس شان سے پورے فرماتا ہے!

سلطان نور الدین زنگی علیہ الرحمہ کی ولادت بھی شوّال المکرم میں ہوئی اور وصال بھی اِسی ماہ میں ہوا۔ اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کی حیاتِ مبارکہ کے کچھ لائقِ تقلید گوشوں کا ذکر ہو گا۔

سلطان نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ

پیکرِ عدل، شیرِ اسلام، سلطان نور الدین ابو القاسم محمود زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت شوّال المکرّم 511ھ / 1118ء میں ہوئی اور آپ اپنے والد عماد الدین زنگی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد 541ھ / 1146ء میں ریاست کے والی بنے۔

آپ کی زندگی میں دینی و مذہبی رنگ بہت گہرا تھا۔ آپ کی سیرت عوام کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کے لیے بھی مَنارۂ نور ہے۔

- آپ کثرت سے قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے۔ دینی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور فقہِ حنفی کے جیّد عالِم تھے۔ پابندی سے نمازِ پنجگانہ باجماعت ادا کرتے۔ دنوں میں روزوں اور راتوں میں نفلی عبادات کا سلسلہ بھی جاری رکھتے۔ اہتمام کے ساتھ سنّت کی پیروی کرتے۔ بھلائی کے کاموں میں پیش پیش رہتے اور کبھی بھی آپ کے منہ سے فحش بات نہیں سُنی گئی۔
- آپ نہایت بہادر، بہترین تیر انداز، ماہر نشانہ باز، عمدہ ترین گُھڑسوار اور بہت خوش خط تھے۔
- ریاستی وسائل کے استعمال میں اتنے محتاط تھے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود کام کرتے، نیز مفتیانِ کرام سے راہ نمائی لیتے اور اُن کے فتوٰی کے مطابق مالِ غنیمت وغیرہ میں جو آپ کا حصہ ہوتا فقط اُسے ذاتی استعمال میں لاتے۔
- آپ نے عدل وانصاف کا مثالی نظام قائم کیا اور عوام پر سابقہ بادشاہوں کی طرف سے ہونے والے ظلم کا بھی خاتمہ کیا۔ ہفتے میں چار دن خود دار العدل میں بیٹھتے اور حکم دیتے کہ کسی بھی شخص کو میرے پاس آنے سے نہ روکا جائے۔
- آپ نے بڑی تعداد میں مساجد تعمیر کروائیں، دینی مدارس قائم کیے اور حکومتی سرپرستی میں اُس دَور کے اکابر علماءِ اہلِ سنت کو وہاں علمِ دین سکھانے کے لیے مقرر کیا۔ نیز آپ نے کثیر خانقاہوں، ہسپتالوں اور رفاہِ عامہ کے دیگر اُمور کا بھی انتظام کروایا۔
- آپ نہ صرف خود شریعت کے پابند تھے، بلکہ آپ نے پوری سلطنت میں بدعات کا خاتمہ کرکے دین وسُنّت پر عمل کو رِواج دیا۔
- جذبۂ جہاد ایسا تھا کہ خود اسلحہ تھام کر مجاہدین کی پہلی صفوں میں شامل ہو کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرتے۔ آپ نے پچاس سے زیادہ شہر کفار سے چھین کر اسلامی سلطنت میں شامل فرمائے اور بیت المقدس کو فتح کرنے کے قریب پہنچ کر دُنیا سے رُخصت ہوئے۔
- آپ کے دل میں دُنیا کی ادنٰی مَحبّت اور موت کا معمولی سا خوف بھی نہیں تھا، شہادت کی سچی تڑپ تھی اور اُس کی دُعائیں کیا کرتے تھے۔
- علما اور تاریخ نگاروں نے آپ کی سیرت واوصاف پر بہت کچھ لکھ کر کہا: جو کچھ ہم نے لکھا ہے اُن کی شان اِس سے بلند تر ہے۔[1]

آپ کا وصالِ پُر ملال شوّال المکرم 569ھ / 1174ء میں ہوا۔ مزارِ پُر انوار شام کے دار الحکومت دِمَشق میں معروف ہے۔ نامور مؤرّخ ابن خَلِّکان علیہ الرحمہ نے لکھا کہ اہلِ دمشق بھی کہتے ہیں اور میرا ذاتی تجربہ بھی ہے کہ سلطان نور الدین علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضر ہو کر جو دُعا مانگی جائے وہ ردّ نہیں ہوتی۔ (وفیّات الأعیان، ج:5، ص:187، دار صادر، ملخصًا)

---

[1] سیر أعلام النبلاء للذہبی، ج:20، ص:531، ترجمہ:340، مؤسسۃ الرسالۃ۔ مختصر کتاب الروضتین فی أخبار الدولتین، ص:28 تا 51، دار ابن کثیر

نظامِ عدل کا قیام

اسلامی ریاست میں شرعی احکام کے مطابق نظامِ عدل قائم کرنا حاکمِ اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ہے؛ کیونکہ شریعت پر عمل میں برکت ہی برکت ہے، جب کہ ظلم و ستم اور شریعت کی خلاف ورزی میں دونوں جہان کی تباہی ہے۔

سلطان نور الدین زنگی علیہ الرحمہ نے اپنی ریاست میں عدل وانصاف کا ایسا مثالی نظام قائم کیا کہ آپ کے دَور میں سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدل کی یاد تازہ ہوگئی۔ اتّباعِ شریعت اور عدل وانصاف کے حوالے سے آپ کی سیرت میں ایسے روشن واقعات ملتے ہیں جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

عدالت میں پیش ہونا: سلطان نور الدین علیہ الرحمہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے کئی مرتبہ خود عدالت میں ایک عام شہری کی طرح پیش ہوئے اور اِس کے ذریعے شاہی منصب کی عزّت میں اضافہ کیا۔

آپ نے مشہور حنفی عالمِ دین تاج الدین عبد الغفور کَرْدَرِی علیہ الرحمہ کو شام کے شہر حَلَب کا قاضی مقرر کیا تھا۔ کسی تاجِر نے تاج الدین کے پاس آکر سلطان کے خلاف دعویٰ کیا، قاضی صاحب نے اپنے خادم سُوَید کے ذریعے سلطان کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کے خلاف عدالت میں کیس دائر ہوا ہے؛ لہٰذا انصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لیے آپ تشریف لائیں۔ جب سُوَید پہنچا تو آپ میدان میں تھے، خزانچی نے سُوید کی بات سُنی تو اپنے طور پر مذاق اُڑانے لگا کہ قاضی نے بادشاہِ وقت کو عدالت میں بلانے کی جرأت کیسے کی ہے! پھر اُس نے ٹھٹا کرتے ہوئے سلطان کو پیغام دیا تو آپ نے اُسے ڈانٹ کر فرمایا کہ اگر مجھے عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہے تو اِس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے! پھر آپ نے عدالت میں جانے کے لیے گھوڑا منگوایا اور یہ تاریخی الفاظ کہے: اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ! قَالَ اللهُ تَعَالٰی: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ یعنی مَیں نے حکم سُنا اور اِطاعت کی؛ کیونکہ ربِّ کریم نے اپنے کلامِ مجید میں فرمایا ہے: ”جب مسلمانوں کو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جائے؛ تاکہ رسولِ کریم اُن کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو اُنھیں یہی کہنا چاہیے کہ ہم نے سُنا اور اِطاعت کی۔“ [النور24:51]

چنانچہ آپ فوری طور پر مُوصَل روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر قاضی صاحب کی طرف پیغام بھیجا: إِنِّيْ جِئْتُ إِلٰى هٰهُنَا اِمْتِثَالًا لِأَمْرِ الشَّرْعِ... مَیں شریعت کے حکم کو پورا کرنے کے لیے حاضر ہوگیا ہوں...

(الروضتين في أخبار الدولتين: النوريّة والصلاحيّة لأبي شامة، ج:1، ص:66، مؤسّسة الرسالة)

شریعت سے متعلق شان دار پیغام: جب شام کے شہر مُوصَل پر نور الدین زنگی علیہ الرحمہ کی حکومت قائم ہوئی تو آپ نے وہاں ماہِر عالمِ دین کو قاضی مقرر کیا اور حاکمِ شہر سمیت تمام ذمہ داروں کو حکم دیا کہ ہر کام قاضی صاحب سے پوچھ کر شریعت

کے مطابق کیا جائے۔ وہاں کے بعض لوگوں نے ایک ذمہ دار کے ذریعے سلطان کو یہ پیغام بھجوایا کہ مُوصَل میں فسادی اور بدمعاش بہت ہیں، اُن کا زور توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن میں سے کچھ کو قتل کیا جائے اور کچھ کو سولی پر چڑھایا جائے؛ تاکہ باقی خوف زدہ ہو کر اپنی حرکتوں سے باز آجائیں؛ لہٰذا آپ سخت سزائیں نافذ کرنے کی اجازت دیجیے!

یہ خط پہنچا تو اُس کی دوسری جانب سلطان علیہ الرحمہ نے نہایت خوب صورت پیغام لکھ بھیجا، جو ایمان کو تازہ کر دیتا ہے۔ لکھا:

- إِنَّ اللهَ تَعَالٰى خَلَقَ الْخَلْقَ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَصْلَحَتِهِمْ۔ مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہ اُن کی مصلحت کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔
- وَشَرَعَ لَهُمْ شَرِيْعَةً وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يُصْلِحُهُمْ۔ یعنی خود ربِّ کریم نے اسلامی شریعت عطا فرمائی ہے اور وہی سب سے بڑھ کر جانتا ہے کہ مخلوق کی اِصلاح کیسے ہوگی۔
- وَإِنَّ مَصْلَحَتَهُمْ تَحْصُلُ فِيْمَا شَرَعَهُ عَلٰى وَجْهِ الْكَمَالِ فِيْهَا۔ یعنی کامل طور پر مخلوق کی مَصلَحت و بھلائی اُسی شریعت پر عمل کرنے میں ہے جو اُن کے خالق کریم نے عطا فرمائی ہے۔
- وَلَوْ عَلِمَ أَنَّ عَلَى الشَّرِيْعَةِ زِيَادَةً فِي الْمَصْلَحَةِ لَشَرَعَهُ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق شریعت پر اِضافہ میں کوئی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُسے شریعت کا حصہ بنا دیتا۔

پھر آپ نے فیصلہ کُن جملہ لکھا: فَمَا لَنَا حَاجَةٌ إِلٰى زِيَادَةٍ عَلٰى مَا شَرَعَهُ اللهُ تَعَالٰى۔ ہمیں شریعت میں کمی بیشی کرنے کی کوئی حاجت نہیں (ہم وہی کچھ کریں گے جو اللہ کریم کی عطا کردہ شریعت نے ہمیں سکھایا ہے)۔

(الروضتین فی أخبار الدولتین، ج:1، ص:60۔ البدایۃ والنہایۃ، ج:12، ص:348، دار إحیاء التراث العربی)

دارالعدل کا قیام: نور الدین محمود زنگی علیہ الرحمہ کے حسین اقدامات کے سبب پوری ریاست میں عدل کا بول بالا تھا اور کسی بھی وزیر و امیر کو کمزوروں پر ظلم کی جرأت نہیں تھی، تاہم دِمَشق کا ایک امیر نہایت بااثر تھا اور اُسے سلطان کے دربار میں بہت اچھا مقام حاصل تھا۔ اُس کے کچھ کارندوں نے امیر کے اثر و رُسوخ سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہا۔ قاضی کے پاس اُن کے خلاف شکایات بڑھنے لگیں تو سلطان نے "دار العدل" قائم کیا اور فیصلہ کیا کہ مَیں خود ہفتے میں چند دن دار العدل میں بیٹھوں گا، ہر شہری بغیر کسی روک ٹوک کے میرے پاس آکر بلاواسطہ بات کر سکتا ہے اور اگر اُس پر کسی نے ظلم کیا ہو تو انصاف کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

یہ خبر ملتے ہی وہ بااثر امیر اپنے کارندوں سے کہنے لگا: باقی تمام لوگ تو پہلے سے قاضی کے کنٹرول میں تھے، یہ دار العدل فقط میرے لیے قائم ہوا ہے۔ فوراً اپنے تمام فریقوں کو راضی کر لو اور اِس کے لیے اپنے پاس سے بھاری رقم دینا پڑے تو اُس سے مت ہچکچانا، اگر تم میں سے کسی کی وجہ سے مجھے دار العدل میں سلطان کے سامنے پیش ہونا پڑا تو میں اُسے سولی پر چڑھا دوں گا۔

چنانچہ کارندوں نے فوری طور پر اپنے معاملات حل کر لیے اور دار العدل میں اُس امیر کے خلاف ایک بھی شکایت نہیں پہنچی۔

(الروضتین فی أخبار الدولتین، ج:1، ص:60۔ مرآۃ الزمان فی تواریخ الأعیان لسبط ابن الجوزی، ج:21، ص:206، دار الرسالۃ العالمیۃ)

شاہی مجلس کا حسین انداز

عموماً بادشاہ عیّاش، سہولت پسند اور آمر قسم کے ہوتے ہیں اور اُن کی مجالس گناہوں کا مرکز ہوتی ہیں، مگر نور الدین علیہ الرحمہ کا انداز اور آپ کا شاہی دربار اِس سے بالکل مختلف تھا۔ تاریخ نگاروں نے لکھا: سلطان محمود زنگی علیہ الرحمہ کی مجلس میں فقط یہ کچھ ہوتا تھا:

- علم اور دین کی بات ہوتی۔
- بزرگانِ دین اور صالحین کے ذکرِ خیر سے برکت لی جاتی۔
- جہاد کے حوالے سے مشورہ ہوتا۔[1]

سفر واِقامت میں طویل عرصہ آپ کے ساتھ رہنے والے گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے کسی بھی حالت میں آپ کے منہ سے فُحش و بے حیائی کی بات نہیں سُنی۔ آپ کو سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ تھی کہ کوئی حق بیان کرے یا سُنّت کی راہ نمائی کرے۔[2]

آپ دینِ متین کی حفاظت کے لیے کمربستہ رہتے اور کسی کو دینی معاملات میں فتنہ پھیلانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جب آپ کے دربار میں کسی شخص سے متعلق یہ بتایا جاتا کہ وہ گمراہی پھیلا رہا ہے تو اُس کی حالت کے مطابق سزا دیتے اور فرماتے: نَحْنُ نَحْفَظُ الطُّرُقَ مِنْ لِصٍّ وَقَاطِعِ طَرِيْقٍ وَالْأَذَى الْحَاصِلُ مِنْهُمَا قَرِيْبٌ، أَفَلَا نَحْفَظُ الدِّيْنَ وَنَمْنَعُ عَنْهُ مَا يُنَاقِضُهُ وَهُوَ الْأَصْلُ! یعنی جب چوروں اور ڈاکوؤں سے عوام کو تحفّظ فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے، حالانکہ اِن سے وقتی اور دُنیاوی تکلیف پہنچتی ہے تو دین کی رکھوالی کرنا ریاست کی ذمہ داری کیوں نہیں! جب کہ دین ہی تو سارا کچھ ہے۔ (الروضتین فی أخبار الدولتین، ج:1، ص:49)

آپ کے دربار میں علمائے دین اور صالحین کو بہت مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ کوئی شیخ یا عالم آپ کے دربار میں آتا تو دُور سے دیکھ کر کھڑے ہو جاتے، پُرتپاک استقبال کرتے، گلے ملتے، اپنے قریب بٹھاتے، عاجزی کے ساتھ بات کرتے اور اُن کی واپسی پر اِعزاز و تکریم کے ساتھ رُخصت کرتے۔

بعض اوقات اِس رویّے سے وزیروں میں حسد کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ اگر وہ کسی عالم کی بدگوئی کرتے تو آپ فرماتے: اُس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں ہیں جن کی برکت سے لغزش معاف ہو جائے گی، تمہارا دامن تو نیکیوں سے بھی خالی ہے۔ تمھیں اُن کے عیب دیکھنے کے بجائے اپنے عیبوں پر غور کرنا چاہیے! (الروضتین فی أخبار الدولتین، ج:1، ص:47)

---

[1] وَكَانَ مَجْلِسُهُ - كَمَا رُوِيَ فِي صِفَةِ مَجْلِسِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ - مَجْلِسَ حُكْمٍ وَحَيَاءٍ لَا تُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرَمُ، وَهٰكَذَا كَانَ مَجْلِسُهُ لَا يُذْكَرُ فِيْهِ إِلَّا الْعِلْمُ وَالدِّيْنُ وَأَحْوَالُ الصَّالِحِيْنَ وَالْمُشَاوَرَةُ فِي أَمْرِ الْجِهَادِ وَقَصْدِ بِلَادِ الْعَدُوِّ، وَلَا يَتَعَدّٰى هٰذَا. (الروضتین، ج:1، ص:48)

[2] حَكٰى عَنْهُ مَنْ صَحِبَهُ فِي حَضَرِهِ وَسَفَرِهِ أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ كَلِمَةَ فُحْشٍ فِي رِضَاهُ وَلَا فِي ضَجَرِهِ، وَإِنَّ أَشْهٰى مَا إِلَيْهِ كَلِمَةُ حَقٍّ يَسْمَعُهَا أَوْ إِرْشَادٌ إِلٰى سُنَّةٍ يَتَّبِعُهَا. (تاریخ مدینۃ دمشق، ج:57، ص:123)

مسلمانوں کے تحفّظ کی فکر

1169ء میں سلطان نور الدین زنگی علیہ الرحمہ کے کمانڈر اسد الدین شیر کُوہ نے مصر پر قبضہ کیا تو صلیبی عیسائی بہت پریشان ہوئے؛ کیونکہ اب مصر پر ایک طاقت وَر مسلمان حکومت قائم ہوچکی تھی۔ چنانچہ صلیبیوں نے مصر کے شہر دِمیاط پر حملہ کر دیا۔ اُدھر سلطان نور الدین نے دِمیاط کی حفاظت کے لیے مختلف دستوں میں بڑی فوج روانہ کی اور بالآخر مسلمانوں کو شان دار کامیابی نصیب ہوئی۔

جس وقت صلیبیوں نے دِمیاط کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اُن دنوں سلطان نور الدین مسلمانوں کے تحفّظ کے لیے بہت پریشان رہتے۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی سے مدد مانگنے کے لیے 20 دن تک روزے رکھے اور اِفطار کے وقت فقط پانی پی لیتے تھے۔ ایک نشست میں آپ کے سامنے احادیثِ کریمہ پر مشتمل ایک رسالہ پڑھا گیا، اُس میں ایک حدیثِ مُسَلْسَل بالتَّبَسُّم بھی تھی... یعنی نبیِ کریم ﷺ نے تبسّم فرماتے ہوئے ایک بات ارشاد فرمائی، پھر تمام راویوں نے آپ ﷺ کی سنّت پر عمل کرنے کے لیے اُس حدیث کو مسکراتے ہوئے روایت کیا... جب یہ حدیثِ مبارک پڑھی گئی تو کسی طالبِ علم نے سلطان سے کہا کہ آپ بھی تبسّم کر دیجیے؛ تاکہ تسلسل برقرار رہے (تمام راویوں کی طرح آپ سے بھی تبسّم کے ساتھ روایت ہو)۔ اِس پر سلطان نور الدین نے ایک جملہ کہا، جسے سن کر رَونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: إِنِّي لَأَسْتَحْيِي مِنَ اللهِ أَنْ يَرَانِي مُتَبَسِّمًا وَالْمُسْلِمُونَ تُحَاصِرُهُمُ الْفِرِنْجُ بِثَغْرِ دِمْيَاطَ۔ یعنی اِس وقت اسلام دشمن صلیبی دِمیاط پر حملہ آور ہیں اور اُنھوں نے دمیاط کی سرحد پر مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا ہے، ربِّ کریم مجھے دیکھ رہا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا و شرم آتی ہے کہ اُدھر دمیاط کے مسلمان مشکل میں ہیں اور اِدھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہو۔

(البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج:12، ص:324، واقعاتِ سال:565ھ، دار احیاء التراث العربی)

لمحۂ فکریہ: نبیِ کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح قرار دیا۔ جس طرح جسم کے کسی بھی حصہ میں تکلیف ہو تو پورا جسم اُسے محسوس کرتا ہے اور بے آرام ہو جاتا ہے... یوں ہی کسی ایک خطّے کے مسلمانوں پر مصیبت آئے تو تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اُسے اپنا دُکھ سمجھیں اور مصیبت زدہ مسلمانوں کے ساتھ ہر ممکن تعاوُن کریں۔ اِسی بات کا مظاہرہ سلطان نور الدین نے کیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ دِمیاط کے مسلمانوں پر حملہ ہوا ہے، مَیں مسلمانوں کا سربراہ ہوں، اُن کا تحفّظ میری ذمہ داری ہے، اگر مجھے اُن کی فکر نہ ہو اور مَیں اپنی خوشیوں میں مصروف رہوں تو بارگاہِ الٰہی میں مجرم قرار پاؤں گا۔

اِس وقت غزہ کے مسلمان دُنیا کے مظلوم ترین افراد ہیں، اسرائیلی درندوں نے ظلم کی حد کر دی ہے، مگر افسوس کہ اجتماعی طور پر اُمّت کو اُن کا دکھ محسوس ہی نہیں ہو رہا۔ مسلم حکمران عملی طور پر اُن کی مدد کے لیے اور ظالموں کو روکنے کے لیے کوئی قابلِ ذکر قدم نہیں اُٹھا رہے۔ عوام کی حالت بھی خوش کُن نہیں؛ کیونکہ ایک بڑی تعداد اب تک یہودیوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے سے ہچکچا رہی ہے، بلکہ ہمارے کھیلوں کا سلسلہ بھی معمول کے مطابق جاری ہے، جیسے ہمیں غزہ کی خبر ہی نہ ہو، انا للہ وانا الیہ راجعون!

سلطان کی عاجزی اور رحمٰن کی کرم نوازی

دِمیاط کے تحفّظ کے لیے سلطان نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کی حکمتِ عملی اور بارگاہِ الٰہی میں عاجزی ربّ تعالیٰ کو پسند آگئی۔ چنانچہ مالک کے کرم سے فقط پچاس دن میں صلیبی ذلیل ورُسوا ہو کر وہاں سے بھاگ گئے اور مسلمانوں کو وافر مالِ غنیمت کے ساتھ ساتھ شان دار فتح بھی ملی۔

جب سلطان مسلسل روزے رکھ رہے تھے تو جسمانی طور پر کچھ کمزور ہو گئے، وُزرا اور درباریوں کو روکنے کی جرأت نہیں تھی۔ آپ جس مسجد میں نمازِ فجر ادا کرتے وہاں کے امام صاحب کا نام یحییٰ تھا، سلطان اُنھیں قرآنِ حکیم بھی سناتے اور اُن کا بہت احترام کرتے تھے۔ آپ کے قریبی افراد نے امام صاحب کو کہا: آپ سلطان سے کہیے کہ کچھ کھایا کریں؛ تاکہ کمزوری نہ ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ کل نمازِ فجر کے وقت تشریف لائیں گے تو بات کروں گا۔

اُسی رات امام صاحب کو خواب میں امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یحییٰ! نور الدین محمود کو سلام کہنا اور اُسے خوش خبری دینا کہ صلیبی دِمیاط سے چلے گئے ہیں۔" اُنھوں نے عرض کی: یارسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! میرے سچا ہونے کی نشانی کیا ہو گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حارِم کا دن۔" تہجد کے وقت سلطان مسجد میں آئے اور نمازِ فجر ادا کی۔ امام صاحب کے ہوش اُڑے ہوئے تھے اور وہ کچھ کہہ نہ سکے۔ سلطان نے فرمایا: یحییٰ! آپ بتائیں گے یا مَیں بتاؤں؟ اُن سے بولا ہی نہ گیا۔ پھر سلطان نے اُنھیں رات کے خواب کی ساری بات بتائی۔ وہ کہنے لگے: سیدی! یہ بتایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حارِم کا دن" فرمایا تھا، اِس کا کیا مطلب ہے؟ سلطان نے شام کے شہر حارِم کی فتح کا واقعہ بتایا، جہاں چند سال پہلے 1164ء/559ھ میں اللہ کریم کی خاص مدد سے مسلمانوں کو فتح ملی تھی۔ نور الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب حارِم میں صلیبی اور مسلمان فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو میں سخت پریشان تھا؛ کیونکہ صلیبیوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ مَیں لشکر سے الگ ہو کر گھوڑے سے اُترا اور اپنا چہرہ خاک پر رکھ کر ربِّ کریم کے حضور دُعا کی: يَا سَيِّدِيْ! مَنْ مَحْمُوْدٌ فِي الْبَيْنِ؟ اَلدِّيْنُ دِيْنُكَ، وَالْجُنْدُ جُنْدُكَ، وَهُوَ الْيَوْمَ. فَافْعَلْ مَا يَلِيْقُ بِكَرَمِكَ! یعنی اِلٰہی! محمود کی تو درمیان میں کوئی حیثیت ہی نہیں! دین تیرا دین ہے اور لشکر تیرا لشکر ہے (یہ فوج تیرے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کر رہی ہے اور میدان میں کھڑے مجاہد تیرے ہی مسلمان بندے ہیں)، آج کفر اور اسلام کی لڑائی ہے، اے اللہ! وہ کر جو تیری شانِ کرم کے لائق ہے۔ سلطان نے فرمایا: فَنَصَرَنَا اللهُ عَلَيْهِمْ۔ اللہ کریم نے میری دُعا کی لاج رکھ لی اور مدد عطا کر کے ہمیں شان دار فتح سے نوازا۔

(مرآة الزمان في تواريخ الأعيان لسبط ابن الجوزي، ج:21، ص:215، دار الرسالة العالمية۔ الروضتين في أخبار الدولتين، ج:2، ص:143۔ البداية والنهاية، ج:12، ص:324، سنة:565)

اگر آج مسلم حکمرانوں اور سپہ سالاروں میں کوئی سلطان نور الدین علیہ الرحمہ کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہو اور صہیونی یہودیوں کو للکارے تو یقیناً باری تعالیٰ کے وعدے بھی سچے ہیں اور اُس کی قُدرت بھی کامل ہے، وہ ضرور آج بھی مدد عطا فرمائے گا۔

حرفِ آخر: اکابر کی سیرتوں سے سیکھنے کی ضرورت

زندہ قومیں اپنی تاریخ کو نہیں بھلاتیں، وہ اپنے بزرگوں کے کردار و سیرت سے راہ نمائی لے کر اپنی راہیں متعیّن کرتی ہیں اور ترقّی کا سفر جاری رکھتی ہیں۔

بلاشبہ ہمارے بزرگوں کے کارنامے اتنے روشن اور نمایاں ہیں کہ ہم پوری دُنیا کے سامنے فخر کے ساتھ اُن کا تذکرہ کر سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی قوم کا ماضی اتنا روشن اور تاب ناک ہے تو ہمیں دکھائے! مگر افسوس کہ ہمیں منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے اکابر کی تاریخ سے بے گانہ کیا گیا ہے اور رفتہ رفتہ ہم اپنی اصل روایات کو بھولتے جا رہے ہیں۔

اِس شیطانی سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے کہا تھا:

اہلِ حَرَم سے اُن کی روایات چھین لو
آہُو کو مَرغزارِ خُتَن سے نکال دو [1]

آج ہماری نوجوان نسل کو اِس بات کی اشدّ ضرورت ہے کہ اپنی شان دار تاریخ سے آگاہی حاصل کرے اور اپنے اصل راہ نماؤں کو پہچان کر اُن کے عالی شان کردار سے سبق حاصل کرے۔

جو شخصیات اسلامی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں اور اُن کے واقعات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، اُن میں ایک نمایاں نام زَنگی خاندان کے چشم و چراغ سلطان نور الدین علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ آپ اسلام کے سچے مجاہِد تھے اور عمر بھر دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہے۔ شوّال المکرّم آپ کا ماہِ ولادت و ماہِ وصال ہے، اِسی مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا۔

شیرِ اسلام، ابو القاسم سلطان نور الدین محمود زَنگی علیہ الرحمہ نے اگرچہ اسلام کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں، مگر آپ کے اپنے احساسات ایسے تھے کہ ایک مرتبہ قُطب نیشاپوری علیہ الرحمہ نے کہا: آپ مجاہدین کی اگلی صفوں میں شامل ہو کر جہاد کرتے ہیں، دو دو کمانیں پاس رکھتے ہیں، اللہ کا واسطہ! اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالا کریں، آپ کو کچھ ہوا تو سارے مسلمانوں کو خطرہ لاحق ہو گا۔ سلطان نور الدین علیہ الرحمہ کی خدمات کو دیکھا جائے تو اِس بات میں کوئی مبالغہ نہیں تھا، مگر نور الدین علیہ الرحمہ نے یہ بات سن کر فرمایا: وَمَنْ مَحْمُوْدٌ حَتّٰی یُقَالَ لَهٗ هٰذَا؟ مِنْ قَبْلِیْ مَنْ حَفِظَ الْبِلَادَ وَالْإِسْلَامَ؟ ذٰلِكَ اللهُ الَّذِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ۔ یعنی محمود (نور الدین)

---

[1] آہُو: ہرن۔ مَرغزار: چراگاہ۔ خُتَن: وہ علاقہ جہاں کے ہرن کی ناف میں کستوری ہوتی ہے۔ یعنی مسلمانوں سے اسلامی تہذیب اور اسلامی رسم و رواج چھین لو، اگر تم نے ایسا کر لیا تو گویا تم نے ہرن کو اُس علاقے سے دُور کر دیا جہاں اُس کی ناف میں کستوری پیدا ہوتی ہے۔

کی کیا حیثیت ہے کہ اُس کے بارے میں یہ بات کہی جائے؟ محمود سے پہلے ریاست اور مسلمانوں کا محافِظ کون تھا؟ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، وہ خود اپنے دین کی اور اپنے بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ (الکامل فی التاریخ للتدمیری، ج:9، ص:395، دار الکتاب العربی)

سلطان نور الدین علیہ الرحمہ کا یہ حسین جملہ در حقیقت قرآنِ مجید کی ایک آیتِ کریمہ کی ترجمانی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۔ ”اور آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اللہ عزّت والا حکمت والا ہے۔“ [الفتح 48:7] اللہ تعالیٰ کو اِس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ کوئی اُس کے دین کی خدمت کرے، وہ جس مخلوق سے چاہے کام لے سکتا ہے، اگر تمہیں دین کی خدمت نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تمہیں توفیق سے نوازا ہے۔

غزّہ کے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بیت المقدس کی حفاظت اور مظلومانِ غزّہ کی مدد کے لیے کسی کی بھی ضرورت نہیں، یہ اُمّت کی آزمائش ہے کہ مصیبت کے اِس وقت میں اسلام اور مسلمانوں کی خاطر کون میدان میں نکلتا ہے اور کون اپنے مفادات کا تحفّظ کرتا ہے۔ شاید اِس امتحان میں صرف اہلِ غزّہ ہی سرخرو ہیں اور باقی سب ناکام ہیں۔

سلطان نور الدین علیہ الرحمہ کی حیاتِ کریمہ سے چند باتیں نمایاں طور پر سیکھنے کو ملتی ہیں:

- اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کرنا بے حد ضروری ہے۔ سلطان کی تمام عمر جہاد میں گزری، اُنھوں نے بیسیوں علاقے صلیبیوں سے چھین کر اسلامی ریاست میں شامل کیے اور وہ بیت المقدِس کی فتح کے بالکل قریب پہنچ کر دُنیا سے رُخصت ہوئے۔

مقبوضہ کشمیر کے علاقے پہلگام میں ہونے والے حالیہ واقعے کے بعد بھارتی حکومت نے جو انتہا پسندانہ اقدامات کیے ہیں اُن کا اصل جواب جہاد ہی ہے، اِسی کے ذریعے کشمیر آزاد ہوگا اور اِسی کے ذریعے اہلِ غزّہ کو اسرائیلی درندوں کے ظلم سے نجات ملے گی۔

- جنگ ہو یا امن... کامیابی فقط اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ملتی ہے۔ نور الدین زنگی نے کئی معرکوں میں اللہ تعالیٰ کی نُصرت و تائید سے صلیبی عیسائیوں کو عبرت ناک شکست دی تھی، باوجودیکہ عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اُس کی فرماں برداری کی برکت سے نصیب ہوتی ہے، نافرمانی انسان کو دُنیا و آخرت میں ذلیل و رُسوا کرتی ہے۔
- انسان کی گردن شریعت کے سامنے ہمیشہ جھکی رہنی چاہیے۔ شاہی جاہ و جلال کے باوجود سلطان نور الدین علیہ الرحمہ شریعت کا حکم سنتے ہی فوراً اُس پر عمل کرتے تھے۔

شرعی مسئلہ: جب اذان کہی جائے تو کام کاج روک کر توجّہ سے اذان کو سننا چاہیے اور اُس کا جواب بھی دینا چاہیے، حتّٰی کہ اگر کوئی شخص تلاوتِ قرآنِ مجید میں مصروف ہو تو اُسے بھی تلاوت موقوف کرکے اذان سننے اور جواب دینے کا حکم ہے۔

بزرگوں نے لکھا: جو اذان کی تعظیم نہ کرے اور اذان کے وقت باتوں میں مشغول رہے اُس کے بارے میں بُرے خاتمہ کا خطرہ ہے، نعوذ باللہ من ذلک۔ (بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ص:473، مکتبۃ المدینہ)

۴ ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ / 02 مئی 2025ء

زوال بندۂ مومن کا بے زَری سے نہیں

مشمولات

- سببِ زوال... دشمنوں کو دوست سمجھنا
- سببِ زوال... محبّتِ دُنیا و اندیشۂ موت
- سببِ زوال... قدرتی رُعب کا خاتمہ
- صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت سے محبت
- سببِ زوال... احکامِ الٰہیہ سے رُوگردانی
- قنوتِ نازلہ کا حکم اور طریقہ
- مسلمانوں کی فتوحات سے متعلق ہُرمزان کی رائے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔

دُنیادار الاسباب ہے، اِس میں اللہ عزّوجلّ نے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب رکھا ہے، جب وہ سبب پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مُسبَّب کو پیدا فرمادیتا ہے۔ مثلاً دَوا بیماری سے شفا کا سبب ہے، جب بندہ دوا لیتا ہے تو ربِّ رحیم اپنے کرم سے صحّت عطا فرمادیتا ہے۔

پھر اسباب دو طرح کے ہیں: کچھ ظاہری اور کچھ باطنی و حقیقی۔ ظاہری اسباب انسانی عقل اور آلات وغیرہ سے سمجھ آسکتے ہیں اور باطنی اسباب یا تو خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ کے ارشاد فرمانے سے معلوم ہوتے ہیں یا رحمتِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بتانے سے اُن کا پتا چلتا ہے۔

یہ بات سچ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کی تعداد اور طاقت جتنی اِس وقت ہے اِتنی پہلے کبھی نہیں تھی۔ 57 اسلامی ممالک میں سے کئی دُنیا کے امیر ترین ممالک میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان کے پاس ایٹمی طاقت بھی ہے... مگر یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ اِس وقت اُمّت جس زَبوں حالی، پستی اور تنزُّلی کا شکار ہے پہلے اَدوار کے مسلمانوں نے شاید اِس کا تصوّر بھی نہیں کیا ہوگا! عالَمی دہشت گرد یہود و نصاریٰ جب چاہیں کسی اسلامی ملک پر چڑھ دَوڑتے ہیں اور اقوامِ متّحدہ سمیت سبھی منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اِس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ خود اسلامی ممالک بھی اپنے اپنے مَفادات کے تحفّظ میں مشغول رہتے ہیں اور ظالموں کو روکنے کی جرأت نہیں کرپاتے۔

غزّہ کے حالات سب کے سامنے ہیں، امریکہ کی سرپرستی میں اسرائیلی درندے ظلم کی تمام حدیں پار کرچکے ہیں اور اپنے مَظالم کو چھپانے کے لیے یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ حمّاس دہشت گرد ہے۔ یوں ہی کئی دہائیوں سے بھارت مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں پر جبر و تشدّد کر رہا ہے اور پہلگام واقعہ جیسے ڈھونگ رچا کر اپنا ظلم و ستم چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

عالَمی منظر نامے کے ساتھ ساتھ نجی طور پر بھی ہمارے حالات اطمینان بخش نہیں، ہم اپنی زندگیوں میں امن و سُکون کی دَولت سے محروم ہیں اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ چاروں طرف سے مصائب اور پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے۔

کبھی ہم نے غور کیا کہ اِس تنزّلی و زبوں حالی کا سبب کیا ہے؟ آخر حالات یہاں تک کیوں پہنچے؟ بے شمار افراد ایسے ہیں جنھیں اپنی دُنیاداری سے فرصت نہیں، اُنھوں نے کبھی سوچا ہی نہیں ہوگا کہ آخر یہ تنزّلی کیوں ہے؟ پھر جو اِس طرف دھیان کرتے ہیں اُن میں سے بھی زیادہ تر ظاہری اسباب تک ہی رہتے ہیں... وہ سمجھتے ہیں کہ شاید معاشی کمزوری کی وجہ سے یہ حالات ہیں یا حَربی طاقت نہ ہونے کے نتیجے میں ایسا ہو رہا ہے... حالانکہ اب تو دَولت کی کثرت ہے، جس وقت مسلمانوں نے اپنے دَور کی سپر پاورز کا غرور خاک میں ملایا تھا تب کھانے پینے کے وسائل بھی پوری طرح دستیاب نہیں تھے اور اُس وقت دشمنوں کے ساتھ افرادی قوّت اور جنگی طاقت کا تقابل ہی نہیں تھا۔ اِس کا مطلب ہے کہ زبوں حالی اور تنزُّلی کے اصل اسباب کچھ اور ہیں اور ہمیں وہ اسباب تلاش کرکے اُن کا خاتمہ کرنے کی ضرورت ہے۔

سببِ زوال... دشمنوں کو دوست سمجھنا

دُشمن کے وار سے بچنے کے لیے سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ انسان اُسے دُشمن سمجھے اور اُس کی سازشوں سے آگاہی حاصل کرکے اُن کا سدِّباب کرے۔ اگر دُشمن دوست کے رُوپ میں ہو اور انسان اُسے اپنا خیر خواہ سمجھنے لگے تو اُس کا شرّ انتہائی شدید ہوتا ہے اور سر سے پانی گزرنے کے بعد پتا چلتا ہے۔

قرآن وسنّت میں ہمیں اِس بات سے آگاہ کیا گیا کہ کفار ہمیشہ اسلام کا راستہ روکنے اور تمھیں کمزور کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے، خصوصاً یہود اور مشرکین بدترین دُشمن کے طور پر تمہارے ساتھ عداوت کا مظاہرہ کرتے رہیں گے؛ لہٰذا تم اُن کے شر سے بچ کر رہنا!... مگر افسوس کہ اُمّت نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کی اِس نصیحت پر عمل نہ کیا اور یہود و نصاریٰ کو دُشمن سمجھنے کے بجائے اُن کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائیں... پھر ہمیشہ اِس کا نتیجہ وہی نکلا جو دُشمن کو دوست سمجھنے کا نکلتا ہے۔ یہ بھی مسلمانوں کی زبوں حالی کی ایک بڑی وجہ ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

کفار کی دُشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے ربِّ کریم نے فرمایا: اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا۔ "بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔" [النساء 101:04]

یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الۡیَہُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا۔ "ضرور تم مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والا یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔" [المائدۃ 82:05]

پھر ربِّ کریم نے اُن کی دشمنی واضح فرما کر کئی آیاتِ کریمہ میں اُنھیں دوست بنانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ ایک مقام پر ارشادِ ربّانی ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ... "اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ!" [النساء 144:04]

چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کا انجام ہمیشہ رُسوائی ہی ہوا ہے... مثلاً برِّ صغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بعض مقامی حکمرانوں نے دوست سمجھ کر اُن سے تعلقات بڑھائے تو اُس کا نتیجہ ظالمانہ برطانوی راج کی صورت میں نکلا۔ عرب شریف کے بعض ممالک نے امریکی جھانسے میں آکر فلسطین میں یہودیوں کو پاؤں ٹکانے کی اجازت دی، انجام یہ ہوا کہ وہ تقریباً ستر سال سے مسلسل فلسطینی مسلمانوں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ بڑھا رہے ہیں اور آج غزہ کی صورتِ حال کسی سے مخفی نہیں۔

گفتگو کا یہ مقصود ہرگز نہیں کہ تمام کافروں کے ساتھ جنگ کی جائے اور کسی بھی کافر کے ساتھ دُنیاوی معاملات نہ نبھائے جائیں، یقیناً امن سے رہنے والوں کے ساتھ امن کا ہی حکم ہے، مگر کفار، خصوصاً یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

نجی زندگی میں زوال: جس طرح دشمنانِ خدا کے ساتھ دوستی بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب ہے، یوں ہی ہماری نجی زندگی کا سُکون برباد ہونے کی بھی ایک بڑی وجہ ہے۔ آپ کہیں گے کہ ہم نے ذاتی طور پر تو کسی بھی یہودی کو دوست نہیں بنایا! اِس کا جواب اپنے رویّے پر غور کرنے سے مل جائے گا۔

کیا ہمارا رہن سہن اور تہذیب وتمدّن اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے یا یہود و نصاریٰ کے کلچر کے قریب ہے! پھر اِس بات پر غور کیجیے کہ کیا کوئی شخص اپنے دشمنوں کے طور طریقے اختیار کرتا ہے؟ یوں سمجھ آجائے گی کہ ہم یہود و نصاریٰ کو دوست سمجھتے ہیں یا دشمن!

سببِ زوال... قدرتی رُعب کا خاتمہ

سرکارِ دو عالَم ﷺ کو جو بے شمار خصائص عطا ہوئے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رُعب و دَبدبہ پیدا فرمایا ہے، وہ اپنی کثرت و طاقت کے باوُجود اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رُعب داب کے سبب کبھی بھی آپ ﷺ کا مُقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے خصائص بیان کرتے ہوئے اِس بات کا بھی تذکرہ فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ۔ یعنی "اللہ تعالیٰ نے میری اِس طرح مدد فرمائی ہے کہ وہ میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رُعب و دَبدبہ ڈال دیتا ہے۔" (صحیح بخاری، حدیث: 438)

پھر آپ ﷺ کے ساتھ نسبت کی برکت ہے کہ اسلام کی خاطر میدان میں ڈٹ جانے والے مسلمانوں کو بھی رُعب و جلال کے ذریعے مدد سے نوازا جاتا ہے اور اُن کا دشمن خوف زدہ ہو کر اپنا سر جُھکا دیتا ہے۔ اِس نُصرت کا وعدہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا: سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ... "عن قریب ہم کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال دیں گے۔" [اٰلِ عمران 03:151]

آیتِ کریمہ غزوۂ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی، مگر مفسرین کی تشریح کے مطابق یہ وعدہ قیامت تک کے سچے مسلمانوں کے ساتھ ہے۔[1]

چنانچہ باری تعالیٰ نے یہ وعدہ ہمیشہ پورا فرمایا اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی بے سروسامانی کے باوُجود اُس دَور کی عالَمی طاقتوں کو اُن کے قدموں میں ڈھیر کیا، بعد کی اسلامی تاریخ بھی اِس وعدہ کی سچائی پر گواہ ہے۔

آج معاملہ برعکس ہو چکا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرماتے ہوئے کفار کے دلوں میں اُن کا رُعب ڈالتا تھا، اب ہمارے کرتوتوں کی سزا ہے کہ ہم کفار سے مَرعوب ہیں... جہاد تو دُور کی بات ہے مسلم حکمران مذمّتی بیان دیتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ کوئی ایسا لفظ منہ سے نہ نکل جائے جس سے امریکہ وغیرہ ناراض ہوں۔ یہ بھی اُمّت کے زوال کی ایک بڑی وجہ ہے اور اِس کا تذکرہ سیدِ عالَم ﷺ نے خود اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا تھا (خطبہ میں اُس حدیثِ پاک کا بھی تذکرہ کیا جائے گا)۔

---

[1] وَالْقَوْلُ الثَّانِيْ: أَنَّ هٰذَا الْوَعْدَ غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِيَوْمِ أُحُدٍ، بَلْ هُوَ عَامٌّ۔ (مفاتیح الغیب [التفسیر الکبیر] للرازی، تحت الآیۃ)

سببِ زوال... احکامِ الٰہیہ سے رُوگردانی

اگرچہ خالقِ کائنات نے اسلام کی سربلندی کے لیے طاقت واسلحہ تیار رکھنے کا حکم فرمایا ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا عُروج کبھی بھی اسلحہ سے نہیں ہوا، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا ہے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 17ھ کو اسلامی افواج ایران کو فتح کرنے کے لیے پہنچیں تو مشہور ایرانی علاقے تُستَر کا گورنر ہُرمُزان اپنی فوج کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ امیرِ لشکر سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی دن تک قلعہ کا محاصرہ جاری رکھا، بالآخر ہُرمزان نے طے کر لیا کہ ہمیں امیر المؤمنین کے دربار میں بھیج دیا جائے، وہ ہمارے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں ہمیں منظور ہو گا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ہُرمزان کو اُس کے بارہ ساتھیوں سمیت مدینہ منوّرہ کی طرف بھیج دیا۔ چشمِ فلک نے مسلم فوج کی دیانت داری اور سچائی کا یہ عجیب منظر دیکھا کہ یہ قیدی اپنے شاہی انداز میں مدینہ منوّرہ پہنچے، ریشمی لباس، سونے کے کنگن اور سج دھج... سب کچھ اُسی طرح باقی تھا۔ اہلِ مدینہ اُنھیں دیکھ کر حیران ہونے لگے۔

جب وہ مسجدِ نبوی میں پہنچے تو دیکھا کہ امیر المؤمنین اپنے سر مبارک کے نیچے چادر رکھ کر آرام فرما رہے تھے، ہرمزان یہ منظر دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا۔ کہنے لگا: هٰذَا مَلِكُكُمْ ؟ یہ تمہارا بادشاہ ہے؟ لوگوں نے کہا: هٰذَا الْخَلِيفَةُ۔ یعنی یہ بادشاہ نہیں، خلیفۃ الرسول اور امیر المؤمنین ہیں۔ کہنے لگا: أَمَا لَهُ حَاجِبٌ وَلَا حَارِسٌ؟ اِن کا کوئی دربان اور محافظ / سکیورٹی گارڈ نہیں ہے؟ بتایا گیا: اَللّٰهُ حَارِسُهُ حَتّٰى يَأْتِيَ عَلَيْهِ أَجَلُهُ۔ یعنی اِنھیں محافظ کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود اِن کا محافظ ہے، البتہ جب موت کا وقت آجائے تب وفات ہونی ہی ہے۔ ہرمزان نے کہا: هٰذَا الْمَلِكُ الْهَنِيءُ۔ ہماری زندگیاں تکلف وخوف میں گزرتی ہیں، یہ بے تکلف وبے خوف بادشاہ ہیں۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار ہوئے تو اُسے دیکھ کر فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذَلَّ هٰذَا وَشِيعَتَهُ بِالْإِسْلَامِ۔ یعنی سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اسلام کو عزت دی، جب کہ اِسے اور اِس کے تمام لشکر کو ذلیل فرما دیا۔

ہُرمُزان کے ساتھ آنے والے وفد نے کہا: گورنر سے مذاکرات کا آغاز کیجیے! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَا، حَتّٰى لَا يَبْقٰى عَلَيْهِ مِنْ حِلْيَتِهِ شَيْءٌ۔ یعنی (شریعت نے مرد کے لیے سونے اور ریشم وغیرہ زیور کو حرام قرار دیا ہے) جب تک یہ زیور وغیرہ، غیر اسلامی لباس نہیں اُتار تا مَیں اِس سے بات نہیں کروں گا۔ چنانچہ شاہی لباس اُتروا کر اُسے سادہ لباس پہنایا گیا۔[1]

ویسے تو اِس روایت میں سیکھنے کی کئی باتیں ہیں، مگر عنوان کی مناسبت سے جس بات کا ذکر مقصود ہے وہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین نے ہرمزان سے فرمایا: كَيْفَ رَأَيْتَ الَّذِي صَنَعَ اللّٰهُ بِكُمْ ؟ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ جو معاملہ فرمایا ہے اُسے کیسا دیکھتے ہو؟

---

[1] البداية والنهاية، ج:7، ص:100، دار احياء التراث العربي۔ تاريخ الرسل والملوك [تاريخ الطبري]، ج:4، ص:87، دار التراث

(اللہ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا کر کے تمہیں ذلیل ورُسوا کیا ہے، کیا سمجھتے ہو یہ سب کیسے ہوا ہے؟) ہرمزان نے کہا:

❖ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ! كُنْتُمْ وَأَنْتُمْ عَلَى غَيْرِ دِيْنٍ نَتَعَبَّدُ كُمْ وَنَقْضِيكُمْ وَنَقْتُلُكُمْ، وَكُنْتُمْ أَسْوَأَ الْأُمَمِ عِنْدَنَا حَالًا وَأَخَسَّهَا مَنْزِلَةً۔ یعنی اے اہلِ عرب! جب تک تم نے اسلام قبول نہیں کیا تھا تو ہماری نظر میں تم بدترین حالت اور گھٹیا ترین درجے پر تھے، ہم تمہیں غلام بنا لیتے تھے، تمہارا فیصلہ اپنی مرضی سے کرتے تھے اور تمہیں قتل کرتے تھے۔

❖ فَلَمَّا كَانَ اللهُ مَعَكُمْ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ بِاللهِ طَاقَةٌ۔ مگر جب اسلام قبول کرنے کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ کی مدد مل گئی تو ربّ سے مقابلہ کرنا کسی کے بس میں نہیں، اِسی لیے اب دُنیا کی تمام طاقتیں تمہارے سامنے ڈھیر ہیں۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:5، ص:66، دار الکتب العلمیۃ۔ سیر أعلام النبلاء، ص:140، مؤسّسۃ الرسالۃ)

بعد میں حضرت ہرمزان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا اور ایران کی فتح میں اِن کی مشاورت کا بنیادی کردار تھا۔[1]

ہرمزان مسلم فوج کے ساتھ طویل لڑائی کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے وہ قرآنِ مجید کی عملی تصدیق و تفسیر ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

إِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

"(اے مسلمانو!) اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اُس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔" [اٰل عمران 3:160]

اِس آیتِ کریمہ اور واقعہ کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ پہلے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکائے رہتے تھے تو ربِّ کریم اپنی تائید و نُصرت کے ذریعے پوری دُنیا کو اُن کے سامنے جھکا دیتا تھا... ہم نے فرماں برداری چھوڑ دی ہے تو بین الاقوامی سطح پر بھی مرعوب و مظلوم ہیں اور نجی زندگی میں بھی ذلّت و رُسوائی کا سامنا ہے۔

---

[1] فَأَسْلَمَ الْهُرْمُزَانُ، فَقَالَ (عمر): إِنِّيْ مُسْتَشِيْرُكَ فِيْ مَغَازِيَّ هٰذِهٖ، قَالَ: نَعَمْ! مَثَلُهَا وَمَثَلُ مَنْ فِيْهَا مِنَ النَّاسِ مِنْ عَدُوِّ الْمُسْلِمِيْنَ مَثَلُ طَائِرٍ لَهٗ رَأْسٌ وَلَهٗ جَنَاحَانِ وَلَهٗ رِجْلَانِ، فَإِنْ كُسِرَ أَحَدُ الْجَنَاحَيْنِ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ بِجَنَاحٍ وَالرَّأْسُ، فَإِنْ كُسِرَ الْجَنَاحُ الْآخَرُ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ وَالرَّأْسُ، وَإِنْ شُدِخَ الرَّأْسُ ذَهَبَتِ الرِّجْلَانِ وَالْجَنَاحَانِ وَالرَّأْسُ، فَالرَّأْسُ كِسْرٰى وَالْجَنَاحُ قَيْصَرُ وَالْجَنَاحُ الْآخَرُ فَارِسُ، فَمُرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلْيَنْفِرُوْا إِلٰى كِسْرٰى۔ (صحیح بخاری: 3159) ہرمزان اسلام لائے تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ سے فارس، اصفہان اور آذربائیجان پر فوج بھیجنے کے سلسلے میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہرمزان نے کہا: ان ممالک اور ان کے اسلام دشمن لوگوں کی مثال اس پرندے جیسی ہے جس کا ایک سر اور دو بازو ہوں، اگر اس کا ایک بازو توڑ دیا جائے تو وہ اپنے دونوں پاؤں ایک بازو اور سر کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے، اگر دوسرا بازو بھی توڑ دیا جائے تو پھر بھی دونوں پاؤں اور سر کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے، لیکن اگر سر توڑ دیا جائے تو دونوں پاؤں دونوں بازو بے کار ہو جائیں گے... سر کِسریٰ اور بازو قیصر و فارس ہیں، اگر آپ فتح چاہتے ہیں تو مسلمانوں کو حکم دے دیں کہ پہلے وہ کِسریٰ پر حملہ کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور مسلمان فاتح ٹھہرے۔

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے ایک فارسی نظم میں مومن کی شان بیان کرتے ہوئے کہا:

خِرقَۂ لَا تَحْزَنُوْا اَندَرْ بَرَش　　اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تَاجے بَرْ سَرَش [1]

یعنی مسلمان کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے کندھے پر وَلَا تَحْزَنُوْا (غم نہ کرنا / بے خوف رہنا) کا خرقہ (اعزازی لباس) پہنایا ہے اور اُس کے سر پر وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (تمہی سربلند رہو گے) کا تاج سجایا ہے۔

پھر اِس بلند شان والے مسلمان کی رُسوائی اور زبوں حالی کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا:

خَوار اَز مَہجُوریِ قُرآن شُدیٔ　　شِکوَہ سَنجِ گَردِشِ دَوراں شُدی

اصل میں تم قرآنِ حکیم کے احکام کو چھوڑنے کی وجہ سے ذلیل ورُسوا ہو رہے ہو اور شکوہ گردشِ زمانہ (حالات بدلنے) کا کرتے ہو۔

سببِ زوال... محبّتِ دُنیا واندیشۂ موت

نبیِ کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جہاں دیگر بے شمار غیبی خبریں عطا فرمائیں وہاں اپنی اُمّت کے زوال اور اُس کے حقیقی سبب کے بارے میں بھی واضح راہ نمائی فرمائی۔

اِس حوالے سے ارشادِ نبوی سُن کر سرکارِ دوعالَم ﷺ کی نبوّت ورِسالت پر ایمان میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اپنی کمزوریاں دُور کر کے دوبارہ عروج پانے کی راہ بھی ہموار ہوتی ہے۔ ویسے تو اپنی رائے سے مختلف حضرات زبوں حالی کے اسباب بیان کرتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ سیدِ عالَم ﷺ سے بڑھ کر حقیقت شناس کوئی نہیں۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْآكِلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا۔ ”قریب ہے کہ قومیں (دشمنانِ اسلام) تمہارے خلاف اتّحاد کر لیں / ایک دوسرے کو تمہارے مقابلے کے لیے یوں دعوت دیں جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو پیالے کی طرف دعوت دیتے ہیں۔“

کسی نے عرض کی: کیا ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ایسا ہو گا؟ ارشاد فرمایا:

- بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ... ”بلکہ اُس وقت تمہاری تعداد بہت ہو گی، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو گے (بُزدلی، نااتفاقی اور آرام طلبی وغیرہ کی وجہ سے تعداد زیادہ ہونے کے باوجود مسلمان بے قدر ہو جائیں گے)۔“
- وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ۔ ”اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رُعب ختم کر دے گا۔“

---

[1] شعر میں آیتِ کریمہ کی طرف اشارہ ہے: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ [اٰلِ عمران 03:139] یعنی ”ہمت نہ ہارو / سُستی نہ کرو، غم اور پریشانی ختم کر دو، اگر تم سچے مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔“

○ وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ۔ یعنی "تمہارے دلوں میں وَہن (کمزوری / ضُعف) پیدا ہو جائے گا۔"

کسی نے پوچھا: "وَہن" کی وجہ کیا ہوگی؟ فرمایا: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ۔ "دُنیا کی مَحبّت اور موت کا خوف۔"

(سنن أبي داؤد، كتاب الملاحم، باب في تداعي الأمم على الإسلام، رقم الحديث: 4297)

صحابہ کا عروج اور ہمارا زوال: صحابۂ کرام علیہم الرضوان دُنیا میں رہتے تھے، مگر اُنھوں نے دُنیا کو اپنے دلوں میں داخل نہیں ہونے دیا، اُن کے دل اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم ﷺ کی محبّت اور شہادت کی تڑپ سے معمور تھے؛ یہی اُن کے عروج کا راز تھا... جب کہ ہم نے دُنیا کو اپنے دلوں میں بسا رکھا ہے اور موت سے ڈرتے ہیں... اور یہی ہمارے زوال کا سبب ہے۔

دورِ فاروقی میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رُستُم، مِہران اور دیگر ایرانی سرداروں کے نام خط لکھا، جس میں اُنھیں اسلام کی دعوت دی اور اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں جِزیہ / ٹیکس ادا کرکے اسلامی ریاست کا شہری بننے کی پیشکش کی۔ ساتھ ہی لکھا: فَإِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُحِبُّونَ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَا يُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ۔ یعنی اپنی طاقت پر ناز نہ کرنا، میرے ساتھ وہ بہادُر مجاہد ہیں کہ تمہارے سپاہی شراب کی اتنی چاہت نہیں رکھتے جتنی میرے ساتھیوں کو راہِ خدا میں شہادت سے محبّت ہے۔

(المعجم الكبير للطبراني: 3806۔ المستدرك على الصحيحين: 5300۔ قال الهيثمي في مجمع الزوائد: 310/5: إسناده حسن أو صحيح)

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

دو عالَم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کِشور کشائی

کُشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اُس کو
ہلاکت نہیں موت اُن کی نظر میں[1]

دوسری طرف عصرِ حاضر کا مسلمان دُنیا کی محبّت میں اِس قدر مبتلا ہے کہ وہ حلال و حرام... ہر ذریعہ سے دُنیا کی دولت جمع کرنا چاہتا ہے، عمر بھر دُنیا کو سنوارنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، آخرت کی فکر ہی نہیں ہوتی... اور اپنے کرتوتوں کی وجہ سے موت کا خوف اِس قدر ہے کہ جہاد یا شہادت کا نام لینے سے کانپتا ہے، حالانکہ موت وہ حقیقت ہے جس سے کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو انکار نہیں۔

---

[1] یعنی مسلمانوں کی نظر میں "موت" ہلاکت نہیں ہے، بلکہ یہ تو دل کا دروازہ کھلنے اور بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کا ذریعہ ہے۔

حرفِ آخر: مسلمانوں کا حقیقی مَنال اور سببِ زوال

جس دَور میں مسلمان کمزور اور تعداد میں کم تھے تب اُن کے حالات قابلِ رشک تھے اور دُنیا اُن سے ڈرتی تھی، آج اُمّت کی تعداد بھی ڈیڑھ ارب سے زیادہ ہے اور دَولت وطاقت بھی بے پناہ ہے، مگر حالات پریشان کُن ہیں اور اُمّت دُنیا سے مرعوب ہے...

آخر اِس کی وجہ کیا ہے؟ عموماً اِس سوال کے جواب پر غور ہی نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی سوچتا بھی ہے تو زیادہ تر یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ مسلمان معاشی طور پر پیچھے ہیں اور علوم وفنون میں پسماندہ ہیں، مگر شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے کہا تھا:

اگرچہ زَر بھی جہاں میں ہے قاضِی الحاجات
جو فقر سے ہے مُیَسَّر، تَونگَری سے نہیں [1]

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زَری سے نہیں [2]

اِس کا مطلب ہوا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی، تنزّلی اور بے توقیری کا حقیقی سبب وہ نہیں جو ہم سمجھتے ہیں، بلکہ اِن اَبتَر حالات کے حقیقی اسباب کچھ اور ہیں۔ آج کے خطبہ میں قرآن وسنّت سے راہ نمائی لیتے ہوئے اسبابِ زوال سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

- قرآن وسنّت میں مسلمانوں کو تمام کفار، خصوصاً یہود ونصارٰی کے ساتھ دوستی ومحبّت سے منع کیا گیا، مگر ہم اُن کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائیں، یہ بھی ہمارے تنزُّل کی ایک وجہ ہے۔
- دَورِ عروج میں خالقِ کائنات نے اپنے کرم سے دشمنانِ اسلام کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب ڈالا تھا، مگر آج ہمارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے کہ ہم اُن سے مرعوب اور خوف زدہ ہیں۔
- مسلمانوں کی اصل طاقت اللہ تعالیٰ کی تائید ونُصرت ہے، اِسی کے بل بوتے پر صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے پوری دُنیا پر راج کیا، آج اُمّت اپنے خالق کی نافرمانیوں میں مبتلا ہے اور ربّ العالمین کی مدد پر بھروسا کرنے کے بجائے ہتھیاروں اور دُنیاوی ساز وسامان سے اُمّید لگائے بیٹھی ہے، جس کا انجام موجودہ زوال ہے۔

---

[1] زَر: سونا/ دَولت۔ قاضی الحاجات: ضروریات پوری کرنے والا۔ تَونگَری: مال داری۔ یعنی اگرچہ جہان میں دَولت سے بھی کئی ضروریات پوری ہوتی ہیں، مگر جو بات دولتِ فقر (دُنیا کی محبّت سے بیزاری) میں ہے وہ دُنیاوی مال وزَر میں نہیں ہے۔

[2] مسلمانوں کے زوال کا سبب بے زَری (دولت کی کمی / معاشی بدحالی) نہیں ہے، بندۂ مؤمن کے زوال کی وجہ کچھ اور ہی ہے جو تُو خود بھی جانتا ہے۔

❖ حدیثِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی مَحبَّت اور موت کا خوف وہ اُمور ہیں جن کی وجہ سے ہمارے دشمنوں کے دلوں سے ہمارا رُعب ختم ہو گیا اور ہم تعداد کی کثرت کے باوُجود بے قدر ہیں۔

اِنہی اسباب کی وجہ سے اُمّت بین الاقوامی سطح پر رُسوا ہے اور اِنہی وجوہات کی بنا پر قومی و نجی سطح پر مصائب و مسائل کا انبار ہے۔ اگر ہم عزّتِ رفتہ کی بحالی اور اپنی ذاتی زندگی میں سُکون و وقار چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے دلوں سے دُنیا کی محبَّت نکال کر اپنے خالقِ کریم اور اُس کے محبوبِ مکرّم ﷺ کا پیار دلوں میں بسانا چاہیے۔ نیز شوقِ شہادت اور اسلام کی سربلندی کے لیے مر مٹنے کا جذبہ بیدار کرنا چاہیے۔

یہی وہ جذبہ ہے جس نے 1965ء میں بھارت کے غرور کو خاک میں ملایا تھا۔ اُس موقع پر پاک فوج کے ایک زخمی جوان کو اسٹریچر پر علاج کے لیے لایا گیا تو وہ بار بار حسرت بھرے لہجے میں یہ کہہ رہا تھا: افسوس مَیں اپنی ماں سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کر سکا! مَیں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ مَیں سینے پر گولی کھا کر شہادت پاؤں گا۔ جب فوجی ڈاکٹر نے اُس کا آپریشن کیا تو پتا چلا کہ اُس کے پیٹ کے نچلے حصہ پر گولی لگی جو جسم کو چیرتی ہوئی سینے تک پہنچ گئی تھی اور اُس جوان نے اپنی آرزو کے مطابق اِسی سینے تک پہنچنے والی گولی سے شہادت پائی تھی۔[1] اِنہیں جذبات کے حامل مجاہدین کی برکت سے اُمّت کو عروج ملتا ہے۔

شرعی مسئلہ: جب مسلمانوں پر کوئی بڑی مصیبت آن پڑے تو نمازِ فجر میں اُس کے حوالے سے دُعا کرنے کی اجازت ہے۔ اِسے قنوتِ نازلہ کہا جاتا ہے۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ فجر کی دوسری رکعت میں تلاوت کے بعد رُکوع میں جانے سے پہلے امام اور مقتدی کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کہیں اور پھر ہاتھ باندھ کر آہستہ بارگاہِ الٰہی میں مُصیبت سے چھٹکارے اور دشمنانِ اسلام پر فتح کے لیے عربی میں کوئی دُعا پڑھیں۔ اگر مقتدی دُعا نہ پڑھ سکیں تو آہستہ سے آمین کہتے رہیں۔

(دیکھیے: فتاوٰی رضویہ، ج:7، ص:530، م:1102، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ۔ بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ح:4، ص:662، م:14)

اللہ تعالیٰ سرورِ کونین ﷺ کے صدقے میں اُمّتِ مسلمہ کی عزّتِ رفتہ کو بحال فرمائے اور ہمیں اسبابِ زوال کا اِزالہ کر کے اسلام کی سربلندی کے لیے کوشش کرنے کی توفیق سے نوازے!

ربِّ کریم اُمّت میں دینی غیرت بیدار فرمائے! مظلوموں کی غیبی تائید و نصرت فرمائے، خصوصًا اہلِ غزہ کو اِعانت سے نوازے اور مجاہدینِ حمّاس کو سُرخرو فرماتے ہوئے امریکہ، اسرائیل اور اُن کے تمام اتحادیوں کو ذلیل و رسوا کرے!

مالکِ کریم پاکستان اور اہلِ پاکستان کی حفاظت فرمائے اور اِس کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنائے!

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ!

---

[1] دیکھیے: "چھ ستمبر، نہ بھولنے والی کہانی... بریگیڈیئر (ر) نصرت جہاں سلیم کی زبانی"، مشمولہ در مجلہ "ہلال" [افواجِ پاکستان کا مجلہ]

۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ / 09 مئی 2025ء

جنگ میں کامیابی کے قرآنی اُصول

(پاک بھارت جنگ کے تناظر میں)

مشمولات

- کامیابی کا پہلا اُصول... ثابت قدمی
- کامیابی کا دوسرا اُصول... کثرتِ ذکرِ الٰہی و دُعا
- کامیابی کا تیسرا اُصول... اللہ و رسول کی اطاعت
- کامیابی کا چوتھا اُصول... اتحاد و اتفاق
- کامیابی کا پانچواں اُصول... صبر
- آزمائش کا دُستور اور نُصرتِ مَوْفُور
- قنوتِ نازلہ کا حکم اور طریقہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡکُرُوا اللّٰهَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ o وَاَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِیۡحُکُمۡ وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ o [الانفال 08:45،46]

قرآنِ حکیم کتابِ ہدایت ہے، جو اِس پر ایمان لائے، اِس کی تعظیم کرے اور اِس پر عمل کی سعادت پائے وہ دُنیا و آخرت میں سُرخرو ہوتا ہے اور جو اِس سے غفلت برتے اُس کے لیے دُنیا و آخرت میں رُسوائی ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ۔ ”اللہ تعالیٰ اِس قرآنِ مجید کے ذریعے کچھ قوموں کو سرفرازی و عُروج عطا فرمائے گا اور کچھ کو اِس کے ذریعے ذلیل و رُسوا کر دے گا۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 817) صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا عروج اور ہماری تنزُّلی اِس حدیث کے گواہ ہیں۔

کتابِ لاریب ایمانیات و عقائد بھی سکھاتی ہے، عبادات و معاملات کے حوالے سے بھی تربیت دیتی ہے اور دیگر اُمور پر راہ نمائی کے ساتھ ساتھ جنگ میں کامیابی کے اُصول بھی عطا کرتی ہے۔ سورۂ انفال میں خَلّاقِ عالَم نے جہاد کے حوالے سے ایسے آداب تعلیم فرمائے ہیں جن کے مطالعہ سے جہاد کا تصوّر بھی واضح ہو جاتا ہے اور جنگ میں کامیابی کا سلیقہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا ... ”اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو!“

2) وَاذۡکُرُوا اللّٰهَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ o ”اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو؛ تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔“

3) وَاَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ... ”اور اللہ اور اُس کے رسول کی اِطاعت کرو!“

4) وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِیۡحُکُمۡ ... ”اور آپس میں جھگڑا / نااتفاقی نہ کرو! ورنہ تم بُزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی (جرأت و قوّت ختم ہو جائے گی)۔“

5) وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ o ”اور صبر کرو! بے شک اللہ (کی مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ [الانفال 08:45،46]

پہلگام واقعہ کو بنیاد بناتے ہوئے پاکستان پر بے جا الزام تراشیوں کے بعد 06 اور 07 مئی 2025ء کی درمیانی شب بھارتی فورسز نے آزاد کشمیر اور پنجاب کے مختلف شہری مقامات کو نشانہ بنایا، جس کے بعد سے پاکستان اور بھارت کے درمیان سخت کشیدگی و جنگ کی فضا ہے اور پاک افواج کے جوان جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر وطن کے دفاع کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔

اِن حالات میں جنگ کے حوالے سے قرآنِ حکیم کے عطا کردہ اُصولوں پر عمل بے حد ضروری اور کامیابی کا زینہ ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں اِنہی قرآنی تعلیمات سے متعلق گفتگو کی جائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

کامیابی کا پہلا اُصول... ثابت قدمی

مالکِ کریم نے مسلمانوں کو جنگ کے وقت جن اُمور کی پابندی کا حکم دیا اُن میں سے پہلا "ثابت قدمی" ہے۔ یعنی جب کفار سے مقابلہ ہو تو حالات کیسے بھی ہوں... بہر حال مسلمانوں کو چاہیے کہ بُزدلی کا مظاہرہ نہ کریں، ڈر کر میدان نہ چھوڑیں، جانی یا مالی نقصان کے خوف سے جہاد کو ترک نہ کریں، بلکہ اسلام کی سربلندی کے لیے ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کریں اور انجام اللہ تعالیٰ کے کرم پر چھوڑ دیں۔

جنگ میں فتح کے لیے نفسیاتی طور پر ثابت قدمی اور جرأت کا مظاہرہ ضروری ہے، پھر اِس سے بھی اہم بات یہ کہ جہاد در حقیقت مسلمانوں کی آزمائش ہے اور بہادُری واستقامت کے بغیر آزمائش میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

جنگِ مُوتہ... ثابت قدمی کی حسین مثال: ہجرت کے آٹھویں سال شاہِ روم کے ایک گورنر نے نبوی قاصد کو شہید کر دیا۔ چنانچہ نبیِ کریم ﷺ نے اُس کے ساتھ جہاد کے لیے تین ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل لشکر روانہ فرمایا۔ جب یہ حضرات مُوتہ (یہ جگہ موجودہ دَور میں اُردن کا ایک شہر ہے) کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مقابلے کے لیے دو لاکھ فوج جمع ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک طرف اپنے وطن سے دُور، معمولی اسلحہ اور ساز وسامان کے ساتھ فقط تین ہزار افراد... دوسری جانب سپر پاور کی نگرانی میں اسلحہ اور سہولیات سے لَیس دو لاکھ فوج... طاقت کا توازُن اور تقابل کچھ بھی نہیں تھا۔ باہمی مشاورت ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ اِس پریشان کُن صورتِ حال میں سیدنا عبد اللہ بن رَواحہ رضی اللہ عنہ نے ایسا شان دار کلام فرمایا جو آج بھی ثابت قدمی کا درس دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

- يَا قَوْمِ! وَاللهِ إِنَّ الَّتِي تَكْرَهُونَ لَلَّتِي خَرَجْتُمْ تَطْلُبُونَ: الشَّهَادَةُ۔ یعنی اے میری قوم! اللہ کی قسم، تم شہادت کی آرزو میں ہی تو گھروں سے نکلے ہو، اب اُس سے ڈرنا کیا؟
- وَمَا نُقَاتِلُ النَّاسَ بِعَدَدٍ وَلَا قُوَّةٍ وَلَا كَثْرَةٍ، مَا نُقَاتِلُهُمْ إِلَّا بِهٰذَا الدِّينِ الَّذِي أَكْرَمَنَا اللهُ بِهِ۔ یعنی ہم دشمنوں سے کبھی بھی تعداد، طاقت اور کثرت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کرتے، ہم تو اِس دین کے سہارے جہاد کرتے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزّت عطا فرمائی ہے۔
- فَانْطَلِقُوا، فَإِنَّمَا هِيَ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ: إِمَّا ظُهُورٌ وَإِمَّا شَهَادَةٌ۔ یعنی سینہ تان کر میدان کی طرف چلو! دو بھلائیوں میں سے ایک نصیب ہو جائے گی: یا تو اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا یا جامِ شہادت نوش کر کے سُرخرو ہو جائیں گے۔

یہ ایمانی گفتگو سُن کر سب نے کہا: قَدْ وَاللهِ صَدَقَ ابْنُ رَوَاحَةَ۔ قسم بخدا! عبد اللہ بن رَواحہ بالکل سچ فرما رہے ہیں۔

(سیرتِ ابن ہشام، ج:2، ص:375، مصطفی البابی۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج:13، ص:181، رقم:428)

بعض لوگ جنگ کے وقت جانی ومالی نقصان وغیرہ کی باتیں سُنا سُنا کر ڈراتے رہتے ہیں... ایسا ہر گز نہیں کرنا چاہیے۔ خود بھی دلیر بنیں اور دوسروں تک بھی وہ خبریں پہنچائیں جن سے اُن کی ڈھارس بندھے اور وہ رحمتِ الٰہی سے پُر اُمید ہو کر استقامت کا مظاہرہ کریں۔

کامیابی کا دوسرا اُصول... کثرتِ ذکرِ الٰہی و دُعا

ربِّ کریم نے مسلمانوں کو جنگ میں کامیابی کا دوسرا اُصول یہ سکھایا کہ "کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہنا!"

یادِ الٰہی کے حکم میں دو باتیں شامل ہیں:

i. دل اُس کی یاد سے آباد رہیں اور زبانوں پر اُس کا ذکر جاری ہو... نمازیں پڑھیں، قرآنِ مجید کی تلاوت کریں، تکبیر و تہلیل کی کثرت کریں اور زیادہ سے زیادہ دُرودِ پاک کے نذرانے پیش کریں۔

ii. بارگاہِ الٰہی میں اسلام کی سربلندی، مسلمانوں کی کامیابی اور کفار کے ذلیل و رُسوا ہونے کی دُعائیں کریں۔[1]

جنگ میں کامیابی کے لیے ذکرِ الٰہی کی کثرت اِس لیے ضروری ہے کہ فتح و سرفرازی محض اللہ تعالیٰ کی مدد اور اُس کی رحمت سے ہی ہوتی ہے؛ لہٰذا اسباب اختیار کر کے نظر مسبّبُ الاسباب پر رکھنا کامیابی کا ذریعہ ہے۔ میدانِ جہاد میں فوجی جوانوں کے نعرے اِس حکم پر عمل کی ایک حسین صورت ہیں۔[2]

آیتِ کریمہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جنگ کے موقع پر کئی کئی گھنٹے خبریں سننے میں مشغول رہنا، ہر وقت حالات پر تبصرے کرتے رہنا اور ہمہ وقت فون پر نظریں جمائے رکھنا فضول کام ہے، اِس کے بجائے زیادہ سے زیادہ ربِّ کریم کو یاد کرنا چاہیے۔

اُسوۂ حسنہ: نبیِ کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ میں ثابت قدمی اور یادِ الٰہی کی حسین مثالیں ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن ابی اَوفٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ کے موقع پر فرمایا: أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللهَ الْعَافِيَةَ،[3] فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا۔ یعنی "اے لوگو! دشمنوں سے مقابلے کی تمنّا نہ کرو! اور اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی مانگو! (دُعا کرو کہ ربِّ کریم خود تمہیں دشمنوں کے شر سے کفایت فرمائے) تاہم جب دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ڈٹ کر راہِ خدا میں جہاد کرو!"

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ۔[4] "اور جان لو کہ بلاشبہ جنّت تلواروں کے سائے میں ہے (اگلے مورچوں / پہلی صفوں / خطرناک مقام میں اسلحہ سے جہاد کرنا جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے)۔"

---

[1] وَالْقَوْلُ الثَّانِي: أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ هٰذَا الذِّكْرِ الدُّعَاءُ بِالنَّصْرِ وَالظَّفَرِ؛ لِأَنَّ ذٰلِكَ لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِمَعُوْنَةِ اللهِ تَعَالٰى۔ (تفسیر کبیر، زیرِ آیت)

[2] نعرۂ تکبیر کے ساتھ محبوبانِ خدا کے نعرے لگانا بھی حقیقت میں ذکرِ الٰہی ہی ہے؛ کیونکہ مسلمان اُنھیں اللہ تعالیٰ کا پیارا سمجھ کر ہی اُن کا نام لیتا ہے۔

[3] أَيْ: اُطْلُبُوْهُ كِفَايَةَ شَرِّ الْأَعْدَاءِ۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 3930)

[4] وَإِنَّمَا ذَكَرَ السُّيُوفَ؛ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ آلَاتِ الْحُرُوبِ۔ (أیضًا)

ثابت قدمی کے درس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کثرتِ ذکر کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کھڑے ہو کر بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی:

اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ[1] وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ! اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔ "اے اللہ! قرآنِ حکیم کو نازل فرمانے والے! بادلوں کو چلانے والے! اور کفار کے لشکروں کو بھگانے والے! دشمنوں کو شکست دے اور اُن کے خلاف ہماری مدد فرما!

(صحیح بخاری، حدیث:2966۔ صحیح مسلم، حدیث:1742)

اِس حسین دُعا میں ربِّ کریم کے تین اوصاف کا تذکرہ ہے: قرآن نازل فرمانا، بادلوں کو چلانا اُن سے بارش برسانا اور اپنی مدد سے کفار کے بڑے بڑے لشکروں کو شکست دینا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تربیت فرمائی کہ ربِّ کریم کی عظیم قدرت وطاقت کا تذکرہ کر کے اُس سے فتح کی التجا کی جائے۔ (دیکھیے تبیان الفرقان، ج:2، ص:723، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اگر ہم یہ خوب صورت دُعا عربی یا کم از کم اُردو میں یاد کر کے خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی اِس کا شوق دلائیں تو یہ ہماری طرف سے پاک فوج کی کامیابی کے لیے ایک طرح کا عمدہ تعاوُن ہو گا۔

دُعا کی ترغیب: مذکورہ آیتِ مبارکہ بھی جنگ کے موقع پر کثرت سے بارگاہِ الٰہی میں دُعائیں کرنے کا حکم دیتی ہے اور احادیثِ کریمہ سے بھی اِس کی تربیت ملتی ہے۔

جب مسلمان بے سروسامانی کے عالَم میں میدانِ بدر تک پہنچے تو سرورِ عالَم ﷺ کی گریہ وزاری سے بھرپور دُعاؤں میں سے ایک یہ بھی تھی: اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ قُرَيْشٌ قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُيَلَائِهَا وَفَخْرِهَا، تُحَادُّكَ وَتُكَذِّبُ رَسُوْلَكَ، اَللّٰهُمَّ فَنَصْرَكَ الَّذِيْ وَعَدْتَنِيْ، اَللّٰهُمَّ فَأَحِنْهُمُ الْغَدَاةَ۔ یعنی "اے اللہ! یہ قُریش اپنے تکبُّر اور فخر کے ساتھ، تیرے دشمن بن کر اور تیرے رسول کی تکذیب کرتے ہوئے آئے ہیں۔ اے اللہ! تُو نے مجھ سے مدد کا وعدہ فرمایا ہے، اُسے پورا فرما اور مدد عطا کر دے! اے اللہ! کل اِن کافروں کو ہلاک کر دے۔" (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:3، ص:35، دار الکتب العلمیۃ۔ سیرتِ ابن ہشام، ج:1، ص:621)

اِن حسین دُعاؤں کی قبولیت کا مُژدہ سناتے ہوئے باری تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی آیتِ کریمہ [الانفال 9:8] بھی نازل فرمائی اور بدر میں مسلمانوں کو شان دار فتح سے بھی نوازا۔

تربیت: دین سے بیزار / لبرل لوگ جنگ کے موقع پر دُعا کرنے سے متعلق کئی اعتراضات کرتے ہیں، بلکہ دُعاؤں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اُنھیں اِن آیات واحادیث سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ یہ بات درست ہے کہ بعض اوقات کسی حکمت کے تحت یا انسان کے اعمال کی سزا میں دُعا اُس طرح قبول نہیں ہوتی جس طرح وہ چاہتا ہے، مگر اِس بنیاد پر دُعا چھوڑ دینا یا اُس کا مذاق اُڑانا بڑی بد نصیبی ہے۔

---

[1] أَيْ: يَا مُنْزِلَ الْقُرْآنِ۔ (عمدۃ القاری، تحت الحدیث)

کامیابی کا تیسرا اُصول... اللہ و رسول کی اطاعت

جنگ میں کامیابی کے لیے تیسری اہم قرآنی ہدایت ہے: ”اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو!“

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کے احکام کی بجاآوری اِس قدر ضروری ہے کہ ربِّ کریم نے جہاد میں بھی اِس پر سختی سے کاربند رہنے کا حکم فرمایا۔ مفسرینِ کرام نے لکھا: جنگ کے دوران اطاعت و فرماں برداری کا ذکر اِس لیے بھی ہے کہ اِس کی برکت سے فتح نصیب ہوتی ہے۔[1]

اطاعت کا درجہ: نبیِ کریم ﷺ نے جنگِ مُوتہ کے لیے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو روانہ فرمایا، اُن کی روانگی جمعۃ المبارک کے دن صبح کے وقت ہوئی۔ دربارِ نبوی کے مقبول شاعر سیدنا عبد اللہ بن رَواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ مَیں نبیِ کریم ﷺ کی اقتدا میں جمعہ ادا کر کے چلا جاؤں گا اور تیز رفتاری سے مجاہدین تک پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ اُنھوں نے نمازِ جمعہ مسجدِ نبوی شریف میں ادا کی۔

نماز کے بعد سیدِ عالم ﷺ نے اُنھیں دیکھا تو پیچھے رہ جانے کی وجہ پوچھی، اُنھوں نے عرض کی: أَرَدْتُّ أَنْ أُصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ أَلْحَقَهُمْ۔ یعنی مَیں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ نماز ادا کر لوں، پھر روانہ ہو کر اُن تک پہنچ جاؤں۔

سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اطاعت میں سُستی یا کسی دُنیاوی مفاد کے لیے نہیں رُکے تھے، بلکہ اُن کی نیت اچھی تھی، وہ دُگنا ثواب حاصل کرنا چاہتے تھے، کہ نبیِ کریم ﷺ کی اقتدا میں نمازِ جمعہ بھی نصیب ہو جائے اور جہاد بھی... مگر رسول اللہ ﷺ نے اطاعت کی اہمیت سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ مَا أَدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ۔ یعنی ”جو ثواب اُن مجاہدین کو اِطاعت کرتے ہوئے صبح سویرے جانے سے ملا ہے اگر تم ساری دُنیا کا مال خرچ کر دو تو بھی اُن مجاہدین والا اجر حاصل نہیں کر سکو گے۔“

(جامع ترمذی، حدیث: 527۔ مسند احمد، حدیث: 1966)

مزید ارشاد فرمایا: لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ یعنی ”دن کے ابتدائی یا آخری حصّہ میں ایک مرتبہ راہِ خدا میں نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: 36965، ورواہ البخاری عن أنس مرفوعًا، رقم: 2792)

تربیت: جنگ میں اِطاعت کے حکم سے اُن لوگوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو جہاد کے نام پر مسلمانوں کو شہید کرتے ہیں، اطاعت کے بغیر کوئی جہاد نہیں اور اِطاعت اِسی میں ہے کہ خونِ مسلم کا احترام کیا جائے۔ نیز اِس میں ہم جیسوں کے لیے بھی درسِ ہدایت ہے جو اطاعت و فرماں برداری سے غافل ہیں، سوچنا چاہیے کہ اگر حالتِ جنگ میں نافرمانی سخت نحوست و بے برکتی لاتی ہے تو امن و قرار میں حکم عُدولی کی تباہی کس قدر ہو گی!

---

[1] وَذٰلِكَ بَعْضُ مَا يُسْتَعَانُ بِهٖ فِي الْحَرْبِ۔ (تأويلات أهل السنة [تفسير الماتريدي]، تحت الآية)

کامیابی کا چوتھا اُصول... اتحاد واتفاق

جنگ میں سرفرازی وکامیابی حاصل کرنے کا سلیقہ سکھاتے ہوئے اطاعت کے حکم کے بعد ربِّ کریم نے چوتھا اُصول ذکر فرمایا:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ... یعنی آپس میں جھگڑا/ نااتفاقی نہ کرو! ورنہ تم بُزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی (جرأت وقوّت ختم ہو جائے گی)۔"[الانفال 46:8]

مفسرین نے لکھا:[1] ایک ہی آیتِ کریمہ میں اطاعت اور اتّحاد... دونوں کے حکم سے معلوم ہوا کہ:

- اللہ، رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اِطاعت کریں تو باہمی تنازعات نہیں ہوتے... نافرمانی کے نتیجے میں ہی اختلافات اور لڑائیاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ سربراہِ مملکت سے لے کر عوام تک... سبھی کو چاہیے کہ دینی تقاضوں کو پورا کریں اور شریعتِ مطہرہ پر عمل کریں، اِس کی برکت سے سیاسی، لسانی، صوبائی اور قبائلی... سبھی تنازعات حل ہو جائیں گے۔
- باہمی جھگڑوں کے نتیجے میں بُزدلی وکمزوری بھی پیدا ہوتی ہے اور طاقت وشوکت بھی ختم ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ تمام سیاسی قائدین اور اثر ورُسوخ کے حامل دیگر افراد کو چاہیے کہ وسیع تر قومی مفاد میں اپنے اختلافات کو بھلا دیں... خصوصًا حالتِ جنگ میں اپنے مفادات کو قربان کر کے اتفاق واتحاد کا مظاہرہ کریں اور پاک فوج کے شانہ بشانہ دشمن کے عزائم کو خاک میں ملائیں۔

صحابہ کا طرزِ عمل: صحابۂ کرام علیہم الرضوان ہدایت کے ستارے ہیں، اُن کی مبارک سیرتیں ہمیں زندگی کے ہر پہلو پر راہ نمائی فراہم کرتی ہیں۔ اختلافِ رائے کے حوالے سے بھی اُن کا طرزِ عمل مَشعلِ راہ ہے۔ دلائل کی بنیاد پر فقہی مسائل میں اُن کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتی تھی، یوں ہی سیاسی اُمور میں بعض اوقات اُن کی فکر الگ الگ ہو جاتی تھی، مگر لطف یہ ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی رِضا کے طلب گار تھے؛ لہٰذا اُنھوں نے کبھی بھی دشمنانِ اسلام کو اپنے اختلاف سے فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں دیا، بلکہ وہ ہمیشہ دینی تقاضوں اور اُمّت کے مفاد کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔

امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر کسی حکمت کے تحت جہاد کے دوران سیف اللہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لشکرِ اسلام کی سربراہی سے معزول کرنے کا حکم بھیجا، اگر اُنھیں ہماری طرح دُنیاوی لالچ ہوتا تو دورانِ جہاد سخت نااتفاقی اور لڑائی ہو جاتی، مگر اُنھوں نے اتحاد کے حکم کو اِس شان کے ساتھ پورا کیا کہ جب سیدنا خالد کو معزولی کا پیغام ملا تو وہ کہنے لگے: سَمْعًا وَطَاعَةً لِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ مَیں نے امیر المؤمنین کا حکم سُنا اور اُس کے سامنے گردن جھکا دی۔

(البداية والنهاية، ج:7، ص:23، دار احياء التراث)

---

[1] دیکھیے خزائن العرفان، زیرِ آیت

کامیابی کا پانچواں اُصول... صبر

جنگ میں فتح و کامیابی کے لیے مالکِ مہربان نے پانچویں بات کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ o

"اور صبر کرو! بے شک اللہ (کی رحمت و نُصرت) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

صبر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کی جو خواہش و چاہت ہے صورتِ حال اُس کے مطابق نہ ہو، پھر بھی انسان مشقّت برداشت کرکے خود کو شریعت و عقل کے تقاضوں کا پابند رکھے۔ جہاد میں صبر کا مفہوم یہ ہوا کہ خدانخواستہ اگر مشکلات آئیں، مثلاً:

- جانی یا مالی نقصان ہو جائے
- بظاہر حالات دشمن کے موافق معلوم ہوتے ہوں
- تعداد یا اسلحہ کی کمی ہو
- موسمی یا دیگر معاملات کے حوالے سے کوئی پریشانی ہو

بہر صورت انسان کے دل پر خوف و گھبراہٹ کا غلبہ نہ ہو، زبان پر شکوہ و شکایت کے الفاظ نہ آئیں، بدن دینی تقاضوں کے خلاف نہ چلے... بلکہ دل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہے، زبان پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (یعنی اللہ ہی ہمارا مالک ہے اور ہم اُسی کی طرف لوٹیں گے) جیسے حسین کلمات ہوں اور بدن دینی تقاضوں کو پورا کرنے میں مصروف رہے۔

جن خوش نصیبوں کو صبر کی توفیق مل جائے اُن کی تعداد کم بھی ہو تو نُصرتِ الٰہی سے کامیابی اُن کے قدم چومتی ہے۔ ارشاد ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ "بہت مرتبہ اللہ کے حکم سے چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" [البقرۃ 02:249]

اُسوۂ حسنہ اور سیرتِ صحابہ: سرورِ عالَم ﷺ کے اُسوۂ مبارکہ اور آپ کے اصحابِ کرام علیہم الرضوان کی مبارک سیرتوں سے جہاد میں صبر و تحمل اور استقامت کا بہترین سبق ملتا ہے۔ اُنھوں نے ایسے ایسے کٹھن مراحل کو مسکراتے چہروں کے ساتھ طے کیا جو ہماری سوچ سے بھی بالاتر ہیں۔ بھوک کا یہ عالَم ہو کہ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہوں، مگر خندق کی کھدائی جاری رہے... وسائل کی کمی کے سبب جسم چھپانے کے لیے فقط ایک تہبند ہی دستیاب ہو، پھر بھی میدانِ اُحد کی پہلی صفوں میں شامل ہو کر جہاد کریں... احرام باندھ رکھے ہوں، مگر بیعتِ رضوان والے نبیِ کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر خون کے آخری قطرے تک جہاد کی بیعت کریں... سواریاں میسّر نہ ہوں اور غزوۂ ذاتُ الرِّقاع میں پیدل چل چل کر پاؤں زخمی ہو جائیں، مگر جہاد سے انکار نہ ہو... جسم پر 70 سے زیادہ زخم لگنے کے باوُجود پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا تصوّر بھی نہ کریں... صبر و استقامت کی یہ حسین مثالیں ہمارے لیے عالی شان نمونہ ہیں۔

حرفِ آخر: آزمائش کا دُستور اور نُصرتِ مَوفُور

ربّ العالمین ایسا قادِر ہے کہ کائنات کا کوئی بھی ذرّہ اُس کی قدرت سے باہَر نہیں اور وہ ایسا بے نیاز ہے کہ اُسے کسی کی بھی محتاجی نہیں۔ وہ کُن سے سب کچھ کر سکتا ہے اور مخلوق میں جس سے بھی چاہے کام لے سکتا ہے... تاہم اُس کا قدیمی دُستور ہے کہ وہ مختلف اُمور کے ذریعے مسلمانوں کو آزماتا ہے، یوں کھوٹوں اور کھروں کو ظاہر فرما دیتا ہے۔ جو آزمائش میں اُس کے حکم کو پورا کریں وہ اُنھیں ایسا نوازتا ہے کہ فرشتے بھی اُن پر رشک کرتے ہیں اور جو امتحان میں معاذ اللہ اُسے ناراض کر بیٹھیں دُنیا و آخرت میں اُن کا حال عبرت انگیز اور خوفناک ہوتا ہے۔

آزمائش کی ایک صورت جہاد بھی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے اسلام کی سربلندی کی خاطر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنا۔[1] اِس حوالے سے ارشادِ ربّانی ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۔ "اور ہم ضرور تمہارا امتحان لیں گے، حتّٰی کہ ہم تمہارے مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں گے اور ہم تمہاری خبروں کو پرکھ لیں گے۔" [محمد 47:31]

جو خوش نصیب جنگ کے حالات میں اللہ کریم کی رِضا کے طلب گار رہیں اور قرآن و سنّت کے احکام پر عمل کریں باری تعالیٰ ضرور اُن کی مدد فرماتا ہے اور کامیابی اُن کے قدم چومتی ہے۔

اِس وقت مملکتِ خداداد پاکستان بھی حالتِ جنگ میں ہے، پڑوسی ملک بھارت نے 06 اور 07 مئی کی درمیانی شب ہمارے اُوپر ایک جنگ مسلّط کی ہے، جس میں کامیابی کے لیے ہمیں بارگاہِ الٰہی سے مدد کی اُمّید بھی ہے اور اُس کے حضور التجاء و دُعا بھی۔

اِس جنگ میں نُصرتِ الٰہی کے ذریعے کامیابی و سرفرازی حاصل کرنے کی خاطر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اِس حوالے سے قرآنِ مجید کی متعدِّد آیاتِ طیبات ہماری راہ نمائی کرتی ہیں۔

آج کے خطبہ میں سورۂ انفال کی آیات: 45 اور 46 کی روشنی میں کامیابی کے پانچ اُصول ذکر کیے گئے ہیں، یہ ربِّ کریم کی مدد حاصل کرنے کے اہم ذرائع ہیں، جنھیں جنگ کے وقت اختیار کرنے کا خود خالقِ کائنات جلّ مَجدہٗ نے ہمیں حکم ارشاد فرمایا ہے:

1) جہاد میں "ثابت قدمی" اختیار کریں۔ یعنی کفار سے مقابلے میں بُزدلی کا مظاہرہ نہ کریں، خوف زدہ ہو کر میدان نہ چھوڑیں، جانی یا مالی

---

[1] یاد رہے کہ اگر لڑائی سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو یا اسلام کی سربلندی کے علاوہ کسی بھی مقصد کے لیے لڑائی ہو تو وہ ہرگز جہاد نہیں۔
عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: اَلرَّجُلُ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً، وَيُقَاتِلُ شَجَاعَةً، وَيُقَاتِلُ رِيَاءً، فَأَيُّ ذٰلِكَ فِي سَبِيْلِ اللهِ؟ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللهِ۔ (صحيح البخاري، رقم الحديث: 7458)
پاکستان دار الاسلام ہے، رِضائے الٰہی کے لیے اِس کی حفاظت کی خاطر جنگ کرنا ضرور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

نقصان کے اندیشہ سے جہاد کو ترک نہ کریں، بلکہ اسلام کی سربلندی کے لیے ڈٹ کر دُشمنانِ اسلام سے جہاد کریں۔

2) جنگ کے دوران کثرت سے ربِّ کریم کو یاد کریں۔ یعنی:

i. دلوں کو اُس کی یاد سے آباد رکھیں اور زبانیں اُس کے ذکر سے تَر ہوں... نمازیں پڑھیں، قرآنِ مجید کی تلاوت کریں، تکبیر و تہلیل کی کثرت کریں اور زیادہ سے زیادہ دُرودِ پاک کے نذرانے پیش کریں۔

ii. نیز بارگاہِ الٰہی میں اسلام کی سربلندی، مسلمانوں کی کامیابی اور کفار کے ذلیل ورُسوا ہونے کی دُعائیں کریں۔

3) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کریں اور حالتِ جنگ میں بھی کوئی ایسا کام نہ کریں جو دینی تقاضوں اور شرعی احکام کے خلاف ہو۔

4) اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ وسیع تر قومی مفاد میں تمام ذاتی وسیاسی اختلافات کو بھلا کر پاک فوج کے شانہ بشانہ دشمن کے عزائم کو خاک میں ملائیں۔

5) صبر سے کام لیں اور خدانخواستہ کوئی مشکل پیش آئے یا نقصان ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کی رِضا پر راضی رہیں اور زبانوں کو شکوہ وشکایت کے الفاظ سے محفوظ رکھتے ہوئے استقامت کا مظاہرہ کریں۔

پاکستان کی حفاظت کے لیے پاک افواج کی کارکردگی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے زبان سے بے ساختہ حمّاس کے مجاہدین کی خاطر بھی داد وتحسین کے کلمات نکلتے ہیں، جو اُمّت کی بے حسی وبے حمیّتی کے باوجود بیت المقدس کی حفاظت کے لیے جرأت واستقامت کی ایک نئی تاریخ رقم کررہے ہیں۔

شرعی مسئلہ: جب مسلمانوں پر کوئی بڑی مصیبت آن پڑے تو نمازِ فجر میں اُس کے حوالے سے دُعا کرنے کی اجازت ہے۔ اِسے قنوتِ نازِلہ کہا جاتا ہے۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ فجر کی دوسری رکعت میں تلاوت کے بعد رُکوع میں جانے سے پہلے امام اور مقتدی کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کہیں اور پھر ہاتھ باندھ کر آہستہ بارگاہِ الٰہی میں مُصیبت سے چھٹکارے اور دشمنانِ اسلام پر فتح کے لیے عربی میں کوئی دُعا پڑھیں۔ اگر مقتدی دُعا نہ پڑھ سکیں تو آہستہ سے آمین کہتے رہیں۔

(دیکھیے: فتاوٰی رضویہ، ج:7، ص:530، م:1102، رضافاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ۔ بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ح:4، ص:662، م:14)

اللہ تعالیٰ سرورِ کونین ﷺ کے صدقے میں تمام بلادِ اسلامیہ کی حفاظت فرمائے اور مجاہدینِ اسلام کو کامیابی سے سرفراز فرمائے! خصوصًا بیت المقدس کے تحفظ کی خاطر کاوشیں کرنے والے غیور مسلمانوں اور وطنِ عزیز پاکستان کی رکھوالی کرنے والے بہادُر جوانوں کو اپنی خاص مدد سے نوازے!

آمین بجاہ النبیِّ الکریم ﷺ!

۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ / 16 مئی 2025ء

جہاد کا حقیقی تصوّر اور جذباتِ تشکّر

(معرکۂ حق: آپریشن بنیانٌ مّرصوص کی کامیابی پر... یومِ تشکّر کی مناسبت سے)

مشمولات

- آپریشن بنیانٌ مّرصوص کی کامیابی پر خوشی
- کیا ہر شخص پر جہاد کرنا لازم ہے؟
- سچا مجاہد و غازی کون ہے؟
- جہاد میں کامیابی پر اِظہارِ تشکّر
- راہِ خدا کے مجاہدین کی حسین مثالیں
- جہاد کے آداب

جمعۃ المبارک کے دن نیکیوں کے اجر اور گناہوں کی سزا میں اِضافہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ۔ [الصف 4:61]

مسلمانوں پر خالقِ کائنات جَلَّ مَجْدُہٗ کی مہربانیوں کا سلسلہ اتنا طویل ہے کہ اُس کے احسانات کو شمار کرنا تو کُجا اُن کی تفصیل کا تصوُّر کرنا بھی ممکن نہیں۔ وہ اپنے کرم سے توفیق عطا فرما کر بندۂ مومن سے خیر و بھلائی کا کام لے لیتا ہے، پھر مزید احسان فرماتے ہوئے اُس پر شکر کی سعادت سے نوازتا ہے اور کرم بالائے کرم یہ کہ اُس نے بھلائی کرنے پر اجر و اِنعام اور رِضا و جِنان کے ایسے وعدے فرما رکھے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور تعظیم و تشکُّر کے لیے سر جُھک جاتا ہے۔

ربِّ کریم کا بے پناہ فضل پانے والوں میں نمایاں مقام راہِ خدا کے مجاہدین کا بھی ہے۔ یہ جاں باز خالقِ کائنات کی دی ہوئی جان کو اُس کے راستے میں لُٹانے کی تمنّا دلوں میں لیے اُس کے دین کی سربلندی کے لیے کوشش کرتے ہیں، پھر ربِّ کریم کی مدد سے فتح و کامیابی حاصل کرتے ہیں، پھر مالکِ مہربان کے فضل سے اُس کے شکر گزار ہوتے ہیں اور اِن سب بھلائیوں پر اُس کی بارگاہ سے دُنیا و آخرت میں ایسا اِنعام و اکرام پاتے ہیں جس کی حد ہی کوئی نہیں۔

10 مئی 2025ء، بروز ہفتہ کو بوقتِ فجر جذبۂ جہاد سے سرشار افواجِ پاکستان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کا خوب مظاہرہ کیا اور بھارتی جارحیت کے جواب میں بہترین حکمتِ عملی کے ساتھ نہایت مختصر وقت میں 26 فوجی اہداف کو درست طور پر نشانہ بنایا۔

اِس ”معرکۂ حق: آپریشن بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡص“ کی کامیابی پر فقط اہلِ پاکستان ہی نہیں، بلکہ پوری دُنیا کے مسلمان خوش ہیں اور اپنے ربِّ کریم کے فضل و احسان پر اُس کا شکر ادا کر رہے ہیں۔[1] خصوصًا آج کے جمعۃ المبارک (16 مئی 2025ء) کو حکومتِ پاکستان کی طرف سے یومِ تشکّر کے طور پر منایا جا رہا ہے۔

آپریشن بنیانٌ مَّرصوص سے جہاں دُنیا کے سامنے پاکستان کی مضبوط دِفاعی قوّت کا اِظہار ہوا ہے وہاں اُمّت میں جذبۂ جہاد کی کچھ یاد بھی تازہ ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی آنکھیں ایک عرصے سے مختلف اسلامی ممالک پر بارود برستا دیکھ رہی تھیں، اب اُنھوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں بُت پرستوں اور گائے کا پیشاب پینے والوں پر بم برستے دیکھے ہیں۔ یہ موقع اسلامی جہاد کے حوالے سے شُعور بیدار کرنے اور اِس بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے لیے بھی بہترین ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں ربِّ کریم کے حضور اِظہارِ تشکّر کے ساتھ ساتھ جہاد سے متعلق کچھ اہم باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

---

[1] مختلف عربی ویب سائٹس پر افواجِ پاکستان کو خراجِ تحسین اور بارگاہِ الٰہی میں اِظہارِ تشکر کے کلمات دیکھے جا سکتے ہیں۔

سچا مجاہد وغازی کون ہے؟

قرآن وسنّت میں جہاد کے فضائل اور مجاہدین کے مناقِب بے شمار ہیں۔ اِس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کرنا بے حد ضروری ہے کہ اِن فضائل کا مصداق کون سے افراد ہیں؟

سیدنا ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا (مفہوم): ایک آدمی غنیمت حاصل کرنے یا وطن کی حفاظت کرنے یا حکومت بنانے کے لیے جنگ کرتا ہے، کوئی شُہرت کے لیے لڑتا ہے اور کسی کا مقابلہ اِس لیے ہوتا ہے کہ اُس کا مقام ومرتبہ دیکھا جائے تو راہِ خدا کا مجاہد کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ۔ یعنی "جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی رِضا کی خاطر دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے جنگ کرے صرف وہی راہِ خدا میں جہاد کرنے والا ہے۔" (صحیح بخاری، رقم:2810، 3126، 7458۔ صحیح مسلم، رقم:1904)

حدیثِ مبارک سے معلوم ہوا کہ راہِ خدا میں جہاد کی جس قدر فضیلتیں بیان ہوئی ہیں وہ سب کی سب اُن خوش نصیبوں کے لیے ہیں جن میں یہ اوصاف پائے جائیں:

1) مسلمان ہوں۔ کافر کتنا ہی بڑا کام کیوں نہ کرے، اگر اُسے ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوئی تو آخرت میں اُسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔

2) رِضائے اِلٰہی کے طلب گار ہوں اور اسلام کی سربلندی کی خاطر جہاد کریں۔ وطن وغیرہ سب کچھ بعد میں ہو... پہلا اور بنیادی مقصد اسلام کا وقار اور اُس کی خدمت ہو۔

پاکستان مسلمانوں کا وطن ہے، اِس کی حفاظت کرنے میں اسلام کی سربلندی ہے اور معاذ اللہ پاکستان کو نقصان پہنچے تو یہ حقیقت میں اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اسلام کی عزّت ووجاہت کی خاطر جو جَوان پاکستانی سرحدوں کی رکھوالی کر رہے ہیں وہ یقیناً راہِ خدا کے مجاہد ہیں... لیکن اگر کوئی بدنصیب مسلمان ہی نہیں یا اللہ تعالیٰ کی رِضا کا طلب گار ہی نہیں یا اسلام کی خدمت اُس کے پیشِ نظر ہی نہیں، وہ صرف اپنی وردی، وطن یا کسی اور مقصد کی خاطر جنگ کر رہا ہے تو امام الانبیا ﷺ کے واضح ارشادِ گرامی کے مطابق وہ راہِ خدا کا مجاہِد نہیں ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سرورِ عالَم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ، صلّی اللہ علیک وسلّم! کوئی بندہ (بظاہر) راہِ خدا میں جہاد کا ارادہ کرتا ہے، حالانکہ (درحقیقت) وہ دُنیاوی ساز وسامان میں سے کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے (تو اُس کا کیا حکم ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا أَجْرَ لَهُ۔ "اُس کے لیے کوئی اجر وثواب نہیں ہے۔" اُس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا اور ہر بار سرورِ عالَم ﷺ نے یہی فرمایا کہ اُس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد، حدیث:2516، حدیث حسن)

راہِ خدا کے مجاہدین کی حسین مثالیں

اسلامی تاریخ ایسے حسین واقعات سے بھری پڑی ہے کہ راہِ خدا کے مجاہدین کو دُنیاوی فوائد، داد و تحسین اور حکومت و ریاست کی ذرّہ برابر بھی توقّع نہیں ہوتی تھی، وہ صِرف اور صِرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسلام کی سربلندی کی خاطر جہاد کرتے تھے۔

قلعہ کو پھاندنے والا گم نام مجاہد: اسلامی سپہ سالاروں میں ایک نمایاں نام مَسْلَمَہ بن عبد الملک علیہ الرحمہ (م:121ھ/738ء) کا بھی ہے۔ ایک جہاد کے دوران اُن کو دشمنوں کا قلعہ فتح کرنے میں کافی مشکل پیش آئی۔ بالآخر اُنھوں نے مجاہدین کو شوق دلایا کہ وہ قلعہ کی دیوار کو پھاند کر اندر داخل ہو جائیں۔ ایک گم نام مجاہد نے جان ہتھیلی پر رکھی اور قلعے کی دیوار میں نقب لگا کر اُس کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ یوں مسلم افواج نے قلعہ میں داخل ہو کر اُسے فتح کر لیا۔

سپہ سالار اور فوجیوں کو اُس شیر دل مجاہد کی تلاش تھی جس نے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر قلعہ کا دروازہ کھولا تھا۔ چنانچہ میر لشکر نے تمام مجاہدین کو جمع کر کے کئی مرتبہ تاکید کے ساتھ پوچھا: قلعے کی دیوار میں نقب لگا کر دروازہ کھولنے والا کون ہے؟ پہلے تو خاموشی رہی، پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ ایک مجاہد اُٹھا جس نے خود کو چھپا رکھا تھا، وہ نہایت بے نیازی سے کہنے لگا: أَنَا أَيُّهَا الْأَمِيْرُ! صَاحِبُ النَّقْبِ، آخُذُ عُهُوْدًا ثَلَاثًا۔ امیرِ محترم! نقب لگانے والا مَیں ہوں، تاہم مَیں تین وعدے لینا چاہتا ہوں:

1) لَا تُسَوِّدُوا اسْمِيْ فِيْ صَحِيْفَةٍ۔ یعنی پہلا وعدہ یہ کریں کہ اِعزاز پانے والوں کے رجسٹر میں میرا نام نہیں لکھیں گے۔

2) وَلَا تَأْمُرُوْا إِلَيَّ بِشَيْءٍ۔ دوسرا یہ کہ میرے لیے کسی انعام اور پیکج وغیرہ کا اِعلان نہیں کریں گے۔

3) وَلَا تَشْغُلُوْنِيْ عَنْ أَمْرِيْ۔ تیسرا یہ کہ مجھے میرے معاملے سے مشغول نہیں کریں گے / مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں گے۔

مَسْلَمَہ علیہ الرحمہ نے یہ تینوں باتیں مان لیں۔ پھر وہ شخص یوں رُوپوش ہوا کہ کبھی نظر نہیں آیا۔ مسلمہ اُس سچے مجاہد سے اتنا متاثر تھے کہ ہر نماز کے بعد دُعا کرتے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مَعَ صَاحِبِ النَّقْبِ! یعنی اے اللہ! قیامت کے دن مجھے اُس نقب لگانے والے مجاہد کی سنگت عطا فرمانا۔ (تاریخ دمشق، مسلمہ بن عبد الملک، ج:58، ص36، دار الفکر بیروت۔ المجالسۃ وجواہر العلم للدینوری، ج:4، ص:200)

مجاہدوں میں ایسا اِخلاص ہو، پھر ربِّ کریم اُن کی مدد نہ فرمائے... یہ اُس کی شانِ رحمت کے لائق ہی نہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن مُبارَک: تاریخِ اسلام میں ایک نمایاں نام سیدنا عبد اللہ بن مُبارَک علیہ الرحمہ (م:181ھ/797ء) کا بھی ہے، آپ امام اعظم ابو حنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے شاگرد ہیں اور حدیث و فقہ میں امام ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے مجاہد بھی تھے۔

طَرَسُوس (موجودہ دَور میں ترکی کا ایک شہر) میں جہاد جاری تھا، ایک طاقت وَر رُومی فوجی میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکارنے لگا۔ ایک مجاہد اُس کے سامنے گئے اور اُس کے ہاتھوں شہید ہو گئے، یوں ہی چھ مجاہدین درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اب وہ مزید تکبُّر کے

ساتھ للکارنے لگا، سیدنا عبد اللہ بن مُبارَک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھی کو چند وصیتیں کیں، پھر اپنی سواری پر بیٹھ کر چپکے سے اُس رُومی فوجی کے پاس گئے اور چند لمحوں کی لڑائی کے بعد اُسے قتل کر گرایا۔

اب آپ کفار کو للکارنے لگے اور یکے بعد دیگرے مقابلہ کرتے ہوئے چھ طاقت وَر سپاہیوں کو واصلِ جہنّم کر دیا۔ کفار پر آپ کا ایسا رُعب طاری ہوا کہ اب آپ کے للکارنے پر کوئی بھی کافر مقابلے کے لیے میدان میں نہیں آیا۔[1]

چنانچہ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کو ایڑ لگائی اور لوگوں سے خود کو چھپانے کے لیے یوں غائب ہوئے کہ پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کدھر گئے ہیں۔ اُن کے ساتھی عبد اللہ بن سِنان علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ آپ میرے پاس اُسی جگہ موجود تھے جہاں سے میدان میں تشریف لے گئے تھے (نہ اُنھوں نے جاتے ہوئے اپنا آپ ظاہر کیا، نہ ہی واپسی پر اپنا پتا چلنے دیا)۔

حضرت عبد اللہ بن سِنان کہتے ہیں: واپس آکر اُنھوں نے نہایت تاکید کے ساتھ مجھے حکم دیا کہ میری زندگی میں یہ بات کسی کو نہ بتانا![2] چنانچہ ابن سنان فرماتے ہیں: فَمَا حَدَّثْتُ بِهٖ أَحَدًا وَهُوَ حَيٌّ۔ مَیں نے اُن کی زندگی میں کسی کو بھی یہ بات نہیں بتائی۔

(شعب الإيمان، ج:4، ص:56، رقم: 4322، دار الكتب العلمية۔ سير أعلام النبلاء، ج:8، ص:408، مؤسسة الرسالة)

یہ ہے اصل جہاد اور راہِ خدا کے سچے مجاہدین ایسے ہی ہوتے ہیں۔

راہِ خدا میں جہاد کے آداب

دینِ متین جہاں ہمیں جہاد کا حکم دیتا ہے وہاں ہماری یہ تربیت بھی فرماتا ہے کہ مجاہدین کو کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے اور جہاد کرتے ہوئے اُن کی سوچ / ذہنی کیفیت کیا ہونی چاہیے! اِس حوالے سے فاتحِ اعظم امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خط آدابِ جہاد کا نچوڑ ہے اور وہ قیامت تک مسلم افواج اور سربراہانِ مملکت سے لے کر عوام تک... سبھی کی راہ نمائی کرتا رہے گا۔

دورِ فاروقی میں مصر کو فتح کرنے کے لیے لشکرِ صحابہ روانہ ہوا، جس کی سپاہ / کمان جلیل القدر صحابی سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سپرد کی گئی۔ امیر المؤمنین نے سپہ سالار کو ایک خط میں لکھا (مفہوم):

○ مَیں تمھیں اور تمام لشکرِ اسلام کو ہر حال میں تقوٰی اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیتا ہوں: فَإِنَّ تَقْوَى اللهِ أَفْضَلُ الْعُدَّةِ عَلَى الْعَدُوِّ وَأَقْوَى الْمَكِيدَةِ فِي الْحَرْبِ۔ تقوٰی دشمن کے خلاف سب سے بہترین تیاری ہے اور جنگ کی سب

---

[1] وَحَرَّكَ دَابَّتَهُ فَخَرَجَ فَعَالَجَ مَعَهُ سَاعَةً فَقَتَلَ الْعِلْجَ، ثُمَّ طَلَبَ الْمُبَارَزَةَ فَخَرَجَ إِلَيْهِ عِلْجٌ آخَرُ فَقَتَلَهُ حَتّٰى قَتَلَ سِتَّةً مِنَ الْعُلُوجِ، ثُمَّ طَلَبَ الْبِرَازَ فَكَأَنَّهُمْ كَاعُوا عَنْهُ [أَيْ جَبُنُوا]۔ (شعب الإيمان)

[2] يَا عَبْدَ اللهِ! لَئِنْ حَدَّثْتَ بِهٰذَا أَحَدًا وَأَنَا حَيٌّ... فَذَكَرَ كَلِمَةً۔ (أيضا)

سے کامیاب چال ہے۔

- مَیں آپ کو اور تمام لشکرِ اسلام کو تاکید کرتا ہوں کہ گناہوں سے مکمل اجتناب کریں؛ فَإِنَّ ذُنُوبَ الْجَيْشِ أَخْوَفُ عَلَيْهِمْ مِنْ عَدُوِّهِمْ۔ کیونکہ اپنے گناہوں (کی نحوست) کا خطرہ دشمنوں سے بھی زیادہ ہے۔
- وَإِنَّمَا يُنْصَرُ الْمُسْلِمُونَ بِمَعْصِيَةِ عَدُوِّهِمْ لِلّٰهِ، وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمْ تَكُنْ لَنَا بِهِمْ قُوَّةٌ؛ لِأَنَّ عَدَدَنَا لَيْسَ كَعَدَدِهِمْ وَلَا عُدَّتَنَا كَعُدَّتِهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مسلمانوں کی مدد اِس لیے فرماتا ہے کہ دشمن اللہ کے نافرمان ہیں اور مسلمان اُس کے فرماں بردار ہیں، اگر یہ بات نہ ہو تو ہم دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے؛ کیونکہ نہ تو ہماری تعداد اُن کے برابر ہے، نہ ہماری تیاری اُن کی تیاری کی طرح ہے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید چند ناصحانہ جملوں[1] کے بعد فرمایا:

- وَلَا تَقُولُوا: إِنَّ عَدُوَّنَا شَرٌّ مِنَّا فَلَنْ يُسَلَّطَ عَلَيْنَا وَإِنْ أَسَأْنَا۔ یعنی اِس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ ہم گناہ گار ہوں تو بھی دشمن ہم سے زیادہ بُرے ہیں (کیونکہ وہ کافر ہیں)؛ لہٰذا ہمیں ہی غلبہ ملے گا اور دشمن ہم پر مسلَّط نہیں ہوں گے۔
- پھر آپ نے وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا: کئی مرتبہ (سزا کے طور پر) زیادہ بُرے بھی مُسلَّط کر دیے جاتے ہیں، جیسا کہ بنی اسرائیل / یہود نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام کیے تو ربِّ ذوالجلال نے اُن پر مجوسی کافروں کو غالب کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا۔ یعنی "وہ کفار بنی اسرائیل کے شہروں کے اندر اُن کی تلاش کے لیے گھس گئے اور یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا۔" [بنی اسرائیل 17:05]
- پیغامِ فاروقی کے اختتامی جملے یہ تھے: وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَوْنَ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ كَمَا تَسْأَلُونَهُ النَّصْرَ عَلٰى عَدُوِّكُمْ۔ أَسْأَلُ اللّٰهَ ذٰلِكَ لَنَا وَلَكُمْ۔ یعنی جیسے تم اللہ تعالیٰ سے اپنے دُشمنوں کے خلاف مدد کی دُعا کرتے ہو، اِسی طرح مالکِ کریم سے یہ التجا بھی کیا کرو کہ وہ تمہاری خواہشاتِ نفس کے خلاف تمہاری مدد فرمائے! مَیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے اِس کی دُعا کرتا ہوں!

(العِقد الفرید لابن عبد ربّہ، ج:1، ص:117، DKI۔ نہایۃ الأرب فی فنون الأدب للنویری، ج:6، ص:168، دار الکتب والوثائق القومیّۃ)

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اِس تاریخی خط سے سبق ملا کہ راہِ خدا کے مجاہدین کو دین و شریعت کا پابند ہونا چاہیے اور اُن کی سوچ یہ ہونی چاہیے کہ ہم اسلحہ، طاقت اور تعداد کے بل بوتے پر فتح و کامیابی نہیں پا سکتے... یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہو گا۔ اگر ہم نافرمان ہوئے تو طاقت کے باوجود دشمن ہم پر مسلَّط ہو سکتا ہے اور ہم نے فرماں برداری کی تو کمزوری میں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے کامیابی ہو گی۔

---

[1] فَإِذَا اسْتَوَيْنَا فِي الْمَعْصِيَةِ كَانَ لَهُمُ الْفَضْلُ عَلَيْنَا فِي الْقُوَّةِ، وَإِلَّا نُنْصَرْ عَلَيْهِمْ بِفَضْلِنَا، لَمْ نَغْلِبْهُمْ بِقُوَّتِنَا۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ عَلَيْكُمْ فِي مَسِيرِكُمْ حَفَظَةً مِنَ اللّٰهِ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ، فَاسْتَحْيُوا مِنْهُمْ! وَلَا تَعْمَلُوا بِمَعَاصِي اللّٰهِ وَأَنْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ! (العقد الفرید)

کیا ہر شخص پر جہاد کرنا لازم ہے؟

جہاد کے حوالے سے یہ سوال بھی اہم ہے کہ کیا جہاد کرنا مسلم افواج اور سیکورٹی فورسز کا ہی کام ہے یا یہ مسلمان عوام کی بھی ذمہ داری ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کا شوق اور راہِ خدا میں شہادت پانے کی تڑپ ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے، خواہ اُس کا تعلّق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو... یہ ایمانی تقاضا ہے، حتّٰی کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے صحیح بخاری کے ایک باب کا عنوان رکھا: اَلْجِهَادُ مِنَ الْإِيمَانِ۔ یعنی جہاد ایمان کا حصہ ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب نمبر:27)

چنانچہ ہر مسلمان کے دل میں جہاد کی سچی تمنّا ہونی چاہیے... پھر اگر شرعی تقاضوں کے مطابق جہاد کا موقع ملے تو عملی طور پر بھی جہاد میں حصہ لینا چاہیے، لیکن ایسا نہ ہو سکے تو اسلام کی ترقّی واِشاعت کے لیے دیگر ذرائع سے کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ علمِ دین پھیلانا، نیکی کی دعوت دینا، خدمتِ دین کے لیے مال پیش کرنا/ صلاحیتیں بروئے کار لانا، خدّامِ دین کا ساتھ دینا اور اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا۔

آرزوئے جہاد نہ ہونے کی مذمت: امام الانبیا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے واضح طور پر اِس بات کی مذمت فرمائی ہے کہ مسلمان کے دل میں جہاد کی تمنّا اور شہادت کی آرزو نہ ہو۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ۔[1] یعنی "جو اِس حال میں مرا کہ نہ تو اُس نے جہاد کیا، نہ ہی اُس کے دل میں جہاد کی نیّت و تمنّا تھی تو وہ مُنافقت کی ایک قسم پر مرا۔" (صحیح مسلم، حدیث:1910)

شہادت کی آرزو: دین کے وقار و عروج کے لیے جان دینے کی سچی آرزو بارگاہِ الٰہی میں ایسی مقبول چیز ہے کہ ربِّ کریم اِس پر بھی عظیم اجر و اِنعام عطا فرماتا ہے۔

پروَردۂ آغوشِ نُبوت سیدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ طَلَبَ الشَّهَادَةَ صَادِقًا أُعْطِيَهَا وَلَوْ لَمْ تُصِبْهُ۔[2] یعنی "جو صدقِ دل سے شہادت کا طالب ہو/ اُس کی دُعا کرے وہ شہادت نہ پا سکے تو بھی اللہ تعالیٰ اُسے شہادت کا اجر عطا فرما کر شہیدوں کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث:1908)

---

[1] وَالْأَظْهَرُ أَنَّهٗ عَامٌّ وَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يَنْوِيَ الْجِهَادَ... (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث:3813)

[2] وفی روایۃ الحاکم: مَنْ سَأَلَ اللهَ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ صَادِقًا ثُمَّ مَاتَ أَعْطَاهُ اللهُ أَجْرَ شَهِيْدٍ۔ (المستدرک، رقم الحدیث:2411)
وعن سیدنا سہل بن حُنَیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا: مَنْ سَأَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:1909)

جہاد میں کامیابی پر اِظہارِ تشکّر

قرآن وسنّت سے تربیت ملتی ہے کہ جب مسلمان کو زندگی کے کسی بھی میدان میں کامیابی ملے، خواہ جنگ ہو یا کوئی اور مرحلہ... تو اُسے اپنے ربِّ کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اُس کی زبان سے نکلنے والے لفظوں سے یہ حقیقت ظاہر ہو کہ میرا کوئی کمال نہیں، جو بھلائی بھی نصیب ہوئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل واِحسان ہے۔

اُسوۂ حسنہ: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ وغیرہ سے واپس تشریف لاتے تو ہر بلند جگہ پر تین مرتبہ أَللّٰهُ أَكْبَر کہتے، پھر زبانِ اقدس پر یہ کلمات جاری ہوتے:

- لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، اُسی کی بادشاہی ہے، سب تعریفیں اُسی کے لیے ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔“
- آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ یعنی ”ہم لوٹ رہے ہیں، اپنے ربّ کے حضور توبہ کرتے ہیں، اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے ربِّ کریم کی حمد کرتے ہیں۔“
- صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ ”اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اُسی نے دشمنوں کے تمام لشکروں کو شکست دی۔“ (صحیح بخاری، حدیث:6385)

سرورِ عالم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلنے والے اِن مبارک کلمات میں توحیدِ باری تعالیٰ کا ذکر بھی ہے، اُس کی حمد وثنا بھی ہے، اُس کی تکبیر وتہلیل بھی ہے، توبہ وعبادت کا عہد بھی ہے اور خصوصی طور پر جنگ کی مناسبت سے وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ (اور تنہا اُسی نے دشمنوں کے تمام لشکروں کو شکست دی) کے کلمات تربیت فرماتے ہیں کہ جنگ میں فتح وکامرانی نصیب ہو تو مسلمان کے جذبات کیا ہونے چاہییں! چنانچہ حدیثِ پاک سے سبق لیتے ہوئے ہم:

- اِس بات پر بھی خالقِ کائنات جَلَّ مَجْدُهٗ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے سرحداتِ پاکستان کی رکھوالی کے لیے ایسی افواج عطا فرمائیں جن کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں، عالی شان جذبوں اور نظم وضبط کو پوری دُنیا تسلیم کرتی ہے۔
- اِس بات پر بھی اپنے ربِّ کریم کی بڑائی بیان کرتے ہیں کہ اُس نے مَعاشی مشکلات کے باوُجود جدید ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے ہمیں اپنے مکّار دُشمنوں سے پیچھے نہیں رکھا۔
- اور اِس بات پر بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف وثنا کرتے ہیں کہ اُس نے ہماری افواج کو باہمی اتفاق کے ساتھ ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی توفیق سے نوازا کہ دشمن کا غُرور خاک میں مل گیا اور پاکستان نے بالاتر پوزیشن میں رہتے ہوئے جنگ بندی پر اتفاق کیا۔
- اور صدقِ دل سے اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے بس میں نہیں تھا، سب کچھ قادرِ مطلق جلّ مجدہٗ کے فضل واحسان سے ہی ممکن ہوا۔

حرفِ آخر: مجاہدین کے درجات اور شکر کے جذبات

راہِ خدا کے مجاہدین وہ خوش نصیب ہیں جو بارگاہِ ربّ العزت میں بھی مقبول ہیں اور دربارِ رسالت مآب ﷺ میں بھی منظور ہیں، دُنیا والے بھی اُن کے عزم و حوصلے پر حیران ہوتے ہیں اور خدّامِ جنت بھی بہشت میں اُن کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔

ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ ”یقیناً اللہ اُن مجاہدین سے مَحبّت فرماتا ہے جو اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر جہاد کرتے ہیں، گویا وہ بُنْیَانٌ مَّرْصُوص، یعنی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“ [الصف 4:61]

اُس دَور میں جہاد کے لیے صفیں باندھی جاتی تھیں؛ لہٰذا آیت میں صف بندی کا ذکر ہوا، ہمارے دَور مَیں جنگ کے نئے طریقے ہیں، چنانچہ ہر وہ طریقہ اِس آیت میں شامل ہے جس میں نظم و ضبط و اِظہارِ قوّت ہو اور وہ دشمنوں پر فتح کا ذریعہ بنے۔ (نور العرفان، صراط الجنان)

مجاہدین کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ اِس جان کو جاں آفریں کی رِضا کے لیے اُس کے دین کی سربلندی کی خاطر نچھاوَر کرنے کی تڑپ رکھتے ہیں۔

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے مجاہدین کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے خوب کہا:

یہ غازی، یہ تیرے پُر اَسرار بندے
جنھیں تُو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دونیم اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سِمٹ کر پہاڑ اِن کی ہیبت سے رائی

دو عالَم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مَطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کِشور کشائی

10 مئی کو جذبۂ جہاد سے سرشار افواجِ پاکستان کے جوانوں نے ”معرکۂ حق: آپریشن بُنْیَانٌ مَّرْصُوص“ کے ذریعے اہلِ وطن کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ اِس شان دار کامیابی پر فقط اہلِ پاکستان ہی نہیں، بلکہ پوری دُنیا کے مسلمان خوش ہیں اور اِسی سلسلے میں آج کے جمعۃ المبارک کو ”یومِ تشکُّر“ کے طور پر منایا جارہا ہے۔

خطبہ میں جہاد، مجاہدین اور اُن کی کامیابی پر جذباتِ تشکُّر واحسان مندی سے متعلق کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

1) مجاہد وہ مسلمان ہے جو رِضائے اِلٰہی کا طلب گار ہو اور اسلام کی سربلندی کی خاطر جہاد کرے۔ وطن وغیرہ سب کچھ بعد میں ہو... پاکستان مسلمانوں کا وطن ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اسلام کی عزّت ووجاہت کی خاطر جو جَوان پاکستانی سرحدوں کی رکھوالی کر رہے ہیں وہ یقیناً راہِ خدا کے مجاہد ہیں... لیکن اگر کوئی بدنصیب مسلمان ہی نہیں یا اللہ تعالیٰ کی رِضا کا طلب گار ہی نہیں یا اسلام کی خدمت اُس کے پیشِ نظر ہی نہیں، وہ صرف اپنی وردی، وطن یا کسی اور مقصد کی خاطر جنگ کر رہا ہے تو وہ مجاہِد نہیں ہے۔

2) اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کا شوق اور راہِ خدا میں شہادت پانے کی تڑپ ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے، خواہ اُس کا تعلّق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو... یہ ایمانی تقاضا ہے۔ پھر اگر شرعی تقاضوں کے مطابق عملی طور پر جہاد میں شرکت کا موقع ملے تو اِسے سعادت سمجھتے ہوئے جہاد کرنا چاہیے اور ایسا نہ ہوسکے تو اسلام کی ترقّی واِشاعت کے لیے دیگر ذرائع سے کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ علمِ دین پھیلانا، نیکی کی دعوت دینا، خدمتِ دین کے لیے مال پیش کرنا/ صلاحیتیں بروئے کار لانا، خدّامِ دین کا ساتھ دینا اور اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا۔

3) قرآن وسنّت کی عطا کردہ تربیت کے مطابق مجاہدین کو چاہیے کہ وہ تقوٰی اختیار کریں، شریعت کی پابندی کریں اور گناہوں سے مکمل اجتناب کریں۔ اُن کا بھروسا اپنی طاقت واسلحہ پر ہرگز نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اُنھیں یقین ہونا چاہیے کہ ہماری کامیابی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ونُصرت سے ہوگی۔

4) جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فتح وکامیابی عطا فرمائے تو دلوں میں اِس احسان پر شکر گزاری کے جذبات ہونے چاہییں اور زبانیں اُس کی حمد وثنا سے تَر ہونی چاہییں۔ یہ جذبہ ایمانی تقاضا ہے کہ اِس کامیابی میں ہمارا کوئی کمال نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔

جب جہاد کی رُوح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رِضا مقصود ہو اور اسلام کی سربلندی پیشِ نظر ہو تو نہ جانے مسلم حکمران اور سپہ سالار غزّہ کے حالات سے کیوں غافل ہیں... حالانکہ دینی تقاضوں کے مطابق اِس وقت جہاد کی سب سے زیادہ ضرورت غزّہ میں ہے؛ تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو اسرائیلی درندوں کے مظالِم سے نَجات دلائی جاسکے۔

شرعی مسئلہ: جمعۃ المبارک کے روز نیکیوں کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے، چنانچہ ایک نیکی پر 70 نیکیوں کا اجر عطا ہوتا ہے۔ یوں ہی اِس دن میں گناہ کی سزا بھی باقی دنوں کی بنسبت زیادہ ہوتی ہے۔

(دیکھیے: مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، زیرِ احادیث: 935، 1363، ج:2، ص:106، 336، نعیمی کتب خانہ)

چنانچہ جمعہ شریف کی برکتیں سمیٹنے کے لیے اِس میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہییں اور گناہوں سے مکمل طور پر دُور رہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ / 23 مئی 2025ء

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات

(عشرۂ ذوالحجہ اور حجِ بیت اللہ کی مناسبت سے... "یومِ تکبیر" کے موقع پر)

مشمولات

- تکبیر کی ترغیب اور اُس کا مفہوم
- کم عمری میں شادی کی ممانعت سے متعلق بل کی مذمت
- عشرۂ ذوالحجہ میں کثرتِ تکبیر کا حکم
- عشرۂ ذوالحجہ میں حجامت سے اجتناب کا استحباب
- حجِ بیت اللہ میں تکبیر و تعظیم کے مظاہر
- "یومِ تکبیر" میں ربِّ ذوالجلال کی کبریائی کا اظہار
- ثمراتِ تکبیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا۔ [بنی اسرائیل: 111]

اللہ تعالیٰ کی ذات بھی عظیم ہے اور اُس کی صفات بھی جلیل ہیں۔ نہ تو اُس کی ذات کی عظمت و کبریائی کو کماحقُّہٗ جاننا مخلوق کے بس میں ہے، نہ ہی اُس کی صفات کی بزرگی و بڑائی کا صحیح اندازہ کسی کی طاقت میں ہے۔

نافرمان جنوں اور انسانوں کے علاوہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتی ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ کثرت سے اپنے ربِّ کریم کی بزرگی کا اظہار کریں، اِس پر بارگاہِ الٰہی سے بے حساب اجر واِنعام عطا کیا جاتا ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کا نام نامی زبان پر لاتے ہیں تو اُس کے ساتھ تعظیم والا کوئی لفظ بولتے ہیں، جیسے تعالیٰ، عَزَّوَجَلَّ اور جَلَّ جَلالُہٗ۔ اِن الفاظ سے ربِّ کریم کی بڑائی بیان کرنا ہی مقصود ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ کی شان وعظمت کو بیان کرنے کے لیے عربی میں کئی الفاظ استعمال ہوتے ہیں، سب سے زیادہ لفظِ اَللّٰہُ أَکۡبَر بولا جاتا ہے، جس کا آسان سا مفہوم یہ ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے / سب سے زیادہ عظمت وشان والا ہے۔

اَللّٰہُ أَکۡبَر کہنے کو "تکبیر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جائے: نماز کے شروع میں تکبیر (تحریمہ) کہنا ضروری ہے تو اِس کا مطلب ہوتا ہے کہ نماز کا آغاز کرنے کے لیے لفظِ اَللّٰہُ أَکۡبَر کہنا ضروری ہے۔

تکبیر (اللہ تعالیٰ کی عظمت / بڑائی بیان کرنا) ایمان میں ترقّی کا ذریعہ ہے، مختلف عبادات کا حصہ ہے، دونوں جہان کی برکات حاصل کرنے کا وظیفہ ہے، طاقت کے وقت تکبّر سے بچنے کا وسیلہ ہے، خوشی کے اظہار کا طریقہ ہے اور مشکلات میں انسان کا سہارا ہے۔

آج ذوالقَعدہ (1446ھ) کی 25 تاریخ ہے، جلد ہی ذوالحجہ کا چاند طلوع ہو جائے گا اور ذوالحجہ کے ابتدائی ایّام میں کثرت سے ذکرِ الٰہی، خصوصاً تکبیر کہنے کا حکم ہے۔ حج کے دنوں میں حجاجِ کرام اپنی زبانوں اور اپنے افعال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تعظیم وبڑائی کا اظہار کرتے ہیں۔ یعنی آنے والے دن مذہبی نقطۂ نظر سے تکبیر کے خاص ایّام ہیں۔

اِس کے ساتھ ساتھ ہمارے ایک خوب صورت قومی دن کی آمد بھی قریب ہے جس کا نام "یومِ تکبیر" ہے، یعنی 28 مئی۔ تقریباً تین دہائیاں قبل 1998ء میں 28 مئی کو پاکستان نے ایٹمی دھماکے کر کے پہلی "اسلامی ایٹمی قوّت" ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا اور یہ خوب صورت اقدام ہے کہ حکومتِ پاکستان نے اُس دن کا نام "یومِ تکبیر" رکھ کر اِس بات کا اعلان کیا ہے کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کا دن ہے؛ کہ اُس نے اِس دن میں ہمیں اسلامی ممالک میں جوہری قوّت ہونے کا منفرد اعزاز عطا فرمایا۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں تکبیر (ربّ تعالیٰ کی بڑائی ظاہر کرنے) سے متعلق ہی چند باتوں کا تذکرہ ہو گا۔

تکبیر کی ترغیب اور اُس کا مفہوم

خالقِ کریم جلّ جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۔ یعنی "اے حبیب! آپ فرمادیجیے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے نہ اولاد اختیار کی... اور نہ ہی سلطنت / بادشاہی میں اُس کا کوئی شریک ہے... اور نہ وہ کمزور ہے کہ اُسے کسی مددگار / حمایتی کی حاجت ہو... اور آپ اُس کی بڑائی بیان کرنے کے لیے تکبیر کہیے!" [بنی اسرائیل 111:17]

روایت میں ہے کہ سیدنا عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں جب کوئی بچہ بولنا شروع کرتا تو نبیِ کریم ﷺ اُسے سب سے پہلے یہی آیتِ کریمہ سکھاتے تھے۔[1]

اِس آیتِ مقدّسہ میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی / بڑائی بیان کرنے کا حکم دیا گیا، جس میں کئی باتیں شامل ہیں:

1) اللہ تعالیٰ کی ذات کی بڑائی بیان کرنا۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ربِّ کریم واحد و تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں... صرف اور صرف وہی واجب الوجود ہے، باقی سب اپنے وجود میں اُس کے محتاج ہیں... فقط وہی عبادت کے لائق ہے، کوئی دوسرا معبود نہیں... حقیقت میں فقط اُسی کی بادشاہی ہے... وہ سب سے بے نیاز ہے اور تمام تعریفیں اُسی کے لیے ہیں۔

2) صفاتِ باری تعالیٰ کی کبریائی ظاہر کرنا۔ یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات عظیم الشان ہیں اور وہ ہر عیب و نقص سے پاک ہے... اُس کی صفات و قدرت کی کوئی حد نہیں... اُس کی تمام صفات قدیم ہیں اور تغیُّر و زوال سے پاک ہیں۔

3) ربِّ کریم کے افعال کی عظمت کا اظہار کرنا۔ یعنی یہ ایقان رکھنا کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکم کے مطابق ہے... اُس کی مشیت و ارادے کے برعکس نہ کبھی کچھ ہوا، نہ ہی ہو سکتا ہے۔

4) اللہ تعالیٰ کے احکام کی بڑائی واضح کرنا۔ یعنی یہ یقین رکھنا کہ ربِّ کریم مالکِ مطلق ہے، وہ جو چاہے کرے، اُس کا ہر فیصلہ برحق ہے... وہ جسے چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے... اُس کے فیصلوں پر کسی کو بھی اعتراض کا حق نہیں۔

5) اسمائے الٰہیّہ کی تعظیم کرنا اور اُس کے لیے فقط وہی نام ذکر کرنا جو اُس نے اپنے لیے پسند فرمائے ہیں یا اُس کے حبیب ﷺ نے اُس کے لیے ذکر فرمائے ہیں۔

6) اپنے کمزور و کوتاہ ہونے کا ادراک کرنا اور یہ سمجھنا کہ مَیں نہ تو کماحقّہٗ اللہ تعالیٰ کو پہچان سکا... نہ ہی ربِّ کریم کے شکر اور اُس کی عبادت کا حق ادا کرنا میرے بس میں ہے۔ (دیکھیے: مفاتیح الغیب للرازی [تفسیرِ کبیر] و تبیان القرآن للسعیدی، زیرِ آیت)

---

[1] عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ: كَانَ الْغُلَامُ إِذَا أَفْصَحَ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلَّمَهُ النَّبِیُّ ﷺ هٰذِهِ الْآیَةَ سَبْعًا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 30279)

عشرۂ ذوالحجہ میں کثرتِ تکبیر کا حکم

ذوالحجہ کا آغاز قریب ہے، بارگاہِ الٰہی میں اِس ماہِ مبارک کو بہت عظمت وفضیلت حاصل ہے، خصوصًا اِس کے پہلے دس دن اور راتیں ربّ العزّت جلّ مجدہٗ کو بہت محبوب ہیں۔

اِن مبارک دنوں اور راتوں میں زیادہ سے زیادہ اعمالِ خیر بجالانے کی ترغیب دلائی گئی ہے، خاص طور پر ذکرِ الٰہی... کلمۂ طیبہ، حمد وثنا اور تکبیر کی کثرت کا حکم دیا گیا ہے۔

ذکرِ الٰہی کا حکم: خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ نے ارشاد فرمایا: وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ۔ "اور تاکہ وہ معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لیں۔" [الحج 22:28] "معلوم دنوں" سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔

کثرتِ تکبیر کا حکم: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ وَلَا أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعَمَلُ فِيهِنَّ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ۔ یعنی "ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں اعمالِ خیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ عظیم اور سب سے بڑھ کر پسندیدہ ہیں۔"
- فَأَكْثِرُوا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيلِ وَالتَّكْبِيرِ وَالتَّحْمِيدِ۔ "تو اِن دنوں میں کلمۂ طیبہ، "اَللّٰهُ أَكْبَر" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کثرت سے پڑھو!" (مسند احمد، حدیث: 5446، 6154، حدیث صحیح)

صحابۂ کرام علیہم الرضوان ارشاداتِ نبویہ پر بہت اہتمام کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ ذوالحجہ کے ابتدائی ایّام میں تکبیر کہنے کے حوالے سے امام بخاری علیہ الرحمہ نے روایت کیا: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوقِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ، يُكَبِّرَانِ وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِمَا۔ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بازار تشریف لاتے اور بلند آواز سے تکبیر کہتے، لوگ بھی اُن کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہا کرتے۔ (صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق)

ذوالحجہ کے ابتدائی شب وروز کی محبوبیت وفضیلت کے پیشِ نظر اِن میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ چنانچہ:

1) فرائض کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے؛ کیونکہ کوئی بھی جگہ ہو اور کوئی بھی وقت ہو، فرض سے زیادہ ضروری کچھ نہیں۔
2) گناہوں سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے گزشتہ جرائم سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔
3) ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں کثرت سے دُعائیں کرنی چاہییں، بالخصوص یومِ عرفہ (9 ذوالحجہ) کی دُعا بہت مقبول ہے۔
4) اِن دنوں میں روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے، خصوصی طور پر غیر حاجی کے لیے یومِ عرفہ کا روزہ بہت برکتوں کا حامل ہے۔
5) زبان کو فضول باتوں سے بچاتے ہوئے ذکرِ الٰہی، خصوصًا تکبیر میں مشغول رکھنا چاہیے۔

حجِ بیت اللہ میں تکبیر و تعظیم کے مظاہر

حجِ بیت اللہ وہ سعادت ہے جس کی آرزو ہر مسلمان کے دل میں مچلتی رہتی ہے، اِس وقت دُنیا بھر کے مختلف علاقوں سے مسلمان حرمِ اقدس میں جمع ہو کر حج کی تیاری کر رہے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو حج اوّل سے آخر تک اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکبیر کا نام ہے۔ حاجی:

- اپنی زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتا ہے۔
- مناسکِ حج کی ادائیگی کے ذریعے بھی ربِّ کریم کی کبریائی کا اِظہار کرتا ہے۔
- اور یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ ایّامِ حج میں قدرتی طور پر حاجی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی عظمت کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔

تلبیہ میں تعظیمِ الٰہی: حاجی احرام باندھنے کے بعد سے 10 ذوالحجہ کو جمرات کی رمی کرنے تک تسلسل و کثرت کے ساتھ یہ کلمات پڑھتا ہے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ مفہوم یہ کہ مَیں حاضر ہوں، اے اللہ! مَیں حاضر ہوں... مَیں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، مَیں حاضر ہوں... تمام تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں، بادشاہی کا مالک تُو ہی ہے... تیرا کوئی شریک نہیں۔

تصوّر کیجیے کہ جب حاجی بارگاہِ الٰہی میں یہ التجا پیش کرتا ہے کہ "مَیں حاضر ہوں" تو اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم و اِجلال کا کیا عالَم ہوتا ہوگا! تکبیر کا اصل مقصود یہی ہے جسے ہر حاجی کو پورا کرنا چاہیے... اور جو اِس سال حج کی سعادت سے مشرّف نہیں ہو رہے اُنھیں اِس التجاء و نیاز مندی کا لطف خاص طور پر نماز ادا کرتے ہوئے اُٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اکابر کا تلبیہ: بزرگانِ دین جب احرام باندھ کر تلبیہ کہتے تھے تو اُن کے دلوں میں بارگاہِ خداوندی کی تعظیم و تکبیر کا تصوّر کتنا پختہ ہوتا تھا، اِس کا اندازہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے عمل سے کیجیے! روایت میں ہے کہ ایک بار آپ نے حج کا ارادہ کیا۔ احرام باندھا تو رنگ مبارک زرد ہو گیا اور جسم کانپنے لگا، حتّٰی کہ زبانِ پاک سے تلبیہ نہ کہہ سکے۔ عرض کی گئی: مَالَكَ لَا تُلَبِّيْ؟ کیا وجہ ہے کہ آپ لبیک نہیں پڑھ رہے؟ فرمایا: أَخْشٰى أَنْ أَقُوْلَ: لَبَّيْكَ، فَيَقُوْلُ لِيْ: لَا لَبَّيْكَ۔ مجھے ڈر ہے کہ مَیں کہوں: لَبَّيْكَ (یا اللہ! مَیں حاضر ہوں) تو وہ فرمائے: لَا لَبَّيْكَ (تیری حاضری قبول نہیں)۔ عرض کی گئی: تلبیہ تو بہر حال ضروری ہے (اِس کے بغیر احرام معتبر نہیں)۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانِ پاک سے لبیک نکلنا تھا کہ بے ہوش ہو کر سواری سے زمین پر تشریف لے آئے اور پھر حج کے اختتام تک کچھ اِسی طرح کی کیفیت رہی۔[1] (مختصر تاریخِ دمشق، ج:17، ص:236، 237، دار الفکر۔ سیر أعلام النبلاء، ج:4، ص:392)

---

[1] فَلَمَّا لَبّٰى غُشِيَ عَلَيْهِ، وَسَقَطَ مِنْ رَاحِلَتِهِ، فَلَمْ يَزَلْ بَعْضُ ذٰلِكَ بِهِ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهُ۔ (سير أعلام النبلاء)

تلبیہ کی عظمت: جب حاجی تلبیہ کے ذریعے اپنے ربِّ کریم کی بڑائی بیان کرتا ہے تو اُس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ کلمات کس قدر مقبول ہوتے ہیں! اِس کا اندازہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثِ مبارک سے لگائیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّلَبِّيْ إِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ أَوْ عَنْ شِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ، حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هَاهُنَا وَ هَاهُنَا۔[1] یعنی جب مسلمان لبیک کہتا ہے تو اُس کے مشرق و مغرب میں زمین کے آخری کنارے تک جو بھی پتھر، درخت یا ڈھیلا ہے (روئے زمین کی ہر خشک و تر چیز) سبھی لبیک کہتے ہیں۔ (جامع ترمذی، حدیث: 828۔ سننِ ابنِ ماجہ، حدیث: 2921، حدیث صحیح)

مناسکِ حج میں تعظیمِ الٰہی: فقط تلبیہ ہی نہیں، حج کے تمام مَناسک کے ذریعے باری تعالیٰ کی کبریائی کا اِظہار ہوتا ہے۔ کچھ افعالِ حج میں ربِّ کریم کا ذکر اور اُس کی بڑائی کا اِظہار واضح ہے، جب کہ بعض مناسک بظاہر فقط مشقّت ہی ہیں... اُن میں صرف چلنا پھرنا ہوتا ہے یا کنکر پھینکنے ہوتے ہیں، مگر اِن کا بھی اصل مقصود یادِ خداوندی اور دلوں میں تعظیمِ الٰہی کو بڑھانا ہے۔

اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْكَعْبَةِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ، لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ یعنی "کعبۃ اللہ کا طواف، صفا مروہ کی سعی اور شیطانوں کو کنکر مارنا... یہ سب احکام ذکرِ الٰہی کو قائم کرنے کے لیے ہی دیے گئے ہیں۔" (مسند احمد، حدیث: 24468، اِسنادہ حسن) یہ افعال ادا کرتے ہوئے دل کو یادِ الٰہی میں محو رکھنا اور زبان کو ذکرِ خدا سے تَر رکھنا ہی اِن مناسک کا مغز ہے۔[2]

حج کے دوران ربِّ کریم کی کبریائی، حرمِ اقدس کی تعظیم اور مقاماتِ حج کے احترام کو پیشِ نظر رکھنا اِس قدر ضروری ہے کہ بزرگانِ دین نے لکھا: كَمْ مِنْ رَجُلٍ بِأَرْضِ خُرَاسَانَ[3] أَقْرَبُ إِلٰى هٰذَا الْبَيْتِ مِمَّنْ يَطُوْفُ بِهٖ۔ یعنی دُنیا کے دُور دراز علاقوں میں رہنے والے کئی لوگ طواف کرنے والوں سے زیادہ بیت اللہ کے قریب ہوتے ہیں۔

(قوت القلوب للشیخ أبي طالب المکّی، ج:2، ص:203، دار الکتب العلمیۃ)

وجہ بالکل واضح ہے؛ کہ اگر ایک شخص حرمِ اقدس میں پہنچ کر ادب و مَحبّت کے تقاضے پورے نہ کرے تو اُسے کعبۂ مُشَرَّفَہ کے انوار و تجلیات کہاں نصیب ہوں گے! جب کہ دوسرا آدمی پاکستان یا دُنیا میں کہیں بھی رہتے ہوئے مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منوّرہ کی یاد میں تڑپتا ہو اور اُس کا دل تعظیم سے لبریز ہو تو اُسے رحمتِ الٰہی سے حَرَمَین شَرِیفَین کی برکتیں وافر مقدار میں عطا ہوں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

غرضیکہ حجِ بیت اللہ سے تکبیر کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور دلوں میں تعظیمِ الٰہی بڑھانے کا سبق ملتا ہے۔

---

[1] يَعْنِيْ يُوَافِقُهٗ فِي التَّلْبِيَةِ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ فِيْ جَمِيْعِ الْأَرْضِ۔ (المفاتیح فی شرح المصابیح للمظہری، ج:3، ص:271، دار النوادر)

[2] ماخوذ از مرآۃ المناجیح، زیرِ حدیث: 2624

[3] "خراسان" ایران کا ایک صوبہ ہے، جس کا ذکر بطورِ مثال کیا گیا ہے۔

”یومِ تکبیر“ میں ربِّ ذوالجلال کی کبریائی کا اظہار

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اسلام کی سربلندی اور دشمنانِ اسلام کو مرعوب کرنے کے لیے طاقت تیار کریں۔ اِس میں وقت کی ضرورت کے مطابق ہر طرح کا اسلحہ اور جنگی آلات تیار کرنا شامل ہے۔

اسلام کے وقار اور مسلمانوں کے تحفّظ کی خاطر رِضائے الٰہی کے لیے کسی بھی طرح کا اسلحہ تیار کرنے پر بارگاہِ الٰہی سے بے پناہ انعام عطا ہوتا ہے۔ سیدنا عُقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللهَ لَيُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ الثَّلَاثَةَ الْجَنَّةَ: صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَالْمُمِدَّ بِهِ۔ یعنی ”(اسلامی جہاد میں استعمال ہونے والے) ایک تیر (Arrow) کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تین افراد کو جنت عطا فرمائے گا: 1) جس نے بھلائی اور ثواب کی نیت سے اُسے بنایا۔ 2) جس نے رِضائے اِلٰہی کے لیے اُسے چلایا۔ 3) اور جس نے مالکِ کریم کی خوشنودی کے لیے اُسے چلانے میں تعاون کیا۔

(سننِ ابن ماجہ، حدیث: 2811۔ جامع ترمذی، حدیث: 1637)

اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی مقصود ہو تو ایک تیر کی برکت سے مالکِ کریم اِس قدر مہربانی فرماتا ہے، چنانچہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ایٹمی قوّت بنانے میں جن جن حضرات کا مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا یقیناً وہ نہایت خوش نصیب ہیں۔

دشمنانِ اسلام کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی بڑائی ظاہر کرنا اور اَللّٰهُ أَكْبَر کہنا سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنّت بھی ہے اور ہمیشہ سے مسلمانوں کا شِعار بھی رہا ہے۔ مثلاً:

- غزوۂ اُحد کے موقع پر جانِ عالم ﷺ نے یہ نعرہ لگانے کا حکم دیا: اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ۔ [1]
- اور یہودیوں کے خلاف جہاد کے لیے جب جانِ عالم ﷺ خیبر میں داخل ہوئے تو فرمایا: اَللّٰهُ أَكْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ۔ [2]

28 مئی: ”یومِ تکبیر“ پاکستان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے احسان کی یادگار ہے۔ 1998ء میں اِسی تاریخ کو پاکستان نے طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایٹمی دھماکے کیے تو دشمنانِ اسلام ہکّے بکّے رہ گئے تھے اور دُنیا بھر کے مسلمانوں میں جشن کا سماں تھا۔

اِس دن کا نام اور اِس میں ہونے والا عظیم احسان ہمیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی ذہن نشین کرنے کا درس دیتا ہے۔ اِس موقع پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی ظاہر کرنے کا سب سے حسین انداز یہ ہوگا کہ پاکستان کے حکمران، عوام، افواج اور عدلیہ... سبھی اِس وطن میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نظام نافذ کرنے اور اپنی طاقت کو اسلام کی سربلندی کی خاطر استعمال کرنے کے لیے مخلص ہو جائیں۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث: 4043

[2] صحیح بخاری، حدیث: 2991

ثمراتِ تکبیر

ہر مسلمان اَللّٰہُ أَکْبَر کہتا ہے اور ہم بھی ہر روز دسیوں مرتبہ یہ حسین لفظ اپنی زبان پر لاتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کرم فرمائے اور اِس لفظ کا معنیٰ دل میں اُتر جائے تو زندگی میں ایک انقلاب بپا ہو جاتا ہے۔

جس خوش نصیب کے دل میں یہ بات پختہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت سب سے زیادہ ہے، وہی سب سے بڑا ہے:

- اُسے خوفِ الٰہی نصیب ہوتا ہے، پھر وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا، بلکہ اپنے ربّ کو راضی کرنے کے لیے بڑے بڑوں سے ٹکرا جاتا ہے؛ اِس لیے کہ اُسے یقین ہوتا ہے کہ خالق کی مشیت کے بغیر مخلوق کچھ بھی نہیں کر سکتی۔
- وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے، حتّٰی کہ دین کی خاطر جان بھی دینی پڑے تو پرواہ نہیں کرتا؛ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ”سب سے بڑا“ راضی ہو گیا تو جان کی کیا حیثیت ہے!
- اُس کے دل میں اللہ کریم کی محبّت پیدا ہوتی ہے اور وہ بہترین طریقے سے اپنے ربّ کی عبادت کرتا ہے۔
- وہ اپنے مالکِ کریم کی پناہ میں آجاتا ہے اور شیطان ذلیل ورُسوا ہو کر اُس سے دُور ہو جاتا ہے۔
- اُس پر علم وحکمت اور دُنیا وآخرت کی بھلائیوں کے ایسے اَسرار کھلتے ہیں جن کا اُسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

شاعرِ مشرق اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ مسلمان کی تکبیر میں اتنی قوّت ہے کہ اُس کی تکبیر تمام جہان کو سرنگوں کر سکتی ہے اور جملہ مصائب وآلام کی آندھیوں کا رُخ موڑ سکتی ہے، مگر قرآن وسنّت سے دُور ہونے کی وجہ سے اِس دَور کا مسلمان تاریک رات میں ہے۔

بقولِ اقبال ابلیس اور اُس کے تمام کارندوں کو اِس بات کا ڈر ہے کہ اگر مسلمان نے قرآن وسنت کے ساتھ اپنا رشتہ پھر سے جوڑ لیا تو اُس کی تکبیر شش جہات کا طلسم توڑ دے گی۔ ”ابلیس کی مجلسِ شُوریٰ“ میں اُنھوں نے کہا:

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ رَوشن اُس خدا اندیش کی تاریک رات[1]

ہر نفَس ڈرتا ہُوں اِس اُمّت کی بیداری سے مَیں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات[2]

---

[1] طِلِسْم: جادو۔ شَشْ جہات: چھ جہتیں، یعنی تمام جہان۔ خُدا اَنْدیش: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا۔ یعنی ابلیس نے کہا: مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا مسلمان... جس کی تکبیروں میں تمام جہان کی طاقت کا توڑ ہے... کہیں اُس کی تاریک رات روشن نہ ہو جائے!

[2] یعنی مجھے ہر لمحہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں یہ سوئی ہوئی اُمّتِ مسلمہ بیدار نہ ہو جائے، یہی وہ اُمّت ہے جس کا دین تمام کائنات کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔

حرفِ آخر: تکثیرِ تکبیر کی تاثیرِ دلگیر

خود اپنی بڑائی ظاہر کرنا یا دوسروں کی زبان سے اُس کے اِظہار کو پسند کرنا مخلوق کے حق میں نہایت ناپسندیدہ بات ہے اور اِس پر خالقِ کائنات جَلَّ مَجْدُہٗ سخت ناراض ہوتا ہے؛ کیونکہ مخلوق کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ ربِّ کریم نے ہی عطا فرمائی ہے... تو پھر بندے کی بڑائی کس بات کی! اِس کے برعکس خالقِ کریم خود بھی اپنی کبریائی ظاہر فرماتا ہے اور مخلوق سے اُس کے اِظہار کو بھی نہایت پسند فرماتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو! اُسے یہ بات زیب دیتی ہے؛ کیونکہ وہی سب خوبیوں کا مالک اور تمام تعریفوں کے لائق ہے۔

باری تعالیٰ کی شان و عظمت کو بیان کرنے کے لیے سب سے زیادہ لفظِ اَللّٰہُ أَکْبَر بولا جاتا ہے، جس کا آسان سا مفہوم یہ ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے / سب سے زیادہ عظمت و شان والا ہے۔ اَللّٰہُ أَکْبَر کہنے کو "تکبیر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نافرمان جنوں اور انسانوں کے علاوہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتی ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اُس کے افعال و احکام اور اُس کے ناموں کی عظمت و شان کا اِظہار کریں۔ رِضائے اِلٰہی کے لیے تکبیر و تعظیم سے حقیقت میں انسان اپنے وقار و اِعزاز میں اِضافہ کرتا ہے اور دارَین کی سعادتیں پاتا ہے۔

ماہِ ذوالقعدہ کا اختتام قریب ہے اور آنے والے ایّام تکبیر کے خاص دن ہیں۔ اِسی مناسبت سے آج قرآن و سنّت کی روشنی میں تکبیر سے متعلق چند باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

- ذوالحجہ کے پہلے دس دن اور راتیں ربّ العزّت جلّ مجدہٗ کو بہت محبوب ہیں۔ اِن میں زیادہ سے زیادہ اعمالِ خیر بجالانے کی ترغیب دلائی گئی ہے، خاص طور پر ذکرِ الٰہی... کلمہ طیبہ، حمد و ثنا اور تکبیر کی کثرت کا حکم دیا گیا ہے۔
- اِس وقت دُنیا بھر سے مسلمان حجِ بیت اللہ کی سعادت پانے کے لیے جمع ہو رہے ہیں اور حج اوّل سے آخر تک اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکبیر کا نام ہے۔ جن خوش نصیبوں کو اِس سال حج کا شرف مل رہا ہے اور جو ابھی اِس انتظار میں ہیں... سبھی کو چاہیے کہ دلوں میں ربِّ کریم کی تعظیم و کبریائی کو بڑھائیں، یہ ایمان کی ترقّی کا اہم ذریعہ ہے۔
- "یومِ تکبیر" کا حسین نام اور اِس دن میں ہونے والا عظیم احسان بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی ذہن نشین کرنے کا درس دیتا ہے۔ اِس موقع پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے پاکستان کے حکمران، عوام، افواج اور عدلیہ... سبھی کو چاہیے کہ اِس وطن میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نظام نافذ کرنے اور اپنی طاقت کو اسلام کی سربلندی کی خاطر استعمال کرنے کے لیے مخلص ہو جائیں۔
- زبان سے اَللّٰہُ أَکْبَر کہنا بھی باعثِ برکت و سعادت ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے کرم سے اِس کا معنیٰ دل میں اُتر جائے تو زندگی کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔ عرب کے صحرا سے نکل کر ایران اور روم کی سلطنتیں اُلٹ دینے والے شیروں کے پاس اصل طاقت یہی تھی کہ اُن کے قلوب و اذہان میں اَللّٰہُ أَکْبَر کا معنیٰ راسخ تھا۔ یہ سعادت ہمیں بھی مل جائے تو ضرور عروجِ رفتہ بحال ہو سکتا ہے۔

اگر اَللّٰہُ أَکْبَر کا معنیٰ دلوں کی گہرائی میں اُترا ہوتا تو پوری اُمّت غزّہ میں ہونے والی نسل کُشی پر یوں خاموش تماشائی نہ بنتی، بلکہ ”سب سے بڑے“ کی عدالت میں پیشی کا خوف کچھ کرنے پر مجبور کر دیتا۔

تاریخِ اسلام میں کئی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ دشمنوں نے کسی ایک مسلمان مَرد یا عورت کی بے توقیری کی تو اُمّت کی غیرت جاگ اُٹھی، مگر آج پچاس ہزار سے زیادہ شہادتوں کے بعد بھی ضمیر بیدار ہونے کا نام نہیں لیتا!

نکاح سے متعلق بِل: رواں ہفتے ایوانِ بالا / سینٹ آف پاکستان نے کم عمری میں شادی کی ممانعت کا بل پاس کیا ہے۔ چونکہ پاکستانی قانون کے مطابق بلوغت کی عمر 18 سال ہے، اِس سے کم عمر کو نابالغ تصوّر کیا جاتا ہے؛ چنانچہ 18 سال سے کم عمر میں شادی پر مختلف سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔

یہ بل دینی و شرعی تقاضوں کے بھی خلاف ہے، معاشرے کے مزاج سے بھی ہم آہنگ نہیں ہے اور دُنیا بھر میں رائج قوانین سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ شرعی طور پر علامات ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال کی عمر میں لڑکا اور لڑکی بالغ قرار پاتے ہیں۔ نیز دینِ متین نکاح کی حوصلہ افزائی فرماتا ہے اور نکاح کے برعکس مغربی طرز کے تعلقات سے سختی کے ساتھ منع فرماتا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ یہ بل فوری طور پر واپس لے اور مذہبی معاملات میں مداخلت کر کے عوام میں اشتعال انگیزی سے گریز کرے۔

شرعی مسئلہ: ذوالحجہ کے آغاز سے قربانی تک حجامت بنانے اور ناخن تراشنے سے اجتناب کرنا مستحب ہے، حتّٰی کہ جس نے قُربانی نہیں کرنی اُس کے لیے بھی حجامت نہ کروانا باعثِ اجر و ثواب ہے؛ لہٰذا ذوالحجہ کا چاند نظر آنے سے پہلے حجامت وغیرہ سے فراغت حاصل کر لینی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سرورِ کونین ﷺ کے صدقے میں ہمارے دلوں کو اپنی معرفت و تعظیم سے معمور فرمائے! ہماری زبانوں پر اپنے ذکر و تکبیر کے کلمات جاری فرمائے اور ہمارے دلوں کو تکبیر کی تاثیر سے پختہ فرمائے!

خالقِ کائنات غزّہ کے مظلوموں کی مدد فرمائے اور اُمّت کو دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عملی طور پر فلسطینی مسلمانوں کا دست و بازو بننے کی توفیق سے نوازے!

ربِّ کریم پاکستان سے دہشت گردی کا مکمل خاتمہ فرمائے اور دہشت گردوں کے عزائم کو خاک میں ملائے! مالکِ قدّوس ظلم کا نشانہ بن کر شہادت پانے والے شہریوں اور سیکورٹی اہلکاروں کے درجات بلند فرمائے اور زخمیوں کو جلد شفائے کامل سے نوازے!

آمین بجاہِ النّبیِّ الکریم ﷺ

۲ ذوالحجہ ۱۴۴۶ھ / 30 مئی 2025ء

جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

(قربانی سے متعلق عقلی شبہات کا ردّ... مع مسائلِ قربانی واحکامِ عشرۂ ذوالحجہ)

مشمولات

- عقل کی اہمیت اور اُس کی حیثیت
- قربانی کس پر واجب ہے؟
- محبوبانِ خدا کا عقل کو شریعت پر قربان کرنا
- احکامِ ربّانی پر عقل کی قربانی
- صاحبِ قربانی کا حکمِ ربّانی پر سب کچھ قربان کرنا
- تکبیراتِ تشریق کے احکام
- قربانی سے متعلق شریعت کا حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔[الاحزاب 36:33]

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو دیگر مخلوقات سے افضل و برتر پیدا فرمایا، اِسے نہایت عمدہ صورت، موزوں قد و قامت سے نوازا اور قوّتِ گویائی کا اِعزاز عطا فرمایا، مزید یہ کہ عقل و شعور دے کر صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا۔

عقلِ انسانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، حتّٰی کہ جسمانی طور پر کمزور انسان اِس عقل کے ذریعے اتنی بڑی بڑی چیزوں کو مُسَخَّر کرلیتا ہے کہ اُس کی اپنی عقل بھی حیران رہ جاتی ہے۔

کسی بھی چیز سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اُس شے کو اُس کی حد میں رکھا جائے اور اُس کا صحیح استعمال کیا جائے... اگر کسی مفید چیز کو اُس کی حد سے بڑھایا جائے یا اُس کا غلط استعمال کیا جائے تو وہ فائدہ مند ہونے کے بجائے نقصان دہ بن جاتی ہے۔ عقل کی بھی یہی صورتِ حال ہے... اگر انسان اِسے اِس کی حیثیت میں رکھتے ہوئے صحیح طرح سے استعمال کرے تو یہ دُنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے، لیکن اگر اِسے حد سے بڑھائے اور غلط استعمال کرے تو بندہ دونوں جہان میں سخت شرمندگی کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

ربّ تعالیٰ نے انسان کو عقلِ سلیم عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ اِس کی راہ نمائی کے لیے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کو مبعوث فرمایا اور دین و شریعت سے نوازا... اگر انسان کی عقل کہیں ٹھوکر کھائے اور وہ بے عقلی کر کے اُسے عقل مندی کا نام دینے لگے تو دین و شریعت راہ نمائی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ حقیقت میں "عقل مندی" کیا ہے! چنانچہ "عقل کی حد" یہ ہے کہ اُسے دین و شریعت کے تابع رکھ کر اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ اگر کوئی شخص "عقل پرست" بنے... وہ اپنی عقل کو ہی سب کچھ سمجھ لے اور جو بات اُس کی کمزور عقل میں نہ آئے اُسے ماننے سے انکار کر دے تو وہ نرا بے عقل ہے۔

ہمارے دَور کے بڑے فتنوں میں سے ایک "عقل پرستی" بھی ہے۔ کئی لوگ شرعی احکام پر اعتراضات کرتے ہیں؛ صرف اِس لیے کہ احکام کی حکمتوں تک اُن کی ناقص عقلوں کی رسائی نہیں ہوتی۔ ماہِ ذوالحجہ قریب آتے ہی قربانی کے حوالے سے اُن کی زبانیں دراز ہونے لگتی ہیں اور سوشل میڈیا کے ذریعے وہ سادہ لوح مسلمانوں کو وساوِس میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن و سنّت کی نصوص اور بزرگانِ دین کی سیرتوں، خصوصاً خلیل الرحمٰن سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَات کی مبارک زندگی سے سبق ملتا ہے کہ بندۂ مومن کا کام اپنے ربّ کے حکم کے سامنے گردن کو جھکا دینا ہے، اگر اُس کی حکمت معلوم ہو جائے تو اچھی بات ہے اور سمجھ میں نہ آئے تو بھی انکار یا ترک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آج اِسی حوالے سے کچھ باتوں کا ذکر ہو گا۔

عقل کی اہمیت اور اُس کی حیثیت

قرآن وسنّت میں عقل سے کام لینے اور اِس کے ذریعے قدرتِ الٰہیّہ میں غور وفکر کرکے ربّ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، اِس کے ساتھ ساتھ عقل کا درست استعمال نہ کرنے والوں کی شدید مذمّت بھی فرمائی گئی ہے۔

عقل کو استعمال کرنے کی ترغیب: متعدد آیاتِ کریمہ میں خالقِ کائنات نے اپنی عظیم نشانیاں بیان کرکے فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ ”بلاشبہ اِس میں عقل سے کام لینے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔“

(دیکھیے: الرعد 13:04۔ النحل 16:12۔ الروم 30:24)

قرآنِ حکیم تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے، مگر کیا حکمت ہے کہ فرمایا: ”عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں“؟ مفسرین نے لکھا: نشانیاں سب کے سامنے ہیں، مگر اُن سے فائدہ تمام لوگ نہیں اُٹھاتے، فائدہ فقط اُنھی کو ہوتا ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیتِ کریمہ میں ہے: وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ ”عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔“ [البقرۃ 2:269]

عقل سے کام نہ لینے کی مذمت: فرمانِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ ”کسی بھی شخص کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ (کفر وگمراہی کی) نجاست اُنھی لوگوں پر ڈالتا ہے جو عقل کو استعمال نہیں کرتے۔“ [یونس 10:100]

عقل کا شریعت کے تابع ہونا: عقل سے کام لینے کے اِن واضح احکام کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ عقل دین وشریعت کے تابع ہے اور سمجھ نہ آنے کا بہانہ بنا کر کسی شرعی حکم کو چھوڑنے کی اجازت ہرگز نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

- وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔۔۔ یعنی ”کسی بھی مسلمان مَرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرمادیں تو اُنھیں اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی ہو۔“
- وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔ ”جو اللہ اور اُس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک وہ صریح گمراہی میں بھٹک گیا۔“ [الاحزاب 33:36]

مسلمانوں کی تربیت کرتے ہوئے ربِّ کریم نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ ”جب مسلمانوں کو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جائے؛ تاکہ رسولِ کریم اُن کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو اُنھیں یہی کہنا چاہیے کہ ہم نے سُنا اور اِطاعت کی۔“ [النور 24:51] بقولِ اقبال:

گزر جا عقل سے آگے؛ کہ یہ نور — چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

محبوبانِ خدا کا عقل کو شریعت پر قربان کرنا

قرآن وسنّت کا گہرا علم رکھنے والے اور بارگاہِ الٰہی میں درجۂ محبوبیّت پانے والے اپنی عقلوں کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام پر یوں قربان کرتے ہیں کہ اُن کی باتیں جان کر عقل دنگ رہ جاتی ہے... جب کہ موجودہ دَور کے ناسمجھ اور بے عمل لوگ شریعت کے احکام کو اپنی ناقص عقلوں کے ترازو پر تولنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت اُمَیَّہ علیہ الرحمہ نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: قرآنِ کریم میں مقیم کی نماز اور نمازِ خوف کا ذکر تو ہمیں ملتا ہے (کہ وہ کیسے مشروع ہوئیں)، مگر نمازِ سفر کا ذکر نہیں ملتا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا جواب دیا جو سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا: يَا ابْنَ أَخِي! إِنَّ اللهَ بَعَثَ إِلَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا، فَإِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ يَفْعَلُ۔ یعنی بھتیجے! ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین سکھانے کے لیے ہماری طرف اپنے حبیب ﷺ کو مبعوث فرمایا؛ لہٰذا ہم ویسے ہی کرتے ہیں جیسے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:946، رواتہٗ ثقات مدنیّون۔ سننِ ابنِ ماجہ:1066)

اگرچہ قرآنِ کریم میں نمازِ سفر کا بھی ذکر ہے، مگر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب میں آیت نہیں پڑھی، بلکہ تربیت فرمائی کہ عقل معاوِن ہے، مدار نہیں... سمجھ آئے یا نہ آئے، بہر حال کرنا وہی ہے جو آمنہ کے چاند ﷺ نے سکھایا ہے۔

شہرِ حکمت کے دروازے مولی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔ یعنی اگر دینی مسائل کا فیصلہ عقل ورائے سے ہوتا تو مَیں کہتا کہ موزے کے تلے / نچلے حصے کا مسح کرنا زیادہ موزوں ہے (کیونکہ وہ نجاست کے زیادہ قریب ہوتا ہے)... مگر میرا فتوٰی یہی ہے کہ موزے کے اُوپر والے حصے کا مسح کیا جائے گا؛ کیونکہ میں نے آقا کریم ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد، حدیث:162)

امام فخر الدین محمد رازی علیہ الرحمہ بہت بڑے مفسّر و محدّث بھی ہیں اور عقلی علوم میں بھی امام کے درجہ پر فائز ہیں۔ ایک روز آپ رو رہے تھے، حاضرین نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے: مَسْئَلَةٌ اِعْتَقَدْتُّهَا مُنْذُ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً تَبَيَّنَ لِيْ فِي السَّاعَةِ بِدَلِيْلٍ لَاحَ لِيْ أَنَّ الْأَمْرَ عَلَى خِلَافِ مَا كَانَ عِنْدِيْ۔ یعنی مَیں نے تیس سال سے ایک معاملے میں اپنی رائے قائم کر رکھی تھی، ابھی ابھی دلیل کے ذریعے مجھ پر واضح ہوا ہے کہ حقیقتِ حال میرے تیس سالہ نظریّے کے برعکس ہے۔ فرمانے لگے: رونا اِس بات پر آیا ہے کہ عقل کتنی بے اعتباری چیز ہے! ممکن ہے کہ اب جو سمجھا ہوں کچھ عرصے بعد معلوم ہو کہ یہ بھی درست نہیں ہے۔[1]

(رسائل ابن عربی، رسالۃ إلی الإمام الرازیؒ، ص:185، دار الکتب العلمیۃ)

---

[1] فَبَكَيْتُ وَقُلْتُ: وَلَعَلَّ الَّذِيْ لَاحَ أَيْضًا يَكُوْنُ مِثْلَ الْأَوَّلِ۔ (رسائل ابن عربی)

صاحبِ قربانی کا حکمِ ربّانی پر سب کچھ قربان کرنا

ماہِ ذوالحجہ کا آغاز ہوتے ہی موسمی مینڈکوں کی طرح لبرل / بے دین لوگ سوشل میڈیا پر نمودار ہوتے ہیں اور قربانی کے حوالے سے شکوک وشبہات پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی جانوروں کو ذبح کرنے کے بجائے صدقہ وخیرات کرنے کا شوق دلا رہا ہوتا ہے، کسی کو غریبوں کی حاجتیں یاد آنے لگتی ہیں، بعض جانوروں کی نسل کُشی کے غم میں مبتلا نظر آتے ہیں... اِن عقل پرستوں کے تمام دلائل کے مفصّل جوابات علما بیان کرتے ہیں... اگر ہم صاحبِ قربانی سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی سیرت پر نظر ڈالیں تو آپ علیہ السلام کی جس ادا کی یادگار کے لیے قربانی کا حکم ہے وہ ادا بھی ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا حکم فرمائے تو بندے کو ہرگز اِس بات کا حق نہیں کہ اُسے اپنی عقل کی کَسوٹی پر پرکھے، بندہ وہی ہے جو مالک کے حکم پر اپنی عقل سمیت سب کچھ قربان کر دے۔

غور کیجیے! اللہ تعالیٰ نے جب اپنے خلیل کو سیدنا اسماعیل عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی صورت میں چاند جیسا بیٹا عطا فرمایا تب اُن کی عمر 99 سال تھی۔ ابھی شہزادے کا بچپن تھا کہ حکم ملا: اِسے اور اِس کی والدہ کو حرمِ کعبہ میں چھوڑ دیجیے! حالانکہ اُس وقت یہاں نہ تو زندگی کے آثار تھے، نہ ہی کھانے پینے کی اشیا کا کسی بھی طرح سے انتظام تھا۔[1] پھر شہزادۂ والا شان جوان ہوئے تو ربِّ کریم کی طرف سے حکم آیا کہ اِسے اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیجیے!

اب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکام کو عقل کے ترازو پر تولنے والے احمقوں سے کوئی پوچھے: کیا عقل مانتی تھی کہ اپنے بچے اور اُس کی والدہ کو ویران جنگل میں چھوڑ دیا جائے... یا عقل اجازت دیتی تھی کہ بڑھاپے کے سہارے، چاند سے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دیا جائے؟ مگر پیارے خلیل پر قربان جائیں! اُنھیں ایسے ہی عقلی دلائل کے ذریعے شیطان نے تین بار روکنے کی کوشش کی، مگر آپ علیہ السلام نے اُسے کنکر مار کر ذلیل کیا... جس کی یاد لاکھوں حاجی 10، 11 اور 12 ذوالحجہ کو تازہ کریں گے... پھر آپ نے ذبح کرنے کے لیے بیٹے کو پیشانی کے بَل لِٹا دیا اور وہ کر گزرے جو اُنھیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ تو ربِّ کریم کی مہربانی تھی کہ اُس نے ندا فرمائی: یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ ”اے ابراہیم! بے شک آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں، بے شک یہ ضرور کھلی آزمائش تھی۔“ [الصّٰفّٰت 37:104-106]

خلیلِ جلیل کی یہ ادائے جمیل بارگاہِ ربّ العزّت میں ایسی مقبول ہوئی کہ اُن کی قربانی کا تذکرہ کر کے ربِّ کریم نے ارشاد فرمایا: وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ. ”اور ہم نے بعد والوں میں اُن (ابراہیم) کی تعریف باقی رکھی۔“ [الصّٰفّٰت 37:108] چنانچہ آپ کے بعد ہر آسمانی دین میں آپ کا ذکرِ خیر رہا اور قیامت تک قربانی، نمازِ عید اور تکبیرات وغیرہ کے ذریعے آپ کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔

---

[1] ملاحظہ کریں: سورۂ ابراھیم 14:37

قربانی سے متعلق شریعت کا حکم

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی کہ شریعت کے حکم کے سامنے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کی اجازت نہیں تو اگلی بات یہ ہے کہ کیا شریعت نے قربانی کو لازم قرار دیا ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وسنّت کی متعدد نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ نصاب مقیم شخص پر قربانی کرنا لازم ہے، یہ شعائرِ اسلام میں سے ہے اور شرعی عذر کے بغیر اِسے چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

ارشادِ ربّانی: خالقِ کائنات نے اپنے حبیبِ لبیب ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ o اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ o۔ ”اے محبوب! بلاشبہ ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں o تو آپ اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے o یقیناً آپ کا دشمن ہی ہر خیر سے محروم ہے۔“ [الکوثر 108:1-3]

عملِ نبوی: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ، يُضَحِّيْ كُلَّ سَنَةٍ۔ یعنی امام الانبیا ﷺ مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کے بعد تقریباً دس سال ظاہری حیاتِ طیّبہ میں رہے، آپ ﷺ ہر سال قربانی فرمایا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی: 1507، قال الترمذیؒ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ، وأخرجه البيهقي في السنن الكبرٰى: 19079 بسندٍ صحيحٍ)

ارشاداتِ مصطفویہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکارِ کونین ﷺ سے روایت کیا: مَنْ كَانَ لَهٗ سَعَةٌ وَّلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔[1] ”جو گنجائش کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہرگز ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3123) یہ سخت وعید قربانی واجب ہونے پر واضح دلیل ہے۔

سیدنا مِخْنف بن سُلَیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالَم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں یہ بھی ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلٰى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةٌ۔ یعنی ”لوگو! ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی لازم ہے۔“

(جامع ترمذی، حدیث: 1518، حسّنہ الترمذی۔ سنن ابو داؤد، حدیث: 2788۔ سنن ابن ماجہ، حدیث: 3125)

قربانی کے بجائے صدقہ وخیرات کرنے کا شوق دلانے والوں کو اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے روایت کردہ اِس ارشادِ نبوی سے سبق حاصل کرنا چاہیے: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحْرِ عَمَلًا أَحَبَّ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هِرَاقَةِ دَمٍ... یعنی ”عید الاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان کا سب سے زیادہ محبوب عمل قربانی کرنا ہے۔“

(سنن ابن ماجہ، حدیث: 3126، وروی الترمذیؒ معناہ برقم: 1493)

---

[1] صحّحه الحاكم ووافقه الذهبي في المستدرك: 7565۔ بعضهم رووه عن سيدنا أبي هريرة موقوفا ورجّحوا وقفه، فهو أيضًا في حكم المرفوع۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

مسلمان کو اپنے دین کی تکمیل کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن کا علم حاصل کرنا فرض ہے، چنانچہ ہر صاحبِ حیثیت مسلمان پر لازم ہے کہ وہ قربانی سے متعلق ضروری مسائل سیکھے؛ تاکہ یہ شرعی حکم صحیح طریقے سے پورا کر سکے۔ آج مسائلِ قربانی میں سے فقط ایک بات ذکر کی جائے گی: قربانی کس پر واجب ہے؟

وہ سمجھ دار بالغ مسلمان جو شرعی مسافر نہ ہو اور بنیادی ضروریاتِ زندگی[1] اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا دیگر سامان کا مالک ہو اُس پر قربانی واجب ہے۔[2]

سونے کا اعتبار ہے یا چاندی کا؟ اگر کسی شخص کے پاس صرف سونا ہو، اِس کے علاوہ وہ کسی چیز کا مالک نہ ہو تو 7.5 تولے (87.48 گرام) سونا ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہے، البتہ اگر سونے کے ساتھ چاندی / کرنسی یا دیگر چیزیں موجود ہوں تو سونے اور ضرورت سے زائد دیگر تمام چیزوں کی مالیت کو جمع کیا جائے گا، مجموعہ 612 گرام چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہے۔[3]

زکوٰۃ اور قربانی کے نصاب میں فرق: زکوٰۃ اور قربانی کے نصاب میں دو بنیادی فرق ہیں:

- زکوٰۃ کی ادائیگی صاحبِ نصاب بننے کے ایک سال بعد فرض ہوتی ہے، جب کہ قربانی واجب ہونے کے لیے سال گزرنا شرط نہیں۔ قربانی کے تین دنوں میں کسی بھی وقت مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں تو قربانی واجب ہے۔
- زکوٰۃ صرف بڑھنے والے اموال (سونا چاندی بشمول نقدی (Cash) اور سامانِ تجارت) پر لازم ہوتی ہے، جب کہ قربانی واجب ہونے کے لیے بڑھنے والا مال ضروری نہیں۔ قربانی کے نصاب میں بنیادی ضروریاتِ زندگی سے زائد تمام چیزیں شمار کی جاتی ہیں، چاہے وہ زیرِ استعمال ہوں یا نہ ہوں، مثلاً: خالی پلاٹ، ضرورت سے زائد گھر، سواریاں اور ملبوسات، کرایہ پر دیا ہوا مکان، اضافی کتابیں وغیرہ، جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج:20، ص:361۔ بہارِ شریعت، ج:3، ص:334)

وجوب سے متعلق چند اہم مسائل:

☆ قربانی گھر میں صرف ایک شخص یا صرف مَردوں پر ہی واجب نہیں، بلکہ گھر میں جتنے مَرد و عورت صاحبِ نصاب ہوں (مثلاً: بیوی کے پاس زیورات یا نقدی ہو، گھر میں کئی افراد کی آمدن ہو اور سب اپنی اپنی چیزوں کے مالک ہوں تو) سب پر الگ الگ قربانی واجب ہے۔

---

[1] جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے، جیسے رہائش کا گھر، گھر کا ضروری سامان، استعمال کا لباس اور ضرورت کی سواری۔

[2] 26 مئی 2025ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 3400 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً 178,000 ہزار ہے۔

[3] مزید تفصیل کے لیے دار الافتاء اہلِ سنت سے جاری شدہ فتوٰی نمبر Aqs-1657 ملاحظہ کیجیے، تاریخِ اجرا: 31 جولائی، 2019ء

☆ جو شخص صاحبِ نصاب ہے مگر وقتی طور پر اُس کے پاس نقد رقم (Cash) موجود نہیں، اُس پر کوئی چیز بیچ کر یا قرض (Loan) لے کر قربانی کرنا لازم ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج:20، ص:370۔ فتاوی امجدیہ، ج:3، ص:315، مکتبہ رضویہ)

☆ جس شخص نے قربانی کی منت (Vow) مانی ہو اُس پر ہر صورت میں قربانی کرنا واجب ہے، اگرچہ وہ صاحبِ نصاب نہ ہو۔

☆ ذبح سے پہلے قربانی کا جانور مر جائے یا گم ہو جائے یا اُس میں کوئی بڑا عیب پیدا ہو جائے، تو صاحبِ نصاب پر دوسرا جانور خرید کر ذبح کرنا لازم ہے۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ص:342)

دوسروں کی طرف سے قربانی: سیدِ عالم ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا سعادت ہے، اِسی طرح دیگر فوت شدگان کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے قربانی کرنا اچھا ہے، لیکن صاحبِ نصاب پر لازم ہے کہ اپنی طرف سے جانور ذبح کرنے کا اہتمام کرے، پھر حسبِ استطاعت دیگر کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو کرے۔

اس حوالے سے مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ کا عمل لائقِ تقلید ہے، آپ دو مینڈھے قربان کرتے، ایک اپنی طرف سے، ایک شہنشاہِ دو عالم ﷺ کی طرف سے... اور ارشاد فرماتے: أَمَرَنِي بِهِ - يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ - فَلَا أَدَعُهُ أَبَدًا۔ یعنی "مجھے خود آقا کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم فرمایا ہے؛ لہذا میں ہمیشہ ایسا ہی کروں گا۔" (جامع ترمذی، حدیث:1495)

☆ اگر صاحبِ نصاب اپنی طرف سے قربانی نہ کرے اور دیگر گھر والوں کی طرف سے کرے، جیسا کہ بعض لوگوں نے گھر میں باری بنائی ہوتی ہے، تو واجب چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔

☆ صاحبِ نصاب اگر کسی فوت شدہ کی طرف سے نفلی طور پر (اُس کی وصیّت کے بغیر) قربانی کرے تو اُس (صاحبِ نصاب) کا وجوب پورا ہو جائے گا اور مرحوم کو ثواب ملے گا۔[1]

☆ گھر کا سربراہ اپنے گھر والوں میں سے بالغ افراد کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو وجوب ادا ہونے کے لیے اُن سے اجازت لینا ضروری ہے، اجازت نہ لی تو اُن کا وجوب پورا نہیں ہو گا۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ص:334)

گزشتہ سالوں کی قربانی: جس شخص نے گزشتہ سالوں میں قربانی واجب ہونے کے باوجود نہ کی ہو، اُس پر لازم ہے کہ اُس وقت کے ریٹ کے مطابق جانور کی قیمت صدقہ کرے۔ اب اُس کی جگہ قربانی نہیں کر سکتا۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ص:339)

---

[1] لَوْ ضَحّٰى عَنْ مَيِّتٍ وَارِثُهُ بِأَمْرِهِ أَلْزَمَهُ بِالتَّصَدُّقِ بِهَا وَعَدَمِ الْأَكْلِ مِنْهَا، وَإِنْ تَبَرَّعَ بِهَا عَنْهُ لَهُ الْأَكْلُ؛ لِأَنَّهُ يَقَعُ عَلٰى مِلْكِ الذَّابِحِ وَالثَّوَابُ لِلْمَيِّتِ، وَلِهٰذَا لَوْ كَانَ عَلَى الذَّابِحِ وَاجِدَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ أُضْحِيَّتُهُ... (ردّ المحتار، کتاب الاضحیہ، ج:9، ص:554)

حرفِ آخر: احکامِ ربّانی پر عقل کی قربانی

انسانی عقل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، قرآن وسنّت میں اِس سے کام لے کر قدرتِ الٰہیّہ میں غور وفکر کرنے اور ربِّ کریم کی معرفت حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے... تاہم یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ عقل کو اُس کی حد میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔

عقل کی حد یہ ہے کہ اِسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم ﷺ کے احکام کے تابع رکھا جائے۔ جیسے سونا تولنے کے چھوٹے سے ترازو پر بھاری بھر کم چیز کا وزن کرنے کی کوشش کی جائے تو ترازو کا کباڑہ ہو جاتا ہے، اِسی طرح اِس کمزور عقل کو شریعت کے احکام کے مقابلے میں لایا جائے تو یہ اپنے تئیں بڑا عقل مند بننے والے بے عقل کو لے ڈوبتی ہے۔

اگر کوئی شخص ملکی قوانین کی خلاف ورزی کرے اور کہے: یہ میری سمجھ سے بالاتر ہیں؛ لہٰذا مَیں اِن پر عمل نہیں کروں گا... تو لوگ اُسے احمق اور دیوانہ قرار دیں گے۔ ملکی قانون ہم جیسے ہی انسانوں نے بنایا ہے، اگر وہ سمجھ میں نہ آئے تو بھی اُس کی تعمیل ضروری ہے، پھر وہ شخص کتنا احمق ہے جو خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ اور رحمتِ عالَم ﷺ کے بنائے ہوئے قوانین کو اِس لیے تسلیم نہ کرے یا اُن پر عمل سے ہچکچائے کہ مجھے اِن کی حکمت سمجھ میں نہیں آئی!

محبوبانِ خدا، خصوصًا صاحبِ قربانی، خلیلِ ربّانی سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی مبارک سیرتوں سے سبق ملتا ہے کہ بندے کا کام اپنے مالک کے حکم کے سامنے گردن کو جھکانا ہے، یہی اسلام ہے، اِسی کا نام بندگی ہے اور درحقیقت یہی عقل مندی ہے۔

شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

صبحِ ازَل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

ہمیں چاہیے کہ عقل پرستی میں مبتلا احمق لوگ... جو شرعی احکام پر اعتراض کرتے ہیں... اُن کی باتوں میں نہ آئیں اور قربانی سمیت شریعت کے لازم کردہ تمام احکام پر دل وجان سے عمل کریں۔

وہ سمجھ دار بالغ مسلمان جو شرعی مسافر نہ ہو اور بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا دیگر سامان کا مالک ہو اُس پر قربانی واجب ہے۔[1]

قربانی سے متعلق مزید شرعی مسائل اِن شاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبۂ جمعہ میں ذکر کیے جائیں گے۔

---

[1] 26 مئی 2025ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 3400 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً 178,000 روپے ہے۔

ماہِ ذوالحجہ کے پہلے دس دن اور راتیں بارگاہِ ربّ العزت میں بہت مقبول ہیں۔ حدیثِ مبارک کا مفہوم ہے کہ بندۂ مومن اِس عشرہ میں جو اعمالِ خیر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عظیم ترین اور محبوب ترین ہوتے ہیں۔(مسند احمد، حدیث:5446، 6154)

ہم پر حق ہے کہ اِن عظیم دنوں اور راتوں کی عطا پر اپنے ربِّ کریم کا بھی شکر ادا کریں اور اِن کی قدر کرتے ہوئے اِن میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں بھی کمائیں۔ چنانچہ اِس عشرہ میں:

1) فرائض کی مکمل پابندی کرنی چاہیے۔
2) گناہوں سے کامل اجتناب کرتے ہوئے گزشتہ جرائم سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔
3) ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں کثرت سے دُعائیں کرنی چاہییں، بالخصوص یومِ عرفہ (9ذوالحجہ) کی دُعا بہت مقبول ہے۔
4) اِن دنوں میں روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے، خصوصی طور پر غیر حاجی کے لیے یومِ عرفہ کا روزہ بہت برکتوں کا ذریعہ ہے۔ سیدنا ابو قتادہ حارِث بن رِبعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ۔ یعنی "مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمّید ہے کہ یومِ عرفہ (9ذی الحجہ) کا روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کے (صغیرہ) گناہوں کو مٹادے گا۔" (صحیح مسلم، حدیث:1162)
5) زبان کو فضول باتوں سے بچاتے ہوئے ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھنا چاہیے، خاص طور پر اِن دنوں میں کلمہ طیبہ، "اَللّٰهُ أَكْبَر" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کثرت سے پڑھنا چاہیے۔

9ذوالحجہ (جمعۃ المبارک، 06جون 2025ء) کی نمازِ فجر سے 13ذوالحجہ (منگل 10جون) کی نمازِ عصر تک شہر میں جماعتِ مُستحبّہ کے ساتھ فرض نماز پڑھنے والے مَرد پر سلام پھیرتے ہی ایک بار بلند آواز سے تکبیرِ تشریق پڑھنا واجب ہے اور تین بار پڑھنا افضل ہے۔

- مذکورہ بالا صورت میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب ہے؛ اِس لیے اگر کوئی شخص بلاوجہِ شرعی آہستہ آواز سے پڑھے تو گناہ گار ہے، تاہم عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں گی۔
- مَسبُوق (جس شخص کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں) پر بھی فرائض سے فراغت کے بعد یہ تکبیرات بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔
- اِن دنوں میں کثرت سے تکبیرات کہنے کی ایک خوب صورت حکمت بیان کرتے ہوئے علما نے لکھا: عید کے ایّام خوشی کے دن ہیں، انسان کی فطرت ہے کہ وہ غفلت یا سرکشی کی وجہ سے خوشی میں دینی حُدود کی پرواہ نہیں کرتا اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، چنانچہ شریعت نے کثرت سے تکبیرات کہنے کا حکم فرمایا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرکے اور اُسے یاد کرکے غفلت دُور ہو جائے اور تکبر کا خاتمہ ہو۔[1]

---

[1] مِنْ أَعْظَمِ أَسْرَارِ التَّكْبِيرِ فِي هٰذِهِ الْأَيَّامِ أَنَّ الْعِيدَ مَحَلُّ فَرَحٍ وَسُرُورٍ، وَكَانَ مِنْ طَبْعِ النَّفْسِ تَجَاوُزُ الْحُدُودِ، لِمَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ مِنَ الشِّرَّةِ، تَارَةً غَفْلَةً وَتَارَةً بَغْيًا، شُرِعَ فِيهِ الْإِكْثَارُ مِنَ التَّكْبِيرِ، لِتَذْهَبَ مِنْ غَفْلَتِهَا وَتَكْسِرَ مِنْ سَوْرَتِهَا۔ (فیض القدیر، تحت:7136)

۹ ذوالحجہ ۱۴۴۶ھ / 06 جون 2025ء

رب کی عنایت سے سجے ایّام ہیں ذوالحجہ کے

(یومِ عَرَفہ، روزِ عید اور ایّامِ تشریق کی مناسبت سے)

مشمولات

- یومِ عرفات... ذریعۂ برکات
- مسائلِ قربانی
- عیدِ اضحیٰ... وسیلۂ رِضائے مولیٰ
- ایامِ ذوالحجہ... انعامِ ربِّ کعبہ
  - روزِ عید کے اہم اُمور
- ایّامِ تشریق میں خیر کی تشویق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اِنَّ عِدَّۃَ الشُّہُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰہِ اثۡنَا عَشَرَ شَہۡرًا فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡہَاۤ اَرۡبَعَۃٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡہِنَّ اَنۡفُسَکُمۡ ...[التوبۃ36:09]

ربِّ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے جسے چاہے عزّت و عظمت سے نواز دیتا ہے، پھر اُس شے کی تکریم و تعظیم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اُس کی بے توقیری پر ربِّ ذوالجلال ناراض ہوتا ہے۔

انسانوں اور جانوروں... اوقات اور مقامات... اقوال اور اعمال... سبھی میں ایسی خاص چیزیں ہیں جن کو خالقِ کائنات نے اِعزاز عطا فرما کر اُن کے احترام کو ہمارے لیے رحمت و برکت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

یومِ عَرَفہ (آج 09 ذوالحجہ)، اِس کے بعد قربانی کا دن، پھر اُس کے بعد والے تین روز... جنھیں ایّامِ تشریق کہا جاتا ہے... سبھی کو احکم الحاکمین جَلَّ مَجْدُہٗ نے بہت عزّت و تکریم عطا فرمائی ہے، بلکہ ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہی محترم و مبارک ہے۔

قرآنِ حکیم ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ عِدَّۃَ الشُّہُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰہِ اثۡنَا عَشَرَ شَہۡرًا فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡہَاۤ اَرۡبَعَۃٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡہِنَّ اَنۡفُسَکُمۡ ... "بے شک اللہ کے نزدیک کتابِ الٰہی میں مہینوں کی تعداد بارہ ماہ ہے جب سے اُس نے آسمان اور زمین بنائے، اِن میں سے چار مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرّم) حُرمت (و تعظیم) والے ہیں، یہی دینِ مستقیم ہے، سو اِن مہینوں میں (گناہ کر کے) تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو!"[1] [التوبۃ36:09]

آیتِ کریمہ سے (دیگر تین مہینوں کے ساتھ ساتھ) پورے ماہِ ذوالحجہ کی تعظیم معلوم ہوتی ہے اور سرورِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خاص طور پر یومِ عَرَفہ، عیدالاضحیٰ اور ایّامِ تشریق کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں۔

یہ ہماری لاپرواہی ہے کہ ہم اِن نہایت بابرکت دنوں کو بے ہودہ، بلکہ بہت مرتبہ گناہ والے کاموں میں گزار دیتے ہیں، حالانکہ ربِّ ذوالجلال نے آیتِ مبارکہ کے آخر میں خصوصی طور پر یہ حکم فرمایا کہ "اِن اوقات میں (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو!"

اِن مقدّس ایّام کی زیادہ سے زیادہ رحمتیں سمیٹنے کے لیے آج قرآن و سنّت کی روشنی میں اِن دنوں کی فضیلتوں کا بھی ذکر ہوگا اور یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ اِنھیں کن کاموں میں گزارنا چاہیے۔

ظاہر ہے کہ زندگی رہی تو یہ دن گزر ہی جائیں گے، مگر دینی تقاضوں کے مطابق گزرے تو شان دار بھی ہوں گے اور یادگار بھی۔

---

[1] تشریح ماخوذ از خزائن العرفان

یومِ عرفات... ذریعۂ برکات

یومِ عَرَفہ (09ذوالحجہ) کو حجاجِ کرام حج کا رکنِ اعظم: وُقوفِ عرفات ادا کرتے ہیں۔ اِس دن ربّ تعالیٰ کی رحمت خوب جوش پر ہوتی ہے، وہ بندوں کو مغفرت سے بھی نوازتا ہے اور دُعائیں بھی قبول فرماتا ہے۔ لطف یہ کہ اِنعام واکرام کا یہ سلسلہ فقط حاجیوں تک ہی محدود نہیں ہوتا، بلکہ اُن کی برکت سے دُنیا بھر کے مسلمانوں کو نوازا جاتا ہے۔

شیطان کی ذلت: یومِ عرفہ کو رحمتِ الٰہی کی بارش یوں چھما چھم برستی ہے کہ شیطان ذلیل ورُسوا ہو جاتا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ علیہما الرحمہ نے سرورِ عالم ﷺ سے روایت کیا:

❖ مَا رُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِي يَوْمِ عَرَفَةَ... یعنی "عرفہ کے دن شیطان سب سے زیادہ ذلیل ورُسوا، دُھتکارا ہوا، حقیر اور غصے سے بھرا ہوتا ہے۔

❖ وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِمَا رَأَى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوبِ الْعِظَامِ، إِلَّا مَا رَأَى يَوْمَ بَدْرٍ۔[1] یعنی اِس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دیکھتا ہے (ہر خاص وعام پر) ربّ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے، البتہ بدر کے دن وہ اِس سے بھی زیادہ ذلیل ہوا تھا۔" (موطا امام مالک، حدیث: 245۔ شعب الإیمان، حدیث: 3775)

بہترین دُعا: سرکارِ دوجہاں ﷺ سے مروی ہے[2]:

○ خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ۔[3] یعنی "بہترین دُعا یومِ عرفہ کی دعا ہے (اِس کا ثواب عظیم تر ہے اور یہ بہت جلد قبول ہوتی ہے)۔"

○ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ "میرا اور مجھ سے پہلے انبیا کا بہترین کلام یہ ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، اُسی کی بادشاہی ہے اور اُسی کے لیے حمد وثنا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث: 3585)

ہمیں چاہیے کہ اِس دن کی قدر کرتے ہوئے اِس میں کثرت سے اپنے ربِّ کریم جَلَّ مَجْدُہٗ کی عبادت کریں اور اُس کے حضور خوب خوب دُعا واستغفار کریں۔

---

[1] قِيلَ: وَمَا رَأَى يَوْمَ بَدْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: أَمَا إِنَّهُ قَدْ رَأَى جِبْرِيلَ يَزَعُ الْمَلَائِكَةَ۔

[2] عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ مَرْفُوعًا...

[3] لِأَنَّهُ أَجْزَلُ إِثَابَةً وَأَعْجَلُ إِجَابَةً۔ (مرقاۃ المفاتیح، تحت الحدیث: 2598)

عیدِ اضحیٰ... وسیلۂ رِضائے مولیٰ

عید کا دن شعائرِ اسلام میں سے ہے اور ربِّ کریم کی بارگاہ میں بہت عظمت والا ہے۔ اِس کی تعظیم کرنا اور اِسے اعمالِ خیر میں گزارنا مولیٰ تعالیٰ کی خوشنودی اور دونوں جہان کی بھلائیوں کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

عید الأضحیٰ کی عظمت: سیدنا عبد اللہ بن قُرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ[1] عِنْدَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ۔[2] یعنی "قربانی کا دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ عظمت و فضیلت والے دنوں میں سے ہے، پھر اُس کے بعد والا دن (زیادہ عظمت و فضیلت والا ہے)۔"

(سنن ابو داؤد، حدیث: 1765۔ المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7522، إسنادہ صحیح)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منوّرہ تشریف آوری سے پہلے اہلِ مدینہ دو دنوں (نَوروز اور مِہرگان) میں خوشی مناتے، کھیل کود کرتے اور دورِ جاہلیت کے رواج کے مطابق میلوں کا اہتمام کرتے۔ سیدِ عالم ﷺ نے پوچھا: مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ "یہ دن کیا ہیں؟" اُنھوں نے کہا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ ہم دورِ جاہلیت میں اِن دنوں کے اندر کھیل کود کرتے تھے۔ جانِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔ "اللہ تعالیٰ نے اِن کے بدلے تمھیں دو بہترین دن عطا فرما دیے ہیں: عید الاضحیٰ کا دن اور عید الفطر کا دن۔" (سنن ابو داؤد، حدیث: 1134)

جو دن ربّ العزت کے حضور اتنا عظیم الشان ہو اُسے کھیل کود کا دن سمجھنا بڑی نالائقی ہے۔

عید الاضحیٰ کے اہم اُمور: عید الاضحیٰ کی فضیلت و بَرَکت کے پیشِ نظر اِس میں درج ذیل اُمور کا اہتمام کرنا چاہیے:[3]

1) کوئی شرعی عذر نہ ہو تو ہر مسلمان پر نماز ادا کرنا فرض ہے اور بالغ مَردوں پر جماعت کا اہتمام واجب ہے؛ لہٰذا قربانی کے بابرکت دن کا آغاز نمازِ فجر باجماعت سے کریں۔ صحیح العقیدہ باشرع امام دستیاب ہو تو اپنے محلے کی مسجد میں فجر ادا کرنا بہتر ہے۔

---

[1] بعض احادیثِ کریمہ میں یومِ عرفہ کو افضل فرمایا گیا، جب کہ دیگر میں عشرۂ رمضان کو سب سے زیادہ فضیلت والا فرمایا گیا؛ لہٰذا مراد ہے:

i. 10 ذوالحجہ قربانی کے دنوں میں افضل ہے یا حرمت والے مہینوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہے۔

ii. ایک جہت سے یہ افضل ہے اور دوسری جہت سے دیگر کی فضیلت زیادہ ہے۔

iii. یہ افضل دنوں میں سے ہے۔ (ملخص از مرقاۃ ولمعات ومرآۃ)

[2] يَوْمُ الْقَرِّ: بِفَتْحِ الْقَافِ مِنَ الْقَرَارِ، وَهُوَ الْغَدُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ۔ سُمِّيَ بِهِ؛ لِأَنَّ النَّاسَ يَقِرُّوْنَ وَيَسْكُنُوْنَ فِيْهِ بِمِنًى بَعْدَمَا تَعِبُوْا فِيْ أَدَاءِ الْمَنَاسِكِ۔ (لمعات التنقیح، تحت الحدیث: 2643)

[3] ملاحظہ کیجیے: بہارِ شریعت، ج: 1 (ب)، ح: 4، ص: 779-781، مکتبۃ المدینہ

2) روزِ عید کو غسل اور مسواک کرنا، نیز خوشبو لگانا مستحب اُمور ہیں۔

3) عید کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس (خواہ نیا ہو یا دُھلا ہوا) پہننا چاہیے، یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنت ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَلْبَسُ يَوْمَ الْعِيْدِ بُرْدَةً حَمْرَاءَ۔

یعنی رسول اللہ ﷺ عید کے دن سُرخ دھاری دار چادر زیبِ تن فرمایا کرتے تھے۔

(المعجم الأوسط، ج:7، ص:316، حدیث:7609، دار الحرمین۔ رجالہٗ ثقات: مجمع الزوائد، زیرِ حدیث:3208)

4) بہتر ہے کہ نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھایا جائے اور کھانے کا آغاز قربانی کے گوشت سے ہو۔[1] سیدنا بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن نماز کے لیے تشریف لے جانے سے پہلے کچھ (کھجوریں) تناوُل فرما لیتے تھے اور عید الاضحیٰ کو کچھ نہیں کھاتے تھے جب تک نماز ادا نہ فرما لیتے۔ (جامع ترمذی، حدیث:542، حسن)

5) بہتر ہے کہ عید گاہ میں جلد پہنچیں، ممکن ہو تو پیدل جائیں اور سنت کے مطابق نگاہیں جھکائے رکھیں، پھر واپسی پر کسی دوسرے راستے سے لوٹیں (تاکہ دونوں راستے نیکی کے گواہ ہو جائیں)۔ نبیِ مکرم ﷺ واپسی پر راستہ تبدیل فرماتے تھے۔[2]

6) عید کے دن خوشی ظاہر کرنا اور مسلمانوں کو مبارک باد دینا بھی کارِ ثواب ہے۔

"مبارک باد" برکت کی دُعا ہے۔ اِس کے مختلف الفاظ ہیں، ہمارے ہاں زیادہ تر "عید مبارک" کہا جاتا ہے، یہ بھی عمدہ لفظ ہے، تاہم صحابۂ کرام علیہم الرضوان عید کے موقع پر کہا کرتے تھے: تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ۔[3] یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے اعمالِ صالحہ بھی قبول فرمائے اور آپ کے نیک کاموں کو بھی شرفِ قبولیت سے نوازے!

اِن کلمات میں دُعا بھی ہے اور یہ تربیت بھی کہ اصل عید اُسی کی ہے جس کے اعمالِ خیر کو ربِّ کریم نے قبول فرما لیا۔

7) یکم ذوالحجہ سے قربانی کرنے تک حجامت وغیرہ سے اجتناب کرنا، پھر قربانی کے بعد حجامت بنوانا اور ناخن تراشنا مستحب ہے۔[4]

8) عید کے بابرکت دن میں اپنی طاقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کرنا چاہیے۔

9) نمازِ عید کے لیے جاتے ہوئے، بلکہ پورا دن کثرت سے تکبیراتِ تشریق پڑھنی چاہییں۔

---

[1] وروى البيهقيُّ بإسنادٍ ضعيفٍ عن سيدنا بُريدة: وَكَانَ إِذَا رَجَعَ أَكَلَ مِنْ كَبِدِ أُضْحِيَّتِهِ۔ (السنن الكبرٰى، رقم الحديث: 6161)

[2] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِي طَرِيْقٍ رَجَعَ فِي غَيْرِهِ۔ (جامع الترمذی، رقم:541)

[3] كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ إِذَا الْتَقَوْا يَوْمَ الْعِيْدِ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ۔ (فتح الباری لابن حجر: 446/2)

[4] عن سيدتنا أُمّ سلمة مرفوعًا: مَنْ كَانَ لَهُ ذِبْحٌ يَذْبَحُهُ، فَإِذَا أُهِلَّ هِلَالُ ذِي الْحِجَّةِ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ شَيْئًا، حَتّٰى يُضَحِّيَ۔ (الجامع الصحيح للإمام مسلم، رقم الحديث: 1977)

ایّامِ تشریق میں خیر کی تشویق

عید الاضحیٰ کی عظمت ذہن نشین کرنے کے بعد یہ بھی جان لیجیے کہ عید کے بعد والے تین دن.. جنھیں ایّامِ تشریق کہا جاتا ہے.. وہ بھی ربِّ کریم کی بارگاہ میں بہت مقبول و محبوب دن ہیں۔

باری تعالیٰ نے فرمایا: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ... "گنے چُنے دنوں میں اللہ تعالیٰ کو (خوب) یاد کرو۔" [البقرۃ2:203]

مفسرینِ کرام نے لکھا: جن دنوں میں ربّ تعالیٰ کو خوب یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اُن سے مراد ایّامِ تشریق ہیں۔[1]

کھانے پینے کے دن: ویسے تو انسان ہر روز، پورے ہفتے، مہینے اور سال میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں کھاتا، پیتا ہے... مگر ایّامِ تشریق میں کھانے، پینے کا لُطف جُدا ہے؛ کیونکہ اِن دنوں کے بارے میں سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ کھانے، پینے کے دن ہیں؛ اِسی لیے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ساتھ ساتھ 11 سے 13 ذوالحجہ تک... پانچ دنوں میں روزہ رکھنا گناہ ہے۔

ابو طَرِیف سیدنا نُبَیْشَۃُ الْخَیْر ہُذَلِی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرٍ لِلّٰهِ۔ "ایامِ تشریق کھانے، پینے اور ذکرِ الٰہی کے دن ہیں۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1141۔ سنن ابو داوٗد، حدیث: 2813)

یعنی چار دنوں (10 سے 13 ذوالحجہ) میں بندے ربّ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں، اِن دنوں میں روزہ رکھنا گویا ربّ تعالیٰ کی دعوت سے انکار کرنا ہے؛ لہٰذا اِن دنوں میں خوب کھاؤ... خوب پیو... اور خوب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ (مرآۃ المناجیح، بتغییر یسیر)

کھانے پینے میں اعتدال: عید ہو یا کوئی اور موقع... ہمیشہ کھانے، پینے میں اعتدال و میانہ روی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ "اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو! بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو پسند نہیں۔" [الاعراف 7:31] ربِّ کریم نے "حد سے نہ بڑھو" فرما کر شریعت کی خلاف ورزی کرنے سے منع فرما دیا۔

بزرگوں نے لکھا کہ کھانے پینے میں اِسراف (حد سے بڑھنے) کی کئی صورتیں ہیں:

⇐ حد یہ ہے کہ صرف حلال طریقے سے کمایا جائے اور حلال ہی کو کھایا جائے، اگر انسان حلال کی پرواہ نہ کرے تو یہ حد سے تجاوُز ہے۔

⇐ سنت یہ ہے کہ ابھی کچھ بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دیا جائے، تاہم اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لیے طاقت حاصل کرنے کی نیت سے پیٹ بھر کر کھانا کھایا جائے تو اچھا ہے... زیادہ سے زیادہ کھانے کی حد یہ ہے کہ اتنا کھائے جس سے طبیعت خراب نہ ہو... اِس قدر کھانا کہ پیٹ خراب ہونے کا گمان ہو، یہ حد سے تجاوُز ہے اور حرام ہے۔ (بہارِ شریعت، ج:3، ح:16، ص:374، ملخصًا)

⇐ حد یہ ہے کہ انسان وہ چیز کھائے جو اُس کے لیے فائدہ مند ہے، نقصان دہ چیز کھانا حد سے تجاوُز ہے۔

---

[1] وَالْأَيَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی أیّام التشریق)

ذکرِ الٰہی: عید کے دنوں میں ظاہری نعمتوں کی کثرت کے ساتھ ساتھ باطنی وروحانی انعامات میں بھی اِضافہ ہو جاتا ہے... اِحسانات وانعامات کا تقاضا ہے کہ انسان نعمتیں عطا فرمانے والے اپنے ربّ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُسے یاد کرے۔ چنانچہ حدیثِ مبارک میں تربیت فرمائی گئی ہے کہ ایامِ تشریق ذکرِ الٰہی کے دن ہیں۔

ذکرِ الٰہی کی مختلف صورتیں: ایامِ تشریق میں عمومی طور پر بھی زیادہ سے زیادہ ربّ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے، کثرت سے قرآنِ مجید کی تلاوت کرنی چاہیے اور دُرودِ پاک پڑھنا چاہیے، اِس کے ساتھ ساتھ خصوصی ذکر کی بھی مختلف صورتیں ہیں:

⟸ اِن دنوں میں نمازِ پنج گانہ باجماعت کے بعد بلند آواز سے تکبیراتِ تشریق پڑھنا واجب ہے۔[1]

⟸ اِن دنوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بے شمار جانور ذَبح کیے جاتے ہیں اور اُنھیں قربان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

⟸ یہ کھانے، پینے کے دن ہیں اور کھانے یا پینے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا... نیز آخر میں اللہ کی حمد کرنا سنت ہے۔

⟸ اِن دنوں میں حاجی شیطان کو کنکریاں مارتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

(لَطَائِفُ الْمَعَارِفِ فِيمَا لِمَوَاسِمِ الْعَامِّ مِنَ الْوَظَائِفِ لابن رجب، وظائف شهر ذي الحجّة، المجلس الثالث في أيّام التشريق، ص:504)

کثرتِ دُعا: دُعا بندے اور ربّ تعالیٰ کے درمیان ایک ایسا تعلق ہے جو کسی بھی وقت، جگہ اور ضابطے کا پابند نہیں ہے۔ بندہ کہیں بھی... کبھی بھی... کسی بھی بولی میں... حتّٰی کہ جو بولنے کی قوّت سے محروم ہے، وہ بھی اپنے رب سے براہِ راست دُعاء والتجا کر سکتا ہے اور باری تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ اُس سے جتنی زیادہ دُعائیں کریں وہ اُتنا ہی زیادہ راضی ہوتا ہے۔

ایّامِ تشریق کا ایک خاص عمل یہ بھی ہے کہ اِن میں ربّ تعالیٰ کے حضور کثرت سے دُعائیں مانگی جائیں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ایّامِ معدودات (ایامِ تشریق) میں دُعا ردّ نہیں کی جاتی۔[2]

سیدنا عِکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایامِ تشریق میں خصوصی طور پر یہ دُعا مانگنے کا شوق دلاتے تھے: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ [البقرۃ2: 201] "اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں آخرت میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے!" (الدُّرُّ المنثور في التفسير بالمأثور للسيوطي، تحت الآية)

---

[1] 9ذوالحجہ (جمعۃ المبارک، 06جون 2025ء) کی نمازِ فجر سے 13ذوالحجہ (منگل، 10جون) کی نمازِ عصر تک شہر میں جماعتِ مستحبّہ کے ساتھ فرض نماز پڑھنے والے مَرد پر سلام پھیرتے ہی ایک بار بلند آواز سے تکبیرِ تشریق پڑھنا واجب ہے اور تین بار پڑھنا افضل ہے۔

[2] رُوِي عن أبي موسى الأشعريّ أنّه قال في خطبته يوم النحر: هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ، وَهٰذِهِ الْأَيَّامُ الْمَعْلُومَاتُ التِّسْعَةُ الَّتِي ذَكَرَ اللهُ فِي الْقُرْآنِ لَا يُرَدُّ فِيهِنَّ الدُّعَاءُ، هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ وَمَا بَعْدَهُ مِنَ الثَّلَاثَةِ اللَّائِي ذَكَرَ اللهُ: الْأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ لَا يُرَدُّ فِيهِنَّ الدُّعَاءُ، وَهٰؤُلَاءِ جَعَلُوا ذِكْرَ اللهِ فِيهَا هُوَ ذِكْرُهُ عَلَى الذَّبَائِحِ۔ (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن رجب، باب فضل العمل في أيّام التشريق)

قربانی... سنّتِ خلیلِ ربّانی

بارگاہِ الٰہی میں روزِ عید کا سب سے پیارا عمل قربانی ہے۔ یہ سنّتِ خلیلِ ربّانی ہے، جو ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر واجب ہے اور یہ حکم صحیح طریقے سے پورا کرنے کے لیے اِس سے متعلق شرعی احکام سیکھنا لازم ہے۔ قربانی کے کچھ مسائل کا ذکر گزشتہ خطبۂ جمعہ میں ہوا تھا، ایک بات کا اعادہ کرنے کے بعد مزید کچھ اہم مسائل بیان کیے جائیں گے:

☆ قربانی کس پر واجب ہے؟ وہ سمجھ دار بالغ مسلمان جو شرعی مسافر نہ ہو اور بنیادی ضروریاتِ زندگی و قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا دیگر سامان کا مالک ہو اُس پر قربانی واجب ہے۔[1]

☆ جانور کی عمر کیا ہو؟ شریعتِ مطہرہ نے قربانی کے جانوروں کی عمریں متعیّن فرمائی ہیں: اُونٹ سے متعلق ضروری ہے کہ اُس کی عمر کم از کم پانچ سال ہو... گائے / بھینس[2] میں کم از کم دو سال کی شرط ہے... جب کہ بکری / بھیڑ / دنبہ کی عمر ایک سال ہونا ضروری ہے، تاہم دنبہ یا بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہوتا ہو تو اُس کی قربانی جائز ہے۔[3]

جانور بیچنے والے عمر کے بارے میں بعض اوقات جھوٹ بھی بول دیتے ہیں؛ لہٰذا عمر پوری ہونے کی تسلّی کر لینی چاہیے۔

☆ ایک جانور کتنے افراد کی طرف سے؟ بکرے کی قربانی صرف ایک ہی شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے، کئی افراد کو شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہو گی، جب کہ گائے یا اُونٹ میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔

شراکت سے متعلق مسائل:

☆ شراکت کے لیے ضروری ہے کہ شرکا میں سے ہر ایک کسی عبادت (قربانی، منت، عقیقہ یا ایصالِ ثواب وغیرہ) کی نیت کرے۔ اگر کسی ایک شریک نے بھی عبادت کی نیت نہ کی یا اُن میں سے کوئی ایسا ہے جس کی نیت شریعت میں قابلِ قبول نہیں... جیسے کافر اور بدمذہب... تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہو گی۔

☆ جس شخص کا مال ثواب کی نیت سے خرچ کرنے کے قابل نہ ہو (اُس کا تمام مال حرام ذرائع سے حاصل ہوا ہو) اُس کے ساتھ شراکت جائز نہیں۔ (وقار الفتاوٰی، ج:2، ص:475)

---

[1] 05 جون 2025ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 3400 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً 178,000 روپے ہے۔

[2] اہلِ لغت اور فقہا نے تصریح کی ہے کہ جاموس (بھینس) بھی بقر (گائے) کی قسم ہے؛ لہٰذا اس کی قربانی جائز ہے۔ مزید تفصیل کے لیے شیخ الحدیث والتفسیر مفتی فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کی تالیف "بھینس کی قربانی" ملاحظہ فرمائیں۔ یہ رسالہ انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے۔

[3] شرعی طور پر جانور کی عمر پوری ہونا ضروری ہے، دانت نکالنا ضروری نہیں۔ عمر یقینی طور پر پوری ہو، لیکن دانت نہ نکلے ہوں تو بھی قربانی جائز ہے۔

☆ شراکت میں یہ بھی ضروری ہے کہ کسی شریک کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو، مثلاً: جانور کی قیمت 210,000 ہو تو ہر شریک پر کم از کم 30,000 روپے دینا لازم ہے۔ ساتویں حصے سے زیادہ ہو... مثلاً چھ آدمیوں نے گائے کی قربانی کی... تو کوئی حرج نہیں۔

☆ اجتماعی قربانی کا اہتمام کرنے والے کئی ادارے شرعی تقاضوں کو پورا نہیں کرتے؛ لہٰذا صحیح العقیدہ افراد کے قابلِ اعتماد ادارے کا انتخاب بے حد ضروری ہے۔

جانور کی عمدگی: مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور بیش قیمت، فربہ (Fatty)، عمدہ گوشت والا ہو اور اُس میں کوئی عیب نہ ہو، یعنی اُس کے کان، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں بالکل درست ہوں، تاہم معمولی عیب معاف ہے۔[1] (فتاوی رضویہ، ج:20، ص:458)

سرورِ عالم ﷺ سے مروی ہے: إِنَّ أَفْضَلَ الضَّحَايَا أَغْلَاهَا وَأَسْمَنُهَا۔ "افضل قربانی وہ ہے جو بیش قیمت اور فربہ ہو۔"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7561۔ مسند احمد، حدیث: 15494)

جانور سے نفع اُٹھانا: ذَبح سے پہلے قربانی کے جانور سے کوئی نفع حاصل کرنا، مثلاً بال اپنے لیے کاٹ لینا یا اُس کا دودھ دوہنا یا اُون کاٹ لینا منع ہے۔ اگر اُون کاٹی یا دودھ دوہا تو اُسے صدقہ کرنا لازم ہے۔

یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ قربانی کا جانور قابلِ تعظیم ہے، اُس پر سوار ہونا یا کوئی چیز لادنا منع ہے۔

قربانی سے متعلق مزید کچھ اہم اُمور ان شاء اللہ تعالیٰ عید الأضحیٰ کے خطبہ میں ذکر کیے جائیں گے۔

حرفِ آخر: ایامِ ذوالحجہ... انعامِ ربِّ کعبہ

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے ماہِ ذوالحجہ، خصوصاً اِس کے پانچ ایّام: یومِ عَرَفہ، روزِ عید اور ایّامِ تشریق (11 تا 13) کو عظمت و فضیلت سے نواز کر ہمارے لیے رحمت و برکت کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہ بے ہودہ کاموں کے نہیں، بلکہ خالقِ کائنات کو منانے کے دن ہیں۔ قرآنِ مجید نے اِن دنوں میں نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اِن ایام سے متعلق چند اہم نکات یہ ہیں:

- اِن میں ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآنِ حکیم، دُرود و دُعا اور دیگر اعمالِ خیر کی کثرت کرنی چاہیے۔
- یومِ عرفہ کی دُعا مقبول ترین دُعا ہے؛ لہٰذا خوب عاجزی کے ساتھ دُعا کی برکتیں حاصل کریں۔
- عید الاضحیٰ شعائرِ اسلام اور عظیم ترین ایام میں سے ہے؛ لہٰذا اِظہارِ فرحت کے ساتھ ساتھ اِس کی تعظیم کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے۔
- ارشادِ نبوی کے مطابق ایّامِ تشریق کھانے پینے اور ذکرِ الٰہی کے دن ہیں؛ لہٰذا شرعی تقاضوں کے مطابق تینوں کام کرنے چاہییں۔

---

[1] کون سا عیب معاف ہے اور کون سا نہیں؟ اِس حوالے سے قربانی کے موضوع پر کتب، مثلاً بہارِ شریعت، حصہ: 15 ملاحظہ فرمائیں۔

مجلسِ علماءِ نظامیہ کی فرمائش پر شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی نے خوب کہا:

رب کی عنایت سے سجے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے
آقا کی نسبت سے ملے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

اِس ماہ کی نو فجر سے، پھر تیرہویں کی عصر تک
تکبیریں کہنے کے لیے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

قربانی کی عید اِن میں ہو، مومن کے کھانے پینے کو
رب نے ضیافت میں دیے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

ہم کھائیں جس کی نعمتیں، حمد اُس کی کثرت سے کریں
تکبیر اور تہلیل کے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

نوکو کریں جو التجا، بن جائے وہ خیر الدعا
نورِ اِجابت سے بھرے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

اچھے عمل اِس ماہ کے، رحمٰن کو محبوب ہیں
اللہ کو پیارے بڑے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

جتنے ہیں یہ دن قیمتی، اُتنا ادب بھی لازمی
بندہ برائی سے بچے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

حج کے مناسک ہوں ادا، لبیک کی دلکش صدا
"حاضر ہوں میں" حاجی کہے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

کرتے رہو مل کر دُعا، حج کی سعادت دے خدا
ثاقب بھی طیبہ کو چلے، ایّام ہیں ذوالحجہ کے

۱۰ ذوالحجہ ۱۴۴۶ھ / 07 جون 2025ء

خوشی کا اسلامی تصوّر
اور
عید کی خوشی

(خطبۂ عید الأضحیٰ)

مشمولات

- عید الاضحیٰ... خوشی منانے کا حسین موقع
  - قابلِ تعریف اور قابلِ مذمّت خوشی
- عید الاضحیٰ... خوشیاں بانٹنے کا حسین موقع
  - بچوں، بڑوں اور حاجت مندوں کو خوش کرنے کے ذرائع
- حقیقی خوشی
- مسائلِ قربانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ ہُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ۔[یونس 58:10]

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُہَا وَلَا دِمَآؤُہَا وَلٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ ۔[الحج 37:22]

دل میں جس چیز کی چاہت وقدر ہو وہ ملنے پر دلی خوشی ہوتی ہے... اولاد کی عطا خوشی کا ذریعہ بنتی ہے، منصب ملنے پر فرحت ہوتی ہے، بچھڑوں سے ملاقات باعثِ مَسرّت ہوتی ہے اور مال ودولت میں اِضافہ بھی شادمانی کا سبب بنتا ہے... اِسی طرح دیگر چیزیں ہیں جن کو انسان پسند کرتا ہے، جب وہ ملیں تو دل کی کلیاں کِھل اُٹھتی ہیں۔

بعض اوقات ایک چیز کا حصول کسی کے حق میں اتنا خوش کُن ہوتا ہے کہ وہ پھولا نہیں سماتا؛ کیونکہ وہ اُس شے کی قدر جانتا ہے... جب کہ وہی چیز اگر دوسرے بندے کو میسّر آئے تو اُسے کوئی خوشی نہیں ہوتی؛ کیونکہ اُس کی نظر میں وہ اہم نہیں۔

ربِّ کریم نے سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَات کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذَبح کر دیجیے! وہ اِس حکم کو پورا کرنے کے لیے چل پڑے، شہزادے کو لِٹا کر اُن کی گردن پر چُھری رکھ دی۔ اُن کے اطمینان اور قلبی سکون کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے! بیٹے کو ذَبح کرتے وقت دل اتنا پُر سکون کیسے تھا؟ کیونکہ اُن کی نظر اِس بات پر نہیں تھی کہ بیٹے کی جان چلی جائے گی، بلکہ وہ اِس بات پر توجّہ مرکوز کیے ہوئے تھے کہ مالکِ کریم راضی ہو جائے گا اور اِس سے بڑی خوشی کوئی نہیں... یہی صورتِ حال کسی اور کے ساتھ پیش آتی تو نہ جانے اُس کے دل میں غم کا کیسا بھونچال آجاتا؛ کیونکہ ہر ایک کو کہاں معلوم کہ خالقِ کائنات کی رِضا کتنی بڑی دولت ہے!

عیدِ قرباں پر دُنیا بھر کے مسلمان بے شمار جانوروں کو ذَبح کرتے ہیں۔ خلیلِ جلیل عَلَیْہِ السَّلَام کی یہ سنّتِ جمیل تربیت کرتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے اور اُسے خوش کرنے کی اہمیت کو سمجھیں۔ اگر یہ حقیقت ہمارے دل ودِماغ میں بس گئی کہ ”سب سے بڑی دَولت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے“ تو ہم نے قربانی کا حق ادا کر دیا، پھر ہماری زندگی میں خوشیوں کا معیار ہی بدل جائے گا۔

ربِّ کریم کے حضور اِس بات کی قدر نہیں کہ جانور کا رنگ کیسا تھا اور اُس کا گوشت کتنا تھا! بلکہ اُس کی بارگاہ میں قربانی کرنے والے کی قلبی کیفیت قبول ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُہَا وَلَا دِمَآؤُہَا وَلٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ ۔ ”اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اِن قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے، اُس کی بارگاہ میں تمہارا تقوٰی پیش ہوتا ہے۔“[الحج 37:22]

عید الفطر اور عید الاضحیٰ... دونوں ہی خوشی کے مواقع ہیں، مگر خوشی کس بات پر؟ اِس بات پر کہ ربِّ کریم نے اپنے کرم سے ہمیں ہدایت اور نیکی کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر یہ تصوُّر پختہ ہو جائے تو عید کی حقیقی خوشی نصیب ہو!

چنانچہ خطبہ میں ”خوشی کا اسلامی تصوُّر اور عید کی خوشی“ کے عنوان سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

عید الاضحیٰ... خوشی منانے کا حسین موقع

ویسے تو زندگی میں خوشی کے کئی مواقع آتے ہیں، مگر عید کی خوشی سب سے جُدا ہوتی ہے۔ عید کی خوشی کا یہ امتیاز ہے کہ اِس دن خوشی کا اِظہار کرنا اور دوسرے مسلمانوں کو خوش کرنا ربِّ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ کو پسند ہے اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔

نمازِ عید، تکبیراتِ تشریق و ذکرِ الٰہی، غسل کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ لباس پہننا، اچھا کھانا پینا اور جائز کھیل... یہ تمام اُمور خوشی ظاہر کرنے اور اپنے ربِّ کریم کے احسانات پر اُس کا شکر ادا کرنے کے لیے ہی ہیں۔

خوشی کے اچھے اور بُرے انداز: عید کے موقع پر خوشی پسندیدہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کھلی چھٹی ہے اور کوئی پابندی نہیں، بلکہ شریعت نے ہر چیز کی حُدود و قُیود مقرر فرمائی ہیں، جن کی روشنی میں خوشی اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بُری بھی۔ مختصراً یوں کہہ لیجیے کہ اِظہارِ فرحت دینی تقاضوں کے مطابق ہو تو قابلِ تعریف ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا ذریعہ ہے، جب کہ شریعت کی پرواہ نہ کی جائے تو خوشی منانا قابلِ مذمّت ہوتا ہے اور مالکِ کریم کی ناراضی کے سبب دونوں جہان کی تباہی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قابلِ تعریف خوشی: قابلِ تعریف خوشی کی کئی صورتیں ہیں:

- دل اِس بات پر خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ مالکِ کریم نے فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۔ ”(اے حبیب!) آپ فرما دیجیے: اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت پر ہی خوشی منانی چاہیے، یہ اُس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“ [یونس 58:10]
- اِس چیز کی مَسرّت ہو کہ ربِّ کریم نے اپنی عبادت، مثلاً قربانی یا حجِ بیت اللہ کی توفیق سے نوازا ہے۔
- اسلام کی ترقّی اور مسلمانوں کی کامیابی پر خوشی ہو۔ یہ حقیقت میں اسلام سے محبّت ہے جو دونوں جہان میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔

قابلِ مذمّت خوشی: قابلِ مذمّت خوشی کی بھی مختلف صورتیں ہیں:

- گناہ اور نافرمانی کے کام پر خوش ہونا۔ ہم جانتے ہیں کہ بے حیائی، بدنگاہی، جھوٹ، دھوکا دہی اور گانے سننا وغیرہ... سبھی گناہ کے کام ہیں اور حدیثِ مبارک کے مطابق ایمان کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ انسان اگر اِنھیں روک نہیں سکتا تو دل سے ضرور بُرا جانے... تو اِن کاموں پر خوش ہونا اور اِنھیں اچھا سمجھنا انتہائی بُرا ہے۔ سیدنا عُرس بن عَمِیرہ کندی رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ ارشادِ نبوی میں ہے: مَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا ۔ یعنی ”کسی جگہ گناہ ہوا تو جو بندہ وہاں موجود نہیں، مگر اُسے پسند کرتا ہے تو وہ ایسے ہی گناہ گار ہے جیسے وہاں موجود شخص گناہ گار ہے۔“ (سننِ ابوداؤد، حدیث: 4345، اِسنادہ حسن، ترجمہ ماخوذ از فیض القدیر)
- یوں خوشی منانا کہ انسان آخرت کو بھول جائے اور تکبر کا شکار ہو، دوسروں کو کمتر سمجھنے لگے۔ خوشی کا یہی انداز قارون کو لے ڈوبا تھا۔
- نعمت کی خوشی میں خود پسندی یا رِیاکاری کی کیفیت پیدا ہو جائے اور بندہ اُس نعمت کو اپنا کمال سمجھنے لگے یا لوگوں کو دکھانا مقصود ہو۔

عید الاضحیٰ... خوشیاں بانٹنے کا حسین موقع

عید کے موقع پر جہاں خوشی کا اِظہار کرنا پسندیدہ ہے وہاں دوسروں کو خوش کرنے کا اجر واِنعام بھی زیادہ ہے؛ لہٰذا ہمیں آج کے دن شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک شخص نے تاج دارِ حرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: کون شخص اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اور کون سا عمل ربِّ کریم کے حضور سب سے زیادہ پیارا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

⇐ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ۔ یعنی "لوگوں کو زیادہ نفع پہنچانے والا مسلمان اللہ کے محبوب ترین بندوں سے ہے۔"

⇐ وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ سُرُوْرٌ تُدْخِلُهُ عَلَى مُسْلِمٍ، أَوْ تَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً، أَوْ تَقْضِيَ عَنْهُ دَيْنًا، أَوْ تَطْرُدُ عَنْهُ جُوْعًا۔ یعنی "(فرائض کے بعد معاملات میں) سب سے پیارا عمل یہ ہے کہ تُو کسی مسلمان کا دل خوش کر دے یا اُس کی پریشانی دُور کر دے یا اُس کا دَین (قرض وغیرہ) ادا کر دے یا اُس کی بھوک دُور کر دے۔"

⇐ وَلَأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخٍ لِّيْ فِيْ حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ-يَعْنِيْ مَسْجِدَ الْمَدِيْنَةِ-شَهْرًا۔ یعنی "اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اُس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جانا مجھے اِس مسجدِ نبوی میں ایک ماہ اعتکاف کرنے سے زیادہ پیارا ہے (اعتکاف کا فائدہ اپنی ذات کو ہے، جب کہ حاجت پوری کرنے میں مخلوق کا نفع ہے)۔"

(المعجم الأوسط، رقم الحدیث: 6026۔ قضاء الحوائج لابن أبي الدنیا، رقم: 36، مکتبۃ القرآن، حسن لغیرہ)

دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اگر انسان ذہن بنالے کہ مَیں نے دوسروں میں خوشیاں بانٹنی ہیں اور اُس کے طریقوں پر غور کرے تو اُسے اِس سوال کا جواب بہت آسانی سے خود ہی مل جائے گا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ دوسروں کی خوشی اُن کی ضرورت اور چاہت پوری ہونے میں ہوتی ہے، ضروریات اور چاہتیں مختلف ہیں تو خوش کرنے کے طریقے بھی اُن کے مطابق ہوں گے:

❖ بچوں کی خوشی: بچوں کی اپنی الگ دُنیا ہوتی ہے۔ وہ عمومی طور پر نئے لباس، کھانے پینے اور کھیل کود سے خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رِضا کے لیے اُنھیں جائز طریقے سے یہ اسباب فراہم کرنا باعثِ اجر وثواب ہے۔

❖ بڑوں کی خوشی: عمر رسیدہ رشتہ داروں، خصوصًا والدین کی خوشی اپنے بچوں کے ساتھ ملاقات اور باہم گفتگو میں ہوتی ہے۔ چنانچہ عید کے موقع پر اُنھیں ضرور خوش کرنا چاہیے۔ ارشاداتِ نبویہ کے مطابق والدَین کی خوشی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور صلہ رحمی سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ غیر تربیت یافتہ نوجوان عید کے موقع پر زیادہ تر وقت اپنے دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے میں مصروف رہتے ہیں، جب کہ اُن کے بڑوں کی عید اُن کے ساتھ وقت گزارنے کی آس میں گزر جاتی ہے۔

❖ غریبوں کی خوشی: ضرورت مند کی سب سے بڑی خوشی یہ ہوتی ہے کہ اُس کی حاجت پوری ہو جائے؛ لہٰذا حسبِ توفیق حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرکے اُن کی فرحت کا سامان بھی کرنا چاہیے؛ اِسی لیے عید کے روز صدقہ وخیرات کی زیادہ ترغیب دی گئی ہے۔

حقیقی خوشی

عمومی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خوشی مال و دَولت کے ذریعے ملتی ہے یا اپنوں میں رہ کر بندہ خوش رہتا ہے یا ذاتی گھر فرحت کا سامان ہے یا جسمانی صحت وغیرہ خوشی کا ذریعہ ہیں، مگر درحقیقت ایسا نہیں؛ کیونکہ کئی افراد کو یہ تمام نعمتیں میسّر ہوتی ہیں، پھر بھی وہ خوشی سے محروم ہوتے ہیں... جب کہ بے شمار افراد کے پاس یہ نعمتیں نہیں ہوتیں، مگر اُن کی خوشیوں بھری زندگی لائقِ رشک ہوتی ہے۔

چنانچہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر دولت، صحت، گھر اور تعلقات وغیرہ خوشی نہیں دے سکتے تو پھر خوشی کیسے نصیب ہوتی ہے؟ ہمیں خوش رہنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اِس حوالے سے قرآن وسنّت کی روشنی میں چند باتیں پیشِ خدمت ہیں:

❖ ربِّ کریم کو یاد کیجیے! روزِ عید اور اِس کے بعد والے تین دن: ایامِ تشریق خاص طور پر ذکرِ الٰہی کے دن ہیں۔ یادِ خداوندی کی برکت سے دل کو چین و قرار نصیب ہوتا ہے اور اصل خوشی دل ہی کی خوشی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ۔ ”سُن لو! اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔“ [الرعد 13:28]

❖ شیطانی کاموں سے دُور رہیے! گناہوں سے شیطان خوش ہوتا ہے اور اُس کا اثر بڑھتا ہے۔ جو شخص شیطان کے زیرِ اثر ہو اُسے دُنیا بھر کے اسباب فراہم ہو جائیں تو بھی اُسے حقیقی خوشی نصیب نہیں ہو سکتی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی کا مفہوم ہے: ”جب تم میں سے کوئی سوئے تو شیطان اُس کی گُدّی (گردن کے پچھلے حصے) پر تین گِرہیں لگا دیتا ہے (جیسے جادوگر کچھ پڑھ کر گرہ لگاتے ہیں، ایسے ہی وہ اِس عمل کے ذریعے سُستی ڈالتا ہے)۔ ہر ایک گرہ پر (دل میں یہ بات) ڈالتا ہے: عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ، فَارْقُدْ۔ سوئے رہو! بہت لمبی رات ہے۔“ رحمتِ عالَم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ۔ ”چنانچہ اگر بندہ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو (شیطان کی لگائی ہوئی سُستی کی گرہوں میں سے) ایک گِرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وُضو کرتا ہے تو دوسری گِرہ کھل جاتی ہے، پھر نماز ادا کرتا ہے تو تیسری گِرہ بھی کُھل جاتی ہے اور (شیطان کا اثر ٹوٹنے سے برکت نصیب ہوتی ہے) انسان چُست اور پاکیزہ نفس ہو کر صبح کرتا ہے۔ مزید فرمایا: ”اگر ایسا نہ کرے تو صبح کو یہ حالت ہوتی ہے کہ پریشان اور سُست ہوتا ہے۔“ (صحیح بخاری: 1142)

❖ اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجیے! بالآخر وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ ”اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے تو وہ اُسے (دونوں جہان میں) کافی ہے۔“ [الطلاق 65:3]

❖ گھر اور باہَر کے افراد کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنایئے! لڑائی جھگڑا پریشانی ہی پریشانی ہے اور محبّت واُلفت سکون ہی سکون ہے۔

❖ مصائب کے بارے میں زیادہ سوچنے کے بجائے نعمتوں کی طرف توجہ کیجیے! چھوٹی موٹی پریشانیاں تو زندگی کا حصہ ہیں۔

❖ برداشت کرنا سیکھیے! غصہ وانتقام کا جذبہ بڑی خوشی کو بھی تباہ کر دیتے ہیں اور درگزر کرنے سے چھوٹی خوشی بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔

مسائلِ قربانی

خطبۂ جمعہ میں قربانی سے متعلق متعدد مسائل کا ذکر ہو چکا ہے، ایک بنیادی بات کا اِعادہ کر کے کچھ مزید مسائل کا تذکرہ ہو گا۔

کس پر واجب؟ وہ سمجھ دار بالغ مسلمان (مَرد و عورت) جو شرعی مسافر نہ ہو اور بنیادی ضروریاتِ زندگی و قرض کے علاوہ 52.5 تولے (612.36 گرام) چاندی یا اِس کی قیمت کے برابر نقدی یا دیگر سامان کا مالک ہو اُس پر قربانی واجب ہے۔[1]

قربانی کا وقت: قربانی کا وقت 10 ذوالحجہ (شہر میں نمازِ عید کے بعد) سے 12 ذوالحجہ کا سورج غروب ہونے تک ہے۔ زیادہ ثواب اس میں ہے کہ دس ذوالحجہ کو قربانی کی جائے، پھر گیارہ کو قربانی کرنا بارہ کی بنسبت بہتر ہے۔

کچھ لوگ اِنتشار پھیلانے کے لیے چوتھے دن قربانی کرتے ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں۔ مولَی المسلمین سیدنا علیِ مرتضٰی، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم نے واضح طور پر فرمایا: اَلْأَضْحٰی یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْأَضْحٰی۔ یعنی "قربانی صرف تین دن تک جائز ہے۔" (موطا امام مالک، حدیث: 1399، 1400۔ سننِ کبرٰی للبیہقی، حدیث: 19254) یہ روایت بظاہر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا ارشاد ہے، مگر حقیقت میں حدیثِ نبوی ہے؛ کیونکہ ایسے اُمور اپنی رائے سے بیان نہیں کیے جاسکتے۔

ذَبح سے پہلے کے اُمور: ☆ ذَبح سے پہلے جانور کو چارا، پانی دیں اور بھوکا پیاسا ذبح نہ کریں۔

☆ جانور کو لٹانے سے پہلے اُس کی نظروں سے اوجھل چھری تیز کریں، نیز ذبح کی جگہ اور دیگر اُمور کا تعیُّن بھی پہلے سے کر لیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما راوی ہیں کہ شفیع المذنبین ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو بکری کی گردن پر پاؤں رکھ کر چھری تیز کر رہا تھا اور بکری یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَتُرِیْدُ أَنْ تُمِیْتَهَا مَوْتَاتٍ؟ هَلَّا حَدَّدْتَّ شَفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا۔ یعنی "تم اِسے کئی موتیں مارنا چاہتے ہو؟ اِسے لٹانے سے پہلے اپنی چُھری تیز کیوں نہ کر لی؟"

(المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 7563۔ سننِ کبرٰی للبیہقی، حدیث: 19141)

لٹانے کا طریقہ: (پاکستان میں) قربانی کو دوسرے جانوروں کی نظروں سے اوجھل بائیں پہلو پر اِس طرح لٹائیں کہ اُس کا سر جنوب (South)، پُشت مشرق (East) اور منہ قبلہ کی طرف ہو، قبلہ رخ نہ ہونا مکروہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ، ج: 20، ص: 216)

کون ذبح کرے؟ ☆ جانور حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ اگر غیر مسلم نے ذبح کیا یا ایسے کلمہ گو نے ذبح کیا جس کی گمراہی حدِّ کفر تک ہے تو جانور حلال نہیں ہو گا۔ یہودی یا عیسائی سے ذبح کروانا بھی مکروہ ہے۔

---

[1] 05 جون 2025ء کو لاہور کے صرافہ بازار میں چاندی کا ریٹ 3400 روپے فی تولہ تھا، اِس حساب سے نصاب تقریباً 178,000 روپے ہے۔

☆ جس کی طرف سے قربانی ہے، اگر وہ خود اچھی طرح سے ذبح کر سکتا ہو تو افضل ہے کہ خود ذبح کرے، ورنہ کسی صحیح العقیدہ مسلمان سے ذبح کروائے اور بہتر ہے کہ خود پاس موجود رہے؛ تاکہ یہ منظر دیکھ کر اپنی آخرت کو یاد کر سکے اور حکم پر عمل کی فرحت ہو۔

یاد رہے کہ ذبح کے وقت سنت پر عمل کی نیت سے پاس موجود رہنا ثواب ہے، مگر محض تفریح کے لیے ٹھہرنا اور جانور کے گرد گھیرا ڈال لینا، ہنسنا، قہقہے بلند کرنا اور تماشا بنانا غفلت کی علامت ہے۔

ذبح کے وقت بسم اللہ اور دعا: ذبح کے وقت بسم اللہ شریف پڑھنا (اللہ کا نام لینا) ضروری ہے، جان بوجھ کر نہ پڑھی تو جانور حرام ہے، البتہ بھولے سے ایسا ہوا (جیسا کہ بعض مرتبہ افراتفری میں ہو جاتا ہے) تو حرج نہیں۔ بہتر ہے کہ یہ دُعا بھی پڑھیں:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ o اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ o اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

اپنی طرف سے قربانی ہو تو ذبح کے بعد یہ دُعا پڑھیں: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَحَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جانور کو تکلیف دینے کی ممانعت: کسی بھی طرح سے بلاوجہ جانور کو تکلیف دینا منع ہے، مثلاً: اُس کے سامنے چھری تیز کرنا یا روح نکلنے سے پہلے اُس کی کھال اُتارنا یا کوئی عضو کاٹنا۔

سیدنا قُرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانِ عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یارسول اللہ! اِنِّیْ لَاَخْذُ الشَّاةَ لِاَذْبَحَهَا فَاَرْحَمُهَا۔ مَیں جانور کو ذبح کرنے کے لیے اُسے پکڑتا ہوں تو مجھے اُس پر رحم آنے لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وَالشَّاةُ اِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللّٰهُ۔ ”اگر تم بکری پر رحم کروگے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔“ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 6482)

توجّہ طلب بات ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے بلاوجہ جانور کو تکلیف دینے اور اُس پر ظلم کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اگر جانور کی یہ صورتِ حال ہے تو کسی انسان کو بلاوجہ تکلیف دینا کتنا برا ہوگا!

بہتا خون ناپاک ہے: ذبح کے وقت جانور کے گلے سے بہنے والا خون ناپاک ہے، اُس سے حتّی الامکان گوشت اور کپڑوں کو بچانا لازم ہے؛ کیونکہ جان بوجھ کر بلاوجہ کسی پاک چیز کو ناپاک کرنا حرام ہے، اگر یہ خون گوشت وغیرہ کو لگ جائے تو اُسے پاک کرنا لازم ہے... البتہ ذبح کے بعد گوشت میں باقی رہ جانے والا خون پاک ہے، مگر اُسے بھی کھانا حلال نہیں۔

گوشت کی تقسیم: قربانی کے گوشت سے کچھ کھانا مستحب ہے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی دے سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں: ایک حصہ حاجت مندوں / فقرا کے لیے، ایک حصہ رشتہ داروں / دوستوں کے لیے اور ایک حصہ گھر والوں کے لیے۔

☆ منت (Vow) یا وصیت کی قربانی کا تمام گوشت صدقہ کرنا لازم ہے، نہ خود کھا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی صاحبِ حیثیت دوست یا رشتہ دار کو دے سکتے ہیں۔

☆ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو نہیں دینا چاہیے۔ قربانی شعائرِ اسلام سے ہے اور اِسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ذبح کیا گیا ہے؛ لہٰذا مسلمان اِس کے مبارک گوشت کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

شرکا میں گوشت کی تقسیم: جب قربانی میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہوں تو تمام گوشت کو یکساں طور پر وزن کر کے حصوں میں تقسیم کرنا لازم ہے، اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں اور نہ ہی وزن کر لینے سے پہلے شرکا ایک دوسرے کو کمی و بیشی معاف کر سکتے ہیں، البتہ سب شرکا ایک ہی گھر میں رہتے ہوں کہ مل کر ہی بانٹیں گے اور کھائیں گے یا شرکا اپنا اپنا حصّہ لینا ہی نہیں چاہتے تو وزن کرنا ضروری نہیں۔ دو صورتوں میں وزن کیے بغیر اندازے سے بھی تقسیم کر سکتے ہیں:

1. سب حصہ دار کسی اور بالغ مسلمان کو گوشت کا مالک بنا دیں کہ وہ جیسے چاہے تقسیم کرے۔ (وقار الفتاوٰی، جلد:2، ص:472)
2. گوشت میں کوئی دوسری جنس، مثلاً کلیجی، مغز اور پائے وغیرہ، شامل کر دیں۔ (ردّ المحتار، جلد:9، ص:527)

کھال وغیرہ کا حکم: بہتر ہے کہ قربانی کی کھال اور دیگر اضافی چیزیں... اُوپر ڈالنے والا کپڑا، رسّی اور گلے کا ہار وغیرہ... غریبوں کو دے دیں یا کسی بھی نیک کام کے لیے کسی فرد یا تنظیم (مسجد، مدرسہ، ہسپتال یا رفاہی ادارے) کو عطیہ کر دیں۔ خود بھی استعمال کر سکتے ہیں، البتہ قربانی کی کوئی چیز اپنے استعمال کے لیے بیچنا یا ذبح کرنے والے کو اُجرت میں دینا یا بدعقیدہ لوگوں کو دینا جائز نہیں۔

جامعہ نظامیہ رضویہ یا دیگر مدارسِ اہلِ سنت کو کھال دینے میں دوہرا فائدہ ہے... یہ خدمتِ خلق بھی ہے اور خدمتِ دین بھی۔

☆ ذبح سے پہلے قربانی کے جانور سے کوئی نفع حاصل کرنا... مثلاً اُس کے بال اپنے لیے کاٹ لینا یا اُس کا دودھ دوہنا یا اُون کاٹ لینا منع ہے... اگر اون کاٹی یا دودھ دوہا تو اُسے صدقہ کرنا لازم ہے۔

☆ قربانی کی کسی بھی قابلِ استعمال چیز کو ضائع کرنا درست نہیں۔ اگر کوئی چیز خود استعمال نہ بھی کرنی ہو تو صدقہ کر دیں؛ کیونکہ بلاوجہ مال ضائع کرنا حرام ہے۔

جانور کے مختلف اجزا: حلال جانوروں کے کچھ اجزا کھانا ناجائز ہے: جیسے خون، پتا، مثانہ، علاماتِ نر و مادہ، کپورے، غُدود (گردن یا حلق میں سرخ یا مٹیالے رنگ کی گانٹھیں)، حرام مغز، گردن (کے گرد کندھوں تک پیلے رنگ) کے پٹھے، اوجھڑی، آنتیں۔
(تفصیل کے لیے دیکھیے فتاوٰی رضویہ، ج:20، ص:240۔ ابلق گھوڑے سوار: ص37، مکتبۃ المدینہ)

حلال جانور کے گردے کھانا جائز ہے، تاہم ناپسندیدہ ہے۔

حرفِ آخر: عیدِ اضحیٰ اور رضائے ربِّ اعلیٰ

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر انسان کو زندگی میں بہت ساری خوشیاں عطا فرماتا ہے، مگر عید کی خوشی کا لُطف جداگانہ ہے؛ عید شعائرِ اسلام میں سے ہے، اِس میں خوشی کا اِظہار کرنا اور دوسرے مسلمانوں میں خوشیاں بانٹنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

کسی چیز پر خوش ہونے کے حوالے سے لوگوں کے معیارات جدا جدا ہوتے ہیں؛ کیونکہ اُس شے کی قدر شناسی سے متعلق سب کا نقطۂ نظر یکساں نہیں ہوتا۔ ایک شخص کسی چیز کو اہم سمجھتا ہے تو وہ اُس کے حصول پر خوش ہوتا ہے... جب کہ دوسرے بندے کی نظر میں اُس شے کی اہمیت نہیں ہوتی تو اُس کے لیے وہ باعثِ فرحت وراحت بھی نہیں ہوتی۔

وہ شخص نہایت خوش نصیب ہے جسے معلوم ہو جائے کہ سب سے بڑی دولت اللہ تعالیٰ کی رِضا ہے۔ جب اِس حقیقت کا احساس ہو جاتا ہے کہ مالکِ کریم کی خوشنودی سے بڑی کوئی شے نہیں تو انسان خالقِ کائنات کو راضی کرنے کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ پھر سیدنا اسماعیل علیہ السلام جیسے ماہ رُو شہزادے کی گردن پر اپنے ہاتھوں سے چھری چلانے میں بوڑھے باپ کو ہچکچاہٹ نہیں ہوتی، بلکہ پھر مالکِ کریم کی رِضا کے لیے اپنی جان لُٹانا بھی زندگی سے زیادہ پیارا ہو جاتا ہے۔

خلیلِ جلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے بے شمار جانوروں کو قربان کرنا حقیقت میں یہی بات ذہن نشین کروانے کے لیے ہے اور عید کی خوشی بھی ربِّ کریم کی طرف سے ہدایت اور نیکی کی توفیق ملنے پر شکر ادا کرنے کے لیے ہی ہے۔ اگر ہم نے عید کی خوشی یوں منائی کہ خالقِ کائنات راضی ہو گیا تو پھر حشر کا دن اصل عید کا دن ہو گا اور اُس روز کی خوشی قابلِ رشک ہو گی۔

خوشیوں کی بات کرتے ہوئے جب غزّہ کی طرف توجّہ جاتی ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ فلسطینی مسلمان شہیدوں کے خون میں لَت پَت تین عیدیں گزار چکے ہیں اور افسوس کہ اِس چوتھی عید سے پہلے بھی اُمّتِ مسلمہ اُنھیں اسرائیلی درندوں کے مظالم سے بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکی۔

اگر اُمّت اِس حقیقت کو پہچانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سب سے بڑی دولت ہے اور یہی اصل خوشی ہے تو غزّہ اور قبلۂ اوّل کی آزادی کے بغیر عید کی خوشی کا کوئی تصوّر ہی نہ ہوتا۔

بہر حال خوشی کے اِس موقع پر ہمیں مظلوم مسلمان بھائیوں کو دُعاؤں میں بھی یاد رکھنا چاہیے اور اُن کے ساتھ مالی تعاوُن میں بھی کنجوسی و سُستی نہیں کرنی چاہیے۔[1]

---

[1] دعوتِ اسلامی کے ذیلی ادارے Faizan Global Relief Foundation (FGRF) کے زیرِ اہتمام غزّہ میں امداد کی ترسیل جاری ہے۔ تعاون اور معلومات کے لیے ادارے کی ویب سائٹ دیکھیں۔ ویب سائٹ کا لنک یہ ہے: https://fgrf.org/

نمازِ عید کا طریقہ

پہلے زبان سے یا دل میں ہی یوں نیت کریں: ”دو رکعات نمازِ عید واجب، اضافی چھ تکبیروں سمیت، اِس امام کے پیچھے، قبلہ شریف کی طرف رُخ کیے۔“

پھر کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہیں اور ہاتھ باندھ لیں۔ پھر ثنا پڑھیں۔ پھر امام کے ساتھ دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہتے ہوئے ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ اب امام صاحب تلاوت کریں گے اور تمام مقتدی خاموشی سے سنیں گے۔ تلاوت کے بعد باقی نمازوں کی طرح پہلی رکعت مکمل کریں۔

دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر امام صاحب قراءت کریں گے اور تمام مقتدی خاموشی سے سنیں گے۔ قراءت کے بعد امام کے ساتھ تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ چوتھی مرتبہ بغیر ہاتھ اُٹھائے اَللّٰہُ أَکْبَرْ کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں[1] اور حسبِ قاعدہ نماز مکمل کریں۔

نمازِ عید میں تاخیر سے پہنچنے والے کے لیے:

- مقتدی دیر سے پہنچا اور امام صاحب تکبیرات کہہ کر قراءت شروع کر چکے تھے تو وہ تکبیرِ تحریمہ کہہ کر فوراً ہی تین تکبیریں کہہ لے۔
- امام صاحب پہلی یا دوسری رکعت کے رکوع میں جا چکے ہیں تو اُن کے ساتھ رکوع میں جائے اور بغیر ہاتھ اُٹھائے رکوع میں اِضافی تکبیرات کہہ لے۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام صاحب نے رکوع سے سر اُٹھا لیا تو باقی تکبیرات معاف ہو گئیں۔
- اگر امام صاحب کے پہلی یا دوسری رکعت کے رکوع سے اُٹھنے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے، بلکہ امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد جب اپنی بقیہ نماز پڑھے تو اُس وقت کہے۔

نماز میں بھول سے متعلق:

امام پہلی رکعت کی تکبیریں بھول گیا تو قراءت کے بعد یا رکوع میں کہہ لے اور دوسری رکعت کی بھول گیا تو نہ قیام کی طرف لوٹے نہ رکوع میں کہے۔ (بہارِ شریعت، ج:1، ح:4، ص:782، 783، ملخصًا)

عید کے موقع پر باہم ملاقات اور مصافحہ و معانقہ بکثرت ہوتا ہے، اِس موقع پر دل سے بھی کدورتیں نکال دی جائیں اور سلام کے ساتھ ساتھ بارگاہِ خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں دُرود و سلام کا ہدیہ پیش کیا جائے تو روایت کے مطابق گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔

(رواہ البیہقی فی شعب الإیمان، 281/11 رقم: 8543، وأخرجه أیضًا البخاری فی التاریخ الکبیر، ج:3، ص:252، وأبو یعلی، ج:5، ص:334، رقم: 2960، فیه درست بن حمزة، وهو ضعیف)

---

[1] نمازِ عید کی دوسری رکعت میں رکوع کی یہ تکبیر واجب ہے، جب کہ دیگر نمازوں میں سنّت ہوتی ہے۔

۱۶ ذوالحجہ ۱۴۴۶ھ / 13 جون 2025ء

تصویرِ حیا جامعِ قرآن ہیں عثمان (رضی اللہ عنہ)

مشمولات

- سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ
- بے ادبی... فتنوں کی اہم بنیاد
- حیائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ہماری حالتِ زار
- سازش کے لیے جھوٹ کا سہارا اور خونِ مسلم کی بے توقیری
- بچوں کو باکردار بنانے کے لیے اہم اُمور
- وقتِ شہادت کردارِ عثمانی
- حیائے عثمانی کا اعزاز
- حرفِ آخر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ربِّ قدیر کا فضلِ کبیر اور رسمِ عیدِ غدیر
- شہادتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ دُروس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَیَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ۔ [الزمر 09:39]

کسی شخص کو راستہ بتانے والا کوئی نہ ہو اور وہ تاریک رات میں اپنی منزل سے بھٹک جائے تو اِس میں کوئی عجیب بات نہیں، لیکن اگر کسی بندے کے پاس راستوں کے ماہِر سے راہ نمائی لینے کی سہولت بھی ہو، پھر وہ دن دِہاڑے غلط راستے پر چل نکلے تو یہ یقیناً حیرانی کی بات ہے اور اُس شخص کی نالائقی و نااہلی پر سخت تعجّب ہو گا۔

اسلام کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہے، قرآن و سنّت کی راہ نمائی سے سیدھا راستہ بالکل واضح ہے، سونے پر سُہاگا یہ کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے والے اور راستے کی مہارت رکھنے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سیرتوں سے نور حاصل کرنے کی سہولت بھی موجود ہے... کتنی حیرت کی بات ہے کہ اِن سب کے باوجود اُمّتِ مسلمہ فتنوں میں مبتلا ہے! اندرونی و بیرونی سازشیں جوبن پر ہیں! بدمذہب و فتنہ پرور لوگ تیزی سے اپنے فتنے پھیلا رہے ہیں اور غزّہ کے حالات خون کے آنسو رُلا رہے ہیں!

آج ذوالحجہ کی 16 تاریخ ہے اور دو روز بعد اُس ہستی کا یومِ شہادت ہے جس نے اسلام کا سورج طلوع ہوتے ہی کلمہ پڑھا اور پھر نبیِ اکرم ﷺ کے انتہائی قریب رہ کر دین سیکھا، سرورِ عالَم ﷺ کے ساتھ کئی نسبتیں نصیب ہوئیں، زبانِ نبوّت سے متعدّد بشارتیں پائیں، منصبِ خلافت پر فائز ہو کر اسلام کی بے پناہ خدمت کی اور درجۂ شہادت کی سعادت سے بھی سرفراز ہوئے۔ میری مراد خلیفۂ ثالث سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ والا برکات ہے۔

وہ شخصیت کیوں نہ لائقِ تقلید ہو گی جس کی تعریف خالقِ کائنات جَلَّ مَجْدُہٗ قرآنِ عزیز میں فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَیَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ "کیا وہ شخص جو رات کے اوقات فرماں برداری میں گزارتا ہے سجدے اور قیام کی حالت میں، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی اُمّید رکھتا ہے (کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا؟)

مزید ارشاد ہوا: قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ۔ "آپ فرما دیجیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟ صرف عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔" [الزمر 09:39]

آیتِ کریمہ میں سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد اوصافِ حمیدہ کا ذکر ہے، یقیناً آپ کی سیرتِ مبارکہ عصرِ حاضر کے فتنوں میں بھی اُمّت کو راہِ ہدایت دکھلاتی ہے اور سیدھے راستے کا پتا دیتی ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں سیرتِ عثمانی کے کچھ پہلوؤں سے راہ نمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا سوانحی خاکہ

جامع القرآن، خلیفۂ ثالث، امیر المؤمنین، ذوالنورَین، پیکرِ حیاء وغِنا، ابو عبد اللہ سیدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام الفیل کے چھٹے سال مکہ مکرّمہ میں پیدا ہوئے۔

دورِ جاہلیت کی تاریکیوں میں بھی آپ کا کردار نہایت روشن اور سیرتِ مبارکہ بے حد حسین تھی، تب بھی آپ کی خوبیوں کے پیشِ نظر معاشرے میں آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

جب نبیِ کریم ﷺ نے اعلانِ نبوّت کیا تب آپ کی عمر 34 سال تھی، چنانچہ آپ نے اعلانِ نبوّت کے فوری بعد اسلام قبول کر کے اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اِس کے بعد امام الانبیا ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیّبہ کے تیرہ سالہ مکی اور دس سالہ مدنی دَور میں آپ ﷺ کے نہایت قریبی ساتھی رہے اور ہر موقع پر دینِ اسلام کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

تاریخِ انسانیت کا یہ امتیازی و قار آپ ہی کے حصّے میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو شہزادیوں کا آپ سے نکاح فرمایا... آپ نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ ہجرت کرنے کا منفرد اعزاز بھی حاصل کیا... اہلِ بدر میں بھی شمار ہوئے... عشرۂ مبشَّرہ میں شمولیت کا شرف بھی نصیب ہوا... غزوۂ ذات الرِّقاع اور غزوۂ غَطفان کے مواقع پر جہاد کے لیے تشریف لے جاتے ہوئے ماہِ مدینہ ﷺ نے مدینہ منوّرہ میں آپ کو جانشین منتخب فرمایا... بئرِ رومہ کی خریداری، غزوۂ تبوک کی تیاری اور مسجدِ نبوی کی توسیع کے مواقع پر سرکارِ دوعالَم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے جنت کی خوش خبری پانے کی سعادت بھی سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی مقدّر ٹھہری۔

آپ نے وصالِ نبوی کے بعد 12 سال تک حضراتِ شیخَین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مشیرِ خاص کے طور پر خدمات انجام دیں اور حسبِ سابق خدمتِ اسلام میں پیش پیش رہے۔

خلیفۂ ثانی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد محرم الحرام 24ھ سے ذوالحجہ 35ھ تک... 12 سال تیسرے خلیفۃ المسلمین کے منصبِ جلیل پر فائز رہے۔ دورانِ خلافت متعدد علاقوں کی فتوحات، جمعِ قرآنِ حکیم اور بحری راستے سے جہاد کے علاوہ بھی کئی نمایاں کارنامے انجام دیے۔

بالآخر 82 سال عمرِ مبارک پاکر دشمنانِ اسلام کی طرف سے گھر کے محاصرہ اور قاتلانہ حملے کے بعد جمعۃ المبارک کے دن روزہ کی حالت میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہوئے 18 ذوالحجہ 35ھ کو جامِ شہادت نوش کیا۔

اب جنت البقیع میں آرام فرماہیں۔ احادیثِ کریمہ کے مطابق روزِ حشر شفیعِ محشر ﷺ کے ہمراہ میدانِ محشر کی طرف روانہ ہوں گے، پھر امام الانبیا ﷺ کی رفاقت میں جنت کا اعلیٰ مقام پائیں گے۔

حیائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ہماری حالتِ زار

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ربِّ ذوالجلال نے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ یہ آپ کا اعزاز ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اہلیہ اور اپنی شہزادی محترمہ سیدتنا رُقیّہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: يَا بُنَيَّةُ! أَحْسِنِي إِلَى أَبِي عَبْدِ اللهِ؛ فَإِنَّهُ أَشْبَهُ أَصْحَابِي بِي خُلُقًا۔ یعنی "پیاری بیٹی! ابو عبد اللہ عثمان کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا! یہ میرے اُن صحابہ میں سے ہیں جن کے اخلاق میرے اخلاق کے زیادہ قریب ہیں۔" (المعجم الکبیر، حدیث:98۔ قال الھیثمی فی مجمع الزوائد[9/81، رقم:14500]: رجالہٗ ثقات)

آپ کے حسین اوصاف میں سے ایک نمایاں خوبی شرم وحیا ہے۔ "حیا" اُس وصف کو کہتے ہیں جو انسان کو بُرے کاموں اور حق والے کے حق میں کمی کرنے سے روکتا ہے۔[1] انسان خود کو قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالتا جائے تو یہ وصف ترقّی پاتا ہے اور رفتہ رفتہ عروج تک پہنچ جاتا ہے، تاہم کچھ خوش نصیب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پیدائشی طور پر ہی باحیا ہوتے ہیں۔

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ حیا کا یہ عالَم ہے کہ اسلام کا نور پھیلنے سے پہلے جس وقت چاروں طرف کفر وجاہلیت اور بداخلاقی وبے حیائی کی تاریکی تھی، تب بھی آپ حیا کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، گویا کہ قدرت نے پیدائشی طور پر آپ کی رگ رگ میں شرم وحیا کا اثر رکھ کر بُرے کاموں سے دُور فرمایا تھا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ارشادات میں یہ حسین جملے بھی ہیں:

- فَوَاللهِ مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا فِي إِسْلَامٍ قَطُّ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ تو مَیں نے دورِ جاہلیت میں کبھی بدکاری کی، نہ ہی اسلام لانے کے بعد میرے کردار پر کوئی دھبا لگا۔ (سننِ ابوداؤد، حدیث:4502۔ جامع ترمذی، حدیث:2158، اِسنادہ صحیح)
- وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ۔ یعنی قسم بخدا! میرے دامن پر کبھی بھی کسی شخص کے قتلِ ناحق کا داغ نہیں لگا۔ (جامع ترمذی، حدیث:2158۔ المستدرک علی الصحیحین، حدیث:8028، اِسنادہ صحیح)
- مَا تَغَنَّيْتُ وَلَا تَمَنَّيْتُ۔ نہ مَیں نے کبھی گانا گایا ہے، نہ ہی کبھی جھوٹ بولا ہے۔ (سننِ ابنِ ماجہ، حدیث:311)
- وَلَا شَرِبْتُ خَمْرًا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا إِسْلَامٍ۔ یعنی دورِ جاہلیت میں بھی شراب کے قریب نہیں گیا اور اسلام کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے اُس سے مکمّل طور پر محفوظ رکھا ہے۔ (السنّۃ لابن أبی عاصم، حدیث:1308۔ مصنف ابن ابی شیبہ:32055۔ مسند البزار:448)
- وَلَا سَرَقْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا إِسْلَامٍ۔ نہ مَیں نے کبھی دورِ جاہلیت میں چوری کی تھی، نہ ہی اسلام کے بعد کبھی اِس بُری حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔ (تاریخ المدینۃ لابن شبّہ، ج:4، ص:1156۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:35، ص:114۔ البدایۃ والنہایۃ، ج:7، ص:203)

---

[1] حَقِيقَةُ الْحَيَاءِ خُلُقٌ يَبْعَثُ عَلَى تَرْكِ الْقَبِيحِ وَيَمْنَعُ مِنَ التَّقْصِيرِ فِي حَقِّ ذِي الْحَقِّ۔ (المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج للنووی:6/2)

- وَلَا مَسِسْتُ ذَكَرِيْ بِيَمِيْنِيْ مُنْذُ بَايَعْتُ بِهَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرتے ہوئے مجھے اپنا دایاں ہاتھ آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں رکھنے کا شرف ملا تھا، اُس کے بعد کبھی بھی مَیں نے یہ ہاتھ اپنی شرم گاہ کو نہیں لگایا۔

(سنن ابن ماجہ، حدیث: 311۔ المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: 5061)

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت میں ہے: وَكَانَ إِذَا اغْتَسَلَ لَا يَرْفَعُ الْمِئْزَرَ عَنْهُ وَهُوَ فِيْ بَيْتٍ مُغْلَقٍ عَلَيْهِ۔ یعنی گھر کو تالا لگا ہوتا اور کسی کے گھر میں آنے کا کوئی امکان نہ ہوتا تب بھی آپ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے تہبند باندھ کر غسل کرتے تھے اور برہنہ نہیں ہوتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:7، ص: 241، دار إحیاء التراث العربی)

ہماری حالتِ زار: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ حیا سے متعلق یہ باتیں یقیناً ایمان افروز اور لائقِ تقلید ہیں۔ اِس حوالے سے اگر ہم اپنی حالتِ زار کا جائزہ لیں تو شرم سے سر جُھک جاتا ہے، خصوصاً ہماری نئی نسل جس راہ پر چل نکلی ہے اُس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں۔ وطنِ عزیز میں آئے روز ایسے واقعات نمودار ہوتے رہتے ہیں جنھیں ہم اتفاقی بات سمجھ کر بھلا دیتے ہیں، مگر یہ ہمیں اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کے حوالے سے گہری سوچ بچار کا سبق دیتے ہیں۔

ابھی عید الاضحیٰ سے قبل 02 جون (2025ء) کو دار الحکومت اسلام آباد میں ایک سترہ سالہ ٹِک ٹاکر دوشیزہ کو نوجوان نے اُس کے کمرے میں گُھس کر قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ناحق خون کہیں بھی بہایا جائے وہ قابلِ مذمّت ہوتا ہے اور اُس پر ربِّ کریم سخت غضب فرماتا ہے، تاہم اِس قتل میں ہمارے لیے اپنے بچوں کے حوالے سے سوچنے کا موقع ہے۔

اِس کیس میں جو انکشافات ہوئے، منبر کا تقدّس اُن کے تذکرہ کی اِجازت نہیں دیتا، البتہ اِس حوالے سے پیغام یہ ہے کہ اپنے بچوں، خصوصاً بیٹیوں اور بہنوں کی تربیت پر خاص توجّہ دیں اور بے حیائی کے اِس دَور میں اُنھیں حیادار و باکردار مسلمان بنانے کے لیے بھرپور کردار ادا کریں۔

چنانچہ چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

- اِس بات کا التزام کیجیے کہ ہماری بہنیں اور بیٹیاں نامحرموں کے سامنے اپنی زیب و زینت کا اِظہار ہرگز نہ کریں۔ یہ اسلامی تعلیمات کے بھی سخت خلاف ہے اور حالات بھی اِس کی اِجازت نہیں دیتے۔
- گھر میں پابندی لگائیں کہ بچیاں کسی بھی اجنبی سے بات چیت نہ کریں، خصوصاً ہیڈ فون کے استعمال کی قطعًا اجازت نہ دی جائے۔ اسلامی تعلیمات سے معمولی آگاہی رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ قرآن و سنّت میں غیر محرموں کے ساتھ گپ شپ کی سخت ممانعت ہے اور اِس حکم کو چھوڑنے کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔
- بچوں کو کوئی بھی پرسنل، پورٹیبل ڈیوائس نہ دیں۔ تعلیمی سرگرمیوں کے لیے کمپیوٹر ہونا چاہیے، وہ بھی ایسے کمرے میں جہاں سب

کی آمد ورفت رہتی ہو۔ یاد رکھیے! کڑی نگرانی رکھے بغیر انٹرنیٹ سے منسلک کوئی بھی ڈیوائس بچوں کو دے کر اُن پر اعتماد کرنا ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص اُن کے ہاتھوں میں زہر دے کر کہے: کوئی بات نہیں، میرا بچہ سمجھ دار ہے۔

- اگر اُنھیں فون وغیرہ دینا ضروری ہو تو سکرین ٹائم کی حد مقرر کریں اور پھر اُس کی سختی کے ساتھ پابندی کروائیں۔ یہ مستقبل میں کسی بڑی پریشانی سے بچنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔
- اپنے بچوں کے دوستوں کے بارے میں وقتاً فوقتاً معلومات حاصل کرتے رہیں اور کسی بھی بے حیا شخص کو اُن کے قریب نہ آنے دیں۔ بے حیا دوستوں کی نحوستیں آئے روز ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔
- بچوں کی تصاویر اور ویڈیوز کو اپنے گھر اور فیملی تک محدود رکھیں۔ اگر اُن کی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے والی کوئی ویڈیو سوشل میڈیا پر ڈالیں بھی تو اُس میں بھی اُن کی شناخت ہرگز ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔
- والدین بعض اوقات بچوں، بلکہ بچیوں کو بھی تعلیم کے لیے ایسے اداروں میں بھیج دیتے ہیں جہاں اسلامی تہذیب کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ تعلیم کے نام پر یہ ظلم مت کریں!
- ایسے بھی والدین کی کمی نہیں جو اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر گانے سنتے ہیں اور بے ہودہ فلمیں، ڈرامے دیکھتے ہیں۔ اِس تربیت کے بعد کیا ہم اپنے بچوں سے یہ توقّع رکھتے ہیں کہ اُن کے کردار سے حیائے سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی خوشبو آئے گی! ہرگز نہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ، حَفِظَ أَمْ ضَيَّعَ؟ حَتَّى يَسْأَلَ الرَّجُلَ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ۔ یعنی "یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اُس کی ذمّے داری کے بارے میں پوچھے گا کہ اُس نے حفاظت کی یا ضائع کیا (جو حقوق اُس پر لازم تھے اُنھیں ادا کیا یا کوتاہی کی)، حتّٰی کہ آدمی سے اُس کے گھر والوں کے بارے میں بھی سُوال فرمائے گا۔" (مستخرج أبي عوانة، حدیث: 7036۔ صحیح ابن حبان، حدیث: 5103، إسنادہ صحیح)

حیائے عثمانی کا اعزاز:

حیا کے حوالے سے گفتگو کا اختتام سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصفِ حیا کے انعام واعزاز پر کرتے ہیں۔ اُنھوں نے حیا کے وصف کو ایسا اختیار کیا کہ فرشتے بھی اُن سے حیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو انداز میں لیٹے ہوئے تھے اور پنڈلی مبارک پر کپڑا نہیں تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پُر وقار انداز میں بیٹھ گئے اور کپڑا بھی درست فرما لیا۔ جب اِس حوالے سے پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: أَلَا أَسْتَحِيِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِيِ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ۔[1] "کیا مَیں اُس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں (مَیں نے عثمان کی عزت افزائی کی ہے، کہ فرشتے بھی اُس کی تعظیم کرتے ہیں)!" (صحیح مسلم، حدیث: 2401۔ الأدب المفرد للبخاری، حدیث: 603)

---

[1] اَلْمُرَادُ مِنَ اسْتِحْيَاءِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْمَلَائِكَةِ عليهم السلام مِنْ عُثْمَانَ تَوْقِيرُهُ وَتَعْظِيمُهُ۔ (شرح المصابیح لابن الملك، تحت: 4748)

شہادتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ دُروس

قدرت کا دُستور ہے کہ قُرب جتنا زیادہ ہو آزمائش بھی اُتنی ہی بڑی ہوتی ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہِ الٰہی اور دربارِ مصطفوی میں بے مثال عزت ووَجاہت حاصل تھی، چنانچہ آپ کا ابتلا بھی اُسی شان کے مطابق ہوا۔ دار الحکومت مدینہ منوّرہ میں... چالیس روز تک قصرِ خلافت (سیدنا عثمان کے گھر) کا محاصرہ کرکے... کھانا پینا بند کرنے کے بعد... گھر میں گُھس کر... روزہ کی حالت میں... قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے... آپ کو ظلماً شہید کیا گیا۔ سلامِ رضا میں ہے:

یعنی عثمان صاحبِ قمیصِ ہُدیٰ
حُلّہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق کے نتیجے میں فتنوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو قیامت تک جاری رہے گا۔ نوبت یہاں تک کیسے پہنچی؟ فتنہ پروروں کو اتنی بڑی سازش کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اِن باتوں کو چھوڑتے ہوئے فی الحال فقط یہ بات ذکر کرنا مقصود ہے کہ شہادتِ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمیں موجودہ دَور کے فتنوں سے متعلق واضح راہ نمائی ملتی ہے۔

بے ادبی... فتنوں کی اہم بنیاد: سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے سب سے پہلے اپنے چیلوں کے دلوں سے ادب و تعظیم کا جذبہ ختم کیا۔ اگر وہ اِس بات کا لحاظ کرتے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں یا اِس پہلو کو پیشِ نظر رکھتے کہ آپ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد ہیں یا کم از کم صحابی ہونے کے شرف کو ہی دیکھتے تو شہید کرنا کجا! آپ کی بے ادبی کرنے کا تصوُّر بھی نہ کرتے۔

یہی طریقۂ واردات بعد میں بھی ہر دَور کے فتنہ پَروروں کا رہا ہے... کچھ بدنصیب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کو شرک قرار دے کر اُمّت کو ادب سے دُور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، بعض بدبخت صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی گستاخیاں کرکے اُن کا احترام دلوں سے نکالنے پر تُلے رہتے ہیں، کچھ عقل کے اندھے خود کو عقلِ کل سمجھ کر بزرگانِ دین کے بارے میں ایسی سوچ پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ "ہمیں بابوں کی کوئی پرواہ نہیں"۔

چونکہ بے ادبی تمام فتنوں کی جڑ ہے؛ اِسی لیے اکابر سکھاتے ہیں کہ دین ادب ہے اور دین داری تعظیم کا نام ہے۔

سازش کے لیے جھوٹ کا سہارا: سازشی لوگوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر کثرت اور ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں؛ تاکہ سننے والا جھوٹ کو سچ اور ظالم کو مظلوم سمجھنے لگے۔ یہی کام سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں نے کیا، اُنھوں نے عالَمی سطح پر نہایت بے باکی کے ساتھ آپ پر الزامات لگائے، جن کا حقیقت سے کوئی تعلّق نہیں تھا۔

سازشی عناصر آج تک یہی کام کرتے آرہے ہیں۔ سیاسی لوگ اپنا ووٹ بینک بڑھانے کے لیے جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں اور اُن کے جیالے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اُس جھوٹ کو پھیلانے کے لیے جان لڑا دیتے ہیں۔

عالمی سطح پر دیکھیے تو اسرائیلی درندے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ حمّاس دہشت گرد تنظیم ہے اور اُس نے بہت ظلم کیا ہے، حالانکہ خود کو مظلوم کہنے والے یہ صہیونی اتنے ظالم ہیں کہ اِنھوں نے امریکہ اور برطانیہ کی پُشت پناہی میں فلسطینیوں کی زمینوں پر قبضہ کرکے ناجائز ریاست ''اسرائیل'' کو قائم کیا... متعدد جنگوں میں ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا... حالیہ مَظالم میں 50,000 سے زیادہ بے گناہوں کو شہید کرچکے ہیں، جب کہ غیر قانونی طریقے سے یہودی بستیوں کی آبادکاری اور فلسطینیوں کی جاگیروں پر قبضہ کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، جسے انٹرنیشنل کریمنل کورٹ بھی غاصبانہ اقدام قرار دے چکی ہے۔

اِسی لیے قرآن وسنّت میں سختی کے ساتھ جھوٹ سے منع فرمایا گیا اور سچ بولنے کی تاکید فرمائی گئی۔

فتنہ پروروں کی نظر میں خونِ مسلم کی بے وقعتی: سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے اگر صرف اتنی بات دیکھتے کہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور انسان سخت سزا کا حق دار ٹھہرتا ہے تو اُنھیں کبھی بھی اِس اِقدام کی جرأت نہ ہوتی... مگر اُن کی یہ ذہن سازی کی گئی تھی کہ اگر اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے عام مسلمان تو کیا امیر المؤمنین کو بھی شہید کرنا پڑے تو کر گزرو! یہی حالات اب تک چل رہے ہیں... لوگ جائداد کی خاطر، مال بٹورنے کے لیے، بلکہ معمولی غصہ نکالنے کے لیے بھی مسلمان کا ناحق خون کر دیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اِس پر اللہ تعالیٰ کس قدر غضب فرماتا ہے!

کردارِ عثمانی: سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری حیاتِ طیّبہ مَشعلِ راہ ہے، فقط شہادت کے مرحلے کو ہی لیجیے:

⟸ باغیوں کا مطالبہ تھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے جان دے دی، لیکن یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا؛ فقط اِس لیے کہ جانِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تین مرتبہ فرمایا تھا: يَا عُثْمَانُ! إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ عَسَى أَنْ يُّلْبِسَكَ قَمِيصًا، فَإِنْ أَرَادَكَ الْمُنَافِقُونَ عَلَى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ حَتّٰى تَلْقَانِي۔ ''عثمان! اللہ تعالیٰ ضرور تمہیں (خلافت کی) قمیص پہنائے گا، اگر منافق لوگ اُسے اُتارنا چاہیں تو ہرگز اُسے نہ اُتارنا (خلافت نہ چھوڑنا)، حتّٰی کہ تمہاری مجھ سے ملاقات ہو۔'' (مسند احمد، حدیث: 24566، حدیث صحیح)

⟸ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو اجازت دیتے تو وہ جہاد کرکے باغیوں کو مدینہ منوّرہ سے بھگا دیتے، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت اِس لیے نہیں دی کہ شہرِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم میں خلل پیدا نہ ہو۔ نیز ایسا نہ ہو کہ جہاد کے دوران کوئی بے گناہ بھی مارا جائے اور ناحق طور پر کسی مسلمان کی جان ضائع ہو۔

⟸ مدینہ منوّرہ چھوڑ کر کسی محفوظ مقام پر اِس لیے تشریف نہیں لے گئے کہ جب بھی شہادت ہو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں ہو۔

بلاشبہ اِن میں سے ہر ایک بات میں عصرِ حاضر کے فتنوں کا راستہ روکنے کے لیے بہت بڑا سبق ہے۔

حرفِ آخر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ربِّ قدیر کا فضلِ کبیر اور رسمِ عیدِ غدیر

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہدایت کے ستارے ہیں اور اُن میں خلفائے راشدین فقط ستارے ہی نہیں آفتابِ عالَم تاب ہیں۔ دوروز بعد 18 ذوالحجہ خلیفۂ ثالث سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا یومِ شہادت ہے۔ ربِّ کریم نے آپ کو بے شمار لائقِ تعریف اوصاف عطا فرمائے۔

تصویرِ حیا جامعِ قرآن ہیں عثمان　　کردار میں اللہ کی بُرہان ہیں عثمان

آج کے خطبہ میں آپ کی سیرتِ طیّبہ سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ چند اہم نکات یہ ہیں:

⇐ آپ رضی اللہ عنہ کی راتیں ربِّ کریم کے حضور سجدوں اور قیام میں گزرتی تھیں۔ نیز آپ کا قلبِ مبارک عظمت و جلالِ الٰہی کے خوف اور رحمتِ خداوندی کی اُمّید سے لبریز تھا۔

⇐ آپ رضی اللہ عنہ شرم و حیا کا پیکر تھے اور ربِّ قدیر نے فضلِ کبیر فرماتے ہوئے آپ کو دورِ جاہلیت میں بھی بدکاری، شراب نوشی، گانے اور جھوٹ جیسے بُرے اوصاف سے محفوظ رکھا تھا۔

⇐ سیرتِ عثمانی سے سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں کی تربیت پر خصوصی توجّہ دینی چاہیے اور اُن میں جذبۂ حیا کو خوب پروان چڑھانا چاہیے۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ اُن کے انٹرنیٹ کے استعمال کی کڑی نگرانی کی جائے اور اُن کے دوستوں پر گہری نظر رکھی جائے۔ نیز بچیوں کو غیر محرموں کے سامنے زیب و زینت ظاہر کرنے اور اُن کے ساتھ گپ شپ لگانے سے روکا جائے۔

⇐ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے راہِ خدا میں جان دے دی، مگر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمِ عالی کو پورا کرنے میں سُستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ یوں ہی آپ نے آخری سانس تک مدینہ منوّرہ کی تعظیم برقرار رکھی اور باغیوں کے ساتھ لڑائی کی اِجازت نہیں دی۔ نیز خونِ مسلم کے احترام کا درس دیتے ہوئے تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں دی اور خود جامِ شہادت نوش کر لیا۔ اگر اِن حسین اُمور کو ہم اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں تو یقیناً دُنیا و آخرت سنور جائے۔

عیدِ غدیر: گزشتہ کچھ سالوں سے 18 ذوالحجہ کو عیدِ غدیر منانے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، اِس حوالے سے بھی بات کرنا ضروری ہے۔

ہجرت کے دسویں سال نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں سیدنا علیِ مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کو یمن کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ منوّرہ کی طرف تشریف لا رہے تھے تو راستے میں "خُم" کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہیں پر سیدنا علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس پہنچ گئے۔ اِس سفر میں بعض ساتھیوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کچھ فیصلوں سے اختلاف کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غَدِیرِ خُم (خم نامی جگہ میں موجود تالاب) کے پاس ارشاد فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ "جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اُس کے مولیٰ ہیں۔"

(سننِ ترمذی، حدیث: 3713۔ المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 4578، 4601)

دشمنانِ صحابہ اِس ارشادِ نبوی کا غلط مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سیدنا علیِ مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کی خلافت کا اعلان تھا۔ اِسی مناسبت سے وہ 18 ذوالحجہ کو "عیدِ غدیر" کے عنوان سے "جشنِ اعلانِ خلافتِ علی" مناتے ہیں۔

اِس حوالے سے چند باتیں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہیں:

1) سیدنا صدیقِ اکبر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خلیفۂ برحق نہ ماننا اور سیدنا علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ ماننا کفر ہے۔

2) غدیرِ خم والے ارشادِ نبوی میں ایک لفظ بھی اِس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ ہیں۔ حدیث کا یہ مفہوم نکالنا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بیان کرنا ہے، جس پر جہنم کی وعید ارشاد فرمائی گئی ہے۔

3) قرآن وحدیث میں کئی جگہ "مولیٰ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اِس کے متعدد معانی ہیں۔ یہاں محبت ومدد کے معنیٰ میں ہے؛ لہٰذا مراد ہے:

i. جو مجھ سے سچی محبّت کرتا ہے اُس کے دل میں علی کا بغض نہیں ہوگا، علی بھی اُس کے محبوب ہوں گے۔

ii. مَیں جس سے پیار کرتا ہوں علی بھی اُس سے محبت کرتے ہیں۔

iii. مَیں جس کا مددگار ہوں علی بھی اُس کے مددگار ہیں۔

4) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کلماتِ کریمہ کے ذریعے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل جیسے اہم معاملے کا اعلان کرنا تھا تو اُس کے لیے بہترین وقت خطبۂ حجۃ الوداع تھا، جس میں ایک لاکھ کے قریب صحابۂ کرام موجود تھے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ اِس ارشاد سے مقصود سیدنا علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی عزت افزائی تھی، نہ کہ آپ کے خلیفۂ بلافصل ہونے کا اعلان۔

5) عیدِ غدیر کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں ایک شیعہ حکمران مُعِزُّ الدَّوْلَہ نے کیا تھا، تب سے یہ رسم دشمنانِ صحابہ میں رائج ہے۔

6) دینِ متین حکم فرماتا ہے کہ ہمیں کفار اور بدمذہبوں کے تہواروں سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہیے۔

7) اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ مَیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ نہیں سمجھتا، مَیں فقط اِس لیے عیدِ غدیر مناتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک اعزاز عطا کیا تھا... تو ایسے بندے سے سوال ہے کہ نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل متعدد احادیث میں بیان فرمائے ہیں اور کئی مقامات پر اُنھیں عزت سے نوازا ہے، پھر صرف فضیلتِ غدیر پر ہی عید کیوں؟

خلاصۂ کلام یہ کہ غدیرِ خم والے ارشادِ نبوی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ایک فضیلت کا ذکر ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے محبوب اور مددگار ہیں، اِس میں نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان ہے اور نہ ہی اِس کی مناسبت سے عید منانے کی شرعی طور پر اجازت ہے۔ عیدِ غدیر منانا دشمنانِ صحابہ کا شعار ہے اور اِس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔[1]

---

[1] مزید تفصیل کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ کے فیض یافتہ مفتی محمد انس رضا قادری صاحب کے ادارے: "الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی" کی طرف سے جاری شدہ فتویٰ بعنوان: "عیدِ غدیر کی شرعی حیثیت" ملاحظہ کریں۔

۲۳ ذوالحجہ ۱۴۴۶ھ / 20 جون 2025ء

صہیونی خطرات
اور
اُمّت کی ذمّہ داریاں

(ایران اسرائیل جنگ کے تناظر میں)

مشمولات

- صہیونیت کا پس منظر اور تعارف
- صہیونی مَظالم
- صہیونی عزائم و خطرات
- اُمّت کی ذمہ داری... باہمی تعلقات کا فروغ
- اُمّت کی ذمہ داری.... بھرپور طاقت کی تیاری
- اُمّت کی ذمہ داری... یہود و نصاریٰ سے قطع تعلّقی
- اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگنے اور ایسا کرنے والے کو دینے کا حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، أَمَّا بَعۡدُ فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

وَاَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ تُرۡہِبُوۡنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمۡ ... [الانفال 60:08]

ایک گھر سے لے کر شہر، صوبے اور ملک تک... امن و آشتی کی فضا تبھی قائم ہو سکتی ہے جب اُصول و قانون کی عمل داری ہو اور لوگ دوسروں کی حق تلفی سے گریز کریں۔ اگر کچھ لوگ مَن مانی کرنے لگیں اور قانون کو اہمیت نہ دیں تو ظاہر ہے امن کو خطرات لاحق ہوں گے اور سبھی کو اُس کے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔

یہی صورتِ حال بین الاقوامی سطح کی بھی ہے۔ اب تک دو عالَمی جنگوں میں آٹھ کروڑ افراد موت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اِن تباہ کُن جنگوں کا پس منظر بھی بعض ممالک کی مَن مانی اور غرور تھا، اُنھوں نے اُصولوں کو پسِ پُشت ڈالا تو نتائج پوری انسانیت کو بھگتنا پڑے۔

اِس وقت خدانخواستہ تیسری عالَمی جنگ کے خطرات بڑھ رہے ہیں، جس کے پیچھے امریکی سرپرستی میں "صہیونی دہشت گردی" کا بڑا ہاتھ ہے۔ صہیونی یہودی عالَمی قوانین کی دھجیاں اُڑا رہے ہیں، اُنھیں انٹرنیشنل کورٹس کے فیصلوں اور اقوامِ متّحدہ کی قراردادوں کی کوئی پرواہ نہیں، یہ اِدارے بھی اُن کے سامنے گویا بے بس ہیں۔ امریکہ اُن کی اندھی حمایت کر رہا ہے، جس کی کئی تازہ مثالیں ہیں:

- صہیونی غزّہ میں ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں... فلسطینیوں کی نسل کُشی کر رہے ہیں... عمر رسیدہ افراد، خواتین اور بچوں سمیت کوئی بھی ظلم سے محفوظ نہیں... حتّٰی کہ پناہ گزین کیمپوں میں کھانا یا پانی حاصل کرنے کے لیے قطاروں میں کھڑے افراد پر گولیاں چلا دی جاتی ہیں یا بم پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ تقریباً بیس ماہ سے جاری ہے اور ابھی کچھ معلوم نہیں کہ کب ختم ہو گا۔
- اِسی دوران عالَمی قوانین کی خلاف ورزیاں کرتے ہوئے صہیونی درندوں نے لبنان، یمن اور عراق میں بھی تباہی پھیلائی ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں سرحدوں میں گھس کر بمباری کر دیتے ہیں۔
- بشّار الاسد کی آمرانہ حکومت ختم ہوتے ہی دسمبر 2024ء میں اسرائیلی فوج نے بین الاقوامی اُصول پاؤں تلے روندتے ہوئے شام پر 300 فضائی حملے کیے اور شام کے تقریباً تمام دفاعی طیارے اور ہیلی کاپٹر زتباہ کر دیے، نیز گولان کی پہاڑیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔
- ابھی 13 جون 2025ء کو صہیونی انتہا پسندوں نے ایران کو ایٹمی طاقت بننے سے روکنے کے لیے اُس پر حملہ کر دیا اور جوہری تنصیبات کے ساتھ ساتھ اعلیٰ فوجی قیادت اور ایٹمی سائنس دانوں کو بھی نشانہ بنایا۔ اِس کھلی دہشت گردی کی امریکہ نہ صرف حمایت کر رہا ہے، بلکہ اسرائیل کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کی بھی دھمکیاں دے رہا ہے۔

حد یہ کہ اِن تمام مظالم کو صہیونی درندے اپنا "دفاعی حق" قرار دیتے ہیں اور اُن کے عزائم و منصوبے انتہائی خطرناک ہیں۔

اِن حالات میں اُمّتِ مسلمہ کی ذمّہ داری ہے کہ ہوش کے ناخن لے اور اسلامی ریاستوں کے تحفّظ کے لیے اجتماعی لائحہ عمل تشکیل دے۔ چنانچہ آج کا خطبہ "صہیونی خطرات اور اُمّت کی ذمہ داریاں" کے عنوان پر ہو گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

صہیونیت کا پس منظر اور تعارف

"صَہْیُوْنِیَّت / Zionism" کو مختصر الفاظ میں "انتہا پسند یہودی تحریک" کہا جاسکتا ہے۔ اِس کا پس منظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نبی سیدنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَات کو اللہ تعالیٰ نے یہ اِعزاز عطا فرمایا کہ آپ جلیل القدر نبی بھی تھے اور عظیم الشان بادشاہ بھی۔ آپ کے شہزادے سیدنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَات کو بھی ربِّ کریم نے نبوّت کے ساتھ ساتھ بے مثال بادشاہی عطا فرمائی۔ دونوں حضرات کی شاہی کا مرکز (دار الحکومت) بیت المقدس تھا۔ اُن کے وصال کے بعد بنی اسرائیل / یہودی اپنی فطرت کے مطابق سرکشی، ہٹ دھرمی، تکبُّر، نفاق اور بد عملی میں مبتلا ہوگئے اور سلطنتِ سیدنا داوٗد و سلیمان علیہما السلام زوال پذیر ہونے لگی۔

بنی اسرائیل نے اِس حد تک سرکشی کی کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَات کو شہید کیا۔ چنانچہ ربِّ کریم کا غضب ہوا اور سلطنتِ بابل کے بادشاہ بُخت نَصَّر نے بیت المقدس پر حملہ کرکے اُس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور یہودیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا۔ پھر حالات تبدیل ہوتے رہے اور صدیوں تک یہودی دُنیا بھر میں مارے مارے پھرتے رہے۔

1896ء میں انتہا پسند یہودی تھیوڈور ہرتزل نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "یہودی ریاست" تھا۔ پھر 1897ء کو سوئٹزرلینڈ میں پہلی صہیونی کانگریس کا اجلاس ہوا جس میں "صہیونی تحریک" کا باضابطہ آغاز کیا گیا۔ صہیونیوں نے اپنے یہودی عوام کو یہ سوچ دی کہ بیت المقدس سیدنا داوٗد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام کی سلطنت کا دار الحکومت تھا اور ہماری کتابوں میں اِس سرزمین کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے؛ لہٰذا دُنیا بھر کے یہودیوں کو یہاں جمع ہونا چاہیے؛ تاکہ بیت المقدس میں ایک یہودی ریاست قائم کی جاسکے۔

اُس وقت فلسطین سلطنتِ عثمانیہ میں شامل تھا اور اِس غیرت مند سلطنت کے ہوتے ہوئے صہیونیوں کے لیے اپنا منصوبہ پورا کرنا ناممکن تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سازشیں شروع کیں۔ 1917ء میں صہیونیوں نے برطانوی سامراج کے ساتھ معاہدہ کیا کہ یہودی برطانیہ کی حمایت کریں گے، اِس کے عوض برطانیہ فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے کے لیے تعاون کرے گا، اِسے "معاہدہ بالفور" کہا جاتا ہے۔ اِس معاہدے کے مطابق دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے پر برطانیہ نے سلطنتِ عثمانیہ کو تقریباً 62 ممالک اور حصوں میں تقسیم کیا اور فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنا شروع کر دیا۔

دوسری جنگِ عظیم میں ہٹلر نے یہودیوں کو خوب سبق سکھایا، مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ نومبر 1947ء میں اقوامِ متحدہ نے امریکہ اور برطانیہ کی سرپرستی میں یہ منصوبہ منظور کیا کہ فلسطین کے 56 فیصد رقبہ پر نئی یہودی ریاست قائم کر دی جائے، حالانکہ اُس وقت یہودی فلسطین کی آبادی کا صرف 33 فیصد تھے۔ چنانچہ 14 مئی 1948ء کو شیطانی ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

یہ صہیونی تحریک کا ابتدائی خاکہ و تعارف ہے، اُن کے مظالم کی داستان بہت طویل ہے اور منصوبے نہایت خطرناک ہیں۔

صہیونی مَظالم

اگرچہ صہیونی دُنیا کے سامنے خود کو مظلوم بنا کر پیش کرتے ہیں اور یہ باوَر کرواتے ہیں کہ صہیونیت ایک سیاسی تحریک ہے، مگر تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اِس حقیقت سے آگاہ ہے کہ صہیونی یہودی نہ صرف انتہا پسند، بلکہ بے لگام دہشت گرد ہیں اور اُنھوں نے ہمیشہ اخلاقی اُصولوں اور عالَمی قوانین کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے ظلم کی حد پار کی ہے، مثلاً:

⟸ 14 مئی 1948ء کو صہیونیوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا اور اُس کے اگلے ہی دن 15 مئی 1948ء کو ظلم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پندرہ مہینوں تک جاری رہنے والے اِن مظالم میں تقریباً آٹھ لاکھ فلسطینیوں کو اُن کی آبائی زمینوں سے جبری طور پر بے دخل کیا، ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا اور 500 سے زیادہ دیہات تباہ کیے۔ فلسطینی مسلمان اب بھی ہر سال 15 مئی کو یَوْمِ نَکْبَہ مناتے ہیں، جس میں اپنے آبائی گھروں کی چابیاں اور دیگر چیزیں دُنیا کو دکھا کر یہ یاد دلاتے ہیں کہ اِس سرزمین کے اصل مالک ہم ہیں۔[1]

⟸ 05 جون 1967ء کو اسرائیلی درندوں نے امریکی سرپرستی میں مصر پر حملہ کیا، یہ ظلم چھ دن جاری رہا۔ اِس میں 21 ہزار عرب فوجی شہید اور 45 ہزار زخمی ہوئے۔ صہیونیوں نے عالَمی قوانین کو پاؤں کے نیچے روندتے ہوئے مصر، شام اور اُردن کی فضائی طاقت ختم کرنے کے لیے 400 طیارے تباہ کیے۔ مصر کے زیرِ انتظام غزّہ اور صحرائے سینا، اُردن کے زیرِ انتظام بیت المقدس کے مغربی حصّے اور شام میں شامل گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرتے ہوئے 1948ء سے بھی چار گنا زیادہ علاقہ ناجائز طور پر ہتھیا لیا تھا۔ اِس جنگ میں عرب فوج سے تعاوُن کے لیے پاکستانی فضائیہ نے بھی شرکت کی تھی اور تین اسرائیلی جہازوں کو مار گرایا تھا۔[2]

⟸ 07 جون 1981ء کو یہودی دہشت گردوں نے عراق کے جوہری ری ایکٹر / Nuclear Reactor پر فضائی حملہ کر کے اُسے تباہ کر دیا تھا؛ تاکہ عراق ایٹمی طاقت نہ بن سکے۔

⟸ 1967ء سے غزّہ پر اسرائیل کا ناجائز قبضہ تھا، ایک معاہدے کے تحت 2005ء میں اسرائیلی فوج نے اِسے ختم کر دیا۔ پھر یہاں حماس کی حکومت قائم ہونے کے بعد 14 جون 2007ء سے صہیونی انتہا پسندوں نے غزہ کی فضائی، زمینی اور سمندری ناکا بندی کر رکھی ہے۔ یہاں آباد تقریباً بیس لاکھ افراد دُنیا کی سب سے بڑی جیل میں رہتے ہیں۔ اب 07 اکتوبر 2023ء کے بعد سے یہاں ظلم کی انتہا کر دی ہے، تاحال 55,000 افراد شہید ہو چکے ہیں اور دُنیا تماشا دیکھ رہی ہے۔

یہ صہیونی مظالم کے چند واقعات کا ذکر ہے، اُن کی دہشت گردی کے بے شمار واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں اور ظلم و ستم کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ایران پر حملہ اِس کی تازہ مثال ہے۔

---

[1] انٹرنیٹ پر "یومِ نکبہ" یا "1948ء کی عرب اسرائیل جنگ" لکھ کر مزید معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

[2] مزید تفصیلات کے لیے انٹرنیٹ پر "چھ روزہ جنگ" یا "تیسری عرب اسرائیل جنگ" لکھ کر تلاش کیجیے!

صہیونی عزائم و خطرات

ظلم و زیادتی کرنا اور لوگوں کو ناحق قتل کرنا، حتّٰی کہ انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیمَات کو شہید کرنا یہودیوں کی پرانی ریت ہے؛ اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن پر سخت غضب فرمایا اور انبیائے کرام علیہم السلام نے اُن پر لعنت فرمائی۔ ارشادِ ربّانی ہے:

لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّکَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ۔ ”بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا اُن پر داوٗد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی؛ یہ سزا ہے اِس بات کی کہ اُنھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔“[المائدۃ 78:05]

ایک اور مقام پر باری تعالیٰ نے فرمایا: فَبِمَا نَقۡضِہِمۡ مِّیۡثَاقَہُمۡ لَعَنّٰہُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوۡبَہُمۡ قٰسِیَۃً۔ یعنی ”تو اُن کے عہدِ الٰہی توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دل سخت کر دیے۔“

ذہن میں آسکتا ہے کہ یہ تو پہلے دَور کے یہودیوں کے کرتوتوں کی سزا تھی، صہیونیوں کی صورتِ حال اُن سے مختلف ہے... اِس حوالے سے معلوم ہونا چاہیے کہ خالقِ کریم نے اِسی آیت میں یہ بھی بتادیا کہ یہودیوں کی بُری حرکتیں کبھی بھی تبدیل نہیں ہوں گی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنۡہُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ۔ ”اور تم اُن میں سے چند ایک (جو ایمان لے آئے) کے علاوہ سب کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہو گے۔“[المائدۃ 13:5]

ابھی چند ایسے مظالم کا ذکر کیا گیا جو سامنے آچکے ہیں، صہیونی یہودیوں کے عزائم و منصوبے اِن سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، مثلاً:

- اُن کا منصوبہ ”گریٹر اسرائیل“ یعنی ایک بہت بڑی یہودی سلطنت قائم کرنا ہے۔ چھ جنوری 2025ء کو پھر سے سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر گریٹر اسرائیل کا نقشہ جاری کیا گیا، جس میں فلسطین، شام، لبنان اور اُردن کے علاقوں کے ساتھ ساتھ مکّہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ کو بھی اسرائیل کا حصہ دکھایا گیا۔ اُن کا منصوبہ ہے کہ وہ اِن تمام ممالک پر ظالمانہ طریقے سے قبضہ کرکے اِنھیں ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل کا حصہ بنائیں گے۔
- وہ ہمارے قبلۂ اوّل مسجدِ اقصیٰ کو شہید کرکے اُس کی جگہ ہیکلِ سلیمانی (Solomon's Temple) تعمیر کرنا چاہتے ہیں؛ اِسی وجہ سے وہ وقتاً فوقتاً مسجدِ اقصیٰ کی عمارت کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔
- صہیونی منصوبہ ہے کہ عالَمی میڈیا پر کنٹرول رکھا جائے، یوں ہی عالَمی معاشی، مالیاتی اور تعلیمی ادارے بھی صہیونیوں کے زیرِ اثر ہوں؛ تاکہ میڈیا اُن کے مظالم کو نہ دکھائے، تعلیمی اداروں کے ذریعے وہ نئی نسل کی اپنی مرضی کے مطابق ذہن سازی کر سکیں اور مالیاتی اداروں کے ذریعے کمزور ممالک پر دباؤ ڈال سکیں۔

حالات پر نظر رکھنے والے افراد بخوبی جانتے ہیں کہ صہیونیوں کے اِن عزائم کے اثرات کسی حد تک دکھائی بھی دے رہے ہیں۔

اُمّت کی ذمہ داری... باہمی تعلقات کا فروغ

صہیونی یہودیوں کے مظالم اور اُن کے عزائم جاننے کے بعد سب سے اہم بات یہ ہے کہ اِس صورتِ حال میں اُمّتِ مسلمہ کو کیا کرنا چاہیے؟ اِس کے جواب میں لمبی چوڑی تحقیقات کے بجائے فقط ایک جملہ ہی کہہ دیا جائے تو کافی ہے۔ وہ یہ ہے کہ "قرآن وسنت میں یہود ونصاریٰ کے حوالے سے مسلمانوں کو جو احکام دیے گئے ہیں اُن پر عمل کرنا چاہیے"۔ اگر مسلمان یہ ایک بات پلّے باندھ لیں تو دونوں جہان میں کامیاب ہوں گے اور صہیونی اُلٹے ہو کر بھی اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، ورنہ حالات کا رُخ بہت خطرناک سَمت میں ہے۔

قرآنی حکم کے مطابق صہیونی خطرات سے نمٹنے کے لیے اسلامی ممالک کی اہم ذمہ داری ہے کہ باہمی تعلقات کو فروغ دیں اور غیروں پر اعتماد کے بجائے اپنوں سے روابط بڑھائیں، دوسرے مسلمانوں کے دُکھ درد کو اپنا درد سمجھیں اور اُن کی خیر خواہی کریں۔

اِس وقت امریکہ اور صہیونی جس ملک پر چاہیں چڑھ دَوڑتے ہیں، افغانستان سے ایران تک... گزشتہ دو دہائیوں میں کتنے خطوں پر اُنھوں نے حملے کیے! آخر وہ اتنے بے لگام کیوں ہیں؟ صرف اِسی لیے کہ ایک اسلامی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو دوسرے اُس کے ساتھ کھڑے نہیں ہوتے، اپنے اپنے مفادات کا تحفّظ کرتے ہیں... آخر کب تک اُمّت اِس طرح اپنوں کا خون بہتا دیکھتی رہے گی اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر اسلامی ممالک نے باہمی روابط کو مضبوط نہ کیا تو خدانخواستہ مزید ملکوں کی بھی باری آسکتی ہے!

سیدنا جابر بن عبد اللہ اور سیدنا ابو طلحہ زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَا مِنِ امْرِئٍ يَخْذُلُ امْرَأً مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ تُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ وَيُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ إِلَّا خَذَلَهُ اللهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ۔ "جو شخص (طاقت وقدرت کے باوجود) کسی مسلمان کو ایسی جگہ بے یار ومددگار چھوڑے جہاں اُس کی بے عزتی کی جارہی ہو اور اُس کی آبرو کو پامال کیا جارہا ہو (اُسے ظالم سے نہ بچائے اور اُس کی مدد نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ اِسے (دُنیا وآخرت میں) ایسی جگہ ذلیل فرمائے گا جہاں یہ اپنی مدد چاہتا ہو گا۔" (سننِ ابو داؤد، حدیث: 4884)

ہماری دُعا ہے کہ حالیہ جنگ میں اسرائیل ذلیل ورُسوا ہو اور نشانِ عبرت بنے، مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ ایران نے گزشتہ دہائیوں میں "حُبِّ اہلِ بیت" کے نام پر شام، عراق، یمن، لبنان سمیت مختلف خطوں میں فرقہ واریت کو ہوا دی، عرب ممالک سے تناؤ اختیار کیا اور تمام تر وسائل کو پراکسیز (Proxies / آلہ کار تنظیمیں) تیار کرنے پر صَرف کیا، مثلاً: پاکستان میں سپاہِ محمد... شام میں لِوَاءُ الزَّيْنَبِيّون... عراق میں اَلْحَشْدُ الشَّعْبِی... افغانستان میں لواءِ فاطمیون... لبنان میں حزب اللہ... اور یمن میں اَنصار اللہ (حُوثی ملیشیا)۔

اسرائیل کے ساتھ جنگ میں کامیابی کے بعد ایران کو اپنی اِس پالیسی پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے پوری توجّہ اپنی فضائی قوّت کو مضبوط کرنے اور ملک میں موجود غدّاروں کو تلاش کرنے پر دینی چاہیے۔ نیز دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ روابط کو مضبوط کرنا چاہیے۔

اُمّت کی ذمہ داری.... بھرپور طاقت کی تیاری

قرآن وسنّت میں مسلمانوں کو تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگی ہتھیار، اسلحہ اور طاقت بھرپور طریقے سے تیار رکھیں؛ تاکہ کوئی بھی دشمن اُن کی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ... یعنی ”مسلمانو! کفار کے خلاف جتنی قوّت ہو سکے تیار رکھو! اور جتنے گھوڑے باندھ سکو باندھو! تاکہ اِس تیاری کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کرو۔“ [الانفال 60:08]

ایٹمی طاقت حاصل کرنا نہ صرف ایران کا قانونی حق ہے، بلکہ اِس آیتِ قرآنی کے مطابق مذہبی فریضہ بھی ہے۔ صرف ایران ہی نہیں، تمام مسلم ممالک کو جوہری قوّت اور جدید ہتھیار حاصل کرنے چاہییں۔

تاریخ کے مطالعہ سے اِس آیتِ کریمہ پر عمل کی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ چند نکات پر غور کیجیے:

⟸ پاکستان کو ایٹمی طاقت بننے سے روکنے کے لیے امریکہ، اسرائیل اور بھارت نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا، بلکہ 1981ء میں اسرائیل نے کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری پر حملے کے لیے منصوبہ بندی بھی کی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تمام سازشیں ناکام ہوئیں اور پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا۔ اب بھارت اور اسرائیل گٹھ جوڑ کو پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی بھی جرأت نہیں اور رحمتِ الٰہی سے آپریشن بنیانٌ مّرصوص کے بعد دشمن کی آنکھیں اور زیادہ کھل گئی ہیں۔

⟸ امریکہ نے 2003ء میں عراق پر حملہ کیا، صدر سیّد صدام حسین علیہ الرحمہ کا جُرم فقط یہی تھا کہ اُن کے پاس مقابلے کے لیے طاقت نہیں تھی؛ کیونکہ 1981ء میں اُن کے ایٹمی ری ایکٹر کو اسرائیلی درندے تباہ کر چکے تھے۔ امریکہ نے الزام لگایا تھا کہ عراق کے پاس تباہ کُن ہتھیار ہیں، مگر بعد میں ثابت ہوا کہ سب جھوٹ تھا اور اصل وجہ ”جُرمِ ضعیفی“ تھی۔

⟸ 2003ء میں کرنل معمّر قذافی علیہ الرحمہ نے دباؤ میں آکر اپنا ایٹمی پروگرام بند کر دیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ 2011ء میں نیٹو افواج نے لیبیا پر حملہ کر دیا اور قذافی بھی شہید ہو گئے۔

⟸ 2014ء میں امریکہ نے شام پر حملہ کیا۔ اب تک صورتِ حال یہ ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور رُوس میں سے جو چاہے اور جب چاہے اپنے اپنے مفادات کے لیے بمباری کر دیتا ہے؛ کیونکہ شام کے پاس اپنے دفاع کے لیے بھرپور قوّت نہیں ہے اور شامی فضائی قوّت کو گزشتہ سال دسمبر میں اسرائیل تباہ کر چکا ہے۔

اِن کے علاوہ افغانستان، یمن، لبنان اور دیگر ممالک کے حالات بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان برحق ہے اور تمام مسلم ممالک کو صہیونیوں اور دیگر دشمنانِ اسلام کے خلاف بھرپور طاقت تیار کرنی چاہیے۔

اُمّت کی ذمہ داری... یہود و نصاریٰ سے قطع تعلّقی

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم ﷺ نے اِس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ یہود اور مشرکین تمہارے بدترین دُشمن ہیں؛ لہٰذا تم اُن کے شر سے بچ کر رہنا!... مگر افسوس کہ اُمّت نے اِس حقیقت سے جان بوجھ کر آنکھیں پھیریں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائیں... اِس کا نتیجہ ہمیشہ وہی نکلا جو دُشمن کو دوست سمجھنے کا نکلتا ہے۔

یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔

"ضرور تم مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والا یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔" [المائدۃ 82:05]

پھر ربِّ کریم نے یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ خالقِ کریم کا ارشادِ گرامی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ... "اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست مت بنانا! وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔" [المائدۃ 51:05]

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کا انجام ہمیشہ رُسوائی ہی ہوا ہے... ماضی کو چھوڑیے! فقط موجودہ حالات کو ہی دیکھ لیجیے! امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ تعاوُن کا نتیجہ ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، وہ ہم سے ہی سرمایہ حاصل کرتے ہیں اور پھر ہمیں ہی آنکھیں دکھاتے ہیں۔

اگر انسان ٹھوکر کھانے کے بعد سنبھل جائے تو بھی اچھی بات ہے، لیکن مسلسل نقصان اُٹھانے کے باوجود بھی اپنی رَوِش تبدیل نہ کرے تو اِس سے بڑی حماقت کیا ہو سکتی ہے۔ اِس وقت اُمّتِ مسلمہ کا حال یہ ہے کہ نَوبت یہاں تک پہنچنے کے بعد بھی عبرت حاصل نہیں ہوئی۔ متعدّد اسلامی ممالک اپنے مفادات کے لیے اب بھی ناجائز ریاست اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، بلکہ اُنھیں مزید بڑھانا چاہتے ہیں۔

اسرائیل اسلامی ممالک کے ساتھ تجارت، دفاع، توانائی اور دیگر شعبوں میں تعلقات کے ذریعے اتنا بڑا سرمایہ حاصل کرتا ہے کہ اُس کے بارے سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ اعداد و شمار کے مطابق اسرائیل فقط اسلامی ممالک سے سالانہ تقریباً بارہ ارب ڈالر کماتا ہے.... پھر اِسی سرمائے سے بم بنا کر مسلم ممالک پر برساتا ہے۔[1]

اسلامی حکومتوں کے ساتھ ساتھ ہماری بھی ذمّے داری ہے کہ اگر حکمران غیّور نہیں بنتے تو کم از کم ہم اپنے طور پر دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کو مالی تعاوُن فراہم کرنے والی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں۔

---

[1] اِس حوالے سے متعدد تحقیقی مضامین انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔

حرفِ آخر: صہیونی دہشت گردی کے سدِّباب کے لیے اُمّت کا کردار

دُنیا جنگوں کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر ہے اور تیسری عالَمی جنگ کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ امریکہ کی سرپرستی میں صہیونی دہشت گردوں کے عزائم بین الاقوامی امن کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔ ابھی غزّہ میں درندگی کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اُنھوں نے عالَمی قوانین کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے گزشتہ جمعۃ المبارک کو اسلامی جمہوریہ ایران پر حملہ کر دیا اور ایران کی جوہری تنصیبات کے ساتھ ساتھ اعلیٰ فوجی قیادت اور ایٹمی سائنس دانوں کو بھی نشانہ بنایا۔

پاکستان نے دوٹوک الفاظ میں اِس حملے کی مذمت کی اور اِسے بلاجواز قرار دیا۔ یہ موقف بین الاقوامی اُصولوں کے مطابق ہے اور مذہبی جذبات کا بھی ترجمان ہے۔

موجودہ عالَمی حالات میں اُمّتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ آج کے خطبہ میں اِسی حوالے سے کچھ باتوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ چند اہم نکات یہ ہیں:

❖ ”صَہیُونِیَّت / Zionism“ ایک انتہاپسند یہودی تحریک ہے، جو 1897ء میں قائم ہوئی۔ اِس تحریک کے بنیادی مقاصد یہ ہیں:

i. بیت المقدس میں یہودی ریاست کو قائم کرنا۔ 1948ء میں فلسطینیوں کو اُن کی آبائی زمینوں سے بے دخل کر کے اسرائیل کے نام سے وہ ایک شیطانی ریاست قائم کر چکے ہیں اور اب تک ناجائز قبضے کے ذریعے غیر قانونی یہودی بستیوں کو آباد کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ غزّہ میں ہونے والی دہشت گردی بھی ظالمانہ قبضہ بڑھانے کے لیے ہی ہے۔

ii. ”گریٹر اسرائیل“ یعنی ایک بہت بڑی یہودی سلطنت قائم کرنا۔ اِس ناپاک منصوبے کے مطابق صہیونی فلسطین، شام، لبنان اور اُردن کے علاقوں کے ساتھ ساتھ مکّہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ کو بھی غیر قانونی قبضے کے ذریعے ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل کا حصہ بنائیں گے۔ ایران پر حملہ بھی اِسی منصوبے کے تحت کیا گیا ہے۔

iii. مسجدِ اقصیٰ کو شہید کر کے اُس کی جگہ ہیکلِ سلیمانی (Solomon's Temple) تعمیر کرنا؛ اِسی وجہ سے وہ وقتاً فوقتاً مسجدِ اقصیٰ کی عمارت کو نقصان بھی پہنچاتے رہتے ہیں۔

iv. عالَمی میڈیا پر کنٹرول رکھنا، یوں ہی عالَمی معاشی، مالیاتی اور تعلیمی ادارے بھی صہیونیوں کے زیرِ اثر لانا؛ تاکہ میڈیا اُن کے مظالم کو نہ دکھائے، تعلیمی اداروں کے ذریعے وہ نئی نسل کی اپنی مرضی کے مطابق ذہن سازی کر سکیں اور مالیاتی اداروں کے ذریعے کمزور ممالک پر دباؤ ڈال سکیں۔

اِن ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے صہیونیوں نے کئی اسلامی ممالک پر جنگ مسلّط کی ہے، وہ اب تک تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کو شہید کر چکے ہیں اور تیز رفتاری کے ساتھ اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اِن حالات میں اُمّتِ مسلمہ، خصوصًا مسلم حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ:

❖ دشمنانِ اسلام کے خلاف بھرپور طریقے سے طاقت تیار کریں۔ عرب ممالک اپنی بے پناہ دَولت کو عیّاشیوں پر صَرف کرنے کے بجائے اُس کے ذریعے جدید ہتھیار حاصل کریں اور ایران سمیت سبھی ایٹمی پاور بنیں۔ یہ قرآنی حکم بھی ہے اور حالات کا تقاضا بھی۔ شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمہ نے خوب کہا تھا:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتوٰی ہے ازل سے
ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مُفاجات!

❖ مسلم ممالک باہمی بھائی چارے کو فروغ دیں اور دوسرے مسلمانوں کے دُکھ درد کو اپنا درد سمجھیں۔ اگر سب اپنے اپنے مفادات کے پیچھے ہی پڑے رہے تو باری باری سب کو نشانہ بنایا جائے گا اور کب تک اپنوں کا خون بہتا دیکھیں گے!

❖ کیا اُمّتِ مسلمہ گزشتہ دہائیوں میں مختلف مسلم ممالک پر حملوں کے بعد بھی اقوامِ متّحدہ یا دیگر اداروں سے یہ توقّع رکھتی ہے کہ وہ ہمارے اُوپر ہونے والے ظلم کو روکیں گے؟ ہرگز نہیں! اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔

❖ یہود و نصارٰی مسلمانوں کے دشمن تھے، ہیں اور رہیں گے۔ یہ قرآنِ مجید کا فیصلہ ہے۔ اُمّت نے اِس کو نہ سمجھا اور یہود و نصارٰی سے دوستیاں بڑھائیں، جس کا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ اسرائیل مسلم ممالک کے ساتھ تجارت وغیرہ سے سالانہ اربوں ڈالر سرمایہ حاصل کرتا ہے اور اُن سے اسلحہ تیار کر کے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ اُمّت کو ہوش کے ناخن لیتے ہوئے یہود و نصارٰی کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے اور اپنوں سے دوستیاں بڑھانی چاہییں۔

❖ یہ طے شدہ بات ہے کہ اُمّت کا وقار اللہ تعالٰی کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے میں ہے۔ اگر اِس حقیقت کو نہ سمجھا تو حالات معاذ اللہ مزید گھمبیر ہو سکتے ہیں۔

شرعی مسئلہ: اللہ تعالٰی کا واسطہ دے کر یا اللہ کریم کے نام پر صرف اُخروی چیز کا سوال کیا جا سکتا ہے، دُنیاوی چیز مانگنے کے لیے اللہ کا واسطہ دینا درست نہیں۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالٰی کا واسطہ دے کر یا اللہ کریم کے نام پر دنیاوی چیز مانگے تو چند صورتیں ہیں:

i. غیر مستحق شخص (جس کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو یا اتنا کمانے پر قادر ہو) اپنے لیے مانگے تو اس کا مانگنا اور اُسے دینا... دونوں کام ناجائز و گناہ ہیں۔

ii. مستحق شخص مانگے اور اُسے دینے میں کوئی دینی یا دنیاوی حرج نہ ہو تو دے دینا مستحب ہے، اِس کی حدیثِ پاک میں تاکید ہے۔

iii. مستحق شخص مانگے اور اُسے دینے میں کوئی حرج ہو تو دینے سے انکار کیا جا سکتا ہے۔

(دیکھیے فتاوٰی رضویہ، ج:25، ص:215۔ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ۔ بہارِ شریعت، ج:1(ب)، ح:5، ص:945، مکتبۃ المدینہ)

مصادر و مراجع

⇐ القرآن الکریم

⇐ ابلق گھوڑے سوار، مولانا محمد الیاس عطار قادری (پ:1950ء)، مکتبۃ المدینہ

⇐ إحیاء علوم الدین (احیاء العلوم)، امام ابو حامد محمد غزالی (م:۵۰۵ھ)، دار المعرفۃ

⇐ الأخبار الطوال، ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری (م:۲۸۲ھ)، دار إحیاء التراث العربی

⇐ الإخوان، ابو محمد عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا بغدادی (م:۲۸۱ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ الأدب المفرد، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م:۲۵۶ھ)، مکتبۃ المعارف

⇐ الأدب لابن أبی شیبۃ، امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد ابنِ ابی شیبہ کوفی (م:۲۳۵ھ)، دار البشائر الإسلامیۃ

⇐ إرشاد الساری شرح صحیح البخاری، شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی (م:۹۲۳ھ)، المطبعۃ الکبرٰی الأمیریۃ، مصر

⇐ إرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم [تفسیرِ ابو السعود]، ابو السعود محمد بن محمد عمادی (م:۹۸۲ھ)، دار احیاء التراث العربی

⇐ أسباب نزول القرآن، ابو الحسن علی بن احمد واحدی، (م:۴۶۸ھ)، دار الاصلاح

⇐ الإستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، ابو عمر یوسف ابن عبد البر نمری قرطبی (م:۴۶۳ھ)، دار الجیل

⇐ أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، عز الدین ابو حسین علی بن محمد جزری ابن الأثیر (م:۶۳۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ اسلامی اخلاق و آداب، صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (م:۱۳۶۷ھ / 1948ء)، مکتبۃ المدینہ

⇐ اسلامی تبرکات میں ملاوٹ، از مولانا سید زعیم الدین نعیمی، ادارہ سوادِ اعظم، لاہور

⇐ الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، شہاب الدین ابو الفضل احمد ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ اظہار الحق الجلی، امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی (م:1921ء)، مکتبۃ المدینہ

⇐ الاعتقاد و الھدایۃ إلی سبیل الرشاد، امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، دار الآفاق الجدیدۃ

⇐ الاکتفاء بما تضمّنہ من مغازی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم و الثلاثۃ الخلفاء، ابو الربیع سلیمان بن موسٰی کلاعی (م:۶۳۴ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ إنجاح الحاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ، محمد عبد الغنی مجددی حنفی (م:۱۲۹۶ھ)، قدیمی کتب خانہ

⇐ الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف، امام المحدثین ابو عبد العزیز احمد بن عبد الرحیم فاروقی المعروف شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی (م:۱۱۷۶ھ)، دار النفائس

⇐ أنموذج جلیل فی أسئلة وأجوبة عن غرائب آی التنزیل، زین الدین ابو عبد اللہ محمد رازی (م:۶۶۶ھ)، دار عالم الکتب

⇐ أنوار التنزیل وأسرار التأویل [تفسیرِ بیضاوی]، ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی (م:۶۸۵ھ)، دار احیاء التراث

⇐ اوراقِ گم گشتہ، ڈاکٹر رحیم بخش شاہین (م:1998ء)، مرکزی مکتبہ اسلامی

⇐ البدایة والنهایة، ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی (م:۷۷۴ھ)، دار احیاء التراث

⇐ بہارِ شریعت، صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (م:۱۳۶۷ھ / 1948ء)، مکتبۃ المدینہ

⇐ بهجة الأسرار ومعدن الأنوار، ابو الحسن علی بن یوسف شطنوفی (م:۷۱۳ھ)، مؤسسۃ الشرف

⇐ بھینس کی قربانی، رئیس التحریر مفتی فیض احمد اویسی (م:2010ء)

⇐ پیر پیغمبر چھ ستمبر، رئیس التحریر مفتی فیض احمد اویسی (م:2010ء)

⇐ تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد ذہبی (م:۷۴۸ھ)، دار الغرب الاسلامی

⇐ تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس النفیس، امام محمد بن حسین بکری (م:۹۶۶ھ)، دار صادر

⇐ تاریخ الرسل والملوك [تاریخ طبری]، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (م:۳۱۰ھ)، دار المعارف

⇐ التاریخ الکبیر، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م:۲۵۶ھ)، دائرۃ المعارف العثمانیۃ

⇐ تاریخ المدینة، ابو زید عمر بن شبۃ نمیری بصری (م:۲۶۲ھ)، دار الفکر

⇐ تاریخ بغداد، ابو بکر احمد بن علی خطیبِ بغدادی (م:۴۶۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ تاریخ مدینة دمشق، ثقۃ الدین ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر (م:۵۷۱ھ)، دار الفکر

⇐ تأویلات أهل السنة [تفسیر الماتریدی]، امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی (م:۳۳۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ تبیان القرآن، علامہ مفتی غلام رسول سعیدی (م:2016ء)، فرید بک سٹال

⇐ تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر مسعود احمد نقشبندی (م:2008ء)، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

⇐ تحریکِ پاکستان میں علماء ومشائخ کا کردار، مولانا محمد صادق قصوری (م:2003ء)، تحریکِ پاکستان ورکرز ٹرسٹ

⇐ تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تا علامہ شاہ احمد نورانی، محمد احمد ترازی، اُفق پبلی کیشنز

⇐ التدوین فی أخبار قزوین، ابو القاسم عبد الکریم بن محمد رافعی قزوینی (م:۶۲۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ تذکرۃ الاولیاء، ابو حامد فرید الدین محمد عطار نیشاپوری، مطبع فخر المطابع
⇐ الترغیب والترھیب، زکی الدین عبد العظیم منذری (م:۶۵۶ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ تفسیر القرآن العظیم [تفسیرِ ابن ابی حاتم]، ابو محمد عبد الرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم تمیمی رازی (م:۳۲۷ھ)، مکتبۃ نزار مصطفیٰ
⇐ تفسیر القرآن العظیم [تفسیرِ ابن کثیر]، ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی (م:۷۷۴ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ تفسیرِ خزائن العرفان، صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی (م:۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ تفہیم المسائل، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن (پ:1945ء)، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
⇐ التنویر شرح الجامع الصغیر، امیر ابو ابراہیم محمد بن اسماعیل حسنی کحلانی (م:۱۱۸۲ھ)، مکتبۃ دار السلام
⇐ التیسیر بشرح الجامع الصغیر، زین الدین محمد عبد الرؤوف مناوی (م:۱۰۳۱ھ)، مکتبۃ الإمام الشافعی
⇐ الثقات، ابو الحسن احمد بن عبد اللہ عجلی (م:۲۶۱ھ)، مکتبۃ الدار
⇐ الثقات، ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی (م:۳۵۴ھ)، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد، دکن
⇐ جامع الأحادیث، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی (م:۹۱۱ھ)، مکتبۃ الشاملۃ
⇐ جامع البیان عن تأویل آی القرآن [تفسیرِ طبری]، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (م:۳۱۰ھ)، دار ہجر
⇐ الجامع الصغیر، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی (م:۹۱۱ھ)، المکتبۃ الشاملۃ
⇐ الجامع الکبیر [جمع الجوامع]، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی (م:۹۱۱ھ)، الازہر الشریف
⇐ جامع بیان العلم وفضلہ، ابو عمر یوسف بن عبد البرّ (م:۴۶۳ھ)، دار ابن الجوزی
⇐ جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م:۲۷۹ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ
⇐ الجامع فی السنن والآداب والمغازی والتاریخ، ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید قیروانی (م:۳۸۶ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ الجامع لأحکام القرآن [تفسیرِ قرطبی]، ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی (م:۶۷۱ھ)، دار الکتب المصریۃ
⇐ جدّ الممتار علی ردّ المحتار، امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی (م:1921ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ الجواھر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ، ابو الوفاء محمد بن محمد قرشی (م:۷۷۵ھ)، میر محمد کتب خانہ
⇐ چند واقعاتِ کربلا کا تحقیقی جائزہ، عبدِ مصطفیٰ محمد صابر قادری، عبد مصطفیٰ آفیشل
⇐ حدائقِ بخشش (نعتیہ دیوان)، امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی (م:1921ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی (م:۴۳۰ھ)، مطبعۃ السعادۃ

⇐ خطباتِ آل انڈیا سنی کانفرنس، مفتی محمد جلال الدین قادری (م:2008ء)، مکتبہ رضویہ، گجرات
⇐ خلاصہ شرح معانی الآثار، مولانا شکور احمد ضیاء سیالوی (پ:1986ء)، بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ
⇐ الخیرات الحسان، شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی (م:۹۷۴ھ)، ایچ۔ایم۔سعید کمپنی
⇐ الدرّ المنثور فی التفسیر بالمأثور، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی (م:۹۱۱ھ)، دار الفکر
⇐ دلائل النبوۃ، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ دلائل النبوۃ، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی (م:۴۳۰ھ)، دار النفائس
⇐ دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، محمد علی بن شافعی صدیقی (م:۱۰۵۷ھ)، دار المعرفۃ
⇐ دیوانِ سالک، حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی (م:1971ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، محب الدین احمد بن عبد اللہ طبری، (م:۶۹۴ھ)، دار الکتب المصریۃ
⇐ ذمّ الھوٰی، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی (م:۵۹۷ھ)، مطبعۃ السعادۃ
⇐ ردّ المحتار علی الدرّ المختار، سید محمد امین ابن عابدین شامی (م:۱۲۵۲ھ)، دار المعرفۃ
⇐ الرسالۃ القشیریۃ، شیخ عبد الکریم بن ہوازن قشیری (م:۴۶۵ھ)، دار المعارف
⇐ رسائل ابن عربی، امام محی الدین ابو بکر محمد بن علی ابن عربی (م:۶۳۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ روح البیان، ابو الفداء اسماعیل حقی بن مصطفیٰ حنفی (م:۱۱۲۷ھ)، دار الفکر
⇐ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی حنفی (م:۱۲۷۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ روزگارِ فقیر، فقیر سید وحید الدین (م:1968ء)، دفتر ناشر: فقیر سپنگ ملز لمیٹڈ
⇐ روض الریّاحین فی حکایات الصالحین، عفیف الدین ابو السعادات عبد اللہ بن اسعد یافعی (م:۷۶۸ھ)، مکتبۃ زہران
⇐ الروضتین فی أخبار الدولتین: النوریۃ والصلاحیۃ، شہاب الدین ابو القاسم عبد الرحمٰن دمشقی، (م:۶۶۵ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، محمد بن ابو بکر ابن قیم جوزیہ (م:۷۵۱)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ الزھد الکبیر، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ
⇐ الزھد والرقائق، شیخ الاسلام عبد اللہ بن مبارک مروزی (م:۱۸۱ھ)، ناشر: محمد عفیف زعبی
⇐ الزھد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م:۲۷۵ھ)، دار المشکاۃ للنشر والتوزیع

⇐ الزھد، امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (م: ۲۴۱ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ سازشوں کا دیباچہ، ایڈووکیٹ رائے محمد کمال، زاویہ

⇐ سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، شیخ محمد بن یوسف صالحی شامی (م: ۹۴۲ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ السنّۃ، ابو بکر احمد بن عمرو ابن أبی عاصم شیبانی (م: ۲۸۷ھ)، المکتب الاسلامی

⇐ سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (م: ۲۷۳ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ

⇐ سنن ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م: ۲۷۵ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ

⇐ سنن سعید بن منصور، ابو عثمان سعید بن منصور جوزجانی (م: ۲۲۷ھ)، دار الألوکۃ

⇐ سنن کبریٰ، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م: ۴۵۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ سنن کبریٰ، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (م: ۳۰۳ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ

⇐ سنن نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی (م: ۳۰۳ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ

⇐ سوانح کربلا، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م: 1948ء)، مکتبۃ المدینۃ

⇐ سیر أعلام النبلاء، شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (م: ۷۴۸ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ

⇐ سیرتِ ابن اسحاق، محمد بن اسحاق مطلبی مدنی، (م: ۱۵۱ھ)، دار الفکر

⇐ السیرۃ النبویۃ، جمال الدین ابو محمد عبد الملک بن ہشام بصری (م: ۲۱۳ھ)، مصطفی البابی مصر

⇐ شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (م: ۱۱۲۲ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ شرح السنۃ، ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (م: ۵۱۶ھ)، المکتب الإسلامی

⇐ شرح مصابیح السنۃ، محمد بن عز الدین کرمانی حنفی المشہور ابن الملک (م: ۸۵۴ھ)، ادارۃ الثقافۃ الاسلامیۃ

⇐ شرح معانی الآثار، ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی (م: ۳۲۱ھ)، عالَم الکتب

⇐ شعب الإیمان، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م: ۴۵۸ھ)، مکتبۃ الرشد

⇐ الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی، ابو الفضل قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبی (م: ۵۴۴ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ الشمائل المحمدیۃ والخصائل المصطفویۃ، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م: ۲۷۹ھ)، المکتبۃ التجاریۃ مصطفیٰ احمد الباز

⇐ صحیح ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی (م: ۳۵۴ھ)، دار ابن حزم

⇐ صحیح ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن اسحاق سلمی (م: ۳۱۱ھ)، المکتب الإسلامی

⇐ صحیح مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج قشیری (م:۲۶۱ھ)، دار احیاء التراث العربی
⇐ صراط الجنان فی تفسیر القرآن، مفتی محمد قاسم عطاری (پ:1977ء)، مکتبۃ المدینہ
⇐ الصمت وآداب اللسان، ابو محمد عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا بغدادی قرشی (م:۲۸۱)، دار الکتاب العربی
⇐ ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری (م:1998ء)، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
⇐ الطبقات الکبرٰی [لواقح الأنوار القدسیة فی مناقب العلماء والصوفیة]، ابو المواہب عبد الوہاب بن احمد شعرانی (م:۹۷۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ الطبقات الکبرٰی، مؤرّخِ شہیر محمد بن سعد ہاشمی (م:۲۳۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ العقد الفرید، ابو عمر شہاب الدین احمد بن محمد اندلسی المعروف ابن عبد ربہ (م:۳۲۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (م:۸۵۵ھ)، دار احیاء التراث العربی
⇐ عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، فتح الدین ابو الفتح محمد یعمری (م:۷۳۴ھ)، دار القلم
⇐ عیون الأخبار، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ دینوری (م:۲۷۶)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ عیون الحکایات، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی (م:۵۹۷ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ غرائب القرآن ورغائب الفرقان [تفسیر نیشاپوری]، نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری (م:۸۵۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ الفتاوی الحدیثیّۃ، شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد ہیتمی (م:۹۷۴ھ)، دار الفکر
⇐ فتاوٰی امجدیّہ، صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (م:۱۳۶۷ھ / 1948ء)، دار العلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ
⇐ فتاوٰی اہلِ سنت (احکامِ زکوٰۃ)، مجلسِ افتاء دعوتِ اسلامی، مکتبۃ المدینہ
⇐ فتاوٰی تاج الشریعۃ، تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان بریلوی (م:2018ء)، مرکز الدراسات الاسلامیۃ جامعۃ الرضا
⇐ فتاوٰی رضویہ، امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی (م:1921ء)، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ
⇐ فتاوٰی شارح بخاری، فقیہِ اعظم مفتی محمد شریف الحق امجدی (م:2000ء)، دائرۃ البرکات کریم الدین پور، گھوسی ضلع مئو
⇐ فتح الباری شرح صحیح البخاری، زین الدین عبد الرحمٰن ابن رجب سَلامی (م:۷۹۵ھ)، مکتبۃ الغرباء الأثریۃ
⇐ فتح الباری شرح صحیح البخاری، شہاب الدین ابو الفضل احمد ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ)، دار المعرفۃ
⇐ فتح الرحمٰن بکشف ما یلتبس فی القرآن، زین الدین ابو یحییٰ زکریا بن محمد سنیکی (م:۹۲۷ھ)، دار القرآن الکریم
⇐ فتوح الشام، ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی (م:۲۰۷ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ فتوح مصر والمغرب، ابو القاسم عبد الرحمٰن مصری (م:۲۵۷ھ)، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ
⇐ فضائل أبي بکر الصدیق، ابو طالب محمد بن علی حنبلی عشاری (م:۴۵۱ھ)، دار الصحابہ للتراث
⇐ فضائل الأوقات، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ)، مکتبۃ المنارۃ
⇐ فضائل الصحابۃ، امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (م:۲۴۱ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ فضائل القرآن، ابو عبید قاسم بن سلام ہروی بغدادی (م:۲۲۴ھ)، دار ابن کثیر
⇐ فضل شهر رمضان، ثقۃ الدین ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر (م:۵۷۱ھ)، دار ابن حزم
⇐ فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، حاجی محمد مرید احمد چشتی (م:2014ء)، انجمن قمر الإسلام سلیمانیہ
⇐ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، زین الدین محمد عبد الرؤوف مناوی (م:۱۰۳۱ھ)، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ
⇐ قضاء الحوائج، ابو محمد عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا بغدادی قرشی (م:۲۸۱ھ)، مکتبۃ القرآن
⇐ قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، شیخ ابو طالب محمد بن علی حارثی مکی، (م:۳۸۶ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ کتاب التوابین، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ ابن قدامۃ مقدسی حنبلی (م:۶۲۰ھ)، دار ابن حزم
⇐ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن [تفسیر ثعلبی]، ابو اسحاق احمد بن محمد ثعلبی (م:۴۲۷ھ)، دار احیاء التراث العربی
⇐ کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، علاء الدین علی بن حسام الدین ہندی (م:۹۷۵ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ الکوکب الوهّاج والرّوض البهّاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، محمد امین ہرری شافعی (م:2019ء)، دار المنہاج
⇐ الکامل فی التاریخ [تاریخ ابن اثیر]، عز الدین ابو الحسن علی جزری (م:۶۳۰ھ)، دار الکتاب العربی
⇐ کشف المحجوب (فارسی)، فیضِ عالم سید علی بن عثمان ہجویری (م:۴۶۵ھ)، سنگِ میل پبلی کیشنز
⇐ کفایۃ الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجۃ [حاشیۂ سندھی علی سنن ابن ماجہ]، نور الدین ابو الحسن محمد بن عبد الہادی سندی (م:۱۱۳۸ھ)، دار الجیل
⇐ کلیاتِ اقبال، شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمد اقبال (م:1938ء)، مکتبہ جمال
⇐ لباب التأویل فی معانی التنزیل [تفسیر خازن]، علاء الدین ابو الحسن علی بن محمد خازن (م:۷۴۱ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ اللباب فی تہذیب الأنساب، عز الدین محمد بن احمد ابن الاثیر جزری (م:۶۳۰ھ)، دار صادر
⇐ لطائف المعارف فیما لمواسم العامّ من الوظائف، زین الدین عبد الرحمٰن ابن رجب حنبلی (م:۷۹۵ھ)، المکتب الاسلامی
⇐ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، شیخ محقق ابو المجد عبد الحق محدثِ دہلوی (م:۱۰۵۲ھ)، دار النوادر

⇐ المجالسة وجواهر العلم، ابو بکر احمد بن مروان دینوری مالکی، (م:۳۳۳ھ)، دار ابن حزم
⇐ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، نور الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر ہیثمی (م:۸۰۷ھ)، مکتبۃ القدسی
⇐ المجموع شرح المهذب، محی الدین یحییٰ بن شرف نووی (م:۶۷۶ھ)، إدارۃ الطباعۃ المنیریۃ
⇐ مختصر تاریخ دمشق، جمال الدین ابو الفضل محمد بن مکرّم الافریقی، (م:۷۱۱ھ)، دار الفکر
⇐ المدخل للشیخ ابن الحاج، ابو عبد اللہ محمد بن محمد ابن الحاج المالکی (م:۷۳۷ھ)، دار التراث
⇐ مرآۃ الزمان فی تواریخ الأعیان، شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزاوغلی سبط ابن جوزی (م:۶۵۳ھ)، دار الرسالۃ العالمیۃ
⇐ مرآۃ العاشقین (فارسی)، شمس العارفین محمد شمس الدین سیالوی (م:۱۳۰۰ھ) مطبع مصطفائی
⇐ مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی (م:1971ء)، الکبیر پبلیکیشنز
⇐ مرشد ذوی الحجا والحاجة إلی سنن ابن ماجة، محمد امین بن عبد اللہ ہَرَری شافعی (م:2019ھ)، دار المنہاج
⇐ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ابو الحسن نور الدین علی بن سلطان محمد قاری (م:۱۰۱۴ھ)، دار الفکر
⇐ مروّجہ نعت خوانی کی شرعی حیثیت، مفتی محمد اکمل قادری (پ:1979ء)، مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان
⇐ مستخرج أبي عوانة، ابو عوانۃ یعقوب بن اسحاق نیشاپوری اسفرائینی (م:۳۱۶ھ)، دار المعرفۃ
⇐ المستدرك علی الصحیحین، الحاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیشاپوری (م:۴۰۵ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ مسند أبي یعلی الموصلی، حافظ احمد بن علی تمیمی (م:۳۰۷ھ)، دار الحدیث، قاہرہ
⇐ مسند الإمام أحمد بن حنبل، امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (م:۲۴۱ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ
⇐ مسند الإمام الأعظم، ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت (م:۱۵۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ مسند البزار [البحر الزخار]، ابو بکر احمد بن عمرو بزار (م:۲۹۲ھ)، مکتبۃ العلوم والحکم
⇐ مسند الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی (م:۲۵۵ھ)، دار المغنی
⇐ مشکوٰۃ المصابیح، ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیبِ تبریزی (م:۷۴۱ھ)، مکتبۃ البشریٰ
⇐ المصاحف، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م:۲۷۵ھ)، الفاروق الحدیثیۃ للطباعۃ والنشر
⇐ مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه، ابو العباس شہاب الدین احمد البوصیری (م:۸۴۰ھ)، دار العربیۃ
⇐ مِصباح الظَّلام فی المُستَغِیثِین بِخَیرِ الأَنام فی الیَقَظَةِ والمَنام، ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ مراکشی (م:۶۸۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ
⇐ مصنف ابن ابی شیبة، امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد ابنِ ابی شیبہ کوفی (م:۲۳۵ھ)، مکتبۃ العلوم والحکم

⇐ المصنف، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی (م: ۲۱۱ھ)، المجلس العلمی

⇐ مَطْلَعُ الْقَمَرَيْنِ فِيْ إِبَانَةِ سُبْقَةِ الْعُمَرَيْنِ، امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی (م: 1921ء)، مکتبہ بہارِ شریعت

⇐ معالم التنزيل فی تفسير القرآن [تفسیرِ بغوی]، محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (م: ۵۱۶ھ)، دار طیبہ

⇐ المعجم الأوسط، ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (م: ۳۶۰ھ)، دار الحرمین، قاہرہ

⇐ المعجم الكبير، ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (م: ۳۶۰ھ)، مکتبۃ ابن تیمیہ

⇐ معجم شيوخ ابن الأعرابی، امام ابو سعید احمد بن محمد ابن الاعرابی (م: ۳۴۱ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ معرفة الصحابة، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی (م: ۴۳۰ھ)، دار الوطن

⇐ المغازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی (م: ۲۰۷ھ)، دار الأعلمی

⇐ مفاتيح الغيب [تفسیر کبیر]، فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ رازی (م: ۶۰۶ھ)، دار احیاء التراث العربی

⇐ المفاتيح فی شرح المصابيح، مظہر الدین حسین بن محمود زیدانی (م: ۷۲۷ھ)، إدارۃ الثقافۃ الإسلامیۃ

⇐ المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، ابو العباس احمد بن عمر قرطبی (م: ۶۵۶ھ)، دار ابن کثیر

⇐ مكارم الأخلاق، ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (م: ۳۶۰ھ)، دار الکتب العلمیۃ

⇐ مكارم الأخلاق، ابو محمد عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا بغدادی قرشی (م: ۲۸۱ھ)، مکتبۃ القرآن

⇐ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، مفتیٔ اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان (م: 1981ء) مکتبۃ المدینہ

⇐ منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر، نور الدین علی بن سلطان محمد قاری (م: ۱۰۱۴ھ)، دار البشائر الإسلامیۃ

⇐ منهاج العابدين إلى جنّة ربّ العالمين، امام ابو حامد محمد غزالی (م: ۵۰۵ھ)، مکتبۃ المدینۃ

⇐ المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج (شرحِ نووی علی مسلم)، محی الدین یحییٰ بن شرف نووی (م: ۶۷۶ھ)، دار احیاء التراث

⇐ المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ابو العباس احمد بن محمد قسطلانی (م: ۹۲۳ھ)، المکتبۃ التوقیفیۃ قاہرہ

⇐ المؤتَلِف والمختَلِف، ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی (م: ۳۸۵ھ)، دار الغرب الإسلامی

⇐ الموطأ للإمام مالك، امام دار الہجرہ مالک بن انس اصبحی (م: ۱۷۹ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ

⇐ مؤنس الأرواح، جہاں آرا بیگم (م: 1681ء)، شاہ ابو الخیر اکیڈمی

⇐ ناموسِ رسالت کے سات شہید، ایڈووکیٹ رائے محمد کمال، جہانگیر بک ڈپو

⇐ نزهة القاری شرح صحيح البخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی (م: 2000ء)، فرید بک سٹال

⇐ نهاية الأرب فی فنون الأدب، شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب نویری (م:۷۳۳ھ)، دار الکتب والوثائق القومیۃ
⇐ نوادر الأصول فی أحادیث الرسول ﷺ، ابو عبد اللہ محمد بن علی حکیم ترمذی (م:۳۲۰ھ)، دار الجیل
⇐ نور العرفان، حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی (م:1971ء)، پیر بھائی کمپنی
⇐ وفیات الأعیان وأنباء أبناء الزمان، ابو العباس احمد بن محمد اربلی (م:۶۸۱ھ)، دار صادر
⇐ وقار الفتاوٰی، مفتی محمد وقار الدین قادری (م:۱۴۱۳ھ)، بزم وقار الدین

مجّلات واخبارات

⇐ مجلہ النظامیہ، مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان
⇐ مجلہ ہلال [افواجِ پاکستان کا مجلہ]، ہلال پبلی کیشنز
⇐ المجویر دائرۃ المعارف (اِشاعتِ خاص مجلّہ معارفِ اولیاء)، محکمہ اوقاف ومذہبی اُمور پنجاب

تعارفِ نظامیہ و خطباتِ نظامیہ

جامعہ نظامیہ رضویہ کا آغاز شارحِ بخاری شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ / مئی 1956ء کو کیا۔ اُن کے فیصل آباد تشریف لے جانے کے سبب شعبان المعظّم ۱۳۸۲ھ / جنوری 1963ء کو مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ ناظمِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ 26 اگست 2003ء کو اُن کے وصال کے بعد سے جانشینِ مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی مدظلہٗ ناظمِ اعلیٰ ہیں۔

جامعہ نظامیہ رضویہ سے ہزاروں مفتیانِ عظام، علمائے ذوی الاحتشام، قرّائے ذی شان اور حفّاظِ کرام فراغت حاصل کر کے دُنیا بھر میں مختلف مناصب پر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، فاضلات کی تعداد بھی حوصلہ افزا ہے۔ نیز اِس وقت جامعہ اور اُس کی تقریباً 45 برانچز میں 8000 کے قریب طلبہ اور طالبات علمِ دین حاصل کر رہے ہیں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے 1994ء میں مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، جس کے بنیادی مقاصد میں ابنائے نظامیہ کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ عوام و خواص کے عقائد کا تحفّظ اور فکرِ رضا کی ترویج و اِشاعت بھی تھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان کے زیرِ اہتمام متعدد علمی و فکری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ دسمبر 2019ء سے تاحال بلا تعطل علمی و تحقیقی خطبۂ نظامیہ بھی نشر کیا جاتا ہے، اب تک 300 سے زائد خطبات نشر ہو چکے ہیں۔ احباب کے اِصرار پر 1444ھ، 1445ھ کے خطبات کی اِشاعت کے بعد اب 1446ھ میں نشر ہونے والے 52 خطباتِ نظامیہ نظرِ ثانی اور دیگر مراحل طے کرنے کے بعد کتابی صورت میں شائع کیے گئے ہیں۔